وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

صحیح البخاری

مؤلفہ

امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ

ترجمہ

حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ

شرح

مرکزی ٹیم

جلد دوازدہم

اسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز لمیٹڈ

ISLAM INTERNATIONAL PUBLICATIONS LTD

صحیح بخاری

اردو ترجمہ از حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ

شرح از مرکزی ٹیم

(جلد دوازدہم)

Sahih Bukhari

with Urdu Translation and Commentary – Volume 12

First edition published in Eleven Parts (1–11)
First two parts published by Nazarat Taleef-o-Tasneef Qadian in 1930s.
Part 3–15 published by Idaratul-Musannifeen Rabwah between 1960–1976.

Second revised edition (with new typesetting), Volumes (1–11)
First 11 Volumes published, 2005–2017
Reprinted in Qadian, India 2006, 2016
Reprinted in Turkey, 2019

Present edition (Volume 12-16) printed in Turkey, 2023
with Urdu translation By Hazrat Syed Zainul-Abideen Waliyyullah Shah
& commentary by central committee

© **Islam International Publications Ltd.**

Published by:
Islam International Publications Ltd
Unit 3, Bourne Mill Business Park,
Guildford Road, Farnham, Surrey UK, GU9 9PS

Printed in Turkey at:
Levent Offset

For further information, please visit www.alislam.org

ISBN: 978-1-84880-206-3 (Set Vol. 12-16)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ (الحشر:۸)

(ترجمہ: اور رسول جو تمہیں عطا کرے تو اسے لے لو اور جس سے تمہیں روکے اُس سے رُک جاؤ۔)

حضرت نبی کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کل انسانیت کے لئے اسوہ حسنہ ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل واحسان ہے کہ اس نے محدثین کے ذریعہ ہمارے پاک نبی ﷺ کے اقوال کو جمع کرنے اور ان کی تدوین واشاعت کے اسباب بھی پیدا فرمائے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک موقع پر فرمایا کہ ”قرآن شریف کی اور احادیث کی جو پیغمبر خدا سے ثابت ہیں اِتّباع کریں۔ ضعیف سے ضعیف حدیث بھی بشرطیکہ وہ قرآن شریف کے مخالف نہ ہو ہم واجب العمل سمجھتے ہیں اور بخاری اور مسلم کو بعد کتاب اللہ اصح الکتب مانتے ہیں۔“ (ملفوظات جلد ۴ صفحہ ۱۰۸،۱۰۷)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے ارشاد پر حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب رضی اللہ عنہ نے صحیح بخاری کے ترجمہ وشرح کے کام کو شروع کیا۔ آپ کی وفات کے بعد یہ پراجیکٹ ادارۃ المصنفین اور پھر نظارت اشاعت کے زیر انتظام جاری رہا۔ سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی ہدایت پر 'صحیح البخاری۔ ترجمہ و شرح' کی گیارہ جلدوں کی انگلستان سے طباعت ہو چکی ہے اور اب بقیہ جلد بارہ تا سولہ کی طباعت کی جارہی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضرت رسول کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ اور پاک تعلیمات کے مطابق اپنی زندگیوں کو سنوارنے کی توفیق عطا کرے۔ آمین

منیر الدین شمس

ایڈیشنل وکیل التصنیف

جنوری ۲۰۲۳ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعارف

محض اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان اور اُس کی دی ہوئی توفیق سے صحیح بخاری کی بارھویں جلد مکمل ہو کر طبع ہوگئی ہے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

یہ جلد کتاب التفسیر سورۃ الزمر تا سورۃ الناس اور کتاب فضائل القرآن پر مشتمل ہے۔ امام بخاری نے کتاب التفسیر میں قرآن کریم کی سورتوں کے متداول ناموں سے مختلف نام بیان کئے ہیں۔ بخاری کے جس متن کو ہم نے بنیاد بنایا ہے اُس میں سورتوں کے جو نام جس طرح درج ہیں اُسی طرح دیئے گئے ہیں کیونکہ ہم بخاری کے متن میں تبدیلی کے مجاز نہیں۔ تاہم ہم نے جہاں جہاں مختلف سورتوں کی آیات ترجمہ و تشریح میں دی ہیں اُن کے حوالہ جات قرآن کریم کے معروف اور رائج متن کے مطابق ہی دیئے گئے ہیں۔ بخاری کے اس حصہ کا ترجمہ حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب رضی اللہ عنہ کا ہے جبکہ تشریح مرکزی ٹیم کی معاونت سے تیار کی گئی ہے۔ اس شرح کے شروع کرنے سے پہلے سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمتِ اقدس میں دعا اور رہنمائی کی درخواست کی گئی اور بلاشبہ ہماری ساری مساعی اللہ تعالیٰ کے فضل اور حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی رہنمائی اور دعاؤں کے طفیل ہے۔ وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

اس تشریح میں جماعت احمدیہ کے علمِ کلام، فقہ و دیگر علوم کو موجودہ دَور کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرتے ہوئے اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ قرآنِ کریم اور احادیثِ صحیحہ کی روشنی نہ صرف آج کے انسان بلکہ آئندہ صدیوں کے انسانوں کے لیے بھی مشعلِ راہ اور مینارۂ نور بنے۔ بالخصوص جبکہ خلافتِ احمدیہ کی بابرکت اور مقدس قیادت میں نشأۃِ اسلامیہ کے اس دَور میں اسلام کا نفوذ دیگر اقوامِ عالم میں بڑی تیزی سے ہو رہا ہے اور قوموں کی قومیں اس چشمہ سے فیضیاب ہونے کے لیے کشاں کشاں دوڑی آرہی ہیں۔ ان کی سیرابی

اور تشنگی کا اس رنگ میں انتظام کیا گیا ہے کہ اسلام کی حقیقی روشنی ان کے نورِ قلب کو افروزتر کرتے ہوئے اسلام کی سچی اور حقیقی تصویر کو اکنافِ عالم میں پھیلانے کا ذریعہ بنے۔ اس لیے بطور خاص یہ سعی کی گئی ہے کہ تشریح کا بڑا اور مرکزی حصہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام، خلفاءِ سلسلہ اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے رضی اللہ عنہ کی مقدس تحریرات سے لیا گیا ہے۔ نیز حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب رضی اللہ عنہ کی گذشتہ تشریحات میں سے بعض حصوں کا انتخاب و دیگر شروحاتِ بخاری، لغات و دیگر علمی ذخیرہ سے استفادہ کیا گیا ہے۔ کتابیات میں تفصیلی فہرست سے اس امر کا اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ معاونت کرنے والے تمام احباب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

٦٥- كِتَابُ التَّفْسِيرِ

﴿۳۹- سُورَةُ الزُّمَرِ﴾ ۱

بَاب ۱: يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ .... اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جان پر (گناہ کر کے) ظلم کیا ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو ۵

بَاب ۲: وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ .... اور اُن لوگوں نے اللہ کی صفات کا صحیح اندازہ نہیں لگایا ۸

بَاب۳: وَ الْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ .... اور زمین سب کی سب اس کی مملوکہ ہے اور آسمان (اور زمین دونوں) قیامت کے دن اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے ۹

بَاب ٤: وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ .... اور بگل میں پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی ہے اس پر ایک بے ہوشی طاری ہو جائے گی ۱۱

﴿٤٠- سُورَةُ الْمُؤْمِنِ﴾ ۱۵

﴿٤١- سُورَةُ حٰمٓ السَّجْدَةِ﴾ ۲۰

بَاب ۱: وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ .... اور تم ایسے نہیں ہو کہ اس سے پوشیدہ رہو کہ تمہارے برخلاف تمہارے کان گواہی دیں ۲۸

بَاب ۲: وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ ... اور یہی وہ بدظنی تھی جو تم نے اپنے ربّ کے متعلق کی جس نے تم کو ہلاک کر دیا ۲۹

قَوْلُهٗ فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ .... اللہ تعالیٰ کا فرمانا: اگر وہ صبر بھی کریں تو پھر بھی آگ ہی اُن کا ٹھکانہ ہے ۳۰

﴿۴۲۔ سُوْرَةُ حٰمٓ عٓسٓقٓ﴾ ۴۳

بَاب ۱: اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى .... سوائے اس محبت کے جو اپنے قریب ترین رشتہ داروں سے کی جاتی ہے ۴۳

﴿۴۳۔ سُوْرَةُ حٰمٓ الزُّخْرُفِ﴾ ۴۷

بَاب ۱: وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ .... اور وہ پکاریں گے کہ اے مالک! (یعنی افسرِ دوزخ) تیرے ربّ کو چاہیئے کہ ہمیں موت دے دے ۴۳

بَاب ۲: اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ .... کیا ہم تمہارے سامنے ذکر (یعنی کتاب) کا بیان کرنا صرف اس لئے چھوڑ دیں کہ تم حد سے بڑھی ہوئی قوم ہو ۴۵

﴿۴۴۔ سُوْرَةُ حٰمٓ الدُّخَانِ﴾ ۴۸

بَاب ۱: فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ .... پس تُو اُس دن کا انتظار کر جس دن آسمان پر ایک کھلا کھلا دُھواں ظاہر ہوگا ۴۸

بَاب ۲: يَغْشَى النَّاسَ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ .... جو لوگوں کو ڈھانپ لے گا، یہ بہت ہی دردناک عذاب ہوگا ۴۹

بَاب ۳: رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ .... اے ہمارے ربّ! ہم سے عذاب ہٹا، ہم ایمان لانے والے ہیں ۵۳

بَاب ۴: اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ .... ان کو نصیحت کہاں حالانکہ ان کے پاس ایسا رسول آیا ہے جو کھول کر بیان کرتا ہے ۵۴

بَاب ۵: ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ .... اور اس سے پیٹھ پھیر کر چلے گئے اور کہنے لگے: یہ کسی کا سکھایا ہوا پاگل ہے ۵۶

بَاب ۶: يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ .... جس دن ہم بڑی گرفت میں تم کو لے آئیں گے (تم پر کُھل جائے گا کہ) ہم انتقام لینے پر قادر ہیں ... ۵۷

﴿۴۵۔ سُوْرَةُ الْجَاثِيَةِ﴾ ۶۱

بَاب: وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ .... اور زمانہ ہی ہمیں (اپنے اثر سے) ہلاک کرتا ہے ۶۲

﴿٤٦۔ سُوْرَةُ الْأَحْقَافِ﴾ ۶۴

بَاب ١: وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَاۤ اَتَعِدٰنِنِیْۤ اَنْ اُخْرَجَ .... اور وہ جس نے اپنے والدین سے کہا: تم پر تف، کیا تم مجھے دھمکاتے ہو کہ میں دوبارہ (زمین سے) پیدا کیا جاؤں گا ۶۶

بَاب ٢: فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِیَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا .... جب انہوں نے بادل کو اپنی وادیوں کی طرف آتے دیکھا تو انہوں نے کہا: یہ بادل (آرہا) ہے جو ہم پر برسے گا ۶۸

﴿٤٧۔ سُوْرَةُ مُحَمَّدٍ﴾ ۷۱

بَاب ١: وَتُقَطِّعُوْۤا اَرْحَامَكُمْ .... اور تم اپنے رشتہ داروں سے قطع تعلق کرتے ہو ۷۳

﴿٤٨۔ سُوْرَةُ الْفَتْحِ﴾ ۷۷

بَاب ١: اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًا .... ہم نے تم کو ایک کھلی کھلی فتح بخشی ہے ۷۹

بَاب ٢: لِیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ .... تا کہ جو کوتاہی تیرے متعلق پہلے ہو چکی ہے اور جو بعد میں ہونے کو ہے اس پر پردہ پوشی کر کے تم سے اس کے اثر کو ملیا میٹ کر دے ۸۲

بَاب ٣: اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا .... ہم نے تجھے گواہ اور بشارت دینے والا اور ہوشیار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے ۸۵

بَاب ٤: هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ .... وہی ہے جس نے اطمینان کی حالت نازل کی ۸۷

بَاب ٥: اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ .... جب وہ درخت کے نیچے تیری بیعت کر رہے تھے ۸۸

﴿٤٩۔ سُوْرَةُ الْحُجُرٰتِ﴾ ۹۳

بَاب ١: لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ .... نبی کی آواز سے اپنی آواز اُونچی نہ کیا کرو ۹۵

بَاب ٢: اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ .... وہ لوگ جو تجھے ان حجروں کے باہر سے بلاتے ہیں ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے ۹۷

بَاب: وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ .... اور اگر وہ اس وقت تک صبر کرتے کہ تُو خود اُن کے پاس باہر جاتا تو یہ اُن کے لئے بہتر ہوتا ۹۸

﴿ ٥٠۔ سُورَةُ قٓ ﴾ ۱۰۲

بَاب ۱ : وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ .... اور وہ (یعنی جہنم) کہے گی کہ کیا کچھ اور بھی ہے ... ۱۰۵

بَاب ۲ : وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ .... سورج نکلنے سے پہلے اور ڈوبنے سے پہلے تو اپنے ربّ کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کر ۱۱۲

﴿ ٥١۔ سُورَةُ وَالذّٰرِيٰتِ ﴾ ۱۱۵

﴿ ٥٢۔ سُورَةُ وَالطُّوْرِ ﴾ ۱۲۱

بَاب ۱ : ۱۲۳

﴿ ٥٣۔ سُورَةُ وَالنَّجْمِ ﴾ ۱۲۵

بَاب ۱ : ۱۲۹

بَاب : فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى .... اور وہ دونوں دو کمانوں کے متحدہ وتر کی شکل میں تبدیل ہو گئے اور ہوتے ہوتے اس سے بھی زیادہ قرب کی صورت اختیار کر لی ۱۳۲

بَاب : فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى .... پس اس نے اپنے بندے کی طرف وہی وحی نازل کی جس کا وہ فیصلہ کر چکا تھا ۱۳۴

بَاب : لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى .... اس وقت اس نے اپنے ربّ کی بڑی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی دیکھی ۱۳۵

بَاب ۲ : اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى .... کیا تم نے لات اور عزیٰ کو دیکھا ۱۳۶

بَاب ۳ : وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى .... ایک اور مناۃ ہے تیسری ۱۳۷

بَاب ٤ : فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا .... اللہ ہی کو تم سجدہ کرو اور اسی کی عبادت کرو ۱۴۳

﴿ ٥٤۔ سُورَةُ اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ ﴾ ۱۴۵

بَاب ۱ : وَانْشَقَّ الْقَمَرُ .... اور چاند پھٹ گیا ہے ۱۴۶

بَاب ۲ : تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ .... وہ (کشتی) ہماری آنکھوں کے سامنے چلتی تھی یہ جزا اُس شخص کی وجہ سے تھی جس کی ناقدری کی گئی ۱۵۳

بَاب: وَ لَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ...... ہم نے قرآن کو یاد کرنے کے لئے آسان کر دیا، کیا کوئی یاد کرنے والا ہے ۱۵۶

بَاب: اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ...... کھجور کے ایسے تنے ہیں جن کے اندر کا گودا کھایا ہوا تھا ۱۵۶

بَاب ۳: فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ...... وہ جلی ہوئی باڑ کے بوسیدہ کوڑا کرکٹ کی طرح ہو گئے ۱۵۷

بَاب ٤: وَ لَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ...... صبح سویرے ہی ایک دائمی عذاب نے اُن کو آن گھیرا ۱۵۷

وَ لَقَدْ اَهْلَكْنَاۤ اَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ...... اور ہم تمہارے جیسے لوگوں کو پہلے بھی ہلاک کر چکے ہیں اور کیا (اس بات کو جان کر) کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟ ۱۵۸

بَاب ۵: قَوْلُهُ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ يُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ...... اللہ تعالیٰ کا فرمانا: اُن کی جماعت کو عنقریب شکست دی جائے گی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے ۱۵۹

بَاب ٦: قَوْلُهُ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَ السَّاعَةُ اَدْهٰى وَ اَمَرُّ ...... اللہ تعالیٰ کا فرمانا: بلکہ وہ گھڑی ان کے لئے مقررہ میعاد ہے اور وہ گھڑی نہایت ہی مصیبت ڈھانے والی اور نہایت تلخ ہوگی ۱۶۱

﴿۵۵۔ سُوْرَةُ الرَّحْمٰنِ﴾ ۱۶۴

بَاب ۱: وَ مِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ...... اور ان دو کے سوا دو اَور جنتیں ہیں ۱۷۱

بَاب ۲: حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ ...... وہ عورتیں کالی آنکھوں والی ہوں گی (اور) خیموں کے اندر رکھی گئی ہوں گی ۱۷۵

﴿۵٦۔ سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ﴾ ۱۷۷

بَاب ۱: وَ ظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ...... اور ایسی چھاؤں میں جو بہت لمبی ہوگی ۱۸۲

﴿۵۷۔ سُوْرَةُ الْحَدِيْدِ﴾ ۱۸۶

﴿۵۸۔ سُوْرَةُ الْمُجَادَلَةِ﴾ ۱۹۱

﴿٥٩۔ سُورَةُ الْحَشْرِ﴾ ۱۹۳

بَاب ۱: ۱۹۳

بَاب ۲: مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ .... جو کھجوروں کے درخت تم نے کاٹے ۱۹۴

بَاب ۳: قَوْلُهُ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ .... جو اللہ نے اپنے رسول کو بغیر کسی قسم کی مشقت کے عطا کیا ۱۹۵

بَاب ٤: وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ .... جو رسول تم کو دے اس پر عمل کرو ۱۹۶

بَاب ٥: وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ .... اور جو مدینہ میں پہلے سے رہتے تھے اور ایمان قبول کر چکے تھے ۱۹۸

بَاب ٦: وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ .... اور وہ اپنے نفسوں پر دوسروں کو مقدم کرتے ہیں ۲۰۱

﴿٦٠۔ سُورَةُ الْمُمْتَحِنَةِ﴾ ۲۰۶

بَاب ۱: لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ .... تم میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ ۲۰۸

بَاب ۲: اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ .... جب مومن عورتیں تمہارے پاس ہجرت کر کے آئیں ۲۱۳

بَاب ۳: اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ .... جب مؤمن عورتیں تیرے پاس تجھ سے بیعت کرنے آئیں ۲۱۵

﴿٦١۔ سُورَةُ الصَّفِّ﴾ ۲۲۰

بَاب ۱: يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ .... میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہوگا ۲۲۴

﴿٦٢۔ سُورَةُ الْجُمُعَةِ﴾ ۲۲۶

بَاب ۱: قَوْلُهُ وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ .... اللہ تعالیٰ کا فرمانا: اور ان میں سے کچھ اور ہیں جو ابھی ان سے نہیں ملے ۲۲۶

بَاب ۲: وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوًا .... اور جب وہ کسی تجارت یا تماشہ کو دیکھتے ہیں ۲۳۱

﴿٦٣۔ سُورَةُ الْمُنَافِقِيْنَ﴾ ۲۳۵

بَاب ۱: قَوْلُهُ اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اللہ تعالیٰ کا فرمانا: جب تیرے پاس منافق آتے ۲۳۵

اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ	ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم قسم کھا کر گواہی دیتے ہیں کہ تُو اللہ کا رسول ہے	
بَاب ۲: اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً	انہوں نے اپنی قسموں کو (تیری گرفت سے بچنے کے لیے) ڈھال بنالیا ہے	۲۳۷
بَاب۳: قَوْلُهٗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ	اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا: یہ اس لئے کہ وہ ایمان لائے پھر انہوں نے کفر کیا تو اُن کے دلوں پر مہر لگادی گئی اور وہ کچھ نہیں سمجھتے	۲۳۹
بَاب: وَ اِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ	جب تو اُن کو دیکھتا ہے اُن کے جسم تجھے اچھے معلوم ہوتے ہیں	۲۴۱
بَاب ٤: قَوْلُهٗ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ	اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا: اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ آؤ! اللہ کا رسول تمہارے لیے استغفار کرے تو وہ اپنے سر (تکبر اور انکار سے) پھیر لیتے ہیں...	۲۴۲
بَاب٥: قَوْلُهٗ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ	اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا: ان کے نزدیک یکساں ہے کہ تُو ان کے لئے مغفرت کی دعا کرے یا ان کے لئے مغفرت کی دعا نہ کرے، اللہ ان کی ہرگز مغفرت نہیں کرے گا	۲۴۴
بَاب٦: قَوْلُهٗ هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا	اللہ تعالیٰ کا فرمانا: یہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ کے پاس جو ہیں انہیں خرچ مت دو تاکہ وہ بکھر جائیں	۲۴۵
بَاب: وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ	اور اللہ ہی کے لئے زمین و آسمان کے خزانے ہیں لیکن منافق نہیں سمجھتے	۲۴۵
بَاب۷: يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ	وہ کہتے ہیں اگر ہم مدینہ کو لوٹے تو جو زیادہ معزز ہے وہ ذلیل کو وہاں سے ضرور نکال دے گا	۲۴۷
﴿٦٤۔ سُوْرَةُ التَّغَابُنِ﴾		۲۴۹
﴿٦٥۔ سُوْرَةُ الطَّلَاقِ﴾		۲۵۱
بَاب ۱:		۲۵۲

بَـــاب ۲: وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ	اور حمل والیاں، اُن کی میعاد یہ ہے کہ وہ اپنے حمل کو جنیں	۲۵۴
﴿٦٦۔ سُورَةُ التَّحْرِيمِ﴾		۲۵۸
بَاب ۱: يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ	اے نبی! جو اللہ نے تمہارے لئے جائز قرار دیا ہے وہ تم کیوں حرام قرار دیتے ہو	۲۵۸
بَاب ۲: تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ	تم اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہو	۲۶۴
بَاب ۳: وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا	اور یاد کرو جب نبی نے اپنی بیویوں میں سے کسی ایک سے ایک مخفی بات کہی	۲۶۸
بَاب ٤: اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا	اگر تم اللہ کی طرف رجوع کرلو تو تمہارے دل تو مائل ہو ہی چکے ہیں	۲۷۰
بَـــاب ٥: عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ	ہو سکتا ہے کہ اگر وہ تم کو طلاق دے دے تو اس کا ربّ تم سے بہتر بیویاں اس کو بدلہ میں دے ...	۲۷۲
﴿٦٧۔ سُورَةُ تَبَارَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ﴾		۲۷۴
﴿٦٨۔ سُورَةُ نٓ وَالْقَلَمِ﴾		۲۷۶
بَاب ۱: عُتُلٍّۢ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ	اَکھڑ، اس کے بعد مشتبہ النسل	۲۷۸
بَاب ۲: يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ	جس دن مصیبت کا وقت آجائے گا	۲۸۰
﴿٦٩۔ سُورَةُ الْحَاقَّةِ﴾		۲۸۵
﴿٧٠۔ سُورَةُ سَاَلَ سَائِلٌ﴾		۲۸۸
﴿٧١۔ سُورَةُ نُوحٍ﴾		۲۹۰
بَاب ۱: وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ	وڈ اور نہ سواع اور نہ یغوث اور یعوق	۲۹۳
﴿٧٢۔ سُورَةُ قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ﴾		۲۹۶
بَاب ۱:		۲۹۶
﴿٧٣۔ سُورَةُ الْمُزَّمِّلِ﴾		۳۱۰
﴿٧٤۔ سُورَةُ الْمُدَّثِّرِ﴾		۳۱۴
بَاب ۱:		۳۱۵

بَاب ۲: قُمْ فَاَنْذِرْ	اُٹھ اور خطرے سے آگاہ کر	۳۱۶
بَاب۳: قَوْلُهٗ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ	اللہ تعالیٰ کا فرمانا: اور اپنے ربّ کی بڑائی بیان کر	۳۱۷
بَاب ٤: وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ	اور اپنے پاس رہنے والے لوگوں کو پاک کر	۳۱۸
بَاب ٥: وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ	اور شرک کو مٹا ڈال	۳۱۹
﴿۷۵۔ سُوْرَةُ الْقِيَامَةِ﴾		۳۲۵
بَاب ۱: لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ	تو اس کے ساتھ اپنی زبان کو مت ہلا تا کہ اسے جلدی سے یاد کر لے	۳۲۵
بَاب: اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ	ہمارے ذمّہ ہی اس کا اکٹھا کرنا اور اس کی ترتیب دینا ہے	۳۲۷
بَاب ۲: فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ	پس جب ہم اسے پڑھ لیا کریں تو ہمارے پڑھنے کے بعد تو بھی پڑھ لیا کر	۳۳۰
﴿۷٦۔ سُوْرَةُ هَلْ أَتٰى عَلَى الْإِنْسَانِ﴾		۳۳۳
﴿۷۷۔ سُوْرَةُ وَالْمُرْسَلَاتِ﴾		۳۳۸
بَاب ۱:		۳۳۹
بَاب ۲: قَوْلُهٗ اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ	اللہ تعالیٰ کا فرمانا: بلکہ وہ اتنے اُونچے شعلے پھینکتا ہے جو قلعے کے برابر ہوتے ہیں	۳۴۱
بَاب۳: كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ	گویا کہ وہ ایسے ہیں جیسے زرد رنگ کے موٹے رسے	۳۴۲
بَاب ٤: هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ	یہ وہ دن ہے کہ وہ بات نہیں کریں گے	۳۴۳
﴿۷۸۔ سُوْرَةُ عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ﴾		۳۴۴
بَاب ۱: يَوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا	جس دن کہ صور میں پھونکا جائے گا پھر تم گروہ در گروہ (ہو کر ہمارے حضور میں) آ ؤ گے	۳۴۷
﴿۷۹۔ سُوْرَةُ وَالنّٰزِعٰتِ﴾		۳۵۰
بَاب ۱:		۳۵۲

﴿۸۰۔ سُورَۃُ عَبَسَ﴾ ۳۵۴

﴿۸۱۔ سُورَۃُ إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾ ۳۶۱

﴿۸۲۔ سُورَۃُ إِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ﴾ ۳۶۵

﴿۸۳۔ سُورَۃُ وَيْلٌ لِلْمُطَفِّفِينَ﴾ ۳۶۸

بَاب: يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ .... جس وقت (تمام) لوگ سب جہانوں کے ربّ (کا فیصلہ سننے) کے لیے کھڑے ہوں گے ۳۷۱

﴿۸۴۔ سُورَۃُ إِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ﴾ ۳۷۳

بَاب ۱: فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا .... عنقریب اس سے آسان حساب لیا جائے گا...... ۳۷۵

بَاب ۲: لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ .... تم درجہ بدرجہ ترقی کرتے چلے جاؤ گے.............. ۳۷۶

﴿۸۵۔ سُورَۃُ الْبُرُوْجِ﴾ ۳۷۸

﴿۸۶۔ سُورَۃُ الطَّارِقِ﴾ ۳۸۰

﴿۸۷۔ سُورَۃُ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى﴾ ۳۸۴

﴿۸۸۔ سُورَۃُ هَلْ أَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ﴾ ۳۸۷

﴿۸۹۔ سُورَۃُ وَالْفَجْرِ﴾ ۳۹۱

﴿۹۰۔ سُورَۃُ لَآ أُقْسِمُ﴾ ۳۹۴

﴿۹۱۔ سُورَۃُ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا﴾ ۳۹۸

﴿۹۲۔ سُورَۃُ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى﴾ ۴۰۳

بَاب ۱: وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلّٰى .... اور دن کو بھی (میں شہادت کے طور پر پیش کرتا ہوں) جب وہ خوب روشن ہو جائے......... ۴۰۳

بَاب ۲: وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثٰى .... اور نر اور مادہ کی پیدائش کو بھی (شہادت کے طور پر پیش کرتا ہوں) ۴۰۴

بَاب ۳: فَأَمَّا مَنْ أَعْطٰى وَاتَّقٰى .... پس جس نے (خدا کی راہ میں) دیا اور تقویٰ اختیار کیا ۴۰۶

بَاب: وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى .... اور نیک بات کی تصدیق کی ۴۰۷

بَاب ٤: فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى	اسے تو ہم ضرور آسانی (کے مواقع) بہم پہنچائیں گے	۴۰۸
بَاب ٥: وَ اَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَ اسْتَغْنٰى	اور ایسا (شخص) جس نے بخل سے کام لیا اور بے پروائی کا اظہار کیا	۴۰۸
بَاب ٦: وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى	اور نیک بات کو جھٹلایا	۴۰۹
بَاب ٧: فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى	اُسے ہم تکلیف (کا سامان) بہم پہنچائیں گے	۴۱۰
	﴿۹۳۔ سُوْرَةُ وَالضُّحٰى﴾	۴۱۴
بَاب ١: مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَ مَا قَلٰى	نہ تیرے ربّ نے تجھے ترک کیا ہے اور نہ تجھ سے ناراض ہوا ہے	۴۱۴
بَاب ٢: مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَ مَا قَلٰى	نہ تیرے ربّ نے تجھے ترک کیا ہے اور نہ تجھ سے ناراض ہوا ہے	۴۱۵
	﴿۹٤۔ سُوْرَةُ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ﴾	۴۱۷
	﴿۹۵۔ سُوْرَةُ وَالتِّيْنِ﴾	۴۲۰
بَاب ١:		۴۲۰
	﴿۹٦۔ سُوْرَةُ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ﴾	۴۲۳
بَاب ١:		۴۲۴
بَاب ٢: قَوْلُهٗ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ	اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا: (اور جس نے) انسان کو ایک خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا	۴۲۵
بَاب ٣: قَوْلُهٗ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ	اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا: پڑھ اور تیرا ربّ بڑا احسان کرنے والا ہے	۴۲۶
بَاب: الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ	وہ (ربّ) جس نے قلم کے ساتھ علم سکھایا	۴۲۷
بَاب ٤: كَلَّا لَىِٕنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ۬ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ	جس طرح وہ چاہتا ہے اس طرح نہیں ہوگا بلکہ اگر وہ (اپنے اس کام سے) باز نہ آیا تو ہم اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر زور سے گھسیٹیں گے	۴۲۸
	﴿۹۷۔ سُوْرَةُ اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ﴾	۴۵۰

﴿۹۸۔ سُورَةُ لَمْ يَكُنِ﴾ ۴۵۲

بَاب ۱ : ۴۵۲

بَاب ۲ : ۴۵۳

بَاب ۳ : ۴۵۳

﴿۹۹۔ سُورَةُ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا﴾ ۴۵۵

بَاب ۱ : قَوْلُهُ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ .... اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا: جس نے ذرہ بھر بھی نیکی کی وہ اس کو دیکھ لے گا ۴۵۵

بَاب ۲ : وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ .... جس نے ذرہ بھر بھی بدی کی وہ اس کو دیکھ لے گا... ۴۵۷

﴿۱۰۰۔ سُورَةُ وَالْعٰدِيٰتِ، وَالْقَارِعَة﴾ ۴۶۰

﴿۱۰۱۔ سُورَةُ الْقَارِعَة﴾ ۴۶۳

﴿۱۰۲۔ سُورَةُ اَلْهٰكُمُ﴾ ۴۶۵

﴿۱۰۳۔ سُورَةُ وَالْعَصْرِ﴾ ۴۶۶

﴿۱۰۴۔ سُورَةُ وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ﴾ ۴۶۷

﴿۱۰۵۔ سُورَةُ اَلَمْ تَرَ﴾ ۴۶۹

﴿۱۰۶۔ سُورَةُ لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ﴾ ۴۷۰

﴿۱۰۷۔ سُورَةُ اَرَءَيْتَ﴾ ۴۷۲

﴿۱۰۸۔ سُورَةُ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ﴾ ۴۷۴

﴿۱۰۹۔ سُورَةُ قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ ۴۷۹

﴿۱۱۰۔ سُورَةُ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ﴾ ۴۸۱

﴿۱۱۱۔ سُورَةُ تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ﴾ ۴۸۶

بَاب ۱ : ۴۸۶

بَاب ۲ : وَتَبَّ ○ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ...... وہ خود بھی تباہ ہوا اس کا مال اور جو کچھ بھی اس نے کمایا اس کے کام نہ آیا ۴۸۷

باب۳: قَوْلُهُ سَيَصْلَىٰ نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ .... اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا: وہ ضرور آگ میں پڑے گا جو (اسی کی طرح) شعلے مارنے والی ہوگی ۴۸۸

باب ٤: وَامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ .... اور اس کی بیوی بھی جو ایندھن اٹھائے پھرتی ہے ۴۹۰

﴿۱۱۲ـ سُورَةُ قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ﴾ ۴۹۳

بَاب ۱: ۴۹۳

بَاب ۲: قَوْلُهُ اَللّٰهُ الصَّمَدُ........................ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا: اللہ وہ (ہستی) ہے جس کے سب محتاج ہیں (اور وہ کسی کا محتاج نہیں) ۴۹۷

﴿۱۱۳ـ سُورَةُ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ ۴۹۹

﴿۱۱٤ـ سُورَةُ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ ۵۰۸

٦٦- كِتَابُ فَضَائِلِ الْقُرْآنِ

بَاب ۱: كَيْفَ نَزَلَ الْوَحْيُ وَأَوَّلُ مَا نَزَلَ............ وحی کا نزول کیسے ہوا اور پہلے کونسی (سورۃ) نازل ہوئی ۵۱۲

بَاب ۲: نَزَلَ الْقُرْآنُ بِلِسَانِ قُرَيْشٍ وَالْعَرَبِ........ قرآن مجید قریش کے محاورہ پر عربی زبان میں اترا ۵۱۷

بَاب ۳: جَمْعُ الْقُرْآنِ........................ قرآن کا جمع کیا جانا........................ ۵۲۲

بَاب ٤: كَاتِبُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ........ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب........................ ۵۳۰

بَاب ۵: أُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ........ قرآن سات لہجوں میں اترا ہے........................ ۵۳۲

بَاب ٦: تَأْلِيفُ الْقُرْآنِ........................ قرآن کی ترتیب........................ ۵۳۷

بَاب ۷: كَانَ جِبْرِيْلُ يَعْرِضُ الْقُرْآنَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ........................ جبریل نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کا دور کرتے تھے........................ ۵۴۸

بَاب ۸: الْقُرَّاءُ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ........................ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے قرآن کے قاری........................ ۵۵۰

بَاب۹: فَضْلُ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ	سورۃ فاتحہ کی فضیلت	۵۵۷
بَاب۱۰: فَضْلُ سُورَةِ الْبَقَرَةِ	سورۂ بقرہ کی فضیلت	۵۶۲
بَاب۱۱: فَضْلُ الْكَهْفِ	سورۂ کہف کی فضیلت	۵۶۵
بَاب۱۲: فَضْلُ سُورَةِ الْفَتْحِ	سورۂ فتح کی فضیلت	۵۶۷
بَاب۱۳: فَضْلُ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ	قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ کی فضیلت	۵۷۱
بَاب۱۴: فَضْلُ الْمُعَوِّذَاتِ	معوذات (یعنی سورۃ الاخلاص، سورۃ الفلق اور سورۃ الناس) کی فضیلت	۵۷۷
بَاب۱۵: نُزُوْلُ السَّكِيْنَةِ وَالْمَلَائِكَةِ عِنْدَ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ	قرآن کے پڑھنے کے وقت سکینت اور ملائکہ کا اُترنا	۵۸۰
بَاب۱۶: مَنْ قَالَ لَمْ يَتْرُكِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا مَا بَيْنَ الدَّفَّتَيْنِ	جس نے یہ کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے اس کے جو مصحف کی اس جلد میں ہے اور کچھ نہیں چھوڑا	۵۸۲
بَاب۱۷: فَضْلُ الْقُرْآنِ عَلَى سَائِرِ الْكَلَامِ	قرآن کی فضیلت باقی تمام کلاموں پر	۵۸۴
بَاب۱۸: الْوَصَاةُ بِكِتَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ	اللہ عزوجل کی کتاب پر عمل کرنے کی وصیت کرنا	۵۸۸
بَاب۱۹: مَنْ لَّمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ	جس نے قرآن کو خوش الحانی سے نہ پڑھا	۵۹۰
بَاب۲۰: اِغْتِبَاطُ صَاحِبِ الْقُرْآنِ	عالم قرآن پر رشک کرنا	۵۹۶
بَاب۲۱: خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ	تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور اس کو سکھائے	۵۹۹
بَاب۲۲: اَلْقِرَاءَةُ عَنْ ظَهْرِ الْقَلْبِ	قرآن زبانی پڑھنا	۶۰۲
بَاب۲۳: اِسْتِذْكَارُ الْقُرْآنِ وَتَعَاهُدُهُ	قرآن یاد کرنا اور اسے دہراتے رہنا (کہ کہیں بھول نہ جائے)	۶۰۴
بَاب۲۴: اَلْقِرَاءَةُ عَلَى الدَّابَّةِ	سواری پر قرآن پڑھنا	۶۰۵
بَاب۲۵: تَعْلِيْمُ الصِّبْيَانِ الْقُرْآنَ	بچوں کو قرآن سکھانا	۶۰۷
بَاب۲۶: نِسْيَانُ الْقُرْآنِ وَهَلْ يَقُوْلُ نَسِيْتُ آيَةَ كَذَا وَكَذَا	قرآن بھول جانا۔ اور کیا وہ یوں کہے کہ میں فلاں فلاں آیت بھول گیا؟	۶۰۷

بَاب۲۷: مَنْ لَمْ يَرَ بَأْسًا أَنْ يَقُوْلَ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ وَسُوْرَةُ كَذَا وَكَذَا	جو سورۃ البقرہ اور فلاں فلاں سورۃ کہنے میں حرج نہ سمجھے	۶۱۲
بَاب۲۸: التَّرْتِيْلُ فِي الْقِرَاءَةِ	قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر خوش الحانی سے پڑھنا	۶۱۶
بَاب۲۹: مَدُّ الْقِرَاءَةِ	قراءت کو لمبی کرنا	۶۱۸
بَاب۳۰: التَّرْجِيْعُ	ترجیع سے قرآن پڑھنا	۶۲۰
بَاب۳۱: حُسْنُ الصَّوْتِ بِالْقِرَاءَةِ لِلْقُرْآنِ	خوش الحانی سے قرآن پڑھنا	۶۲۱
بَاب۳۲: مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَّسْتَمِعَ الْقُرْآنَ مِنْ غَيْرِهٖ	جو دوسرے سے قرآن سننا پسند کرے	۶۲۲
بَاب۳۳: قَوْلُ الْمُقْرِئِ لِلْقَارِئِ حَسْبُكَ	پڑھانے والے کا پڑھنے والے سے یہ کہنا: بس کرو	۶۲۳
بَاب۳۴: فِي كَمْ يُقْرَأُ الْقُرْآنُ	کتنے دنوں میں قرآن پڑھا جائے	۶۲۵
بَاب۳۵: الْبُكَاءُ عِنْدَ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ	قرآن پڑھتے وقت رونا	۶۳۰
بَاب۳۶: إِثْمُ مَنْ رَاءَى بِقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ أَوْ تَأَكَّلَ بِهٖ أَوْ فَخَرَ بِهٖ	جس نے قرآن کو دکھاوے کے لئے پڑھا، یا اس سے روزی کمائی، یا اس کے پڑھنے پر فخر کیا	۶۳۳
بَاب۳۷: اقْرَءُوا الْقُرْآنَ مَا ائْتَلَفَتْ عَلَيْهِ قُلُوْبُكُمْ	قرآن اس وقت تک پڑھو جب تک تمہارے دل لگے رہیں	۶۳۷

کتابیات ۶۴۱

۳۹- سُورَةُ الزُّمَرِ

وَقَالَ مُجَاهِدٌ اَفَمَنۡ یَّتَّقِیۡ بِوَجۡهِهٖ (الزمر:۲۵) يُجَرُّ عَلَى وَجْهِهِ فِي النَّارِ وَهُوَ قَوْلُهُ تَعَالَى اَفَمَنۡ یُّلۡقٰی فِی النَّارِ خَیۡرٌ اَمۡ مَّنۡ یَّاۡتِیۡۤ اٰمِنًا یَّوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ (حم السجدة:۴۱) ذِیۡ عِوَجٍ (الزمر:۲۹) لَبْسٍ. رَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ (الزمر:۳۰) صَالِحًا مَثَلٌ لِآلِهَتِهِمُ الْبَاطِلِ وَالْإِلَهِ الْحَقِّ. وَ یُخَوِّفُوۡنَکَ بِالَّذِیۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ (الزمر:۳۷) بِالْأَوْثَانِ. خَوَّلْنَا أَعْطَيْنَا. وَالَّذِیۡ جَآءَ بِالصِّدۡقِ (الزمر:۳۴) الْقُرْآنُ. وَصَدَّقَ بِهٖۤ (الزمر:۳۴) الْمُؤْمِنُ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَقُولُ هَذَا الَّذِي أَعْطَيْتَنِي عَمِلْتُ بِمَا فِيهِ.

اور مجاہد نے کہا: اَفَمَنۡ یَّتَّقِیۡ بِوَجۡهِهٖ سے یہ مراد ہے کہ وہ آگ میں منہ کے بل گھسیٹا جائے گا۔ اور یہی مراد ہے جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا وہ بہتر ہے جو آگ میں ڈالا جائے گا یا وہ جو کہ قیامت کے دن بلا خوف و خطر آئے گا۔ ذِیۡ عِوَجٍ یعنی شبہ والا۔ رَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ صَالِحًا۔ یعنی ایک نیک بندہ کلیۃً ایک ہی شخص کا ہوتا ہے۔ یہ مثال ہے اُن کے باطل معبودوں کی اور سچے معبود کی۔ وَ یُخَوِّفُوۡنَکَ بِالَّذِیۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ کے معنی ہیں: اور وہ تجھے اُن سے ڈراتے ہیں جو اُس کے ماسوا ہیں، یعنی بتوں سے۔ خَوَّلۡنَا یعنی ہم نے دیا۔ وَالَّذِیۡ جَآءَ بِالصِّدۡقِ یعنی وہ جو سچائی لایا۔ (یہاں سچائی سے) مراد قرآن ہے۔ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اور جس نے اس کی تصدیق کی (اس سے مراد) مؤمن ہے جو قیامت کے روز آئے گا۔ کہے گا: یہی ہے وہ جو تو نے مجھے دیا، میں نے جو اس میں تھا اُس پر عمل کیا۔

مُتَشٰکِسُوۡنَ (الزمر:۳۰) الرَّجُلُ الشَّكِسُ الْعَسِرُ الَّذِي لَا يَرْضَى بِالْإِنْصَافِ. وَرَجُلًا سِلْمًا وَيُقَالُ سَالِمًا صَالِحًا. اشۡمَاَزَّتۡ (الزمر:۴۶) نَفَرَتْ. بِمَفَازَتِهِمۡ (الزمر:۶۲) مِنَ الْفَوْزِ. حَآفِّیۡنَ (الزمر:۷۶) أَطَافُوا بِهِ، مُطِيفِينَ بِحِفَافَيْهِ

مُتَشٰکِسُوۡنَ یعنی ایک دوسرے کے مخالف۔ الرَّجُلُ الشَّكِسُ ایسے شخص کو کہتے ہیں جو سخت مزاج، تنگ ظرف ہو، جو انصاف پر راضی نہ ہو۔ رَجُلًا سِلۡمًا (بھی آتا ہے) اور رَجُلًا سَالِمًا بھی کہتے ہیں۔ دونوں کے معنی ہیں اچھا آدمی۔ اشۡمَاَزَّتۡ کے معنی ہیں اس نے نفرت کی۔ بِمَفَازَتِهِمۡ یہ لفظ

بِجَوَانِبِهِ. مُتَشَابِهًا (الزمر: ٢٤) لَيْسَ مِنَ الْاشْتِبَاهِ وَلَكِنْ يُشْبِهُ بَعْضُهُ بَعْضًا فِي التَّصْدِيقِ.

فَوز سے نکلا ہے، یعنی بامراد ہونا۔ حَآفِّيْنَ سے مراد ہے کہ انہوں نے اس کا گھیرا کر لیا۔ بِحِفَافَيْهِ یعنی چاروں طرف سے گھیرا کرنے والے۔ مُتَشَابِهًا اشتباہ سے نہیں بلکہ مشابہت کے معنوں میں ہے۔ یعنی تصدیق کرنے میں ایک دوسرے سے ملتی جلتی باتیں ہیں۔

تشریح: اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ: امام بخاریؒ نے سورۃ الزمر کے مضامین کی کلید کے طور پر بعض آیات اور الفاظ کا انتخاب کیا ہے جو یہ ہیں: اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (الزمر:۲۵) یعنی ”کیا وہ جو قیامت کے دن اپنے چہرے ہی کو سخت عذاب سے بچنے کے لئے ڈھال بنائے گا“ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ آگ میں منہ کے بل گھسیٹا جائے گا۔ یعنی قیامت کی سزا سے بچنے کا اُس کا یہ طریق اسے کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ پھر اس کی تائید میں آیت اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ (حم السجدۃ:۴۱) درج کر کے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ یقیناً خیر میں وہی ہوگا جو قیامت کے دن خوف و خطر سے محفوظ اَمن کی حالت میں ہوگا۔ ذِيْ عِوَجٍ سے آیت کریمہ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ (الزمر:۲۹) کی طرف اشارہ کیا ہے کہ قرآنِ کریم جو غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ ہے، اس پر عمل کرنے والے ہی اَمن کی حالت میں ہوں گے۔

رَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ: ان الفاظ سے آیت ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَ رَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا (الزمر:۳۰)[۱] کی طرف اشارہ کر کے بتایا ہے کہ کسی شخص کے اگر بہت سے مالک ہوں اور مالک بھی ایسے جو آپس میں ایک دوسرے کے مخالف ہوں تو وہ یقیناً اُس شخص کی نسبت جس کا صرف ایک ہی مالک ہو، شدید تکلیف اور مصیبت کی حالت میں ہوتا ہے۔ ایسا ہی مشرک شخص بھی معبودانِ باطلہ کے تابع شدائد و مصائب میں مبتلا ہوتا ہے، جبکہ مومن بندہ خدائے واحد کا عبد ہونے کی وجہ سے حالتِ اَمن میں ہوتا ہے۔ یہ آیت کریمہ ہر قسم کے شرک کو ترک کر کے تقوی اللہ اختیار کرتے ہوئے عبادت کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کرنے کی تعلیم دے رہی ہے اور عبادت کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کرتے ہوئے عبدِ کامل بننے کا حکم ہی ہے جو سورۂ زمر کا مرکزی مضمون ہے۔ جیسا کہ اس سورۃ کے آغاز ہی میں فرمایا گیا ہے: اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ

---

[۱] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”اللہ ایک ایسے شخص کی مثال بیان کرتا ہے جس کے کئی مالک ہوں جو آپس میں ایک دوسرے کے مخالف ہوں اور ایک ایسے شخص کی بھی جو کلیۃً ایک ہی شخص کا ہو۔ کیا وہ دونوں اپنی حالت کے اعتبار سے برابر ہو سکتے ہیں۔“

مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ○ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ (الزمر:۳،۴)[1] پھر عبدِ کامل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ یہ اعلان کروایا گیا ہے: قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ○ (الزمر:۱۲) یعنی تُو کہہ دے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی اس طرح عبادت کروں کہ اطاعت صرف اسی کے لئے مخصوص کر دوں۔

يُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ: ان الفاظ سے آیت اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ۭ وَ يُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ○ (الزمر:۳۷) مراد ہے۔ یعنی کیا اللہ اپنے بندہ کے لیے کافی نہیں؟ اور وہ لوگ تجھے اُن سے ڈراتے ہیں جو اُس (خدا) کے علاوہ ہیں۔ اور جس کو اللہ گمراہ سمجھے اس کو ہدایت دینے والا کوئی نہیں۔ یہ آیت عبدِ کامل کے رنگ میں رنگین ہو جانے والوں کو بشارت دے رہی ہے کہ تم بھی عبد کامل کے رنگ میں رنگین ہو کر خدائے واحد کے بندے بن جاؤ تو تم بھی ہر خوف سے آزاد ہو جاؤ گے اور خدا تمہارا متکفل بن جائے گا۔

وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ: مکمل آیت یہ ہے: وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○ (الزمر:۳۴)[2] قتادہ سے ایک روایت ہے کہ اَلَّذِيْ جَآءَ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۶۹۷) امام بخاریؒ نے اس آیت میں الصِّدْقِ سے قرآنِ کریم مراد لیا ہے اور صَدَّقَ بِهٖ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جس نے اس کی تصدیق کی، اس سے مراد مؤمن ہے جو قیامت کے روز آئے گا، کہے گا: یہی ہے وہ جو تو نے مجھے دیا، جو اس میں تھا میں نے اُس پر عمل کیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک خطبہ جمعہ میں ان آیات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہاں جس سچی تعلیم کا ذکر ہے اس سے مراد قرآن مجید کی سچی اور تا اَبد قائم رہنے والی ہر لحاظ سے کامل و مکمل تعلیم ہے اور اس کو لانے والے وجودِ باجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں اور جہاں تک اس کامل و مکمل اور تا قیامت قائم و دائم رہنے والی تعلیم کی تصدیق کا تعلق ہے تو اس سے مراد محض زبانی تصدیق ہی نہیں ہے بلکہ عربی لغت اور قرآنی محاورہ کی رُو سے تصدیق کے معنے اس تعلیم پر صدقِ دل سے مخلصانہ عمل کرنے کے بھی ہیں۔ اس میں زبانی تصدیق اور عملی تصدیق دونوں شامل ہیں۔ چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آخری زمانہ میں احیاء وغلبۂ اسلام کی غرض سے مہدی علیہ السلام کے مبعوث ہونے کی بشارت دی تو اس میں آپ نے یہی بتایا تھا کہ آنے والا مہدی قرآنی تعلیم کی دلائل و براہین کے ذریعہ زبان سے ہی تصدیق نہیں کرے گا بلکہ اپنے عمل اور اس عمل کے نتیجہ کے طور پر معرضِ وجود میں آنے والے اپنے رفیع الشان مقام کے ذریعہ بھی اس کی صداقت کو دنیا پر آشکار کر دکھائے گا۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھئے خطبات ناصر جلد ششم، خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۵/اگست ۱۹۷۵ صفحہ ۱۲۹۔

---

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: "یقیناً ہم نے تیری طرف (اس) کتاب کو حق کے ساتھ اتارا ہے۔ پس اللہ کی عبادت کر اُسی کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے۔ خبردار! خالص دین ہی اللہ کے شایانِ شان ہے۔"

[2] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: "اور وہ شخص جو سچائی لے کر آئے اور (وہ جو) اس (سچائی) کی تصدیق کرے یہی وہ لوگ ہیں جو متقی ہیں۔"

مُتَشَابِهًا: اس لفظ سے اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے کہ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ ۖ تَقۡشَعِرُّ مِنۡهُ جُلُوۡدُ الَّذِیۡنَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ (الزمر:۲۴)[۱] امام بخاریؒ نے لفظ مُتَشَابِهًا کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ لفظ اشتباہ سے نہیں بلکہ مشابہت کے معانی میں ہے یعنی تصدیق کرنے میں اس کی آیات ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان معانی کو مزید کھول کر بیان فرمایا ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں:

”اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ ... یعنی ذالك الكتاب كتابا متشابه یشبه بعضه بعضا لیس فیه تناقض ولا اختلاف، مثنی فیه كل ذكر لیكون بعض الذكر تفسیرا لبعضه۔“

(الحق مباحثہ لدھیانہ، روحانی خزائن جلد ۴ صفحہ ۳۷، ۳۸)

یعنی آیت کریمہ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ سے یہ مراد ہے کہ یہ کتاب متشابہ ہے جس کی آیتیں اور مضامین ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں ان میں کوئی تناقض اور اختلاف نہیں۔ ہر ذکر اور وعظ اس میں دُہرا دُہرا کر بیان کیا گیا ہے جس سے غرض یہ ہے کہ ایک مقام کا ذکر دوسرے مقام کے ذکر کی تفسیر ہو جائے۔

یہ آیت کریمہ قرآنِ کریم کو سمجھنے میں ایک انتہائی اہم امر کی طرف ہماری راہنمائی کرتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ یُفَسِّرُ بَعۡضُهُ بَعۡضًا۔ یعنی اس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کی وضاحت کرتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اصول تفسیر بیان فرماتے ہوئے اس اصل کو سب سے اوّل رکھا ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں:

”سب سے اوّل معیار تفسیر صحیح کا شواہد قرآنی ہیں۔ یہ بات نہایت توجہ سے یاد رکھنی چاہیئے کہ قرآنِ کریم اور معمولی کتابوں کی طرح نہیں جو اپنی صداقتوں کے ثبوت یا انکشاف کے لئے دوسرے کا محتاج ہو۔ وہ ایک ایسی متناسب عمارت کی طرح ہے جس کی ایک اینٹ ہلانے سے تمام عمارت کی شکل بگڑ جاتی ہے۔ اس کی کوئی صداقت ایسی نہیں ہے جو کم سے کم دس یا بیس شاہد اس کے خود اُسی میں موجود نہ ہوں۔ سو اگر ہم قرآن کریم کی ایک آیت کے ایک معنے کریں تو ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ ان معنوں کی تصدیق کیلئے دوسرے شواہد قرآن کریم سے ملتے ہیں یا نہیں۔ اگر دوسرے شواہد دستیاب نہ ہوں بلکہ ان معنوں کے دوسری

---

[۱] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”اللہ نے بہترین بیان ایک ملتی جلتی (اور) بار بار دُہرائی جانے والی کتاب کی صورت میں اتارا ہے جس سے ان لوگوں کی جِلدیں جو اپنے ربّ کا خوف رکھتے ہیں لرزنے لگتی ہیں۔“

آیتوں سے صریح معارض پائے جاویں تو ہمیں سمجھنا چاہیئے کہ وہ معنی بالکل باطل ہیں۔ کیونکہ ممکن نہیں کہ قرآنِ کریم میں اختلاف ہو۔ اور سچّے معنوں کی یہی نشانی ہے کہ قرآنِ کریم میں سے ایک لشکر شواہد بیّنہ کا اس کا مصدق ہو۔"

(برکات الدعاء، روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۱۷، ۱۸)

باب ۱

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ (الزمر: ٥٤)

(اللہ تعالیٰ کا قول:) اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جان پر (گناہ کر کے) ظلم کیا ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے۔ وہ بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

٤٨١٠: حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ قَالَ يَعْلَى إِنَّ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ أَخْبَرَهُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ نَاسًا مِنْ أَهْلِ الشِّرْكِ كَانُوا قَدْ قَتَلُوا وَأَكْثَرُوا وَزَنَوْا وَأَكْثَرُوا فَأَتَوْا مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا إِنَّ الَّذِي تَقُولُ وَتَدْعُو إِلَيْهِ لَحَسَنٌ لَوْ تُخْبِرُنَا أَنَّ لِمَا عَمِلْنَا كَفَّارَةً فَنَزَلَ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ (الفرقان: ٦٩) وَنَزَلَ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا

۴۸۱۰: ابراہیم بن موسیٰ نے مجھ سے بیان کیا کہ ہشام بن یوسف نے ہمیں خبر دی کہ ابن جریج نے ان کو بتایا کہ یعلیٰ (بن مسلم) نے کہا کہ سعید بن جبیر نے انہیں بتایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بعض مشرک لوگوں نے خون کئے تھے اور کثرت سے کئے تھے اور بدکاری کی تھی اور بہت ہی بدکاری کی تھی تو وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ کہنے لگے: جو بات آپؐ کہتے ہیں اور جس بات کی آپؐ دعوت دیتے ہیں یقیناً وہ اچھی ہے۔ اگر آپؐ ہمیں بتائیں کہ آیا جو ہم کر چکے ہیں اس کا کفارہ ہو جائے گا؟ تو یہ آیت نازل ہوئی: وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ... یعنی اور وہ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ کے سوا کسی اور

تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ. (الزمر: ٥٤)

معبود کو نہیں پکارتے اور نہ کسی جان کو جسے اللہ نے حفاظت بخشی ہو قتل کرتے ہیں سوائے (شرعی) حق کے۔ اور نہ زنا کرتے ہیں۔ اور (یہ آیت) نازل ہوئی: تو (اُن کو ہماری طرف سے) کہہ دے اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جان پر (گناہ کرکے) ظلم کیا ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔

تشریح. یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا...: کہا جاتا ہے کہ مایوسی ایک گناہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مایوسی مزید گناہوں کی دلدل میں دھکیلنے کا باعث بنتی ہے۔ دنیا میں اس کے بہت سے شواہد ہیں۔ روایات میں بنی اسرائیل کے ایک ایسے شخص کا واقعہ درج ہے جس نے ننانوے افراد کو قتل کیا اور بخشش سے نااُمید ہو کر اُس نے گناہوں میں ایک قدم آگے بڑھایا اور ایک اور شخص کو قتل کرکے اس دلدل میں مزید نیچے جارہا تھا کہ رحمت الٰہی نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے ایک ایسے نجات دہندہ کا بتایا گیا جس سے توبہ کا دروازہ ہمیشہ کے لئے کھلا ہونے کی اسے اُمید ملی۔[1] مایوسی کی یہ دلدل افراد تک ہی محدود نہیں بلکہ بڑی بڑی قومیں اس کا شکار ہو کر گناہوں کی اس دلدل میں ڈوبتی جارہی ہیں۔ اس کی سب سے بڑی مثال عیسائیت کا کفارہ کا وہ تصور ہے جس کے مطابق آدم اور حوا سے سرزد ہونے والا گناہ نسلاً بعد نسل بنی نوع انسان میں چلا آرہا ہے اور ابلیس کے اس چنگل سے بنی نوع انسان کبھی چھٹکارا نہیں پاسکتی۔ اس کا جو علاج انہوں نے تجویز کیا یعنی کفارہ اس کا نتیجہ بھی صفر ہے کیونکہ گناہ کی وہ تینوں علامتیں جو بیان کی گئیں آج بھی اُسی طرح موجود ہیں۔ آج بھی مرد کو اپنے خون پسینہ کی کمائی سے ہی کھانے کو نصیب ہوتا ہے۔ آج بھی عورت دردِزہ کی تکلیف سے بچہ جنتی ہے۔ اور سانپ جو شیطان کی علامت قرار پایا وہ آج بھی مٹی کھاتا اور اُس پر اُسی طرح رینگتا رہتا ہے۔ اس مایوس دنیا کو ایک ہی نجات دہندہ ملا اور وہ ہمارے سید و مولا حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن سے خدا تعالیٰ نے یہ اعلان کرایا: قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا (الزمر: ۵۴)۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”یہ آیت اس لئے نازل ہوئی ہے کہ تا خدا تعالیٰ بے انتہا رحمتوں کی بشارت دیوے اور جو لوگ کثرت گناہوں سے دل شکستہ ہیں ان کو تسکین بخشے۔ سو اللہ جلّ شانہٗ نے اس آیت میں چاہا کہ اپنی رحمتوں کا ایک نمونہ پیش کرے اور بندہ کو دکھلاوے کہ میں کہاں تک اپنے وفادار بندوں کو انعامات خاصہ سے مشرف کرتا ہوں۔ سو اس نے قُلْ یٰعِبَادِیَ کے لفظ سے یہ ظاہر کیا کہ دیکھو یہ میرا پیارا رسول دیکھو یہ برگزیدہ بندہ کہ

[1] (بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب حدیث الغار، روایت نمبر ۳۴۷۰)

کمال طاعت سے کس درجہ تک پہنچا کہ اب جو کچھ میرا ہے وہ اس کا ہے۔ جو شخص نجات چاہتا ہے وہ اس کا غلام ہو جائے یعنی ایسا اس کی اطاعت میں محو ہو جاوے کہ گویا اس کا غلام ہے تب وہ گو کیسا ہی پہلے گناہ گار تھا بخشا جائے گا۔ جاننا چاہیئے کہ عبد کا لفظ لغت عرب میں غلام کے معنوں پر بھی بولا جاتا ہے جیسا کہ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے: وَ لَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ۔ [1] (البقرۃ:۲۲۲) اور اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو شخص اپنی نجات چاہتا ہے وہ اس نبی سے غلامی کی نسبت پیدا کرے یعنی اس کے حکم سے باہر نہ جائے اور اس کے دامن طاعت سے اپنے تئیں وابستہ جانے جیسا کہ غلام جانتا ہے تب وہ نجات پائے گا۔ اس مقام میں اُن کور باطن نام کے موحّدوں پر افسوس آتا ہے کہ جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یاں تک بغض رکھتے ہیں کہ ان کے نزدیک یہ نام کہ غلام نبی، غلام رسول، غلام مصطفیٰ، غلام احمد، غلام محمد شرک میں داخل ہیں۔ اور اس آیت سے معلوم ہوا کہ مدار نجات یہی نام ہیں۔ اور چونکہ عبد کے مفہوم میں یہ داخل ہے کہ ہر ایک آزادگی اور خودروی سے باہر آجائے اور پورا متبع اپنے مولیٰ کا ہو۔ اس لئے حق کے طالبوں کو یہ رغبت دی گئی کہ اگر نجات چاہتے ہیں تو یہ مفہوم اپنے اندر پیدا کریں۔ اور درحقیقت یہ آیت اور یہ دوسری آیت قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ (آل عمران:۳۲) [2] از رُو مفہوم کے ایک ہی ہیں۔ کیونکہ کمال اتباع اس محویت اور اطاعت تامہ کو مستلزم ہے جو عبد کے مفہوم میں پائی جاتی ہے۔ یہی سر ہے کہ جیسے پہلی آیت میں مغفرت کا وعدہ بلکہ محبوب الٰہی بننے کی خوشخبری ہے گویا یہ آیت کہ قُلْ يٰعِبَادِيَ دوسرے لفظوں میں اس طرح پر ہے کہ قُلْ يَا مُتَّبِعِي یعنی اے میری پیروی کرنے والو جو بکثرت گناہوں میں مبتلا ہو رہے ہو رحمت الٰہی سے نومید مت ہو کہ اللہ جلّ شانہٗ بہ برکت میری پیروی کے تمام گناہ بخش دے گا۔... اس جگہ یہ بھی یاد رہے کہ

---

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: "اور یقیناً ایک مومن غلام ایک (آزاد) مشرک سے بہتر ہے۔"

[2] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: "تُو کہہ دے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔"

ماحصل اس آیت کا یہ ہے کہ جو لوگ دل و جان سے تیرے یا رسول اللہ غلام بن جائیں گے اُن کو وہ نور ایمان اور محبت اور عشق بخشا جائے گا کہ جو اُن کو غیر اللہ سے رہائی دے دے گا اور وہ گناہوں سے نجات پا جائیں گے اور اسی دنیا میں ایک پاک زندگی ان کو عطا کی جائے گی اور نفسانی جذبات کی تنگ و تاریک قبروں سے وہ نکالے جائیں گے۔ اسی کی طرف یہ حدیث اشارہ کرتی ہے۔ أَنَا الْحَاشِرُ الَّذِي يُحْشَرُ النَّاسُ عَلَى قَدَمِي۔[1] یعنی میں وہ مُردوں کو اٹھانے والا ہوں جس کے قدموں پر لوگ اُٹھائے جاتے ہیں۔"

(آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن، جلد ۵ صفحہ ۱۹۰ تا ۱۹۴)

باب ۲: وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ (الزمر: ٦٨)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) اور اُن لوگوں نے اللہ کی صفات کا صحیح اندازہ نہیں لگایا

٤٨١١: حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبِيدَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ جَاءَ حَبْرٌ مِنَ الْأَحْبَارِ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنَّا نَجِدُ أَنَّ اللّٰهَ يَجْعَلُ السَّمٰوَاتِ عَلَى إِصْبَعٍ وَالْأَرَضِينَ عَلَى إِصْبَعٍ وَالشَّجَرَ عَلَى إِصْبَعٍ وَالْمَاءَ وَالثَّرَى عَلَى إِصْبَعٍ وَسَائِرَ الْخَلَائِقِ عَلَى إِصْبَعٍ فَيَقُولُ أَنَا الْمَلِكُ فَضَحِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ تَصْدِيقًا لِقَوْلِ الْحَبْرِ ثُمَّ قَرَأَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا

۴۸۱۱: آدم (بن ابی ایاس) نے ہم سے بیان کیا کہ شیبان (بن عبد الرحمٰن) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے منصور (بن معتمر) سے، منصور نے ابراہیم (نخعی) سے، ابراہیم نے عبیدہ (سلمانی) سے، عبیدہ نے حضرت عبد اللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: یہود کے علماء میں سے ایک عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے محمد! ہم (اپنی کتابوں میں) یہ پاتے ہیں کہ اللہ آسمانوں کو ایک انگلی پر اور زمینوں کو ایک انگلی پر اور درختوں کو ایک انگلی پر اور پانی اور مٹی ایک انگلی پر اور باقی سب مخلوق کو ایک انگلی پر رکھے گا، پھر کہے گا: میں بادشاہ ہوں۔ نبی ﷺ یہ سن کر اتنا ہنسے کہ آپؐ کی داڑھیں نظر

[1] (بخاری، کتاب المناقب، بَابُ مَا جَاءَ فِي أَسْمَاءِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، روایت نمبر ۳۵۳۲)

قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَ الْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ السَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ (الزمر:٦٨)

آنے لگیں۔ اس عالم کے قول کی تصدیق میں پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: اور اُن لوگوں نے اللہ کی صفات کا صحیح اندازہ نہیں لگایا۔ حالانکہ زمین سب کی سب اس کی مملوکہ ہے۔ اور آسمان (اور زمین دونوں) قیامت کے دن اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔ وہ پاک ہے اور ان کے شرکیہ عقیدوں سے بہت بالا ہے۔

أطرافه: ٧٤١٤، ٧٤١٥، ٧٤٥١، ٧٥١٣-

باب ٣

وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ (الزمر:٦٨)

اور زمین سب کی سب اس کی مملوکہ ہے اور آسمان (اور زمین دونوں) قیامت کے دن اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے

٤٨١٢: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ خَالِدِ بْنِ مُسَافِرٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ يَقْبِضُ اللهُ الْأَرْضَ وَيَطْوِي السَّمَوَاتِ بِيَمِينِهِ ثُمَّ يَقُولُ أَنَا الْمَلِكُ أَيْنَ مُلُوكُ الْأَرْضِ.

۴۸۱۲: سعید بن عفیر نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے کہا: لیث نے مجھ سے بیان کیا، کہا: عبدالرحمٰن بن خالد بن مسافر نے مجھے بتایا۔ انہوں نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے ابوسلمہ سے روایت کی کہ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپؐ فرماتے تھے: اللہ زمین کو اپنی مٹھی میں لے گا اور آسمانوں کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹے گا۔ پھر فرمائے گا: بادشاہ میں ہوں۔ زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟

أطرافه: ٦٥١٩، ٧٣٨٢، ٧٤١٣-

تشریح: وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ: طیٌّ کے ایک معنی چھپانے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے: طَوَيْتُ فُلَانًا عَنْ أَعْيُنِ النَّاسِ – میں نے فلاں آدمی کو لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ رکھا۔ وَاطْوِ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنِّي کے معنی ہیں اُسْتُرْهُ۔ یعنی مجھ سے یہ بات مخفی رکھو۔ الطَّيُّ کے ایک معنی فنا اور ختم کرنے کے بھی ہیں۔

طَوَيْتُ فُلَانًا بِسَيْفِيْ أَيْ أَفْنَيْتُهُ کہ میں نے اسے اپنی تلوار سے ختم کر دیا۔ اَلْيَمِيْنُ کے معنی اقتدار اور غلبہ کے ہیں اور اس سے مراد یہ ہے کہ زمین و آسمان اللہ تعالیٰ کے اقتدار اور غلبہ میں ہیں۔ اس لفظ کے ایک معنی قسم بھی بیان کیے جاتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے کہ وہ اس کو لپیٹے گا اور اس کو ختم کرے گا۔ (عمدۃ القاری جزء ۱۹ صفحہ ۱۴۴)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”قرآنِ کریم کے ہر یک لفظ کو حقیقت پر حمل کرنا بھی بڑی غلطی ہے۔ اللہ جلّ شانہ کا یہ پاک کلام بوجہ اعلیٰ درجہ کی بلاغت کے استعارات لطیفہ سے بھرا ہوا ہے۔...... اللہ جلّ شانہ فرماتا ہے: وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ یعنی دنیا کے فنا کرنے کے وقت خدا تعالیٰ آسمانوں کو اپنے داہنے ہاتھ سے لپیٹ لے گا۔...... پھر ایک دوسری آیت ہے جو سورۃ الانبیاء جزو ۱۷ میں ہے اور وہ یہ ہے: يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ○ (الانبیاء:۱۰۵) یعنی ہم اس دن آسمانوں کو ایسا لپیٹ لیں گے جیسے ایک خط متفرق مضامین کو اپنے اندر لپیٹ لیتا ہے۔ اور جس طرز سے ہم نے اس عالم کو وجود کی طرف حرکت دی تھی انہیں قدموں پر پھر یہ عالم عدم کی طرف لوٹایا جائے گا یہ وعدہ ہمارے ذمہ ہے جس کو ہم کرنے والے ہیں۔ بخاری نے بھی اس جگہ ایک حدیث لکھی ہے جس میں جائے غور یہ لفظ ہیں: وَتَكُونُ السَّمَوَاتُ بِيَمِينِهِ[1] یعنی لپیٹنے کے یہ معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ آسمانوں کو اپنے داہنے ہاتھ میں چھپالے گا اور جیسا کہ اب اسباب ظاہر اور مسبب پوشیدہ ہے اس وقت مسبب ظاہر اور اسباب زاویہ عدم میں چھپ جائیں گے اور ہر یک چیز اس کی طرف رجوع کر کے تجلیات قہریہ میں مخفی ہو جائے گی۔ اور ہر یک چیز اپنے مکان اور مرکز کو چھوڑ دے گی اور تجلیات الٰہیہ اس کی جگہ لیں گی اور علل ناقصہ کے فنا اور انعدام کے بعد علت تامہ کاملہ کا چہرہ نمودار ہو جائے گا۔ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ○ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ○ (الرحمٰن:۲۸،۲۷)[2]

---

[1] (بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ، روایت نمبر ۷۴۱۲)

[2] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”ہر چیز جو اِس پر ہے فانی ہے۔ مگر تیرے ربّ کا جاہ و حشم باقی رہے گا جو صاحب جلال و اِکرام ہے۔“

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ○ (المؤمن:۱۷)[1] یعنی خدا تعالیٰ اپنی قہری تجلی سے ہر یک چیز کو معدوم کر کے اپنی وحدانیت اور یگانت دکھلائے گا اور خدا تعالیٰ کے وعدوں سے مراد یہ بات نہیں کہ اتفاقاً کوئی بات منہ سے نکل گئی اور پھر ہر حال گلے پڑا ڈھول بجانا پڑا کیونکہ اس قسم کے وعدے خدائے حکیم و علیم کی شان کے لائق نہیں یہ صرف انسان ضعیف البنیان کا خاصہ ہے جس کا کوئی وعدہ تکلف اور ضعف یا مجبوری اور لاچاری کے موانع سے ہمیشہ محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اور بااین ہمہ تقریبات اتفاقیہ پر مبنی ہوتا ہے نہ علم اور یقین اور حکمت قدیمہ پر۔ مگر خدا تعالیٰ کے وعدے اس کی صفات قدیمہ کے تقاضا کے موافق صادر ہوتے ہیں اور اس کے مواعید اس کی غیر متناہی حکمت کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے۔"

(آئینہ کمالاتِ اسلام، روحانی خزائن جلد ۵ حاشیہ صفحہ ۱۵۰ تا ۱۵۵)

باب ٤

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۖ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ (الزمر:۶۹)

اور بگل میں پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی ہے اس پر ایک بے ہوشی طاری ہو جائے گی سوائے اس (شخص) کے جس کو اللہ چاہے گا (کہ بچالے) پھر دوسری دفعہ بگل میں پھونکا جائے گا اور اچانک وہ سب (اپنے متعلق فیصلہ کا) انتظار کرتے ہوئے کھڑے ہو جائیں گے۔

٤٨١٣ : حَدَّثَنِي الْحَسَنُ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ خَلِيلٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحِيمِ عَنْ زَكَرِيَّاءَ بْنِ أَبِي زَائِدَةَ عَنْ عَامِرٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنِّي أَوَّلُ

۴۸۱۳: حسن (بن شجاع بلخی) نے مجھے بتایا۔ اسماعیل بن خلیل نے ہم سے بیان کیا کہ عبدالرحیم (بن سلیمان) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے زکریا بن ابی زائدہ سے، زکریا نے عامر (شعبی) سے، عامر نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے،

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: "آج کے دن بادشاہت کس کی ہے؟ اللہ ہی کی ہے جو اکیلا (اور) صاحب جبروت ہے۔"

مَنْ يَّرْفَعُ رَأْسَهُ بَعْدَ النَّفْخَةِ الْآخِرَةِ فَإِذَا أَنَا بِمُوسَى مُتَعَلِّقٌ بِالْعَرْشِ فَلَا أَدْرِي أَكَذٰلِكَ كَانَ أَمْ بَعْدَ النَّفْخَةِ.

حضرت ابوہریرہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔ آپؐ نے فرمایا: میں پہلا ہوں گا جو دوسری دفعہ صور پھونکنے کے بعد اپنا سر اٹھائے گا۔ کیا دیکھوں گا کہ موسیٰؑ ہیں جو عرش کو تھامے کھڑے ہیں۔ میں نہیں جانتا آیا وہ اسی طرح (پہلے سے) تھے یا اس نفخ کے بعد (اس حالت میں ہوئے۔)

أطرافه: ۲٤۱۱، ۳٤۰۸، ۳٤۱٤، ٦٥۱۷، ٦٥۱۸، ۷٤۲۸، ۷٤۷۲۔

٤٨١٤: حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا صَالِحٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا بَيْنَ النَّفْخَتَيْنِ أَرْبَعُونَ. قَالُوا يَا أَبَا هُرَيْرَةَ أَرْبَعُونَ يَوْمًا قَالَ أَبَيْتُ قَالَ أَرْبَعُونَ سَنَةً قَالَ أَبَيْتُ قَالَ أَرْبَعُونَ شَهْرًا قَالَ أَبَيْتُ وَيَبْلَى كُلُّ شَيْءٍ مِنَ الْإِنْسَانِ إِلَّا عَجْبَ ذَنَبِهِ فِيهِ يُرَكَّبُ الْخَلْقُ.

۴۸۱۴: عمر بن حفص (بن غیاث) نے ہم سے بیان کیا کہ میرے باپ نے ہمیں بتایا۔ (انہوں نے کہا:) اعمش نے ہم سے بیان کیا، کہا: میں نے ابوصالح سے سنا۔ انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابوہریرہؓ سے سنا۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: ان دو نفخوں کے درمیان چالیس کا فاصلہ ہوگا۔ لوگوں نے کہا: ابوہریرہ چالیس دن کا؟ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا: میں نہیں بتا سکتا۔ پھر انہوں نے پوچھا: چالیس سال کا؟ انہوں نے کہا: میں نہیں بتا سکتا۔ انہوں نے کہا: چالیس مہینے کا؟ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا: میں نہیں بتا سکتا اور انسان کی ہر شے بوسیدہ ہو جائے گی سوائے اس کی ریڑھ کے آخری سرے کے۔ اسی سے (قیامت کے دن) ڈھانچہ ترکیب دیا جائے گا۔

طرفه: ٤٩٣٥۔

تشریح: **وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ:** اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات کو ایک صورت سے منتقل کر کے جب دوسری صورت میں لاتا ہے تو یہ تغیر نفخ صور کہلاتا ہے۔ قرآنِ کریم میں یہ الفاظ آخرت کے تعلق میں بھی بیان ہوئے ہیں اور دنیا میں ہونے والے عظیم الشان واقعات کی طرف اشارہ کرنے کے لیے بھی آئے ہیں۔ معنونہ آیت کے ذکر میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

”نفخ حقیقت میں دو قسم پر ہے ایک نفخ اضلال اور ایک نفخ ہدایت جیسا کہ اس آیت میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۭ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۝ (الزمر:۶۹)[۱] یہ آیتیں ذوالوجوہ ہیں قیامت سے بھی تعلق رکھتی ہیں اور اس عالم سے بھی۔ جیسا کہ آیت اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (الحدید:۱۸)[۲] اور جیسا کہ آیت فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا (الرعد:۱۸)[۳] اور اس عالم کے لحاظ سے اِن آیتوں کے یہ معنی ہیں کہ آخری دنوں میں دو زمانے آئیں گے۔ ایک ضلالت کا زمانہ اور اس زمانہ میں ہر ایک زمینی اور آسمانی یعنی شقی اور سعید پر غفلت سی طاری ہوگی مگر جس کو خدا محفوظ رکھے اور پھر دُوسرا زمانہ ہدایت کا آئے گا۔ پس ناگاہ لوگ کھڑے ہو جائیں گے اور دیکھتے ہوں گے۔ یعنی غفلت دُور ہو جائے گی اور دلوں میں معرفت داخل ہو جائے گی اور شقی اپنی شقاوت پر متنبہ ہو جائیں گے گو ایمان نہ لاویں۔“

(شہادت القرآن، روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۳۲۱)

فَإِذَا أَنَا بِمُوسَى مُتَعَلِّقٌ بِالْعَرْشِ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عرشِ الٰہی کو تھامے کھڑا ہونے سے کیا مراد ہے، اسے سمجھنے کے لیے عرش کی حقیقت کو جاننا ضروری ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”عرش سے مراد قرآن شریف میں وہ مقام ہے جو تشبیہی مرتبہ سے بالاتر اور ہر

---

[۱] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”اور صور میں پھونکا جائے گا تو غش کھا کر گر پڑے گا جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے سوائے اُس کے جسے اللہ چاہے پھر اس میں دوبارہ پھونکا جائے گا تو اچانک وہ کھڑے ہوئے دیکھ رہے ہوں گے۔“

[۲] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”جان لو کہ اللہ زمین کو اس کی موت کے بعد ضرور زندہ کرتا ہے۔“

[۳] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”تو وادیاں اپنے ظرف کے مطابق بہہ پڑیں۔“

ایک عالم سے برتر اور نہاں در نہاں اور تقدّس اور تنزّہ کا مقام ہے وہ کوئی ایسی جگہ نہیں کہ پتھر یا اینٹ یا کسی اور چیز سے بنائی گئی ہو اور خدا اُس پر بیٹھا ہوا ہے۔......
خدا تعالیٰ جیسا کہ یہ فرماتا ہے کہ کبھی وہ مومن کے دل پر اپنی تجلّی کرتا ہے۔ ایسا ہی وہ فرماتا ہے کہ عرش پر اُس کی تجلّی ہوتی ہے اور صاف طور پر فرماتا ہے کہ ہر ایک چیز کو میں نے اٹھایا ہوا ہے یہ کہیں نہیں کہا کہ کسی چیز نے مجھے بھی اُٹھایا ہوا ہے۔
اور عرش جو ہر ایک عالم سے برتر مقام ہے وہ اُس کی تنزیہی صفت کا مظہر ہے۔"

(چشمۂ معرفت، روحانی خزائن جلد ۲۳ صفحہ ۲۷۶، ۲۷۷)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ کی روشنی میں دیکھا جائے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عرش الٰہی کو تھامے کھڑے ہونے کا جو ذکر حدیث میں آیا ہے وہ بھی یقیناً مجاز اور استعارہ سے ہی تعلق رکھتا ہے۔ اس تعلق سے مراد جسمانی و مادی تعلق نہیں بلکہ صفاتِ تنزیہہ کا ظہور ہے جو اول طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوگا جیسا کہ حدیث کے الفاظ إِنِّي أَوَّلُ مَنْ يَّرْفَعُ رَأْسَهُ سے ظاہر ہے۔ اور اس تجلّی کے دوسرے مظہر حضرت موسیٰ علیہ السلام ہوں گے۔

٤٠ ـ سُوْرَةُ الْمُؤْمِنِ

قَالَ مُجَاهِدٌ { حٰمٓ ١ } مَجَازُهَا مَجَازُ أَوَائِلِ السُّوَرِ وَيُقَالُ بَلْ هُوَ اسْمٌ لِقَوْلِ شُرَيْحِ بْنِ أَبِي أَوْفَى الْعَبْسِيِّ:

مجاہد نے کہا: حٰم ۔ یہ (حروف مقطعات) استعمال میں اسی طرح ہیں جیسے دوسری سورتوں کے ابتداء میں لکھے گئے، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نہیں، بلکہ یہ نام ہے کیونکہ شریح بن ابی اوفیٰ عبسی نے کہا ہے:

يُذَكِّرُنِي حَامِيمَ وَالرُّمْحُ شَاجِرٌ
فَهَلَّا تَلَا حَامِيمَ قَبْلَ التَّقَدُّمِ

وہ مجھے حٰم یاد دلاتا ہے جبکہ نیزہ نیزے سے الجھا ہوا تھا۔ آگے بڑھنے سے پہلے کیوں نہ اس نے حٰم پڑھی

الطَّوْلِ (المؤمن: ٤) التَّفَضُّلُ. دٰخِرِيْنَ (المؤمن: ٦١) خَاضِعِينَ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ إِلَى النَّجٰوةِ (المؤمن: ٤٢) الْإِيمَانُ. لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ (المؤمن: ٤٤) يَعْنِي الْوَثَنَ. يُسْجَرُوْنَ (المؤمن: ٧٣) تُوقَدُ بِهِمُ النَّارُ. تَمْرَحُوْنَ (المؤمن: ٧٦) تَبْطَرُونَ. وَكَانَ الْعَلَاءُ بْنُ زِيَادٍ يُذَكِّرُ النَّارَ فَقَالَ رَجُلٌ لِمَ تُقَنِّطُ النَّاسَ قَالَ وَأَنَا أَقْدِرُ أَنْ أُقَنِّطَ النَّاسَ وَاللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ يَقُولُ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (الزمر: ٥٤) وَيَقُولُ وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ (المؤمن: ٤٤) وَلَكِنَّكُمْ تُحِبُّونَ أَنْ تُبَشَّرُوا بِالْجَنَّةِ عَلَى مَسَاوِئِ أَعْمَالِكُمْ وَإِنَّمَا بَعَثَ اللّٰهُ

الطَّوْل کے معنی ہیں احسان۔ دٰخِرِيْنَ یعنی ذلیل وخوار۔ اور مجاہد نے کہا: (اَدْعُوْكُمْ) اِلَى النَّجٰوةِ سے مراد ہے میں تمہیں نجات یعنی ایمان کی طرف بلاتا ہوں۔ لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ یعنی بت کسی کی دعا نہیں قبول کر سکتا۔ يُسْجَرُوْنَ: ان پر آگ سلگائی جائے گی۔ تَمْرَحُوْنَ کے معنی ہیں اتراتے پھرتے تھے۔ اور علاء بن زیاد آگ سے ڈرا (کر وعظ و نصیحت کر) رہے تھے، ایک شخص نے کہا: تم لوگوں کو نااُمید کیوں کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا: کیا میں طاقت رکھتا ہوں کہ لوگوں کو نااُمید کروں جبکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے: اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جان پر (گناہ کر کے) ظلم کیا ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ اور فرماتا ہے کہ حد سے گذرنے والے لوگ دوزخی ہیں۔ مگر بات یہ ہے کہ تم یہ چاہتے ہو کہ بُرے اعمال کرنے کے باوجود تمہیں

---

١ یہ لفظ فتح الباری مطبوعہ انصاریہ کے مطابق ہے۔ (فتح الباری جزء ۸ حاشیہ صفحہ ۷۰۳) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُبَشِّرًا بِالْجَنَّةِ لِمَنْ أَطَاعَهُ وَمُنْذِرًا بِالنَّارِ لِمَنْ عَصَاهُ.

جنت کی بشارت دی جائے۔ اللہ نے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف اطاعت کرنے والوں کے لئے بطور مبشر بھیجا ہے کہ اُن کو جنت کی بشارت دے اور نافرمانوں کے لئے بطور نذیر بھیجا ہے کہ اُن کو آگ سے ڈرائے۔

٤٨١٥: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ قَالَ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ قَالَ قُلْتُ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَخْبِرْنِي بِأَشَدِّ مَا صَنَعَ الْمُشْرِكُونَ بِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بِفِنَاءِ الْكَعْبَةِ إِذْ أَقْبَلَ عُقْبَةُ بْنُ أَبِي مُعَيْطٍ فَأَخَذَ بِمَنْكِبِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَوَى ثَوْبَهُ فِي عُنُقِهِ فَخَنَقَهُ خَنْقًا شَدِيدًا فَأَقْبَلَ أَبُو بَكْرٍ فَأَخَذَ بِمَنْكِبِهِ وَدَفَعَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكُمْ (المؤمن:٢٩)

اطرافه: ٣٦٧٨، ٣٨٥٦۔

۴۸۱۵: علی بن عبد اللہ نے ہم سے بیان کیا کہ ولید بن مسلم نے ہمیں بتایا کہ اوزاعی نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: یحيٰ بن ابی کثیر نے مجھے بتایا۔ کہتے تھے: محمد بن ابراہیم تیمی نے مجھ سے بیان کیا، کہا: عروہ بن زبیر نے مجھ سے بیان کیا، کہا: میں نے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاصؓ سے کہا: جو سخت ترین سلوک مشرکوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا وہ مجھے بتائیں۔ انہوں نے کہا: ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے صحن میں نماز پڑھ رہے تھے اتنے میں عقبہ بن ابی مُعَیط آیا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کندھا پکڑا اور اپنا کپڑا آپؐ کی گردن میں لپیٹ کر اس کو انتہائی زور سے گھونٹا۔ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ آن پہنچے۔ انہوں نے عقبہ کا کندھا پکڑا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو ہٹایا اور کہا: کیا تم ایسے شخص کو مارتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا ربّ اللہ ہے اور وہ تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے کھلے کھلے دلائل لایا ہے۔

تشریح: قَالَ مُجَاهِدٌ حٰمٓ مَجَازُهَا مَجَازُ أَوَائِلِ السُّوَرِ: مجاہد نے کہا ہے کہ حروف حٰمٓ اسی طرح آئے ہیں جیسے دوسری سورتوں کی ابتداء میں حروفِ مقطعات ہیں۔ بعض نے شریح بن ابی اوفیٰ کے ایک شعر سے استدلال کرتے ہوئے اسے اسم قرار دیا ہے۔ یہ شعر شریح نے جنگِ جمل میں اس وقت پڑھا تھا جب اُس کا مقابلہ حضرت طلحہؓ کے بیٹے محمد سے ہوا۔ شریح نے جب ان کی طرف نیزہ اٹھایا تو محمد بن طلحہ نے حٰمٓ سے شروع ہونے والی اس سورۃ کی آیت کریمہ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰہُ (المؤمن:۲۹) پڑھی۔ یعنی کیا تم ایسے شخص کو مارتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا ربّ اللہ ہے۔ لیکن شریح نے اس کے باوجود اُنہیں مار ڈالا اور یہ شعر پڑھا جس کا مطلب ہے کہ وہ مجھ کو "حٰمٓ" یاد دلاتا ہے جبکہ نیزہ چلنے لگا ہے۔ لڑائی میں آنے سے قبل اس نے کیوں حٰمٓ نہ پڑھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حٰمٓ حضرت علیؓ کی فوج کا "شعار" تھا اور محمد بن طلحہ حٰمٓ کہہ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامی ہونے کا اظہار کر رہے تھے۔ اس شعر میں حٰمٓ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اعراب کے آنے کو اس بات کی دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے کہ یہ اسم ہے کیونکہ حروف پر اعراب نہیں آیا کرتے۔ لیکن طبری نے بیان کیا ہے کہ حروفِ مقطعات کی قراءت کرتے ہوئے انہیں الگ الگ اس طرح پڑھتے ہیں کہ آخر کو ساکن کیا جاتا ہے۔ یعنی ان پر اعراب کا نہ ہونا یہ بتاتا ہے کہ یہ حروف ہیں اسماء نہیں۔
(فتح الباری جزء۸ صفحہ ۷۰۵) (عمدۃ القاری جزء۱۹ صفحہ ۱۴۷)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے اس مضمون پر انتہائی بسط سے روشنی ڈالی ہے۔ آپؓ نے فرمایا ہے کہ

"چونکہ یہ حروف الگ الگ بولے جاتے ہیں، انہیں حروفِ مقطعات کہتے ہیں۔... ان میں اللہ تعالیٰ کی ان صفات کا ذکر ہے جن کی تشریح بعد کی سورۃ میں کی گئی ہے اور صفات کے پہلے حروف یا بعض اہم حروف کو مضمون کی طرف اشارہ کرنے کے لیے بیان کر دیا گیا۔...... یہی معنی سب سے زیادہ درست اور شانِ قرآن اور شہادتِ قرآن کے مطابق ہیں۔" (تفسیر کبیر، سورۃ البقرۃ، تفسیر آیت ۲، جلد اوّل صفحہ ۶۱)

آپؓ نے حَاء کو حَمِیْدٌ کا اور مِیْم کو مَجِیْدٌ کا قائم مقام قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ سورۃ اللہ تعالیٰ کی حمد اور اُس کی بزرگی کو ثابت کرتی ہے۔ (تفسیر صغیر، سورۃ المؤمن، ترجمہ وحاشیہ آیت نمبر ۲)

الطَّوْلِ: اس لفظ سے اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے: غَافِرِ الذَّنْبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ شَدِیْدِ الْعِقَابِ ذِی الطَّوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ ○ (المؤمن:۴) جو گناہوں کا بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے (اور اس وجہ سے حمد کا مستحق ہے) سزا دینے میں سخت ہے، بڑا احسان کرنے والا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ الطَّوْل کے معنی التَّفَضُّل ابو عبیدہ سے مروی ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۷۰۵) تَفَضُّل لفظ میں احسان کرنا اور قدر و منزلت میں فضیلت رکھنا ہر دو معانی شامل ہیں۔ امام بخاریؒ نے اس لفظ کے ذکر سے اس طرف

توجہ دلائی ہے کہ وہ حمید و مجید خدا توبہ قبول کرنے والا اور گناہوں کا بخشنے والا ہے، اُس کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہو، اُس کی شان بہت بلند اور اُس کا جود و کرم بے پایاں ہے۔

وَإِنَّمَا بَعَثَ اللهُ مُحَمَّدًا ﷺ مُبَشِّرًا ... وَمُنْذِرًا: اصلاح و تزکیہ کے لیے انذار و تبشیر ہر دو لازم و ملزوم ہیں۔ نہ تو محض خوشخبریاں اور بشارات ہی اصلاح کرتی ہیں اور نہ ہی محض خوف دلانا۔ اس سورۃ میں بھی ان دونوں مضامین کو یکے بعد دیگرے متعدد بار دُہرایا گیا ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والوں کے لیے جنت کی بشارت ہے وہیں نافرمانوں کو آگ کے عذاب سے ڈرایا بھی گیا ہے۔ امام بخاریؒ نے الطَّوْل کے لفظ میں رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ کے مضمون کی طرف توجہ دلائی ہے جبکہ دٰخِرِيْنَ، إِلَى النَّجٰوةِ، لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ، يُسْجَرُوْنَ، تَمْرَحُوْنَ کے الفاظ کے انتخاب سے ان آیات کے مضمون کی طرف توجہ دلائی ہے جن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے موردِ سزا ہونے والوں کا تذکرہ ہے۔

عنوانِ باب میں علاء بن زیاد کے حوالے سے درج ہے کہ لوگ عموماً اپنے بُرے اعمال کے باوجود جنت کے خواہاں رہتے ہیں۔ ایسے لوگ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (الزمر: ۵۴)[1] کا اگر یہ مفہوم سمجھتے ہیں کہ انہیں اصلاحِ نفس کی کوئی ضرورت نہیں تو انہیں توجہ دلائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے: اَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ (المؤمن: ۴۴) کہ حد سے گزرنے والے لوگ دوزخی ہیں۔

اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ: روایت زیر باب میں ذکر ہے کہ ایک بار عقبہ بن ابی مُعَیط آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن میں کپڑا ڈال کر آپؐ کا گلا گھونٹنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس اثناء میں حضرت ابو بکرؓ آ پہنچے اور انہوں نے اُس کو ہٹایا اور کہا: اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ (المؤمن: ۲۹)[2] قرآنِ کریم کے یہ الفاظ اس موقع کے ہیں کہ جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اُس کے دربار میں موجود ایک شخص جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والوں میں سے تھا، اُس نے کہا: اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ۭ (المؤمن: ۲۹)[3] اس آیت کریمہ میں نہایت عمدہ پیرایہ میں مامور من اللہ کی مخالفت کرنے والوں کو سمجھایا گیا ہے

---

1. ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”تُو کہہ دے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔“
2. ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”کیا تم محض اس لئے ایک شخص کو قتل کرو گے کہ وہ کہتا ہے کہ میرا ربّ اللہ ہے۔“
3. ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”کیا تم محض اس لئے ایک شخص کو قتل کرو گے کہ وہ کہتا ہے کہ میرا ربّ اللہ ہے اور وہ تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے کھلے کھلے نشان لے کر آیا ہے اگر وہ جھوٹا نکلا تو یقیناً اُس کا جھوٹ اُسی پر پڑے گا اور اگر وہ سچا ہوا تو جن چیزوں سے وہ تمہیں ڈراتا ہے ان میں سے کچھ ضرور تمہیں آ پکڑیں گی۔“

کہ اگر ایسا دعویدار اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہو گا تو اللہ تعالیٰ خود اس کے جھوٹ سے ہی اُس کی ہلاکت کے سامان پیدا کر دے گا، اُس کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے کسی مخالف کی مخالفت کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن یہ یاد رکھنا کہ اگر وہ سچا ہے تو جو انذار اور وعید اُس نے تمہارے متعلق کی ہے اُس میں سے کسی پیشگوئی کے مورد بن کر اپنی ہلاکت کے سامان نہ بنالینا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس آیت کریمہ کے ذکر میں فرماتے ہیں:

”خدا تعالیٰ کے راستبازوں اور ماموروں کے مقابلہ میں ہر قسم کی کوششیں ان کو کمزور کرنے کے لیے کی جاتی ہیں لیکن خدا اُن کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ ساری کوششیں خاک میں مل جاتی ہیں۔ ایسے موقعہ پر بعض شریف الطبع اور سعید لوگ بھی ہوتے ہیں جو کہہ دیتے ہیں: اِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ (المؤمن:۲۹) صادق کا صدق خود اُس کے لیے زبردست ثبوت اور دلیل ہوتا ہے اور کاذب کا کذب ہی اس کو ہلاک کر دیتا ہے۔ پس اُن لوگوں کو میری مخالفت سے پہلے کم از کم اتنا ہی سوچ لینا چاہیئے تھا کہ خدا تعالیٰ کی کتاب میں یہ ایک راہ راستباز کی شناخت کی رکھی ہے۔ مگر افسوس تو یہ ہے کہ یہ لوگ قرآن پڑھتے ہیں مگر اُن کے حلق سے نیچے نہیں اترتا۔“

(ملفوظات جلد سوم صفحہ ۵۳۶)

۴۱- سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَةِ

وَقَالَ طَاوُسٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا (حٰمٓ السجدة:۱۲) أَعْطِيَا قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ (حٰمٓ السجدة:۱۲) أَعْطَيْنَا.

اور طاؤس نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہوئے کہا: ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا کے معنی ہیں خوشی سے یا مجبوری سے مان جاؤ، فرمانبردار ہو جاؤ۔ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ یعنی ان دونوں نے کہا: ہم نے خوشی سے مان لیا۔

وَقَالَ الْمِنْهَالُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِابْنِ عَبَّاسٍ إِنِّي أَجِدُ فِي الْقُرْآنِ أَشْيَاءَ تَخْتَلِفُ عَلَيَّ قَالَ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ (المؤمنون:۱۰۲) وَ اَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ (الصافات:۲۸) وَ لَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا (النساء:۴۳) رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ (الأنعام:۲۴) فَقَدْ كَتَمُوا فِي هَذِهِ الْآيَةِ. وَقَالَ اَمِ السَّمَآءُ بَنٰهَا إِلَى قَوْلِهِ دَحٰهَا (النّٰزعٰت:۲۸-۳۱) فَذَكَرَ خَلْقَ السَّمَاءِ قَبْلَ خَلْقِ الْأَرْضِ ثُمَّ قَالَ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ إِلَى طَآئِعِيْنَ (حٰمٓ السجدة:۱۰-۱۲) فَذَكَرَ فِي هَذِهِ

اور منہال (بن عمرو اسدی) نے سعید بن جبیر سے یہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: ایک شخص حضرت ابن عباسؓ سے کہنے لگا: میں قرآن مجید میں بعض ایسی باتیں پاتا ہوں جو میرے نزدیک ایک دوسری سے مختلف ہیں۔ کہا: (مثلاً) ان کے درمیان اس دن کوئی رشتے نہ ہوں گے اور نہ وہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے اور (دوسری آیت میں ہے) وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوں گے آپس میں پوچھیں گے۔ (تیسری آیت میں ہے) اور وہ اللہ سے کوئی بات نہیں چھپائیں گے۔ (مگر چوتھی آیت میں یہ ہے:) ہمارا (سچا) ربّ ہے ہم (تو) مشرک تھے (ہی) نہیں۔ انہوں نے اس آیت میں چھپایا ہے۔ اور (ایک جگہ) فرمایا: اَمِ السَّمَآءُ بَنٰهَا... وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا۔[1] (اس میں) آسمان کی پیدائش کا ذکر زمین کی پیدائش سے پہلے ہے اور پھر فرمایا ہے کہ کیا تم انکار کرتے ہو اس

---

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: "یا آسمان جسے اُس نے بنایا ہے۔ اُس کی رِفعت کو اس نے بہت بلند کیا پھر اُسے ٹھیک ٹھاک کیا۔ اور اُس کی رات کو ڈھانپ دیا اور اُس کی صبح کو نکالا۔ اور زمین کو اس کے بعد ہموار بنا دیا۔"

خَلْقَ الْأَرْضِ قَبْلَ السَّمَاءِ وَقَالَ تَعَالَى وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (النساء:۱۰۱) عَزِيْزًا حَكِيْمًا (النساء:۵۷) سَمِيْعًا بَصِيْرًا (النساء:۵۹) فَكَأَنَّهُ كَانَ ثُمَّ مَضَى فَقَالَ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ (المؤمنون:۱۰۲) فِي النَّفْخَةِ الْأُولَى ثُمَّ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ (الزمر:۶۹) فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ (المؤمنون:۱۰۲) عِنْدَ ذٰلِكَ وَلَا يَتَسَآءَلُوْنَ (المؤمنون:۱۰۲) ثُمَّ فِي النَّفْخَةِ الْآخِرَةِ اَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ (الصافات:۲۸) وَأَمَّا قَوْلُهُ مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ (الأنعام:۲۴) وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ (النساء:۴۳) فَإِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ لِأَهْلِ الْإِخْلَاصِ ذُنُوبَهُمْ وَقَالَ الْمُشْرِكُونَ تَعَالَوْا نَقُولُ لَمْ نَكُنْ مُّشْرِكِينَ فَخُتِمَ عَلَى أَفْوَاهِهِمْ فَتَنْطِقُ أَيْدِيهِمْ فَعِنْدَ ذٰلِكَ عُرِفَ أَنَّ اللّٰهَ لَا يُكْتَمُ حَدِيثًا وَعِنْدَهُ يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (الحجر:۳) الْآيَةَ، خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ (حٰمٓ السجدة:۱۰) ثُمَّ خَلَقَ السَّمَاءَ ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ

ذات کا جس نے اس زمین کو دو دن میں پیدا کیا۔ اس قول تک کہ ہم فرمانبردار ہو کر آ گئے ہیں۔ چنانچہ اس آیت میں آسمان سے پہلے زمین کی پیدائش کا ذکر کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔ یعنی وہ غفور رحیم تھا۔ (اسی طرح فرمایا:) عزیز حکیم تھا، سمیع بصیر تھا۔ گویا کہ وہ گزشتہ زمانہ میں تھا اور اب نہیں ہے۔ (حضرت ابن عباسؓ نے یہ سن کر) جواب دیا: فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ یعنی ان کے درمیان تعلقات نہیں ہوں گے تو یہ پہلے نفخ کے وقت ہوگا۔ یعنی اس کے بعد صور پھونکا جائے گا اور جو اُن آسمانوں میں ہیں اور جو اِس زمین میں ہیں سب بے ہوش ہو جائیں گے سوائے اس کے جس کو اللہ چاہے تو اس وقت ان کے درمیان تعلقات نہیں رہیں گے اور نہ وہ ایک دوسرے سے متعلق پوچھیں گے۔ پھر دوسرے نفخ کے وقت وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوں گے اور ایک دوسرے سے پوچھیں گے۔ اور یہ جو فرمایا کہ ہم مشرک نہیں تھے اور وہ اللہ سے (کوئی بات) نہیں چھپائیں گے۔ (تو یہ اس لئے ہوگا کہ) اللہ اخلاص والوں کو ان کے گناہ بخش دے گا اور مشرک کہیں گے: آؤ ہم بھی کہیں کہ ہم مشرک نہیں تھے تو ان کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور ان کے ہاتھ بولیں گے اور اس وقت ان کو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ سے کوئی بات چھپ نہیں سکتی۔ اس وقت وہ لوگ

(البقرة: ۳۰) فِي يَوْمَيْنِ آخَرَيْنِ ثُمَّ دَحَا الْأَرْضَ وَدَحْوُهَا أَنْ أَخْرَجَ مِنْهَا الْمَاءَ وَالْمَرْعَى وَخَلَقَ الْجِبَالَ وَالْجِمَالَ وَالْآكَامَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي يَوْمَيْنِ آخَرَيْنِ فَذَلِكَ قَوْلُهُ دَحٰهَا (النّزعٰت: ۳۱) وَقَوْلُهُ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ (حٰمٓ السجدة: ۱۰) فَجُعِلَتِ الْأَرْضُ وَمَا فِيهَا مِنْ شَيْءٍ فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ وَخُلِقَتِ السَّمَوَاتُ فِي يَوْمَيْنِ، وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا سَمَّى نَفْسَهُ ذَلِكَ وَذَلِكَ قَوْلُهُ أَيْ لَمْ يَزَلْ كَذَلِكَ فَإِنَّ اللهَ لَمْ يُرِدْ شَيْئًا إِلَّا أَصَابَ بِهِ الَّذِي أَرَادَ فَلَا يَخْتَلِفْ عَلَيْكَ الْقُرْآنُ فَإِنَّ كُلًّا مِّنْ عِنْدِ اللهِ.

جو کافر ہیں آرزو کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے (اور یہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ) اس نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا پھر آسمان کو پیدا کیا۔ یعنی زمین کی پیدائش کے بعد آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے ان کو (سات طبقوں میں) مرتب کیا اور یہ بھی دو دنوں میں کیا (اور یہ جو فرمایا کہ) پھر زمین کو پھیلایا۔ اس کے پھیلانے سے یہ مراد ہے کہ اس سے پانی اور چارہ پیدا کیا اور پہاڑوں اور اُونٹوں اور ٹیلوں کو اور جو اُن دونوں کے درمیان ہے دو اَور دنوں میں پیدا کیا۔ یہی مراد ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے یعنی اُس نے (زمین کو) بچھایا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ اس نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا۔ تو زمین اور جو کچھ اس میں ہے چار اَدوار میں پیدا کی گئی اور یہ آسمان دو اَدوار میں بنائے گئے۔ (کُل چھ دور ہوئے۔) (اور یہ جو فرمایا:) وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا تو مراد ہے کہ اس نے اپنا یہ نام رکھا۔ یعنی اس کے قول کے مطابق یہ صفات (اُس میں پہلے سے ہیں اور) اسی طرح سے اب تک ہیں۔ کیونکہ اللہ جس چیز کا بھی ارادہ کرتا ہے اس کو حاصل کر لیتا ہے۔ اب تمہارے نزدیک قرآن میں کوئی اختلاف نہ رہے کیونکہ ہر آیت اللہ کی طرف سے ہے۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنِيهِ يُوسُفُ بْنُ عَدِيٍّ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو عَنْ

ابوعبداللہ (امام بخاریؒ) نے کہا: مجھ سے یوسف بن عدی نے یہ بیان کیا کہ ہمیں عبید اللہ بن عمرو نے

زَيْدِ بْنِ أَبِي أُنَيْسَةَ عَنِ الْمِنْهَالِ بِهٰذَا.

وَقَالَ مُجَاهِدٌ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ (حمٓ السجدۃ:۹) مَحْسُوبٍ، اَقْوَاتَهَا (حمٓ السجدۃ:۱۱) أَرْزَاقَهَا. فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا (حمٓ السجدۃ:۱۳) مِمَّا أَمَرَ بِهِ. نَّحِسَاتٍ (حمٓ السجدۃ:۱۷) مَشَائِيمَ، وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ (حمٓ السجدۃ:۲۶) {قَرَنَّاهُمْ بِهِمْ[1]}، تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ (حمٓ السجدۃ:۳۱) عِنْدَ الْمَوْتِ، اهْتَزَّتْ (حمٓ السجدۃ:۴۰) بِالنَّبَاتِ وَرَبَتْ (حمٓ السجدۃ:۴۰) ارْتَفَعَتْ. وَقَالَ غَيْرُهُ مِنْ اَكْمَامِهَا (حمٓ السجدۃ:۴۸) حِينَ تَطْلُعُ. لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ (حمٓ السجدۃ:۵۱) أَيْ بِعَمَلِي أَنَا مَحْقُوقٌ بِهٰذَا. سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ (حمٓ السجدۃ:۱۱) قَدَّرَهَا سَوَاءً. فَهَدَيْنٰهُمْ (حمٓ السجدۃ:۱۸) دَلَلْنَاهُمْ عَلَى الْخَيْرِ وَالشَّرِّ كَقَوْلِهِ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ (البلد:۱۱) وَكَقَوْلِهِ هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ (الدھر:۴) وَالْهُدَى الَّذِي

زید بن ابی اُنیسہ سے، زید نے منہال سے یہی روایت بیان کی۔

اور مجاہد نے کہا: لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ (میں مَمْنُوْن کے معنی) مَحْسُوْب کے ہیں یعنی حساب سے۔ اَقْوَاتَهَا کے معنی ہیں اس کے رزق۔ فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا سے مراد ہے کہ جو حکم ہر ایک آسمان سے متعلق ہے۔ نَّحِسَات کے معنی منحوس۔ وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ یعنی ہم نے ان کے ساتھ ان کے جوڑ کے ساتھی لگا دیئے ہیں۔ تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ یعنی فرشتے ان پر اترتے ہیں موت کے وقت۔ اهْتَزَّتْ کے معنی ہیں سبزہ سے لہلہانے لگتی ہے۔ اور رَبَتْ کے معنی اُبھر آتی ہے، پھول جاتی ہے۔ اور مجاہد کے سوا اَوروں نے کہا: مِنْ اَكْمَامِهَا سے مراد وہ وقت ہے کہ جب گابھے نکلتے ہیں۔ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ یعنی وہ کہتا ہے کہ (یہ مجھے ملا ہے) میرے عمل کی وجہ سے میں اس کا حقدار تھا۔ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ سب مانگنے والوں کے لئے اس کو یکساں رکھا۔ فَهَدَيْنٰهُمْ سے یہ مراد ہے کہ ہم نے ان کو اچھے بُرے کا پتہ دے دیا جیسا کہ یہ فرمایا: وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ (یعنی پھر ہم نے اُسے (ہدایت اور گمراہی کے) دونوں راستے بھی بتا دیئے ہیں۔) اور جیسے یہ فرمایا: هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ یعنی ہم نے اُسے اُس کے مطابقِ حال رستہ

---

[1] یہ الفاظ اصیلی کے نسخہ کے مطابق ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۷۱۱) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

هُوَ الْإِرْشَادُ بِمَنْزِلَةِ أَصْعَدْنَاهُ مِنْ ذَلِكَ قَوْلُهُ: أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ (الأنعام:۹۱) يُوزَعُونَ (حٰمٓ السجدۃ:۲۰) يُكَفُّونَ. مِنْ أَكْمَامِهَا (حٰمٓ السجدۃ:۴۸) قِشْرُ الْكُفُرَّى هِيَ الْكُمُّ. {وَقَالَ غَيْرُهُ وَيُقَالُ لِلْعِنَبِ إِذَا خَرَجَ أَيْضًا كَافُورٌ وَكُفُرَّى[1]}. وَلِيٌّ حَمِيمٌ (حٰمٓ السجدۃ:۳۵) الْقَرِيبُ. مِنْ مَّحِيصٍ (حٰمٓ السجدۃ:۴۹) حَاصَ عَنْهُ حَادَ عَنْهُ. مِرْيَةٍ (حٰمٓ السجدۃ:۵۵) وَمُرْيَةٌ وَاحِدٌ أَيِ امْتِرَاءٌ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ (حٰمٓ السجدۃ:۴۱) الْوَعِيدُ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (حٰمٓ السجدۃ:۳۵) الصَّبْرُ عِنْدَ الْغَضَبِ وَالْعَفْوُ عِنْدَ الْإِسَاءَةِ فَإِذَا فَعَلُوهُ عَصَمَهُمُ اللّٰهُ وَخَضَعَ لَهُمْ عَدُوُّهُمْ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ. (حٰمٓ السجدۃ:۳۵)

بتا دیا اور وہ ہدایت جس کے معنی صحیح راستہ بتلانا ہے، یہ أَصْعَدْنَاهُ کے معنوں میں ہے۔ یعنی ہم نے اُسے بلند کیا۔ انہی معنوں میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ انہی (مذکورہ بالا لوگوں) کو اللہ نے ہدایت دی۔ پس تُو اُن کی ہدایت کی پیروی کر۔ يُوزَعُونَ یعنی وہ روکے جائیں گے۔ مِنْ أَكْمَامِهَا گابھے کے چھلکا کو کُمّ کہتے ہیں۔ اور (مجاہد کے سوا) اَوروں نے کہا: انگور جب نکلے اس کو بھی کَافُور اور کُفُرَّی کہتے ہیں۔ وَلِيٌّ حَمِيمٌ کے معنی ہیں دوست جو بہت ہی قریب ہو۔ مِنْ مَّحِيصٍ۔ یعنی بھاگ جانے کی کوئی جگہ (یہ حَاصَ سے نکلا ہے) حَاصَ عَنْهُ کے معنی ہیں: بھاگ نکلا، الگ ہو گیا۔ مِرْيَةٌ اور مُرْيَةٌ ایک ہی ہیں یعنی شک کرنا۔ اور مجاہد نے کہا: اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ یعنی جو تم چاہو کرو۔ یہ دھمکی ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا: ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ سے یہ مراد ہے کہ غصے کے وقت صبر کرنا اور بُرائی کے وقت معاف کرنا۔ جب وہ اس پر عمل کریں گے اللہ ان کو بچا لے گا اور ان کے دشمن بھی عاجز ہو کر ان کے گہرے دوست بن جائیں گے۔

---

[1] یہ الفاظ فتح الباری مطبوعہ بولاق کے مطابق ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ حاشیہ صفحہ ۷۰۷) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

تشریح: اِئْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ○ (حٰمٓ السجدۃ:۱۲)[1] امام ابن حجرؒ نے اس کی وضاحت میں مجاہد کی سند سے حضرت ابن عباسؓ ہی کی ایک روایت درج کی ہے کہ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لِلسَّمَاوَاتِ أَطْلِعِي الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ وَقَالَ لِلْأَرْضِ شَقِّقِي أَنْهَارَكِ وَأَخْرِجِي ثِمَارَكِ قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِيْنَ۔ یعنی اللہ عزّ وجل نے آسمانوں سے کہا: سورج، چاند اور ستاروں کو نکالو اور زمین سے کہا: اپنے دریاؤں کو پھیلاؤ اور اپنے پھل نکالو۔ تو (زمین و آسمان) دونوں نے کہا: ہم خوشی سے آتے ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۷۰۷)

اِئْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا کے معنی ہیں خوشی سے یا مجبوری سے مان جاؤ، فرمانبردار ہو جاؤ۔ حضرت ابن عباسؓ کے بیان کردہ ان معانی پر یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ أَتَى يَأْتِي کے معنی آنے کے ہیں، اعطاء کے نہیں۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضرت ابنِ عباسؓ کی قراءت میں اٰتِيَا اور آتَيْنَا مد کے ساتھ ہے اور یہ صیغے مواتاۃ باب مفاعلہ کے ہیں۔ جبکہ أَتَى يَأْتِي ثلاثی مجرد کے صیغے ہیں۔ مواتاۃ کے معنی موافقت کے ہیں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ زمین اور آسمان کو یہ حکم دیا گیا کہ تم دونوں کی تخلیق کے جو مقاصد ہیں ان میں ایک دوسرے کی موافقت کرو یعنی دونوں کے نظام ایک دوسرے کے لیے معاون و مددگار بنیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہایت لطیف پیرایہ میں اس مضمون کو کھولا ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں:

”.... فَهٰذِهِ الْاٰيَاتُ كُلُّهَا تَدُلُّ عَلٰى أَنَّ اللّٰهَ الْحَكِيْمَ الْعَلِيْمَ الرَّحِيْمَ الْكَرِيْمَ الْمُتَفَضِّلَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ كَذَكَرٍ وَّأُنْثٰى، وَاقْتَضَتْ حِكْمَتُهُ أَنْ يَّجْمَعَهُمَا مِنْ حَيْثُ الْفِعْلِ وَالْاِنْفِعَالِ، وَيَجْعَلَ بَعْضَهُمَا مُؤَثِّرًا فِي بَعْضٍ وَهٰذَا مَعْنٰى قَوْلِهٖ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا۔“ (حمامۃ البشریٰ، روحانی خزائن جلد۷ صفحہ ۲۸۹)

ترجمہ: یہ سب آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ خدا تعالیٰ جو حکیم، علیم، رحیم، کریم اور فضل کرنے والا ہے، اُس نے آسمانوں اور زمین کو نَر و مادہ کی مانند پیدا کیا ہے اور اس کی حکمت نے تقاضا کیا کہ ان دونوں کو مؤثر اور متأثر حیثیت سے جمع کرے اور ان میں سے بعض کو بعض میں اثر کرنے والا بنائے اور اللہ تعالیٰ کے قول فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا کے یہی معنی ہیں۔

قَالَ رَجُلٌ لِابْنِ عَبَّاسٍ إِنِّي أَجِدُ فِي الْقُرْآنِ أَشْيَاءَ تَخْتَلِفُ عَلَيَّ: سورۃ حٰم السجدۃ کے الفاظ کی شرح میں امام بخاریؒ نے ایک شخص کے چار سوال اور حضرت ابنِ عباسؓ کے جواب درج کیے ہیں۔ خدا تعالیٰ اور اس کے انبیاء کے کلام میں بعض اوقات بادی النظر میں اختلاف نظر آتا ہے کیونکہ اس کلام کے بعض دقیق اور لطیف حصے ایسے

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں دھواں تھا اور اُس نے اس سے اور زمین سے کہا کہ تم دونوں خوشی سے یا مجبوراً چلے آؤ۔ اُن دونوں نے کہا ہم خوشی سے حاضر ہیں۔“

ہوتے ہیں کہ ان تک رسائی صرف ان برگزیدہ انسانوں کو نصیب ہوتی ہے جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے دستِ قدرت سے پاک کرتا ہے۔ فرماتا ہے: لَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ○ (الواقعۃ: ۸۰)[1] مگر جو لوگ ان اوصاف سے محروم ہوتے ہیں وہ اپنی کور باطنی کی وجہ سے اعتراض کرتے ہیں۔ ان کی نظر میں جو بات قابلِ اعتراض ہوتی ہے وہ دراصل نہایت اعلیٰ درجہ کا مضمون اور بہت بڑی معرفت کا بیان ہوتا ہے۔

امام ابنِ حجر نے لکھا ہے کہ یہ شخص جس نے حضرت ابنِ عباسؓ سے قرآنِ کریم کی آیات کے تعارض کے حوالے سے چار سوال کیے وہ نافع بن ازرق تھا۔ یہ خوارج کے فرقہ ازارقہ کا بعد میں رئیس بنا۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۷۰۸) اِن لوگوں کی مسلمانوں سے کئی جنگیں ہوئیں، بعض حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے زمانہ میں اور بعض عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں۔ اس کی تفصیل کتاب الفَرق بین الفِرق، ذکر الأزارقة، صفحہ ۶۲ تا ۶۶ پر دیکھی جاسکتی ہے۔

وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ: یعنی ہم نے ان کے ساتھ ان کے جوڑ کے ساتھی لگا دیئے ہیں۔ مکمل آیت یہ ہے: وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْۤ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ○ (حٰمٓ السجدۃ:۲۶) اور ہم نے اُن کے لئے بعض ساتھی مقرر کر دیئے پس انہوں نے اُن کے لئے اُسے خوب سجا کر پیش کیا جو اُن کے سامنے تھا یا اُن سے پہلے تھا پس اُن پر وہی فرمان صادق آ گیا جو اُن قوموں پر صادق آیا تھا جو اُن سے قبل جن و اِنس میں سے گزر چکی تھیں یقیناً وہ گھاٹا پانے والوں میں سے تھے۔
(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ بُرے ساتھی اور بُری صحبت انسان کو بُرائیوں اور گناہوں میں بڑھانے کا موجب بنتے ہیں اور انجام کار ایسے لوگ گھاٹا پانے والوں میں سے ہو جاتے ہیں۔

تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ: مکمل آیت یہ ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْۤ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ○ (حٰمٓ السجدۃ: ۳۱، ۳۲) یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کہا اللہ ہمارا ربّ ہے، پھر استقامت اختیار کی، اُن پر بکثرت فرشتے نازل ہوتے ہیں کہ خوف نہ کرو اور غم نہ کھاؤ اور اس جنت (کے ملنے) سے خوش ہو جاؤ جس کا تم وعدہ دیئے جاتے ہو۔ ہم اس دنیوی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی اور اس میں تمہارے لئے وہ سب کچھ ہوگا جس کی تمہارے نفس خواہش کرتے ہیں اور اس میں تمہارے لئے وہ سب کچھ ہوگا جو تم طلب کرتے ہو۔ (ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ)

امام بخاریؒ نے تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ کا ذکر وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ (حٰمٓ السجدۃ:۲۶) کے مقابل بیان کیا ہے۔ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ بُری صحبت انسان کو گھاٹا پانے والوں میں سے بنا دیتی ہے، جبکہ نیک صحبت جس کی اعلیٰ مثال فرشتوں کا نزول ہے، وہ دنیا و آخرت کی کامیابیوں پر منتج ہوتی ہے۔

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”کوئی اسے چھو نہیں سکتا سوائے پاک کئے ہوئے لوگوں کے۔“

مجاہد نے تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ کی وضاحت عِنْدَ الْمَوْتِ کے الفاظ سے کی ہے، یعنی فرشتے موت کے وقت اُن پر اُترتے ہیں۔ اس سے یہ سمجھنا کہ ملائکہ کا نزول صرف موت کے وقت ہی ہوتا ہے، درست نہیں۔ امام بخاریؒ نے اس کی وضاحت متعدد ابواب میں کی ہے کہ مقربین الٰہی کو ملائکہ کی مصاحبت اس دُنیا میں بھی ملتی ہے اور آخرت میں بھی ملے گی۔ (کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکۃ) سنت اللہ یہی ہے کہ رَبُّنَا اللہ (ہمارا ربّ اللہ ہے) کے دعویٰ پر استقامت دکھانے والوں پر ملائکۃ اللہ کا نزول ہوتا ہے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جنہوں نے کہا کہ ہمارا ربّ اللہ ہے اور استقامت کی، اُن پر فرشتے اُترتے ہیں۔ مفسروں کی غلطی ہے کہ فرشتوں کا اُترنا نزع میں ہے، یہ غلط ہے۔...... اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا کہ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ (حٰمٓ السجدۃ: ۳۲) کہ ہم اس دنیا میں بھی اور آئندہ بھی متقی کے ولی ہیں۔ سو یہ آیت بھی تکذیب میں اُن نادانوں کے ہے، جنہوں نے اس زندگی میں نزولِ ملائکہ سے انکار کیا۔ اگر نزع میں نزولِ ملائکہ تھا تو حیات الدنیا میں خدا تعالیٰ کیسے ولی ہوا۔“ (ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۱۰ تا ۱۲)

نیز فرمایا:

”روح القدس کے بارہ میں جو قرآن کریم میں آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ کے لئے کامل مومنوں کو روح القدس دیا جاتا ہے منجملہ ان کے ایک یہ آیت ہے...... اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ۔ یعنی جو لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا ربّ اللہ جلّ شانہٗ ہے پھر اپنی ثابت قدمی دکھلاتے ہیں کہ کسی مصیبت اور آفت اور زلزلہ اور امتحان سے اُن کے صدق میں ذرّہ فرق نہیں آتا اُن پر فرشتے اُترتے ہیں یہ کہتے ہوئے کہ تم ذرا خوف نہ کرو اور نہ غمگین ہو۔ اور اُس بہشت کے تصور سے شادان اور فرحان رہو جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا ہے ہم تمہارے متولّی اور تمہارے پاس ہر وقت حاضر اور قریب ہیں کیا دنیا میں اور کیا آخرت میں۔“

(آئینہ کمالاتِ اسلام، روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۹۷ تا ۹۹)

باب ۱

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ○

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اور تم ایسے نہیں ہو کہ اس سے پوشیدہ رہو کہ تمہارے بر خلاف تمہارے کان گواہی دیں اور نہ تمہاری آنکھیں اور نہ تمہاری جلدیں مگر تم نے یہ گمان کیا کہ اللہ جو اعمال تم کرتے ہو ان سے بہت کچھ نہیں جانتا۔ (حٰمٓ السجدۃ:۲۳)

٤٨١٦ : حَدَّثَنَا الصَّلْتُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ عَنْ رَّوْحِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ مَّنْصُورٍ عَنْ مُّجَاهِدٍ عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ (حٰمٓ السجدۃ:۲۳) الْآيَةَ كَانَ رَجُلَانِ مِنْ قُرَيْشٍ وَخَتَنٌ لَّهُمَا مِنْ ثَقِيفَ- أَوْ رَجُلَانِ مِنْ ثَقِيفَ وَخَتَنٌ لَّهُمَا مِنْ قُرَيْشٍ فِي بَيْتٍ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ أَتَرَوْنَ أَنَّ اللّٰهَ يَسْمَعُ حَدِيثَنَا قَالَ بَعْضُهُمْ يَسْمَعُ بَعْضَهُ وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَئِنْ كَانَ يَسْمَعُ بَعْضَهُ لَقَدْ يَسْمَعُ كُلَّهُ فَأُنْزِلَتْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ

۴۸۱۶: صلت بن محمد نے ہم سے بیان کیا کہ یزید بن زُرَیع نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے رَوح بن قاسم سے، رَوح نے منصور سے، منصور نے مجاہد سے، مجاہد نے ابو معمر (عبداللہ بن سخبرہ) سے، ابو معمر نے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کی۔ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ[1] (یہ جو آیت ہے اس کا موقع نزول یہ ہے کہ) قریش کے دو آدمی تھے اور ان کی بیوی کا ایک رشتہ دار جو ثقیف قبیلہ سے تھا یا یہ دونوں آدمی ثقیف سے تھے اور ان کی بیوی کا رشتہ دار قریش سے تھا (یہ تینوں) ایک گھر میں تھے۔ اُن میں سے ایک نے کسی سے کہا: کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اللہ ہماری باتیں سن رہا ہے؟ ان میں سے کسی نے کہا: بعض باتیں سنتا ہے۔ اور اُن میں سے ایک نے کہا: اگر وہ کچھ باتیں سنتا ہے تو یقیناً ساری بھی سنتا ہے۔ تب یہ

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”اور تم (اِس سے) چھپ نہیں سکتے تھے کہ تمہارے خلاف تمہاری سماعت گواہی دے۔“

(حٰمٓ السجدة: ٢٣) الْآيَةَ.

آیت نازل ہوئی: اور تم ایسے نہیں ہو کہ اس سے پوشیدہ رہو کہ تمہارے برخلاف تمہارے کان گواہی دیں اور نہ تمہاری آنکھیں۔

أطرافه: ٤٨١٧، ٧٥٢١-

باب ٢: وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ (حٰمٓ السجدة: ٢٤)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) اور یہی وہ بدظنی تھی جو تم نے اپنے ربّ کے متعلق کی جس نے تم کو ہلاک کر دیا اور تم ہر طرح نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہو گئے

٤٨١٧: حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا مَنْصُورٌ عَنْ مُّجَاهِدٍ عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ اجْتَمَعَ عِنْدَ الْبَيْتِ قُرَشِيَّانِ وَثَقَفِيٌّ أَوْ ثَقَفِيَّانِ وَقُرَشِيٌّ كَثِيرَةٌ شَحْمُ بُطُونِهِمْ قَلِيلَةٌ فِقْهُ قُلُوبِهِمْ فَقَالَ أَحَدُهُمْ أَتَرَوْنَ أَنَّ اللهَ يَسْمَعُ مَا نَقُولُ قَالَ الْآخَرُ يَسْمَعُ إِنْ جَهَرْنَا وَلَا يَسْمَعُ إِنْ أَخْفَيْنَا. وَقَالَ الْآخَرُ إِنْ كَانَ يَسْمَعُ إِذَا جَهَرْنَا فَإِنَّهُ يَسْمَعُ إِذَا أَخْفَيْنَا. فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَ لَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ (حٰمٓ السجدة: ٢٣) الْآيَةَ. وَكَانَ سُفْيَانُ يُحَدِّثُنَا بِهٰذَا فَيَقُولُ حَدَّثَنَا مَنْصُورٌ أَوْ

۴۸۱۷: (عبداللہ بن زبیر) حمیدی نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان (بن عیینہ) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے منصور (بن معتمر) سے، منصور نے مجاہد سے، مجاہد نے ابو معمر سے، ابو معمر نے حضرت عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: بیت اللہ کے پاس دو قریشی اور ایک ثقفی یا دو ثقفی اور ایک قریشی اکٹھے ہوئے۔ ان کے پیٹوں کی چربی بہت تھی، ان کے دلوں کی سمجھ کم تھی تو اُن میں سے ایک نے کہا: کیا تم سمجھتے ہو کہ اللہ جو ہم کہہ رہے ہیں سنتا ہے؟ دوسرے نے کہا: سنتا ہے اگر ہم اُونچا بولیں اور نہیں سنتا اگر ہم آہستہ بات کریں۔ اور تیسرے نے کہا: اگر وہ ہماری بات جب اونچی کریں سنتا ہے تو یقیناً وہ اس وقت بھی سنتا ہوگا جب ہم آہستہ کریں۔ تب اللہ عزوجلّ نے یہ وحی نازل کی: اور تم ایسے نہیں ہو کہ اس سے پوشیدہ رہو کہ تمہارے برخلاف تمہارے

ابْنُ أَبِي نَجِيحٍ أَوْ حُمَيْدٌ أَحَدُهُمْ أَوِ اثْنَانِ مِنْهُمْ ثُمَّ ثَبَتَ عَلَى مَنْصُورٍ وَتَرَكَ ذَلِكَ مِرَارًا غَيْرَ وَاحِدَةٍ.

کان گواہی دیں اور نہ تمہاری آنکھیں اور نہ تمہارے جسم۔ اور سفیان (بن عیینہ) ہم سے یہ حدیث بیان کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم سے منصور (بن معتمر) یا (عبداللہ) ابن ابی نجیح نے یا حمید (بن قیس) میں سے ایک نے یا ان میں سے دو نے بیان کیا۔ پھر بعد میں وہ منصور کا ہی نام لیتے رہے اور باقیوں کا نام لینا چھوڑ دیا اور اس طرح یہ حدیث انہوں نے کئی دفعہ بیان کی۔

أطرافه: ٤٨١٦، ٧٥٢١۔

{قَوْلُهُ فَإِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ (حٰمٓ السجدۃ:۲۵) الْآيَةَ [1]}

اللہ تعالیٰ کا فرمانا: اگر وہ صبر بھی کریں تو پھر بھی آگ ہی ان کا ٹھکانہ ہے

حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي مَنْصُورٌ عَنْ مُّجَاهِدٍ عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ... بِنَحْوِهِ.

عمرو بن علی نے ہم سے بیان کیا کہ یحيٰ (بن سعید قطان) نے ہمیں بتایا کہ ہم سے سفیان ثوری نے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: منصور نے مجھے بتایا، انہوں نے مجاہد سے، مجاہد نے ابومعمر سے، ابومعمر نے حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) سے اس طرح کی حدیث بیان کی۔

أطرافه: ٤٨١٦، ٧٥٢١۔

تشریح: وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ: امام بخاری نے تین ابواب میں ایک ہی روایت تین مختلف سندوں سے نقل کی ہے، اس میں یہ ذکر ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ انسان کی باتوں کو سنتا اور اس کے اعمال کو دیکھتا ہے؟ اس کا جواب قرآنِ کریم کی اس آیت وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ (حٰمٓ السجدۃ:۲۳) میں دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں اور اللہ تعالیٰ نے ایسا نظامِ تکوینی وضع کیا ہے کہ انسان کا ہر قول وفعل ساتھ ساتھ محفوظ ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قانونِ قدرت کے ریکارڈ کے اس سسٹم کو دیکھ کر انسان بوقت حساب حیران ہو کر کہے گا: يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ

[1] یہ الفاظ فتح الباری مطبوعہ بولاق کے مطابق ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ حاشیہ صفحہ ۷۱۴) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ○ (الکہف: ۵۰) اے (افسوس) ہماری تباہی (سامنے کھڑی ہے) اس کتاب کو کیا (ہوا) ہے (کہ) نہ کسی چھوٹی بات کو اس کا احاطہ کیے بغیر چھوڑتی ہے اور نہ کسی بڑی بات کو اور جو کچھ انہوں نے کیا (ہوا) ہو گا، اسے اپنے سامنے حاضر پائیں گے اور تیرا ربّ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ (ترجمہ تفسیر صغیر) نیز سورۂ نور میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (النور: ۲۵) اُس دن جبکہ اُن کی زبانیں بھی اور اُن کے ہاتھ بھی اور اُن کے پاؤں بھی اُن کے اعمال کے متعلق جو وہ کرتے تھے اُن کے خلاف گواہی دیں گے۔ (ترجمہ تفسیر صغیر)

آج کے دَور میں ریکارڈ کی حفاظت کے اس سسٹم کو سمجھنا آسان ہو گیا ہے۔ فنگر پرنٹس کے ذریعے مجرموں کو پکڑنے کا جو تصور سائنس نے اَب پیش کیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی وحی نے چودہ سو سال پہلے یہ بات بیان کر دی کہ انسانی جسم کے اعضاء سے جو افعال صادر ہوتے ہیں وہ ایک محفوظ کتاب میں ریکارڈ ہو رہے ہیں اور جب حساب کتاب ہو گا تو انسانوں کی جلدیں اور اعضاء اُن افعال کی گواہی دیں گے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”قیامت کے دن جو انسان کی جواب طلبی ہو گی وہ محض فرشتوں کی گواہی کے مطابق نہیں ہو گی بلکہ ہر انسان کے بدن کے اعضاء بھی اپنے جرائم کا اقبال (Confession) کریں گے۔ اس میں غالب کے اس شاعرانہ تخیل کا بھی جواب آگیا کہ

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق   آدمی کوئی ہمارا دمِ تحریر بھی تھا؟

اس روز آدمی خود اقبالِ جرم کر رہا ہو گا۔ قرآنِ کریم کا نظامِ عدل بڑا مضبوط ہے۔ گواہیاں بھی ہوں گی اور Confession بھی۔“

(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، سورۃ یٰسٓ، حاشیہ آیت ۶۶)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”اس دن مجرموں پر اُن کے اعمال کی حقیقت ظاہر کرنے کے لیے الٰہی ریکارڈنگ مشین کی سوئی اُن کی زبان پر رکھ دی جائے گی اور زبان بولنا شروع کر دے گی کہ حضور فلاں دن اس نے خدا کو گالی دی۔ فلاں دن اس نے نبیوں کو گالی دی۔ فلاں دن اس نے اپنے ہمسائے کو گالی دی۔ فلاں دن اس نے اپنی بیوی کو گالی دی۔ فلاں دن اس نے حرام کا مال چکھا اور فلاں دن اس نے یہ یہ الزام لگایا۔ غرض سارے

کا سارا ریکارڈ زبان بیان کرنا شروع کر دے گی۔ پھر ہاتھوں پر سوئی رکھی جائے گی تو ہاتھ بولنا شروع کر دیں گے کہ فلاں دن اس نے فلاں کو مارا اور فلاں دن اس نے ان کا یوں مال اٹھایا۔ پھر پاؤں بیان کرنا شروع کر دیں گے کہ فلاں رات کو فلاں کے گھر سیندھ لگانے کے لیے یا فلاں کا مال اُٹھانے کے لیے یا اس کو قتل کرنے کے لیے یا اور کوئی نقصان پہنچانے کے لیے یہ شخص گیا۔ غرض کانوں، آنکھوں اور چمڑوں کے علاوہ زبانیں بھی اور ہاتھ اور پاؤں بھی اپنے اپنے حصہ کے ریکارڈ سنائیں گے۔ اور ظاہر ہے کہ اس کے بعد انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔"

(تفسیر کبیر، سورۃ النور، زیر آیت يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ، جلد ۶ صفحہ ۲۸۹)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے سورۃ الانفطار کی آیات ۱۱ تا ۱۳ کی تفسیر میں بھی اس مضمون کو نہایت بسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۲۶۶، ۲۶۷۔

۴۲۔ سُورَۃُ حٰمٓ عٓسٓقٓ

وَيُذْكَرُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَقِيْمًا (الشوریٰ:۵۱) لَا تَلِدُ. رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا (الشوریٰ:۵۳) الْقُرْآنُ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ (الشوریٰ:۱۲) نَسْلٌ بَعْدَ نَسْلٍ. لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا (الشوریٰ:۱۶) لَا خُصُومَةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ. مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ (الشوریٰ:۴۶) ذَلِيلٍ. وَقَالَ غَيْرُهُ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ (الشوریٰ:۳۴) يَتَحَرَّكْنَ وَلَا يَجْرِينَ فِي الْبَحْرِ. شَرَعُوْا (الشوریٰ:۲۲) ابْتَدَعُوا.

اور حضرت ابن عباسؓ سے عَقِيْمًا کے معنی جس کی اولاد نہ ہو بیان کئے جاتے ہیں۔ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا سے مراد قرآن ہے۔ اور مجاہد نے کہا: يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ سے مراد یہ ہے کہ ایک نسل کے بعد دوسری نسل پھیلاتا ہے۔ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا کے معنی ہیں اب ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں۔ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ یعنی نیچی نگاہ سے۔ اور حضرت ابن عباسؓ کے سوا اَوروں نے کہا: فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنی جگہ ٹھہرے ہوئے ہلتی رہیں اور سمندر میں نہ چلیں۔ شَرَعُوْا یعنی انہوں نے نیا دین نکالا۔

بَاب ۱ : اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى (الشوریٰ:۲۴)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) سوائے اس محبت کے جو اپنے قریب ترین رشتہ داروں سے کی جاتی ہے

۴۸۱۸ : حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ مَيْسَرَةَ قَالَ سَمِعْتُ طَاوُسًا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ قَوْلِهِ اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى (الشوریٰ:۲۴) فَقَالَ سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ قُرْبَى آلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ عَجِلْتَ إِنَّ النَّبِيَّ

۴۸۱۸: محمد بن بشار نے مجھ سے بیان کیا کہ محمد بن جعفر نے ہمیں بتایا کہ شعبہ نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے عبدالملک بن میسرہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں نے طاؤس سے سنا۔ وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے تھے کہ ان سے اللہ تعالیٰ کے اس قول اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى [1] کی بابت پوچھا گیا (کہ اس سے کیا مراد ہے؟) تو سعید بن جبیر نے کہا: قُرْبَى سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل ہے۔

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: "ہاں تم آپس میں اقرباء کی سی محبت پیدا کرو۔"

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ بَطْنٌ مِّنْ قُرَيْشٍ إِلَّا كَانَ لَهُ فِيهِمْ قَرَابَةٌ فَقَالَ إِلَّا أَنْ تَصِلُوا مَا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ مِنَ الْقَرَابَةِ.

حضرت ابن عباسؓ نے کہا: تم نے جلدی کی۔ قریش کا کوئی ایسا قبیلہ نہ تھا جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ داری نہ ہو (تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر اور کچھ نہیں تو کم از کم میرے اور تمہارے درمیان جو قرابت ہے اسی کا لحاظ رکھو۔

طرفه: ٣٤٩٧۔

تشریح: اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى: روایت زیر باب میں مذکور ہے کہ سعید بن جبیر نے الْقُرْبٰى سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آل مراد لی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس غلطی پر متنبہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ قریش کا کوئی بھی گھرانہ ایسا نہیں ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت داری نہ ہو۔ اس لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقرباء کو محدود کرنا درست نہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اس سورت کی آیت نمبر ۲۴ کا شیعہ مفسرین سیاق وسباق سے ہٹ کر ایک ظالمانہ ترجمہ کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہنے کا ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ لوگو! میں تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا لیکن میرے عزیز رشتہ داروں کو اس کے بدلہ میں اجر دو۔ اس آیت کا ہرگز یہ مطلب نہیں۔ کیونکہ اپنے عزیزوں کے لئے اجر طلب کرنا دراصل اپنے لئے ہی اجر طلب کرنا ہوتا ہے۔ اس کا اصل مفہوم یہ ہے کہ میں تو تم سے اپنے لئے اور اپنے عزیزوں کے لئے بھی کوئی اجر طلب نہیں کرتا۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر فرمایا کہ میرے عزیزوں اور آگے اُن کی نسل کو کبھی صدقہ نہ دیا جائے لیکن تم اپنے اقرباء کو نظر انداز نہ کرو۔ ان کی ضروریات پر خرچ کرنا تم پر فرض ہے۔“

(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تعارف سورۃ الشوریٰ، صفحہ ۸۶۰)

آیت کے معنی یہ ہیں کہ میں تم سے ایک دوسرے کے لئے ویسی ہی محبت چاہتا ہوں جیسی قریب ترین رشتہ دار اپنے قریب ترین رشتہ دار سے کرتا ہے۔ ایسی محبت جو سراسر خالص ہو اور طبعی جذبے سے صادر ہو۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ کے تزکیہ نفس کی شان اور باہمی محبت و اخوت کا رابطہ ایک ایسا نمونہ ہے جو عدیم النظیر ہے اور اپنے مرشد و مزکّی کی کامرانی پر ایک بین شہادت ہے۔ آپؐ نے جس غایت درجہ بے نفسی سے نہ صرف اپنی قوم کو بلکہ سارے جہان کو

دعوت الی اللہ کا پیغام دیا اور اس دعوتِ حق میں جو اعلیٰ درجہ کا اسوہ پیش کیا ہے، اس نے نفوس کی بالکل کایا پلٹ دی۔ اس خارق عادت قلب ماہیت کا نمونہ متعلقہ روایت میں پیش کیا گیا ہے۔ جس سے آیت قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى (الشوریٰ:۲۴) کے مذکورہ بالا مفہوم کی تصدیق از خود ہو جاتی ہے۔ تعجب ہے کہ سورۃ ہود وغیرہ میں انبیاء حضرت نوح وغیرہ علیہم السلام کے لئے بار بار یہ ذکر ہو کہ ان میں سے ہر نبی نے اپنی قوم سے برملا فرمایا: يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (ھود:۵۲) اے میری قوم! میں اس (کام) کا تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔ میرا اجر اس ہستی کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ کیا پھر (بھی) تم عقل سے کام نہیں لیتے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق یہ سمجھا جائے کہ آپؐ نے اپنی قوم سے اپنی خدمت رسالت کا نعوذ باللہ یہ معاوضہ طلب کیا ہو کہ وہ آپؐ کے عزیز و اقرباء سے محبت رکھیں، یہ خیال نہ صرف سیاقِ کلام اور قرآنِ مجید کی دوسری آیات ہی کے خلاف ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ عالی مآب کے منافی اور فی ذاتہٖ بہت بھونڈا خیال ہے کیونکہ انبیاء اور ان کے متبعین وہ گروہ ہے جن کے اجر کی نسبت سورۂ ہود ہی میں صراحت ہے کہ انہیں عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ (ھود:۱۰۹) نہ ختم ہونے والا انعام دیا جاتا ہے۔ لوگ ان کی روح اخلاص اور انتہائی قربانی کا بدلہ قطعاً نہ دے سکتے ہیں اور نہ انبیاء ان سے کسی قسم کے بدلے کی اُمید رکھتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ (یوسف:۱۰۵) اور تو اس (تبلیغ و تعلیم) کے متعلق ان سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔ یہ تو تمام جہانوں (اور سب لوگوں) کے لئے سراسر شرف (کا موجب) ہے۔

باوجود اس مطلق نفی کے شیعہ صاحبان معنونہ آیت سے یہ مفہوم سمجھتے ہیں کہ آپؐ نے نعوذ باللہ اپنی قوم سے خواہش کی کہ آپؐ کے رشتہ داروں سے محبت کی جائے۔ رشتہ داروں کی محبت کا کیا سوال! آپؐ تو سارے جہان کو باہم شیر و شکر دیکھنا چاہتے تھے۔ اخوت اسلامی کی بنیاد ہی اس محبت الٰہی و محبت بنی نوع انسان پر ہے جس میں اپنے اور غیر، سیاہ و سفید اور مشرقی و مغربی کا سوال ہی اُٹھ جاتا ہے۔ سب رشتۂ وحدت میں یکساں پروئے جاتے ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ نے الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى کے معانی نہایت بسط سے بیان فرمائے ہیں۔ آپؓ فرماتے ہیں:

> "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا اعلان فرمایا لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا کہ میں اس تبلیغ پر کوئی اجر نہیں مانگتا۔ ہاں مَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى چاہتا ہوں۔ لوگوں نے اس کے معنے کیے ہیں: حضرت امام حسینؓ اور سیدۃ النساءؓ سے محبت کرو۔ یہ بات تو بہت اچھی ہے۔ مگر یہ سورۃ مکی ہے اور اس وقت امام حسینؓ پیدا نہیں ہوئے تھے۔ حضرت ابنِ عباسؓ نے اس کے خوب معنے کیے ہیں کہ تمام عرب آپس میں

خانہ جنگیاں چھوڑ کر اتحاد و مودّت پیدا کر لو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قوم میں رشتہ تھا۔ پس آپؐ نے فرمایا: ان خانہ جنگیوں کو چھوڑ کر مودّت اختیار کر لو کہ اس میں تمہارا ہی بھلا ہے۔ دوسرے معنے یہ ہیں کہ جو چیزیں تمہیں اللہ کے نزدیک کرتی ہیں، اُن کی محبت پیدا کرو اور ان کے حصول کی کوشش و آرزو میں لگ جاؤ۔ اور تیسرے معنے یہ ہیں کہ قربت حاصل کرنے کی محبت رکھو۔ تینوں معنے صحیح اور پاکیزہ ہیں۔" (حقائق الفرقان جلد ۳ صفحہ ۵۴۵)

۴۳۔ سُوْرَةُ حٰمٓ الزُّخْرُفِ

وَقَالَ مُجَاهِدٌ عَلٰٓى اُمَّةٍ (الزخرف:۲۳) عَلَى إِمَامٍ. وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ (الزخرف:۸۹) تَفْسِيرُهُ أَيَحْسِبُونَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ (الزخرف:۸۰) وَلَا نَسْمَعُ قِيلَهُمْ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً (الزخرف:۳۴) لَوْلَا أَنْ جَعَلَ النَّاسَ كُلَّهُمْ كُفَّارًا لَجَعَلْتُ لِبُيُوتِ الْكُفَّارِ سَقْفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ مِنْ فِضَّةٍ - وَهِيَ دَرَجٌ - وَسُرُرَ فِضَّةٍ. مُقْرِنِيْنَ (الزخرف:۱۴) مُطِيقِينَ. اٰسَفُوْنَا (الزخرف:۵۶) أَسْخَطُونَا. يَّعْشُ (الزخرف:۳۷) يَعْمَى. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ (الزخرف:۶) أَيْ تُكَذِّبُونَ بِالْقُرْآنِ ثُمَّ لَا تُعَاقَبُونَ عَلَيْهِ وَمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ (الزخرف:۹) سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ. مُقْرِنِيْنَ (الزخرف:۱۴) يَعْنِي الْإِبِلَ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ. يُنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ (الزخرف:۱۹) الْجَوَارِي جَعَلْتُمُوهُنَّ لِلرَّحْمَنِ وَلَدًا فَكَيْفَ تَحْكُمُوْنَ. لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ (الزخرف:۲۱) يَعْنُونَ الْأَوْثَانَ يَقُولُ

مجاہد نے کہا: عَلٰٓى اُمَّةٍ کے معنی ہیں ایک امام پر۔ وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ کی وضاحت یہ (آیت) ہے کہ کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کی راز کی بات اور اُن کی سرگوشیاں نہیں سنتے؟ اور نہ ہی اُن کی باتیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا: وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً سے مراد یہ ہے کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام لوگ کافر ہو جائیں گے تو میں کافروں کے گھروں کی چھت بھی چاندی کی بناتا اور مَعَارِج یعنی سیڑھیاں بھی چاندی کی بناتا اور تخت بھی چاندی کے بناتا۔ مُقْرِنِيْنَ کے معنی طاقت رکھنے والے۔ اٰسَفُوْنَا: انہوں نے ہم کو ناراض کر دیا۔ يَّعْشُ یعنی وہ اندھا ہو جائے۔ اور مجاہد نے کہا: اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ سے یہ مراد ہے کہ تم قرآن کو جھٹلاتے ہو اور پھر تمہیں اس پر سزا نہیں دی جاتی۔ وَمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ یعنی پہلوں کا نمونہ گزر چکا۔ (وَمَا كُنَّا لَهٗ) مُقْرِنِيْنَ: ہم ان کو قابو میں رکھنے کے نہیں۔ یعنی اُونٹوں، گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کو۔ يُنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ سے مراد لڑکیاں ہیں جن کو تم نے رحمٰن کی بیٹیاں بنایا۔ تم کیسے فیصلے کرتے ہو۔ لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ میں هُمْ سے مراد بت ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ یعنی ان بتوں کو اس کی خبر نہیں۔ فِيْ عَقِبِهٖ کے معنی ہیں اس

اللهُ تَعَالَى مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ (الزخرف:٢١) الْأَوْثَانُ إِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ. فِيْ عَقِبِهٖ (الزخرف:٢٩) وَلَدِهِ. مُقْتَرِنِيْنَ (الزخرف:٥٤) يَمْشُونَ مَعًا. سَلَفًا (الزخرف:٥٧) قَوْمُ فِرْعَوْنَ سَلَفًا لِكُفَّارِ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَ مَثَلًا (الزخرف:٥٧) عِبْرَةً. يَصِدُّوْنَ (الزخرف:٥٨) يَضِجُّونَ. مُبْرِمُوْنَ (الزخرف:٨٠) مُجْمِعُونَ. اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ (الزخرف:٨٢) أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ. اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ (الزخرف:٢٧) الْعَرَبُ تَقُولُ نَحْنُ مِنْكَ الْبَرَاءُ وَالْخَلَاءُ وَالْوَاحِدُ وَالِاثْنَانِ وَالْجَمِيعُ مِنَ الْمُذَكَّرِ وَالْمُؤَنَّثِ يُقَالُ فِيهِ بَرَاءٌ لِأَنَّهُ مَصْدَرٌ وَلَوْ قَالَ بَرِيءٌ لَقِيلَ فِي الِاثْنَيْنِ بَرِيئَانِ وَفِي الْجَمِيعِ بَرِيئُونَ. وَقَرَأَ عَبْدُ اللهِ إِنَّنِي بَرِيءٌ بِالْيَاءِ. وَالزُّخْرُفُ الذَّهَبُ. مَلٰٓئِكَةً (الزخرف:٦١) يَخْلُفُونَ يَخْلُفُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا.

کی اولاد میں۔ مُقْتَرِنِيْنَ ساتھ ساتھ چلتے ہوئے۔ سَلَفًا سے مراد فرعون کی قوم ہے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں جو کافر ہیں اُن کے لیے ماضی کا واقعہ ہیں۔ مَثَلًا (لِلْاٰخِرِيْنَ) کے معنی ہیں (پچھلوں کے لئے) عبرت۔ يَصِدُّوْنَ کے معنی ہیں وہ شور و غل مچاتے ہیں۔ مُبْرِمُوْنَ یعنی قرار دینے والے ہیں۔ اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ کے معنی ہیں سب سے پہلا مؤمن۔ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ یعنی میں اس سے بالکل الگ ہوں جس کی تم عبادت کرتے ہو۔ عرب کہتے ہیں: نَحْنُ مِنْكَ الْبَرَاءُ وَالْخَلَاءُ ہم تم سے بالکل الگ تھلگ ہیں۔ واحد، تثنیہ، جمع، مذکر و مؤنث سب کے لیے بَرَآءٌ ہی کہتے ہیں کیونکہ یہ مصدر ہے۔ اور اگر کوئی کہے بَرِيْءٌ تو تثنیہ کے لئے بَرِيْئَانِ کہا جائے گا اور جمع کے لئے بَرِيْئُوْنَ کہا جائے گا۔ اور حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) نے إِنَّنِي بَرِيْءٌ یاء سے پڑھا۔ اور زُخْرُف کے معنی ہیں سونا۔ مَلٰٓئِكَةً يَخْلُفُوْنَ ایسے فرشتے جو ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں۔

تشریح: وَقَالَ مُجَاهِدٌ عَلٰٓى أُمَّةٍ . . . : اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ○ (الزخرف:۲۳) ایسا نہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ اس بات پر مصر ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا تھا اور ہم انہی کے نقش قدم پر چلتے جائیں گے۔ مفسرین عَلٰٓى اُمَّةٍ کے معانی ملت، دین اور امام بیان کرتے ہیں۔[1] امام بخاریؒ نے اس کے معنی "إِمَام" کئے ہیں۔ اُمَّةٌ اور إِمَامٌ

[1] (معالم التنزیل فی تفسیر القرآن للبغوی، تفسیر سورۃ الزخرف آیت ۲۳، جزء ۴ صفحہ ۱۵۷)

دونوں الفاظ "أُمٌّ" سے مشتق ہیں جس کے معنی کسی شئے کی اصل اور بنیاد کے ہوتے ہیں۔ (مقاییس اللغة، أُمٌّ) گویا یہ بتایا جارہا ہے کہ مشرکین کے مشرکانہ عقائد کی بنیاد کسی الٰہی تعلیم میں نہیں، وہ محض اپنے آباؤاجداد کے مسلک کو ہی امام بنائے بیٹھے ہیں اور اس کی اتباع کر رہے ہیں۔ مشرکین کی اس فرسودہ دلیل کے مقابل اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزخرف کے آغاز ہی میں فرمایا ہے کہ اِنَّهٗ فِيْۤ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝ (الزخرف:۵) یقیناً یہ (قرآن) اُمّ الکتاب میں ہے (اور) ہمارے نزدیک ضرور بہت بلند شان (اور) حکمت والا ہے۔ باب (نمبر ۱) میں امام بخاریؒ نے اُمِّ الْكِتٰبِ کے معنی أَصْلِ الْكِتَاب بیان کرکے اسی مضمون کی طرف دوبارہ توجہ دلائی ہے۔ قابلِ تقلید امام تو وہ الٰہی تعلیم ہے جو صحیفہ فطرت میں ایک اصل کے طور پر موجود ہے۔ اور تمام مذاہب نے اسی اصل کو پیش کیا ہے۔ منکرین اس جڑ کو پکڑنے کی بجائے اس تعلیم کے بگاڑ کے زمانہ کے رسم و رواج کی تقلید کو اپنا قبلہ اور امام بنالیتے ہیں۔ امام بخاریؒ نے سورۂ زخرف کی آیت نمبر ۲۴ میں بیان لفظ مُقْتَدُوْن سے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ "اُمَّة" یعنی لوگ قابل تقلید نمونہ نہیں ہوتے بلکہ قابل تقلید وہ امام ہوتا ہے جو لوگوں کو واپس اس اصل پر لے جاتا ہے جو تمام مذاہب کی ماں ہے۔ یعنی چشمۂ توحید جو رسم و رواج اور شرک و بدعت کے تمام گند دھو کر سب کو خدائے واحد کے بندے اور ایک امت بنا دیتا ہے۔ امام بخاری نے إِمَام اور أُمَّة کے الفاظ سے ان مضامین کی کلید ہمیں تھما دی ہے۔

حضرت مصلح موعودؓ اس پر روشنی ڈالتے ہوئے کہ تمام مذاہب ایک ہی سرچشمے سے نکلے ہیں، فرماتے ہیں:

"اس جگہ ایک استعارہ استعمال کیا گیا ہے کہ تمام شریعتیں کسی اصل کے نیچے ہوتی ہیں اور وہ اصل کتاب کے لیے بطور ماں کے ہوتا ہے جس طرح ایک عورت انسانوں کے لیے ماں ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ قرآن اُمُّ الْكِتٰبِ میں ہے یعنی جو اصولی کتاب دنیا میں نازل کرنی خدا تعالیٰ کے مدنظر تھی اس میں یہ قرآن شامل تھا۔ گویا ازل سے خدا تعالیٰ کے یہ مدنظر تھا کہ دنیا کی کامل ہدایت کے لیے وہ قرآن کریم بھجوائے گا۔ (تفسیر صغیر، سورۃ الزخرف، حاشیہ آیت ۵)

اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَ نَجْوٰىهُمْ: پوری آیت یہ ہے: اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَ نَجْوٰىهُمْ ؕ بَلٰى وَ رُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ۝ (الزخرف:۸۱) کیا وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں اور پوشیدہ مشوروں کو نہیں سنتے؟ یہ بات نہیں بلکہ ہمارے رسول ان کے پہلو میں بیٹھے لکھ رہے ہیں۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں:

"عام مفسرین تو اس سے فرشتے مراد لیتے ہیں لیکن چونکہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (نور:۲۵) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے ہی نہیں انسان کا اپنا بدن

بھی ہر فعل کے لیے کوئی نشان رکھتا ہے اور وہ نشان قیامت کے دن اس کے جرم کو ظاہر کر دے گا اس لیے اس جگہ رسل سے مراد انسان کے اپنے اعضاء بھی ہو سکتے ہیں۔ تازہ ڈاکٹری تحقیقات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ انسانی نطفہ میں ہر کیڑا اپنے بزرگوں کے بعض اخلاق کے نشان اپنے اوپر رکھتا ہے اور جب بھی وہ نشان غالب آجاتا ہے اس سے پیدا ہونے والا بچہ انہی اخلاق کو ظاہر کرتا ہے گویا نہ صرف ایک انسان کے اعمال محفوظ رہتے ہیں بلکہ کئی پشتوں تک کے اعمال محفوظ رہتے ہیں اور نطفہ در نطفہ وہ نشانات چلے جاتے ہیں۔"

(تفسیرِ صغیر سورۃ الزخرف، حاشیہ آیت نمبر ۸۱)

وَ لَوْ لَاۤ اَنْ یَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً: پوری آیت یہ ہے: وَ لَوْ لَاۤ اَنْ یَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ یَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُیُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّ مَعَارِجَ عَلَیْهَا یَظْهَرُوْنَ ○ (الزخرف: ۳۴) اور اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ سب کے سب ایک ہی طریقہ کے ہو جائیں گے تو ہم رحمٰن (خدا) کا کفر کرنے والے لوگوں کی چھتوں اور سیڑھیوں کو جن پر وہ چڑھتے چاندی کا بنا دیتے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ اس سے پہلے تمام بنی نوع انسان کو ایک ہاتھ پر جمع کرنے کا ذکر فرما رہا ہے اور فرماتا ہے کہ اگر ہم نے ایسا کرنا ہوتا تو ان دنیا کے حریصوں کو اکٹھا کرنے کی صرف ایک صورت ہو سکتی تھی کہ ان کے گھروں کو سونے چاندی اور دیگر نعمتوں سے بھر دیتے لیکن یہ تو محض ایک ایسا ظاہری عیش و عشرت کا سامان ہوتا جس کی کوئی بھی حقیقت نہیں اور صرف دنیا کی چند روزہ عارضی دولت ان کو نصیب ہوتی لیکن آخرت تو صرف متقیوں ہی کو نصیب ہوا کرتی ہے۔"

(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تعارف سورۃ الزخرف صفحہ ۸۷۳)

مُقْرِنِیْنَ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَیْتُمْ عَلَیْهِ وَ تَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ ○ (الزخرف: ۱۴) یعنی تاکہ تم اُن کی پیٹھوں پر جم کر بیٹھ سکو۔ پھر جب تم اُن پر اچھی طرح قرار پکڑ لو تو اپنے ربّ کی نعمت کا تذکرہ کرو اور کہو: پاک ہے وہ جس نے اسے ہمارے لیے مسخر کیا اور ہم اسے زیرِ نگیں کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ (ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”جب تم سمندری یا زمینی سفر کرتے ہو تو یاد کر لیا کرو کہ اللہ ہی ہے جس نے سمندر میں چلنے والی کشتیوں کو یا زمین میں چلنے والے جانوروں کو، جن پر تم سواری کرتے ہو، تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے۔ اور تم میں بہت سے ایسے ہوں گے جو حادثات کا شکار ہو کر اُن منازل کو نہیں پا سکیں گے جن کی خاطر وہ روانہ ہوئے تھے۔ لیکن یاد رکھنا کہ آخری منزل وہی ہے جس میں تم اللہ کے حضور حاضر ہونے والے ہو۔“

(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تعارف سورۃ الزخرف صفحہ ۸۷۳)

يَعْشُ: يَعْمَى یعنی وہ اندھا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ○ (الزخرف:۳۷) اور جو کوئی رحمٰن (خدا) کے ذکر سے منہ موڑ لیتا ہے ہم اُس پر ایک شیطانی خصلت وجود کو مستولی کر دیتے ہیں اور وہ اس کا ہر وقت کا ساتھی ہو جاتا ہے۔ (ترجمہ تفسیر صغیر)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ۔ یعنی جو شخص قرآن کریم سے اعراض کرے اور جو اس کے صریح مخالف ہے اس کی طرف مائل ہو ہم اس پر شیطان مسلط کر دیتے ہیں کہ ہر وقت اس کے دل میں وساوس ڈالتا ہے اور حق سے اس کو پھیرتا ہے اور نابینائی کو اس کی نظر میں آراستہ کرتا ہے اور ایک دم اس سے جدا نہیں ہوتا۔“ (مباحثہ لدھیانہ، روحانی خزائن جلد ۴ صفحہ ۳۷)

يَصِدُّوْنَ کے معنی ہیں وہ شور و غل مچاتے ہیں، ہنگامہ کرتے ہیں۔ فرماتا ہے: وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ○ (الزخرف:۵۸) اور جب ابنِ مریم کو بطور مثال پیش کیا جاتا ہے تو اچانک تیری قوم اس پر شور مچانے لگتی ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اس سورۃ میں یہ پیشگوئی فرما دی گئی ہے کہ آئندہ بھی مَثَل کے طور پر مسیح نازل ہو گا جو اس علامت کے طور پر ہو گا کہ عظیم انقلاب کی گھڑی آگئی ہے۔“

(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تعارف سورۃ الزخرف، صفحہ ۸۷۴)

اس آیت کریمہ میں ایک زبردست پیشگوئی مذکور ہے۔ اس پیشگوئی کے دو پہلو ہیں:

۱. مثیل مسیح کی آمد۔
۲. اس مثیل مسیح کی آمد پر امت محمدیہ کا شور مچانا۔

پیشگوئی کا پہلا حصہ اس وقت پورا ہو گیا جب سیدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام نے خدا کے حکم پر اس الہامِ الٰہی کا اعلان فرمایا:

"مسیح ابن مریم رسول اللہ فوت ہو چکا ہے اور اُس کے رنگ میں ہو کر وعدہ کے موافق تُو آیا ہے۔ وَكَانَ وَعْدُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا۔"

(ازالہ اوہام حصہ دوم، روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۴۰۲)

قرآن کریم کی اس عظیم الشان پیشگوئی کے عین مطابق احادیث صحیحہ میں مسیح موعود کی آمد جس تواتر سے بیان کی گئی ہے، ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ وہ مسیح موعود جن کی آمد کا انتظار کرتے کرتے کروڑوں مسلمان دنیا سے گذر گئے، امت محمدیہ اس کی راہ میں آنکھیں بچھاتی۔ محبت، اخلاص اور تقویٰ کی سیڑھی لگا کر اس موعود مسیح کو صحنِ دل میں اُتارتی اور تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَإِمَامَهُمْ[1] کے فرمان نبویؐ پر لبیک کہتے ہوئے اس کی اطاعت کرتی اور احیاء دین اور قیام شریعت کے کام میں اس کی دست و بازو اور سلطان نصیر بنتی مگر پہلی قوموں کی طرح امت محمدیہ بھی اس الٰہی نوشتہ کی مصداق بنی: يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَأْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ○ (یٰس:۳۱)[2] وائے حسرت! امت محمدیہ بھی ان انذاری پیشگوئیوں کی زد میں آ گئی۔ اور زیر باب متذکرہ پیشگوئی قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ○ (الزخرف:۵۸) (یعنی تیری قوم اس پر شور مچانے لگتی ہے) کے مطابق مثیل مسیح کی آمد پر جو شور مچایا اس کا کچھ نمونہ قارئین کے ملاحظہ کے لئے پیش ہے۔ بانیٔ جماعت احمدیہ کے دعویٰ مثیل مسیح کے اعلان پر علمائے اُمت نے اس قدر شور مچایا کہ مکہ اور مدینہ سے آپ کے خلاف فتوے لائے گئے۔ نیز علماء نے تحریر و تقریر کے ذریعہ زہر اُگلنا شروع کیا اور "شہاب ثاقب بر مسیح کاذب" اور "مثنوی رومی کی حکایت شغال کادیانی کے حسب حال" مع حکایت بوم و شیر اور سہ حرفی "چودھویں صدی دا جھوٹا مسیح" وغیرہ نہایت دلآزار کتابیں ان کی طرف سے شائع کی گئیں اور شہر لدھیانہ میں تو مخالفت کا ایک طوفان برپا تھا۔ مختلف محلہ جات میں آپؑ کے خلاف لیکچر کرائے گئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جسمانی زندگی ثابت کرنے کے لیے پورا پورا زور لگایا گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وفات یافتہ قرار دینے اور مسیح موعود کے دعویٰ پر مثیل مسیح یعنی بانیٔ جماعت احمدیہ کی اور آپ کے متبعین کی اعلانیہ تکفیر کی گئی اور مولوی محمد حسین بٹالوی نے ایک استفتاء مرتب کیا جس میں مذکورہ بالا تینوں رسالوں کی عبارات قطع برید کر کے پیش کیں اور اگست ۱۸۹۱ میں ایک لمبا سفر اختیار کر کے مختلف علماء و فضلاء ہندوستان و پنجاب کا فتویٰ حاصل کیا۔ اس فتوے میں آپؑ کے متعلق عربی اور اردو زبان میں جو الفاظ تکفیر و تفسیق کے لئے مل سکتے تھے، استعمال کئے گئے۔ اس طرح پیشگوئی کا دوسرا پہلو یعنی تیری قوم شور مچائے گی بڑی شان سے پورا ہوا۔ پس یہ پیشگوئی ہر پہلو سے حضرت

[1] (صحیح البخاری، كِتَابُ الْمَنَاقِبِ، بَابُ عَلَامَاتِ النُّبُوَّةِ فِي الْإِسْلَامِ، روایت نمبر ۳۶۰۶)

[2] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: "وائے حسرت بندوں پر! ان کے پاس کوئی رسول نہیں آتا مگر وہ اس سے ٹھٹھا کرنے لگتے ہیں۔"

اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے حق میں پوری ہوئی اور امت مسلمہ نے آپؑ کے دعویٰ مثیل مسیح پر اس قدر شور مچایا کہ تیرہ صدیوں میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

مُبْرِمُوْنَ: فرماتا ہے: اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ۝ (الزخرف:۸۰) کیا اُن لوگوں نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر) حملہ کرنے کا کوئی فیصلہ کر لیا ہے (اگر ایسا ہے) تو ہم نے بھی ان کی تباہی کا فیصلہ کر لیا ہے۔ (ترجمہ تفسیر صغیر)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"کتنا بڑا نشان ہے زخرف مکی سورۃ ہے۔ اس میں ایک تو یہ خبر دی ہے کہ کفار مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف خطرناک منصوبہ کریں گے اور دوسری خبر یہ دی ہے کہ وہ ناکام رہیں گے اور ہم ان کو تباہ کر دیں گے اور یہ دونوں پیشگوئیاں پوری ہو گئیں۔ منکرینِ قرآن کے لیے اب انکار کی کیا گنجائش ہے۔"

(تفسیر صغیر، سورۃ الزخرف، حاشیہ آیت ۸۰)

مَلٰٓئِکَۃً پوری آیت یہ ہے: وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ۝ (الزخرف:۶۱) اور اگر ہم چاہتے تو تم میں سے بھی بعض کو ملائکہ بنا دیتے جو زمین میں تمہاری جگہ آباد ہوتے۔ (ترجمہ تفسیر صغیر)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"یعنی مسیح پر فرشتے اُترے کیونکہ وہ روحانی طور پر فرشتہ بن گیا تھا اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے لوگ یا آپ کے بعد کے لوگ بھی مسیح جیسے بن جاتے تو ان پر بھی فرشتے اُترنے لگ جاتے اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں موجودہ مسلمان محض ہٹ دھرمی سے اس امکان کے منکر ہیں۔"

(تفسیر صغیر، سورۃ الزخرف، حاشیہ آیت ۶۱)

بَاب ۱: وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ (الزخرف:۷۸) الْآيَةَ

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اور وہ پکاریں گے کہ اے مالک! (یعنی افسرِ دوزخ) تیرے ربّ کو چاہیئے کہ ہمیں موت دے دے

٤٨١٩: حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرٍو عَنْ عَطَاءٍ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ يَعْلَى عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ

۴۸۱۹: حجاج بن منہال نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان بن عیینہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے عمرو (بن دینار) سے، عمرو نے عطاء (بن ابی رباح) سے، عطاء نے صفوان بن یعلیٰ سے، صفوان نے اپنے

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ عَلَى الْمِنْبَرِ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ. (الزخرف:٧٨)

أطرافه: ٣٢٣٠، ٣٢٦٦۔

وَقَالَ قَتَادَةُ مَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ (الزخرف:٥٧) عِظَةً لِّمَنْ بَعْدَهُمْ. وَقَالَ غَيْرُهُ مُقْرِنِيْنَ (الزخرف:١٤) ضَابِطِيْنَ، يُقَالُ فُلَانٌ مُقْرِنٌ لِفُلَانٍ ضَابِطٌ لَهُ، وَالْأَكْوَابُ الْأَبَارِيقُ الَّتِي لَا خَرَاطِيمَ لَهَا. وَقَالَ قَتَادَةُ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ (الزخرف:٥) جُمْلَةِ الْكِتَابِ أَصْلِ الْكِتَابِ، اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ (الزخرف:٨٢) أَيْ مَا كَانَ فَأَنَا أَوَّلُ الْآنِفِينَ وَهُمَا لُغَتَانِ رَجُلٌ عَابِدٌ وَعَبِدٌ وَقَرَأَ عَبْدُ اللهِ وَ قَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ وَيُقَالُ أَوَّلُ الْعَابِدِينَ الْجَاحِدِينَ مِنْ عَبِدَ يَعْبَدُ.

باپ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو منبر پر یہ پڑھتے سنا: وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ... اور وہ پکاریں گے کہ اے مالک! (یعنی افسرِ دوزخ) تیرے ربّ کو چاہیئے کہ ہمیں موت دے دے۔

اور قتادہ نے کہا: مَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ کے معنی ہیں بعد میں آنے والوں کے لئے نصیحت۔ اور قتادہ کے سوا اوروں نے کہا: مُقْرِنِيْنَ قابو میں رکھنے والے۔ کہتے ہیں: فُلَانٌ مُقْرِنٌ لِفُلَانٍ فلاں فلاں کو قابو میں رکھنے والا ہے اور أَكْوَاب کے معنی ہیں وہ کوزے جن کی ٹونٹیاں نہ ہوں۔ اور قتادہ نے کہا: فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ کے معنی ہیں مجموعی کتاب، اصل کتاب میں ہے۔ اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ سے مراد أَوَّلُ الْآنِفِينَ ہے یعنی (رحمٰن خدا کا کوئی بیٹا) نہیں ہے، اس لیے عار کرنے والوں میں سے میں سب سے پہلے ہوں۔ دونوں طرح بولتے ہیں: رَجُلٌ عَابِدٌ وَعَبِدٌ یعنی عار کرنے والا، کراہت کرنے والا۔ اور حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) نے (وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ کے بجائے یوں) پڑھا ہے: وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ۔ اور کہتے ہیں: أَوَّلُ الْعَابِدِينَ میں عَابِدِين کے معنی الْجَاحِدِينَ یعنی انکار کرنے والے کئے جاتے ہیں۔ عَبِدَ يَعْبَدُ سے ہے۔

تشریح: وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ○ اور وہ پکاریں گے کہ اے مالک (یعنی افسرِ دوزخ) تیرے ربّ کو چاہیئے کہ ہمیں موت دے دے۔ وہ کہے گا: تم دیر تک اس میں رہو گے۔ (ترجمہ تفسیر صغیر) مَالِكُ سے یہاں مراد وہ فرشتہ ہے جو جہنم پر نگران مقرر ہے۔

اہل جہنم کا آگ کے عذاب سے بچنے کے لیے جہنم کے نگرانوں سے بات کرنے کا ذکر سورۂ مومن میں بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ○ قَالُوْٓا اَوَ لَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۭ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَمَا دُعٰۗؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ○ (المؤمن: ۵۰، ۵۱) اور دوزخی لوگ دوزخ کے داروغوں سے کہیں گے: تم اپنے ربّ کو پکارو کہ عذاب کا کچھ وقت تو ہم سے کم کرے۔ وہ کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس تمہارے رسول دلائل لے کر نہیں آئے تھے؟ وہ کہیں گے: ہاں، کیوں نہیں۔ اس پر وہ (دوزخ کے داروغے) کہیں گے: اب تم (جتنا چاہو) پکارتے جاؤ، اور کافروں کی دعا رائیگاں ہی جاتی ہے۔ (ترجمہ تفسیر صغیر)

اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ○ (الزخرف: ۸۲) تو کہہ دے کہ اگر رحمٰن (خدا) کا کوئی بیٹا ہوتا تو میں اس کی سب سے پہلے عبادت کرتا۔ عَبَدَ يَعْبُدُ کے معنی ہیں اطاعت اور فرمانبرداری اختیار کرنا، جبکہ عَبِدَ يَعْبَدُ کے معنی میں غصہ کرنا، ناراض ہونا اور انکار کرنا ہے (أقرب الموارد- عبد) اور "عَابِدٌ" ان دونوں سے اسم فاعل ہے۔ امام بخاریؒ نے یہاں اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ کے معانی أَوَّلُ الْآنِفِيْن (کراہت کرنے والوں میں سے سب سے پہلا) اور أَوَّلُ الْجَاحِدِيْن (انکار کرنے والوں میں سے سب سے پہلا) بیان کیے ہیں۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے ان معانی کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے۔ آپؓ خدا کا بیٹا قرار دینے والوں کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دیئے گئے اس جواب کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> "کیونکہ میں خدا تعالیٰ سے پیار کرنے والا ہوں اور اس کا فرمانبردار ہوں۔ مگر نہ آسمانی دلیل اس کے حق میں ہے نہ عقلی، اس لیے میں مجبوراً بیٹے کے خیال کی تردید کرتا ہوں۔" (تفسیرِ صغیر، سورۃ الزخرف، حاشیہ آیت ۸۲)

باب ۲: اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ (الزخرف: ۶)

کیا ہم تمہارے سامنے ذکر (یعنی کتاب) کا بیان کرنا صرف اس لئے چھوڑ دیں کہ تم حد سے بڑھی ہوئی قوم ہو

مُشْرِكِينَ. وَاللهِ لَوْ أَنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ رُفِعَ حَيْثُ رَدَّهُ أَوَائِلُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ لَهَلَكُوا. فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّ مَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ (الزخرف: ۹) عُقُوبَةُ الْأَوَّلِينَ. جُزْءًا (الزخرف: ۱۶)

مُسْرِفِيْنَ سے مراد مشرکین ہیں۔ اللہ کی قسم اگر یہ قرآن اُس وقت اُٹھالیا جاتا کہ جب اس اُمت کے پہلوں نے اس کو ردّ کیا تھا تو وہ سب ہلاک ہو جاتے۔ فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ یعنی جو اُن میں سے نہایت سخت پکڑا

عَدْلًا. کرتے تھے ہم نے ان کو ہلاک کر دیا اور پہلوں کی مثل گزر چکی، یعنی پہلوں کی سزا۔ جُزْءًا کے معنی ہیں برابر۔

تشریح: اَفَنَضۡرِبُ عَنۡکُمُ الذِّکۡرَ صَفۡحًا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَفَنَضۡرِبُ عَنۡکُمُ الذِّکۡرَ صَفۡحًا اَنۡ کُنۡتُمۡ قَوۡمًا مُّسۡرِفِیۡنَ (الزخرف:۶) کیا ہم تمہارے سامنے ذکر (یعنی کتاب) کا بیان کرنا صرف اس لیے چھوڑ دیں کہ تم حد سے بڑھی ہوئی قوم ہو۔ صَفۡحًا کے معنی ہیں اعراض کرنا، چھوڑ دینا۔ (أقرب الموارد- صفح) امام بخاریؒ نے اس آیت کریمہ کی وضاحت میں قتادہ کا ایک قول نقل کیا ہے جسے ابن ابی حاتم نے مکمل درج کیا ہے۔ یعنی اللہ کی قسم! اگر یہ قرآن اُس وقت اُٹھا لیا جاتا کہ جب اس اُمت کے پہلوں نے اس کو ردّ کیا تھا تو وہ سب ہلاک ہو جاتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی رحمت اور شفقت بار بار کی اور بار بار انہیں اس کی طرف بلایا۔[۱] (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۷۲۴) یہی وہ الٰہی سنت ہے جس کی تعلیم ہمیں آیت کریمہ فَذَکِّرۡ اِنۡ نَّفَعَتِ الذِّکۡرٰی (الاعلیٰ:۱۰)[۲] میں ملتی ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

> "اَفَنَضۡرِبُ عَنۡکُمُ الذِّکۡرَ صَفۡحًا اَنۡ کُنۡتُمۡ قَوۡمًا مُّسۡرِفِیۡنَ (الزخرف:۶) سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی سُنے یا نہ سُنے، وعظ و نصیحت کبھی ترک نہیں کرنا چاہیئے۔ گوش زدہ اثرے دارد۔"[۳] (حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۳۶۸)

جُزْءًا: فرماتا ہے وَ جَعَلُوۡا لَہٗ مِنۡ عِبَادِہٖ جُزۡءًا ؕ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَکَفُوۡرٌ مُّبِیۡنٌ ○ (الزخرف:۱۶) (مگر حال یہ ہے کہ) انہوں نے اس (خدا) کے لیے اس کے بندوں میں سے ایک حصہ (یعنی بیٹیاں) تجویز کر رکھا ہے۔ انسان یقیناً کھلا کھلا ناشکر گذار ہے۔ (ترجمہ تفسیر صغیر)

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

> "یہ قرآنِ کریم میں نہیں لکھا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی ذات یا اس کی صفات کے جزو ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نور سے ایک ٹکڑا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن گیا ایسا خیال شرک ہے۔ قرآنِ کریم میں اس کو ردّ کیا گیا ہے جہاں

---

۱ (تفسیر القرآن العظیم لابن أبی حاتم، سورۃ الزخرف، قَوۡلُہٗ تَعَالٰی: أَفَنَضۡرِبُ عَنۡکُمُ الذِّکۡرَ صَفۡحًا)

۲ ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: "پس نصیحت کر، نصیحت بہر حال فائدہ دیتی ہے۔"

۳ یعنی کان پڑی بات اثر رکھتی ہے۔

فرمایا کہ لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے عباد اور بندوں کو اللہ تعالیٰ کا جزو بنایا ہے یہ بڑا کفر ہے اور کھلا کفر ہے وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ○ (الزخرف:١٦) ہاں کل نورانی بندے اس کے نور سے ہوتے ہیں کیا معنے؟ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں مگر یہ لفظ قرآنِ کریم میں نہیں۔"

(حقائق الفرقان جلد ۳ صفحہ ۵۵۱، ۵۵۲)

٤٤ـ سُورَةُ حٰمٓ الدُّخَان

وَقَالَ مُجَاهِدٌ رَهْوًا (الدخان:٢٥) طَرِيقًا يَابِسًا وَيُقَالُ رَهْوًا سَاكِنًا. عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (الدخان:٣٢) عَلَى مَنْ بَيْنَ ظَهْرَيْهِ. فَاعْتِلُوْهُ (الدخان:٤٨) ادْفَعُوهُ. وَ زَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ (الدخان:٥٥) أَنْكَحْنَاهُمْ حُورًا عِينًا يَحَارُ فِيهَا الطَّرْفُ. وَيُقَالُ اَنْ تَرْجُمُوْنِ (الدخان:٢١) الْقَتْلُ. وَ رَهْوًا (الدخان:٢٥) سَاكِنًا. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ كَالْمُهْلِ (الدخان:٤٦) أَسْوَدُ كَمُهْلِ الزَّيْتِ.

اور مجاہد نے کہا: رَهْوًا کے معنی ہیں خشک راستہ۔ اور کہا جاتا ہے: رَهْوًا کے معنی ہیں ساکن۔ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ میں عَلَى الْعٰلَمِيْنَ کے معنی ہیں ان لوگوں پر جن کے درمیان وہ تھے۔ فَاعْتِلُوْهُ: اس کو دھکیل دو۔ وَ زَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ یعنی ہم نے ان کا نکاح ایسی عورتوں سے کیا جو سفید رنگ بڑی آنکھوں والی، جن کو دیکھ کر آنکھ حیران رہ جائے۔ اور کہا جاتا ہے: اَنْ تَرْجُمُوْنِ کہ مجھے قتل کردو۔ اور رَهْوًا کے معنی ہیں ساکن۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا: كَالْمُهْلِ کے معنی ہیں کالا، جیسے تیل کی تلچھٹ۔

وَقَالَ غَيْرُهُ تُبَّعٍ (الدخان:٣٧) مُلُوكُ الْيَمَنِ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ يُسَمَّى تُبَّعًا لِأَنَّهُ يَتْبَعُ صَاحِبَهُ وَالظِّلُّ يُسَمَّى تُبَّعًا لِأَنَّهُ يَتْبَعُ الشَّمْسَ.

اور (حضرت ابن عباسؓ کے سوا) اَوروں نے کہا: تُبَّعٍ یمن کے بادشاہ تھے۔ ان میں سے ہر ایک کو تُبّع کہا جاتا تھا کیونکہ وہ ایک دوسرے کے بعد بادشاہ ہوتا۔ اور سایہ کو بھی تُبّع کہتے ہیں کیونکہ سورج کے ساتھ ساتھ رہتا ہے۔

بَاب ١ : فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ○ (الدخان: ١١)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) پس تُو اُس دن کا انتظار کر جس دن آسمان پر ایک کھلا کھلا دُھواں ظاہر ہوگا

فَارْتَقِبْ (الدخان: ١١) فَانْتَظِرْ.

(قتادہ نے کہا:) فَارْتَقِبْ کے معنی ہیں انتظار کر۔

٤٨٢٠ : حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ مَضَى خَمْسٌ الدُّخَانُ

۴۸۲۰: عبدان نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے ابوحمزہ (محمد بن میمون) سے، ابوحمزہ نے اعمش سے، اعمش نے مسلم (بن صبیح) سے، مسلم نے مسروق

وَالرُّومُ وَالْقَمَرُ وَالْبَطْشَةُ وَاللِّزَامُ.

سے، مسروق نے حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: پانچ علامتیں گزر چکی ہیں، دُخان (دھواں)، روم، شق القمر، ایک سخت گرفت اور چمٹ جانے والا عذاب۔

أطرافه: ١٠٠٧، ١٠٢٠، ٤٦٩٣، ٤٧٦٧، ٤٧٧٤، ٤٨٠٩، ٤٨٢١، ٤٨٢٢، ٤٨٢٣، ٤٨٢٤، ٤٨٢٥۔

بَاب ٢: يَغْشَى النَّاسَ ۖ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (الدخان: ١٢)

جو لوگوں کو ڈھانپ لے گا، یہ بہت ہی دردناک عذاب ہوگا

٤٨٢١: حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللهِ إِنَّمَا كَانَ هَذَا لِأَنَّ قُرَيْشًا لَمَّا اسْتَعْصَوْا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا عَلَيْهِمْ بِسِنِينَ كَسِنِي يُوسُفَ فَأَصَابَهُمْ قَحْطٌ وَجَهْدٌ حَتَّى أَكَلُوا الْعِظَامَ فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَنْظُرُ إِلَى السَّمَاءِ فَيَرَى مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا كَهَيْئَةِ الدُّخَانِ مِنَ الْجَهْدِ فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ۝ يَّغْشَى النَّاسَ ۖ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (الدخان: ١١، ١٢) قَالَ فَأُتِيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقِيلَ لَهُ يَا رَسُولَ اللهِ اسْتَسْقِ اللهَ لِمُضَرَ فَإِنَّهَا قَدْ هَلَكَتْ قَالَ لِمُضَرَ

۴۸۲۱: یحيٰ (بن موسیٰ بلخی) نے ہم سے بیان کیا کہ ابو معاویہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے اعمش سے، اعمش نے مسلم سے، مسلم نے مسروق سے روایت کرتے ہوئے بتایا۔ انہوں نے کہا: حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) کہتے تھے: یہ اس لئے ہوا تھا کہ قریش جب نبی ﷺ کے مقابل اَڑ گئے تو آپؐ نے ان پر سات سال قحط کی دعا کی جو حضرت یوسفؑ کے سالوں کی طرح ہوں۔ چنانچہ ان کو قحط اور سخت مصیبت پہنچی۔ یہاں تک کہ انہوں نے ہڈیاں کھائیں اور آدمی فضا میں دیکھتا تو اپنے اور اس کے درمیان مارے بھوک کی تکلیف کے دھواں سا دیکھتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی تھی: پس تُو اُس دن کا انتظار کر جس دن آسمان پر ایک کھلا کھلا دُھواں ظاہر ہوگا، جو سب لوگوں پر چھا جائے گا، یہ دردناک عذاب ہوگا۔ (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ) کہتے تھے: رسول اللہ ﷺ کے پاس کوئی آیا اور کہنے لگا: یارسول اللہ! مضر کے لیے اللہ سے

إِنَّكَ لَجَرِيءٌ فَاسْتَسْقَى فَسُقُوا فَنَزَلَتْ: اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ (الدخان:١٦) فَلَمَّا أَصَابَتْهُمُ الرَّفَاهِيَةُ عَادُوا إِلَى حَالِهِمْ حِينَ أَصَابَتْهُمُ الرَّفَاهِيَةُ فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ○ (الدخان:١٧) قَالَ يَعْنِي يَوْمَ بَدْرٍ.

بارش کی دعا کیجئے۔ کیونکہ وہ تو ہلاک ہو گئے۔ آپؐ نے فرمایا: مضر کے لئے تم بھی عجب دلیر ہو، تو آپؐ نے بارش کے لئے دعا کی اور اُن پر بارش برسی۔ (اور اس کے متعلق یہ) آیت نازل ہوئی تھی۔ یعنی تم پھر ویسے کے ویسے ہو جاؤ گے۔ جب ان کو ذرا آسائش ملی تو پھر آسائش ملنے پر اپنی اسی حالت میں لوٹ گئے۔ مگر اللہ عزوجل نے یہ آیت بھی نازل کی تھی کہ جس دن ہم بڑی گرفت میں تم کو لے آئیں گے (تم پر کھل جائے گا کہ) ہم انتقام لینے پر قادر ہیں۔ (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ) کہتے تھے: (بَطْشَة سے) مراد جنگ بدر ہے۔

أطرافه: ١٠٠٧، ١٠٢٠، ٤٦٩٣، ٤٧٦٧، ٤٧٧٤، ٤٨٠٩، ٤٨٢٠، ٤٨٢٢، ٤٨٢٣، ٤٨٢٤، ٤٨٢٥۔

تشریح: فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ: دُخان کے اصل معنی آگ سے اُٹھنے والے دھوئیں کے ہیں۔ (مقاییس اللغة، دخن) (المفردات لإمام الراغب، دخن) محاورةً یہ لفظ قحط، خشک سالی، شر اور فساد کے معانی میں بھی استعمال ہوتا ہے (التبیان فی تفسیر غریب القرآن، سورۃ الدخان) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک سورۂ دخان آیت نمبر ۱۱ میں مذکور دُخانِ مبین کی پیشگوئی کا ظہور قریش و مضر پر شدید قحط کی سزا کی صورت میں ہو چکا ہے۔ (روایت نمبر ۴۸۲۱) لیکن حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت حذیفہ بن یمانؓ، حضرت حذیفہ بن اسید غفاریؓ اور حضرت ابومالک اشعری رضی اللہ عنہم کی رائے کے مطابق یہ پیشگوئی قربِ قیامت کی علامات میں سے ایک ہے۔[1] صحیح بخاری کی روایت نمبر ۴۷۷۴ میں اس مؤقف کا کچھ ذکر اس طرح موجود ہے کہ قیامت کے روز ایک قسم کا دھواں ظاہر ہوگا جو منافقین کی شنوائی اور بینائی ضائع کر دے گا اور مؤمنین کو اس حد تک متاثر کرے گا کہ انہیں اس سے زکام ہو جائے گا۔ (روایت نمبر ۴۷۷۴) امام بخاریؒ نے باب نمبر ۱ میں فَارْتَقِبْ کے معنی فَانْتَظِرْ یعنی "انتظار کر" بیان کر کے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ ممکن ہے کہ اس پیشگوئی کا اطلاق آئندہ زمانہ پر بھی ہو۔

---

[1] (صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب فی الآیات التی تکون قبل الساعة)
(تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر، سورۃ الدخان، آیت ۱۰: فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ)
(الدر المنثور لجلال الدین السیوطی، سورۃ الدخان، آیت ۱۰: فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ)

مَضَى خَمْسٌ الدُّخَانُ وَالرُّومُ وَالْقَمَرُ وَالْبَطْشَةُ وَاللِّزَامُ: قرآنِ کریم کی آیات فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ (الدخان:۱۱)، غُلِبَتِ الرُّوْمُ (الروم:۳)، وَانْشَقَّ الْقَمَرُ (القمر:۲)، يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى (الدخان:۱۷) اور فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا (الفرقان:۷۸) میں یہ پانچ پیشگوئیاں مذکور ہیں۔ روایت نمبر ۴۸۲۰ میں انہی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

حضرت سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب رضی اللہ عنہ اس بارے میں فرماتے ہیں:

”صحابہ کرامؓ کے علم میں چند ایک واقعات جو تھے انہی کی طرف ان کا ذہن بار بار عود کرتا اور اس میں وہ معذور تھے۔ لیکن ہمارا ایمان ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت گذشتہ زمانہ سے محدود نہیں ہے، بلکہ آئندہ زمانوں پر بھی ممتد ہے۔“

(صحیح بخاری ترجمہ و شرح، کتاب التفسیر سورۃ الروم، جلد ۱۱ صفحہ ۱۶۷)

”باب کے تحت مندرجہ روایت میں عذابِ الٰہی کی جن علامتوں کا ذکر ہے، ان میں سے بعض کا تعلق بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے عہد مبارک سے ہے۔ مثلاً شق القمر اور رومیوں کی مغلوبیت کے واقعات جن کا ذکر الگ الگ سورتوں میں ہوا ہے اور باقی کا تعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عہد بعید سے ہے، جن میں دجالی اقوام نے اسلام اور مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے نابود کرنے کے لیے حملہ آور ہونا تھا اور نزولِ مسیح موعود کی پیشگوئی کا ظہور مقدر ہے اور اس کی بعثت بھی درحقیقت آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک کا ہی ایک تسلسل ہے۔“

(صحیح بخاری ترجمہ و شرح، کتاب التفسیر، باب فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا، جلد ۱۱ صفحہ ۱۲۵)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اس جگہ دخان سے ایٹمی دھوئیں کی طرف بھی اشارہ مراد ہو سکتا ہے جس کے سائے کے نیچے کوئی چیز بھی محفوظ نہیں رہ سکتی بلکہ طرح طرح کی ہلاکتوں کا شکار ہو جاتی ہے۔ چنانچہ جدید سائنسدانوں کی طرف سے یہ تنبیہ ہے کہ ایٹمی دھوئیں کے سائے کے نیچے زندگی کی ہر قسم مٹ جائے گی یہاں تک کہ زمین کے اندر دفن جراثیم بھی ہلاک ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب ایسا ہو گا، تب یہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں گے کہ اے اللہ! اس نہایت دردناک عذاب کو ہم سے ٹال دے۔“ (ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تعارف سورۃ الدخان، صفحہ ۸۸۶)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اس جگہ دخان سے مراد قحط عظیم وشدید ہے جو سات برس تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں پڑا یہاں تک کہ لوگوں نے مُردے اور ہڈیاں کھائی تھیں جیسا کہ ابن مسعود کی حدیث میں مفصّل اس کا بیان ہے۔ لیکن آخری زمانہ کے لئے بھی جو ہمارا زمانہ ہے اس دخانِ مبین کا وعدہ تھا اس طرح پر کہ قبل از ظہور مسیح نہایت درجہ کی شدت سے اس کا ظہور ہو گا۔ اب سمجھنا چاہیئے کہ یہ آخری زمانہ کا قحط جسمانی اور روحانی دونوں طور سے وقوع میں آیا۔ جسمانی طور سے اس طرح کہ اگر اب سے پچاس برس گذشتہ پر نظر ڈالی جاوے تو معلوم ہو گا کہ ...... کبھی خواب وخیال کی طرح چند روز گرانی غلّہ ہوتی تھی اور پھر وہ دن گذر جاتے تھے لیکن اب تو یہ گرانی لازم غیر منفک کی طرح ہے اور قحط کی شدّت اندر ہی اندر ایک عالم کو تباہ کر رہی ہے۔ اور روحانی طور پر صداقت اور امانت اور دیانت کا قحط ہو گیا ہے اور مکر اور فریب اور علوم وفنون مظلمہ دُخان کی طرح دنیا میں پھیل گئی ہیں اور روز بروز ترقی پر ہیں۔ اس زمانہ کے مفاسد کی صورت پہلے زمانوں کے مفاسد سے بالکل مختلف ہے۔ پہلے زمانوں میں اکثر نادانی اور اُمّیت رہزن تھی، اس زمانہ میں تحصیل علوم رہزن ہو رہی ہے۔ ہمارے زمانہ کی نئی روشنی جس کو دوسرے لفظوں میں دخان سے موسوم کرنا چاہیئے، عجیب طور پر ایمان اور دیانت اور اندرونی سادگی کو نقصان پہنچا رہی ہے۔ سوفسطائی تقریروں کے غبار نے صداقت کے آفتاب کو چھپا دیا ہے اور فلسفی مغالطات نے سادہ لوحوں کو طرح طرح کے شبہات میں ڈال دیا ہے۔ خیالات باطلہ کی تعظیم کی جاتی ہے اور حقیقی صداقتیں اکثر لوگوں کی نظر میں کچھ حقیر سی معلوم ہوتی ہیں۔ سو خدائے تعالیٰ نے چاہا کہ عقل کے رہزدوں کو عقل سے درست کرے اور فلسفہ کے سرگشتوں کو آسمانی فلسفہ کے زور سے راہ پر لاوے۔ سو یہ کامل درجہ کا دُخانِ مبین ہے جو اس زمانہ میں ظاہر ہوا ہے۔“ (ازالہ اوہام حصہ دوم، روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۳۷۵، ۳۷۶)

بَاب ۳: رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ ○ (الدخان:۱۳)

اے ہمارے ربّ! ہم سے عذاب ہٹا، ہم ایمان لانے والے ہیں

٤٨٢٢ : حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي الضُّحَى عَنْ مَّسْرُوقٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى عَبْدِ اللهِ فَقَالَ إِنَّ مِنَ الْعِلْمِ أَنْ تَقُولَ لِمَا لَا تَعْلَمُ اللهُ أَعْلَمُ. إِنَّ اللهَ قَالَ لِنَبِيِّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ○ (ص:۸۷) إِنَّ قُرَيْشًا لَمَّا غَلَبُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاسْتَعْصَوْا عَلَيْهِ قَالَ اللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَيْهِمْ بِسَبْعٍ كَسَبْعِ يُوسُفَ فَأَخَذَتْهُمْ سَنَةٌ أَكَلُوا فِيهَا الْعِظَامَ وَالْمَيْتَةَ مِنَ الْجَهْدِ حَتَّى جَعَلَ أَحَدُهُمْ يَرَى مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ السَّمَاءِ كَهَيْئَةِ الدُّخَانِ مِنَ الْجُوعِ قَالُوا: رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ ○ (الدخان:۱۳) فَقِيلَ لَهُ إِنْ كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَادُوا فَدَعَا رَبَّهُ فَكَشَفَ عَنْهُمْ فَعَادُوا فَانْتَقَمَ اللهُ مِنْهُمْ يَوْمَ بَدْرٍ فَذَلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ○ إِلَى قَوْلِهِ جَلَّ

۴۸۲۲: یحیٰ (بن موسیٰ بلخی) نے ہم سے بیان کیا کہ وکیع نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے اعمش سے، اعمش نے ابوالضحیٰ سے، ابوالضحیٰ نے مسروق سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) کے پاس گیا۔ انہوں نے کہا: علم کی شان یہ ہے کہ تم جس بات کو نہیں جانتے اس کے متعلق یہ کہو: اللہ بہتر جانتا ہے کیونکہ اللہ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا: تُو کہہ دے کہ میں اس (تبلیغ) پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا اور نہ میں تکلف سے بات کرنے کا عادی ہوں۔ قریش نے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بے بس کر دیا اور وہ آپؐ کے مقابل میں اَڑ گئے۔ آپؐ نے یہ دعا کی: اے اللہ! ان کو سر کرنے کے لئے میری مدد سات سال (قحط) سے فرما جو یوسفؑ کے سات سالوں کے سے ہوں۔ چنانچہ ان کو قحط نے آپکڑا جس میں انہوں نے سخت بھوک کی وجہ سے ہڈیاں اور مردار کھائے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ ان میں سے کوئی بھوک کے مارے اپنے اور فضاء کے درمیان دھواں سا دیکھتا۔ (اس وقت) انہوں نے کہا: اے ہمارے ربّ! ہم سے عذاب ہٹا، ہم ایمان لانے والے ہیں۔ آنحضرت ﷺ سے کہا گیا: اگر ہم نے ان سے اس عذاب کو ہٹا دیا تو وہ پھر ویسے کے ویسے ہو جائیں گے۔ مگر آپؐ نے

ذِكْرُهُ إِنَّا مُنْتَقِمُونَ.

(الدخان: ۱۱- ۱۷)

اپنے ربّ سے دعا کی اور اس نے ان سے عذاب کو ہٹا دیا اور وہ پھر ویسے ہی ہو گئے۔ اس لئے اللہ نے ان کو جنگِ بدر میں سزا دی۔ یہی ہے جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: پس تُو اُس دن کا انتظار کر جس دن آسمان پر ایک کھلا کھلا دُھواں ظاہر ہو گا۔ اللہ جلّ ذِکرُہٗ کے اس قول تک کہ ہم انتقام لینے پر قادر ہیں۔

أطرافه: ١٠٠٧، ١٠٢٠، ٤٦٩٣، ٤٧٦٧، ٤٧٧٤، ٤٨٠٩، ٤٨٢٠، ٤٨٢١، ٤٨٢٣، ٤٨٢٤، ٤٨٢٥۔

بَاب ٤: أَنَّى لَهُمُ الذِّكْرَى وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُّبِينٌ ○ (الدخان: ١٤)

(یہ فرمانا:) ان کو نصیحت کہاں حالانکہ ان کے پاس ایسا رسول آیا ہے جو کھول کر بیان کرتا ہے

الذِّكْرُ وَالذِّكْرَى وَاحِدٌ.

الذِّکرُ اور الذِّکریٰ (کے معنی) ایک ہی ہیں۔

٤٨٢٣: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي الضُّحَى عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى عَبْدِ اللهِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا دَعَا قُرَيْشًا كَذَّبُوهُ وَاسْتَعْصَوْا عَلَيْهِ فَقَالَ اللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَيْهِمْ بِسَبْعٍ كَسَبْعِ يُوسُفَ فَأَصَابَتْهُمْ سَنَةٌ حَصَّتْ كُلَّ شَيْءٍ حَتَّى كَانُوا يَأْكُلُونَ الْمَيْتَةَ وَكَانَ يَقُومُ أَحَدُهُمْ فَكَانَ يَرَى بَيْنَهُ وَبَيْنَ السَّمَاءِ مِثْلَ الدُّخَانِ مِنَ الْجَهْدِ وَالْجُوعِ ثُمَّ قَرَأَ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ○ يَغْشَى النَّاسَ

۴۸۲۳: سلیمان بن حرب نے ہم سے بیان کیا کہ جریر بن حازم نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے اعمش سے، اعمش نے ابوالضحیٰ سے، ابوالضحیٰ نے مسروق سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) کے پاس گیا۔ کچھ دیر (بیٹھنے کے) بعد انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قریش کو (اسلام کی) دعوت دی تو انہوں نے آپؐ کو جھٹلا دیا اور آپؐ کے مقابل پر اڑ بیٹھے تو آپؐ نے یہ دعا کی: اے اللہ! ان کو مغلوب کرنے کے لئے سات سال (قحط) سے تو میری مدد فرما جو یوسف کے سات سالوں کے سے ہوں۔ چنانچہ اُن پر قحط ایسا پڑا جس نے ہر چیز کو فنا کر دیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ مردار کھاتے تھے۔ ان میں سے کوئی کھڑا ہوتا تو مارے کمزوری اور بھوک کے اپنے سامنے اور فضا

هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ (الدخان: ۱۱، ۱۲) حَتّٰى بَلَغَ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ○ (الدخان: ۱۶) قَالَ عَبْدُ اللهِ أَفَيُكْشَفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ وَالْبَطْشَةُ الْكُبْرَى يَوْمَ بَدْرٍ.

میں دھواں سا دیکھتا۔ پھر (حضرت ابن مسعودؓ نے) یہ آیت پڑھی: پس تُو اُس دن کا انتظار کر جس دن آسمان پر ایک کھلا کھلا دُھواں ظاہر ہوگا۔ جو سب لوگوں پر چھا جائے گا، یہ دردناک عذاب ہوگا یہاں تک کہ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ... تک پہنچے۔ یعنی ہم عذاب کو تھوڑی دیر کے لیے ہٹا دیں گے مگر تم پھر وہی (کرتوتیں) کرنے لگ جاؤ گے۔ حضرت عبداللہؓ نے کہا: بھلا کیا عذاب ان سے قیامت کے دن بھی ہٹایا جائے گا۔ حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) نے کہا: بَطْشَةُ الْكُبْرٰى جنگ بدر تھی۔

أطرافه: ۱۰۰۷، ۱۰۲۰، ٤٦٩٣، ٤٧٦٧، ٤٧٧٤، ٤٨٠٩، ٤٨٢٠، ٤٨٢١، ٤٨٢٢، ٤٨٢٤، ٤٨٢٥-

تشریح: رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ: حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم دیا گیا تھا کہ سورۂ دخان کی پیشگوئیوں کے ظہور کا زمانہ دَجّال کے ظہور سے تعلق رکھتا ہے۔ (دیکھئے ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تعارف سورۃ الدخان، صفحہ ۸۸۶) حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے متعدد بار دُخان کے متعلق خبر دی ہے۔ ان میں سے ایک الہام ۲۰ جنوری ۱۹۰۶ء کا یہ ہے:

> "يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ۔ وَتَرَى الْاَرْضَ يَوْمَئِذٍ خَامِدَةً مُّصْفَرَّةً۔ (ترجمہ) اُس دن آسمان ایک کھلا کھلا دُھواں لائے گا۔ یعنی آسمان ایک دُخانی صورت کا عذاب زمین پر نازل کرے گا اور تو زمین کو دیکھے گا کہ ایک مردہ سی ہوگئی ہے اور راکھ کی طرح بن گئی ہے اور اس پر بجائے سرسبزی کے زردی چھا جائے گی۔" (تذکرہ، صفحہ ۵۰۴)

پس ضرورت ہے کہ اس الٰہی تنبیہ اور انذار سے فائدہ اُٹھایا جائے اور اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچنے کے لیے اس زمانہ کے حصنِ حصین کی پناہ میں آیا جائے۔

بَاب ۵: ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ○ (الدخان:۱۵)

اور اس سے پیٹھ پھیر کر چلے گئے اور کہنے لگے: یہ کسی کا سکھایا ہوا پاگل ہے

٤٨٢٤: حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ وَمَنْصُورٍ عَنْ أَبِي الضُّحَى عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللهِ إِنَّ اللهَ بَعَثَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ○ (ص:۸۷) فَإِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا رَأَى قُرَيْشًا اسْتَعْصَوْا عَلَيْهِ فَقَالَ اللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَيْهِمْ بِسَبْعٍ كَسَبْعِ يُوسُفَ فَأَخَذَتْهُمُ السَّنَةُ حَتَّى حَصَّتْ كُلَّ شَيْءٍ حَتَّى أَكَلُوا الْعِظَامَ وَالْجُلُودَ وَقَالَ أَحَدُهُمْ حَتَّى أَكَلُوا الْجُلُودَ وَالْمَيْتَةَ وَجَعَلَ يَخْرُجُ مِنَ الْأَرْضِ كَهَيْئَةِ الدُّخَانِ فَأَتَاهُ أَبُو سُفْيَانَ فَقَالَ أَيْ مُحَمَّدُ إِنَّ قَوْمَكَ قَدْ هَلَكُوا فَادْعُ اللهَ أَنْ يَكْشِفَ عَنْهُمْ فَدَعَا ثُمَّ قَالَ تَعُودُوا بَعْدَ هَذَا. فِي حَدِيثِ مَنْصُورٍ ثُمَّ قَرَأَ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ○ إِلَى عَآئِدُوْنَ ○ (الدخان: ۱۱- ۱۶)

۴۸۲۴: بشر بن خالد نے ہم سے بیان کیا کہ محمد (بن جعفر) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے شعبہ سے، شعبہ نے سلیمان اور منصور سے، انہوں نے ابوالضحیٰ سے، ابوالضحیٰ نے مسروق سے روایت کی۔ وہ کہتے تھے: حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) نے کہا: اللہ نے محمد ﷺ کو مبعوث کیا اور فرمایا: تُو کہہ دے کہ میں اس (تبلیغ) پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا اور نہ میں تکلف سے بات کرنے کا عادی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے جب قریش کو دیکھا کہ وہ آپؐ کے مقابل اڑ گئے ہیں تو آپؐ نے یہ دعا کی: اے اللہ! ان کو مغلوب کرنے کے لئے تو میری مدد سات سال (قحط) سے فرما جو یوسف کے سالوں کی طرح ہوں۔ چنانچہ قحط نے ان کو ایسا آپکڑا کہ اس نے ہر ایک چیز کو فنا کر دیا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ انہوں نے ہڈیاں اور کھالیں کھائیں۔ راویوں میں سے ایک نے کہا: یہاں تک کہ کھالیں اور مردار کھائے اور زمین سے ایک دھواں سا نکلنے لگا۔ تب ابوسفیان آپؐ کے پاس آیا اور کہنے لگا: محمد! تمہاری قوم تو ہلاک ہو گئی۔ اللہ سے دعا کرو کہ ان سے عذاب ہٹائے۔ آپؐ نے دعا کی اور آپؐ نے فرمایا: اس کے بعد پھر تم ویسے کے ویسے ہو جاؤ گے۔ منصور کی حدیث

أَيُكْشَفُ عَنْهُمْ عَذَابُ الْآخِرَةِ فَقَدْ مَضَى الدُّخَانُ وَالْبَطْشَةُ وَاللِّزَامُ وَقَالَ أَحَدُهُمُ الْقَمَرُ وَقَالَ الْآخَرُ الرُّومُ.

میں (یہ الفاظ) ہیں: تو پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی: فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ ....۔ (حضرت ابن مسعودؓ نے کہا:) بھلا آخرت کا عذاب بھی ہٹایا جائے گا۔ دخان (دھواں)، بطشہ (سخت گرفت) اور لزام (چمٹنے والا عذاب) تو گزر چکے۔ اور ان راویوں میں سے ایک نے شق القمر بھی کہا اور دوسرے نے روم بھی کہا۔

أطرافه: ۱۰۰۷، ۱۰۲۰، ۴۶۹۳، ۴۷۶۷، ۴۷۷۴، ۴۸۰۹، ۴۸۲۰، ۴۸۲۱، ۴۸۲۲، ۴۸۲۳، ۴۸۲۵۔

بَاب ٦: يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ إِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ○ (الدخان: ۱۷)

جس دن ہم بڑی گرفت میں تم کو لے آئیں گے (تم پر کھل جائے گا کہ) ہم انتقام لینے پر قادر ہیں

٤٨٢٥: حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ خَمْسٌ قَدْ مَضَيْنَ اللِّزَامُ وَالرُّومُ وَالْبَطْشَةُ وَالْقَمَرُ وَالدُّخَانُ.

۴۸۲۵: یحیٰ (بن موسیٰ بلخی) نے ہم سے بیان کیا کہ وکیع (بن جراح) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے اعمش سے، اعمش نے مسلم سے، مسلم نے مسروق سے، مسروق نے حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: پانچ پیشگوئیاں ہیں جو گزر چکیں۔ لزام (چمٹنے والا عذاب)، روم، بطشہ (سخت گرفت)، قمر اور دخان (دھواں)۔

أطرافه: ۱۰۰۷، ۱۰۲۰، ۴۶۹۳، ۴۷۶۷، ۴۷۷۴، ۴۸۰۹، ۴۸۲۰، ۴۸۲۱، ۴۸۲۲، ۴۸۲۳، ۴۸۲۴۔

تشریح: يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ إِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ: حضرت سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب رضی اللہ عنہ اس بارہ میں فرماتے ہیں:

"سورۃ دخان میں جس بَطْشَةَ الْكُبْرٰى اور ہلاکت خیز تباہی کا ذکر ہے وہ یقیناً ایک ایسی تباہی ہے جو بہت ہی بڑے وسیع پیمانے پر ظاہر ہونے والی ہے اور ابھی تک وہ ظہور پذیر نہیں ہوئی۔ لیکن اب ہم اس کے دروازے پر ہیں جیسا کہ اس زمانے کے نذیر نے کھول کھول کر ڈنکے کی چوٹ سے مختلف پیرائیوں میں اسے بیان کیا اور سارے

جہان کی اقوام کو اس سے ڈرایا ہے۔ وہ عذاب عالمگیر ہے، کسی ایک قطعۂ زمین سے محدود نہیں، نہ ایک قوم سے مخصوص۔ اس کے عالمگیر ظہور سے ہی آنحضرت ﷺ کی نسبت یہ نوشتہ پورا ہوگا لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ○ (الفرقان:۲)"

(صحیح بخاری ترجمہ وشرح، کتاب التفسیر، باب فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا، جلد ۱۱ صفحہ ۱۲۶)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"یہاں یہ پیشگوئی بھی فرمائی کہ اس قسم کا عذاب وقفہ وقفہ سے آئے گا۔ یعنی ایک عالمی جنگ کی ہلاکت خیزیوں کے بعد کچھ عرصہ مہلت دی جائے گی، اس کے بعد پھر اگلی عالمی جنگ نئی ہلاکتیں لے کر آئے گی۔"

(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تعارف سورۃ الدخان، صفحہ ۸۸۶)

خَمْسٌ قَدْ مَضَيْنَ اللِّزَامُ وَالرُّوْمُ وَالْبَطْشَةُ وَالْقَمَرُ وَالدُّخَانُ: حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا بیان کہ یہ پانچوں پیشگوئیاں پوری ہو چکی ہیں، اپنی جگہ درست ہے۔ ایک رنگ میں یہ پیشگوئیاں پوری ہو چکی ہیں۔ چنانچہ اللِّزَامُ سے مراد جنگوں کی صورت میں وہ عذاب ہے جو مخالفین اسلام پر اس تواتر سے جاری رہا کہ گویا ان کے ساتھ چمٹ گیا تھا۔ اور بَطْشَة سے مراد وہ پہلی پکڑ ہے جس نے جنگ بدر کی صورت میں مخالفین کو اس طرح پکڑا کہ ان کی طاقت خاک میں مل گئی۔ نیز روم کی مغلوبیت، شق القمر اور قحط کے واقعات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں بڑی شان سے ظاہر ہوئے۔[1] لیکن حقیقت یہ ہے کہ جیسے یہ پیشگوئیاں اسلام کے دَورِ اوّل میں پوری ہوئیں، دَورِ آخرین میں بھی ان کا نمایاں شان کے ساتھ ظہور ہونا مقدر ہے۔ الدُّخَان اور البَطْشَة کے متعلق تو وضاحت ابھی گذر چکی ہے کہ ان سے مراد عالمگیر عذاب اور بہت وسیع پیمانے پر ظاہر ہونے والی تباہیاں ہیں۔ اور اللِّزَامُ کے متعلق سورۃ الفرقان کی تشریح میں گذر چکا ہے کہ اس سے مراد ابن اللہ کا عقیدہ رکھنے والی مشرک اقوام کی ہلاکت خیز گرفت ہے۔ وہی اقوام جن کا ذکر یاجوج ماجوج اور دجال اَعْوَر کے ناموں سے بھی ملتا ہے۔

(تفصیل کے لیے دیکھئے صحیح بخاری ترجمہ وشرح حضرت سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؒ، جلد ۱۱ صفحہ ۱۲۵)

غُلِبَتِ الرُّوْمُ کی پیشگوئی کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

"حدیثوں سے ثابت ہے کہ روم سے مراد نصاریٰ ہیں۔ اور وہ آخری زمانہ میں پھر

---

[1] غُلِبَتِ الرُّوْمُ کے واقعہ کی وضاحت کے لیے دیکھئے کتاب بدء الوحی تشریح روایت نمبر ۷، جلد ۱ صفحہ ۲۹۔ کفارِ قریش پر قحط کا ذکر کتاب الاستسقاء تشریح باب ۲ جلد ۲ صفحہ ۴۰۳ میں گذر چکا ہے اور شق القمر کے معجزہ کا تفصیلی ذکر سورۃ القمر کی تشریح میں دیکھا جاسکتا ہے۔

اسلامی ممالک کے کچھ حصے دبالیں گے۔ اور اسلامی بادشاہوں کے ممالک اُن کی بدچلنیوں کے وقت میں اُسی طرح نصاریٰ کے قبضے میں آجائیں گے جیسا کہ اسرائیلی بادشاہوں کی بدچلنیوں کے وقت رومی سلطنت نے ان کا ملک دبالیا تھا۔ پس واضح ہو کہ یہ پیشگوئی ہمارے اس زمانہ میں پوری ہو گئی۔...... اس جگہ بروزی طور پر روم سے روس اور دوسری عیسائی سلطنتیں مراد ہیں جو عیسائی مذہب رکھتی ہیں۔ یہ آیت اوّل اس موقعہ پر نازل ہوئی تھی جبکہ کسریٰ شاہِ ایران نے بعض حدود پر لڑائی کر کے قیصر شاہِ روم کو مغلوب کر دیا تھا۔ پھر جب اس پیشگوئی کے مطابق بضع سنین میں قیصر روم شاہِ ایران پر غالب آگیا تو پھر یہ آیت نازل ہوئی کہ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ○ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ (الروم: ۳، ۴) جس کا مطلب یہ تھا کہ رومی سلطنت اب تو غالب آگئی مگر پھر بضع سنین میں اسلام کے ہاتھ سے مغلوب ہوں گے۔ مگر باوجود اس کے کہ دوسری قراءت میں غَلَبَتْ کا صیغہ ماضی معلوم تھا اور سَیُغْلَبُوْنَ کا صیغہ مضارع مجہول تھا مگر پھر بھی پہلی قراءت جس میں غُلِبَتْ کا صیغہ ماضی مجہول تھا اور سَیَغْلِبُوْنَ مضارع معلوم تھا منسوخ التلاوت نہیں ہوئی۔ بلکہ اِسی طرح جبرائیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن شریف سُناتے رہے جس سے اس سنت اللہ کے موافق جو قرآن شریف کے نزول میں ہے یہ ثابت ہوا کہ ایک مرتبہ پھر مقدر ہے کہ عیسائی سلطنت روم کے بعض حدود کو پھر اپنے قبضہ میں کر لے گی۔ اِسی بنا پر احادیث میں آیا ہے کہ مسیح کے وقت میں سب سے زیادہ دنیا میں روم ہوں گے یعنی نصاریٰ۔ اس تحریر سے ہماری غرض یہ ہے کہ قرآن اور احادیث میں روم کا لفظ بھی بروزی طور پر آیا ہے یعنی روم سے اصل روم مراد نہیں ہیں بلکہ نصاریٰ مراد ہیں۔"

(تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۳۰۷، ۳۰۸)

شقّ القمر کے نشان کا تعلق آخرین کے زمانہ سے سمجھنے کے لیے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا درج ذیل اقتباس ملاحظہ کیجیے۔ آپ نے فرمایا:

"دوسرا بڑا عظیم الشان معجزہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شقّ القمر تھا اور شقّ القمر دراصل ایک قسم کا خسوف ہی تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ سے ہوا۔

اس وقت بھی اللہ تعالیٰ نے کسوف وخسوف کا ایک نشان دکھایا اور یہ مسیح موعود اور مہدی کے لیے مخصوص تھا اور ابتدائے دُنیا سے کبھی اس رنگ میں یہ نشان نہیں دکھایا گیا تھا۔ یہ صرف مسیح موعود ہی کے زمانہ کے لیے رکھا گیا تھا اور احادیث میں آیاتِ مہدی میں سے اسے قرار دیا گیا ہے، جس کی بابت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ میرے ہی نام پر آئے گا۔ اس میں یہی نکتہ ہے کہ جو نشانات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے گئے تھے، اس رنگ کے نشان یہاں بھی دیئے جانے ضروری تھے۔ کیونکہ یہ آمد آپؐ ہی کی ہے۔“ (ملفوظات جلد دوم صفحہ ۴۲)

نیز آپ نے فرمایا:

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بھی شقّ قمر کی یہی حکمت تھی کہ جن کو پہلی کتابوں کے علم کا نُور ملا تھا وہ لوگ اس نُور پر قائم نہ رہے اور ان کی دیانت اور امانت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ سو اس وقت بھی آسمان کے شقّ القمر نے ظاہر کر دیا کہ زمین میں جو لوگ نور کے وارث تھے انہوں نے تاریکی سے پیار کیا ہے اور اس جگہ یہ بات قابل افسوس ہے کہ مدت ہوئی کہ آسمان کا خسوف کسوف جو رمضان میں ہوا وہ جاتا رہا اور چاند اور سورج دونوں صاف اور روشن ہو گئے مگر ہمارے وہ علماء اور فقراء جو شمس العلماء اور بدر العرفاء کہلاتے ہیں وہ آج تک اپنے کسوف خسوف میں گرفتار ہیں۔“ (ضمیمہ رسالہ انجام آتھم، روحانی خزائن جلد ۱۱ صفحہ ۲۹۵)

۴۵- سُوْرَةُ الْجَاثِيَةِ

جَاثِيَةً (الجاثیة:۲۹) مُسْتَوْفِزِينَ عَلَى الرُّكَبِ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: نَسْتَنْسِخُ (الجاثیة:۳۰) نَكْتُبُ. نَنْسٰكُمْ (الجاثیة:۳۵) نَتْرُكُكُمْ.

جَاثِيَةً کے معنی ہیں زانوؤں کے بل جلدی سے اُٹھ بیٹھنے والی۔ اور مجاہد نے کہا: نَسْتَنْسِخُ کے معنی ہیں ہم لکھتے ہیں۔ نَنْسٰكُمْ ہم تمہیں چھوڑ دیں گے۔

تشریح: جَاثِيَةً سے اس آیت کی طرف اشارہ ہے: وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰۤى اِلٰى كِتٰبِهَا اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ (الجاثیة:۲۹) یعنی اور تُو ہر ایک اُمت کو دیکھے گا کہ وہ زمین پر گھٹنوں کے بل گری ہوئی ہوگی۔ ہر ایک قوم کو اپنی شریعت کی طرف بلایا جائے گا۔ اس دن تم کو تمہارے اعمال کے مطابق جزا دی جائے گی۔ (ترجمہ تفسیر صغیر) اس سے مراد یہ ہے کہ قیامت کے ہیبت ناک نشان کو دیکھ کر ہر کوئی گھٹنوں کے بل زمین پر گر جائے گا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے جلال کے سامنے سجدہ ریز ہوگا۔

نَسْتَنْسِخُ کے معنی ہیں ہم لکھتے ہیں۔ پوری آیت یہ ہے: هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ (الجاثیة:۳۰) یعنی (اور ہم کہیں گے دیکھو) یہ ہماری کتاب ہے جو تمہارے خلاف سچی سچی شہادت دے رہی ہے۔ جو کچھ تم عمل کرتے تھے ہم اس کو لکھتے جاتے تھے۔ (ترجمہ تفسیر صغیر)

اس آیت کریمہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ انسان کا ہر عمل اللہ تعالیٰ کے وسیع اور دائمی قانون میں ریکارڈ ہو رہا ہے۔ اور وہ قیامت کے دن اس کے لئے ایک کتاب کی صورت میں پیش کیا جائے گا۔ اور وہ اپنے اعمال نامہ کو دیکھ کر حیران ہو کر کہے گا: مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰهَا (الکھف:۵۰) یعنی اس کتاب کو کیا (ہوا) ہے کہ نہ کسی چھوٹی بات کو اس کا احاطہ کئے بغیر چھوڑتی ہے اور نہ کسی بڑی بات کو۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کو سریع الحساب قرار دیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی انسان اللہ تعالیٰ کے تصرف سے باہر نہیں جا سکتا اور اس کی پکڑ سے بچ نہیں سکتا۔ کیونکہ اس کا ہر عمل ریکارڈ ہو رہا ہے۔ جیسا کہ فرمایا: وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ (المؤمنون:۶۳) اور ہمارے پاس ایک اعمال نامہ ہے جو سچی سچی بات کہتا ہے اور اُن پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ نیز اس بات کو بیان فرمایا کہ یہ ریکارڈ انسان کے وجود میں محفوظ کیا جا رہا ہے اور قیامت کے دن اس کے وجود کا ہر ذرہ اس ریکارڈ کو بیان کرے گا۔ جیسا کہ فرمایا: حَتّٰۤى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَ اَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (حٰم السجدۃ:۲۱) یہاں تک کہ جب وہ دوزخ کے پاس پہنچ جائیں گے اُن کے کان اور اُن کی آنکھیں اور اُن کے چمڑے اُن کے عمل کی وجہ سے اُن کے خلاف گواہی دیں گے۔

نَنْسٰكُمْ: امام بخاریؒ نے اس کے معنی نَتْرُكُكُمْ بیان کیے ہیں۔ یعنی ہم تمہیں چھوڑ دیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا

ہے: وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ○ (الجاثیة:۳۵) یعنی اور اُن سے کہا جائے گا کہ آج ہم نے تم کو اسی طرح بے مدد چھوڑ دیا ہے جس طرح کہ تم نے اس دن کی ملاقات کے خیال کو چھوڑ دیا تھا اور تمہارا ٹھکانہ آگ ہوگا اور کوئی تمہاری مدد کرنے والا نہیں ہوگا۔ عذاب میں چھوڑ دیئے جانے سے مراد اُن کی سزا کا لمبا ہونا ہے۔ یہ مضمون قرآنِ کریم میں اس طرح بھی ملتا ہے کہ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ (البقرة:۴۰) یعنی اور جو (لوگ) کفر کریں گے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے وہ (ضرور) دوزخ (میں پڑنے) والے ہیں، وہ اس میں رہتے چلے جائیں گے۔ ایک اور موقع پر فرمایا ہے: لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ○ (النبأ:۲۴) یعنی وہ اس میں برسوں رہتے چلے جائیں گے۔

{بَاب: وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ (الجاثیة:۲۵) الْاٰيَةَ[۱]}

اور زمانہ ہی ہمیں (اپنے اثر سے) ہلاک کرتا ہے

٤٨٢٦: حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ يُؤْذِينِي ابْنُ آدَمَ يَسُبُّ الدَّهْرَ وَأَنَا الدَّهْرُ بِيَدِي الْأَمْرُ أُقَلِّبُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ.

أطرافه: ٦١٨١، ٧٤٩١۔

۴۸۲۶: (عبداللہ بن زبیر) حمیدی نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان (بن عیینہ) نے ہمیں بتایا کہ زُہری نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے سعید بن مسیب سے، سعید نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل فرماتا ہے: مجھے ابن آدم تکلیف دیتا ہے۔ وہ زمانہ کو گالیاں دیتا ہے اور زمانہ میں ہوں، سب حکم میرے ہاتھ میں ہے، میں ہی رات اور دن کو چکر دیتا ہوں۔

تشریح: وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ○ (الجاثیة:۲۵) اور وہ کہتے ہیں کہ یہی ورلی زندگی ہمارے لیے مقدر ہے۔ اسی زندگی کو گذارتے ہوئے ہم مریں گے اور اسی کا لطف اُٹھاتے ہوئے ہم زندہ رہیں گے اور زمانہ ہی ہمیں (اپنے اثر سے) ہلاک کرتا ہے لیکن اُن کو اس بات کا کوئی حقیقی علم نہیں، وہ صرف ڈھکوسلے مار رہے ہیں۔

---

[۱] یہ عنوان باب فتح الباری مطبوعہ بولاق کے مطابق ہے۔ (فتح الباری جزء۸ حاشیہ صفحہ ۷۳۰) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

لفظ الدَّھْر کے بنیادی معنی غالب آنے کے ہیں۔ زمانہ کو دَھْر اس لیے کہتے ہیں کہ وہ ہر چیز پر سے گذرتا اور اس پر غالب آجاتا ہے۔ (مقاییس اللغة- دھر) اس آیت کریمہ میں بتایا گیا ہے کہ زمانہ کو موت وحیات کا مالک سمجھنے والے غلطی خوردہ ہیں۔ مالک حقیقی اور قادر مطلق اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ زمانے کا بھی خالق اور مالک ہے۔ اس کی ایک صفت فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ بھی ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”لوگ زمانہ کو بُرا کہتے ہیں۔ شاعروں نے تو یہ غضب کیا کہ دُنیا کا ہر ایک دُکھ اور مصیبت زمانہ کے سر تھوپ دیا۔ خدا تعالیٰ کا نام ہی درمیان سے نکال دیا۔ گردشِ روزگار کی اس قدر شکایت کی ہے جس کی حد نہیں۔ گویا ان کا دارومدار، ان کا نافع اور ضارّ سب کچھ زمانہ ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: زمانہ کی شکایت نہ کرو۔ یہ بھی قابلِ قدر چیز ہے۔“

(حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۴۵۵)

٤٦ - سُوْرَةُ الْأَحْقَافِ

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: تُفِيْضُوْنَ (الأحقاف:٩) تَقُولُونَ. وَقَالَ بَعْضُهُمْ أَثَرَةٍ وَأُثْرَةٍ وَ اَثَارَةٍ (الأحقاف:٥) بَقِيَّةٌ مِنْ عِلْمٍ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ (الأحقاف:١٠) لَسْتُ بِأَوَّلِ الرُّسُلِ. وَقَالَ غَيْرُهُ: اَرَءَيْتُمْ (الأحقاف:٥) هَذِهِ الْأَلِفُ إِنَّمَا هِيَ تَوَعُّدٌ إِنْ صَحَّ مَا تَدَّعُوْنَ لَا يَسْتَحِقُّ أَنْ يُّعْبَدَ. وَلَيْسَ قَوْلُهُ اَرَءَيْتُمْ بِرُؤْيَةِ الْعَيْنِ إِنَّمَا هُوَ أَتَعْلَمُونَ أَبَلَغَكُمْ أَنَّ مَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُونِ اللهِ خَلَقُوْا شَيْئًا.

اور مجاہد نے کہا: تُفِيْضُوْنَ کے معنی ہیں تم کہتے ہو۔ اور بعضوں نے کہا: أَثَرَةٍ، أُثْرَةٍ اور اَثَارَةٍ تینوں قراءتیں ہیں اور ان کے معنی ہیں بقیہ علم۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا: بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ کے یہ معنی ہیں کہ میں پہلا رسول تو نہیں ہوں۔ اور (حضرت ابن عباسؓ کے سوا) اَوروں نے کہا: (اَرَءَيْتُمْ مَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ میں) اَرَءَيْتُمْ کا ہمزہ صرف دھمکی دینے کے لئے ہے۔ یعنی جو تم دعویٰ کرتے ہو، اگر یہ صحیح ہے تو بھی یہ چیزیں پوجے جانے کی مستحق نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا قول اَرَءَيْتُمْ آنکھ کا دیکھنا نہیں، بلکہ یہ صرف ان معنوں میں ہے کہ کیا تم جانتے ہو؟ کیا تمہیں یہ خبر پہنچی ہے کہ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو انہوں نے کچھ پیدا بھی کیا۔

تشریح: بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ۭ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ (الأحقاف:١٠) یعنی تُو اُن سے کہہ دے کہ میں دنیا میں پہلا رسول تو نہیں آیا (مجھ سے پہلے اور کئی رسول گذر چکے ہیں اور) میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ خدا کیا معاملہ کرے گا اور نہ یہ جانتا ہوں کہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرے گا۔ میں تو صرف اس وحی کی اتباع کرتا ہوں جو مجھ پر نازل ہوئی ہے۔ اور میں تو صرف ایک کھلا کھلا ڈرانے والا ہوں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”ہمارے سید و مولا فرماتے ہیں کہ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ۔ میں کوئی نیا رسول تو نہیں آیا۔ آدم سے لے کر اب تک جو رسول آئے ہیں اُن کو پہچانو۔ ان کی معاشرت، تمدن اور سیاست کیسی تھی اور ان کا انجام کیا ہوا؟ اُن کی صداقت کے

کیا اسلوب تھے، اُن کی تعلیم کیا تھی، اُن کے اصحاب نے ان کو پہلے پہل کس طرح مانا۔ اُن کے مخالفوں اور منکروں کا چال چلن کیسا تھا اور ان کا انجام کیا ہوا؟ یہ ایک ایسا اصل تھا کہ اگر اس وقت کے لوگ اس معیار پر غور کرتے تو ان کو ذرا سی دقت پیش نہ آتی۔ اور ایک مجدد، مہدی، مسیح، مرسل من اللہ کے ماننے میں ذرا بھی اشکال نہ ہوتا۔ مگر اپنے خیالات ملکی اور قومی رسوم، بزرگوں کی عادات کے ماننے میں تو بہت بڑی وسعت سے کام لیتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے ماموروں اور اس کے احکام کے لئے خدا کے علم اور حکمت کے پیمانہ کو اپنی ہی چھوٹی سی کھوپڑی سے ناپنا چاہتے ہیں۔ ہر ایک امام کی شناخت کے لئے یہ عام قاعدہ کافی ہے کہ کیا یہ کوئی نئی بات لے کر آیا ہے۔ اگر اس پر غور کرے تو تعجب کی بات نہیں ہے، جو اللہ تعالیٰ اصل حقیقت کو اس پر کھول دے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ اپنے آپ کو ہیچ سمجھے اور تکبر نہ کرے۔ ورنہ تکبر کا انجام یہی ہے کہ محروم رہے۔"

(حقائق الفرقان جلد ۳ صفحہ ۵۷۵، ۵۷۶)

اَرَءَیۡتُمۡ: اللہ تعالیٰ کا قول اَرَءَیۡتُمۡ آنکھ کا دیکھنا نہیں، بلکہ یہ صرف ان معنوں میں ہے کہ کیا تم جانتے ہو؟ فرماتا ہے: قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ مَّا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اَرُوۡنِیۡ مَاذَا خَلَقُوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ اَمۡ لَہُمۡ شِرۡکٌ فِی السَّمٰوٰتِ ؕ اِیۡتُوۡنِیۡ بِکِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ ہٰذَاۤ اَوۡ اَثٰرَۃٍ مِّنۡ عِلۡمٍ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ○ (الأحقاف: ۵) یعنی تُو (اُن سے) کہہ دے کہ مجھے بتاؤ تو سہی کہ جن کو تم خدا کے سوا پکارتے ہو انہوں نے زمین کی کون کونسی چیز پیدا کی ہے؟ یا اُن کا آسمان کی پیدائش میں کوئی دخل ہے؟ اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو، تو اس سے پہلے کی کسی کتاب کی دلیل پیش کرو۔ یا اگر (کوئی کتاب نہیں اور) تم سچے ہو تو کوئی علمی دلیل ہی پیش کرو۔ (ترجمہ تفسیر صغیر)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"قرآن کریم کی متعدد آیات میں اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ ایمان دلائل اور براہین پر مبنی ہونا چاہیئے نہ کہ وہم اور گمان پر۔ چنانچہ سورۃ احقاف (ع ۱) میں فرماتا ہے: قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ مَّا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اَرُوۡنِیۡ مَاذَا خَلَقُوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ اَمۡ لَہُمۡ شِرۡکٌ فِی السَّمٰوٰتِ ؕ اِیۡتُوۡنِیۡ بِکِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ ہٰذَاۤ اَوۡ اَثٰرَۃٍ مِّنۡ عِلۡمٍ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ○ یعنی مجھے بتاؤ تو سہی کہ خدا کے سوا جن وجودوں کو تم پکارتے

ہو کیا اُن میں کوئی حقیقت بھی ہے۔ اگر ہے تو مجھے ذرا بتاؤ تو کہ انہوں نے زمین میں سے کس چیز کو پیدا کیا ہے یا یہ تو ثابت کرو کہ آسمانی بادشاہت میں اُن کا کوئی حصہ ہے اور اگر تم سچے ہو تو اس کے لیے یا تو قرآن سے پہلے کی کسی آسمانی کتاب میں سے دلیل پیش کرو یا اپنے باپ دادوں کی بتائی ہوئی کسی علمی بات کو ہی پیش کرو۔ یعنی تمام شرکیہ مسائل نہ تو کسی آسمانی کتاب سے ثابت ہیں نہ کسی علمی دلیل سے ثابت ہو سکتے ہیں۔ پھر ان پر ایمان لانا کس طرح جائز اور ممکن ہو سکتا ہے۔"

(تفسیر کبیر، سورۃ البقرۃ آیت الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ، جلد اوّل صفحہ ۹۹، ۱۰۰)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اس آیت کریمہ کے تفسیری ترجمہ میں بیان فرماتے ہیں:

"کیا تم نے دیکھا کہ جن لوگوں کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا معبود ٹھہرا رہے ہو اُنہوں نے زمین میں کیا پیدا کیا اور یا اُن کو آسمان کی پیدائش میں کوئی شراکت ہے۔ اگر اس کا ثبوت تمہارے پاس ہے اور کوئی ایسی کتاب ہے جس میں یہ لکھا ہو کہ فلاں فلاں چیز تمہارے معبود نے پیدا کی ہے تو لاؤ وہ کتاب پیش کرو اگر تم سچے ہو۔ یعنی یہ تو ہو نہیں سکتا کہ یونہی کوئی شخص قادر مطلق کا نام رکھا لے اور قدرت کا کوئی نمونہ پیش نہ کرے اور خالق کہلائے اور خالقیت کا کوئی نمونہ ظاہر نہ کرے۔"

(جنگ مقدس، روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۱۳۷)

باب ۱

وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ اَتَعِدٰنِنِيْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِيْ ۚ وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ وَيْلَكَ اٰمِنْ ۖ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَيَقُوْلُ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ○ (الأحقاف: ۱۸)

اور وہ جس نے اپنے والدین سے کہا: تم پر تف، کیا تم مجھے دھمکاتے ہو کہ میں دوبارہ (زمین سے) پیدا کیا جاؤں گا۔ حالانکہ مجھ سے پہلے کئی صدیاں گذر گئیں۔ اور وہ دونوں اللہ سے فریاد کر رہے تھے: وائے تجھ پر! مان لو اللہ کا وعدہ یقیناً سچا ہے، تو وہ کہتا تھا: یہ صرف پہلوں کی کہاوتیں ہی ہیں

۴۸۲۷: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ ۴۸۲۷: موسیٰ بن اسماعیل نے ہم سے بیان کیا کہ

حَدَّثَنَا أَبُوْ عَوَانَةَ عَنْ أَبِيْ بِشْرٍ عَنْ يُوسُفَ بْنِ مَاهَكَ قَالَ كَانَ مَرْوَانُ عَلَى الْحِجَازِ اسْتَعْمَلَهُ مُعَاوِيَةُ فَخَطَبَ فَجَعَلَ يَذْكُرُ يَزِيْدَ بْنَ مُعَاوِيَةَ لِكَيْ يُبَايَعَ لَهُ بَعْدَ أَبِيْهِ فَقَالَ لَهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِيْ بَكْرٍ شَيْئًا فَقَالَ خُذُوْهُ فَدَخَلَ بَيْتَ عَائِشَةَ فَلَمْ يَقْدِرُوْا عَلَيْهِ فَقَالَ مَرْوَانُ إِنَّ هَذَا الَّذِي أَنْزَلَ اللهُ فِيْهِ وَالَّذِىْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ أُفٍّ لَّكُمَآ اَتَعِدٰنِنِيْٓ (الأحقاف:١٨) فَقَالَتْ عَائِشَةُ مِنْ وَّرَاءِ الْحِجَابِ مَا أَنْزَلَ اللهُ فِيْنَا شَيْئًا مِّنَ الْقُرْآنِ إِلَّا أَنَّ اللهَ أَنْزَلَ عُذْرِي.

ابو عوانہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ابوبشر سے، ابوبشر نے یوسف بن ماہک سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: مروان (بن حکم) حجاز کا حاکم تھا جس کو معاویہ نے مقرر کیا تھا۔ وہ لوگوں سے مخاطب ہوا اور یزید بن معاویہ کی تعریفیں کرنے لگا تا کہ اس کے باپ کے بعد اس کی بیعت کی جائے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے سن کر کچھ ایسا ویسا کہا۔ مروان نے کہا: اس کو گرفتار کر لو۔ وہ حضرت عائشہؓ کے گھر چلے گئے اور وہ ان کو پکڑ نہ سکے۔ مروان نے کہا: یہ وہ شخص ہے جس کے متعلق اللہ نے یہ وحی نازل کی: اور وہ جس نے اپنے والدین سے کہا: تم پر تف، کیا تم مجھے دھمکاتے ہو؟ حضرت عائشہؓ یہ سن کر پردہ کے پیچھے سے بولیں: اللہ نے ہمارے متعلق قرآن میں کوئی آیت نہیں نازل کی سوائے اس کے کہ اللہ نے میری بریت نازل کی۔

تشریح: وَالَّذِىْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ اَتَعِدٰنِنِيْٓ: روایت زیر باب میں امیر معاویہ کے دَور حکومت کے اُس واقعہ کا ذکر ہے جب مروان بن حکم نے امیر معاویہ کے کہنے پر اہلِ مدینہ کو یزید کی ولی عہدی قبول کروانے کی کوشش کی۔ اس موقع پر حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ بھی اُن صحابہ میں سے تھے جنہوں نے اس بات کی بھرپور مخالفت کی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کے سامنے جب مروان کی کچھ پیش نہ چلی تو اُس نے ان کی کسرِ شان کرنے کے لیے انہیں سورۃ الاحقاف کی آیت ۱۸ کا مصداق قرار دے دیا۔ اس کی یہ بات بالکل غلط اور بے بنیاد تھی۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی پُرزور تردید فرمائی ہے۔

اس آیت کریمہ کا اطلاق حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ پر ہو ہی نہیں سکتا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ تو صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمان ہو چکے تھے، آپؓ نے ہجرت کی سعادت پائی۔ مدینہ آکر صحبتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے والد بزرگوار کی خدمت کا موقع پایا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری بیماری میں آپؐ کی خدمت میں

مسواک پیش کرنے کی سعادت بھی ملی۔ (روایت نمبر ۴۴۵۰) خلاصہ کلام یہ کہ حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکرؓ کے تمام حالات واضح طور پر مروان بن حکم کی بات کی تردید کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ معنونہ آیت میں کافر اور نافرمان اولاد کا ذکر ہے اور اس میں عمومی رنگ میں نصیحت اور تنبیہ ہے کہ انسان کو ایسا بننے سے بچنا چاہیئے۔

بَاب ۲: فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ؕ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ؕ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ (الأحقاف:۲۵)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) جب انہوں نے بادل کو اپنی وادیوں کی طرف آتے دیکھا تو انہوں نے کہا: یہ بادل (آرہا) ہے جو ہم پر برسے گا۔ نہیں، بلکہ وہ چیز ہے جس کے متعلق تم نے جلدی کی تھی یہ آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ عَارِضٌ (الأحقاف:۲۵) السَّحَابُ.

حضرت ابن عباسؓ نے کہا: عَارِضٌ کے معنی ہیں بادل۔

٤٨٢٨: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنَا عَمْرٌو أَنَّ أَبَا النَّضْرِ حَدَّثَهُ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَاحِكًا حَتَّى أَرَى مِنْهُ لَهَوَاتِهِ[1] إِنَّمَا كَانَ يَتَبَسَّمُ.

طرفہ: ٦٠٩٢۔

۴۸۲۸: احمد (بن عیسیٰ) نے ہم سے بیان کیا کہ (عبداللہ) بن وہب نے ہمیں بتایا۔ عمرو (بن حارث) نے ہمیں خبر دی کہ ابونضر (سالم) نے اُن سے بیان کیا۔ ابونضر نے سلیمان بن یسار سے، سلیمان نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔ وہ فرماتی تھیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی اتنا ہنستے نہیں دیکھا کہ میں آپؐ کا حلق دیکھتی، بلکہ آپؐ صرف مسکرایا ہی کرتے تھے۔

٤٨٢٩: قَالَتْ وَكَانَ إِذَا رَأَى غَيْمًا أَوْ رِيحًا عُرِفَ فِي وَجْهِهِ قَالَتْ

۴۸۲۹: فرماتی تھیں: جب آپؐ ابر یا آندھی دیکھتے تو آپؐ کے چہرے سے معلوم ہوتا (کہ آپؐ متفکر

[1] لهوات سے مراد گوشت کا وہ ٹکڑا جو حلق میں لٹکا ہوتا ہے۔ (اقرب الموارد)

يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوُا الْغَيْمَ فَرِحُوْا رَجَاءَ أَنْ يَّكُوْنَ فِيْهِ الْمَطَرُ وَأَرَاكَ إِذَا رَأَيْتَهُ عُرِفَ فِي وَجْهِكَ الْكَرَاهِيَةُ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ مَا يُؤْمِنِّيْ أَنْ يَّكُونَ فِيْهِ عَذَابٌ عُذِّبَ قَوْمٌ بِالرِّيحِ وَقَدْ رَأَى قَوْمٌ الْعَذَابَ فَقَالُوا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا.
(الأحقاف:۲۵)

طرفہ: ۳۲۰۶۔

ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے) کہا: یارسول اللہ! لوگ تو جب بادل دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اس امید سے کہ اس میں بارش ہوگی اور میں آپؐ کو دیکھتی ہوں کہ جب بھی آپؐ بادل دیکھیں تو آپؐ کے چہرے سے ناگواری معلوم ہوتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: عائشہؓ! مجھے کیا اطمینان کہ اس میں وہ آندھی کا عذاب نہ ہوگا جو ایک قوم کو دیا گیا۔ حالانکہ اس قوم نے عذاب کو دیکھا اور کہنے لگے: یہ بادل ہے جو ہم پر برسے گا۔

تشریح: فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ (الأحقاف:۲۵) پس جب اس کی قوم نے اس عذاب کو ایک بادل کی صورت میں اپنی وادیوں کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے کہا: یہ ایک بادل ہے جو ہم پر بارش برسائے گا۔ (ہم نے کہا) نہیں، یہ وہ (عذاب) ہے جس کو تم جلدی مانگتے تھے۔ (یہ) ایک ہوا ہے جس میں دردناک عذاب پوشیدہ ہے۔ (ترجمہ تفسیر صغیر)

روایت زیر باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جس فکر کا ذکر ہے وہ آپؐ کو قوم کے ہدایت پانے اور انکار کی صورت میں ہلاکت کے متعلق تھی اور یہ فکر ہمیشہ آپؐ میں نظر آتی تھی۔ روایات میں آپؐ کے متعلق دائم الفکر کا ذکر آتا ہے مگر اس کے ساتھ یہ ذکر بھی ہے کہ آپؐ کا چہرہ ہمیشہ ہشاش بشاش رہتا تھا۔ یہ امر آپؐ کی اِنہی کیفیات کا آئینہ دار ہے۔ ایک بنی نوع انسان کا غم جو ہمیشہ آپؐ پر مستولی رہتا اور دوسرا اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کو ایک دائمی بشاشت بھی دی گئی تھی کیونکہ آپؐ مایوس انسانیت کو مژدۂ جانفزا دینے اور لقائے باری تعالیٰ کی دائمی جنت کی بشارت دینے آئے تھے۔ اس لیے آپؐ کے نذیر اور بشیر ہونے کی دونوں کیفیات آپؐ کے چہرہ سے ہویدہ تھیں۔

حضرت سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں کہ

”اس باب ...... سے بتایا گیا ہے کہ کس طرح ایک نفع بخش شئے نقصان دہ ہو جاتی ہے۔ اس سے متصرف بالارادہ قادر، خالقِ کائنات کے وجود کا ثبوت واضح طور پر ملتا ہے جس نے تسخیر اشیاء کی قدرت انسان میں ودیعت کر کے عنانِ تصرف اپنے ارادے اور دستِ قدرت میں رکھی ہے۔ جس سے ایک شئے خیر یا شر کا منبع ہو سکتی

ہے۔ کائناتِ عالم پر اصلی تصرف خالق کائنات کا ہے۔ فرماتا ہے: هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا ۚ ثُمَّ اسْتَوٰٓى إِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○ (البقرة:۳۰) اور وہی ہے جس نے ہر شئے جو زمین میں ہے تمہارے لئے پیدا کی ہے اور پھر بلندی کی طرف متوجہ ہوا، اسے سات بلندیوں میں یکساں کیا اور وہی ہر شئے کا بخوبی علم رکھتا ہے۔ اور سورۃ الفلق میں ہمیں ہدایت ہے کہ ہر شئے کے شر سے خالق کائنات کی پناہ ڈھونڈو۔ کیونکہ خالق کائنات کے ارادہ سے وہ شئے جو خیر کا مصدر رہے، شر کا مصدر بھی ہو سکتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جس خوف و بیم کا ذکر...... ہے، اس سے آپؐ کے عرفانِ کامل کا علم حاصل ہوتا ہے جو آپؐ کو خالق کون کے تصرفات سے متعلق حاصل تھا۔ اس روایت میں جس آیت کا حوالہ دیا گیا ہے وہ یہ ہے: فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۭ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۭ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ○ (الأحقاف:۲۵، ۲۶) پس جب اس کی قوم نے اس عذاب کو ایک بادل کی صورت میں اپنی وادیوں کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے کہا: یہ ایک بادل ہے جو ہم پر بارش برسائے گا۔ نہیں، بلکہ یہ وہ (عذاب) ہے جس کو تم جلدی مانگتے تھے۔ یہ ایک ہوا ہے جس میں دردناک عذاب پوشیدہ ہے۔ یہ ہوا اپنے ربّ کے حکم سے ہر چیز کو تباہ کرتی جائے گی۔ پس نتیجہ یہ ہوا کہ اُن پر صبح ایسے وقت میں آئی کہ صرف ان کے گھر ہی نظر آتے تھے۔ (سب قوم ریت میں دب گئی) اس طرح ہم مجرم قوم کو جزا دیا کرتے ہیں۔"

(صحیح بخاری ترجمہ و شرح، کتاب بدء الخلق، باب مَا جَاءَ فِي قَوْلِهٖ: وَهُوَ الَّذِيْ أَرْسَلَ الرِّيَاحَ، جلد ۶ صفحہ ۳۱، ۳۲)

۴۷۔ سُوْرَۃُ مُحَمَّدٍ

اَوْزَارَهَا (محمد:۵) آثَامَهَا حَتّٰى لَا يَبْقَى إِلَّا مُسْلِمٌ. عَرَّفَهَا (محمد:۷) بَيَّنَهَا. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (محمد:۱۲) وَلِيُّهُمْ. عَزَمَ الْاَمْرُ (محمد:۲۲) جَدَّ الْأَمْرُ. فَلَا تَهِنُوْا (محمد:۳۶) لَا تَضْعُفُوا. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَضْغَانَهُمْ (محمد:۳۰) حَسَدَهُمْ. اٰسِنٍ (محمد:۱۶) مُتَغَيِّرٍ.

اَوْزَارَهَا کے معنی ہیں اپنے گناہ۔ (حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا سے) یہ مراد ہے کہ یہاں تک کہ مسلمان کے سوا اور کوئی باقی نہ رہے۔ عَرَّفَهَا کے معنی اس کو کھول کر بتا دیا۔ اور مجاہد نے کہا: مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے معنی وہ ان کا کارساز ہوگا۔ عَزَمَ الْاَمْرُ کے معنی ہیں بات پختہ ہو جائے۔ فَلَا تَهِنُوْا کے معنی ہیں تم ڈھیلے نہ پڑو۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا: اَضْغَانَهُمْ سے مراد ہے ان کے حسد۔ آسِنٍ یعنی سڑا ہوا (پانی)۔

تشریح: اَوْزَارَهَا - آثَامَهَا حَتّٰى لَا يَبْقَى إِلَّا مُسْلِمٌ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّاۢ بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا (محمد:۵) پس (چاہیئے کہ) جب تم کافروں سے میدانِ جنگ میں ملو، تو گردنیں کاٹو۔ یہاں تک کہ جب تم اُن کا خون بہالو، تو خوب زور سے مشکیں کسو۔ پھر اس کے بعد یا تو احسان کر کے (ان کو چھوڑ دو) یا تاوانِ جنگ لے کر (چھوڑ دو) یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے (یعنی ختم ہو جائے۔) (ترجمہ تفسیر صغیر)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

> ”جو لوگ اسلام کی دفاعی جنگوں کو جارحانہ اور جبراً مسلمان بنانے کی خاطر جنگ کہتے ہیں ان کا یہ آیت بشدّت ردّ کرتی ہے کیونکہ یہی سب سے اچھا موقع ہو سکتا تھا کہ ان قیدیوں کو مسلمان بنالیا جائے لیکن مسلمان بنانا تو درکنار ان کو ایمان نہ لانے کی صورت میں بھی آزاد کرنے کا حکم ہے۔ یہاں تک کہ اگر اس کا عوضانہ بھی نہ لو تو یہ بھی بہتر ہے۔“

(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، سورۃ محمد حاشیہ آیت ۵)

اَوْزَارَهَا آثَامَهَا: یہاں دراصل آثَامَهَا سے جنگ کے گناہ و جرائم مراد ہیں۔ علامہ ثعلبی نے ان معانی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جنگ میں دونوں گروہوں میں سے کسی ایک کی طرف سے لازماً گناہ شامل رہتے ہیں اور اسی کی طرف اشارہ کرنے کے لیے آثَامَهَا یعنی ”جنگ کے گناہ“ کہا گیا ہے۔ (الکشف والبیان عن تفسیر القرآن للثعلبی، سورۃ محمد آیت ۵) پس حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا کہنے سے مراد یہ ہے کہ جنگ کی بُرائی ختم ہو جائے۔

حَتّٰى لَا يَبْقٰى إِلَّا مُسْلِمٌ میں لفظ مُسْلِمٌ سے مراد وہ ہے جو سلامتی اور اَمن چاہتا ہے۔ صلح جو اور امن کا متلاشی ہے۔ یہ معانی قرآن کریم کی متعدد آیات سے ثابت ہوتے ہیں۔ مثلاً سورۂ نساء میں فرمایا: فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَ اَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ○ (النساء:۹۱)[1] ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ محارب کفار جنگ وجدال چھوڑ کر تم سے صلح کی طرح ڈالیں تو پھر اُن سے جنگ کرنا جائز نہیں۔ یہاں لفظ السَّلَمَ کے معنی امن وسلامتی کی طرف مائل ہونے کے ہیں نہ کہ اسلام قبول کرنے کے۔ اسی طرح آیت وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا (الأنفال:۶۲)[2] بھی لفظ مسلم کے اسی مفہوم کی تائید کرتی ہے۔ نیز احادیث نبوی میں یہ مضمون صراحت سے بیان ہوا ہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ۔[3] یعنی اصل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامتی میں رہیں یہاں مسلمان سے مراد صلح جو، سلامتی کا خواہاں اور امن پسند شخص ہے۔

حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا کے ایک معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ نزولِ مسیح تک جنگوں کا سلسلہ جاری رہے گا۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۷۳۶) یعنی مسیح جب آئیں گے تو مذہبی جنگوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

> ”لکھا ہے کہ جب مسیح موعود ظاہر ہو جائے گا تو سیفی جہاد اور مذہبی جنگوں کا خاتمہ ہو جائے گا کیونکہ مسیح نہ تلوار اُٹھائے گا اور نہ کوئی اور زمینی ہتھیار ہاتھ میں پکڑے گا بلکہ اُس کی دعا اُس کا حربہ ہوگا اور اُس کی عقدِ ہمت اُس کی تلوار ہوگی وہ صلح کی بنیاد ڈالے گا اور بکری اور شیر کو ایک ہی گھاٹ پر اکٹھے کرے گا اور اس کا زمانہ صلح اور نرمی اور انسانی ہمدردی کا زمانہ ہوگا۔..... تیرہ سو برس ہوئے کہ مسیح موعود کی شان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے کلمہ يَضَعُ الْحَرْب جاری ہو چکا ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ مسیح موعود جب آئے گا تو لڑائیوں کا خاتمہ کر دے گا اور اسی کی طرف اشارہ اس قرآنی آیت کا ہے حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا یعنی اس وقت تک لڑائی کرو جب تک کہ مسیح کا وقت آ جائے۔ یہی تَضَعَ الْحَرْبُ

---

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”پس اگر وہ تم سے الگ رہیں پھر تم سے قتال نہ کریں اور تمہیں امن کا پیغام دیں تو پھر اللہ نے تمہیں ان کے خلاف کوئی جواز نہیں بخشا۔“

[2] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”اور اگر وہ صلح کے لیے جھک جائیں تو تُو بھی اس کے لیے جھک جا۔“

[3] (بخاری، كِتَابُ الْإِيْمَانِ، باب الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ، روایت نمبر ۱۰)

اَوْزَارَهَا ہے۔ دیکھو صحیح بخاری موجود ہے جو قرآنِ شریف کے بعد اصح الکتب مانی گئی ہے اس کو غور سے پڑھو۔“ (گورنمنٹ انگریزی اور جہاد، روحانی خزائن جلد۱۷ صفحہ ۸)

اٰسِنٍ: سڑا ہوا، متعفن (پانی)۔ لفظ اٰسِنٍ سے امام بخاری نے اس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِیْهَاۤ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ۚ۬ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى (محمد:۱۶) متقیوں سے جن جنتوں کا وعدہ کیا گیا ہے ان میں ایسے پانی کی نہریں ہوں گی جس میں سڑنے کا مادہ نہیں ہوگا اور ایسی نہریں ہوں گی جن میں ایسا دودھ چلتا ہوگا جس کا مزا کبھی نہیں بدلے گا (یعنی وہ بھی نہیں سڑے گا) اور ایسی شراب کی نہریں ہوں گی جو پینے والوں کو مزیدار لگیں گی اور پاک وصاف شہد کی نہریں بھی ہوں گی۔ (ترجمہ تفسیر صغیر)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”اس جگہ صاف طور پر فرمایا کہ اس بہشت کو مثالی طور پر یوں سمجھ لو کہ ان تمام چیزوں کی اس میں ناپیدا کنار نہریں ہیں۔ وہ زندگی کا پانی جو عارف دنیا میں روحانی طور پر پیتا ہے اس میں ظاہری طور پر موجود ہے اور وہ روحانی دودھ جس سے وہ شیر خوار بچہ کی طرح روحانی طور پر دنیا میں پرورش پاتا ہے، بہشت میں ظاہر ظاہر دکھائی دے گا اور وہ خدا کی محبت کی شراب جس سے وہ دنیا میں روحانی طور پر ہمیشہ مست رہتا تھا اب بہشت میں ظاہر ظاہر اس کی نہریں نظر آئیں گی۔ اور وہ حلاوتِ ایمانی کا شہد جو دنیا میں روحانی طور پر عارف کے منہ میں ڈالا جاتا تھا وہ بہشت میں محسوس اور نمایاں نہروں کی طرح دکھائی دے گا اور ہر ایک بہشتی اپنی نہروں اور اپنے باغوں کے ساتھ اپنی روحانی حالت کا اندازہ برہنہ کر کے دکھلا دے گا اور خدا بھی اس دن بہشتیوں کے لیے حجابوں سے باہر آجائے گا۔ غرض روحانی حالتیں مخفی نہیں رہیں گی بلکہ جسمانی طور پر نظر آئیں گی۔“ (اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۴۱۱، ۴۱۲)

بَاب ۱ : وَتُقَطِّعُوْۤا اَرْحَامَكُمْ (محمد:۲۳)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اور تم اپنے رشتہ داروں سے قطع تعلق کرتے ہو

٤٨٣٠ : حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ قَالَ حَدَّثَنِي مُعَاوِيَةُ

۴۸۳۰: خالد بن مخلد نے ہمیں بتایا کہ سلیمان (بن بلال) نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا:

بْنُ أَبِي مُزَرِّدٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَلَقَ اللهُ الْخَلْقَ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْهُ قَامَتِ الرَّحِمُ فَأَخَذَتْ بِحَقْوِ الرَّحْمَنِ فَقَالَ لَهُ مَهْ قَالَتْ هَذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ مِنَ الْقَطِيعَةِ قَالَ أَلَا تَرْضَيْنَ أَنْ أَصِلَ مَنْ وَّصَلَكِ وَأَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكِ قَالَتْ بَلَى يَا رَبِّ قَالَ فَذَاكِ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ اقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَ تُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ. (محمد:۲۳)

أطرافه: ۴۸۳۱، ۴۸۳۲، ۵۹۸۷، ۷۵۰۲-

معاویہ بن ابی مُزَرِّد نے مجھے بتایا۔ معاویہ نے سعید بن یسار سے، سعید نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے، حضرت ابوہریرہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ نے ساری مخلوق کو پیدا کیا۔ جب وہ اس سے فارغ ہوا رحم کھڑا ہو گیا اور اس نے رحمان کی کمر پکڑ لی۔ اللہ نے اس سے کہا: کیا ہے؟ رحم بولا: یہ کھڑا ہونا اس کا ہے جو قطع رحمی سے تیری پناہ مانگ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تو اس پر خوش نہ ہو گا کہ جس نے تجھ سے پیوند رکھا میں اس کے ساتھ پیوند رکھوں اور جس نے تجھ سے تعلق توڑا میں اس سے تعلق توڑوں۔ رحم نے کہا: میرے ربّ! کیوں نہیں، ضرور میں خوش ہوں گا۔ رحمٰن نے فرمایا: پھر ایسا ہی ہو گا۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے تھے: اگر تم چاہو تو (یہ آیت) پڑھو: کہیں ایسا نہ ہو کہ اگر تم حکومت کو اپنے ہاتھ میں لو تو زمین میں فساد کرو، اپنے رشتوں کو کاٹ ڈالو۔

۴۸۳۱: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ حَدَّثَنَا حَاتِمٌ عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ حَدَّثَنِي عَمِّي أَبُو الْحُبَابِ سَعِيدُ بْنُ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ بِهَذَا ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ فَهَلْ عَسَيْتُمْ. (محمد:۲۳)

أطرافه: ۴۸۳۰، ۴۸۳۲، ۵۹۸۷، ۷۵۰۲-

۴۸۳۱: ابراہیم بن حمزہ نے ہم سے بیان کیا کہ حاتم نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے معاویہ سے روایت کی۔ (معاویہ نے) کہا: مجھے میرے چچا ابوالحباب سعید بن یسار نے بتایا۔ انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی۔ اس میں یوں ہے: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم چاہو تو (یہ آیت) پڑھ لو: فَهَلْ عَسَيْتُمْ۔ (یعنی کہیں ایسا نہ ہو کہ)

٤٨٣٢: حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي الْمُزَرِّدِ بِهَذَا قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ فَهَلْ عَسَيْتُمْ. (محمد:۲۳)

۴۸۳۲: بشر بن محمد نے ہم سے بیان کیا کہ عبداللہ (بن مبارک) نے ہمیں خبر دی۔ معاویہ بن ابی مُزَرّد نے ہمیں یہی بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم چاہو تو (یہ آیت) پڑھ لو: فَهَلْ عَسَيْتُمْ۔ (کہیں ایسا نہ ہو کہ)

أطرافه: ٤٨٣٠، ٤٨٣١، ٥٩٨٧، ٧٥٠٢-

تشریح: وَ تُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَ تُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَ اَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ○ (محمد:۲۳،۲۴) پس کیا یہ امر قریب نہیں کہ اگر تم پیٹھ پھیر لو تو (پھر بھی) زمین میں فساد کرنے کا موجب ہو جاؤ۔ اور رشتوں کو کاٹ دو۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور ان کو بہرہ کر دیا ہے اور ان کی آنکھوں کی بینائی ضائع کر دی ہے۔

قَامَتِ الرَّحِمُ فَأَخَذَتْ بِحَقْوِ الرَّحْمٰنِ: رحم اس تھیلی کو کہتے ہیں جو ماں کے پیٹ میں ہوتی ہے، جس میں بچہ پروان چڑھتا ہے۔ امام طیبی لکھتے ہیں یہ استعارہ اور تمثیلی کلام ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۷۳۸) اس روایت میں اللہ تعالیٰ کی صفت رحمٰن کے حوالہ سے استعارہ کے رنگ میں اللہ تعالیٰ کا بنی نوع انسان سے تعلق ظاہر کیا گیا ہے۔ اس لیے فرمایا کہ جو میرے بندوں سے تعلق کاٹے گا میں اس سے تعلق کاٹ لوں گا۔ بنی نوع انسان سب آدم کی اولاد ہیں۔ اس لحاظ سے سب ایک ہی رِحم سے پیدا کیے گئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللهِ۔[1] کہ تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ آپؐ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو ایک ہاتھ پر جمع کرنے اور ایک وجود بنانے کا فیصلہ کیا۔ جیسا کہ فرمایا: قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۨالَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○ (الاعراف:۱۵۹)[2] اسی حکم کے مطابق آپؐ نے اعلان فرمایا: بُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً۔[3] (یعنی میں تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں) اور آپؐ کی فطرت میں یہ بات ودیعت کی گئی کہ باہم پھٹے ہوئے اور منتشر انسانوں کو ایک وجود

[1] (مسند البزار، مُسْنَدُ أَبِي حَمْزَةَ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، جلد ۱۳ صفحہ ۳۳۲، روایت نمبر ۶۹۴۷)

[2] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”تُو کہہ دے کہ اے انسانو! یقیناً میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں جس کے قبضے میں آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں وہ زندہ بھی کرتا ہے اور مارتا بھی ہے پس ایمان لے آؤ اللہ پر اور اس کے رسول نبی اُمّی پر جو اللہ پر اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتا ہے اور اُسی کی پیروی کرو تا کہ تم ہدایت پا جاؤ۔“

[3] (بخاری، كِتَابُ الصَّلَاةِ، بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ، جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا، روایت نمبر ۴۳۸)

بنائیں۔ جب آپؐ کی بعثت ہوئی اور اس عظیم ذمہ داری کی فکر آپؐ کے دامن گیر ہوئی تو آپؐ کی زوجہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے یہ کہہ کر آپؐ کو تسلی دی کہ آپؐ اس ذمہ داری سے ضرور عہدہ برآ ہوں گے۔ فرمایا: إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ...[1] (یعنی آپؐ صلہ رحمی کرتے ہیں...) آپؐ نے اپنے قول اور فعل سے صلہ رحمی کے وصف کو بام عروج تک پہنچایا۔ اور ایسے سنہرے اصول وضع فرمائے کہ ہر پہلو روشن کر دیا۔ جیسا کہ فرمایا: لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ۔[2] (یعنی صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں ہے جو صرف بدلہ ہی ادا کرتا ہے) نیز فرمایا: تَعَلَّمُوا مِنْ أَنْسَابِكُمْ مَا تَصِلُونَ بِهِ أَرْحَامَكُمْ، فَإِنَّ صِلَةَ الرَّحِمِ مَحَبَّةٌ فِي الْأَهْلِ، مَثْرَاةٌ فِي الْمَالِ، مَنْسَأَةٌ فِي الْأَثَرِ۔[3] اپنے حسب نسب کا علم حاصل کرو جس سے تم رحمی رشتوں کو جوڑتے ہو۔ یقیناً صلہ رحمی اہل و عیال میں محبت پیدا کرنے والی، مال بڑھانے والی اور اثر کو تادیر قائم رکھنے والی ہے۔

---

[1] (بخاری، کتاب بَدْءِ الوَحْيِ، كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الوَحْيِ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، روایت نمبر ۳)

[2] (بخاری، کتاب الادب، بَاب لَيْسَ الوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ، روایت نمبر ۵۹۹۱)

[3] (ترمذی، ابواب البر والصلۃ، باب ما جاء فی تعلیم النسب)

۴۸- سُورَةُ الْفَتْحِ

وَقَالَ مُجَاهِدٌ بُورًا (الفتح: ۱۲) هَالِكِينَ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ (الفتح: ۳۰) السَّحْنَةُ. وَقَالَ مَنْصُورٌ عَنْ مُجَاهِدٍ التَّوَاضُعُ. شَطْأَهُ (الفتح: ۳۰) فِرَاخَهُ. فَاسْتَغْلَظَ (الفتح: ۳۰) غَلُظَ. سُوقِهِ (الفتح: ۳۰) السَّاقُ حَامِلَةُ الشَّجَرَةِ. وَيُقَالُ دَائِرَةُ السَّوْءِ (الفتح: ۷) كَقَوْلِكَ رَجُلُ السَّوْءِ، دَائِرَةُ السَّوْءِ: الْعَذَابُ. يُعَزِّرُوهُ يَنْصُرُوهُ. شَطْأَهُ (الفتح: ۳۰) شَطْءُ السُّنْبُلِ تُنْبِتُ الْحَبَّةُ عَشْرًا أَوْ ثَمَانِيًا وَسَبْعًا فَيَقْوَى بَعْضُهُ بِبَعْضٍ فَذَاكَ قَوْلُهُ تَعَالَى فَآزَرَهُ (الفتح: ۳۰) قَوَّاهُ وَلَوْ كَانَتْ وَاحِدَةً لَمْ تَقُمْ عَلَى سَاقٍ وَهُوَ مَثَلٌ ضَرَبَهُ اللهُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ خَرَجَ وَحْدَهُ ثُمَّ قَوَّاهُ بِأَصْحَابِهِ كَمَا قَوَّى الْحَبَّةَ بِمَا يُنْبِتُ مِنْهَا.

اور مجاہد نے کہا: بُوْرًا کے معنی ہیں ہلاک ہونے والے۔ اور مجاہد نے (یہ بھی) کہا: سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ سے مراد چہرے کی تروتازگی اور خوشنمائی ہے۔ اور منصور نے مجاہد سے نقل کیا: (سِيْمَا سے) مراد تواضع یعنی انکساری ہے۔ شَطْئَهٗ کے معنی ہیں اس کی کونپل۔ فَاسْتَغْلَظَ کے معنی (اس کا تنا) موٹا ہو گیا۔ سَاق وہ تنا ہے جو درخت کو اُٹھائے رکھتا ہے۔ کہا جاتا ہے: دَآئِرَةُ السَّوْءِ۔ انہی معنوں میں ہے، جیسے تم کہتے ہو رَجُلُ السَّوْءِ۔ دَآئِرَةُ السَّوْءِ سے مراد عذاب ہے۔ يُعَزِّرُوْهُ کے معنی ہیں اس کی مدد کریں۔ شَطْئَهٗ بالی کا سرا۔ ایک دانہ دس یا آٹھ یا سات بالیاں اگاتا ہے اور وہ ایک دوسرے سے طاقت پکڑتے ہیں۔ یہی مراد ہے جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَاٰزَرَهٗ یعنی اس کو مضبوط کیا۔ اگر ایک ہی بالی ہوتی تو ڈالی پر کھڑی نہ رہتی اور یہ مثال ہے جو اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کی ہے۔ کیونکہ وہ اکیلے ہی میدان میں نکلے، پھر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو آپؐ کے ساتھیوں سے مضبوط کیا جیسا کہ اس نے دانے کو ان (بالیوں) سے قوت دی جو اس سے پیدا ہوتی ہیں۔

تشریح: سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۛ۫ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ

اَجْرًا عَظِيْمًا ○ (الفتح: ۳۰) محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار کے خلاف بڑا جوش رکھتے ہیں، لیکن آپس میں ایک دوسرے سے بہت ملاطفت کرنے والے ہیں جب تو انہیں دیکھے گا انہیں شرک سے پاک اور اللہ کا مطیع پائے گا۔ وہ اللہ کے فضل اور رضا کی جستجو میں رہتے ہیں، ان کی شناخت ان کے چہروں پر سجدوں کے نشان کے ذریعہ موجود ہے۔ یہ ان کی حالت تورات میں بیان ہوئی ہے اور انجیل میں ان کی حالت یوں بیان ہے کہ وہ ایک کھیتی کی طرح (ہوں گے) جس نے پہلے تو اپنی روئید گی نکالی۔ پھر اس کو (آسمانی اور زمینی غذا کے ذریعہ سے) مضبوط کیا اور وہ روئید گی اور مضبوط ہو گئی۔ پھر اپنی جڑ پر مضبوطی سے قائم ہو گئی یہانتک کہ زمیندار کو پسند آنے لگ گئی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ کفار ان کو دیکھ دیکھ کر جلیں گے۔ اللہ نے مومنوں اور ایمان کے مطابق عمل کرنے والوں سے یہ وعدہ کیا ہے کہ ان کو مغفرت اور بڑا اَجر ملے گا۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اس آیت کریمہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اس آیت میں اس پیشگوئی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو متی باب ۱۳ آیت ۳ تا ۹ میں ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے کہ ”ایک بونے والا بیج بونے نکلا اور بوتے وقت کچھ دانے راہ کے کنارے گرے۔ اور پرندوں نے آکر انہیں چگ لیا اور کچھ پتھریلی زمین پر گرے۔ جہاں ان کو بہت مٹی نہ ملی اور گہری مٹی نہ ملنے کے سبب سے جلد اُگ آئے اور جب سورج نکلا تو جل گئے اور جڑ نہ ہونے کے سبب سے سوکھ گئے اور کچھ جھاڑیوں میں گرے اور جھاڑیوں نے بڑھ کر ان کو دبا لیا اور کچھ اچھی زمین میں گرے اور پھل لائے۔ کچھ سو گنا، کچھ ساٹھ گنا، کچھ تیس گنا۔“ قرآنِ مجید کی اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ امتِ محمدیہ میں آنے والے مسیح کی قوم بھی ایسی ہی ہو گی، جیسے اچھی زمین میں بویا ہوا دانہ۔ اور اللہ تعالیٰ اس میں ایسی برکت پیدا کرے گا کہ ایک ایک دانہ سے ساٹھ ساٹھ ستر ستر بلکہ سو سو گنا پیدا ہو گا۔ مگر یہ فوراً نہیں ہو گا بلکہ تدریج کے ساتھ ہو گا۔“

(تفسیرِ صغیر، سورۃ الفتح، حاشیہ آیت ۳۰)

پھر اس آیتِ کریمہ میں مذکور پیشگوئی کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ایک موقع پر آپؓ نے فرمایا:

”مسیح موعود کے زمانہ میں انقلاب کے چار دَور ہوں گے۔ اوّل اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ یعنی اصول بیان کئے جائیں گے اور اس وقت ایسی ہی حالت ہو گی جیسے بیج زمین میں سے اپنا سر نکالتا ہے اور وہ حالت نہیں ہو گی جو اسلام کے پہلے دَور میں تھی۔ اور جسے اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے کہ اَتٰٓى اَمْرُ اللّٰهِ (النحل: ۲) یا اَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ (النحل: ۲۷) بلکہ وہاں ترتیب ہو گی اور تدریجی ترقی ہو گی۔ پہلے ایمان کا ایک بیج ہو گا جو قلوب کی زمین

میں بویا جائے گا، پھر وہ بیج آہستہ آہستہ اُگنا شروع ہوگا اور اُس کی بیج کی شکل نہیں رہے گی بلکہ روئیدگی کی شکل ہو جائے گی، اس کے بعد ترقی کا دوسرا دَور آئے گا جسے خدا تعالیٰ نے اٰزَرَہٗ کے لفظ میں بیان فرمایا ہے کہ اس وقت وہ پودا مضبوط ہو جائے گا اور اجرائے شریعت عملی طور پر کر دیا جائے گا، پھر تیسرا دَور اس وقت آئے گا جب اِسۡتَغۡلَظَ کی پیشگوئی پوری ہو گی یعنی وہ کمزور پودا موٹا ہو جائے گا اور وہی تحریک جو پہلے معمولی نظر آتی تھی اور دُنیا کے تھوڑے حصہ پر حاوی تھی تمام دُنیا پر حاوی ہو جائے گی اور لوگ جُوں جُوں احمدی بنتے چلے جائیں گے وہ تعلیم بھی سب عالم میں پھیلتی چلی جائے گی۔ گویا اِسۡتَغۡلَظَ میں انتشار فی العالم کی پیشگوئی کی گئی ہے اور پھر چوتھا دَور اس وقت آئے گا جب فَاسۡتَوٰی عَلٰی سُوۡقِہٖ کا نظارہ نظر آنے لگ جائے گا یعنی اسلامی بادشاہتیں قائم ہو جائیں گی اور وہ تھوڑے سے اسلامی مسائل جو خالص اسلامی حکومت سے تعلق رکھتے ہیں وہ بھی عملی رنگ میں جاری ہو جائیں گے اور تمام دُنیا کا ایک ہی تمدّن ہوگا اور ایک ہی تہذیب۔ یہ فَاسۡتَوٰی عَلٰی سُوۡقِہٖ کے الفاظ ایسے ہی ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کے متعلق قرآن کریم میں آتا ہے کہ اُس نے عرش پر استویٰ کیا۔"

(انقلابِ حقیقی، انوار العلوم جلد ۱۵ صفحہ ۹۵، ۹۶)

بَاب ۱ : اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا ○ (الفتح: ۲)

ہم نے تم کو ایک کھلی کھلی فتح بخشی ہے

۴۸۳۳ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَّالِكٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَسِيرُ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ وَعُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَسِيرُ مَعَهُ لَيْلًا فَسَأَلَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عَنْ شَيْءٍ فَلَمْ يُجِبْهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ

۴۸۳۳: عبد اللہ بن مسلمہ (قعنبی) نے ہم سے بیان کیا کہ انہوں نے مالک سے، مالک نے زید بن اسلم سے، زید نے اپنے باپ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کسی سفر میں رات کو جا رہے تھے اور حضرت عمر بن خطابؓ بھی آپؐ کے ساتھ ہی جا رہے تھے۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے کسی بات کے متعلق آپؐ سے پوچھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کو جواب نہ دیا۔ پھر انہوں نے آپؐ سے

سَأَلَهُ فَلَمْ يُجِبْهُ ثُمَّ سَأَلَهُ فَلَمْ يُجِبْهُ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ ثَكِلَتْ أُمُّ عُمَرَ نَزَرْتَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ كُلَّ ذَلِكَ لَا يُجِيبُكَ قَالَ عُمَرُ فَحَرَّكْتُ بَعِيرِي ثُمَّ تَقَدَّمْتُ أَمَامَ النَّاسِ وَخَشِيتُ أَنْ يُنْزَلَ فِيَّ الْقُرْآنُ فَمَا نَشِبْتُ أَنْ سَمِعْتُ صَارِخًا يَصْرُخُ بِي فَقُلْتُ لَقَدْ خَشِيتُ أَنْ يَكُونَ نَزَلَ فِيَّ قُرْآنٌ فَجِئْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَقَالَ لَقَدْ أُنْزِلَتْ عَلَيَّ اللَّيْلَةَ سُورَةٌ لَهِيَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ ثُمَّ قَرَأَ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ○ (الفتح: ۲)

أطرافه: ٤١٧٧، ٥٠١٢۔

پوچھا مگر آپؐ نے جواب نہ دیا۔ پھر انہوں نے آپؐ سے پوچھا تو بھی آپؐ نے ان کو جواب نہ دیا۔ آخر حضرت عمر بن خطابؓ نے (اپنے تئیں) کہا: عمر تو اپنی ماں کے لئے نہ رہے۔ تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین بار پیچھے پڑ کر پوچھا، باوجود اس کے کہ آپؐ نے ایک دفعہ بھی تجھے جواب نہ دیا۔ حضرت عمرؓ کہتے تھے: میں نے اپنے اونٹ کو چلایا اور لوگوں کے آگے نکل گیا اور میں ڈرا کہ کہیں میرے متعلق قرآن نازل نہ ہو۔ مجھے تھوڑی دیر نہ ہوئی تھی کہ میں نے ایک پکارنے والے کو سنا جو مجھے پکار رہا تھا۔ میں نے کہا: مجھے یقیناً ڈر ہے کہیں میرے متعلق قرآن نازل نہ ہوا ہو۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپؐ کو السلام علیکم کہا۔ آپؐ نے فرمایا: آج رات مجھ پر ایک سورۃ نازل کی گئی ہے جو مجھے تمام ان چیزوں سے زیادہ پیاری ہے جن پر سورج چڑھا ہے۔ پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی: ہم نے تم کو ایک کھلی کھلی فتح بخشی ہے۔

٤٨٣٤: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ○ (الفتح: ۲) قَالَ الْحُدَيْبِيَةُ.

طرفه: ٤١٧٢۔

۴۸۳۴: محمد بن بشار نے ہم سے بیان کیا کہ غندر نے ہمیں بتایا کہ شعبہ نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: میں نے قتادہ سے سنا۔ وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے تھے۔ انہوں نے کہا: إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا سے مراد حدیبیہ ہے۔

٤٨٣٥: حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ

۴۸۳۵: مسلم بن ابراہیم نے ہم سے بیان کیا کہ

حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ قُرَّةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ قَرَأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ سُورَةَ الْفَتْحِ فَرَجَّعَ فِيهَا قَالَ مُعَاوِيَةُ لَوْ شِئْتُ أَنْ أَحْكِيَ لَكُمْ قِرَاءَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَفَعَلْتُ.

أطرافه: ۴۲۸۱، ۵۰۳۴، ۵۰۴۷، ۷۵۴۰۔

شعبہ نے ہمیں بتایا۔ معاویہ بن قرہ نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن مُغفلؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن سورۂ فتح پڑھی اور آپؐ نے اس کو ترجیع[1] سے پڑھا۔ حضرت معاویہؓ نے کہا: اگر میں چاہوں کہ نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی قراءت کی طرح پڑھ کر تمہیں بتلاؤں تو میں ضرور ویسا پڑھ کر سناؤں۔

تشریح: اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا: یقیناً ہم نے تم کو ایک کھلی کھلی فتح بخشی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا سے مراد حدیبیہ ہے۔

حدیبیہ ایک کنویں کا نام ہے جو مکہ مکرمہ سے ایک منزل (۱۰ میل) کے فاصلہ پر ہے۔ اسی نام سے حدیبیہ کی بستی مشہور ہے۔[2] اس بستی کی طرف سفر ایک خواب کی بناء پر صرف عمرہ کی غرض سے ذوالقعدہ (۶ھ) کے شروع میں اختیار کیا گیا تھا۔ نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے خواب میں دیکھا کہ آپؐ صحابہؓ کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں۔[3]

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ”ہجرت سے چھٹے سال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک رؤیا ہوا کہ ہم مع صحابہ مکہ میں گئے ہیں اور عمرہ کے بعد حلق کروا رہے ہیں۔ اس بناء پر آپؐ نے پندرہ سو کے ہمراہ مکہ کی طرف کوچ کیا۔ حدیبیہ کے پاس مقام فرمایا۔ ادھر سے مکہ کے لوگ مقابلہ کو نکل آئے۔ آپؐ نے فرمایا: آپ سے لڑنے کیلئے نہیں آئے۔ آپ ہم کو اجازت دیں کہ بیت اللہ کا طواف کر کے چلے جائیں۔ اس پر بڑا لمبا مباحثہ ہوا۔ آخر یہ قرار پایا کہ ایک عہد نامہ لکھا جائے۔ دو فہرستیں تیار ہوں۔ ایک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان قبیلوں کے نام ہوں جو اُن کے ساتھ ہیں اور ایک طرف مشرکین اور ان کے ہمراہی قبیلوں کے نام ہوں۔ دوم یہ کہ اس سال آپؐ واپس تشریف لے جائیں اور

---

[1] تَرۡجِیۡع: خوش الحانی سے پڑھتے ہوئے آواز گھمانا اور الفاظ کو دُہرانا۔ (المفردات فی غریب القرآن - رجع)

[2] (ھدی الساری مقدمۃ فتح الباری، الفصل الخامس فی سیاق الألفاظ الغریبۃ، الحدیبیۃ، صفحہ ۱۴۹)
(معجم البلدان للحموی، باب الحاء والدال- الحدیبیۃ)

[3] (الدر المنثور، سورۃ الفتح آیت ۲۷: لقد صدق اللہ، جزء ۷ صفحہ ۵۳۸) (فتح الباری جزء ۷ صفحہ ۵۴۸)

آئندہ سال حج کے لیے آویں۔ آپؐ نے اسے منظور فرمالیا۔ حالانکہ صحابہؓ سے بہت اس پر راضی نہ تھے۔ سوم یہ کہ اگر کوئی ہم (مشرکین) میں سے مسلمان ہو جائے تو وہ آپؐ ہمراہ نہ لے جائیں۔ اور اگر آپ (نبی کریمؐ) میں سے کوئی مرتد ہو جائے تو ہمیں واپس دیا جائے۔ اسے بھی آپؐ نے مان لیا۔ حضرت عمرؓ خصوصیت سے اس پر گھبرا رہے تھے۔ چہارم یہ کہ جب بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھنے لگے تو مشرکین مانع ہوئے اور کہا کہ ہم اگر آپؐ کو رسول مانتے تو یہ جھگڑا ہی کیوں کرتے۔ یہ لفظ چونکہ لکھے جا چکے تھے۔ حضرت علیؓ کو ان کا مٹانا گوارا نہ تھا۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خود مٹا دیا۔ یہ چار شرطیں ایسی تھیں کہ صحابہؓ کو اِن پر بڑا قلق تھا۔ ایسی حالت میں یہ سورۃ نازل ہوئی: اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا۔ اب بتاؤ۔ اس وقت اس پیشگوئی کا سمجھ میں آنا آسان تھا؟ ہرگز نہیں۔"

(حقائق الفرقان جلد۳ صفحہ ۵۸۶)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"حدیبیہ کے قصہ کو خدا تعالیٰ نے فتح مبین کے نام سے موسوم کیا ہے اور فرمایا ہے: اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا۔ وہ فتح اکثر صحابہؓ پر بھی مخفی تھی بلکہ بعض منافقین کے ارتداد کی موجب ہوئی۔ مگر دراصل وہ فتح مبین تھی۔ گو اس کے مقدمات نظری اور عمیق تھے۔" (انوار الاسلام، روحانی خزائن جلد ۹ صفحہ ۹۰)

بَاب ۲: لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ (الفتح:۳)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) تا کہ جو کوتاہی تیرے متعلق پہلے ہو چکی ہے اور جو بعد میں ہونے کو ہے اس پر پردہ پوشی کر کے تم سے اس کے اثر کو ملیامیٹ کر دے اور تجھ پر اپنی نعمت کو پورا کرے اور تجھے صحیح راہ کی راہنمائی کرے

۴۸۳۶: حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ حَدَّثَنَا زِيَادٌ أَنَّهُ سَمِعَ الْمُغِيرَةَ يَقُولُ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ

۴۸۳۶: صدقہ بن فضل نے ہم سے بیان کیا کہ ابن عیینہ نے ہمیں خبر دی۔ زیاد (بن علاقہ) نے ہم سے بیان کیا کہ انہوں نے حضرت مغیرہؓ (بن

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ فَقِيلَ لَهُ غَفَرَ اللهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ قَالَ أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا.

أطرافه: ۱۱۳۰، ٦٤٧١-

شعبہ) سے سنا۔ وہ کہتے تھے کہ نبی ﷺ (نماز میں) اتنا کھڑے ہوئے کہ آپؐ کے پاؤں سوج گئے۔ آپؐ سے کہا گیا: اللہ نے آپؐ کو پہلے بھی گناہوں سے محفوظ[۱] رکھا ہے اور بعد میں بھی۔ آپؐ نے فرمایا: پھر کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

٤٨٣٧: حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَبْدِالْعَزِيزِ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا حَيْوَةُ عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ سَمِعَ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُومُ مِنَ اللَّيْلِ حَتَّى تَتَفَطَّرَ قَدَمَاهُ فَقَالَتْ عَائِشَةُ لِمَ تَصْنَعُ هَذَا يَا رَسُولَ اللهِ وَقَدْ غَفَرَ اللهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ قَالَ أَفَلَا أُحِبُّ أَنْ أَكُونَ عَبْدًا شَكُورًا فَلَمَّا كَثُرَ لَحْمُهُ صَلَّى جَالِسًا فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ قَامَ فَقَرَأَ ثُمَّ رَكَعَ.

۴۸۳۷: حسن بن عبد العزیز نے ہم سے بیان کیا کہ عبداللہ بن یحیٰ نے ہمیں بتایا کہ حیوہ (بن شریح) نے ہمیں خبر دی۔ حیوہ نے ابوالاسود (محمد بن عبدالرحمٰن) سے روایت کی۔ انہوں نے عروہ سے سنا۔ عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ نبی ﷺ رات کو (نماز میں) اتنا کھڑا رہتے تھے کہ آپؐ کے پاؤں پھٹ جاتے۔ یہ دیکھ کر حضرت عائشہؓ نے کہا: یا رسول اللہ! آپؐ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ نے آپؐ کو پہلے بھی گناہوں سے محفوظ[۱] رکھا ہے اور بعد میں بھی۔ آپؐ نے فرمایا: کیا مجھے پسند نہیں کہ شکر گزار بندہ ہو جاؤں۔ جب آپؐ کا جسم فربہ ہوا تو آپؐ بیٹھ کر نماز پڑھتے۔ جب رکوع کرنا چاہتے اٹھ کھڑے ہوتے اور کچھ (قرآن مجید) پڑھ کر رکوع کرتے۔

أطرافه: ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱٤۸، ۱۱٦۱، ۱۱٦۸-

تشریح: لِيَغْفِرَ لَكَ اللهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ: تاکہ جو کوتاہی تیرے متعلق پہلے ہو چکی ہے اور جو بعد میں ہونے کو ہے اس پر پردہ پوشی کر کے تم سے اس کے اثر کو ملیامیٹ کر دے۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں:

"اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا یعنی ہم نے تجھے ایک بڑی کھلی کھلی فتح عطا کی ہے۔

[۱] امام راغب نے "غَفَرَ" کے معنی محفوظ رکھنا بھی کئے ہیں۔ (المفردات فی غریب القرآن- غفر)

صلح حدیبیہ ہی کے موقع پر نازل ہوئی تھی۔ گویا اللہ تعالیٰ نے صلح اور قیامِ امن کا نام مسلمانوں کے لیے ایک کھلی کھلی فتح رکھا ہے اور حق بھی یہ ہے کہ صلح حدیبیہ ایک عظیم الشان فتح تھی جس کے مقابل میں ایک طرح سے بدر و خندق بھی حقیقت نہیں رکھتے۔ کیونکہ گو بدر و خندق میں کفار کو ہزیمت ہوئی اور وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں پسپا ہو کر لوٹے۔ لیکن ان جنگوں میں مسلمانوں کو ان کے جہاد کا مقصد حاصل نہیں ہوا۔ کیونکہ کفار ابھی تک اسی طرح برسرِ پیکار تھے اور جنگ جاری تھی۔ لیکن حدیبیہ میں گو کوئی کشت و خون نہیں ہوا اور بظاہر مسلمانوں کو دَب کر صلح کرنی پڑی، لیکن ان کے جہاد کا مقصد حاصل ہو گیا۔ یعنی جنگ رُک گئی اور ملک میں امن قائم ہو گیا۔ پس حقیقی فتح صلح حدیبیہ ہی تھی اور اسی لیے خدا نے اس کا نام فتحِ مبین رکھا اور یہ ایک نہایت زبردست ثبوت اس بات کا ہے کہ مسلمانوں کی لڑائیاں دفاع یا قیامِ امن کے لیے تھیں نہ کہ اسلام کو بزور پھیلانے کی غرض سے۔"

(سیرت خاتم النبیین ﷺ، مصنفہ حضرت مرزا بشیر احمدؓ ایم اے، صفحہ ۲۹۵، ۲۹۶)

تبلیغ حق اور اصلاحِ خلق کی راہ میں جو جو روکیں تھیں وہ سب اس صلح کی برکت سے اُٹھا دی گئیں۔ لفظ ذَنْب سے مراد وہ روکیں ہیں جو بوجہ مخالفانہ حالات فرض منصبی کی ادائیگی میں واقع ہو رہی تھیں۔ ان روکوں کے اسباب دور ہونے پر نبی اکرم ﷺ اپنی بعثت کی غرض و غایت پایہ تکمیل تک پہنچانے میں بہت جلد کامیاب ہو گئے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"یہ سورۃ صلح حدیبیہ کے متعلق ہے اور اس میں کہا گیا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے ایک اور فتح آنے والی ہے یعنی حدیبیہ کی صلح جس میں عرب کے بہت سے قبیلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کریں گے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کو چاہیئے اس وقت عفو سے کام لیں اور جو خطائیں عرب پہلے کر چکے ہیں ان کے لیے بھی مغفرت چاہیں اور ان کے لیے بھی جو صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے زمانہ کے درمیان میں ہونے والی ہیں۔ ورنہ یہ مراد نہیں کہ رسول کریم ﷺ نے کوئی گناہ کیا تھا۔ چنانچہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جہاں بھی ذنب کا ذکر آتا ہے فتح کے موقعہ پر آتا ہے پس ذنب سے مراد آپؐ کا کیا ہوا گناہ نہیں۔ بلکہ آپؐ کے متعلق کیا ہوا عرب قبائل یا کفار کا گناہ ہے۔"

(تفسیرِ صغیر، سورۃ الفتح، حاشیہ آیت ۳)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”ہم نے تجھ کو کھلی کھلی فتح عطا فرمائی ہے یعنی عطا فرمائیں گے اور درمیان میں جو بعض مکروہات و شدائد ہیں وہ اس لیے ہیں تا خدائے تعالیٰ تیرے پہلے اور پچھلے گناہ معاف فرماوے یعنی اگر خدائے تعالیٰ چاہتا تو قادر تھا کہ جو کام مدِ نظر ہے وہ بغیر پیش آنے کسی نوع کی تکلیف کے اپنے انجام کو پہنچ جاتا اور بآسانی فتح عظیم حاصل ہو جاتی لیکن تکالیف اس جہت سے ہیں کہ تا وہ تکالیف موجب ترقی مراتب و مغفرت خطایا ہوں۔“

(براہینِ احمدیہ حصہ چہارم، روحانی خزائن جلد اول صفحہ ۶۱۵ حاشیہ در حاشیہ نمبر ۳)

كَانَ يَقُومُ مِنَ اللَّيْلِ حَتَّى تَتَفَطَّرَ قَدَمَاهُ: حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب رضی اللہ عنہ اس روایت کی شرح بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”حضرت اقدس محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی پاکیزہ معنویات کا احاطہ کرنا ہمارے لئے ممکن نہیں۔ عشق الٰہی کا کیا ہی بے پناہ جذبہ تھا جو گھنٹوں آپؐ کو لذتِ عبادت میں سرشار کھڑا رکھتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے مناجاتِ الٰہی سے آپؐ کا دل سیر نہیں ہوتا تھا اور غایت درجہ لذت کی وجہ سے آپؐ کی طبیعت میں اُکتاہٹ نہیں ہوتی تھی۔ آپؐ کی عبادت تھی یا آبشارِ محبت کا مسلسل بہاؤ۔ آپؐ کا قول قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلٰوةِ۔ میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ آپؐ کے عمل کی صحیح ترجمانی کرتا ہے۔“

(صحیح بخاری ترجمہ و شرح، کتاب التھجد، شرح باب ۶، جلد ۲ صفحہ ۵۲۰)

بَاب ۳: إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ○ (الفتح: ۹)

ہم نے تجھے (اپنی صفات کے لیے) گواہ اور (مومنوں کے لیے) بشارت دینے والا اور (کافروں کے لیے) ہوشیار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے

۴۸۳۸: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ هِلَالِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ

۴۸۳۸: عبد اللہ بن مسلمہ نے ہم سے بیان کیا کہ عبد العزیز بن ابی سلمہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ہلال بن ابی ہلال سے، ہلال نے عطاء بن یسار سے، عطاء نے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ

رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ هَذِهِ الْآيَةَ الَّتِي فِي الْقُرْآنِ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ○ (الفتح: ۹) قَالَ فِي التَّوْرَاةِ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّحِرْزًا لِلْأُمِّيِّينَ أَنْتَ عَبْدِي وَرَسُولِي سَمَّيْتُكَ الْمُتَوَكِّلَ لَيْسَ بِفَظٍّ وَلَا غَلِيظٍ وَلَا سَخَّابٍ بِالْأَسْوَاقِ وَلَا يَدْفَعُ السَّيِّئَةَ بِالسَّيِّئَةِ وَلَكِنْ يَّعْفُو وَيَصْفَحُ وَلَنْ يَّقْبِضَهُ اللهُ حَتَّى يُقِيمَ بِهِ الْمِلَّةَ الْعَوْجَاءَ بِأَنْ يَّقُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ فَيَفْتَحَ بِهَا أَعْيُنًا عُمْيًا وَآذَانًا صُمًّا وَقُلُوبًا غُلْفًا.

عنہما سے روایت کی کہ یہ آیت جو قرآن مجید میں ہے، یعنی اے نبی! ہم نے تجھے (اپنی صفات کے لیے) گواہ اور (مومنوں کے لیے) بشارت دینے والا اور (کافروں کے لیے) ہوشیار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ انہوں نے کہا: (یہ) تورات میں یوں ہے: اے وہ نبی! ہم نے تمہیں اَن پڑھ لوگوں کے لئے بطور ایک شاہد اور خوشخبری دینے والا اور (کافروں کے لیے) ہوشیار کرنے والا اور پشت پناہ بنا کر بھیجا ہے۔ تو میرا بندہ ہے اور میرا رسول ہے۔ میں نے تیرا نام متوکل رکھا۔ نہ تو بدخُو ہے اور نہ سخت دل۔ نہ بازاروں میں شور وشر کرنے والا۔ اور نہ ایسا ہے کہ جو بدی کا بدلہ بدی سے دے۔ بلکہ معاف کرتا ہے اور درگزر کرتا ہے اور اللہ اسے دنیا سے اس وقت تک نہیں اٹھائے گا جب تک اس کے ذریعہ ٹیڑھی اُمت کو درست نہ کر لے۔ یعنی وہ یہ اقرار نہ کر لیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور وہ اس کلمہ کے ذریعہ اندھی آنکھوں، بہرے کانوں اور غفلت میں لپٹے ہوئے دلوں کو کھول دے گا۔

طرفه: ۲۱۲۵۔

تشریح: اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا: یقیناً ہم نے تجھے (اپنی صفات کے لیے) گواہ اور (مومنوں کے لیے) بشارت دینے والا اور (کافروں کے لیے) ہوشیار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی بیان کردہ زیر باب روایت میں اُس پیشگوئی کا ذکر ہے جو تورات میں بیان ہوئی ہے۔ یہ پیشگوئی مفہوماً وہی پیشگوئی ہے جس کا ذکر یسعیاہ وغیرہ انبیاء کی کتابوں میں موجود ہے۔ یہ پیشگوئی من وعن جس شان سے پوری ہوئی، وہ ظاہر وباہر ہے۔ پیشگوئی کے الفاظ یہ ہیں:

”دیکھو میرا خادم جس کو میں سنبھالتا ہوں۔ میرا برگزیدہ جس سے میرا دل خوش

ہے۔ میں نے اپنی روح اُس پر ڈالی۔ وہ قوموں میں عدالت جاری کرے گا۔ وہ نہ چلائے گا اور نہ شور کرے گا۔ اور نہ بازاروں میں اُس کی آواز سنائی دے گی۔...... مَیں خداوند نے تجھے صداقت سے بلایا۔ میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور تیری حفاظت کروں گا اور لوگوں کے عہد اور قوموں کے نور کے لئے تجھے دوں گا کہ تو اندھوں کی آنکھیں کھولے اور اسیروں کو قید سے نکالے ...... سلع کے بسنے والے گیت گائیں۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں۔ وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں اور جزیروں میں اُس کی ثناء خوانی کریں۔......اور اندھوں کو اُس راہ سے جسے وہ نہیں جانتے لے جاؤں گا...... میں ان کے آگے تاریکی کو روشنی اور اونچی نیچی جگہوں کو ہموار کردوں گا......تم میں کون ہے جو اِس پر کان لگائے۔......"

(یسعیاہ باب ۴۲: ۱-۲۵)

بَاب ٤ : هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ (الفتح:٥)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) وہی ہے جس نے اطمینان کی حالت نازل کی

٤٨٣٩ : حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ وَفَرَسٌ لَهُ مَرْبُوطٌ فِي الدَّارِ فَجَعَلَ يَنْفِرُ فَخَرَجَ الرَّجُلُ فَنَظَرَ فَلَمْ يَرَ شَيْئًا وَجَعَلَ يَنْفِرُ فَلَمَّا أَصْبَحَ ذَكَرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ تِلْكَ السَّكِينَةُ تَنَزَّلَتْ بِالْقُرْآنِ.

أطرافه: ٣٦١٤، ٥٠١١۔

۴۸۳۹: عبید اللہ بن موسیٰ نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے اسرائیل سے، اسرائیل نے ابواسحاق سے، ابواسحاق نے حضرت براء (بن عازب) رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: ایک بار نبی ﷺ کے صحابہ میں سے ایک شخص (قرآن) پڑھ رہا تھا اور اس کا ایک گھوڑا گھر میں بندھا ہوا تھا، وہ بدکنے لگا۔ یہ دیکھ کر وہ شخص باہر نکلا اور دیکھا بھالا مگر کچھ نہ دیکھا اور وہ گھوڑا بدکتا رہا۔ جب صبح ہوئی تو اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ذکر کیا۔ آپؐ نے فرمایا: یہی وہ سکینت کی حالت ہے جو قرآن پڑھنے کی وجہ سے (آہستہ آہستہ) نازل ہوتی ہے۔

تشریح: **هُوَ الَّذِيٓ اَنۡزَلَ السَّكِيۡنَةَ:** اس باب کے ذیل میں جو روایت بیان ہوئی ہے یہ حضرت اُسید بن حُضیرؓ کا واقعہ ہے کہ ایک بار جب وہ نماز تہجد میں قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے، آسمان سے ایسی سکینت نازل ہوئی کہ اس کا اثر ان کے گھر کے جانور پر بھی ہونے لگا۔ یہ وہ سکینت تھی جو قرآن پڑھنے کی نتیجہ میں نازل ہوئی۔ اس روایت سے صحابہ کی عبادات اور ان کے گھروں کے پاکیزہ ماحول کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کی عبادات ایسی تھیں کہ فرشتوں کا نزول ہوتا تھا۔ صحابہؓ کی ان عبادات کے تعلق میں قرآن کریم فرماتا ہے: تَتَجَافٰى جُنُوۡبُهُمۡ عَنِ الۡمَضَاجِعِ يَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ خَوۡفًا وَّ طَمَعًا ۫ وَّ مِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ يُنۡفِقُوۡنَ ○ (السجدۃ:۱۷) (اور) ان (مومنوں) کے پہلو اُن کے بستروں سے الگ ہو جاتے ہیں (یعنی تہجد کی نماز پڑھنے کے لئے) (اور) وہ اپنے ربّ کو اس کے عذابوں سے بچنے کے لئے اور اس کی رحمتوں کو حاصل کرنے کے لئے پکارتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خدا کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں۔ (ترجمہ تفسیر صغیر) صحابہ کی ان عبادات کا نہایت پُر کیف نقشہ اس آیت میں کھینچا گیا ہے۔ فرماتا ہے: تَرٰٮهُمۡ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضۡوَانًا ۫ سِيۡمَاهُمۡ فِىۡ وُجُوۡهِهِمۡ مِّنۡ اَثَرِ السُّجُوۡدِ (الفتح:۳۰) تُو انہیں رکوع کرتے ہوئے اور سجدہ کرتے ہوئے دیکھے گا وہ اللہ ہی سے فضل اور رضا چاہتے ہیں۔ سجدوں کے اثر سے ان کے چہروں پر ان کی نشانی ہے۔

بَاب ۵: اِذۡ يُبَايِعُوۡنَكَ تَحۡتَ الشَّجَرَةِ (الفتح:۱۹)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) جب وہ درخت کے نیچے تیری بیعت کر رہے تھے

٤٨٤٠: حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ أَلْفًا وَّأَرْبَعَ مِائَةٍ.

۴۸۴۰: ہم سے قتیبہ بن سعید نے بیان کیا کہ ہمیں سفیان (بن عیینہ) نے بتایا۔ انہوں نے عمرو (بن دینار) سے، عمرو نے حضرت جابر (انصاریؓ) سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: ہم حدیبیہ کے دن چودہ سو (۱۴۰۰) آدمی تھے۔

أطرافه: ٣٥٧٦، ٤١٥٢، ٤١٥٣، ٤١٥٤، ٥٦٣٩۔

٤٨٤١: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا شَبَابَةُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ عُقْبَةَ بْنَ صُهْبَانَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ الْمُزَنِيِّ {إِنِّي[1]}

۴۸۴۱: علی بن عبد اللہ (مدینی) نے ہم سے بیان کیا کہ شبابہ نے ہمیں بتایا۔ شعبہ نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے قتادہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں نے عقبہ بن صہبان سے سنا۔ وہ حضرت

[1] یہ لفظ عمدۃ القاری کے مطابق ہے۔ (عمدۃ القاری جزء۱۹ صفحہ ۱۷۹) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

مِمَّنْ شَهِدَ الشَّجَرَةَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْخَذْفِ.

عبداللہ بن مغفل مزنیؓ سے روایت کرتے تھے: میں بھی ان لوگوں میں سے ہوں جو درخت کے نیچے موجود تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکریاں پھینکنے سے روکا۔

أطرافه: ٥٤٧٩، ٦٢٢٠-

٤٨٤٢: وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ صُهْبَانَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ مُغَفَّلٍ الْمُزَنِيَّ فِي الْبَوْلِ فِي الْمُغْتَسَلِ.

۴۸۴۲: اور (اسی سند کے ساتھ) عقبہ بن صہبان سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ بن مغفل مزنیؓ سے نہانے کی جگہ میں پیشاب کرنے کے متعلق سنا (کہ آپ نے اس کو منع فرمایا۔)

٤٨٤٣: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ خَالِدٍ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ الشَّجَرَةِ.

۴۸۴۳: محمد بن ولید نے ہم سے بیان کیا کہ محمد بن جعفر نے ہمیں بتایا۔ شعبہ نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے خالد (حذاء) سے، خالد نے ابوقلابہ سے، ابوقلابہ نے حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ اور وہ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی۔

أطرافه: ١٣٦٣، ٤١٧١، ٦٠٤٧، ٦١٠٥، ٦٦٥٢-

٤٨٤٤: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ إِسْحَاقَ السُّلَمِيُّ حَدَّثَنَا يَعْلَى حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ سِيَاهٍ عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ قَالَ أَتَيْتُ أَبَا وَائِلٍ أَسْأَلُهُ فَقَالَ كُنَّا بِصِفِّينَ فَقَالَ رَجُلٌ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُدْعَوْنَ إِلَى كِتَابِ اللهِ فَقَالَ عَلِيٌّ نَعَمْ فَقَالَ سَهْلُ بْنُ حُنَيْفٍ اتَّهِمُوا

۴۸۴۴: احمد بن اسحاق سُلمی نے ہم سے بیان کیا کہ یعلیٰ (بن عبید) نے ہمیں بتایا کہ عبدالعزیز بن سیاہ نے حبیب بن ابی ثابت سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتایا۔ انہوں نے کہا کہ میں ابووائل (شقیق بن سلمہ) کے پاس ان سے کچھ پوچھنے آیا تو انہوں نے کہا: ہم صفین میں تھے، تو ایک شخص نے کہا: کیا تم ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھتے جن کو کتاب اللہ پر عمل کرنے کے لئے بلایا جاتا ہے۔

أَنْفُسَكُمْ فَلَقَدْ رَأَيْتُنَا يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ يَعْنِي الصُّلْحَ الَّذِي كَانَ بَيْنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُشْرِكِينَ وَلَوْ نَرَى قِتَالًا لَقَاتَلْنَا فَجَاءَ عُمَرُ فَقَالَ أَلَسْنَا عَلَى الْحَقِّ وَهُمْ عَلَى الْبَاطِلِ أَلَيْسَ قَتْلَانَا فِي الْجَنَّةِ وَقَتْلَاهُمْ فِي النَّارِ قَالَ بَلَى فَقَالَ فَفِيمَ أُعْطِي الدَّنِيَّةَ فِي دِينِنَا وَنَرْجِعُ وَلَمَّا يَحْكُمِ اللهُ بَيْنَنَا فَقَالَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ إِنِّي رَسُولُ اللهِ وَلَنْ يُضَيِّعَنِي اللهُ أَبَدًا فَرَجَعَ مُتَغَيِّظًا فَلَمْ يَصْبِرْ حَتَّى جَاءَ أَبَا بَكْرٍ فَقَالَ يَا أَبَا بَكْرٍ أَلَسْنَا عَلَى الْحَقِّ وَهُمْ عَلَى الْبَاطِلِ قَالَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ إِنَّهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَنْ يُضَيِّعَهُ اللهُ أَبَدًا فَنَزَلَتْ سُورَةُ الْفَتْحِ.

حضرت علیؓ نے کہا: ہاں (دیکھتا ہوں)۔ حضرت سہل بن حنیفؓ نے کہا: اپنے آپ کو ہی غلطی پر سمجھو (اپنے نفسوں پر اتنا اعتماد نہ کیا کرو) کیونکہ میں حدیبیہ کے دن یعنی اس صلح میں جو کہ نبی ﷺ اور مشرکوں کے درمیان تھی اپنے تئیں دیکھ چکا ہوں۔ اگر ہم لڑنا مناسب سمجھتے تو ہم ضرور لڑتے۔ حضرت عمرؓ بھی آئے اور کہنے لگے: کیا ہم حق پر نہیں اور وہ باطل پر نہیں؟ کیا ہمارے مقتول جنت میں اور ان کے مقتول آگ میں نہیں ہوں گے؟ آپؐ نے فرمایا: کیوں نہیں، ضرور۔ حضرت عمرؓ نے کہا: پھر ہم اپنے دین کے متعلق یہ ذلت کیوں قبول کریں اور یونہی ایسے وقت میں واپس ہو جائیں کہ ابھی اللہ نے ہمارے درمیان فیصلہ نہیں کیا۔ یہ سن کر آپؐ نے فرمایا: خطاب کے بیٹے! میں اللہ کا رسول ہوں اور اللہ مجھے کبھی ضائع نہیں کرے گا۔ (یہ سن کر) حضرت عمر بن خطابؓ غصے سے بھرے لوٹ گئے اور صبر نہیں کیا کہ جھٹ حضرت ابوبکرؓ کے پاس چلے گئے اور کہنے لگے: ابوبکرؓ! کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں؟ انہوں نے کہا: خطاب کے بیٹے! وہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں اور اللہ ان کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ پھر سورۂ فتح نازل ہوئی۔

أطرافه: ۳۱۸۱، ۳۱۸۲، ۴۱۸۹، ۷۳۰۸۔

تشریح: **اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ:** حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری عمر میں صرف ایک دفعہ صحابہؓ سے

موت کی قسم لی تھی جسے بیعتِ رضوان اور بیعتِ موت اور بیعتِ شجرہ بھی کہتے ہیں۔ یہ وہ بیعت ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس موقع پر لی جس کے بعد صلح حدیبیہ کا واقعہ ہوا۔ آپؐ عمرہ کرنے کے لئے کچھ ساتھیوں سمیت مکہ گئے۔ جب مکہ کے قریب پہنچے تو چونکہ کفار کو آپؐ کی آمد کا علم ہو گیا وہ ایک بڑا لشکر لے کر آپؐ کو روکنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی آدمی بھجوانا چاہا تا کہ وہ کفّار کے عمائد سے گفتگو کرے اور اُن سے کہے کہ ہم تو صرف عمرہ کرنے کے لئے آئے ہیں لڑنے اور فساد کرنے کے لئے نہیں آئے، پھر کیوں ہم سے جنگ کی جاتی ہے۔ جب آپؐ نے اس بارہ میں صحابہؓ سے مشورہ لیا تو سب نے مشورہ دیا کہ اس گفتگو کے لئے حضرت عثمانؓ کو بھجوایا جائے۔ کیونکہ اُن کے رشتہ دار اُس وقت برسرِ حکومت تھے۔ آپؐ نے اس مشورہ کے مطابق حضرت عثمانؓ کو بھجوا دیا۔ جب حضرت عثمانؓ مکہ پہنچے تو چونکہ اُن کے رشتہ دار بھی اور دوست بھی اور عزیز بھی سب وہیں تھے، آپؓ نے باتیں کیں تو باتیں لمبی ہو گئیں اور بحث مباحثہ طول پکڑ گیا۔......... حضرت عثمانؓ کو واپس آنے میں دیر ہو گئی اور کفّار کے لشکر میں سے کسی شخص نے یہ مشہور کر دیا کہ عثمانؓ شہید کر دیئے گئے ہیں۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ افواہ پہنچی تو آپؐ نے اعلان فرمایا کہ وہ مسلمان جو آج میرے ہاتھ پر موت کی بیعت کرنا چاہتے ہوں وہ جمع ہو جائیں۔ اِس آواز کا بلند ہونا تھا کہ صحابہؓ پروانوں کی طرح آپؐ کے گرد جمع ہو گئے۔ آپؐ نے ایک مختصر سی تقریر کی اور فرمایا کہ کہا گیا ہے کہ عثمانؓ شہید کر دیئے گئے ہیں۔ ادنیٰ سے ادنیٰ اقوام میں بھی سفیر کی عزت کی جاتی ہے اور اُسے مارا نہیں جاتا۔ اگر یہ خبر درست ہے تو مَیں تم سے قسم لینا چاہتا ہوں کہ آج ہم مکہ پر حملہ کریں گے اور یا تو سارے کے سارے مارے جائیں گے اور یا مکہ کو فتح کر کے واپس لَوٹیں گے۔ آپؐ نے فرمایا: وہی شخص آج بیعت کرے جو اپنے دل میں یہ عزم رکھتا ہو کہ یا تو وہ فتح حاصل کرے گا یا اِسی میدان میں مارا جائے گا۔

اُس وقت صحابہؓ بھاگے نہیں، صحابہؓ ڈرے نہیں، صحابہؓ کے رنگ زرد نہیں ہوئے۔
ایک صحابی کہتے ہیں: خدا کی قسم! ہماری تلواریں میانوں سے باہر نکل رہی تھیں تاکہ وہ شخص جو ہم سے پہلے بیعت کرنا چاہتا ہو اُس کی گردن کاٹ دیں۔ اُنہوں نے یہ نہیں کیا کہ وہ موت کو دیکھ کر بھاگنے لگ گئے ہوں۔ بلکہ اُنہوں نے کہا کہ کسی اَور کا کیا حق ہے کہ وہ ہم سے آگے مرنے کے لئے جائے۔"

(خطبات محمود، خطبہ جمعہ فرمودہ ۵ دسمبر ۱۹۴۷، جلد ۲۸ صفحہ ۴۳۹ تا ۴۴۰)

حدیبیہ کے موقع پر عمرہ کی غرض سے آنے والوں کی تعداد تیرہ سو سے سولہ سو تک بیان کی جاتی ہے۔ بلکہ ابن اسحاق کے نزدیک تو یہ تعداد صرف سات سو ہے۔ امام ابن حجر نے اس اختلاف پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ابن اسحاق کی بیان کردہ تعداد کسی بھی روایت سے ثابت نہیں ہوتی، سوائے اس کے کہ اسے حضرت جابرؓ کی اُس روایت سے مستنبط سمجھا جائے جس میں حدیبیہ کے موقع پر ستر اُونٹوں کی قربانی کا ذکر ہے اور اگر ہر اونٹ کو دس افراد کی طرف سے قیاس کیا جائے تو یہ تعداد سات سو بنتی ہے۔ لیکن اس میں یہ پہلو بھی قابلِ التفات ہے کہ حضرت جابرؓ کی روایت یہ نہیں کہتی کہ اس موقع پر صرف اونٹوں ہی کی قربانی ہوئی ہے، کوئی اور جانور ذبح ہی نہیں ہوا۔ بلکہ بعض روایات کے مطابق تو سب لوگ احرام کی حالت میں بھی نہیں تھے۔ لہذا تعداد کا یہ بیان محض راویوں کا ذاتی خیال یا اندازہ ہی ہے۔ (فتح الباری، شرح کتاب المغازی، باب غزوۃ الحدیبیۃ، جزء۷ صفحہ ۵۴۹)

۴۹۔ سُوْرَۃُ الْحُجُرَاتِ

وَقَالَ مُجَاهِدٌ لَا تُقَدِّمُوْا (الحجرات:۲) لَا تَفْتَاتُوا عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى يَقْضِيَ اللهُ عَلَى لِسَانِهِ. امْتَحَنَ (الحجرات:۴) أَخْلَصَ. وَلَا تَنَابَزُوْا (الحجرات:۱۲) يُدْعَى بِالْكُفْرِ بَعْدَ الْإِسْلَامِ. يَلِتْكُمْ (الحجرات:۱۵) يَنْقُصْكُمْ، أَلَتْنَا نَقَصْنَا.

اور مجاہد نے کہا: لَا تُقَدِّمُوْا (بَيْنَ يَدَيِ اللهِ وَرَسُوْلِهٖ) سے یہ مراد ہے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بڑھ بڑھ کر باتیں نہ کرو، اس وقت تک انتظار کرو کہ اللہ ان کی زبان سے (کسی بات کا) فیصلہ کر دے۔ اِمْتَحَنَ کے معنی ہیں اُس نے نکھیرا۔ وَلَا تَنَابَزُوْا سے یہ مراد ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد کفر کے الفاظ سے نہ پکارے جائیں۔ يَلِتْكُمْ کے معنی ہیں تم سے کمی کرے گا۔ أَلَتْنَا کے معنی ہم نے گھٹایا۔

تشریح: حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"یہاں صحابہؓ کی یہ ذمہ داری بیان فرمائی گئی ہے کہ اس عظیم الشان رسول کے سامنے نہ تو نظر اٹھا کر بات کرنا تمہیں زیب دیتا ہے نہ اونچی آواز میں۔ چنانچہ وہ لوگ جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دُور سے آوازیں دیتے ہوئے اپنے گھر سے باہر آنے کی تکلیف دیا کرتے تھے ان پر سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا گیا ہے۔"

(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تعارف سورۃ الحجرات، صفحہ ۹۲۹)

لَا تُقَدِّمُوْا: فرماتا ہے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللهَ ؕ اِنَّ اللهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ (الحجرات:۲) یعنی اے مومنو! اللہ اور اس کے رسول کے سامنے بڑھ بڑھ کر باتیں نہ کیا کرو، اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اللہ بہت سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔ (ترجمہ تفسیر صغیر)

علامہ عینی لکھتے ہیں مفسرین نے اس آیت کے مختلف معانی بیان کیے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے اس کے معنی یہ کیے ہیں کہ کتاب اور سنت کے خلاف بات نہ کرو۔ اور حضرت ابنِ عباسؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے بڑھ بڑھ کر باتیں نہ کرو۔ حضرت جابرؓ اور حسن بصری نے اس آیت کا نزول موقعِ حج سمجھتے ہوئے یہ معنی کیے ہیں کہ رسولؐ سے پہلے تم قربانیاں ذبح نہ کرو اور جو کر چکا ہو وہ دوبارہ قربانی کرے۔ ضحاک کے

نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ جنگ اور دینی احکام میں اللہ اور رسولؐ کو چھوڑ کر کوئی فیصلہ نہ کرو۔ اور کلبی کے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی حکم نہ دیں کسی قول اور فعل میں رسولؐ سے آگے نہ بڑھو۔ ابنِ زید کہتے ہیں کہ اللہ اور رسولؐ کو چھوڑ کر کوئی امر حتمی طور پر طے نہ کرو، اور اللہ اور رسولؐ سے آگے نہ بڑھو۔

(عمدۃ القاری جزء۱۹ صفحہ ۱۸۱)

دراصل اس آیت میں اللہ اور اس کے رسولؐ کا ادب سکھایا گیا ہے اور یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اَلْإِمَامُ جُنَّةٌ يُقَاتَلُ مِنْ وَرَائِهِ۔ (بخاری، کتاب الجہاد والسیر، بَابُ يُقَاتَلُ مِنْ وَرَاءِ الْإِمَامِ وَيُتَّقَى بِهِ) یعنی امام تو ایک ڈھال ہے جس کے پیچھے ہو کر لڑا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں امام سے پہلے سر اُٹھانے والے کے گناہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: أَمَا يَخْشَى أَحَدُكُمْ أَوْ لَا يَخْشَى أَحَدُكُمْ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ قَبْلَ الْإِمَامِ، أَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ رَأْسَهُ رَأْسَ حِمَارٍ، أَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ صُورَتَهُ صُورَةَ حِمَارٍ؟ (بخاری، كِتَابُ الْأَذَانِ، بَابُ إِثْمِ مَنْ رَفَعَ رَأْسَهُ قَبْلَ الْإِمَامِ) یعنی کیا تم میں سے کوئی جب وہ اپنا سر امام سے پہلے اُٹھاتا ہے اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے سر کو گدھے کا سر بنادے؟ یا (فرمایا:) اللہ تعالیٰ اس کی شکل گدھے کی شکل بنادے۔ اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ امام سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا پرلے درجے کی حماقت ہے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

> ”اے ایمان والو! خدا اور رسول کے حکم سے بڑھ کر کوئی بات نہ کرو یعنی ٹھیک ٹھیک احکامِ خدا اور رسول پر چلو۔ اور نافرمانی میں خدا سے ڈرو۔ خدا سنتا بھی ہے اور جانتا بھی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جو شخص محض اپنی خشک توحید پر بھروسہ کرکے (جو دراصل وہ توحید بھی نہیں) رسول سے اپنے تئیں مستغنی سمجھتا ہے اور رسول سے قطع تعلق کرتا ہے اور اس سے بالکل اپنے تئیں علیحدہ کر دیتا ہے اور گستاخی سے قدم آگے رکھتا ہے وہ خدا کا نافرمان ہے اور نجات سے بے نصیب۔“

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۱۲۸)

وَلَا تَنَابَزُوْا: فرماتا ہے وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ (الحجرات:۱۲) اور نہ ایک دوسرے کو بُرے ناموں سے یاد کیا کرو، کیونکہ ایمان کے بعد اطاعت سے نکل جانا ایک بہت ہی بُرے نام کا مستحق بنا دیتا ہے (یعنی فاسق کا) اور جو بھی توبہ نہ کرے، وہ ظالم ہوگا۔

قتادہ کہتے ہیں کہ کوئی کسی مسلمان بھائی کو فاسق یا منافق نہ کہے۔ حسن بصری کہتے ہیں جب کوئی یہودی مسلمان ہوتا تو اسے مسلمان ہونے کے بعد بھی لوگ یہودی کہتے جس سے انہیں منع کیا گیا ہے۔ ابوجبیرہ بن ضحاک کہتے ہیں

یہ آیت ہمارے متعلق نازل ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو لوگوں نے ہر ایک کے دو یا تین نام رکھے ہوئے تھے۔ جب اُسے ان ناموں میں سے کسی ایک سے پکارا جاتا تو وہ ناراض ہوتا۔ اس لیے انہیں اس سے منع کیا گیا ہے۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۷۴۹، ۷۵۰) دراصل اس آیت میں قوموں اور افراد کو تحقیر سے دوسروں کا نام لینے سے منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس سے افراد اور قوموں کے درمیان نفرت پیدا ہوتی ہے جو فتنہ اور فساد اور بالآخر جنگ پر منتج ہوتی ہے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"پلید دل سے پلید باتیں نکلتی ہیں اور پاک دل سے پاک باتیں۔ انسان اپنی باتوں سے ایسا ہی پہچانا جاتا ہے جیسا کہ درخت اپنے پھلوں سے۔ جس حالت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں صاف فرما دیا کہ لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ (الحجرات:۱۲) یعنی لوگوں کے ایسے نام مت رکھو جو اُن کو بُرے معلوم ہوں تو پھر برخلاف اس آیت کے کرنا کن لوگوں کا کام ہے۔"

(تحفہ غزنویہ، روحانی خزائن جلد ۱۵ صفحہ ۵۴۱)

بَاب ۱ : لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ (الحجرات:۳) الْآيَةَ

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) نبی کی آواز سے اپنی آواز اُونچی نہ کیا کرو

تَشْعُرُوْنَ (الحجرات:۳) تَعْلَمُونَ وَمِنْهُ الشَّاعِرُ.

تَشْعُرُوْنَ کے معنی ہیں تم جانتے ہو اور اسی سے الشَّاعِرُ ہے (یعنی جاننے والا۔)

٤٨٤٥ : حَدَّثَنَا يَسَرَةُ بْنُ صَفْوَانَ بْنِ جَمِيلٍ اللَّخْمِيُّ حَدَّثَنَا نَافِعُ بْنُ عُمَرَ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ كَادَ الْخَيِّرَانِ أَنْ يَهْلِكَا أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا رَفَعَا أَصْوَاتَهُمَا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ قَدِمَ عَلَيْهِ رَكْبُ بَنِي تَمِيمٍ فَأَشَارَ

۴۸۴۵: یسرہ بن صفوان بن جمیل لخمی نے ہم سے بیان کیا کہ نافع بن عمر نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ابن ابی ملیکہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: قریب تھا کہ دو بہتر آدمی ہلاک ہو جاتے، یعنی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں جب آپؐ کے پاس بنو تمیم کا قافلہ آیا اپنی آوازوں کو بلند کیا۔ ان دونوں میں سے ایک نے اقرع بن حابسؓ کو جو

أَحَدُهُمَا بِالْأَقْرَعِ بْنِ حَابِسٍ أَخِي بَنِي مُجَاشِعٍ وَأَشَارَ الْآخَرُ بِرَجُلٍ آخَرَ قَالَ نَافِعٌ لَا أَحْفَظُ اسْمَهُ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ لِعُمَرَ مَا أَرَدْتَّ إِلَّا خِلَافِي قَالَ مَا أَرَدْتُّ خِلَافَكَ فَارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمَا فِي ذَلِكَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ (الحجرات:۳) الْآيَةَ، قَالَ ابْنُ الزُّبَيْرِ فَمَا كَانَ عُمَرُ يُسْمِعُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ هَذِهِ الْآيَةِ حَتَّى يَسْتَفْهِمَهُ وَلَمْ يَذْكُرْ ذَلِكَ عَنْ أَبِيهِ يَعْنِي أَبَا بَكْرٍ.

أطرافه: ٤٣٦٧، ٤٨٤٧، ٧٣٠٢-

بنی مجاشع کے خاندان میں سے تھے سردار بنانے کا مشورہ دیا اور دوسرے نے کسی دوسرے شخص کے متعلق مشورہ دیا۔ نافع کہتے تھے: مجھے اس کا نام یاد نہیں رہا۔ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا: تم نے ہمیشہ میری مخالفت ہی کرنی چاہی۔ حضرت عمرؓ نے کہا: میں نے آپؓ کی مخالفت کا ارادہ نہیں کیا۔ اور اس وجہ سے ان دونوں کی آوازیں بلند ہوئیں۔ اللہ نے (یہ) وحی نازل کی: اے مومنو! اپنی آواز اُونچی نہ کیا کرو۔ حضرت ابن زبیرؓ کہتے تھے: پھر اس آیت کے بعد حضرت عمرؓ اتنی آہستہ بات کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض وقت سن بھی نہیں سکتے تھے، یہاں تک کہ آپؐ ان سے پوچھتے۔ اور (حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے) اپنے نانا یعنی حضرت ابو بکرؓ کے متعلق ایسا (آہستہ بات کرنے سے متعلق) نہیں کہا۔

٤٨٤٦: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا أَزْهَرُ بْنُ سَعْدٍ أَخْبَرَنَا ابْنُ عَوْنٍ قَالَ أَنْبَأَنِي مُوسَى بْنُ أَنَسٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ افْتَقَدَ ثَابِتَ بْنَ قَيْسٍ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنَا أَعْلَمُ لَكَ عِلْمَهُ فَأَتَاهُ فَوَجَدَهُ جَالِسًا فِي بَيْتِهِ مُنَكِّسًا رَأْسَهُ فَقَالَ لَهُ

۴۸۴۶: علی بن عبداللہ (مدینی) نے ہم سے بیان کیا کہ ازہر بن سعد نے ہمیں بتایا۔ ابن عون نے ہمیں خبر دی۔ انہوں نے کہا: موسیٰ بن انس نے مجھے بتایا۔ موسیٰ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی ﷺ نے ثابت بن قیسؓ کو غیر حاضر پایا۔ ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! میں آپؐ کو ان کا پتہ لائے دیتا ہوں۔ چنانچہ وہ ان کے پاس آیا اور ان کو اپنے گھر میں سر اوندھا کئے بیٹھے ہوئے پایا۔ اس نے ان سے

مَا شَأْنُكَ فَقَالَ شَرٌّ كَانَ يَرْفَعُ صَوْتَهُ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَأَتَى الرَّجُلُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَهُ أَنَّهُ قَالَ كَذَا وَكَذَا فَقَالَ مُوسَى فَرَجَعَ إِلَيْهِ الْمَرَّةَ الْآخِرَةَ بِبِشَارَةٍ عَظِيمَةٍ فَقَالَ اذْهَبْ إِلَيْهِ فَقُلْ لَهُ إِنَّكَ لَسْتَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ وَلَكِنَّكَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ.

پوچھا: آپؐ کا کیا حال ہے؟ وہ کہنے لگے: بہت ہی بُرا، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز بلند کیا کرتا تھا۔ اس کا عمل ضائع ہوگیا اور وہ اب آگ والوں میں سے ہے۔ یہ سن کر وہ شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے آپؐ کو بتایا کہ وہ ایسا ایسا کہتے تھے۔ موسیٰ (بن انس) کہتے تھے: پھر وہ شخص دوبارہ ان کے پاس بڑی بشارت لے کر گیا۔ آپؐ نے فرمایا: اس کے پاس جاؤ، اسے کہو تم دوزخیوں میں سے نہیں ہو بلکہ تم جنتیوں میں سے ہو۔

طرفہ: ٣٦١٣۔

باب ۲

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ○ (الحجرات:۵)

(اللہ تعالیٰ نے فرمایا:) وہ لوگ جو تجھے ان حجروں کے باہر سے بلاتے ہیں ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے

٤٨٤٧: حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ الزُّبَيْرِ أَخْبَرَهُمْ أَنَّهُ قَدِمَ رَكْبٌ مِّنْ بَنِي تَمِيمٍ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ أَمِّرِ الْقَعْقَاعَ بْنَ مَعْبَدٍ وَقَالَ عُمَرُ بَلْ أَمِّرِ الْأَقْرَعَ بْنَ

۴۸۴۷: حسن بن محمد نے ہم سے بیان کیا کہ حجاج (بن محمد اعور) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ابن جریج سے روایت کی، کہا: مجھے ابن ابی ملیکہ نے خبر دی کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اُن کو بتایا کہ بنی تمیم کا ایک قافلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور حضرت ابوبکرؓ نے کہا: قعقاع بن معبد کو امیر بنائیں اور حضرت عمرؓ نے کہا: نہیں، بلکہ اقرع بن حابسؓ کو امیر بنائیں۔ (یہ سن کر) حضرت ابوبکرؓ نے کہا:

حَابِسٍ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ مَا أَرَدْتَّ إِلَى أَوْ إِلَّا خِلَافِي فَقَالَ عُمَرُ مَا أَرَدْتُّ خِلَافَكَ فَتَمَارَيَا حَتَّى ارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمَا فَنَزَلَ فِي ذَٰلِكَ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ (الحجرات:۲) حَتَّى انْقَضَتِ الْآيَةُ.

تم میری مخالفت ہی کرنا چاہتے ہو۔ حضرت عمرؓ نے کہا: میں نے آپؓ کی مخالفت کا ارادہ نہیں کیا اور دونوں آپس میں جھگڑ پڑے۔ یہاں تک کہ ان کی آوازیں بلند ہوئیں تو اس بارہ میں یہ آیت آخر تک نازل ہوئی: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ۔[1]

أطرافه: ۴۳۶۷، ۴۸۴۵، ۷۳۰۲۔

باب

وَ لَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ (الحجرات:۶)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) اور اگر وہ اس وقت تک صبر کرتے کہ تُو خود اُن کے پاس باہر جاتا تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا

تشریح: لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ...: ان ابواب کے تحت سورۃ الحجرات آیت ۲ تا ۶ میں جن لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کے متعلق ابنِ عطیہ اور بعض شارحین نے لکھا ہے کہ ان سے مراد عرب کے بادیہ نشین اجڈ اور غیر مہذب لوگ ہیں۔ نیز شارحین نے اس کو بنو تمیم کے وفد کی آمد پر ان کے بعض لوگوں کے طرزِ عمل کے متعلق بیان کیا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اونچی آواز سے اور حجرات کے پیچھے سے بلاتے تھے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۷۵۲) اس مضمون کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ صحابہ سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے جو آپؐ کے نور سے منور ہو کر ایسے چمکے کہ آپؐ نے فرمایا: أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ بِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمْ اهْتَدَيْتُمْ۔[2] یعنی میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، تم ان میں سے جس کے پیچھے بھی چل پڑو، تم ہدایت پا جاؤ گے۔ بعض شارحین نے لکھا ہے کہ یہ آیات بعض منافقین کے تعلق میں نازل ہوئیں۔

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: "اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ اور اس کے رسول کے سامنے پیش قدمی نہ کیا کرو۔"

[2] (جامع بیان العلم وفضلہ، بَابُ ذِكْرِ الدَّلِيلِ مِنْ أَقَاوِيلِ السَّلَفِ عَلَى أَنَّ الِاخْتِلَافَ خَطَأٌ وَصَوَابٌ يَلْزَمُ طَالِبَ الْحُجَّةِ عِنْدَهُ، جزء ۲ صفحہ ۹۲۵)

زیرِ باب روایات میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ اس آیت کے نزول کے بعد اس قدر محتاط ہو گئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جب بات کرتے تو اتنا آہستہ بولتے کہ بسا اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی بات سمجھنے کے لیے انہیں کہنا پڑتا۔ حضرت ثابت بن قیسؓ جو طبعًا جہیر الصوت تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آنے سے گھبرانے لگے اور گھر بیٹھ گئے کہ مبادا مجھ سے بے ادبی ہو جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا اور فرمایا تم ان میں سے نہیں ہو جن کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں تم تو اہلِ جنت میں سے ہو۔

روایات میں یہ طرزِ کلام کئی جگہ پایا جاتا ہے کہ کسی واقعہ پر قرآنِ کریم کی کسی آیت کے اطلاق کرنے کو أَنْزَلَ یا نَزَلَ کے لفظ سے بیان کر دیا جاتا ہے۔ یہاں بھی بعض لوگوں نے اپنے خیال میں اس موقع پر حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی تکرار پر اس آیت کا اطلاق کیا ہے جو کہ درست نہیں۔ قرآنِ کریم میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں کہیں بھی اور کبھی بھی اس آیت کا اطلاق حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ پر نہیں کیا گیا۔ امرِ واقعہ یہ ہے کہ شیخین (حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب اور آپؐ کے سامنے عجز و نیاز میں تمام صحابہ میں ممتاز اور اپنی مثال آپ تھے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

> "شان نزول سے ہمیشہ یہ مراد نہیں ہوتا کہ ان آیات کے نزول سے وہی امر مراد ہے جو شان نزول کے تحت میں بیان کیا جاتا ہے۔ بلکہ اصل یہ ہے کہ وحی الٰہی کے نزول کے کچھ اسباب ہوتے ہیں۔ ان میں سے اس واقعہ پر بھی وہ آیات چسپاں ہوتی ہیں ورنہ اگر کسی ایک واقعہ کو مخصوص کر لیں تو پھر قرآن مجید کی عظمت جو اس کے عام اور ابدی ہونے میں ہے کم ہو جاتی ہے۔"

(حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۳۲۵)

سورۃ الحجرات کی یہ آیات بھی اپنی شان اور مقام میں ایک دائمی اصل الاصول کے طور پر ہیں۔ ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام ادب و مرتبہ اور آپؐ کی ارفع شان بیان کی گئی ہے اور اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ کسی مومن کا کسی قول یا فعل سے ایسا کوئی اظہار نہ ہو جو اپنے اندر بے ادبی کا رنگ رکھتا ہو۔ مثل مشہور ہے: الطَّرِيْقَةُ كُلُّهَا أَدَبٌ۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے ادب پہلا قرینہ ہے محبتوں کے قرینوں میں۔ اللہ اور اس کے رسول سے محبت تو مومنوں کے ایمان کا جزوِ اعظم ہے بلکہ مومن کی ترقیات محبتِ رسول اور عشقِ رسول سے وابستہ کی گئی ہیں۔ قرآنِ کریم میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو شرطِ اول اور روحانی انعامات کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ قرار دیا گیا ہے جیسا کہ سورۃ النساء آیت ۷۰ میں انعام یافتہ گروہ میں شامل ہونے کے لیے اللہ اور رسول کی اطاعت کو

سلوک کی ان راہوں کے لئے خضر راہ اور بطور معیار و محک قرار دیا گیا ہے۔ فرماتا ہے: وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ یعنی اور جو (لوگ بھی) اللہ اور اس رسول کی اطاعت کریں گے وہ اُن لوگوں میں شامل ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے۔ یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین (میں)۔ اور یہ لوگ (بہت ہی) اچھے رفیق ہیں۔ (ترجمہ تفسیر صغیر)

قرآنِ کریم میں مومنوں کو یہ بھی ہدایت کی گئی ہے: اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝ (البقرة:۱۰۹) کیا تم اپنے رسول سے اسی طرح سوال کرنا چاہتے ہو جس طرح (اس سے) پہلے موسیٰؑ سے سوال کیے گئے تھے۔ اور (بھول جاتے ہو کہ) جو شخص کُفر کو ایمان سے بدل لے تو سمجھو کہ وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔ (ترجمہ تفسیر صغیر) سوال کرنے میں بے احتیاطی بعض اوقات بے ادبی میں داخل ہو جاتی ہے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے مؤمنوں کو یہ نصیحت کی گئی ہے کہ سوال کرتے ہوئے ادب کے پہلو کو مقدم رکھو۔ صحابہؓ نے اس نصیحت کو ایسا حرزِ جان بنایا کہ وہ انتظار کرتے کہ کوئی بدوی آجائے اور وہ سوال کرے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ رسول کی بے ادبی معمولی گناہ نہیں بلکہ تمام اعمال کے اکارت جانے اور تمام سعادتوں کے کھو جانے کا موجب بن سکتا ہے۔

صحابہ رسولؐ کے عشقِ رسول، محبت، ادب اور فدائیت کا یہ عالم تھا کہ دشمن بھی اسے دیکھ کر ورطۂ حیرت میں پڑ جاتے تھے۔ اس کا ایک نظارہ عروہ بن مسعود ثقفی نے دیکھا جب وہ صلح حدیبیہ کا معاہدہ کرنے کفار مکہ کا نمائندہ بن کر آیا، وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کی منظر کشی کچھ یوں بیان کرتا ہے کہ جب کبھی آپؐ انہیں کوئی حکم دیتے تو آپؐ کا حکم بجالانے کے لئے وہ ایک دوسرے سے آگے بڑھ کر لپکتے اور جب آپؐ وضو کرتے تو قریب ہوتا کہ وضو کے پانی کے تبرک پر لڑ پڑیں۔ اور جب وہ ان کے پاس بات کرتے تو اپنی آوازوں کو دھیما کر لیتے۔ اور صحابہؓ آپؐ کی عظمت کی وجہ سے آپؐ کی طرف نظر اُٹھا کر نہ دیکھتے تھے۔ پھر عروہ اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ گیا، اُن سے کہا: اے میری قوم! بخدا میں تو بادشاہوں کے پاس بھی جا چکا ہوں۔ قیصر و کسریٰ کے پاس بھی گیا اور نجاشی کے پاس بھی گیا۔ بخدا میں نے کبھی کوئی بادشاہ نہیں دیکھا جس کے ساتھی اُس کی وہ تعظیم کرتے ہوں جو تعظیم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھی آپؐ کی کرتے ہیں۔ اور اللہ کی قسم! جب وہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تھوکتے ہیں تو اُن کے متبعین میں سے کوئی نہ کوئی اُس کو اپنے ہاتھ میں لے لیتا اور اُسے اپنے منہ اور بدن پر (بطور تبرک) مل لیتا ہے۔ اور جب وہ اُن کو حکم دیتے تو وہ حکم بجالانے کیلئے ایک دوسرے سے آگے بڑھتے ہوئے لپکتے ہیں اور جب وہ وضو کرتے تو قریب ہوتا ہے کہ وہ (یعنی صحابہؓ) وضو کے پانی پر آپس میں لڑ پڑیں اور جب وہ کوئی بات کرتے ہیں تو وہ اُن کے پاس اپنی آوازیں پست کر لیتے ہیں اور اُن کی عظمت کی وجہ سے اُن کی طرف نظر اُٹھا کر نہیں دیکھتے۔

(صحیح بخاری، کتاب الشروط باب ۱۵، روایت نمبر ۲۷۳۱-۲۷۳۲)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

إِنَّ الصَّحَابَةَ كُلَّهُمْ كَذُكَاءِ قَدْ نَوَّرُوْا وَجْهَ الْوَرٰى بِضِيَاءِ
الصَّالِحُوْنَ الْخَاشِعُوْنَ لِرَبِّهِمْ الْبَائِتُوْنَ بِذِكْرِهٖ وَبُكَاءِ
قَوْمٌ كِرَامٌ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَهُمْ كَانُوْا لِخَيْرِ الرُّسُلِ كَالْأَعْضَاءِ
تَبِعُوا الرَّسُوْلَ بِرَحْلِهٖ وَ ثَوَاءِ صَارُوْا بِسُبُلِ حَبِيْبِهِمْ كَعَفَاءِ

(سر الخلافۃ، روحانی خزائن جلد ۸ صفحہ ۳۹۷)

ترجمہ: یقیناً صحابہ سب کے سب سورج کی مانند ہیں۔ انہوں نے مخلوقات کا چہرہ اپنی روشنی سے منور کر دیا۔ وہ صالح تھے، اپنے ربّ کے حضور عاجزی کرنے والے تھے، وہ اس کے ذکر میں رو رو کر راتیں گزارنے والے تھے۔ وہ بزرگ لوگ ہیں، ہم ان کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔ وہ خیر الرسل کے لئے بمنزلہ اعضاء کے تھے۔ انہوں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی سفر اور حضر میں۔ اور وہ اپنے حبیب کی راہوں میں خاکِ راہ ہو گئے۔

٥٠۔ سُورَةُ قٓ

رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ (قٓ:٤) رَدٌّ. فُرُوْجٍ (قٓ:٧) فُتُوقٍ وَاحِدُهَا فَرْجٌ. مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (قٓ:١٧) وَرِيدَاهُ فِي حَلْقِهِ وَالْحَبْلُ حَبْلُ الْعَاتِقِ.

رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ سے یہ مراد ہے کہ یہ لوٹایا جانا بہت دور کی بات ہے۔ فُرُوْجٍ کے معنی ہیں سوراخ۔ اس کی مفرد فَرْجٌ ہے۔ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ سے مراد گلے کی دو رگیں ہیں۔ اور اَلْحَبْل کندھے کی رگ کو بھی کہتے ہیں۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ (قٓ:٥) مِنْ عِظَامِهِمْ. تَبْصِرَةً (قٓ:٩) بَصِيرَةً. حَبَّ الْحَصِيْدِ (قٓ:١٠) الْحِنْطَةُ. بٰسِقٰتٍ (قٓ:١١) الطِّوَالُ. اَفَعَيِيْنَا (قٓ:١٦) أَفَأَعْيَا عَلَيْنَا. وَقَالَ قَرِيْنُهٗ (قٓ:٢٨) الشَّيْطَانُ الَّذِي قُيِّضَ لَهُ. فَنَقَّبُوْا (قٓ:٣٧) ضَرَبُوا. اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ (قٓ:٣٨) لَا يُحَدِّثُ نَفْسَهُ بِغَيْرِهِ. حِينَ أَنْشَأَكُمْ وَأَنْشَأَ خَلْقَكُمْ.

اور مجاہد نے کہا: مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ سے مراد اُن کی ہڈیاں ہیں جو زمین آہستہ آہستہ کھا رہی ہے۔ تَبْصِرَةً کے معنی ہیں دیکھنا۔ حَبَّ الْحَصِيْدِ کے معنی ہیں گیہوں۔ بٰسِقٰتٍ یعنی لمبے لمبے۔ اَفَعَيِيْنَا کے معنی ہیں کیا اس نے ہمیں تھکا دیا ہے۔ وَقَالَ قَرِيْنُهٗ (میں قَرِيْن) سے مراد شیطان ہے جو اس کے ساتھ لگا دیا گیا ہے۔ فَنَقَّبُوْا کے معنی ہیں (شہروں میں) پھرے۔ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ سے یہ مراد ہے کہ (غور سے سنے) دل میں کسی اور کا خیال نہ گزرے۔ حِيْنَ اَنْشَاَكُمْ یعنی جب تمہیں پیدا کیا۔ وَاَنْشَاَ خَلْقَكُمْ اور تمہاری پیدائش کو شروع کیا۔

رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ (قٓ:١٩) رَصَدٌ. سَآئِقٌ وَّ شَهِيْدٌ (قٓ:٢٢) الْمَلَكَانِ كَاتِبٌ وَشَهِيدٌ، شَهِيْدٌ شَاهِدٌ بِالْغَيْبِ.[1] لُغُوْبٍ (قٓ:٣٩) النَّصَبُ.

رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ یعنی ایک نگہبان ہے جو ہر وقت چستی سے اپنے کام پر موجود ہے۔ سَآئِقٌ وَّ شَهِيْدٌ سے مراد دو فرشتے ہیں۔ ایک لکھنے والا اور دوسرا گواہ۔ شَهِيد کے معنی ہیں وہ جو دل کی توجہ سے دیکھ رہا ہو۔ لُغُوْب کے معنی ہیں تھکان۔

وَقَالَ غَيْرُهُ نَضِيْدٌ (قٓ:١١) الْكُفُرَّى

اور (مجاہد کے سوا) اوروں نے کہا: نَضِيْدٌ یعنی گابھا

[1] فتح الباری مطبوعہ انصاریہ میں اس جگہ لفظ بِالْقَلْبِ ہے (فتح الباری جزء ٨ حاشیہ صفحہ ٧٥٤) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

مَا دَامَ فِي أَكْمَامِهِ وَمَعْنَاهُ مَنْضُودٌ بَعْضُهُ عَلَى بَعْضٍ فَإِذَا خَرَجَ مِنْ أَكْمَامِهِ فَلَيْسَ بِنَضِيدٍ. فِي أَدْبَارِ النُّجُوْمِ وَأَدْبَارِ السُّجُودِ، كَانَ عَاصِمٌ يَفْتَحُ الَّتِي فِي قٓ وَيَكْسِرُ الَّتِي فِي الطُّورِ، وَيُكْسَرَانِ جَمِيعًا وَيُنصَبَانِ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَوْمُ الْخُرُوْجِ (قٓ:۴۳) يَوْمَ يَخْرُجُونَ إِلَى الْبَعْثِ مِنَ الْقُبُورِ.

جب تک کہ وہ غلاف میں رہے، اور اس کے معنی ہیں ایک دوسرے پر تہ بہ تہ کیا ہوا۔ اور جب اپنے غلاف سے نکل آئے تو نَضِید نہیں ہوتا۔ أَدْبَارِ النُّجُوْمِ اور أَدْبَارِ السُّجُودِ جو (قرآن مجید میں آیا) ہے تو عاصم اس کو سورۃ قٓ میں الف کی فتح کے ساتھ (یعنی اَدْبَارَ السُّجُوْدِ) پڑھتے تھے۔ اور وہ جو سورۃ طور میں ہے (یعنی اِدْبَارَ النُّجُوْمِ) اس کی الف کے نیچے زیر دیا کرتے تھے۔ اور دونوں کو کسرہ سے بھی پڑھا جاتا ہے اور نصب سے بھی۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا: يَوْمُ الْخُرُوْجِ سے وہ دن مراد ہے جس دن وہ دوبارہ جی اُٹھنے کے لیے قبروں سے نکلیں گے۔

تشریح: حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار کرنے والوں کا یہ بیان مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ میں یہ قدرت کہاں سے آگئی کہ ہمیں مر کر مٹی ہو جانے کے بعد ایک دفعہ پھر قیامت کے دن اکٹھا کرے۔ ان کے نزدیک یہ ایک بہت دُور کی بات ہے یعنی بعید از عقل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہمیں معلوم ہے کہ زمین اُن میں سے کیا کچھ کم کرتی چلی جارہی ہے لیکن اس کے باوجود ہم یہ قدرت رکھتے ہیں کہ ان کے منتشر ذرات کو اکٹھا کر دیں۔ ان کی توجہ آسمان کی وسعتوں کی طرف پھیری گئی ہے کہ اتنی عظیم الشان کائنات میں کوئی ایک نقص بھی وہ نہیں دکھا سکتے، پھر اس کے پیدا کرنے والے کی قدرتوں کا وہ کیسے انکار کر سکتے ہیں۔"

(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تعارف سورۃ قٓ، صفحہ ۹۳۶)

مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ○ (قٓ:۵) یعنی ہم کو خوب معلوم ہے وہ بھی جو زمین ان میں سے کم کرتی ہے (اور وہ بھی جو زیادہ کرتی ہے) اور ہمارے پاس ایسی کتاب ہے جو ہر چیز کو محفوظ رکھتی ہے۔ (ترجمہ تفسیر صغیر)

امام بخاری نے مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ سے مِنْ عِظَامِهِمْ مراد لیا ہے۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اس آیت کریمہ کی وضاحت میں فرماتے ہیں:

”متقابل الفاظ میں سے ایک بیان کیا جائے تو عربی قاعدہ کے مطابق دوسرا بھی حسب ضرورت محذوف سمجھ لیا جاتا ہے۔ اس قاعدہ کے مطابق ”کم کرتی ہے“ کے مقابل میں ہم نے ”زیادہ کرتی ہے“ کے الفاظ محذوف نکالے ہیں۔ اس آیت میں کم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مرنے کے بعد مٹی ان کو کھا جاتی ہے اور زیادہ کرنے سے یہ مراد ہے کہ مٹی جو غذا نکالتی ہے اس کو کھا کر انسانی جسم بڑھتا ہے۔“

(تفسیر صغیر، سورۃ قٓ، حاشیہ آیت نمبر ۵)

قَالَ قَرِيْنُهٗ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ ○ (قٓ:۲۸) اُس کا ساتھی کہے گا: اے ہمارے ربّ! میں نے اس سے سرکشی نہیں کروائی بلکہ وہ خود ہی ایک پرلے درجہ کی گمراہی میں مبتلا تھا۔ (ترجمہ تفسیر صغیر)

امام بخاری نے قَرِيْنُهٗ سے یہاں شیطان مراد لیا ہے جو اس کے ساتھ لگا دیا گیا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک قرین (رفیق) جنّ کی نوع میں سے اور ایک قرین فرشتوں میں سے مؤکل ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ کیا آپؐ کے ساتھ بھی؟ فرمایا: ہاں، میرے ساتھ بھی، مگر اللہ نے مجھے اس پر غالب کر دیا ہے اور وہ میرے قابو میں ہے۔ بجز نیکی کے مجھے اور کوئی بات نہیں کہتا۔ (مسند احمد بن حنبل، مسند عبد اللہ بن مسعودؓ، جزء اوّل صفحہ ۴۰۱)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”یہ دونوں داعی صرف خیر یا شر کی طرف بلاتے رہتے ہیں مگر کسی بات پر جبر نہیں کرتے جیسا کہ اِس آیت کریمہ میں اسی امر کی طرف اشارہ ہے فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا۔ یعنی خدا بدی کا بھی الہام کرتا ہے اور نیکی کا بھی۔ بدی کے الہام کا ذریعہ شیطان ہے جو شرارتوں کے خیالات دلوں میں ڈالتا ہے اور نیکی کے الہام کا ذریعہ روح القدس ہے جو پاک خیالات دل میں ڈالتا ہے۔...... قرآن کریم کی یہ تعلیم نہیں ہے کہ شیطان گمراہ کرنے کیلئے جبر کر سکتا ہے اور نہ یہ تعلیم ہے کہ صرف بدی کی طرف بلانے کیلئے شیطان کو مقرر کر رکھا ہے بلکہ یہ تعلیم ہے کہ آزمائش اور امتحان کی غرض سے لمّہ ملک اور لمّہ ابلیس برابر طور پر انسان کو دیئے گئے ہیں یعنی ایک داعی

خیر اور ایک داعی شر تا انسان اس ابتلا میں پڑ کر مستحق ثواب یا عقاب کا ٹھہر سکے۔"
(آئینہ کمالاتِ اسلام، روحانی خزائن جلد ۵ حاشیہ صفحہ ۸۱ تا ۸۳)

بَاب ۱: وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ○ (قٓ:۳۱)

اور وہ (یعنی جہنم) کہے گی کہ کیا کچھ اور بھی ہے؟

٤٨٤٨: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ حَدَّثَنَا حَرَمِيُّ بْنُ عُمَارَةَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُلْقَى فِي النَّارِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ○ (قٓ:۳۱) حَتَّى يَضَعَ قَدَمَهُ فَتَقُولُ قَطْ قَطْ.

أطرافه: ٦٦٦١، ٧٣٨٤-

۴۸۴۸: عبد اللہ بن ابی الاسود نے ہم سے بیان کیا کہ حرمی بن عمارہ نے ہمیں بتایا۔ شعبہ نے ہم سے بیان کیا کہ انہوں نے قتادہ سے، قتادہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے، حضرت انسؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔ آپؐ نے فرمایا: آگ میں ڈالے جائیں گے اور وہ کہے گی کہ کیا کچھ اور بھی ہے؟ یہاں تک کہ وہ اپنا قدم اس میں رکھے گا۔ پھر وہ کہے گی بس بس۔

٤٨٤٩: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُوسَى الْقَطَّانُ حَدَّثَنَا أَبُو سُفْيَانَ الْحِمْيَرِيُّ سَعِيدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا عَوْفٌ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَفَعَهُ وَأَكْثَرُ مَا كَانَ يُوقِفُهُ أَبُو سُفْيَانَ يُقَالُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ (قٓ:۳۱) فَيَضَعُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَدَمَهُ عَلَيْهَا فَتَقُولُ قَطْ قَطْ.

أطرافه: ٤٨٥٠، ٧٤٤٩-

۴۸۴۹: محمد بن موسیٰ قطان نے ہمیں بتایا کہ ہم سے ابوسفیان حمیری سعید بن یحییٰ بن مہدی نے بیان کیا کہ ہمیں عوف (اعرابی) نے بتایا۔ عوف نے محمد (بن سیرین) سے، انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کرتے ہوئے بتایا۔ اور ابوسفیان اس حدیث کو اکثر موقوف بیان کرتے تھے کہ جہنم سے پوچھا جائے گا: کیا تو بھر گئی؟ اور وہ کہے گی کہ کیا کچھ اور بھی ہے؟ آخر ربّ تبارک و تعالیٰ اپنا قدم اس پر رکھے گا اور وہ کہے گی بس بس۔

٤٨٥٠: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ

۴۸۵۰: عبد اللہ بن محمد (مسندی) نے ہم سے بیان کیا کہ عبد الرزاق نے ہمیں بتایا۔ معمر نے

هَمَّامٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحَاجَّتِ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ فَقَالَتِ النَّارُ أُوثِرْتُ بِالْمُتَكَبِّرِينَ وَالْمُتَجَبِّرِينَ وَقَالَتِ الْجَنَّةُ مَا لِي لَا يَدْخُلُنِي إِلَّا ضُعَفَاءُ النَّاسِ وَسَقَطُهُمْ قَالَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى لِلْجَنَّةِ أَنْتِ رَحْمَتِي أَرْحَمُ بِكِ مَنْ أَشَاءُ مِنْ عِبَادِي وَقَالَ لِلنَّارِ إِنَّمَا أَنْتِ عَذَابٌ أُعَذِّبُ بِكِ مَنْ أَشَاءُ مِنْ عِبَادِي وَلِكُلِّ وَّاحِدَةٍ مِّنْهُمَا مِلْؤُهَا فَأَمَّا النَّارُ فَلَا تَمْتَلِئُ حَتَّى يَضَعَ رِجْلَهُ فَتَقُولُ قَطْ قَطْ قَطْ فَهُنَالِكَ تَمْتَلِئُ وَيُزْوَى بَعْضُهَا إِلَى بَعْضٍ وَلَا يَظْلِمُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ خَلْقِهِ أَحَدًا وَأَمَّا الْجَنَّةُ فَإِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ يُنْشِئُ لَهَا خَلْقًا.

ہمیں خبر دی۔ معمر نے ہمام (بن منبہ) سے، ہمام نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت اور آگ کا آپس میں جھگڑا ہوا۔ آگ کہنے لگی: میرے لئے وہی لوگ منتخب کئے گئے ہیں جو متکبر اور جابر ہیں اور جنت نے کہا: کیا وجہ ہے کہ مجھ میں سوائے کمزور، ادنیٰ اور حقیر لوگوں کے اور کوئی داخل نہیں ہوتا؟ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جنت سے کہا: تو میری رحمت ہے، تیرے ذریعہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہوں رحم کرتا ہوں اور آگ سے کہا: تم تو صرف ایک سزا ہو۔ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہوں تیرے ذریعہ سزا دیتا ہوں۔ اور ان میں سے ہر ایک کو اتنے ملیں گے جس سے وہ بھر جائے گا۔ آگ جو ہوگی تو وہ بھرنے کی نہیں۔ یہاں تک کہ وہ اپنا پاؤں رکھے گا تو وہ کہے گی: بس بس بس۔ تب جاکر وہ بھر جائے گی اور اس کا ایک حصہ دوسرے میں سمٹ جائے گا۔ اور اللہ عزوجل اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم کرنے کا نہیں۔ اور جنت جو ہے تو اللہ عزوجل اس کے لئے اور خلقت پیدا کرے گا۔

أطرافه: ۴۸۴۹، ۷۴۴۹۔

تشریح: وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ: اور وہ (یعنی جہنم) کہے گی کہ کیا کچھ اور بھی ہے؟ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ ایک آریہ کے اعتراض "خدا اپنے دونوں پاؤں دوزخ میں ڈال دے گا اور جہنم کو سیر کر دے گا" کے جواب میں فرماتے ہیں:

"تمہارے یہاں پر میشور کا نام سرب بیاپک ہے تو کیا وہ نرگ میں نہیں ہے۔ قرآن کریم میں صرف اس قدر ہے کہ يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَ تَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ

اور جو تم نے مفسروں کا قول نقل کیا ہے اس میں یہ ہے جہنم هَلْ مِنْ مَّزِيْد کہتی رہے گی حَتّٰى يَضَعَ رَبُّ الْعِزَّةِ قَدَمَهٗ اور کہیں ہے: يَضَعُ الْجَبَّارُ قَدَمَهٗ اور کہیں ہے: حَتّٰى يَضَعَ اللّٰهُ رِجْلَهٗ۔ پس قبل اس کے کہ تم کو مفصل جواب دیں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ ذیل کے معنی لغت عرب سے لکھ دیں۔ جہنم، ربّ، عزت، جبار، قدم، رجل۔

۱. جَهَنَّم: دوزخ، نرگ، عذاب کی جگہ۔

۲. ربّ کے معنی بڑا پالن ہار۔ یہ لفظ اللہ تعالیٰ پر بھی بولا گیا ہے اور دنیاداروں، بڑے آدمیوں پر بھی۔ فرعون نے کہا: اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى (النازعات:۲۵) یوسف علیہ السلام نے ایک قیدی کو جو رہا ہونے والا تھا فرمایا کہ اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ (یوسف:۴۲) یعنی اپنے مالک و امیر کے پاس میرا ذکر کیجئیو۔ اور اسی ربّ کی جمع ارباب ہے جس کے متعلق فرمایا کہ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ○ (یوسف:۴۰)

۳. عزّت، بڑائی، حمایت، جاہلوں کی ہٹ۔ قرآن شریف میں شریروں کے متعلق فرمایا: اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ (البقرۃ:۲۰۷) اور فرمایا ہے کہ جب شریر کو عذاب اور دُکھ دیا گیا تو کہا جائے گا ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ○ (الدخان:۵۰) پس ربّ العزت کے یہ معنی بھی ہوئے متکبر، ضدی، ہٹ والا۔

۴. جبّار کے معنی مصلح کے بھی ہیں اور ظالم کے بھی۔ مصلح کو تو عذاب ہو نہیں سکتا۔ اور ظالم کے حق میں آیا ہے خَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ○ مشکوٰۃ صفحہ ۴۹۶ میں ہے[۱] ہب ہب دوزخ میں ایک وادی ہے اس میں جبار لوگ داخل ہوں گے۔

۵. قدم: جس شخص کو کہیں بھیجا جاوے اسے قدم کہتے ہیں۔ قاموس اللغہ میں ہے: قَدَمُهٗ أَيِ الَّذِيْنَ قَدَّمَهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ فَهُمْ قَدَمُ اللّٰهِ لِلنَّارِ كَمَا أَنَّ الْخِيَارَ قَدَمُ اللّٰهِ لِلْجَنَّةِ وَوَضْعُ الْقَدَمِ مِثْلَ الرَّوْعِ وَالْقَمْعِ۔"

"احادیث میں ہے دِمَاءُ الْجاهلية موضوعة تحت قَدَمِيْ۔... قدم اس کا وہ بد لوگ ہیں جن کو وہ حسب ان کے اعمال کے آگ میں بھیجے گا۔ جیسے کہ برگزیدہ لوگ بہشت کے لئے قدم اللہ ہیں۔ یعنی وہ جنہیں حسب ان کے اعمال اللہ تعالیٰ بہشت میں بھیجے

---

[۱] (مشكوة المصابيح، كتاب احوال القيامة، باب صفة النار وأهلها، الفصل الثانى)

گا۔ اور قدم رکھنے کے اصل معنی ہیں روک دینا۔ اور بیخ کنی کر دینا۔ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جاہلیت کے خون میرے قدم کے نیچے رکھے گئے ہیں۔ یعنی میں ان کے انتقاموں سے قوم کو منع کرتا ہوں اور ان کو مسلتا ہوں۔

۶. رجل کے معنی قوم، جماعت۔ عربی زبان میں آتا ہے رِجْلٌ مِنْ جَرَادٍ۔ یعنی ٹڈیوں کا ٹڈی دل جماعت۔

اب کس قدر صاف معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ جہنم کو فرمائے گا کیا تو بھر چکی؟ وہ عرض کرے گی: کیا کچھ اور ہے؟ تب اللہ شریروں اور ظالموں اور ان کی جماعت کو جو جہنم کے لائق ہیں سب کو جہنم میں ڈال دے گا۔ خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ نرگی اور جہنمی نرگ اور جہنم میں داخل کئے جاویں گے اور یہی انصاف وعدل ہے۔ اب بتاؤ اس پر کیا اعتراض ہوا۔"

(نورالدین طبع سوم صفحہ ۲۷۷،۲۷۸)

نیز حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ ایک پادری کے اعتراض کے جواب میں فرماتے ہیں:

"میں سچ سچ کہتا ہوں کہ حدیث (يَضَعُ فِيهَا رَبُّ الْعِزَّةِ قَدَمَهُ) کا مطلب صاف اور درست ہے مگر زبان اور محاورۂ عرب نہ جاننے کے سبب سے پادری صاحب اس بھول بھلیاں میں جا پڑے ہیں۔ خود ان کے چالاک ہاتھوں کی کرتوت ہے۔

اصل منشاء آپ کے اعتراض کا جملہ يَضَعُ فِيهَا رَبُّ الْعِزَّةِ قَدَمَهُ ہے۔ جس کا ترجمہ ہے: رکھے گا اس میں عزت والا اپنے قدم۔ اب ہم آپ کو ان الفاظ کا صحیح مطلب اور منشاء بتاتے ہیں جن سے آپ کو بوجہ عدم فہم زبان عرب دھوکہ ہوا ہے۔ گو الفاظ تو صاف تھے اور محاورۂ عرب کی طرف ذرا ہی سے رجوع کرنے سے باآسانی حل ہو سکتے تھے۔ مگر چونکہ عادتاً نصاریٰ کا خاصہ ہے کہ کسی کلام کا اصل مقصد عمداً یا جاہلاً بدوں توضیح وتفسیر نہیں سمجھتے یا سمجھ نہیں سکتے۔ اور یہ عادت نسلاً بعد نسلٍ حضرات حوارین سے وراثت میں انہیں ملی ہے کہ وہ سادہ مزاج حضرات بھی مسیح کے کلام کو بدوں تفسیر وتمثیل سمجھ نہیں سکتے تھے۔ اس لئے ضرور ہوا کہ ہم پوری تفسیر ان الفاظ کی کر دیں۔ سنو!

جواب نمبر ۱: پہلا لفظ جس پر پادری صاحب کو دھوکہ ہوا لفظ ربّ ہے۔ سننا چاہیئے کہ ربّ کا لفظ بڑے بڑے آدمیوں پر بولا گیا ہے جیسے یوسف علیہ السلام کا قول اس زندانی

کو اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ۔ سیپارہ ۱۲، سورہ یوسف، رکوع ۵۔ کہ مجھے اپنے آقا کے روبرو یاد کرنا۔ اور فرعون کہتا ہے اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى۔ سیپارہ ۳۰، سورۂ النازعات، رکوع ۱۔ میں تمہارا بڑا ربّ ہوں۔ یہ لفظ عام بڑے بڑے رئیسوں اور امیروں پر بھی اطلاق ہوتا ہے اس لئے اس کی جمع ارباب سے امراء اور دنیادار مراد لئے جاتے ہیں۔ اور ٹھیک اسی طرح عبرانی زبان میں بھی جسے عربی کے ساتھ مشابہت تامہ ہے استعمال ہوا ہے۔ چناچہ ربی بڑے بڑے کاہنوں اور عالموں پر بولا جاتا ہے۔ اور بعض جگہ جب کسی اسم کے ساتھ ترکیب میں مذکور ہوتا ہے جیسے مثلاً اسی جگہ ربّ العزۃ یا ربّ البیت یا ربّ المنزل اس وقت مرادف لفظ صاحب کے ہوا کرتا ہے۔ مثلاً ہم کہہ سکتے ہیں صاحب العزۃ صاحب البیت، صاحب المنزل، عزت والا، گھر والا، منزل والا یا مالک منزل۔

جواب نمبر ۲: اور عزت بمعنی حمیت، ضد جاہلیت ہے۔ دیکھو قرآن میں ایک جگہ اس کا استعمال ہوا ہے۔ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ۔ یعنی جب اسے خدا سے ڈرنے کو کہا جاتا ہے تو اسے عزت (ضد و حمیت جاہلانہ) گناہ پر آمادہ کرتی ہے۔ پس ایسے کے لئے جہنم ہے۔

اور عزیز کا لفظ جو اس سے مشتق ہوا ہے قرآن میں (سورۂ دخان) شریر جہنمی پر جب جہنم میں ڈالا جائے گا بولا گیا ہے ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ○ چکھ کیونکہ تو بڑی حمیت والا اور بزرگ بنا بیٹھا تھا۔ اور عزیز اور رب العزۃ کے معنی ایک ہی ہیں۔ ربّ العزۃ اس شخص سے مراد ہے جو دنیا میں متکبر اور جبار اور بڑا اضدی کہلاتا ہے۔ اسی حدیث کی بعض روایات میں آیا ہے حَتّٰى يَضَعَ فِيْهَا الْجَبَّارُ قَدَمَهٗ۔

جبار اور ربّ العزۃ کے ایک ہی معنے ہیں۔ یعنی متکبر، سرکش، حدود سے نکل جانے والا۔ پس گویا دونوں روایتیں علیٰ اختلاف الفاظ معنی واحد رکھتی ہیں۔ اب حدیث کے معنی یہ ہوئے کہ دوزخ زیادہ طلبی کرتی رہے گی جب تک شریر متکبر اپنے تئیں عزیز جاننے والے اس میں اپنا پاؤں رکھیں یعنی داخل ہوں۔

یاد رہے کہ اہل اسلام کے اعتقاد میں دوزخ شریروں اور بدذاتوں کی جگہ ہے۔ جیسا حدیث ذیل میں مذکور ہے۔

مشکوٰۃ صفحہ ۴۹۶۔[۱] حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ دوزخ میں ایک وادی ہے اس کا نام ہب ہب ہے۔ اس کی تسکین کا باعث ہر ایک جبار ہو گا۔ اس کے آخری جملہ کے الفاظ یہ ہیں: یُسَکِّنُہٗ کُلُّ جَبَّارٍ۔

جواب نمبر ۳: بعض روایات میں اگر آیا ہے۔ حَتّٰی یَضَعَ اللّٰہُ فِیْھَا قَدَمَہٗ۔ اول تو یہ روایت حدیث کے اعلیٰ طبقہ کی روایت نہیں۔ کیونکہ اس میں روایت بالمعنی کا احتمال ہے۔ اگر مان بھی لیا جاوے۔

قدم سے مراد اشرار ہیں، پاؤں نہیں۔ دیکھو قاموس اللغہ: قَدَمَہٗ أَیِ الَّذِیْنَ قَدَّمَھُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ فَھُمْ قَدَمُ اللّٰہِ لِلنَّارِ۔ کَمَا أَنَّ الْخِیَارَ قَدَمُہٗ لِلْجَنَّۃِ۔ یعنی قدم سے مراد وہ شریر لوگ ہیں جن کو خدا نے دوزخ کے آگے دھر دیا۔ پس وہ لوگ خدا کی طرف سے آگ کے لئے آگے کئے گئے جیسے اچھے لوگ خدا کی طرف سے جنت کی جانب آگے کئے گئے۔ پس حدیث کے یہ معنی ہوئے کہ دوزخ ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ پکارتی رہے گی جب تک خدا اشرار کو اس میں نہ ڈالے گا۔ پھر وہ بس کرے گی۔

جواب نمبر ۴: وَضْعُ الْقَدَمِ مَثَلٌ لِلرَّوْعِ وَالْقَمْعِ۔ یعنی وضع قدم ایک محاورہ ہے جس کے معنی ہیں روکنا اور تھام لینا۔ اب حدیث کے یہ معنی ہوئے کہ "یہاں تک اللہ تعالیٰ اپنی روک اور تھام رکھے گا اور ایسی روک کر دے گا کہ دوزخ ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ کہنے سے رُک جائے گی۔"

جواب نمبر ۵: وَضَعُ الْقَدَمِ۔ (پاؤں رکھ دینا) ذلیل اور خوار کرنے پر بولا جاتا ہے۔ چونکہ عبری اور عربی قریب قریب زبانیں ہیں اور کتب مقدسہ میں بھی یہ محاورہ برتا گیا ہے بنظر ثبوت اتنا ہی بس ہے۔

یسعیاہ ۳۷ باب ۲۵۔ خدا فرماتا ہے: میں اپنے پاؤں کے تلووں سے مصر کی سب ندیاں سکھا دوں گا۔

۲ سموئیل ۲۲ باب ۳۹۔ ہاں وہ میرے قدموں تلے پڑے ہیں۔

۱ سلاطین ۵ باب ۳۔ جب تک کہ خدا نے اُن کو اُس کے قدموں تلے نہ کر دیا۔

لوقا ۲۰ باب ۴۳ و مرقس ۱۲ باب ۳۶۔ جب تک تیرے دشمنوں کو تیرے پاؤں کی چوکی کروں۔

[۱] (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب احوال القیامۃ، باب صفۃ النار وأھلھا، الفصل الثانی)

دیکھو ان محاورات میں لغوی معنوں میں قدم کا لفظ نہیں بولا گیا بلکہ مجازی معنوں میں۔
پس حدیث کے یہ معنی ہوئے کہ ”یہاں تک کہ خدا جہنم کو ذلیل و خوار کر ڈالے اور اسے چپ کرادے۔
ہاں یہ محاورہ اس خطبہ میں بھی آیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج میں بمقام عرفات پڑھا ”وَدِمَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعَةٌ تَحْتَ قَدَمِيْ“[1]
جواب نمبر ۶: یہ جواب گو الزامی جواب ہے مگر ہم نے اس بارہ میں مسیح کے اس قول کی پیروی کی ہے کہ ”الزام مت لگاؤ تاکہ تم پر الزام نہ لگایا جاوے“ اور نیز الزامی جواب اس لئے بھی اختیار کیا جاتا ہے کہ معترض اپنی مسلمہ و مالوفہ کتابوں سے اس قسم کے اشتباہ کو رفع کرے۔ اب جواب سنئے۔
مسیحی اعتقاد میں مسیح ملعون ہوا (نعوذ باللہ) اور ملعون کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ دیکھو حل الاشکال اور پولوس نامۂ گلتیان ۳ باب ۱۳۔ جو کاٹھ پر لٹکایا جاوے وہ ملعون ہے۔
اور نیز مسیحی اعتقاد میں مسیح خدا ہیں اور ربّ العزت بھی ہیں۔ (صاحب عزت) پس معنے یہ کہ جہنم کو تسکین نہ ہو گی جب تک عیسائیوں کے خدا اس میں قدم نہ رکھیں۔
اب سارے جوابوں کی آپ ہی کوشش کریں۔
حاصل الامر چونکہ پادری صاحب نے حدیث کا مطلب غلط سمجھا اور بطور بنائے فاسد علی الفاسد اس سے غلط استنباطات کئے۔ پس ان کے اعتراض کے باقی شقوق بھی بیکار و معطل ہو گئے۔ اس لئے ہمیں ان شقوق پر فضول خامہ فرسائی کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ فاسد مقدمہ کا نتیجہ لابد فاسد ہی ہوا کرتا ہے۔
اگر قدم کے معنی پاؤں لیں جیسے عام مشہور ہے تب بھی اعتراض نہیں رہتا۔ اور عیسائی مذہب کے طور پر ہرگز محل اعتراض نہیں۔ دیکھو خروج ۱۳ باب ۲۱۔ خدا آگ کے ستونوں میں اور خروج ۱۹ باب ۱۸ اور استثناء ا باب ۳۳۔ آگ کو خدا کا قدم نہ جلانے میں بخلاف اور لوگوں کے بے ریب امتیاز ہے۔ دیکھو استثناء ۴ باب ۱۲ پہاڑ جلا پر خدا نہ جلا۔ اور استثناء ۴ باب ۳۶ میں۔ خدا آگ میں کلام سناتا تھا۔ اور دیکھو دانیال

---

[1] یعنی جاہلیت کے خون میرے قدم کے نیچے رکھے گئے ہیں۔
(المنتقی لابن الجارود، كِتَابُ الْمَنَاسِكِ، بَابُ الْمَنَاسِكِ، صفحہ ۱۲۳)

۳ باب ۲۵۔ خدا کے چند پیارے کھلے آگ میں پھرتے تھے اور آگ انہیں نہیں جلاتی تھی۔ اور قانون قدرت میں دیکھو آگ ذرات عالم کو نہیں جلا سکتی۔ آگ کا کام تو چند اشیاء کے جلانے کا ہے۔ وہ اشیاء جو الٰہی مخلوق ہیں۔ نہ خالق کے جلانے کا۔“

(فصل الخطاب حصہ اول ایڈیشن دوم صفحہ ۱۸۹ تا ۱۹۴)

بَابٌ ٢ : وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ ۝ (ق: ٤٠)

سورج نکلنے سے پہلے اور ڈوبنے سے پہلے تُو اپنے ربّ کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کر

٤٨٥١ : حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ جَرِيرٍ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ كُنَّا جُلُوسًا لَيْلَةً مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَظَرَ إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ أَرْبَعَ عَشْرَةَ فَقَالَ إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هَذَا لَا تُضَامُونَ فِي رُؤْيَتِهِ فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَّا تُغْلَبُوا عَلَى صَلَاةٍ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا فَافْعَلُوا ثُمَّ قَرَأَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ ۝ (ق: ٤٠)

أطرافه: ٥٥٤، ٥٧٣، ٧٤٣٤، ٧٤٣٥، ٧٤٣٦۔

۴۸۵۱: اسحاق بن ابراہیم نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے جریر (بن عبدالحمید) سے، جریر نے اسماعیل (بن ابی خالد) سے، اسماعیل نے قیس بن ابی حازم سے، قیس نے حضرت جریر بن عبداللہ (بجلیؓ) سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: ہم ایک رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپؐ نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھا۔ آپؐ نے فرمایا: تم بھی عنقریب اپنے ربّ کو اس طرح دیکھو گے جس طرح اس کو دیکھ رہے ہو۔ اس کے دیکھنے میں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ اگر تم سے ہو سکے کہ سورج نکلنے سے پہلے کی نماز اور سورج ڈوبنے سے پہلے کی نماز کے ادا کرنے میں ایسے بے بس نہ ہو جاؤ (کہ تم سے جاتی رہے) تو ضرور کوشش کرو (کہ وہ جانے نہ پائے۔) پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی: سورج نکلنے سے پہلے اور ڈوبنے سے پہلے تُو اپنے ربّ کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کر۔

۴۸۵۲ : حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا وَرْقَاءُ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: أَمَرَهُ أَنْ يُسَبِّحَ فِي أَدْبَارِ الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا يَعْنِي قَوْلَهُ وَ اَدْبَارَ السُّجُوْدِ (قٓ: ۴۱)

۴۸۵۲: آدم (بن ابی ایاس) نے ہم سے بیان کیا کہ ورقاء نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ابن ابی نجیح سے، ابن ابی نجیح نے مجاہد سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ حضرت ابن عباسؓ نے کہا: (اللہ تعالیٰ نے) آپؐ کو حکم دیا ہے کہ تمام نمازوں کے پیچھے تسبیح کیا کریں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے قول وَ اَدْبَارَ السُّجُوْدِ سے یہی مراد ہے۔

تشریح: وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ الْغُرُوْبِ: یعنی سورج نکلنے سے پہلے اور ڈوبنے سے پہلے تُو اپنے ربّ کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کر۔ زیر باب دو روایات بیان کر کے معنونہ آیت کے حوالہ سے اس طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ نمازوں کے قیام میں بھی اور ان کے بعد کے اوقات میں بھی تسبیح و تحمید کا خاص اہتمام رکھنا چاہیئے۔

حضرت سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”قرآن مجید میں جہاں بھی تسبیح کا حکم دیا گیا ہے وہاں بِحَمْدِ رَبِّكَ فرما کر تحمید کا بھی حکم دیا ہے۔ تسبیح کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ ہر نقص سے پاک اور ہر عیب سے منزہ ومبراء ہے اور تحمید کے معنی ہیں کہ وہ تمام اعلیٰ صفات سے متصف ہے۔ تسبیح میں نفی کا پہلو ہے اور تحمید میں اثبات کا۔ محض نقائص کی نفی کوئی خوبی نہیں، جبکہ اس کے ساتھ صفاتِ عالیہ کا بھی اظہار نہ ہو۔ قرآن مجید فرماتا ہے: وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ (بنی اسرائیل: ۴۵) یعنی ہر شے اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کر رہی ہے۔........“

”انسان سے جو بالارادہ کام کرنے والی ہستی ہے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ بھی اور مخلوق کی طرح تسبیح و تحمید میں مشغول ہو۔ مگر وہ صحیح معنوں میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کے لائق نہیں ہوتا جب تک کہ وہ گناہوں سے پاک ہو کر آئینہ دار موردِ تجلیات الٰہیہ نہیں ہو جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو تسبیح و تحمید کے ساتھ ہی استغفار کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ انسان کو ایسی فطرت دی گئی ہے کہ وہ تزکیہ نفس حاصل کر کے صفاتِ الٰہیہ کا

آئینہ بنے اور اس کا وجود تسبیح و تحمید کا مظہر ہو۔........ رکوع اور سجود میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمُ اور سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى کا وِرد نمازی کی زبان سے اس لئے دہرایا جاتا ہے کہ اس کو توجہ دلائی جائے کہ وہ اپنے ربّ کی تسبیح اور تحمید کے اقرار میں اسی وقت راستباز ٹھہرے گا جب وہ اپنے نفس کے اندر اسی قسم کی سبوحیت پیدا کرے جو ہر مخلوق میں ظاہر ہے۔“

(صحیح بخاری ترجمہ وشرح، کتاب الاذان، باب الدُّعَاءِ فِي الرُّكُوعِ، جلد دوم صفحہ ۱۹۱)

سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هٰذَا لَا تُضَامُونَ فِي رُؤْيَتِهٖ: یعنی تم بھی عنقریب اپنے ربّ کو اس طرح دیکھو گے جس طرح اس کو دیکھ رہے ہو۔ اس کے دیکھنے میں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔

حضرت سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب رضی اللہ عنہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”حدیث میں جو تشبیہ دی گئی ہے وہ رؤیت یعنی دیکھنے کی ہے نہ ذات باری تعالیٰ کی۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (الشوریٰ:۱۲) اُس کی مانند کوئی شئ نہیں۔ اور اس رؤیت کا اِدراک اِس دنیا میں اور اِن آنکھوں سے کرنا ناممکن ہے۔........ لَا تُضَامُّونَ میم کی شدّ سے ہو تو مصدر ضَمٌّ سے ہے جس کے معنی اجتماع و ازدحام کے ہیں اور اگر میم پر شدّ نہ ہو تو ضَيْمٌ سے ہے جس کے معنی تکلیف کے ہیں۔ یعنی جس طرح سورج کو دیکھنے سے آنکھوں کو تکلیف ہوتی ہے، دیدارِ الٰہی سے تکلیف نہ ہوگی۔“

(صحیح بخاری ترجمہ وشرح، کتاب مواقیت الصلوٰۃ، باب فَضْلُ صَلَاةِ الْعَصْرِ، جلد اوّل صفحہ ۶۵۰)

فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَّا تُغْلَبُوْا کی تشریح میں حضرت شاہ صاحبؓ فرماتے ہیں:

”صبح اور عصر کی نمازیں ایسے اوقات میں واقع ہوئی ہیں جن میں نیند یا کاروبار کا غلبہ ہوتا ہے۔ دونوں حالتوں میں انسان کے غافل ہونے کا اندیشہ ہے۔ پس جو شخص عام موانع کا مقابلہ کر کے اللہ تعالیٰ کی مناجات کے لئے وقت پر حاضر ہو جاتا ہے وہ اپنے شوق و اخلاص کا ثبوت دیتا ہے۔ روزِ جزا کو اس مناجات کے بدلے میں اسے دیدارِ الٰہی نصیب ہوگا۔“

(صحیح بخاری ترجمہ وشرح، کتاب مواقیت الصلوٰۃ، باب فَضْلُ صَلَاةِ الْعَصْرِ، جلد اوّل صفحہ ۶۵۰)

۵۱- سُورَةُ وَالذّٰرِيٰتِ

قَالَ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ الذّٰرِيٰتُ الرِّيَاحُ. وَقَالَ غَيْرُهُ تَذْرُوْهُ (الكهف:٤٦) تُفَرِّقُهُ. وَ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (والذّٰريٰت:٢٢) تَأْكُلُ وَتَشْرَبُ فِي مَدْخَلٍ وَّاحِدٍ وَيَخْرُجُ مِنْ مَّوْضِعَيْنِ. فَرَاغَ (والذّٰريٰت:٢٧) فَرَجَعَ. فَصَكَّتْ (والذّٰريٰت:٣٠) فَجَمَعَتْ أَصَابِعَهَا فَضَرَبَتْ بِهِ جَبْهَتَهَا. وَالرَّمِيمُ نَبَاتُ الْأَرْضِ إِذَا يَبِسَ وَدِيسَ. لَمُوْسِعُوْنَ (والذّٰريٰت:٤٨) أَيْ لَذُو سَعَةٍ، وَكَذٰلِكَ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ (البقرة:٢٣٧) يَعْنِي الْقَوِيَّ. زَوْجَيْنِ (والذّٰريٰت:٥٠) الذَّكَرَ وَالْأُنْثَى، وَاخْتِلَافُ الْأَلْوَانِ حُلْوٌ وَحَامِضٌ فَهُمَا زَوْجَانِ. فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ (والذّٰريٰت:٥١) مِنَ اللّٰهِ إِلَيْهِ. اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۝ (والذّٰريٰت:٥٧) مَا خَلَقْتُ أَهْلَ السَّعَادَةِ مِنْ أَهْلِ الْفَرِيقَيْنِ إِلَّا لِيُوَحِّدُونِ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ خَلَقَهُمْ لِيَفْعَلُوا فَفَعَلَ بَعْضٌ وَتَرَكَ بَعْضٌ وَلَيْسَ فِيهَا حُجَّةٌ لِأَهْلِ الْقَدَرِ. وَالذَّنُوبُ الدَّلْوُ الْعَظِيمُ، وَقَالَ مُجَاهِدٌ

حضرت علی علیہ السلام نے کہا: الذّٰرِيٰت سے مراد ہے ہوائیں۔ اور ان کے سوا اَوروں نے کہا: تَذْرُوْهُ کے معنی ہیں اس کو بکھیر دیتی ہیں۔ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ: کیا تم اپنے نفسوں میں غور نہیں کرتے کہ ایک ہی راستے سے تم کھاتے اور پیتے ہو اور دو جگہوں سے (فضلہ) نکلتا ہے۔ فَرَاغَ وہ (چپکے سے) لوٹ گیا۔ فَصَكَّتْ کے معنی ہیں اپنی انگلیاں جوڑ کر ان سے اپنی پیشانی کو مارا۔ اور الرَّمِيمُ زمین کی روئیدگی ہے جب وہ خشک ہو جائے اور روند ڈالی جائے۔ لَمُوْسِعُوْنَ یعنی وسعت والے ہیں۔ اور اس طرح (جو سورۂ بقرہ میں ہے:) عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ یعنی وہ جو طاقت رکھتا ہے۔ زَوْجَيْنِ یعنی (دو قسمیں) نر اور مادہ۔ وَاخْتِلَافُ الْأَلْوَانِ یعنی الگ الگ مزے، میٹھا اور کھٹا۔ یہ بھی جوڑا ہیں۔ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ یعنی اللہ سے اللہ ہی کی طرف بھاگو۔ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ یعنی ان دو فریقوں میں سے جو سعادت مند ہیں، میں نے ان کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری توحید بیان کریں۔ اور بعض نے کہا کہ ان کو ایسا کرنے کے لئے پیدا کیا تھا مگر بعض نے کیا اور بعض نے نہ کیا۔ اور قدریوں کے لئے اس میں کوئی دلیل نہیں۔ اور ذُنُوب کے معنی ہیں بڑا ڈول۔ اور مجاہد نے کہا: ذُنُوب یعنی راستہ۔ صَرَّةٍ

ذَنُوبًا سَبِيلًا. صَرَّةٍ(والذّٰریٰت:۳۰) صَيْحَةٍ. الْعَقِيمُ الَّتِي لَا تَلِدُ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَالْحُبُكُ(والذّٰریٰت:۸) اسْتِوَاؤُهَا وَ حُسْنُهَا. فِيْ غَمْرَةٍ(والذّٰریٰت:۱۲) فِي ضَلَالَتِهِمْ يَتَمَادَوْنَ. وَقَالَ غَيْرُهُ تَوَاصَوْا(والذّٰریٰت:۵۴) تَوَاطَئُوا، وَقَالَ غَيْرُهُ مُسَوَّمَةً(والذّٰریٰت:۳۵) مُعَلَّمَةً، مِنَ السِّيمَا، قُتِلَ الْإِنْسَانُ(عبس:۱۸) لُعِنَ.

کے معنی ہیں چیخ چنگھاڑ۔ عَقِيمٌ وہ عورت ہے جو جنتی نہیں۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا: حُبُك سے مراد آسمان کا آراستہ ہونا اور اس کی خوبصورتی ہے۔ فِيْ غَمْرَةٍ کے معنی ہیں وہ اپنی گمراہی میں بڑھے چلے جارہے ہیں۔ اور (مجاہد کے سوا) اَوروں نے کہا: تَوَاصَوْا کے معنی ہیں وہ آپس میں متفق ہوگئے۔ اور اُن کے سوا اَوروں نے یہ بھی کہا: مُسَوَّمَةً کے معنی ہیں نشان زدہ۔ یہ سِيْمَا سے نکلا ہے (یعنی نشان) قُتِلَ الْإِنْسَانُ کے معنی ہیں انسان پر لعنت ہوئی۔

تشریح: قَالَ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ الذّٰرِيٰتُ...: علماء نے یہاں ایک بحث یہ اُٹھائی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے عَلَيْهِ السَّلَامُ کا لفظ استعمال ہوا ہے جبکہ عام طور پر صحابہ کے لئے رضی اللہ عنہ کا استعمال ہوتا ہے۔ دراصل یہ ایک اصطلاح ہے جو بالعموم انبیاء کے لئے استعمال ہوتی ہے مگر کسی دوسرے کے لئے منع نہیں ہے۔ اس لئے امام بخاری نے عَلَيْهِ السَّلَامُ کا استعمال غیر نبی کے لئے دکھا کر اس غلطی کا ازالہ کیا ہے اور اس اصطلاح کو محدود کرنے کی بجائے غیر انبیاء کے لئے اس کا جواز مہیا کیا ہے۔ امام بخاری کی یہ رائے درست معلوم ہوتی ہے جیسا کہ التحیات کی معروف دعا میں یہ الفاظ ہیں: اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ....

(بخاری، کتاب الاذان، باب التشھد فی الآخرۃ)

تَذْرُوْهُ کے معنی ہیں اس کو بکھیر دیتی ہیں۔ اس لفظ کو سورۃ کے نام ذٰریٰت کی مناسبت سے یہاں ذکر کیا ہے۔ آیت یہ ہے: وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا۝ (الکھف:۴۶) اور تُو اُن کے سامنے اس ورلی زندگی کی حالت (بھی) کھول کر بیان کر (کہ وہ) اس پانی کی طرح (ہے) جسے ہم نے بادل سے برسایا، پھر اُس میں زمین کی روئیدگی مل گئی۔ پھر (آخر) وہ (بھوسے کا) چُورا بن گئی۔ جسے ہوائیں اُڑاتی (پھرتی) ہیں اور اللہ ہر بات پر قدرت رکھنے والا ہے۔

وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ: یعنی کیا تم اپنے نفسوں میں غور نہیں کرتے۔ امام بخاریؒ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے جسمانی حالت کی ایک مثال دی ہے۔ قرآنِ کریم میں لفظ نَفْسٌ جسمانی اور روحانی ہر دو معانی میں بیان ہوا ہے۔ جیسا کہ آیت کریمہ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ (البقرۃ:۸۵) میں یہ لفظ جسم اور اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمُ (الأنعام:۹۴) میں روح کے مفہوم میں ہے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”جس قدر تغیرات اجسام پر آتے ہیں انسان زیادہ تر ان سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا کیونکہ جسمانی چیزیں جلد تر عادت میں داخل ہو جاتی ہیں لیکن روح کے تغیرات خاص کر مجاہدات کے وقت میں اور عالم کشف کی حالتیں ایسی عجیب ہیں کہ انسان کو گویا خدا تعالیٰ کا چہرہ دکھادیتی ہیں اور معرفت کی منازل کو طے کرنے والے ہر یک اپنے مرتبہ ترقی کے وقت محسوس کرتے ہیں کہ ان کی پہلی حالت روح کی گویا ایک موت تھی اور جو دوسری حالت میں روح کو علم اور ادراک کا حصہ نصیب ہوا وہ پہلی حالت میں ہرگز نہ تھا بلکہ ظاہری علوم کی تحصیل کرنے والے بھی اس بات کے قائل ہو سکتے ہیں کہ روح بچپن کی حالت میں کس نیند میں غرق تھی اور جب اس کو بہت سے علوم سے حصہ ملا تو کیسی نئی روشنی اس کے اندر آ گئی۔“

(چشمۂ معرفت، روحانی خزائن جلد ۲۳ حاشیہ صفحہ ۱۶۶)

آپؑ نے اس کی وضاحت میں مزید یہ بھی فرمایا کہ

”روحوں پر غور کر کے جلد تر انسان اپنے ربّ کی شناخت کر سکتا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں بھی ہے کہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ یعنی جس نے اپنے نفس کو شناخت کر لیا اُس نے اپنے ربّ کو شناخت کر لیا۔“

(چشمۂ معرفت، روحانی خزائن جلد ۲۳ صفحہ ۱۶۶، ۱۶۷)

فَصَكَّتْ کے معنی ہیں اپنی انگلیاں جوڑ کر اُن سے اپنی پیشانی کو مارا۔ پوری آیت یہ ہے: فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَ قَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ○ (الذّٰریٰت: ۳۰) یعنی اتنے میں اس کی بیوی آگے آئی جس کے چہرہ پر شرم کے آثار تھے۔ پس اس نے زور سے اپنے ہاتھ چہرے پر مارے اور بولی: میں تو ایک بانجھ بڑھیا ہوں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ اس آیت کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

”قرآن مجید کہتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی فِيْ صَرَّةٍ آئی۔ اور لغت میں صَرَّةٌ کے ایک معنی منہ کی سیاہی کے لکھے ہیں۔ پس مطلب یہ ہے کہ شرم و حیا سے اس کا چہرہ متغیر تھا۔“ (تفسیر صغیر، سورۃ الذاریات، حاشیہ آیت ۳۰)

لَمُوْسِعُوْنَ: وسعت والے ہیں۔ پوری آیت یہ ہے: وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّ اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ○ (الذّٰریٰت: ۴۸) اور آسمانوں کو بھی ہم نے کئی صفات سے بنایا ہے اور ہم بڑی وسیع طاقت رکھتے ہیں۔ (ترجمہ تفسیر صغیر)

اس آیت کے حاشیہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اس آیت کریمہ میں بِاَیْدٍ کا لفظ اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو بناتے ہوئے اس میں بے شمار فوائد رکھ دیئے ہوئے ہیں اور ساتھ ہی یہ ذکر بھی فرما دیا کہ اسے ہم وسیع تر کرتے چلے جائیں گے۔ اس کا یہ حصہ کہ ہم اسے مزید وسعتیں دیتے چلے جائیں گے ایک عظیم الشان اعجازی کلام ہے جو عرب کا ایک اُمّی نبی اپنی طرف سے ہرگز بیان نہیں کرسکتا تھا۔ یہ امر سائنسدانوں نے جدید آلات کی مدد سے اب دریافت کیا ہے کہ یہ کائنات ہر لحظہ وسعت پذیر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو ہر انسان کو ایک جامد اور ٹھہری ہوئی کائنات دکھائی دیتی تھی۔“

(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، سورۃ الذاریات، حاشیہ صفحہ ۹۴۹)

اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ: مَا خَلَقْتُ أَهْلَ السَّعَادَةِ مِنْ أَهْلِ الْفَرِيقَيْنِ إِلَّا لِيُوَحِّدُونِ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ خَلَقَهُمْ لِيَفْعَلُوا فَفَعَلَ بَعْضٌ وَتَرَكَ بَعْضٌ وَلَيْسَ فِيهَا حُجَّةٌ لِأَهْلِ الْقَدَرِ۔ یعنی ان دو فریقوں میں سے جو سعادت مند ہیں، میں نے ان کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری توحید بیان کریں۔ اور بعض نے کہا کہ ان کو ایسا کرنے کے لئے پیدا کیا تھا مگر بعض نے کیا اور بعض نے نہ کیا۔ اور قدریوں کے لئے اس میں کوئی دلیل نہیں۔ فرماتا ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○ (الذّٰریٰت:۵۷) یعنی اور میں نے جنّوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”انسان کی پیدائش کی علت غائی یہی عبادت ہے۔ جیسے دوسری جگہ فرمایا ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○ (الذّٰریٰت:۵۷) عبادت اصل میں اس کو کہتے ہیں کہ انسان ہر قسم کی قساوت، کجی کو دُور کرکے دل کی زمین کو ایسا صاف بنا دے، جیسے زمیندار زمین کو صاف کرتا ہے۔ عرب کہتے ہیں: مَوْرٌ مُعَبَّدٌ۔ جیسے سُرمہ کو باریک کرکے آنکھوں میں ڈالنے کے قابل بنالیتے ہیں۔ اسی طرح جب دل کی زمین میں کوئی کنکر، پتھر، ناہمواری نہ رہے اور ایسی صاف ہو کہ گویا رُوح ہی رُوح ہو۔ اس کا نام عبادت ہے۔ چنانچہ اگر یہ درستی اور صفائی آئینہ کی جاوے تو اس میں شکل نظر آجاتی ہے اور اگر زمین کی کی جاوے تو اُس میں انواع واقسام کے پھل پیدا ہو جاتے ہیں۔ پس انسان جو عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اگر دل صاف کرے اور اس میں کسی قسم کی کجی اور ناہمواری، کنکر، پتھر نہ رہنے دے تو

اس میں خدا نظر آئے گا۔...... غرض حالتِ تعبّد کی درستی کا نام عبادت ہے۔“
(ملفوظات جلد اول صفحہ ۳۴۷)

نیز آپؑ نے فرمایا:

”اصل غرض انسان کی خلقت کی یہ ہے کہ وہ اپنے ربّ کو پہچانے اور اس کی فرمانبرداری کرے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○ (الذّٰریٰت:۵۷) میں نے جن اور انس کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ مگر افسوس کی بات ہے کہ اکثر لوگ جو دنیا میں آتے ہیں بالغ ہونے کے بعد بجائے اس کے کہ اپنے فرض کو سمجھیں اور اپنی زندگی کی غرض اور غایت کو مد نظر رکھیں، وہ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر دنیا کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور دنیا کا مال اور اس کی عزتوں کے ایسے دلدادہ ہوتے ہیں کہ خدا کا حصہ بہت ہی تھوڑا ہوتا ہے اور بہت لوگوں کے دل میں تو ہوتا ہی نہیں۔ وہ دنیا ہی میں منہمک اور فنا ہو جاتے ہیں۔ انہیں خبر بھی نہیں ہوتی کہ خدا بھی کوئی ہے۔ ہاں اس وقت پتہ لگتا ہے جب قابض ارواح آکر جان نکال لیتا ہے۔“
(ملفوظات جلد ۴ صفحہ ۱۳۷)

فِيْ غَمْرَةٍ: وہ اپنی گمراہی میں بڑھے چلے جارہے ہیں۔ پوری آیت یہ ہے: الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ○ (الذّٰریٰت:۱۲) یعنی جو گمراہی کی گہرائیوں میں پڑے ہوئے حق کو بُھلا رہے ہیں۔ (ترجمہ تفسیر صغیر)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ کفار کا حال بیان کرتا ہے کہ ستیاناس ہو گیا اٹکل بازیاں کرنے والوں کا، جن کے نفوس غَمْرَہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ غَمْرَہ دبانے والی چیز کو کہتے ہیں جو سَر اُٹھانے نہ دے۔ کھیت پر بھی غَمْرَہ پڑتا ہے جسے کرنڈ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اٹکل بازیاں کرنے والوں کا ستیاناس ہو گیا۔ ہنوز اُن کے نفوس غَمْرَہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ مومنوں کو اس آیت میں ایک نظیر دے کر متنبہ کیا جاتا ہے کہ جب تک غَمْرَہ دُور نہ ہو تو علیٰ وجہ البصیرت کام نہیں ہو سکتا اَور وہ اُولوا الابصار نہیں کہلاتے۔...... جس طرح کسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس غَمْرَہ کو دُور کرے ورنہ اس کا نتیجہ دُوسرے پودوں پر اچھا نہیں ہو گا۔ اسی طرح ہر ایک انسان کے

لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اندرونی عُمَّرہ کو دُور کرے، ورنہ اندیشہ ہے کہ دُوسری صفاتِ حسنہ کو بھی نہ کھو بیٹھے۔" (ملفوظات جلد اول صفحہ ۸۵،۸۶)

تَوَاصَوْا-تَوَاطَئُوا: یعنی وہ آپس میں متفق ہو گئے۔ پوری آیت یہ ہے: اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ○ (الذّٰریٰت:۵۴) یعنی کیا وہ اس (بات کے کہنے) کی ایک دوسرے کو وصیت کر گئے تھے؟ (ہرگز نہیں) بلکہ وہ سب کے سب سرکش لوگ ہیں۔ (اسی لئے ایک ہی قسم کے گندے خیال ان کے دل میں پیدا ہوتے ہیں) (ترجمہ تفسیر صغیر)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ اس آیت کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

"سب مخالف انکار کی ایک ہی قسم کی دلیلیں دیتے تھے۔ گویا کہ وہ ایک دوسرے کو سکھا گئے تھے کہ اس طرح نبیوں کا انکار کرنا۔"

(تفسیر صغیر، سورۃ الذاریات، حاشیہ آیت ۵۴)

قُتِلَ - لُعِنَ: سورۃ الذاریات میں لفظ قُتِلَ جس آیت کریمہ میں آیا ہے وہ یہ ہے: قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ○ (الذّٰریٰت:۱۱) یعنی اٹکل پچّو باتیں کرنے والے ہلاک ہو گئے۔

امام بخاری نے سورۃ الذاریات کی تفسیر میں سورۃ عبس کی آیت قُتِلَ الْاِنْسَانُ (عبس:۱۸) کا حوالہ دے کر قتل کے معنی لُعِنَ بیان کئے ہیں۔ یعنی انسان پر لعنت کی گئی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"قُتِلَ صرف بد دعا یا کوسنا نہیں ہے، بلکہ ہر متکبر کفران نعمت کرنے والے کیلئے پیشگوئی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تکبر میری چادر ہے جو مجھ سے میری چادر چھینے گا میں اسے ذلیل کروں گا۔ یہی قُتِلَ ہے۔"

(حقائق الفرقان، جلد ۴ صفحہ ۳۲۸،۳۲۹)

۵۲- سُورَةُ وَالطُّورِ

وَقَالَ قَتَادَةُ مَسْطُوْرٍ (الطور:۳) مَكْتُوبٍ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ الطُّورُ الْجَبَلُ بِالسُّرْيَانِيَّةِ. رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ (الطور:٤) صَحِيفَةٍ. وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ (الطور:٦) سَمَاءٌ. الْمَسْجُوْرِ (الطور:۷) الْمُوقَدِ، وَقَالَ الْحَسَنُ تُسْجَرُ حَتَّى يَذْهَبَ مَاؤُهَا فَلَا يَبْقَى فِيهَا قَطْرَةٌ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: اَلَتْنٰهُمْ (الطور:۲۲) نَقَصْنَاهُمْ. وَقَالَ غَيْرُهُ تَمُوْرُ (الطور:١٠) تَدُورُ. اَحْلَامُهُمْ (الطور:۳۳) الْعُقُولُ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ الْبَرُّ (الطور:۲۹) اللَّطِيفُ، كِسْفًا (الطور:٤٥) قِطْعًا. الْمَنُوْنِ (الطور:۳۱) الْمَوْت. وَقَالَ غَيْرُهُ يَتَنَازَعُوْنَ (الطور:۲٤) يَتَعَاطَوْنَ.

اور قتادہ نے کہا: مَسْطُوْرٍ کے معنی ہیں لکھی ہوئی۔ اور مجاہد نے کہا: طُوْر سریانی میں پہاڑ کو کہتے ہیں۔ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ کے معنی ہیں کھلا ہوا ورق۔ اور السَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ سے مراد آسمان ہے۔ الْمَسْجُوْرِ کے معنی ہیں جس کے نیچے آگ سلگائی گئی۔ اور حسن نے کہا: (مَسْجُوْر کے یہ معنی ہیں کہ) اسے آگ سے اتنا گرم کیا گیا ہو کہ اس کا پانی سوکھ جائے اور اس میں ایک قطرہ بھی نہ رہے۔ اور مجاہد نے کہا: اَلَتْنٰهُمْ کے معنی ہیں ہم نے اُن سے کمی کی۔ اور (مجاہد کے سوا) اوروں نے کہا: تَمُوْرُ کے معنی ہیں چکر کھائے گا۔ اَحْلَامُهُمْ ان کی عقلیں۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا: الْبَرُّ کے معنی ہیں مہربان۔ کِسْفًا یعنی ٹکڑا۔ الْمَنُوْنِ کے معنی ہیں موت۔ اور (حضرت ابن عباسؓ کے سوا) اوروں نے کہا: يَتَنَازَعُوْنَ کے معنی ہیں ایک دوسرے سے لیں گے۔

تشریح: حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اس سورت کا آغاز بھی آسمانی گواہیوں سے کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے تو طُور کی گواہی ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان سے بہت بلند تر رسول یعنی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر دی گئی تھی۔ پھر ایک ایسی لکھی ہوئی کتاب کی قسم کھائی گئی ہے جو چمڑے کے کھلے صحیفوں پر لکھی ہوئی ہے۔ چونکہ پرانے زمانہ میں چمڑے پر لکھنے کا رواج تھا اس لئے وہ کتاب چمڑے کے صحیفوں پر لکھی ہوئی بتائی گئی ہے۔ اور اس کتاب میں ہی بیت اللہ کی پیشگوئی موجود ہے جو متقیوں اور روحانیت سے معمور ہوگا۔ اور ایک دفعہ پھر اونچی چھت

والے آسمان کو گواہ ٹھہرایا گیا اور جوش مارتے ہوئے سمندر کو بھی جن دونوں کے مابین پانی مسخر کر دیا گیا ہے اور وہ زندگی کا سہارا بنتا ہے۔

ان تمام آسمانی گواہیوں کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ یہ انذار فرماتا ہے کہ جس دن آسمان سخت لرزہ کھائے گا اور پہاڑوں جیسی بڑی بڑی دنیاوی طاقتیں اکھیڑ پھینکی جائیں گی اور سب دنیا میں پراگندہ ہو جائیں گی، اُس دن تکذیب کرنے والوں کے لئے دنیا ہی میں بہت بڑی ہلاکت ہو گی۔"

(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تعارف سورۃ الطور، صفحہ ۹۵۱)

رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ کے معنی ہیں کھلا ہوا ورق۔ فرمایا: فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ○ (الطور: ۴) یعنی (جو) کھلے ہوئے کاغذوں پر (لکھی گئی ہے۔) (ترجمہ تفسیر صغیر)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"کھلے ہوئے کاغذوں سے مراد یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے عمل کے مطابق جزدانوں میں رکھنے کے لئے نہیں۔ بلکہ سچا مسلمان اسے اس لئے گھر میں رکھتا ہے کہ ہر وقت پڑھتا رہے اور وہ ہر وقت کھلی رہے۔" (تفسیر صغیر، سورۂ طور، حاشیہ آیت ۴)

وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ: امام بخاری نے سَقْفٌ کے معنی سَمَاءٌ کئے ہیں۔ سَمَاءٌ بلندی کے علاوہ چھت کے معنوں میں بھی لغت میں بیان ہوا ہے۔ (اقرب الموارد - سقف)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"ہمیشہ بلند رہنے والی چھت سے بھی خانہ کعبہ مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس کی عزت خدا تعالیٰ ہمیشہ قائم رکھے گا۔" (تفسیر صغیر، سورۂ طور، حاشیہ آیت ۶)

الْمَسْجُوْرِ - الْمُوقَدُ: یعنی جس کے نیچے آگ سلگائی جائے۔ سجر کے بنیادی معنی میں جوش اور بھڑکنے کا مفہوم ہے۔ نیز مَسْجُوْر میں آگ سلگانے کے معنی بھی ہیں اور الْبَحْر کے قرینہ کی وجہ سے جوش مارنے والے سمندر کے معنی بھی لئے گئے ہیں۔ (مقاييس اللغة - سجر) آیت کریمہ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ○ (الطور: ۷) کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"قرآن کریم سمندر کو علوم روحانیہ کا نشان قرار دیتا ہے۔ پس جوش مارنے والے سمندر سے مراد علوم قرآنی ہیں جو ہمیشہ ظاہر ہوتے رہیں گے اور اسلام کی صداقت ثابت کرتے رہیں گے۔" (تفسیر صغیر، سورۂ طور، حاشیہ آیت ۷)

باب ۱

٤٨٥٣ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ نَوْفَلٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ زَيْنَبَ ابْنَةِ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ شَكَوْتُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنِّي أَشْتَكِي فَقَالَ طُوفِي مِنْ وَرَاءِ النَّاسِ وَأَنْتِ رَاكِبَةٌ فَطُفْتُ وَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي إِلَى جَنْبِ الْبَيْتِ يَقْرَأُ بِالطُّورِ وَ كِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ○ (الطور:٣)

أطرافه: ٤٦٤، ١٦١٩، ١٦٢٦، ١٦٣٣-

۴۸۵۳: عبد اللہ بن یوسف (تنیسی) نے ہم سے بیان کیا کہ مالک نے ہمیں خبر دی۔ انہوں نے محمد بن عبد الرحمٰن بن نوفل سے، محمد بن عبد الرحمٰن نے عروہ (بن زبیر) سے، عروہ نے حضرت زینب بنت ابی سلمہؓ سے، حضرت زینبؓ نے حضرت اُم سلمہؓ سے روایت کی۔ وہ فرماتی تھیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ میں بیمار ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: لوگوں کے پیچھے رہ کر اس حالت میں تم طواف کرو کہ تم سوار ہو۔ چنانچہ میں نے طواف کیا اور رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کے ایک طرف نماز پڑھ رہے تھے۔ آپؐ وَالطُّوْرِ ○ وَ كِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ پڑھ رہے تھے۔

٤٨٥٤ : حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ حَدَّثُونِي عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالطُّورِ فَلَمَّا بَلَغَ هَذِهِ الْآيَةَ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ○ اَمْ

۴۸۵۴: (عبد اللہ بن زبیر) حمیدی نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان (بن عیینہ) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے کہا: لوگوں نے مجھے زہری سے روایت کرتے ہوئے بتایا۔ زہری نے محمد بن جبیر بن مطعم سے، انہوں نے اپنے باپ (حضرت جبیر بن مطعم) رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو مغرب کی نماز میں سورۂ طور پڑھتے سنا۔ جب آپؐ اس آیت پر پہنچے اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ ...[1]

[1] ترجمہ تفسیر صغیر: ”کیا اُن کو بغیر کسی غرض کے پیدا کیا گیا ہے یا وہ خود ہی اپنے خالق ہیں؟ کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے؟ (نہیں!) بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ (خالق ارض و سماء پر) یقین ہی نہیں رکھتے۔ کیا اُن کے پاس تیرے ربّ کے خزانے ہیں؟ یا وہ داروغے ہیں؟“

خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ۝ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ ۝ (الطور: ٣٦-٣٨) كَادَ قَلْبِي أَنْ يَّطِيرَ. قَالَ سُفْيَانُ فَأَمَّا أَنَا فَإِنَّمَا سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ يُحَدِّثُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ أَبِيهِ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالطُّورِ لَمْ أَسْمَعْهُ زَادَ الَّذِي قَالُوا لِي.

(کہا:) تو میرا دل اُڑنے لگا۔ سفیان کہتے تھے: لیکن میں نے تو صرف زہری کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا۔ وہ محمد بن جبیر بن مطعم سے اور محمد بن جبیر اپنے باپ سے روایت کرتے تھے۔ (انہوں نے کہا:) میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کی نماز میں سورۂ طور پڑھتے سنا۔ جو بات انہوں نے مجھے زیادہ بتائی وہ میں نے زُہری سے نہیں سُنی۔

أطرافه: ٧٦٥، ٣٠٥٠، ٤٠٢٣-

تشریح: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ ... بِالطُّورِ: سورۂ طور ابتدائی مکی سورتوں میں سے ہے۔ امام بخاری نے اس باب میں دو روایات بیان کی ہیں جن میں سورۂ طور کے متعلق یہ ذکر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نمازوں میں اس سورۃ کی تلاوت کیا کرتے تھے۔

كَادَ قَلْبِي أَنْ يَّطِيرَ: تو میرا دل اُڑنے لگا۔ قرآن کریم کی تاثیرات کا حضرت جبیر بن مطعمؓ کا یہ ایک واقعہ نہیں۔ بلکہ تاثیرات قرآنی کا دائرہ زمانی و مکانی حدود کو پار کرتا ہر دور میں اعجاز قرآنی کے نمونوں سے بھرا پڑا ہے۔

۵۳- سُوْرَةُ وَالنَّجْمِ

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ذُوْ مِرَّةٍ(النجم:۷) قُوَّةٍ قَابَ قَوْسَيْنِ(النجم:۱۰) حَيْثُ الْوَتَرُ مِنَ الْقَوْسِ. ضِيْزٰى(النجم:۲۳) عَوْجَاءُ وَ اَكْدٰى(النجم:۳۵) قَطَعَ عَطَاءَهُ. رَبُّ الشِّعْرٰى(النجم:۵۰) هُوَ مِرْزَمُ الْجَوْزَاءِ. الَّذِىْ وَفّٰى(النجم:۳۸) وَفّٰى مَا فُرِضَ عَلَيْهِ. اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ (النجم:۵۸) اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ. سٰمِدُوْنَ(النجم:۶۲) الْبَرْطَمَةُ، وَقَالَ عِكْرِمَةُ: يَتَغَنَّوْنَ بِالْحِمْيَرِيَّةِ. وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ: اَفَتُمٰرُوْنَهٗ (النجم:۱۳) أَفَتُجَادِلُونَهُ وَمَنْ قَرَأَ أَفَتَمْرُونَهُ يَعْنِي أَفَتَجْحَدُونَهُ. مَا زَاغَ الْبَصَرُ (النجم:۱۸) بَصَرُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا طَغٰى(النجم:۱۸) وَمَا جَاوَزَ مَا رَأَى. فَتَمَارَوْا(القمر:۳۷) كَذَّبُوا. وَقَالَ الْحَسَنُ: اِذَا هَوٰى(النجم:۲) غَابَ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَغْنٰى وَ اَقْنٰى (النجم:۴۹) أَعْطَى فَأَرْضَى.

اور مجاہد نے کہا: ذُوْ مِرَّةٍ کے معنی ہیں زبردست قوت والا۔ قَابَ قَوْسَيْنِ سے مراد کمان کے دونوں کنارے ہیں جہاں پر چلہ لگا ہوتا ہے۔ ضِيْزٰى کے معنی ہیں ٹیڑھی۔ اَكْدٰى یعنی اُسے دینا موقوف کر دیا۔ رَبُّ الشِّعْرٰى سے مراد مِرْزَمُ الْجَوْزَاءِ (ستارے) کا ربّ ہے۔ الَّذِىْ وَفّٰى کے معنی ہیں کہ وہ جس نے اپنے فرائض کو پورے طور پر ادا کیا۔ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ کے معنی ہیں وہ گھڑی قریب ہوگئی۔ سٰمِدُوْنَ کے معنی ہیں غیظ وغضب میں مشغول۔ اور عکرمہ نے کہا: حمیری زبان میں اس کے معنی ہیں گانے بجانے میں لگے ہوئے ہیں۔ اور ابراہیم (نخعی) نے کہا: اَفَتُمٰرُوْنَهٗ کے معنی ہیں کیا تم اس سے جھگڑتے ہو۔ اور جس نے اس آیت کو یوں پڑھا: أَفَتَمْرُوْنَهُ اس نے اس کے یہ معنی کئے: کیا تم اس کا انکار کرتے ہو۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ ہے جس نے دیکھنے میں غلطی نہیں کی۔ وَمَا طَغٰى کے معنی ہیں جتنا دیکھا اس سے زیادہ بیان نہیں کیا۔ فَتَمَارَوْا کے معنی ہیں انہوں نے جھٹلایا۔ اور حسن (بصری) نے کہا: اِذَا هَوٰى جب وہ ڈوب جائے گا۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا: اَغْنٰى اور اَقْنٰى کے معنی ہیں اس نے اتنا دیا کہ خوش کر دیا۔

تشریح: ذُوْمِرَّةٍ-قُوَّةٍ: مِرَّةٍ کے ایک معنی قوت اور شدت میں مضبوط ہونے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ذُوْمِرَّةٍ فَاسْتَوٰى ○ (النجم: ۷) جس کی قوتیں بار بار ظاہر ہونے والی ہیں اور جو اس وقت اپنی طاقتوں کے اظہار کے لئے اپنے عرش پر مضبوطی سے قائم ہو گیا ہے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

> ”مِرَّۃ کے معنوں کا اصل یہ ہے کہ اسقدر تاگہ کو بٹ چڑھایا جائے اور مروڑا جائے کہ وہ پختہ ہو جائے جیسا کہ یہی معنے صاحب تاج العروس شارح القاموس نے کئے ہیں پھر اس لفظ کو مروڑنے اور بٹ چڑھانے سے منتقل کر کے اس کے نتیجہ کی طرف لے آئے یعنی قوت اور طاقت کی طرف جو بٹ چڑھانے کے بعد پیدا ہوتی ہے کیونکہ جب تاگا کو بٹ چڑھایا جاوے پس یہ ضروری امر ہے کہ بٹ چڑھانے کے بعد اس میں قوت اور طاقت پیدا ہو جائے اور ایک شے قوی متین ہو جائے۔ پھر یہ لفظ عقل کے معنوں کی طرف منتقل کیا گیا ...... کیونکہ عقل بھی ایک طاقت ہے جو بعد محکم کرنے مقدمات اور پختہ کرنے مشاہدات کے پیدا ہوتی ہے۔“

(نور الحق حصہ اول، روحانی خزائن جلد ۸ صفحہ ۱۶۶)

رَبُّ الشِّعْرٰى سے مراد مِرْزَمُ الْجَوْزَاءِ (ستارے) کا ربّ ہے۔ پوری آیت یہ ہے: وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ○ (النجم: ۵۰) اور وہی شعریٰ (ستارے) کا مالک ہے۔ (ترجمہ تفسیر صغیر)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

> ”یہاں شعریٰ سے مراد وہی النجم ہے جسے مشرکوں نے خدا بنا رکھا تھا“

(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تعارف سورۃ النجم، صفحہ ۹۶۰)

الَّذِیْ وَفّٰى: یعنی وہ جس نے اپنے فرائض کو پورے طور پر ادا کیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

> ”نامرد، بزدل، بے وفا جو خدا تعالیٰ سے اخلاص اور وفاداری کا تعلق نہیں رکھتا بلکہ دغا دینے والا ہے وہ کس کام کا ہے۔ اس کی کچھ قدر و قیمت نہیں ہے۔ ساری قیمت اور شرف وفا سے ہوتا ہے۔ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو شرف اور درجہ ملا وہ کس بناء پر ملا؟ قرآن شریف نے فیصلہ کر دیا ہے: اِبْرٰهِيْمَ الَّذِیْ وَفّٰى (النجم: ۳۸) ابرہیم وہ جس نے ہمارے ساتھ وفاداری کی، آگ میں ڈالے گئے مگر انہوں نے اس کو منظور نہ کیا کہ وہ ان کافروں کو کہہ دیتے کہ تمہارے ٹھاکروں کی پوجا کرتا

ہوں۔ خدا تعالیٰ کے لیے ہر تکلیف اور مصیبت کو برداشت کرنے پر آمادہ ہو گئے۔
خدا تعالیٰ نے کہا کہ اپنی بیوی کو بے آب و دانہ جنگل میں چھوڑ آ۔ انہوں نے فی الفور
اس کو قبول کر لیا۔ ہر ایک ابتلا کو انہوں نے اس طرح پر قبول کر لیا کہ گویا عاشق اللہ
تھا۔ درمیان میں کوئی نفسانی غرض نہ تھی۔" (ملفوظات جلد سوم صفحہ ۵۱۶)

مَا زَاغَ الْبَصَرُ سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ ہے جس نے دیکھنے میں غلطی نہیں کی۔ وَمَا طَغٰی کے معنی ہیں: جتنا دیکھا اُس سے زیادہ بیان نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ○ (النجم:۱۸) یعنی نہ تو اُس کی آنکھ اس وقت کج ہوئی نہ آگے نکل گئی۔ (ترجمہ تفسیر صغیر) حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"معراج کے دیکھنے میں غلطی کا کوئی امکان نہ تھا۔ وہ ایک بلند شان کشف تھا۔
صرف عام رؤیا یا کشف نہ تھا۔" (تفسیر صغیر، سورۂ نجم، حاشیہ آیت ۱۸)

نیز فرمایا:

"اللہ تعالیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس غیر متزلزل ایمان کے متعلق جو آپ کو عَلٰی وَجْهِ الْبَصِيْرَتْ حاصل تھا قرآن کریم میں فرماتا ہے: مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ○ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی ○ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی ○ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی ○ (النجم:۱۸-۲۱) اے لوگو! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو دیکھا ہے اور دیکھا بھی خوب اچھی طرح ہے۔ اُس طرح نہیں دیکھا جیسے لوگ بعض دفعہ جب کسی چیز کو دیکھتے ہیں تو بینائی کے نقص کی وجہ سے اُس کو صحیح طور پر نہیں دیکھ سکتے یا دُور سے دیکھ لیتے ہیں۔ فرماتا ہے: دیکھنے میں دو نقص ہو جاتے ہیں۔ ایک نقص تو یہ ہوتا ہے کہ انسان کی نظر پوری طرح اُس چیز تک نہیں پہنچتی اور ورے ہی رہ جاتی ہے۔ مثلاً ایک شخص سو گز تک اچھی طرح دیکھ سکتا ہے لیکن چیز ڈیڑھ سَو گز پر پڑی ہے۔ اَب یہ لازمی بات ہے کہ ایسا شخص ڈیڑھ سَو گز سے اُس چیز کو دیکھے گا تو اپنی بینائی کے اِس نقص کی وجہ سے اُسے صحیح طور پر نہیں دیکھ سکے گا۔ لیکن فرماتا ہے: محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہمیں دیکھا تو اُن کی نظر اِدھر اُدھر نہیں چلی گئی بلکہ عین صحیح مقام پر پہنچی۔ زَاغَ کے معنی ہوتے ہیں اِدھر اُدھر ہو جانا یا ورے رہ جانا۔ پس فرماتا ہے: محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہمیں دیکھا تو اُن کی نظر ایسی نہ تھی کہ وہ ورے رہ جاتی۔ اُنہوں نے دیکھا اور خوب اچھی

طرح دیکھا۔ گویا انہوں نے توجّہ سے بھی دیکھا اور اُن کی نظر بھی صحیح طور پر پہنچی۔ ایسا نہیں ہوا کہ اُن کی نگاہ ورے ہی رہ گئی ہو۔

پھر فرماتا ہے: وَمَا طَغٰی۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی قریب کی نظر کمزور ہوتی ہے، دُور کی نظر اچھی ہوتی ہے اِسی وجہ سے دونوں قسم کی عینکیں ہوتی ہیں۔ جن کی قریب کی نظر کمزور ہوتی ہے اُن کو اور قسم کی عینک لگانی پڑتی ہے اور جن کی دُور کی نظر کمزور ہوتی ہے اُن کو اور قسم کی عینک لگانی پڑتی ہے۔ مَیں بھی دُور کی چیز کو اچھی طرح نہیں دیکھ سکتا۔ لوگ یہاں جلسہ گاہ میں بیٹھے ہیں مگر مجھے اُن کی صرف سفید سفید پگڑیاں نظر آتی ہیں شکلیں صحیح طور پر نظر نہیں آتیں لیکن دوسری طرف اگر مَیں عینک لگا کر اپنے نوٹ پڑھنا چاہوں تو نہیں پڑھ سکتا۔ گویا میری قریب کی نظر اچھی ہے دُور کی نظر اچھی نہیں۔ تو دنیا میں لوگوں کی آنکھوں میں دو قسم کے نقص ہوا کرتے ہیں۔ بعض لوگ قریب کی چیز کو اچھی طرح دیکھ لیتے ہیں دُور کی چیز کو اچھی طرح نہیں دیکھ سکتے اور بعض لوگ دُور کی چیز کو اچھی طرح دیکھ لیتے ہیں قریب کی چیز کو اچھی طرح نہیں دیکھ سکتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَا زَاغَ الْبَصَرُ۔ محمد رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے جب ہمیں دیکھا اُن کی نظر کا فوکس بالکل اُسی جگہ پر تھا جہاں اُس کو پہنچنا چاہئے تھا۔ نہ اُس مقام کے لحاظ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شارٹ سائیٹڈ تھے اور نہ لانگ سائیٹڈ تھے۔ یعنی نہ تو ہم اتنے دُور تھے کہ اُن کی نظر قریب ہی رہ جاتی اور ہم دُور رہتے اور نہ ہم اتنے قریب تھے کہ اُن کی نظر دُور نکل جاتی اور ہم پیچھے رہ جاتے۔ گویا نہ تو محمد رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی نظر ورے رہ گئی اور ہم پرے رہ گئے۔ کیونکہ آپ ایسے نہ تھے کہ آپ صرف قریب کی چیز کو دیکھ سکیں دُور کی چیز کو نہ دیکھ سکیں۔ اور نہ ایسا ہوا کہ ہم درے رہ گئے ہوں اور اُن کی نظر پرے چلی گئی ہو۔ گویا نہ آپؐ شارٹ سائیٹڈ تھے اور نہ لانگ سائیٹڈ تھے۔ یہ دونوں نقص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں نہ تھے۔“

(اسوۂ حسنہ، انوار العلوم جلد ۱۷ صفحہ ۸۰-۸۱)

اِذَا هَوٰى - غَابَ: یعنی جب وہ ڈوب جائے گا۔ فرماتا ہے: وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ○ (النجم: ۲)[1]

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”قسم ہے ستارے کی جب وہ گر جائے گا۔“

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ فرماتے ہیں:

"اس سورت کا نام النَّجْمِ ہے اور پہلی سورت کے آخر پر بھی اِدْبَارَ النُّجُوْمِ کا ذکر ہے۔ اس کے بعد مضمون کو مشرکوں کی طرف پھیرا گیا ہے۔ اور وہ ستارہ جس کی مشرک عبادت کیا کرتے تھے اس کے گر جانے کی پیشگوئی فرمائی گئی ہے۔"

(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تعارف سورۃ النجم، صفحہ ۹۵۹)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ○ (النجم:۲) کا بھی یہی مطلب ہے۔ جب کبھی خدا تعالیٰ کا کوئی نشان زمین پر ظاہر ہونے والا ہوتا ہے تو اس سے پہلے آسمان پر کچھ آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے مفسّر اور اہل کشف بھی یہی بیان کرتے ہیں اور قرآن شریف میں بھی یہی لکھا ہے۔ مجھے ایک خط آیا تھا کہ ایک ستارہ ٹوٹا جس سے بہت روشنی ہوگئی اور پھر ایسی خطرناک آواز آئی کہ لوگ دہشت ناک ہوگئے اور بڑا خوف ہوا۔ اور پھر نہیں معلوم کہ آئندہ ابھی کیا کیا ہونے والا ہے۔ آئے دن نئے نئے حوادث ہوتے رہتے ہیں۔ کوئی سال ایسا نہیں گذرتا جس میں کوئی نہ کوئی حادثہ واقع نہ ہو۔ ستاروں کا ٹوٹنا ظاہر کرتا ہے کہ زمین پر بھی اب کچھ نشانات ظاہر ہونے والے ہیں۔ اور پھر خدا تعالیٰ نے بھی مجھ پر ظاہر کیا ہے کہ میں بہت سے عجیب نشان ظاہر کروں گا، کچھ اوّل میں اور کچھ آخر میں۔ زلزلہ کی خبر بھی اس نے دی ہے۔ گذشتہ کی نسبت زیادہ سخت طاعون پڑنے کی بھی اطلاع دی ہے۔ معلوم نہیں کہ اس سال وہ خطرناک طاعون پڑے گی یا آئندہ سال میں، مگر وہ خطرناک بہت ہوگی۔" (ملفوظات جلد پنجم صفحہ ۲۸۱)

باب ۱

٤٨٥٥: حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ عَنْ عَامِرٍ عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ قُلْتُ لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا يَا أُمَّتَاهُ هَلْ رَأَى

۴۸۵۵: یحییٰ (بن موسیٰ) نے ہم سے بیان کیا کہ وکیع نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے اسماعیل بن ابی خالد سے، اسماعیل نے عامر (شعبی) سے، عامر نے مسروق سے روایت کرتے ہوئے بتایا۔ انہوں نے کہا: میں

مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَبَّهُ فَقَالَتْ لَقَدْ قَفَّ شَعَرِي مِمَّا قُلْتَ أَيْنَ أَنْتَ مِنْ ثَلَاثٍ مَنْ حَدَّثَكَهُنَّ فَقَدْ كَذَبَ مَنْ حَدَّثَكَ أَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَبَّهُ فَقَدْ كَذَبَ ثُمَّ قَرَأَتْ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَ هُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَ هُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ○ (الأنعام:۱۰۴) وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ ○ (الشورى:۵۲) وَمَنْ حَدَّثَكَ أَنَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ فَقَدْ كَذَبَ ثُم قَرَأَتْ {وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا (لقمان:۳۵) وَمَنْ حَدَّثَكَ إِنَّهُ كَتَمَ فَقَدْ كَذَبَ ثُمَّ قَرَأَتْ [۱]} يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ (المائدة:۶۸) الْآيَةَ وَلٰكِنْ رَأَى جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي صُورَتِهِ مَرَّتَيْنِ.

نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: اُم المؤمنین کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ربّ کو دیکھا تھا؟ انہوں نے فرمایا: جو تم نے پوچھا ہے اس سے تو میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے ہیں، تم تین باتوں میں کہاں چلے جاتے ہو۔ جس نے تم سے یہ باتیں بیان کیں اس نے یقیناً جھوٹ بولا۔ جس نے تم سے یہ بیان کیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ربّ کو دیکھا اس نے یقیناً جھوٹ بولا۔ پھر یہ آیتیں پڑھیں: لَا تُدْرِكُهُ ... یعنی نظریں اس تک نہیں پہنچ سکتیں، لیکن وہ نظروں تک پہنچتا ہے۔ اور وہ مہربانی کرنے والا (اور) حقیقت پر آگاہ ہے۔ وَمَا كَانَ ... یعنی اور کسی انسان کی طاقت نہیں کہ اللہ اس سے بات کرے مگر یہ کہ وحی سے یا پردہ کے پیچھے سے۔ اور جس نے تم سے یہ بیان کیا کہ آپؐ جانتے تھے کہ کل کیا ہوگا تو اس نے یقیناً جھوٹ بولا۔ یہ کہہ کر حضرت عائشہؓ نے یہ آیت پڑھی: وَمَا تَدْرِيْ... یعنی اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ کل وہ کیا عمل کرے گا۔ اور جس نے تم سے یہ بیان کیا کہ آپؐ نے (وحی سے) کچھ چھپایا ہے تو اُس نے یقیناً جھوٹ بولا۔ یہ کہہ کر حضرت عائشہؓ نے یہ آیت پڑھی: يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ ... یعنی اے رسول! جو بھی تیری طرف تیرے ربّ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کو اچھی طرح پہنچا دے۔ البتہ آپؐ نے جبرائیل علیہ السلام کو ان کی اپنی صورت میں دو دفعہ دیکھا۔

أطرافه: ۳۲۳۴، ۳۲۳۵، ۴۶۱۲، ۷۳۸۰، ۷۳۱۔

[۱] یہ الفاظ عمدۃ القاری کے مطابق ہیں۔ (عمدۃ القاری جزء ۱۹ صفحہ ۱۹۸) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

تشریح: مَا زَاغَ الۡبَصَرُ وَ مَا طَغٰی: روایت زیر باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رؤیت جسمانی کا عقیدہ رکھنے والوں کی اصلاح فرماتے ہوئے بیان کیا ہے کہ جس نے تم سے یہ کہا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ربّ کو دیکھا اس نے یقیناً غلط کہا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس امر کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے۔ آپؓ نے فرمایا: آیت کریمہ مَا كَذَبَ الۡفُؤَادُ مَا رَاٰی ○(النجم:۱۲) سے مراد یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے دل کی آنکھ سے دیکھا۔[۱]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مکاشفہ کے متعلق سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”ہمارا ایمان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوا تھا۔ مگر اس میں جو بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ وہ صرف ایک معمولی خواب تھا، سو یہ عقیدہ غلط ہے۔ اور جن لوگوں کا عقیدہ ہے کہ معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی جسد عنصری کے ساتھ آسمان پر چلے گئے تھے، سو یہ عقیدہ بھی غلط ہے۔ بلکہ اصل بات اور صحیح عقیدہ یہ ہے کہ معراج کشفی رنگ میں ایک نورانی وجود کے ساتھ ہوا تھا۔ وہ ایک وجود تھا مگر نورانی اور ایک بیداری تھی مگر کشفی اور نورانی جس کو اس دنیا کے لوگ نہیں سمجھ سکتے مگر وہی جن پر وہ کیفیت طاری ہوئی ہو۔ ورنہ ظاہری جسم اور ظاہری بیداری کے ساتھ آسمان پر جانے کے واسطے تو خود یہودیوں نے معجزہ طلب کیا تھا جس کے جواب میں قرآن شریف میں کہا گیا تھا: قُلۡ سُبۡحَانَ رَبِّیۡ هَلۡ كُنۡتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوۡلًا(بنی اسرائیل:۹۴) کہہ دے میرا ربّ پاک ہے میں تو ایک انسان رسول ہوں۔ انسان اس طرح اُڑ کر کبھی آسمان پر نہیں جاتے۔ یہی سنّت اللہ قدیم سے جاری ہے۔“ (ملفوظات جلد ۴ صفحہ ۶۴۶)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”دیکھو! یہ کتنا کامل نقشہ محمد رسول اللہ ﷺ کی رؤیت کا کھینچا گیا ہے کہ نہ تو جب محمد رسول اللہ ﷺ نے خدا تعالیٰ کو دیکھا اُس وقت ایسی حالت تھی کہ خدا تعالیٰ بہت دُور تھا اور محمد رسول اللہ ﷺ کی نظر اتنی دُور نہ دیکھ سکتی ہو۔ اور جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دیکھا تو یہ بھی نہیں تھا کہ ہم اتنے قریب ہوتے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر دُور چلی جاتی۔ ہم وہیں کھڑے تھے جہاں

---

[۱] (صحیح مسلم، کتاب الإیمان، بَابُ مَعۡنَی قَوۡلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ وَ لَقَدۡ رَاٰهُ نَزۡلَةً اُخۡرٰی)

کھڑے ہو کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں پوری طرح دیکھ سکتے تھے۔“

(اسوۂ حسنہ، انوار العلوم جلد۱۷ صفحہ ۸۱)

ایک اور موقع پر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:

”خلاصہ کلام یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج تین قسم پر منقسم ہے۔ سیر مکانی[۱] اور سیر زمانی[۲] اور سیر لا مکانی[۳] و لا زمانی۔ سیر مکانی میں اشارہ ہے طرف غلبہ اور فتوحات پر۔ یعنی یہ اشارہ کہ اسلامی ملک مکّہ سے بیت المقدس تک پھیلے گا۔ اور سیر زمانی میں اشارہ ہے طرف تعلیمات اور تاثیرات کے۔ یعنی یہ کہ مسیح موعود کا زمانہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاثیرات سے تربیت یافتہ ہو گا، جیسا کہ قرآن شریف میں فرمایا ہے: وَّ اٰخَرِیۡنَ مِنۡہُمۡ لَمَّا یَلۡحَقُوۡا بِہِمۡ (الجمعۃ:۴)۔ اور سیر لامکانی و لا زمانی میں اشارہ ہے طرف اعلیٰ درجہ کے قرب اللہ اور مدانات کی، جس پر دائرہ امکانِ قرب کا ختم ہے۔“

(خطبہ الہامیہ، روحانی خزائن جلد۱۶ حاشیہ صفحہ ۲۶)

بَاب فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ○ (النجم:۱۰)

(یہ فرمانا:) اور وہ دونوں دو کمانوں کے متحدہ وتر کی شکل میں تبدیل ہو گئے اور ہوتے ہوتے اس سے بھی زیادہ قرب کی صورت اختیار کرلی

حَيْثُ الْوَتَرُ مِنَ الْقَوْسِ.

(اتنا قریب ہو گیا) جتنا کمان سے چلہ ہوتا ہے۔

٤٨٥٦: حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ حَدَّثَنَا الشَّيْبَانِيُّ قَالَ سَمِعْتُ زِرًّا عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ○ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ○ (النجم: ۱۰، ۱۱) قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ مَسْعُودٍ أَنَّهُ رَأَى جِبْرِيلَ لَهُ سِتُّ

۴۸۵۶: ابونعمان نے ہم سے بیان کیا کہ عبد الواحد (بن زیاد) نے ہمیں بتایا۔ (سلیمان) شیبانی نے ہم سے بیان کیا، کہا: میں نے زر (بن حبیش) سے سنا۔ زر نے حضرت عبد اللہ (بن مسعودؓ) سے فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ○ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى۔[۱] (کے متعلق) روایت کرتے ہوئے

---

[۱] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”پس وہ دو قوسوں کے وتر کی طرح ہو گیا یا اس سے بھی قریب تر۔ پس اس نے اپنے بندے کی طرف وہ وحی کیا جو بھی وحی کیا۔“

مِائَةِ جَنَاحٍ. کہا: ہم سے حضرت ابن مسعودؓ نے یہ بیان کیا کہ آپؐ نے جبرائیلؑ کو دیکھا، ان کے چھ سو پنکھ تھے۔

أطرافه: ۳۲۳۲، ۴۸۵۷۔

تشریح: فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنٰى: اور وہ دونوں دو کمانوں کے متحدہ وتر کی شکل میں تبدیل ہو گئے اور ہوتے ہوتے اس سے بھی زیادہ قرب کی صورت اختیار کرلی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”عرب کا دستور تھا۔ جب دو آدمی باہم اتحاد پیدا کرتے اور معاہدہ کر لیتے تو دونوں اپنی اپنی کمانیں اس طرح ملاتے کہ ایک کمان کی لکڑی دوسری کی کمان کی لکڑی سے ابتداء تا انتہاء ایک سرے سے دوسرے سرے تک ملائی جاتی اور ایک کمان کی تار دوسری کمان کی تار سے ملائی جاتی۔ تب دونوں قوسوں کے دو قاب ایک قاب کی شکل دکھلائی دیتی۔ پھر دو کمانوں کو اس طرح ملا کر دونوں معاہدہ کنندے ایک تیر ان دونوں کمانوں، مگر اب ایک ہو گئی ہوئی کمان میں رکھ کر چھوڑتے۔ اور یہ رسم عرب کی اس امر کا نشان ہوتا تھا کہ اس وقت کے بعد ایک کمان والے کا دوست دوسرے کمان والے کا دوست ہو گا اور ایک کا دشمن دوسرے کا دشمن قرار پائے گا۔ اسی طرح انبیاء اور رسولوں کی پاک ذات کا خاصہ اور ان کی فطرت ہوتی ہے کہ وہ پاک گروہ اور ان کے اتباع، مگر گرویدہ اتباع اَلْحُبُّ لِلّٰهِ وَ الْبُغْضُ فِي اللّٰهِ میں منفرد ہوتے ہیں۔ اپنے ہر ایک اعتقاد اور قول اور فعل میں حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی رضامندی کو مقدّم رکھتے ہیں۔ اس کے بلائے سے بولتے اور اسی کے چلائے سے چلتے ہیں۔ ان کا رحم اور ان کا غضب اللہ تعالیٰ کا رحم اور اللہ تعالیٰ کا غضب ہوتا ہے۔ ایسی وحدت و اتحاد کا باعث ان کے ہاتھ پر بیعت اور اقرار اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر بیعت اور اسی سے اقرار ہوتا ہے اور اسی اتحاد کا بیان آیاتِ ذیل میں ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (الفتح:۱۱)[1]

---

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”یقیناً وہ لوگ جو تیری بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی کی بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ ہے جو اُن کے ہاتھ پر ہے۔“

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ(النساء:۸۱)[۱] وَ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى(الانفال:۱۸)[۲]" (حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۲۷، ۲۸)

حضرت سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی نوع انسان کے لئے شفیع قرار دیئے گئے ہیں جو کامل اور اَبدی واسطۂ اتصال ہیں ان کے اور معبودِ حقیقی کے درمیان۔ ان آیات کا سیاقِ کلام کامل ارتقاء اور معراج ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوا۔ جس کے معنی ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اوّل و آخر، آغاز و انجام، دنیا و آخرت اور آپؐ کی شان عظمت مآب خارق عادت اور حیرت انگیز ہے۔"

(صحیح بخاری ترجمہ و شرح، کتاب بدء الخلق، باب اِذَا قَالَ اَحَدُكُمْ آمِيْن، جلد ۶ صفحہ ۶۸)

بَاب فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ○(النجم: ۱۱)

پس اس نے اپنے بندے کی طرف وہی وحی نازل کی جس کا وہ فیصلہ کر چکا تھا

٤٨٥٧: حَدَّثَنَا طَلْقُ بْنُ غَنَّامٍ حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ قَالَ سَأَلْتُ زِرًّا عَنْ قَوْلِهِ تَعَالَى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ○ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ○ (النجم: ۱۰، ۱۱) قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَنَّهُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى جِبْرِيلَ لَهُ سِتُّ مِائَةِ جَنَاحٍ.

أطرافه: ۳۲۳۲، ٤٨٥٦۔

۴۸۵۷: طلق بن غنام نے ہم سے بیان کیا کہ زائدہ (بن قدامہ کوفی) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے (سلیمان) شیبانی سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں نے زر سے اللہ تعالیٰ کے اس قول فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ○ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ○[۳] کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا: ہمیں حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) نے بتایا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرائیلؑ کو دیکھا، ان کے چھ سو پنکھ تھے۔

[۱] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: "جو اِس رسول کی پیروی کرے تو اُس نے اللہ کی پیروی کی۔"

[۲] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: "اور (اے محمد!) جب تُو نے (ان کی طرف کنکر) پھینکے تو تُو نے نہیں پھینکے بلکہ اللہ ہے جس نے پھینکے۔"

[۳] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: "پس وہ دو قوسوں کے وتر کی طرح ہو گیا یا اس سے بھی قریب تر۔ پس اس نے اپنے بندے کی طرف وہ وحی کیا جو بھی وحی کیا۔"

بَاب لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی ۝ (النجم: ۱۹)

(یہ فرمانا:) اس وقت اس نے اپنے ربّ کی بڑی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی دیکھی

٤٨٥٨ : حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی ۝ (النجم: ۱۹) قَالَ رَأَى رَفْرَفًا أَخْضَرَ قَدْ سَدَّ الْأُفُقَ.

۴۸۵۸: قبیصہ (بن عقبہ) نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان (ثوری) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے اعمش سے، اعمش نے ابراہیم (نخعی) سے، ابراہیم نے علقمہ سے، علقمہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی (کہ آیت) لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی (کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے) کہا: آپؐ نے ایک سبز فرش دیکھا کہ جس نے افق کو ڈھانپ لیا ہوا تھا۔

طرفہ: ۳۲۳۳۔

تشریح: لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی: یعنی اُس وقت اس نے اپنے ربّ کی بڑی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی دیکھی۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ظاہر کو نہیں دیکھا بلکہ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی اُس نے اپنے ربّ کے بڑے بڑے نشانات کو دیکھا۔ ایک رؤیت ایسی ہوتی ہے جس میں دشمن بھی شریک ہوتا ہے۔ جیسے ایک چور بھی جج کو دیکھتا ہے اور اُس کے بیوی بچے بھی اُس کو دیکھتے ہیں۔ لیکن فرماتا ہے: ہمیں جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو ہم اُس سے ایک محبت کرنے والے دوست کی طرح ملے اور اُس نے ہمارے بڑے بڑے نشانات دیکھے۔" (اسوۂ حسنہ، انوار العلوم، جلد ۱۷ صفحہ ۸۱-۸۲)

حضرت سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"امام بخاری کا اس تصرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیت مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ۝ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی ۝ (النجم: ۱۸، ۱۹) کی نوعیت دکھلانا مقصود ہے کہ وہ نزدیک و دور کے واقعات و حادثات پر حاوی ہے۔ انہی واقعات کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ ۝ وَمَا هُوَ

عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ○ (التکویر:۲۴،۲۵) اور اس نے اس (غیب) کو یقیناً کھلے اُفق میں دیکھا ہے۔ اور وہ غیب کی خبریں بتانے میں ہرگز بخیل نہیں۔

یہ ظاہر ہے کہ بلند مقام پر کھڑے ہو کر دیکھنے والے کو دور و نزدیک کی چیزیں صاف نظر آتی ہیں۔ اور جس بلند ترین مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مشاہدہ کرایا گیا ہے، وہی اُفق مبین والی رؤیت ہے۔ اور سورۃ النجم میں آپ کی رؤیت اُفق اعلیٰ والی بتائی گئی ہے۔ یعنی نہایت ہی بلند شان۔ اور اس کا زمانہ قیامت تک ممتد ہے۔"

(صحیح بخاری ترجمہ و شرح، کتاب بدء الخلق، باب إِذَا قَالَ أَحَدُكُمْ آمِيْنَ، جلد۶ صفحہ ۷۰)

بَاب ۲ : اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ○ (النجم: ۲۰)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) کیا تم نے لات اور عزیٰ کو دیکھا

٤٨٥٩ : حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَشْهَبِ حَدَّثَنَا أَبُو الْجَوْزَاءِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فِي قَوْلِهِ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى (النجم: ۲۰) كَانَ اللَّاتُ رَجُلًا يَلُتُّ سَوِيقَ الْحَاجِّ.

۴۸۵۹: مسلم بن ابراہیم (فراہیدی) نے ہم سے بیان کیا کہ ابوالاشہب (جعفر بن حیان) نے ہمیں بتایا۔ ابوالجوزاء (اوس بن عبد اللہ) نے ہم سے بیان کیا کہ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے اس قول اللّٰتَ وَالْعُزّٰى کے متعلق روایت کی۔ (انہوں نے بتایا:) لات ایک شخص تھا جو حاجیوں کے ستو گھولا کرتا تھا۔

٤٨٦٠ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ فَقَالَ فِي حَلِفِهِ وَاللَّاتِ وَالْعُزَّى فَلْيَقُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَمَنْ

۴۸۶۰: عبد اللہ بن محمد (مسندی) نے ہم سے بیان کیا کہ ہشام بن یوسف نے ہمیں خبر دی۔ معمر نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے زُہری سے، زُہری نے حُمید بن عبدالرحمٰن سے، حمید نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے قسم کھائی اور اپنی قسم میں یوں کہا: لات اور عزیٰ کی قسم ہے، تو چاہیئے کہ وہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ کا (دوبارہ) اقرار

قَالَ لِصَاحِبِهِ تَعَالَ أُقَامِرْكَ فَلْيَتَصَدَّقْ.

أطرافه: ٦١٠٧، ٦٣٠١، ٦٦٥٠-

کرے اور جس نے اپنے ساتھی سے کہا: آؤ میں تم سے جُوا کھیلتا ہوں تو چاہیے کہ وہ صدقہ دے۔

بَاب ٣: وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرٰى (النجم: ٢١)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) ایک اور مناۃ ہے تیسری

٤٨٦١: حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ سَمِعْتُ عُرْوَةَ قُلْتُ لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فَقَالَتْ إِنَّمَا كَانَ مَنْ أَهَلَّ لِمَنَاةَ الطَّاغِيَةِ الَّتِي بِالْمُشَلَّلِ لَا يَطُوفُونَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالَى: إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ (البقرة: ١٥٩) فَطَافَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُسْلِمُونَ قَالَ سُفْيَانُ مَنَاةُ بِالْمُشَلَّلِ مِنْ قُدَيْدٍ. وَقَالَ عَبْدُالرَّحْمَنِ بْنُ خَالِدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ عُرْوَةُ قَالَتْ عَائِشَةُ نَزَلَتْ فِي الْأَنْصَارِ كَانُوا هُمْ وَغَسَّانُ قَبْلَ أَنْ يُسْلِمُوا يُهِلُّونَ لِمَنَاةَ مِثْلَهُ. وَقَالَ مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ مِمَّنْ كَانَ يُهِلُّ لِمَنَاةَ وَمَنَاةُ صَنَمٌ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ

۴۸۶۱: (عبد اللہ بن زبیر) حمیدی نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان (بن عیینہ) نے ہمیں بتایا۔ زہری نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے عروہ سے سنا۔ (وہ کہتے تھے:) میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا۔ انہوں نے بتایا: صرف یہی ہوا کرتا تھا کہ جو اس مناۃ کی مورتی کے نام پر لبیک پکارتے جو کہ مشلل میں تھی تو وہ صفا اور مروہ کے درمیان طواف نہیں کیا کرتے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: صفا ومروہ بھی اللہ کے نشانات میں سے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور مسلمانوں نے (صفا ومروہ میں) طواف کیا۔ سفیان نے کہا کہ مناۃ اسی مشلل میں تھی جو قُدَیْد میں ہے۔ اور عبد الرحمٰن بن خالد نے ابن شہاب سے روایت کرتے ہوئے کہا۔ عروہ نے کہا: حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں۔ یہ آیت انصار کے متعلق نازل ہوئی۔ وہ اور غسان مسلمان ہونے سے پہلے مناۃ کے نام پر لبیک پکارا کرتے تھے۔ پھر انہوں نے ویسے ہی حدیث بیان کی۔ اور معمر نے زُہری سے روایت کرتے ہوئے کہا۔ زُہری نے عروہ سے، عروہ نے حضرت عائشہؓ سے یوں نقل کیا کہ انصار میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جو مناۃ کے نام پر لبیک

قَالُوا يَا نَبِيَّ اللهِ كُنَّا لَا نَطُوفُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ تَعْظِيمًا لِمَنَاةَ نَحْوَهُ.

پکارا کرتے تھے اور مناۃ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک بت تھا۔ انہوں نے کہا: اللہ کے نبی! ہم مناۃ کی عظمت کی وجہ سے صفا اور مروہ کے درمیان طواف نہیں کیا کرتے تھے۔ (معمر نے) پھر اسی طرح بیان کیا (جیسے سفیان نے بیان کیا۔)

أطرافهٔ: ۱٦٤۳، ۱۷۹۰، ٤٤۹٥۔

تشریح: **اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَ الْعُزّٰى**: حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ لات نام کا ایک آدمی تھا جو حجاج کے لئے ستو گھولا کرتا تھا۔ مجاہد نے بیان کیا ہے کہ یہ آدمی زمانہ جاہلیت میں طائف کی ایک چٹان پر بیٹھا ہوتا اور طائف کی کشمش اور پنیر سے ایک حلوہ بنا کر لوگوں کو کھلاتا۔ ابن کلبی نے اس کا نام صرمہ بن غنم نقل کیا ہے۔ جب یہ فوت ہو گیا تو لوگوں نے اس کا بُت بنا کر اس کی عبادت شروع کر دی۔ اس بُت کو حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے اُس وقت منہدم کیا جب طائف کے قبیلہ ثقیف نے اسلام قبول کیا۔ دوسرا بُت عزیٰ تھا۔ یہ وادیٔ نخلہ میں عبادت کے لئے بنایا گیا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے فتح مکہ کے سال اس بت کو توڑا۔ تیسرا بت مناۃ تھا جو لات سے بھی پہلے کا تھا۔ اس کو حضرت علیؓ نے فتح مکہ کے سال توڑا۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۷۷۸، ۷۷۹)

حضرت سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ کی قدرت نمائی کا جو مشاہدہ عربوں کو کرایا گیا، اس سے صنم پرستی سے اُن کے دل بیزار ہو چکے تھے۔ صرف ایک خیالی ڈر اور وہم تھا جس کا بت شکنی سے قلع قمع کیا گیا۔ اسلام مذہب کی آزادی کا حامی ہے اور کسی کے دین میں دخل دینا یا زبردستی سے اپنا عقیدہ منوانے کے خلاف ہے اور حجت و براہین کا قائل ہے۔ پندرہ بیس سال کی متواتر جدوجہد سے ارض حجاز و عرب کی کایا پلٹ چکی تھی اور حجت، براہین اور الٰہی تجلیات کے مشاہدات سے ذہن و قلب اسلام کو خود قبول کرنے کے لئے مستعد تھے۔ اس لئے مجاہدین کے ہاتھوں سے جو بت توڑے گئے اور مندر مسمار کر دیئے گئے، اس کی نوعیت بالکل اور ہے۔ یہ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ سے بالکل مغایر نہیں۔“

(صحیح بخاری ترجمہ و شرح، کتاب المغازی، باب ٦٠، جلد ۹ صفحہ ۲۱۰)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَ الْعُزّٰى ○ وَ مَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ○ فرماتا ہے یہ تو محمد رسول اللہ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا حال ہے۔ اِس کے مقابلہ میں کُفّار و مشرکین جو کہتے ہیں کہ ہم لات کو خدا مانتے ہیں، ہم عزّٰی کو خدا مانتے ہیں، ہم منات کو خدا مانتے ہیں اُن کی حالت بھی دیکھو۔ فرماتا ہے لات، منات اور عزّٰی تو ایسی چیزیں ہیں جو حواسِ خمسہ سے دیکھی جا سکتی ہیں۔ تم لات، منات اور عزّٰی کو آنکھوں سے دیکھ سکتے ہو، ہاتھوں سے چُھو سکتے ہو ان پر جو تیل وغیرہ تلا جاتا ہے اُس کی خوشبو اپنی ناک سے سُونگھ سکتے ہو، اُن بُتوں کو ٹھکور کر اُن کی آوازیں سُن سکتے ہو، اُنہیں زبان لگا کر چکھ سکتے ہو۔ غرض ہر طرح اِن بُتوں کو دیکھا جا سکتا ہے اور تم دعویٰ بھی کرتے ہو کہ ہم نے اپنے اِن خداؤں یعنی لات، منات اور عزّٰی کو خوب دیکھا ہؤا ہے پھر یہ کیا بات ہے کہ محمد رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی تعلیم کے نتیجہ میں تم لات، منات اور عزّٰی کے تو منکر ہو جاتے ہو جن کو تم اپنے پانچوں حواسوں سے دیکھ رہے ہو اور محمد رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُس خدا کا وجود لوگوں سے منوا لیتے ہیں جسے نہ آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے، نہ ہاتھوں سے چُھؤا جا سکتا ہے، نہ زبان سے چکھا جا سکتا ہے اور نہ اُس کا کلام اِن مادی کانوں سے سنا جا سکتا ہے۔ گویا پانچوں حواسِ ظاہری سے بتوں کو دیکھنے کے باوجود تم میں طاقت نہیں کہ تم محمد رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے ایمان میں خلل ڈال کر دکھا سکو لیکن محمد رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تمہیں باوجود اِن بتوں کو اپنے تمام ظاہری حواس سے دیکھنے کے شُبہ میں ڈال دیتے ہیں اور تمہیں اِن بتوں کی بجائے اُس خدا کی طرف لے جاتے ہیں جسے کوئی بھی اپنے ظاہری حواس سے نہیں دیکھ رہا۔

یہ کتنی زبردست دلیل ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی دلیل اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی کہ دیکھنا تو اُس کا ہوتا ہے جو دیکھنے کے بعد اپنی رؤیت میں کسی قسم کا شک نہ کر سکے مگر مشرکوں کی تو یہ حالت ہے کہ وہ اُن چیزوں کو دیکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں جنہیں ظاہری حواسِ خمسہ سے معلوم کیا جا سکتا ہے، جنہیں ظاہری حواس سے پہچانا جا سکتا ہے مگر باوجود اِس کے کہ وہ اِن چیزوں کو دیکھنے کے مدعی ہیں جو حواسِ خمسہ سے نظر آجاتی ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے سامنے نہیں ٹھہر سکتے۔ انہیں اپنے بتوں کو توڑنا پڑتا ہے، اپنے

عقائد کو بدلنا پڑتا ہے، اپنے خیالات کو تبدیل کرنا پڑتا ہے اور اُس خدا پر ایمان لانا پڑتا ہے جو ظاہری حواس سے نہیں دیکھا جاتا۔ پس فرماتا ہے اے مشرکو! تمہیں حواسِ خمسہ سے محسوس کرنے کے باوجود بتوں کے وجود میں شُبہ ڈالا جا سکتا ہے لیکن حواسِ خمسہ سے بالا وجودِ الٰہی کے بارہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شُبہ میں نہیں ڈالا جا سکتا۔ اِس تقابل سے صاف ظاہر ہے کہ تم نے اپنے بتوں کو دیکھتے ہوئے نہیں دیکھا لیکن محمد رسول اللہ ﷺ نے اُسے دیکھا جسے اور لوگ نہیں دیکھ سکتے۔ پھر تمہیں تو حواسِ خمسہ سے دیکھنے کے باوجود دھوکا لگ گیا لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حواسِ خمسہ سے بالا وجودِ الٰہی کے دیکھنے میں کوئی دھوکا نہ لگا اور وہ ساری دنیا کو اُسی خدا کی طرف کھینچ کر لے گیا۔

یہی وہ مقام ہے جس کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی ایک جگہ تحریر فرمایا ہے کہ ”جیسا کہ آفتاب اور اُس کی روشنی کو دیکھ کر کوئی شک نہیں کر سکتا کہ یہ آفتاب اور یہ اُس کی روشنی ہے ایسا ہی مَیں اُس کلام میں بھی شک نہیں کر سکتا جو خدا تعالیٰ کی طرف سے میرے پر نازل ہوتا ہے۔“ [1] یہ وہی بات ہے جو اِس آیت میں بیان کی گئی ہے کہ مشرک لات، منات اور عُزّٰی کو اپنے حواسِ خمسہ سے دیکھنے کے باوجود اُن کو دیکھنے میں غلطی کر رہے ہیں لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس ہستی کو دیکھ کر غلطی نہیں کر رہا جو اِن حواسِ خمسہ سے نہیں دیکھی جا سکتی۔“ (اسوۂ حسنہ، انوار العلوم جلد ۱۷ صفحہ ۸۲، ۸۳)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”کفار کا یہ بھی اعتراض تھا کہ اس پر شیطان اترتا ہے۔ افسوس ہے کہ مسلمانوں نے اس اعتراض کو اور پکا کر دیا ہے اور کفار کے ہاتھ میں ایک ہتھیار دے دیا ہے۔ وہ اس طرح کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ......... شیطان نے اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ۝ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ۝ کے بعد یہ کلمات آپؐ کی زبان پر جاری کر دیئے کہ وَتِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى، وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى.........۔

---

[1] (تجلیاتِ الٰہیہ، روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۴۱۲)

اس روایت کو اتنے طریقوں سے بیان کیا گیا ہے کہ ابن حجر جیسے آدمی کہتے ہیں کہ اس کی تاویل کی ضرورت ہے۔ گو تاریخی طور پر یہ روایت بالکل غلط ہے اور میں ثابت کر سکتا ہوں کہ یہ محض جھوٹ ہے مگر اس وقت میں کسی تاویل میں نہیں پڑتا۔ میں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ قرآن اس کے متعلق کیا کہتا ہے اور کیا واقعہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا ہوا؟

اس موقع پر میں ایک مسلمان بزرگ کا قول بھی بیان کرتا ہوں جو مجھے بے انتہا پسند ہے۔ میں تو جب بھی یہ قول پڑھتا ہوں ان کیلئے دعا کرتا ہوں۔ یہ بزرگ قاضی عیاض ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: شیطان نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تو کوئی تصرف نہیں کیا البتہ بعض محدثین کے قلم سے شیطان نے یہ روایت لکھوا دی ہے۔ گویا اگر شیطان کا تسلط کسی پر کرانا ہی ہے تو کیوں نہ محدثین پر کرایا جائے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو درمیان میں کیوں لایا جائے۔..............

قرآن کریم نے اس کا جو جواب دیا ہے وہ اسی جگہ موجود ہے جہاں کہتے ہیں کہ شیطان نے آیتیں نازل کیں۔ یعنی تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلَى، وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى کے بعد کہتے ہیں کہ یہ آیات اتریں: اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَ لَهُ الْاُنْثٰى ○ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ○ اِنْ هِيَ اِلَّاۤ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ○ (النجم: ۲۲-۲۴) فرمایا: کیا تم اپنے لئے تو بیٹے قرار دیتے ہو اور خدا کے لئے لات، منات اور عزیٰ بیٹیاں۔ یہ کس قدر بھونڈی تقسیم ہے جو تم نے کی۔ یہ نام تم نے اپنے طور پر رکھ لئے ہیں، خدا کی طرف سے نازل نہیں ہوئے۔ خدا نے تو ان بتوں کے لئے اتارا ہی کچھ نہیں۔

کیا ان آیات کے بعد کوئی شخص ان فقروں کو درمیان میں شامل سمجھ سکتا ہے؟ پس یہ آیات ہی بتا رہی ہیں کہ ان میں وہ فقرے داخل نہیں ہو سکتے۔ آخر کفار عربی تو جانتے تھے۔

اس کے علاوہ مندرجہ ذیل آیتیں بھی اس حصہ کو ردّ کر رہی ہیں۔ فرمایا: وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ○ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ○ (الشعراء: ۲۱۱، ۲۱۲)

یعنی اس میں شیطانی کلام کا اس قدر ردّ ہے کہ اسے شیطان اُتار ہی کس طرح سکتا ہے۔ (۲) پھر اگر شیطان یا اس کے ساتھی اس میں کچھ ملانا چاہیں تو ملا ہی نہیں سکتے۔ کہیں کوئی عبارت کھپ ہی نہیں سکتی۔ جو کچھ ملائیں گے، بے جوڑ ہوگا۔ جیسا کہ یہاں ہوا ہے۔ پھر آگے چل کر فرماتا ہے: هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ○ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ○ يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَ اَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ○ (الشعراء: ۲۲۲-۲۲۴) کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیطان کس طرح اترتے ہیں؟ شیطان کا تعلق ہر افاک اور اثیم کے ساتھ ہوتا ہے۔ یعنی جو بڑا جھوٹ بولنے والا اور گنہگار ہو اس سے شیطان کا تعلق ہوتا ہے۔ مگر محمد رسول اللہ ﷺ کے متعلق تو تم خود کہتے ہو کہ اس سے بڑھ کر سچا اور کوئی نہیں۔ اس کے امین ہونے کے بھی تم قائل ہو۔ پھر اس پر شیطان کا تصرف کس طرح ہو سکتا ہے؟ پھر فرماتا ہے: اِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ (الانعام: ۱۲۲) کہ شیطان تو اپنی وحی شیطانوں کی طرف کرتا ہے تاکہ وہ تم سے جھگڑیں۔ مومنوں کی طرف نہیں کرتا۔

اب دیکھو وہ روایتیں جو بیان کی جاتی ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کیسا خطرناک الزام لگاتی ہیں۔ شیطان تو اپنے دوست کو ہی کہے گا کہ یہ ہتھیار لے جا اور لڑ۔ کسی مسلمان کو وہ اپنے خلاف کس طرح بتائے گا۔

اسی طرح سورہ نحل رکوع ۱۳ میں آتا ہے: اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ○ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ○ (النحل: ۱۰۰، ۱۰۱) یعنی شیطان کا مومنوں پر کوئی تسلط نہیں ہو سکتا جو خدا پر توکل رکھتے ہیں۔ شیطان کی حکومت تو انہی پر ہوتی ہے جو اس کے دوست ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو ساری عمر شرک کا ردّ کرتے رہے۔ ان سے شیطان کا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔"

(فضائل القرآن نمبر ۴، انوار العلوم جلد ۱۲ صفحہ ۴۴۹ تا ۴۵۳)

بَاب ٤: فَاسْجُدُوا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوا ○ (النجم: ٦٢)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) اللہ ہی کو تم سجدہ کرو اور اسی کی عبادت کرو

٤٨٦٢: حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ سَجَدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّجْمِ وَسَجَدَ مَعَهُ الْمُسْلِمُونَ وَالْمُشْرِكُونَ وَالْجِنُّ وَالْإِنْسُ.

تَابَعَهُ ابْنُ طَهْمَانَ عَنْ أَيُّوبَ، وَلَمْ يَذْكُرِ ابْنُ عُلَيَّةَ ابْنَ عَبَّاسٍ.

طرفه: ١٠٧١۔

۴۸۶۲: ابومعمر (عبداللہ بن عمرو) نے ہم سے بیان کیا کہ عبدالوارث (بن سعید) نے ہمیں بتایا۔ ایوب (سختیانی) نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے عکرمہ سے، عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ نجم میں سجدہ کیا اور آپؐ کے ساتھ مسلمانوں اور مشرکوں اور جنّ و انس نے سجدہ کیا۔

(عبدالوارث کی طرح) اس حدیث کو (ابراہیم) ابن طہمان نے بھی ایوب سے روایت کیا، اور (اسماعیل) ابن عُلیّہ نے (اپنی روایت میں) حضرت ابن عباسؓ کا ذکر نہیں کیا۔

٤٨٦٣: حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ أَخْبَرَنِي أَبُو أَحْمَدَ يَعْنِي الزُّبَيْرِيَّ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ أَوَّلُ سُورَةٍ أُنْزِلَتْ فِيهَا سَجْدَةٌ وَالنَّجْمِ قَالَ فَسَجَدَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَجَدَ مَنْ خَلْفَهُ إِلَّا رَجُلًا رَأَيْتُهُ أَخَذَ كَفًّا مِنْ تُرَابٍ فَسَجَدَ عَلَيْهِ فَرَأَيْتُهُ بَعْدَ ذٰلِكَ

۴۸۶۳: نصر بن علی نے ہم سے بیان کیا کہ ابواحمد یعنی زبیری نے ہمیں خبر دی کہ اسرائیل نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے ابواسحاق (سبیعی) سے، ابواسحاق نے اسود بن یزید (نخعی) سے، اسود نے حضرت عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: پہلی سورۃ جس میں سجدہ کی آیت نازل کی گئی وہ سورۂ نجم ہے۔ (حضرت ابن مسعودؓ) کہتے تھے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا اور جو لوگ بھی آپؐ کے پیچھے تھے ان سب نے سجدہ کیا سوائے ایک شخص

قُتِلَ كَافِرًا وَهُوَ أُمَيَّةُ بْنُ خَلَفٍ.

کے کہ جس کو میں نے دیکھا کہ اس نے مٹھی بھر مٹی لی اور اس پر اس نے سجدہ کیا۔ پھر اس کے بعد میں نے اس کو دیکھا کہ وہ کافر ہی مارا گیا۔ اور وہ امیہ بن خلف تھا۔

أطرافه: ١٠٦٧، ١٠٧٠، ٣٨٥٣، ٣٩٧٢۔

تشریح: فَاسْجُدُوْا لِلّٰہِ وَاعْبُدُوْا: یعنی اللہ ہی کو تم سجدہ کرو اور اسی کی عبادت کرو۔

حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"سورۃ النجم کی آیت فَاسْجُدُوْا لِلّٰہِ وَاعْبُدُوْا بصیغہ امر ہے اور یہ مقام بھی تاکیدی سجدوں میں شمار کیا جاتا ہے اور یہ پہلا موقع تھا جس پر سجدہ کیا گیا (روایت نمبر ۴۸۶۳) گو سورۃ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ میں بھی سجدہ کا حکم ہے جو پہلی سورۃ ہے۔ اس کے آخر میں فرماتا ہے: وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ آیت سورۃ النجم کے بعد نازل ہوئی ہوگی یا یہ کہ سجدہ کرنے کا خیال آپؐ کو نہ آیا ہو یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چونکہ اس آیت پر سورۃ ختم ہوتی ہے اور اس کے معاً بعد رکوع و سجود ہوتا ہے، اسی پر اکتفاء کیا گیا۔ بہر حال یہ ثابت شدہ امر ہے کہ پہلا سجدہ آپؐ نے سورۃ النجم کی تلاوت پر ہی کیا تھا۔ جسے سن کر مشرکین بھی اس قدر متاثر تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدہ کرنے پر انہوں نے بھی صحابہ کرامؓ کے ساتھ ہی سجدہ کیا، سوائے امیہ بن خلف کے۔"

(صحیح بخاری ترجمہ و شرح، کتاب سجود القرآن، باب سَجْدَةُ النَّجْمِ، جلد دوم صفحہ ۴۷۳)

٥٤ـ سُورَةُ اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ

قَالَ مُجَاهِدٌ: مُسْتَمِرٌّ (القمر:٣) ذَاهِبٌ. مُزْدَجَرٌ (القمر:٥) مُتَنَاهٍ، وَازْدُجِرَ (القمر:١٠) فَاسْتُطِيرَ جُنُونًا. دُسُرٍ (القمر:١٤) أَضْلَاعُ السَّفِينَةِ. لِمَنْ كَانَ كُفِرَ (القمر:١٥) يَقُولُ كُفِرَ لَهُ جَزَاءً مِّنَ اللهِ. مُحْتَضَرٌ (القمر:٢٩) يَحْضُرُونَ الْمَاءَ. وَقَالَ ابْنُ جُبَيْرٍ مُهْطِعِينَ (القمر:٩) النَّسَلَانُ الْخَبَبُ: السِّرَاعُ. وَقَالَ غَيْرُهُ فَتَعَاطَى (القمر:٣٠) فَعَاطَى بِيَدِهِ فَعَقَرَهَا. الْمُحْتَظِرِ (القمر:٣٢) كَحِظَارٍ مِّنَ الشَّجَرِ مُحْتَرِقٍ. وَازْدُجِرَ (القمر:١٠) افْتُعِلَ مِنْ زَجَرْتُ. كُفِرَ (القمر:١٥) فَعَلْنَا بِهِ وَبِهِمْ مَا فَعَلْنَا جَزَاءً لِّمَا صُنِعَ بِنُوحٍ وَأَصْحَابِهِ. مُسْتَقِرٌّ (القمر:٣٩) عَذَابٌ حَقٌّ. يُقَالُ الْأَشِرُ (القمر:٢٧) الْمَرَحُ وَالتَّجَبُّرُ.

مجاہد نے کہا: مُسْتَمِرٌّ کے معنی ہیں چلا جانے والا۔ مُزْدَجَرٌ کے معنی ہیں روک، تنبیہ۔ وَازْدُجِرَ کے معنی ہیں جنون سے پراگندہ حواس ہو گیا۔ دُسُرٍ کے معنی ہیں کشتی کے تختے۔ لِمَنْ كَانَ كُفِرَ یعنی وہ کہتا ہے کہ یہ اللہ سے بدلہ ہے اس شخص کی وجہ سے جس کی انہوں نے ناقدری کی۔ مُحْتَضَرٌ یعنی وہ پانی پر (اپنی باری سے) آتے ہیں۔ اور ابن جبیر نے کہا: مُهْطِعِينَ کے معنی ہیں النَّسَلَان یعنی تیزی سے دوڑنے والے۔ اور (ابن جبیر کے سوا) اوروں نے کہا: فَتَعَاطَى یعنی اس نے اپنے ہاتھ سے وار کیا اور اس کو زخمی کر دیا۔ الْمُحْتَظِرِ کے معنی ہیں درختوں کی باڑ جو جلی ہوئی ہو۔ وَازْدُجِرَ زَجَرْتُ سے باب افتعال ہے، یعنی اسے دھتکارا گیا۔ كُفِرَ یعنی ہم نے حضرت نوحؑ اور ان کی قوم کے ساتھ جو سلوک کیا وہ اس کا بدلہ تھا جو حضرت نوحؑ اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ کیا گیا۔ مُسْتَقِرٌّ یعنی اٹل عذاب۔ الْأَشِرُ اترانے اور ظلم کرنے کو کہتے ہیں۔

تشریح: سُورَةُ اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ: اس سورۃ میں یہ پیشگوئی کی گئی ہے کہ عربوں کی حکومت کے ختم ہونے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ایک عظیم الشان انقلاب برپا ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ اس پیشگوئی کے نشان کے طور پر چاند کو دو ٹکڑے کر کے دکھایا گیا۔ چاند کے دو ٹکڑے ہونے کے کئی مطالب بیان کیے گئے ہیں جن کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ اس واقعہ کے وقوع پذیر ہونے کا جہاں تک تعلق ہے اس کے شواہد بہت ہیں جن سے انکار ممکن نہیں۔ اس واقعہ کے حوالہ سے قرآن کریم نے مشرکین کی ایک قطعی شہادت پیش کی ہے

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت کے مشرکوں نے یہ نظارہ دیکھا مگر اپنی عادت کے مطابق اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جادو قرار دیا۔ قرآنِ کریم فرماتا ہے: وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ○ (القمر: ۳) اور اگر وہ کوئی نشان دیکھیں گے تو ضرور اعراض کر جائیں گے اور کہہ دیں گے کہ یہ محض ایک دھوکہ ہے جو ہمیشہ سے چلا آتا ہے۔

مُسْتَمِرٌّ کے معنی ہیں چلا جانے والا۔ اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ یہ جادو ہمیشہ سے چلا آیا ہے۔ یعنی ہر نبی نے جب کوئی نشان دکھایا تو مخالفین نے یہی کہا کہ یہ تو ہر زمانے میں ہوتا رہا ہے۔ ایک معنی یہ کیے گئے ہیں کہ یہ ختم ہو جائے گا اور باطل ٹھہرے گا۔

مُزْدَجَرٌ کے معنی ہیں روک یا تنبیہ۔ اور یہاں اس سے مراد قرآن ہے جس میں تمام حلال و حرام بیان کر دیے گئے ہیں اور ہر قسم کی زجر و توبیخ کر دی گئی ہے۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۷۸۳)

لِمَنْ كَانَ كُفِرَ: یعنی وہ کہتا ہے کہ یہ اللہ سے بدلہ ہے اس شخص کی وجہ سے جس کی انہوں نے ناقدری کی۔ یہاں جزا کا لفظ حضرت نوحؑ کے لیے بطور بدلہ استعمال ہوا ہے کہ کفار کے انکار کے بدلے میں کشتی کے ذریعہ انہیں بچا کر ان کے صدق اور کوششوں کا بدلہ انہیں دیا گیا اور کفار کے لیے یہی کفر سیلاب کی صورت میں سزا بن گیا۔ گویا ہر ایک کو اس کے کیے کی جزا مل گئی۔

بَاب ۱: وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ○ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا (القمر: ۲، ۳)

اور چاند پھٹ گیا ہے۔ اور اگر وہ کوئی نشان دیکھیں گے تو ضرور اعراض کر جائیں گے

٤٨٦٤: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ وَسُفْيَانَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ انْشَقَّ الْقَمَرُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِرْقَتَيْنِ فِرْقَةٌ فَوْقَ الْجَبَلِ وَفِرْقَةٌ دُونَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اشْهَدُوا.

۴۸۶۴: مسدد نے ہم سے بیان کیا کہ یحيٰ (بن سعید قطان) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے شعبہ اور سفیان (ثوری) سے، ان دونوں نے (سلیمان) اعمش سے، اعمش نے ابراہیم (نخعی) سے، ابراہیم نے ابو معمر سے، ابو معمر نے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ ایک ٹکڑا پہاڑ کے اُوپر، دوسرا اس کے سامنے مقابل میں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (دیکھ کر) فرمایا: دیکھو گواہ رہنا۔

أطرافه: ٣٦٣٦، ٣٨٦٩، ٣٨٧١، ٤٨٦٥۔

٤٨٦٥: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ أَخْبَرَنَا ابْنُ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ انْشَقَّ الْقَمَرُ وَنَحْنُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَارَ فِرْقَتَيْنِ فَقَالَ لَنَا اشْهَدُوا اشْهَدُوا.

۴۸۶۵: علی بن عبداللہ (مدینی) نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان (بن عیینہ) نے ہمیں بتایا۔ (عبداللہ) ابن ابی نجیح نے ہمیں خبر دی۔ انہوں نے مجاہد سے، مجاہد نے ابومعمر سے، ابومعمر نے حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: چاند پھٹا اور ہم اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور وہ دو ٹکڑے ہو گیا تھا۔ آپؐ نے ہم سے فرمایا: دیکھو گواہ رہنا، گواہ رہنا۔

أطرافه: ٣٦٣٦، ٣٨٦٩، ٣٨٧١، ٤٨٦٤۔

٤٨٦٦: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي بَكْرٌ عَنْ جَعْفَرٍ عَنْ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ انْشَقَّ الْقَمَرُ فِي زَمَانِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

۴۸۶۶: یحییٰ بن بکیر نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: بکر (بن مضر) نے مجھے بتایا۔ بکر نے جعفر (بن ربیعہ) سے، جعفر نے عراک بن مالک سے، عراک نے عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود سے، عبیداللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ انہوں نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چاند پھٹا تھا۔

أطرافه: ٣٦٣٨، ٣٨٧٠۔

٤٨٦٧: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ سَأَلَ أَهْلُ مَكَّةَ أَنْ يُرِيَهُمْ آيَةً فَأَرَاهُمُ انْشِقَاقَ الْقَمَرِ.

۴۸۶۷: عبداللہ بن محمد (مسندی) نے ہم سے بیان کیا کہ یونس بن محمد (بغدادی) نے ہمیں بتایا۔ شیبان (نحوی) نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے قتادہ سے، قتادہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: مکہ والوں نے مطالبہ کیا کہ اُنہیں کوئی نشان دکھایا جائے۔ تو اللہ نے ان کو چاند کے پھٹنے کا نشان دکھلایا۔

أطرافه: ٣٦٣٧، ٣٨٦٨، ٤٨٦٨۔

٤٨٦٨ : حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ انْشَقَّ الْقَمَرُ فِرْقَتَيْنِ.

۴۸۶۸: مسدد نے ہم سے بیان کیا کہ یحییٰ (بن سعید قطان) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے شعبہ سے، شعبہ نے قتادہ سے، قتادہ نے حضرت انسؓ سے روایت کی۔ انہوں نے فرمایا: چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا تھا۔

أطرافه: ٣٦٣٧، ٣٨٦٨، ٤٨٦٧-

تشریح: **وَانْشَقَّ الْقَمَرُ:** اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ○ وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَةً یُّعْرِضُوْا (القمر:۲،۳) اور چاند پھٹ گیا ہے۔ اور اگر وہ کوئی نشان دیکھیں گے تو ضرور اعراض کر جائیں گے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ شقِ قمر کا یہ واقعہ ہجرتِ مدینہ سے پانچ سال پہلے ہوا۔ ابو نعیم نے دلائل النبوہ میں حضرت ابنِ عباسؓ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ چند مشرکین جن میں ابو جہل، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل اور نضر بن حارث شامل تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: اگر آپؐ سچے ہیں تو چاند کو دو ٹکڑے کر دیجئے۔ آپؐ نے دعا کی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔[1]

امام بخاری نے ان روایات کو قبول نہیں کیا اور وہ روایات لائے ہیں جو ان کے اصول کے مطابق تھیں۔ باب میں مذکور روایات تین صحابہؓ سے مروی ہیں۔ پہلی روایت حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی ہے۔ ان کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس واقعہ کے چشم دید گواہ ہیں۔ دوسرے راوی حضرت عبد اللہ بن عباسؓ ہیں۔ شقِ قمر کا واقعہ ان کی پیدائش سے پہلے کا ہے اس لیے وہ اس کے چشم دید گواہ تو نہیں ہو سکتے البتہ انہوں نے یہ بات دیگر صحابہؓ سے سنی ہوگی۔ تیسرے راوی حضرت انس بن مالکؓ ہیں جن کی عمر اس وقت پانچ چھ سال تھی اور وہ اس وقت مدینہ میں تھے اس لیے انہوں نے بھی یہ واقعہ دیگر صحابہ سے سن کر بیان کیا۔

حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

> ”سورۃ القمر کی مذکورہ بالا آیات کا تعلق یسعیاہ نبی علیہ السلام کی پیشگوئی سے بھی ہے جس کا ذکر ان کی کتاب یسعیاہ باب ۲۱:۱۶ میں ہے جس میں خبر دی گئی ہے کہ قیدار کی ساری حشمت جاتی رہے گی۔ السَّاعَة سے مراد یہی تباہی کی گھڑی ہے۔ عربوں کے نزدیک چاند اُن کی حکومت کا نشان تھا اور اب تک ان کے ہاں مہینوں کا شمار قمری حساب سے ہوتا ہے۔ ان آیات کے سیاق وسباق سے ظاہر ہے کہ انشقاقِ قمر کا نشان بطور زجر تھا کہ وہ باز آجائیں ورنہ نہایت ہی ناگوار سزا اور سخت دن قریب ہے۔ یَوْمَ

[1] (دلائل النبوة لأبي نعيم، الفصل السادس عشر، فَأَمَّا انْشِقَاقُ الْقَمَرِ فَكَانَ بِمَكَّةَ... جزء اول صفحہ ۲۸۰)

يَدْعُ الدَّاعِ إِلَىٰ شَيْءٍ نُّكُرٍ ○ (القمر:۷) وہ دِن جب بلانے والا ایک سخت ناپسندیدہ چیز کی طرف بلائے گا۔ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ○ (القمر:۹) یہ بہت سخت دن ہے۔ كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ○ (القمر:۸) کہ (جس دن) وہ ٹڈیوں کی طرح پراگندہ ہوں گے۔ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِّنَ الْأَنْبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجَرٌ ○ (القمر:۵) اور یقیناً ان کے پاس وہ اہم خبریں بھی آچکی ہے جن میں ان کے لئے تنبیہ کا سامان موجود ہے۔

غرض قرآنِ مجید نے انشقاقِ قمر کے نظارے سے وابستہ انذاری پیشگوئی کا ذکر واضح الفاظ میں فرمایا ہے اور یہی وہ نشان تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے متعلق صحف عہد نامہ قدیم میں بطور علامت بیان ہوا ہے اور یہ نشان آپؐ کے وجود سے پورا ہوا۔" (صحیح بخاری ترجمہ وشرح، کتاب المناقب، باب ۲۷، جلد ۷ صفحہ ۱۳۵)

اس واقعہ کی حقیقت کیا ہے؟ اور کیا یہ قانون قدرت کے خلاف ہے؟ اس کی متعدد تشریحات ممکن ہیں۔

اول چاند فی الواقعہ دو ٹکڑے ہوا مگر اس سے نظام قدرت میں کوئی خلل واقعہ نہ ہوا۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"خدائے تعالیٰ جل شانہ جو کام صرف قدرت نمائی کے طور پر کرتا ہے وہ کام سراسر قدرت کاملہ کی ہی وجہ سے ہوتا ہے نہ قدرت ناقصہ کی وجہ سے۔ یعنے جس ذات قادر مطلق کو یہ اختیار اور قدرت حاصل ہے کہ چاند کو دو ٹکڑہ کر سکے، اس کو یہ بھی تو قدرت حاصل ہے کہ ایسے پُر حکمت طور سے یہ فعل ظہور میں لاوے کہ اس کے انتظام میں بھی کوئی خلل عائد نہ ہو۔" (سرمہ چشم آریہ، روحانی خزائن جلد ۲ صفحہ ۱۰۹)

فرمایا:

"مسئلہ شق القمر ایک تاریخی واقعہ ہے جو قرآن شریف میں درج ہے اور ظاہر ہے کہ قرآنِ شریف ایک ایسی کتاب ہے جو آیت آیت اس کی بروقت نزول ہزاروں مسلمانوں اور منکروں کو سنائی جاتی تھی اور اسی کی تبلیغ ہوتی تھی اور صدہا اس کے حافظ تھے۔ مسلمان لوگ نماز اور خارج نماز میں اس کو پڑھتے تھے۔ پس جس حالت میں صریح قرآن شریف میں وارد ہوا کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا اور جب کافروں نے یہ نشان دیکھا تو کہا کہ جادو ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ○ وَإِنْ يَّرَوْا آيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ○ (القمر:۲، ۳) تو اس

صورت میں اس وقت کے منکرین پر لازم تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان پر جاتے اور کہتے کہ آپؐ نے کب اور کس وقت چاند کو دو ٹکڑے کیا اور کب اس کو ہم نے دیکھا لیکن جس حالت میں بعد مشہور اور شائع ہونے اس آیت کے سب مخالفین چپ رہے اور کسی نے دم بھی نہ مارا تو صاف ظاہر ہے کہ انہوں نے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے ضرور دیکھا تھا تب ہی تو ان کو چون وچرا کرنے کی گنجائش نہ رہی۔ غرض یہ بات بہت صاف اور ایک راست طبع محقق کے لئے بہت فائدہ مند ہے کہ قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی جھوٹا معجزہ بحوالہ اپنے مخالفوں کی گواہی کے لکھ نہیں سکتے تھے اور اگر کچھ جھوٹ لکھتے تو ان کے مخالف ہم عصر اور ہم شہر اس زمانہ کے اسے کب پیش جانے دیتے۔ علاوہ اس کے سوچنا چاہئے کہ وہ مسلمان لوگ جن کو یہ آیت سنائی گئی اور سنائی جاتی تھی وہ بھی تو ہزاروں آدمی تھے اور ہر یک شخص اپنے دل سے یہ محکم گواہی پاتا ہے کہ اگر کسی پیر یا مرشد یا پیغمبر سے کوئی امر محض دروغ اور افترا ظہور میں آوے تو سارا اعتقاد ٹوٹ جاتا ہے اور ایسا شخص ہر ایک شخص کی نظر میں بُرا معلوم ہونے لگتا ہے، اس صورت میں صاف ظاہر ہے کہ اگر یہ معجزہ ظہور میں نہیں آیا تھا اور افترا محض تھا تو چاہئے تھا کہ ہزارہا مسلمان جو آنحضرتؐ پر ایمان لائے تھے ایسے کذب صریح کو دیکھ کر یکلخت سارے کے سارے مرتد ہو جاتے لیکن ظاہر ہے کہ ان باتوں میں سے کوئی بات بھی ظہور میں نہیں آئی۔ پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ معجزہ شق القمر ضرور وقوع میں آیا تھا۔ ہر یک منصف اپنے دل میں سوچ کر دیکھ لے کہ کیا تاریخی طور پر یہ ثبوت کافی نہیں ہے کہ معجزہ شق القمر اسی زمانہ میں بحوالہ شہادت مخالفین قرآن شریف میں لکھا گیا اور شائع کیا گیا اور پھر سب مخالف اس مضمون کو سن کر چپ رہے۔ کسی نے تحریر یا تقریر سے اس کا رڈ نہ کیا اور ہزاروں مسلمان اس زمانہ کی رویت کی گواہی دیتے رہے اور یہ بات ہم مکرر لکھنا چاہتے ہیں کہ قدرت اللہ پر اعتراض کرنا خود ایک وجہ سے انکار خدائے تعالیٰ ہے۔“

(سرمہ چشم آریہ، روحانی خزائن جلد ۲ صفحہ ۱۱۰، ۱۱۱)

نیز فرمایا:

”شق القمر کا عالی شان معجزہ جو خدائی ہاتھ کو دکھلا رہا ہے۔ قرآن شریف میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی کے اشارہ سے چاند دو ٹکڑے ہو گیا اور کفار نے اِس معجزہ کو دیکھا۔ اُس کے جواب میں یہ کہنا کہ ایسا وقوع میں آنا خلاف علم ہیئت ہے یہ سراسر فضول باتیں ہیں کیونکہ قرآن شریف تو فرماتا ہے کہ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ○ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ○ (القمر: ۲، ۳) یعنی قیامت نزدیک آگئی اور چاند پھٹ گیا اور کافروں نے یہ معجزہ دیکھا اور کہا کہ یہ پکا جادو ہے جس کا آسمان تک اثر چلا گیا۔ اب ظاہر ہے کہ یہ نِرا دعویٰ نہیں بلکہ قرآن شریف تو اس کے ساتھ ان کافروں کو گواہ قرار دیتا ہے جو سخت دشمن تھے اور کفر پر ہی مرے تھے۔ اب ظاہر ہے کہ اگر شق القمر وقوع میں نہ آیا ہوتا تو مکّہ کے مخالف لوگ اور جانی دشمن کیونکر خاموش بیٹھ سکتے تھے وہ بلاشبہ شور مچاتے کہ ہم پر یہ تہمت لگائی ہے ہم نے تو چاند کو دو ٹکڑے ہوتے نہیں دیکھا اور عقل تجویز نہیں کرسکتی کہ وہ لوگ اس معجزہ کو سراسر جھوٹ اور افترا خیال کر کے پھر بھی چپ رہتے۔ بالخصوص جبکہ اُن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کا گواہ قرار دیا تھا تو اس حالت میں اُن کا فرض تھا کہ اگر یہ واقعہ صحیح نہیں تھا تو اس کا رڈ کرتے نہ یہ کہ خاموش رہ کر اس واقعہ کی صحت پر مہر لگا دیتے۔ پس یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ضرور ظہور میں آیا تھا اور اس کے مقابل پر یہ کہنا کہ یہ قواعدِ ہیئت کے مطابق نہیں یہ عذرات بالکل فضول ہیں۔ معجزات ہمیشہ خارق عادت ہی ہوا کرتے ہیں ورنہ وہ معجزے کیوں کہلائیں، اگر وہ صرف ایک معمولی بات ہو۔ اور علاوہ اس کے علم ہیئت کی کس نے اب تک حد بست کرلی ہے۔ ہمیشہ نئے نئے عجائباتِ آسمانی ظاہر ہوتے ہیں کہ جن کے بھید کچھ بھی سمجھ نہیں آتے اور ایسے خارق عادت طور پر ظاہر ہوتے ہیں کہ عقل اُن میں حیران رہ جاتی ہے۔“

(چشمۂ معرفت، روحانی خزائن جلد ۲۳ صفحہ ۴۱۱، ۴۱۲)

دوم تاریخی شہادت: حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:

”پھر ان سب باتوں کے بعد ہم یہ بھی لکھتے ہیں کہ شق القمر کے واقعہ پر ہندوؤں

کی معتبر کتابوں میں بھی شہادت پائی جاتی ہے۔ مہابھارتہ کے دھرم پرب میں بیاس جی صاحب لکھتے ہیں کہ ان کے زمانہ میں چاند دو ٹکڑے ہو کر پھر مل گیا تھا۔ اور وہ اس شق قمر کو اپنے بے ثبوت خیال سے بسوامتر کا معجزہ قرار دیتے ہیں لیکن پنڈت دیانند صاحب کی شہادت اور یورپ کے محققوں کے بیان سے پایا جاتا ہے کہ مہابھارتہ وغیرہ پُران کچھ قدیم اور پرانے نہیں ہیں بلکہ بعض پُرانوں کی تالیف کو تو صرف آٹھ سو یا نو سو برس ہوا ہے۔ اب قرین قیاس ہے کہ مہابھارتہ یا اس کا واقعہ بعد مشاہدہ واقعہ شق القمر جو معجزہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھا لکھا گیا اور بسوامتر کا نام صرف بے جا طور کی تعریف پر جیسا کہ قدیم سے ہندوؤں کے اپنے بزرگوں کی نسبت عادت ہے درج کیا گیا ہے۔" (سرمہ چشم آریہ، روحانی خزائن جلد ۲ صفحہ ۱۲۶، ۱۲۷)

سوم یہ ایک کشفی نظارہ تھا جس کی وسعت کا دائرہ بہت وسیع تھا جیسا کہ عرب سے باہر کے لوگوں کی گواہیوں سے ثابت ہے۔ ہندوستان میں بھی اس واقعہ کی شہادت ملتی ہے۔[1]

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"رؤیا و کشوف کے متعلق یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے جس کی انبیاء اور اولیاء کی تاریخ میں کثرت سے مثالیں پائی جاتی ہیں کہ بعض دفعہ کشفی نظارے ایسے وسیع کر دیئے جاتے ہیں کہ وہ دوسروں کو بھی نظر آنے لگ جاتے ہیں۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں انشقاقِ قمر کا جو معجزہ ظاہر ہوا وہ بھی ایک کشفی نظارہ تھا جو وسیع کر دیا گیا اور نہ صرف مکہ کے کچھ لوگوں کو نظر آیا بلکہ جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہے ہندوستان کے ایک راجہ کو بھی نظر آ گیا اور وہ مسلمان ہو گیا۔" (تفسیر کبیر جلد ۷ صفحہ ۱۱۱)

چہارم شہبِ ثاقبہ کا گرنا ایک مسلمہ حقیقت ہے اور مذاہب کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کے ظہور کے زمانے میں شہبِ ثاقبہ کثرت سے گرتے رہے ہیں۔ ممکن ہے کہ اس وقت جب کفار نے نشان مانگا تو اللہ تعالیٰ کے قانونِ قدرت کے مطابق ایک بہت بڑا شہابِ ثاقب (meteorite) چاند پر گرا ہو جس سے خاک کا ایک ایسا عظیم الشان طوفان اُٹھا ہو جس کی وجہ سے زمین سے دیکھنے والے کو یہ لگے کہ شاید چاند دو ٹکڑے ہو گیا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے مجلس سوال و جواب حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ بتاریخ ۲ مئی ۱۹۹۷ء۔

---

[1] (تاریخ فرشتہ، مقالہ یازدہم در بیان مجملی از احوال حکام ملیبار کہ بصفت اسلام متصف بودہ اند، جزء ۲ صفحہ ۳۶۹، ۳۷۰)

بَاب ۲: تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ۝ وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ (القمر: ۱۵، ۱۶)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) وہ کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے چلتی تھی یہ جزا اُس شخص کی وجہ سے تھی جس کی ناقدری کی گئی۔ اور ہم نے اس کو بطور نشان کے باقی رکھا تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟

قَالَ قَتَادَةُ أَبْقَى اللهُ سَفِينَةَ نُوحٍ حَتَّى أَدْرَكَهَا أَوَائِلُ هَذِهِ الْأُمَّةِ.

قتادہ نے کہا: اللہ نے حضرت نوحؑ کی کشتی کو دنیا میں باقی رکھا، یہاں تک کہ اس امت کے پہلے لوگوں نے اس کشتی کو دیکھ لیا۔

٤٨٦٩: حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ (القمر: ١٦)

۴۸۶۹: حفص بن عمر نے ہم سے بیان کیا کہ شعبہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ابواسحاق (سبیعی) سے، ابواسحاق نے اسود (بن یزید) سے، اسود نے حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم یوں پڑھا کرتے تھے: فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ یعنی تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟

أطرافه: ٣٣٤١، ٣٣٤٥، ٣٣٧٦، ٤٨٧٠، ٤٨٧١، ٤٨٧٢، ٤٨٧٣، ٤٨٧٤۔

تشریح: تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ: یعنی وہ کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے چلتی تھی۔ یہ جزا اُس شخص کی وجہ سے تھی جس کی ناقدری کی گئی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”بائبل میں لکھا ہے کہ وہ طوفان ساری دنیا میں آیا اور کشتی تین سو ہاتھ لمبی اور پچاس ہاتھ چوڑی تھی اور اس میں حضرت نوح نے ہر قسم کے پاک جانوروں میں سے سات جوڑے اور ناپاک میں سے دو جوڑے ہر قسم کے کشتی میں چڑھائے حالانکہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ اول تو اللہ تعالیٰ نے کسی قوم پر عذاب نازل نہیں کیا جب تک پہلے

رسول کے ذریعہ سے اس کو تبلیغ نہ کی ہو اور حضرت نوح کی تبلیغ ساری دنیا کی قوموں پر کہاں پہنچی تھی جو سب غرق ہو جاتے۔ دوم اتنی چھوٹی سی کشتی میں جو صرف ۳۰۰ ہاتھ لمبی اور ۵۰ ہاتھ چوڑی ہو ساری دنیا کے جانور بہائم چرند پرند سات سات جوڑے یا دو دو جوڑے کیوں کر سما سکتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کتاب میں تحریف ہے اور اس میں بہت سی غلطیاں داخل ہو گئی ہیں۔ تعجب ہے کہ بعض سادہ لوح علماء اسلام نے بھی ان باتوں کو اپنی کتابوں میں درج کر لیا ہے مگر قرآن شریف ہی ان بے معنی باتوں سے پاک ہے، اس پر ایسے اعتراض وارد نہیں ہو سکتے۔ اس میں نہ تو کشتی کی لمبائی چوڑائی کا ذکر ہے اور نہ ساری دنیا پر طوفان آنے کا ذکر ہے بلکہ صرف الارض یعنی وہ زمین جس میں نوح نے تبلیغ کی صرف اس کا ذکر ہے۔ لفظ ارارات جس پر نوح کی کشتی ٹھہری اصل اَرٰی رِیُت ہے جس کے معنی ہیں میں پہاڑ کی چوٹی کو دیکھتا ہوں۔ رِیت پہاڑ کی چوٹی کو کہتے ہیں۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے لفظ جُوْدِی رکھا ہے جس کے معنے ہیں میرا جود و کرم۔ یعنی وہ کشتی میرے جود و کرم پر ٹھہری۔" (ملفوظات جلد اول صفحہ ۵۲۶)

حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب فرماتے ہیں:

"آیت میں جودی پہاڑ پر سفینہ نوح کے ٹھہرنے کا ذکر ہے۔ مجاہد نے عراق عرب کے سلسلہ کوہستان کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ کا نام جودی بتایا ہے جو دوآبہ دجلہ و فرات کے درمیان شمال مشرق میں واقع ہیں۔ (عمدۃ القاری جزء ۱۵ صفحہ ۲۱۸) توریت میں اس علاقہ کا نام ارارط مذکور ہے۔ چنانچہ پیدائش باب ۸ (آیت ۳) میں آتا ہے "اور ساتویں مہینے کی سترھویں تاریخ کو کشتی ارارط کے پہاڑوں پر ٹک گئی" اس سے ظاہر ہے کہ ارارط علاقے کا نام ہے جو فرات و دجلہ بجانب شمال دیار بکر تک ممتد ہے اور یہ سلسلہ کوہستان عراق اور آرمینیا کے درمیان حد فاصل ہے۔ کلدانی قوم کی قدیم روایات میں بھی سفینہ نوح کا ذکر پایا جاتا ہے۔ پہاڑ کا یونانی نام Gordyoei ہے جس کا عربی تلفظ جودی ہے۔ عیسائیوں نے حسب عادت وہاں ایک دَیر اور معبد بھی سفینہ نوح کے نام سے تعمیر کیا ہے اور بیان کیا جاتا ہے کہ

ہرقل شاہِ روم بھی اس کی زیارت کے لئے وہاں گیا تھا۔ زیارت گاہ و ہیکل "الجودی" پہاڑ کے نام سے مشہور تھے۔ مجاہدؒ کی شرح میں الجودی کا محل وقوع خیالی نہیں بلکہ قدیم تاریخ سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ مسیحی روایات میں تو یہاں تک ہے کہ وہاں گڈریوں وغیرہ نے سفینہ نوح علیہ السلام کی تختیوں کے ٹکڑے پائے اور ان سے کاٹ کر تعویذ استعمال کیے۔ آثارِ قدیمہ سے متعلق اکتشافات نے ان پہاڑوں کی چوٹیوں اور غاروں میں دریائی جانوروں کے پنجر پائے ہیں جس سے انہیں تعجب ہوا اور قیاس کیا ہے کہ طوفانِ نوح علیہ السلام کی بلند لہروں کے بہاؤ نے دریائی جانور وہاں پھینکے یا وہاں قدیم زمانے میں سمندر تھا اور آتش فشانی کے نتیجے میں تہہ سمندر کے پہاڑ زمین پر اُبھر آئے اور ان کے ساتھ آبی جانور بھی۔ یہ سب قیاس آرائیاں ہیں۔ ان سے اس وقت تک کوئی حتمی نتیجہ اخذ نہیں کیا گیا۔ روایات سے جو یقینی بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت کا تعلق دو آبہ فرات و دجلہ کی سرزمین اور اس کی قوم سے ہے اور وہیں طوفان آیا اور اسی علاقہ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر سفینہ نوح ٹھہری اور پانی خشک ہونے پر نئے سرے سے آبادی ہوئی اور ایک نئے دَور کا آغاز ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں وہ پہاڑ جودی نام سے مشہور تھا جس کا یونانی تلفظ Gordyoei ہے۔"

(صحیح بخاری ترجمہ و شرح، کتاب احادیث الانبیاء، باب ۳، جلد ۶ صفحہ ۱۸۴)

وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً: حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

"اس کشتی کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ یہ ایک نشان ہے جو نصیحت پکڑنے والوں کے لئے ایمان افروز ثابت ہوگا۔ اس سے یہ بھی امکان پیدا ہوتا ہے کہ حضرت نوحؑ کی کشتی آنے والی نسلوں کے لئے ایک نشان کے طور پر محفوظ کر دی گئی ہے۔ باوجود اس کے کہ عیسائیوں کو قرآن کریم کے اس بیان کی کوئی خبر نہیں وہ پھر بھی حضرت نوحؑ کی کشتی کو کہیں نہ کہیں ایک نشان کے طور پر محفوظ سمجھتے ہیں اور اس کی تلاش ہر جگہ جاری ہے۔ جماعت احمدیہ کی طرف سے بھی بعض لوگ اس

کام پر وقف ہیں کہ قرآنی آیات کے حوالہ سے اس کشتی کا کھوج نکالیں۔ میری تحقیق کے مطابق یہ کشتی بحیرۂ مُردار کی تہہ میں محفوظ ہو گئی ہے اور وقت آنے پر نکال لی جائے گی۔"

(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، سورۂ قمر حاشیہ آیت ۱۶ صفحہ ۹۶۸)

بَاب: وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ (القمر:۱۸)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) ہم نے قرآن کو یاد کرنے کے لئے آسان کر دیا۔ کیا کوئی یاد کرنے والا ہے؟

قَالَ مُجَاهِدٌ: يَسَّرْنَا (القمر:۱۸) هَوَّنَّا قِرَاءَتَهُ.

مجاہد نے کہا: يَسَّرْنَا یعنی ہم نے اس کا پڑھنا آسان کیا۔

٤٨٧٠: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ عَنْ يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَقْرَأُ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ (القمر:۱۸)

۴۸۷۰: مسدد نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے یحییٰ (بن سعید قطان) سے، یحییٰ نے شعبہ سے، شعبہ نے ابواسحاق سے، ابواسحاق نے اسود سے، اسود نے حضرت عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ سے، حضرت عبداللہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپؐ یوں پڑھا کرتے تھے: فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ یعنی تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟

أطرافه: ٣٣٤١، ٣٣٤٥، ٣٣٧٦، ٤٨٦٩، ٤٨٧١، ٤٨٧٢، ٤٨٧٣، ٤٨٧٤۔

بَاب: اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ۝ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝ (القمر:۲۱، ۲۲)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) کھجور کے ایسے تنے ہیں جن کے اندر کا گودا کھایا ہوا تھا۔
پس دیکھو کہ میرا عذاب (کیسا سخت) اور میرا ڈرانا کیسا (سچا) تھا

٤٨٧١: حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ أَنَّهُ سَمِعَ رَجُلًا سَأَلَ الْأَسْوَدَ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ أَوْ مُذَّكِرٍ

۴۸۷۱: ابونعیم نے ہم سے بیان کیا کہ زُہیر نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ابواسحاق سے روایت کی۔ انہوں نے ایک شخص کو سنا جو اسود سے پوچھ رہا تھا:

فَقَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ يَقْرَؤُهَا فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ○(القمر:۲۳) قَالَ وَسَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَؤُهَا فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ○(القمر:۲۳) دَالًا.

کیا یہ آیت فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ہے یا مُذَّكِرٍ۔ انہوں نے کہا: میں نے حضرت عبداللہؓ کو یہ آیت یوں پڑھتے سنا: فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ○ (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے تھے: اور میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اسے دال سے پڑھتے سنا: فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ یعنی کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟

أطرافه: ۳۳٤۱، ۳۳٤٥، ۳۳۷٦، ٤٨٦٩، ٤٨٧٠، ٤٨٧٢، ٤٨٧٣، ٤٨٧٤۔

بَاب ۳: فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ ○ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ○(القمر:۳۲، ۳۳)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) وہ جلی ہوئی باڑ کے بوسیدہ کوڑا کرکٹ کی طرح ہو گئے اور ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کر دیا ہے۔ کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟

٤٨٧٢: حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا أَبِي عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ○(القمر:۳۳) الْآيَةَ.

۴۸۷۲: عبدان نے ہم سے بیان کیا کہ میرے باپ (عثمان) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے شعبہ سے، شعبہ نے ابو اسحاق سے، ابو اسحاق نے اسود سے، اسود نے حضرت عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ سے، حضرت عبداللہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپؐ نے یوں پڑھا: فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟)

أطرافه: ۳۳٤۱، ۳۳٤٥، ۳۳۷٦، ٤٨٦٩، ٤٨٧٠، ٤٨٧١، ٤٨٧٣، ٤٨٧٤۔

بَاب ٤

وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ○ فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذُرِ ○(القمر:۳۹-۴۰)

صبح سویرے ہی ایک دائمی عذاب نے اُن کو آن گھیرا۔ میرے عذاب اور میرے ڈرانے کو چکھو

٤٨٧٣: حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ حَدَّثَنَا

۴۸۷۳: محمد (بن بشار) نے ہم سے بیان کیا کہ

غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَرَأَ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ○ (القمر: ٤١)

غندر نے ہمیں بتایا۔ شعبہ نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے ابواسحاق سے، ابواسحاق نے اسود سے، اسود نے حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) سے، حضرت عبداللہؓ نے نبی ﷺ سے روایت کی کہ آپؐ نے یوں پڑھا: فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ○ یعنی کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟

أطرافه: ٣٣٤١، ٣٣٤٥، ٣٣٧٦، ٤٨٦٩، ٤٨٧٠، ٤٨٧١، ٤٨٧٢، ٤٨٧٤۔

{وَلَقَدْ أَهْلَكْنَآ أَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ○ (القمر: ٥٢)[1]}

اور ہم تمہارے جیسے لوگوں کو پہلے بھی ہلاک کر چکے ہیں اور کیا (اس بات کو جان کر) کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟

٤٨٧٤: حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَرَأْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهَلْ مِنْ مُذَّكِرٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ○ (القمر: ٥٢)

۴۸۷۴: یحيٰ (بن موسیٰ) نے ہم سے بیان کیا کہ وکیع نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے اسرائیل سے، اسرائیل نے ابواسحاق سے، ابواسحاق نے اسود بن یزید سے، اسود نے حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے فَهَلْ مِنْ مُّذَّكِرٍ پڑھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ○ یعنی کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟

أطرافه: ٣٣٤١، ٣٣٤٥، ٣٣٧٦، ٤٨٦٩، ٤٨٧٠، ٤٨٧١، ٤٨٧٢، ٤٨٧٣۔

تشریح: فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ: روایات ۴۸۶۹ تا ۴۸۷۴ میں لفظ مُدَّكِرٍ کی بحث ہے کہ یہ مُدَّكِرٍ (دال کے ساتھ) ہے یا مُذَّكِرٍ (ذال کے ساتھ) ہے۔ دراصل یہ لفظ مُذْتَكِرٌ ہے۔ پھر تا کو دال سے بدلا گیا ہے پھر دال اور ذال کا ادغام کیا گیا ہے اور ادغام میں ذال کی جگہ دال لا کر مُدَّكِر بنایا گیا ہے۔

(عمدة القاری جزء ۱۹ صفحہ ۲۰۹)

---

[1] یہ عنوان باب فتح الباری مطبوعہ بولاق کے مطابق ہے۔ (فتح الباری مطبوعہ بولاق، جزء ۸ حاشیہ صفحہ ۴۷۵)

بَاب ٥: قَوْلُهُ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ○ (القمر: ٤٦)

اللہ تعالیٰ کا فرمانا: اُن کی جماعت کو عنقریب شکست دی جائے گی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے

٤٨٧٥: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ حَوْشَبٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ح.

و حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ حَدَّثَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ وُهَيْبٍ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَهُوَ فِي قُبَّةٍ يَوْمَ بَدْرٍ اللَّهُمَّ إِنِّي أَنْشُدُكَ عَهْدَكَ وَوَعْدَكَ اللَّهُمَّ إِنْ تَشَأْ لَا تُعْبَدْ بَعْدَ الْيَوْمِ فَأَخَذَ أَبُو بَكْرٍ بِيَدِهِ فَقَالَ حَسْبُكَ يَا رَسُولَ اللهِ أَلْحَحْتَ عَلَى رَبِّكَ وَهُوَ يَثِبُ فِي الدِّرْعِ فَخَرَجَ وَهُوَ يَقُولُ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ○ (القمر: ٤٦)

أطرافه: ۲۹۱۵، ۳۹۵۳، ٤٨٧٧-

۴۸۷۵: محمد بن عبداللہ بن حوشب نے ہم سے بیان کیا کہ عبدالوہاب نے ہمیں بتایا۔ خالد نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے عکرمہ سے، عکرمہ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی۔

نیز محمد (بن یحيٰ ذہلی) نے مجھ سے بیان کیا کہ عفان بن مسلم نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے وہیب سے روایت کی کہ خالد (حذاء) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے عکرمہ سے، عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے جنگ بدر کے دن یہ دعا کی۔ اور آپؐ اس وقت ایک بڑے خیمہ میں تھے: اے میرے اللہ! میں تجھے تیرا عہد اور تیرا وعدہ یاد دلاتا ہوں۔ اے اللہ! اگر تو چاہے کہ اس دن کے بعد تیری عبادت نہ کی جائے۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے آپؐ کے ہاتھ کو پکڑ لیا اور کہا: یارسول اللہ! بس کافی ہے۔ آپؐ نے اپنے ربّ سے بہت الحاح وزاری کی ہے۔ اور آپؐ اس دن زرہ پہنے ہوئے تھے، کبھی اُٹھتے تھے کبھی بیٹھتے تھے۔ آپؐ نکلے اور یہ فرمارہے تھے: اُن کی جماعت کو عنقریب شکست دی جائے گی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔

تشریح. سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ: یعنی اُن کی جماعت کو عنقریب شکست دی جائے گی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔ اس باب کی احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُن تضرعات کا ذکر ہے جو آپؐ نے اپنے ربّ کے حضور بڑے الحاح سے کیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی درد بھری اُن دعاؤں کو قبول فرمایا جن میں آپؐ نے اپنے ربّ کے حضور اس کی عبادت کا واسطہ دیا۔ اور جس خیمہ میں آپؐ خدا کے حضور ابتہال کر رہے تھے اس خیمہ میں ہی آپؐ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح و ظفر کی نوید دی گئی اور دشمنوں کی ہلاکت و تباہی کا نظارہ دکھایا گیا۔ آپؐ ان آیات کی تلاوت کرتے ہوئے خیمہ سے باہر تشریف لائے اور آپؐ نے ان جگہوں پر نشان لگائے جہاں سرداران قریش ڈھیر ہونے والے تھے۔ اور یہ جنگ دراصل اس خیمہ میں لڑی گئی اور اس کا فیصلہ بھی خدا کی تقدیر نے ادھر ہی آپؐ کو سنا دیا۔

حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

> ”غزوۂ بدر کے موقع پر لڑائی شروع ہونے سے قبل جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعا سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے سورۃ القمر کی جو مکی سورۃ ہے مذکورہ بالا آیت پڑھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے مل چکا تھا کہ مسلمانوں کو کفار سے جنگیں لڑنی پڑیں گی اور کفار شکست کھا کر اپنی طاقت کھو بیٹھیں گے۔
>
> الغرض ان سب امور سے پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آمدہ واقعات کے بارے میں پہلے سے پوری پوری بصیرت عطا کی گئی تھی۔ سورۃ التکویر میں آپؐ کے علم غیب سے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ○ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ○ (التکویر: ۲۴، ۲۵) کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے غیبی امور کو کھلے اُفق میں دیکھا ہے اور وہ غیبی خبریں بتانے میں ہرگز بخیل نہیں، یعنی آپؐ بلند مقام سے غیب کو دیکھ چکے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ بلند مقام پر کھڑے ہو کر دیکھنے سے دور و نزدیک کی سب اشیاء نظر کے سامنے آجاتی ہیں۔ آپؐ نے غزوات سے متعلق جو قدم اُٹھایا، وہ وحی الٰہی کے نور اور روشنی میں علیٰ وجہ البصیرت تھا۔“

(صحیح بخاری ترجمہ و شرح، کتاب المغازی، باب قَوْلُ اللهِ تَعَالَى اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ، جلد ۸ صفحہ ۲۹)

بَاب ٦: قَوْلُهُ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ○ (القمر: ٤٧)

اللہ تعالیٰ کا فرمانا: بلکہ وہ گھڑی ان کے لئے مقررہ میعاد ہے
اور وہ گھڑی نہایت ہی مصیبت ڈھانے والی اور نہایت تلخ ہو گی

يَعْنِي مِنَ الْمَرَارَةِ.

یعنی (یہ اَمَرُّ) مَرَارَةٌ سے ہے۔ (بمعنی تلخ)

٤٨٧٦: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ قَالَ أَخْبَرَنِي يُوسُفُ بْنُ مَاهَكٍ قَالَ إِنِّي عِنْدَ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ قَالَتْ لَقَدْ أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ وَإِنِّي لَجَارِيَةٌ أَلْعَبُ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ○ (القمر: ٤٧)

طرفه: ٤٩٩٣۔

۴۸۷۶: ابراہیم بن موسیٰ نے ہم سے بیان کیا کہ ہشام بن یوسف نے ہمیں بتایا کہ ابن جریج نے انہیں خبر دی، کہا: یوسف بن ماہک نے مجھے خبر دی۔ انہوں نے کہا: میں حضرت عائشہ اُم المؤمنینؓ کے پاس تھا، انہوں نے فرمایا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر مکہ میں یہ آیت بَلِ السَّاعَةُ ... "بلکہ وہ گھڑی ان کے لئے مقررہ میعاد ہے اور وہ گھڑی نہایت ہی مصیبت ڈھانے والی اور نہایت تلخ ہو گی" نازل کی گئی اور میں اس وقت ابھی لڑکی ہی تھی، کھیلا کرتی تھی۔

٤٨٧٧: حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ خَالِدٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَهُوَ فِي قُبَّةٍ لَهُ يَوْمَ بَدْرٍ أَنْشُدُكَ عَهْدَكَ وَوَعْدَكَ اللَّهُمَّ إِنْ شِئْتَ لَمْ تُعْبَدْ بَعْدَ الْيَوْمِ أَبَدًا فَأَخَذَ أَبُو بَكْرٍ بِيَدِهِ وَقَالَ حَسْبُكَ يَا رَسُولَ اللهِ فَقَدْ أَلْحَحْتَ عَلَى رَبِّكَ وَهُوَ فِي

۴۸۷۷: اسحاق (بن شاہین واسطی) نے مجھ سے بیان کیا کہ خالد (بن عبد اللہ طحان) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے خالد (بن مہران حذاء) سے، انہوں نے عکرمہ سے، عکرمہ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی کہ نبی ﷺ نے جنگ بدر کے دن یوں دعا کی اور آپؐ اس وقت ایک بڑے خیمے میں تھے: میں تجھے تیرا عہد اور تیرا وعدہ یاد دلاتا ہوں۔ اے اللہ! اگر تو چاہے کہ اس دن کے بعد کبھی تیری پرستش نہ کی جائے۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ

الدِّرْعِ فَخَرَجَ وَهُوَ يَقُولُ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ○ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ○ (القمر:٤٦،٤٧)

نے آپؐ کے ہاتھ کو پکڑ لیا اور کہا: بس یا رسول اللہ! کافی ہے۔ آپؐ نے اپنے ربّ سے (دعا مانگنے میں) بہت اصرار کر لیا ہے۔ آپؐ اس وقت زرہ پہنے تھے۔ آپؐ باہر آئے اور یہ فرما رہے تھے: عنقریب یہ جتھے شکست کھا کر بھاگ جائیں گے اور پیٹھ پھیر دیں گے۔ بلکہ وہ گھڑی ان کے لئے مقررہ میعاد ہے۔ اور وہ گھڑی نہایت ہی مصیبت ڈھانے والی اور نہایت تلخ ہو گی۔

أطرافه: ۲۹۱۵، ۳۹۵۳، ٤٨٧٥۔

تشریح: بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ: بلکہ وہ گھڑی ان کے لئے مقررہ میعاد ہے اور وہ گھڑی نہایت ہی مصیبت ڈھانے والی اور نہایت تلخ ہو گی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”قریش مکہ کی تباہ کن شکست کا ذکر مندرجہ بالا آیات قرآنی میں بطور پیشگوئی موجود ہے۔ ان آیات کے آخری حصہ میں ان کے دردناک انجام کا ذکر ہے۔ سردارانِ قریش، جو اسلام کے پکے دشمن اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید عداوت رکھتے تھے، ایک ایک کر کے میدان بدر میں کھیت رہے۔ ابوجہل دو نوعمر مسلمان لڑکوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ اسی طرح شیبہ اور عتبہ چند گھنٹوں ہی میں تہ تیغ ہو کر کیفرِ کردار کو پہنچے۔ اہل مکہ کے مایوس اور رنجیدہ دلوں پر وہ رات قیامت بن کر ٹوٹی۔ وہ انتہائی افراتفری میں بھاگنے پر مجبور ہوئے۔ اس ذلت آمیز شکست کا ذکر سورۃ الانفال کی مندرجہ ذیل آیت میں موجود ہے: وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ○ (الانفال ۸:۸)

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب اللہ تمہیں دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ دے رہا تھا کہ وہ تمہارے لئے ہے اور تم چاہتے تھے کہ تمہارے حصہ میں وہ آئے جس میں ضرر پہنچانے کی صلاحیت نہ ہو۔ اور اللہ چاہتا تھا کہ وہ اپنے کلمات کے ذریعہ حق کو

ثابت کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔"

(الہام عقل علم اور سچائی، باب ششم، علم غیب کا انکشاف اور قرآن کریم، صفحہ ۵۰۸، ۵۰۹)

نیز آپؒ نے فرمایا:

"سورۃ القمر میں اس امر کی وضاحت گزشتہ اقوام کی تاریخ کے حوالہ سے کی گئی ہے جنہوں نے اپنے وقت کے انبیاء کے انذار پر کان نہ دھرا۔ نتیجۃً وہ اپنے المناک انجام کو پہنچیں جس کا انہیں وعدہ دیا گیا تھا۔ اور وقت گزرنے کے بعد کی توبہ ان کے کسی کام نہ آئی۔ اس انذار سے یہ فائدہ ضرور حاصل ہوا کہ وہ آئندہ نسلوں کیلئے عبرت کا نشان بن گئیں۔ چنانچہ قرآن کریم ان کے المیہ کی طرف اس لئے اشارہ کرتا ہے تا ان کی موت سے آئندہ نسلیں صحیح انداز سے زندگی بسر کرنے کا فن سیکھ سکیں۔ وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ۝ حِكْمَةٌ ۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۝ (القمر ۵۴: ۵،۶) ترجمہ: اور ان کے پاس کچھ خبریں پہنچ چکی تھیں جن میں سخت زجر و توبیخ تھی۔ کمال تک پہنچی ہوئی حکمت تھی۔ پھر بھی اِنذار کسی کام نہ آئے۔

اگر کوئی قوم سبق حاصل نہ کرے تو اپنی اس خوفناک تباہی کی وہ خود ذمہ دار ہوگی جو ان کی منتظر ہے۔ جس ایٹمی تباہی کا ہم ذکر کر رہے ہیں، سورۃ طٰہٰ میں بھی اس کے انجام کے بارہ میں کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ اس آیت پر غور کرنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ تباہی دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں کا غرور اور رعونت پاش پاش کر کے رکھ دے گی۔ انسان کو بحیثیت مجموعی صفحۂ ہستی سے نہیں مٹایا جائے گا۔ متعلقہ آیت میں واضح طور پر یہ پیشگوئی کی گئی ہے کہ یہ موقع بنی نوع انسان کے کلیۃً خاتمہ کا نہیں ہوگا بلکہ متکبر سیاسی طاقتیں سرنگوں کی جائیں گی اور ان کے مقبروں پر نظامِ نو کی بنیادیں اٹھائی جائیں گی۔"

(الہام عقل علم اور سچائی، باب ششم، عالمگیر ایٹمی تباہی، صفحہ ۵۴۴، ۵۴۵)

۵۵- سُورَةُ الرَّحْمٰنِ

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: بِحُسْبَانٍ (الرحمٰن:٦) كَحُسْبَانِ الرَّحَى. وَقَالَ غَيْرُهُ وَ اَقِيْمُوا الْوَزْنَ (الرحمٰن:١٠) يُرِيدُ لِسَانَ الْمِيزَانِ. وَ الْعَصْفِ (الرحمٰن:١٣) بَقْلُ الزَّرْعِ إِذَا قُطِعَ مِنْهُ شَيْءٌ قَبْلَ أَنْ يُدْرِكَ فَذَلِكَ الْعَصْفُ وَالرَّيْحَانُ (الرحمٰن:١٣) رِزْقُهُ.[۱] وَالْحَبُّ (الرحمٰن:١٣) الَّذِي يُؤْكَلُ مِنْهُ. وَ الرَّيْحَانُ فِي كَلَامِ الْعَرَبِ الرِّزْقُ. وَ قَالَ بَعْضُهُمْ وَالْعَصْفُ يُرِيدُ الْمَأْكُولَ مِنَ الْحَبِّ وَالرَّيْحَانُ النَّضِيجُ الَّذِي لَمْ يُؤْكَلْ. وَقَالَ غَيْرُهُ الْعَصْفُ وَرَقُ الْحِنْطَةِ. وَقَالَ الضَّحَّاكُ الْعَصْفُ التِّبْنُ. وَقَالَ أَبُو مَالِكٍ الْعَصْفُ أَوَّلُ مَا يَنْبُتُ تُسَمِّيهِ النَّبَطُ هَبُورًا. وَقَالَ مُجَاهِدٌ الْعَصْفُ وَرَقُ الْحِنْطَةِ وَالرَّيْحَانُ الرِّزْقُ. وَالْمَارِجُ اللَّهَبُ الْأَصْفَرُ وَالْأَخْضَرُ الَّذِي يَعْلُو النَّارَ إِذَا أُوقِدَتْ. وَقَالَ بَعْضُهُمْ عَنْ مُجَاهِدٍ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ (الرحمٰن:١٨) لِلشَّمْسِ فِي الشِّتَاءِ مَشْرِقٌ وَ مَشْرِقٌ فِي الصَّيْفِ.

اور مجاہد نے کہا: بِحُسْبَانٍ کے معنی ہیں چکی کی طرح گھوم رہے ہیں۔ اور ان کے سوا اَوروں نے کہا: وَ اَقِيْمُوا الْوَزْنَ یعنی ترازوؤں کی زبان سیدھی رکھو۔ اور الْعَصْف کھیتی کی سبز پیداوار ہے، جب اس میں سے کچھ پکنے سے پہلے کاٹ لی جائے تو یہی عَصْف ہوتا ہے۔ اور الرَّیْحَان کے معنی ہیں کھیتی کے پتے۔ اور حَبّ وہ اناج ہے جسے کھاتے ہیں۔ اور رَیْحَان عربوں کی زبان میں رزق کو بھی کہتے ہیں۔ اور بعض نے کہا: عَصْف سے مراد وہ اناج ہے جو کھایا جاتا ہے اور رَیْحَان وہ پختہ اناج ہے جس کو (کچا) نہ کھایا جائے۔ اور (مجاہد کے سوا) اَوروں نے کہا: الْعَصْف کے معنی ہیں گیہوں کے پتے۔ اور ضحاک نے کہا: عَصْف بھوسا ہے۔ اور ابومالک (غفاری) نے کہا: الْعَصْف وہ سبزہ ہے جو پہلے پہل اُگتا ہے، جسے کسان لوگ هَبُورًا کہتے ہیں۔ اور مجاہد نے کہا: عَصْف کے معنی ہیں گیہوں کے پتے اور رَیْحَان کے معنی رزق۔ اور مَارِج کے معنی ہیں شعلہ کی وہ لپٹ جو زرد اور سبز ہوتی ہے، وہ جو آگ کے اوپر ہوتی ہے جب وہ جلائی جائے۔ اور بعض نے مجاہد سے روایت کرتے ہوئے کہا: رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ سے وہ (دو مشرق) مراد ہیں جو سورج کے ہوتے ہیں۔ موسم سرما میں ایک مشرق اور موسم گرما میں دوسرا مشرق، یعنی اس کے نکلنے کی جگہ۔ اور

[۱] عمدۃ القاری کے مطابق اس جگہ لفظ "وَرَقُهُ" ہے۔ (عمدۃ القاری جزء۱۹ صفحہ ۲۱۱) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

وَ رَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ (الرحمٰن:۱۸) مَغْرِبُهَا فِي الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ. لَا يَبْغِيٰنِ (الرحمٰن:۲۱) لَا يَخْتَلِطَانِ. الْمُنْشَئٰتُ (الرحمٰن:۲۵) مَا رُفِعَ قِلْعُهُ مِنَ السُّفُنِ فَأَمَّا مَا لَمْ يُرْفَعْ قَلْعُهُ فَلَيْسَ بِمُنْشَأَات. وَقَالَ مُجَاهِدٌ كَالْفَخَّارِ (الرحمٰن:۱۵) كَمَا يُصْنَعُ الْفَخَّارُ. الشُّوَاظُ لَهَبٌ مِّنْ نَّارٍ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ وَنُحَاسٌ (الرحمٰن:۳۶) النُّحَاسُ الصُّفْرُ يُصَبُّ عَلَى رُءُوسِهِمْ يُعَذَّبُونَ بِهِ. خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ (الرحمٰن:۴۷) يَهُمُّ بِالْمَعْصِيَةِ فَيَذْكُرُ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ فَيَتْرُكُهَا. مُدْهَآمَّتٰنِ (الرحمٰن:۶۵) سَوْدَاوَانِ مِنَ الرِّيِّ. صَلْصَالٍ (الرحمٰن:۱۵) طِينٌ خُلِطَ بِرَمْلٍ فَصَلْصَلَ كَمَا يُصَلْصِلُ الْفَخَّارُ وَيُقَالُ مُنْتِنٌ يُرِيدُونَ بِهِ صَلَّ يُقَالُ صَلْصَالٌ كَمَا يُقَالُ صَرَّ الْبَابُ عِنْدَ الْإِغْلَاقِ وَصَرْصَرَ مِثْلُ كَبْكَبْتُهُ يَعْنِي كَبَبْتُهُ. فِيهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ (الرحمٰن:۶۹) قَالَ بَعْضُهُمْ لَيْسَ الرُّمَّانُ وَالنَّخْلُ بِالْفَاكِهَةِ وَأَمَّا الْعَرَبُ فَإِنَّهَا تَعُدُّهُمَا فَاكِهَةً كَقَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ حٰفِظُوْا عَلَى

رَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ (سے بھی دو مغرب مراد ہیں) ایک سورج کے ڈوبنے کی وہ جگہ جو جاڑے میں ہوتی ہے اور دوسری گرمی میں۔ لَا يَبْغِيٰنِ کے معنی ہیں وہ آپس میں نہیں ملتے۔ الْمُنْشَئٰتُ یعنی وہ بڑی کشتیاں جن کے بادبان اوپر اٹھائے گئے ہوں۔ اور جن کے بادبان نہ اٹھائے گئے ہوں تو وہ مُنْشَأَت نہیں ہیں۔ اور مجاہد نے کہا: كَالْفَخَّارِ یعنی جیسے ٹھیکرا بنایا جاتا ہے۔ الشُّوَاظُ سے مراد ہے آگ کا شعلہ۔ اور مجاہد نے کہا: نُحَاسٌ سے مراد وہ پیتل ہے جو (پگھلا کر) دوزخیوں کے سر پر ڈالا جائے گا، اس سے ان کو سزا دی جائے گی۔ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ سے یہ مراد ہے کہ وہ نافرمانی کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور پھر وہ اللہ عزوجل کو یاد کرکے اس (نافرمانی) کو چھوڑ دیتا ہے۔ مُدْهَآمَّتٰنِ کے معنی ہیں شادابی کی وجہ سے نہایت ہی گہرے سبز ہو رہے ہیں۔ صَلْصَالٍ کے معنی ہیں وہ گارا جس میں ریت ملائی جائے اور وہ کھنکھنانے لگے، جیسے ٹھیکری کھنکھناتی ہے۔ اور صَلْصَال کے معنی بدبودار کیچڑ بھی کئے جاتے ہیں۔ ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ صَلّ سے نکلا ہے یعنی وہ سڑ گیا۔ اسی سے صَلْصَال کہتے ہیں، جیسے کہا جاتا ہے: صَرَّ الْبَابُ عِنْدَ الْإِغْلَاقِ یعنی بند کرنے کے وقت دروازے نے آواز دی۔ اور صَرْصَرَ ہے جیسے کہتے ہیں: كَبْكَبْتُهُ یعنی میں نے اس کو اوندھا

الصَّلٰوتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى (البقرة: ٢٣٩) فَأَمَرَهُمْ بِالْمُحَافَظَةِ عَلَى كُلِّ الصَّلَوَاتِ ثُمَّ أَعَادَ الْعَصْرَ تَشْدِيدًا لَهَا كَمَا أُعِيدَ النَّخْلُ وَالرُّمَّانُ وَمِثْلُهَا اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ (الحج: ١٩) ثُمَّ قَالَ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ۭ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ (الحج: ١٩) وَقَدْ ذَكَرَهُمْ فِي أَوَّلِ قَوْلِهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ (الحج: ١٩).

گرایا۔ فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ یعنی وہاں میوہ، کھجوریں اور انار ہوگا۔ اس آیت سے بعض نے یہ نکالا کہ رُمّان اور نخل میوہ نہیں۔ اور عرب جو ہیں تو وہ ان کو میوہ شمار کرتے ہیں۔ جیسے اللہ عزوجل نے فرمایا: حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلٰوتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو تمام نمازوں کی نگہداشت رکھنے کا حکم دیا، پھر عصر کا دوبارہ ذکر کرکے اس کے متعلق تاکید کردی۔ جیسا کہ یہاں بھی کھجور اور انار کو دہرایا گیا اور اس طرح یہ آیت ہے: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ کے فرمانبردار ہیں وہ جو ان بلندیوں میں ہیں اور وہ جو ان زمینوں میں ہیں؟ یہ کہہ کر اس کے بعد فرمایا: اور لوگوں میں سے بھی بہت ایسے ہیں کہ جن پر عذاب لازم ہوگیا۔ حالانکہ پہلی آیت یعنی مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ میں لوگوں کا ذکر کیا۔

وَقَالَ غَيْرُهُ اَفْنَانٍ (الرحمٰن: ٤٩) أَغْصَانٍ. وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ (الرحمٰن: ٥٥) مَا يُجْتَنَى قَرِيبٌ. وَقَالَ الْحَسَنُ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ (الرحمٰن: ٥٦) نِعَمِهِ. وَقَالَ قَتَادَةُ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (الرحمٰن: ٥٦) يَعْنِي الْجِنَّ وَالْإِنْسَ. وَقَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ (الرحمٰن: ٣٠) يَغْفِرُ ذَنْبًا وَيَكْشِفُ كَرْبًا وَيَرْفَعُ قَوْمًا وَيَضَعُ آخَرِينَ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: بَرْزَخٌ

اور ان کے سوا اوروں نے کہا: اَفْنَانٍ کے معنی ہیں ڈالیاں۔ وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ یعنی دونوں باغوں کے میوے جو چننے کے قابل ہوں گے قریب ہوں گے۔ اور حسن (بصری) نے کہا: فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ یعنی اس کی کون کونسی نعمتوں کو۔ اور قتادہ نے کہا: رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ سے مراد ہے تم دونوں یعنی جن و انس اپنے ربّ کا انکار کروگے۔ اور حضرت ابودرداءؓ نے کہا: كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ: وہ ہر وقت ایک نرالی شان میں ہے یعنی گناہ کو بخشتا ہے

(الرحمٰن:۲۱) حَاجِزٌ. الْأَنَامُ الْخَلْقُ. نَضَّاخَتٰنِ (الرحمٰن:۶۷) فَيَّاضَتَانِ. ذُو الْجَلٰلِ (الرحمٰن:۲۸) ذُو الْعَظَمَةِ. وَقَالَ غَيْرُهُ مَارِجٍ (الرحمٰن:۱۶) خَالِصٌ مِّنَ النَّارِ وَ يُقَالُ مَرَجَ الْأَمِيرُ رَعِيَّتَهُ إِذَا خَلَّاهُمْ يَعْدُو بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ، مَرَجَ أَمْرُ النَّاسِ، مَرِيجٍ (ق:۶) مُلْتَبِسٌ. مَرَجَ اخْتَلَطَ الْبَحْرَانِ مِنْ مَرَجْتَ دَابَّتَكَ تَرَكْتَهَا. سَنَفْرُغُ لَكُمْ (الرحمٰن:۳۲) سَنُحَاسِبُكُمْ لَا يَشْغَلُهُ شَيْءٌ عَنْ شَيْءٍ وَهُوَ مَعْرُوفٌ فِي كَلَامِ الْعَرَبِ يُقَالُ لَأَتَفَرَّغَنَّ لَكَ وَمَا بِهِ شُغْلٌ يَقُولُ لَآخُذَنَّكَ عَلَى غِرَّتِكَ.

اور گھبراہٹ دور کرتا ہے اور کسی قوم کو اُٹھاتا ہے اور دوسروں کو نیچا دکھاتا ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا: بَرْزَخٌ کے معنی ہیں آڑ۔ الْأَنَامُ کے معنی ہیں مخلوقات۔ نَضَّاخَتٰنِ کے معنی ہیں خیر وبرکت بہا رہے ہیں۔ ذُو الْجَلٰلِ کے معنی ہیں عظمت والا۔ اور (حضرت ابودرداءؓ کے سوا) اَوروں نے کہا: مَارِج کے معنی ہیں خالص انگار۔ اور مَرَجَ الْأَمِيرُ رَعِيَّتَهُ (یعنی حاکم نے رعیت کو اپنے حال پر چھوڑ دیا) اس وقت کہتے ہیں جب وہ انہیں ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہوئے چھوڑ دیتا ہے۔ مَرَجَ أَمْرُ النَّاسِ یعنی لوگوں کا نظام درہم برہم ہوگیا۔ مَرِیج گڑبڑی کو کہتے ہیں۔ مَرَجَ کے معنی ہیں دونوں دریا آپس میں مل گئے۔ جیسے (کہتے ہیں:) مَرَجْتَ دَابَّتَكَ یعنی تونے اپنے جانور کو اپنے حال پر چھوڑ دیا۔ سَنَفْرُغُ لَكُمْ یعنی ہم عنقریب تم سے حساب لیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کوئی چیز کسی چیز سے بے توجہ نہیں کرسکتی۔ اور یہ محاورہ کلام عرب میں مشہور ہے۔ کہتے ہیں: لَأَتَفَرَّغَنَّ لَكَ یعنی میں تمہارے لئے فارغ ہوتا ہوں حالانکہ وہ فارغ ہی ہوتا ہے، کوئی کام نہیں ہوتا۔ اس کی یہ مراد ہوتی ہے کہ میں تجھے تمہاری غفلت کی حالت میں پکڑوں گا (یعنی سزادوں گا۔)

تشریح: بِحُسْبَانٍ: مجاہد نے کہا بِحُسْبَانٍ (الرحمٰن:۶) کے معنی ہیں چکی کی طرح گھوم رہے ہیں۔
حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”انسان کے الفاظ میں کمزوری ہے۔ انسان کے فلسفے میں کمزوری ہے۔ جوں جوں زمانہ نئے نئے علوم دریافت کرتا ہے وہ اپنے حالات، اپنی اصطلاحات کو بدلتا جاتا ہے۔ لیکن خدا کے کلام میں اس قسم کی کمزوری نہیں ہوتی۔ بلکہ جوں جوں سائنس ترقی کرتی ہے اس کی صداقت ظاہر ہوتی ہے۔..... حُسْبَانٍ ایسا لفظ ہے کہ تمام دنیا کا فلسفہ پُرانا ہو یا نیا، اس کو نہیں جھٹلا سکتا۔ بخاری نے اس کے معنے کیے ہیں حُسْبَان کَحُسْبَانِ الرَّحی۔ سورج اور چاند کا حساب دیکھو۔ ایک سیکنڈ کی بھی اس میں غلطی نہیں ہوتی۔ اگر ہم قطب شمالی یا قطب جنوبی میں ہوں تو چاند اور سورج چکی کی طرح چلتے معلوم ہوتے ہیں اور اگر ہم خطِ استوا پر ہوں تو فلک المغزل چرخ کی طرح چلتے معلوم ہوں گے۔ اور حُسْبَانٍ اس دونوں صورتوں میں صادق آتا ہے۔“

(حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۴۱)

رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَ رَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ: یعنی وہ دونوں مشرقوں کا بھی ربّ ہے اور دونوں مغربوں کا بھی ربّ ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ صیف وشتاء کے مطالعہ کے اختلاف کے اعتبار سے کہا۔“

(حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۴۲)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”یہ زمین کے گول ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ جس کی وجہ سے دو مشرق اور دو مغرب بن جاتے ہیں۔“ (تفسیر صغیر، سورۃ الرحمٰن حاشیہ آیت ۱۸)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اس آیتِ کریمہ میں دو مشرقوں اور دو مغربوں کا ذکر ہے جبکہ اُس زمانہ کے انسان کو صرف ایک مشرق اور ایک مغرب کا علم تھا۔ اس بہت چھوٹی سی آیت میں آئندہ زمانہ کی عظیم الشان دریافتوں کے بارہ میں پیشگوئی ہے۔“

(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، سورۃ رحمٰن، حاشیہ آیت ۱۸ صفحہ ۹۷۶)

موجودہ دور میں مشرقین اور مغربین کا محاورہ بعض علاقوں کی نسبت سے بھی بیان کیا جاتا ہے۔ مثلاً مغرب سے دیکھنے والے عرب ممالک کو مشرقِ وسطیٰ اور آسٹریلیا وغیرہ کو مشرقِ بعید کے ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ اسی طرح مشرقی ممالک سے دیکھنے والا مغربی دنیا کو ویسے ہی ناموں سے منسوب کر سکتا ہے۔

كَالْفَخَّارِ: خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ○ (الرحمٰن:۱۵) انسان کو اس نے بجتی ہوئی خشک مٹی سے پیدا کیا ہے۔ (ترجمہ تفسیر صغیر)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"انسان کے متعلق ایک ایسی پیشگوئی فرمائی گئی جو عظیم الشان حکمت اور تخلیق کے گہرے رازوں سے پردہ اٹھاتی ہے۔ گیلی مٹی سے انسان کے پیدا کرنے کا تصور تو پچھلی سب کتابوں میں موجود ہے لیکن کھنکتی ہوئی ٹھیکریوں سے انسان کا پیدا کیا جانا ایک ایسا تصور ہے جو قرآنِ مجید سے پہلے کسی کتاب نے بیان نہیں کیا۔ یہاں تفصیل کا موقع نہیں لیکن سائنسدان جانتے ہیں کہ تخلیق کے دوران ایک ایسی منزل بھی آئی جب ضروری تھا کہ تخلیقی مادوں کو بجنے والی ٹھیکریوں کی صورت میں خشک کر دیا جائے۔ اور پھر سمندر نے واپس اس خشک مادے کو اپنی لہروں میں لپیٹ لیا اور انسان کی کیمیائی ترقی کا ایسا سفر شروع ہوا جس میں انسان کی تخلیق کے لیے یہ ضروری کیمیا بار بار اپنے ابتدائی دور کی طرف نہ لوٹیں۔"

(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تعارف سورۃ الرحمٰن، صفحہ ۹۷۳)

الْمُنْشَآتُ: مجاہد نے اس سے ایسی بڑی کشتیاں مراد لی ہیں جن کے بادبان اُوپر اٹھائے گئے ہوں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۷۹۲) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَآتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ○ (الرحمٰن:۲۵) اور اس کی بنائی ہوئی کشتیاں (بھی ہیں) اور (اس کے بنائے ہوئے) جہاز بھی ہیں جو سمندروں میں پہاڑوں کی طرح دکھائی دیتے ہیں۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"ان بلند پہاڑوں جیسے جہازوں سے مراد وہ دخانی جہاز ہیں جو ہمارے زمانہ میں نکلے ہیں۔ یہ ایک پیشگوئی تھی جو پوری ہو گئی۔ آج کل سمندری سفر کرنے والے اس پیشگوئی کی سچائی کے گواہ ہیں۔"

(تفسیر صغیر، سورۃ الرحمٰن حاشیہ آیت ۲۵)

وَنُحَاسٌ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ○ (الرحمٰن:۳۶) تم پر آگ کا ایک شعلہ گرایا جائے گا اور تانبا بھی (گرایا جائے گا) پس تم دونوں ہرگز غالب نہیں آسکتے۔ (ترجمہ تفسیر صغیر)

پگھلے ہوئے تانبے، پیتل اور لوہے کو کوٹنے سے جو چنگاریاں اُڑتی ہیں اُنہیں نُحَاس کہا جاتا ہے۔ اس کے ایک معنی دھواں بھی ہیں۔(تاج العروس- نحس)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”خلانورد سائنس دان جب راکٹوں میں بیٹھ کر سماء وارض کو عبور کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو اُن پر اسی طرح شعلوں اور ایک طرح کے دھوئیں کی بوچھاڑ ہوتی ہے۔“

(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، سورۃ الرحمٰن حاشیہ آیت ۳۶ صفحہ ۹۷۸)

خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ○ (الرحمٰن: ۴۷) اور جو شخص اپنے ربّ کی شان سے ڈرتا ہے اُس کے لئے دو جنتیں مقرر ہیں۔(دنیوی بھی اور اُخروی بھی) (ترجمہ تفسیر صغیر)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”جو شخص خدا تعالیٰ کے مقام اور عزّت کا پاس کر کے اور اس بات سے ڈر کر کہ ایک دن خدا کے حضور میں پوچھا جائے گا گنہ کو چھوڑتا ہے اُس کو دو بہشت عطا ہوں گے (۱) اوّل اِسی دنیا میں بہشتی زندگی اس کو عطا کی جاوے گی اور ایک پاک تبدیلی اس میں پیدا ہو جائے گی اور خدا اس کا متولّی اور متکفل ہوگا۔ دوسرے مرنے کے بعد جاودانی بہشت اس کو عطا کیا جائے گا۔ یہ اس لئے کہ وہ خدا سے ڈرا اور اس کو دنیا پر اور نفسانی جذبات پر مقدم کر لیا۔“

(لیکچر لاہور، روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۱۵۸)

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ: وہ ہر وقت ایک نرالی شان میں ہے یعنی گناہ کو بخشتا ہے اور گھبراہٹ دور کرتا ہے اور کسی قوم کو اُٹھاتا ہے اور دوسروں کو نیچا دکھاتا ہے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”اس کی صفات اتنی غیر محدود ہیں کہ ہر لحظہ وہ نئی صفات کا ظہور کرتا رہتا ہے اور انسان کی طرح اس کی صفات صرف چند صفات میں محدود نہیں۔“

(تفسیر صغیر، سورۃ الرحمٰن حاشیہ آیت ۳۰)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”ہر یک دن وہ ہر یک کام میں ہے۔ کسی کو بلاوے اور کسی کو ردّ کرے اور کسی کو آباد کرے اور کسی کو ویران کرے اور کسی کو عزت دے اور کسی کو ذلت دے۔“

(ست بچن، روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۲۳۰)

نیز فرمایا:

”جس طرح ستارے ہمیشہ نوبت بہ نوبت طلوع کرتے رہتے ہیں اسی طرح خدا کے صفات بھی طلوع کرتے رہتے ہیں۔ کبھی انسان خدا کے صفات جلالیہ اور استغنائے ذاتی کے پرتوہ کے نیچے ہوتا ہے اور کبھی صفات جمالیہ کا پرتوہ اس پر پڑتا ہے۔ اسی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ۔“

(چشمہ مسیحی، روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۶۹)

بَاب ۱ : وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ۝ (الرحمٰن: ۶۳)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اور ان دو کے سوا دو اَور جنتیں ہیں

٤٨٧٨ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ الصَّمَدِ الْعَمِّيُّ حَدَّثَنَا أَبُو عِمْرَانَ الْجَوْنِيُّ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ جَنَّتَانِ مِنْ فِضَّةٍ آنِيَتُهُمَا وَمَا فِيهِمَا وَجَنَّتَانِ مِنْ ذَهَبٍ آنِيَتُهُمَا وَمَا فِيهِمَا وَمَا بَيْنَ الْقَوْمِ وَبَيْنَ أَنْ يَنْظُرُوا إِلَى رَبِّهِمْ إِلَّا رِدَاءُ الْكِبْرِ عَلَى وَجْهِهِ فِي جَنَّةِ عَدْنٍ.

أطرافه: ٤٨٨٠، ٧٤٤٤۔

۴۸۷۸: عبد اللہ بن ابی الاسود نے ہم سے بیان کیا کہ عبد العزیز بن عبد الصمد عمی نے ہمیں بتایا۔ ابو عمران جونی نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے ابو بکر بن عبد اللہ بن قیس سے، ابو بکر نے اپنے باپ (حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ) سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو باغ چاندی کے ہوں گے، ان میں برتن اور جو سامان بھی ان میں ہوگا وہ بھی، اور دو باغ سونے کے ہوں گے ان کے برتن بھی اور جو سامان بھی ان میں ہوگا وہ بھی۔ اور جنت عدن میں ان لوگوں کے سامنے اپنے ربّ کو دیکھنے سے کوئی روک نہ ہوگی سوائے کبریائی کی چادر کے جو اس کے چہرے پر ہوگی۔

تشریح: وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ: اور ان دو کے سوا دو اَور جنتیں ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ نے سورۃ رحمٰن میں چار جنتوں کے وعدے ایک مسلمان کو دیئے ہیں۔ دو کا تعلق اُخروی زندگی کے ساتھ ہے اور دو جنتوں کا تعلق اس دنیا کے ساتھ

ہے۔ دراصل تو اُخروی زندگی کی جنت یا اس دنیا کی جنت ایک ہی جنت ہیں لیکن چونکہ ہم دو نقطہ ہائے نگاہ سے، دو زاویوں سے اس کو دیکھ سکتے ہیں اور ان دو نقطہ ہائے نگاہ کو ہی اللہ تعالیٰ نمایاں کرنا چاہتا تھا اس لئے ایک کی بجائے دو جنتوں کا ذکر سورۃ رحمٰن میں کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سورۃ رحمٰن میں ہماری توجہ اس طرف پھیرتا ہے کہ اگر اس جنت کو تم حاصل کرنا چاہتے ہو جس کو دوام حاصل ہو اور جو ابدی جنت کے نام سے پکاری جا سکے، جس کے متعلق یہ فقرہ صحیح ثابت ہو کہ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ ایک لمبا عرصہ یہ قوم دنیا کی اس جنت کے اندر رہے گی تو تمہارے لئے ضروری ہے کہ دو زاویوں سے تم اس جنت پر نگاہ ڈالو اور دو طرفہ کوشش کے ذریعہ اسے حاصل کرو اور یہ کوشش کرو کہ دو چشمے تمہاری قوم اور اُمت میں پھوٹیں۔ کیونکہ صرف ایک چشمہ اسے سیراب کر کے اُسے ابدیت عطا نہیں کر سکتا۔ اگر اس دنیوی جنت نے کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جارہا ہے دوام حاصل کرنا ہے اور ابدیت کا مقام حاصل کرنا ہے تو ضروری ہے کہ دو چشمے اس کے باغ کو سیراب کر رہے ہوں ایک تو وہ چشمہ محبت الٰہی کا، ایک تو وہ چشمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کا، ایک تو وہ چشمہ اسلام کے لئے ہر قسم کی قربانی اور ایثار کے نمونے ظاہر کرنے کا جو مرد کے دل سے پھوٹتا ہے اس کی ضرورت ہے اور دوسرے اس چشمہ کی ضرورت ہے جو ایک عورت کے دل سے پھوٹے اور اس چشمہ کے پانی سے باغ (اس جنت) کی نرسری کو سیراب کیا جائے اس لئے مِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ کے آگے دو چشموں کا بھی اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اے مردو! اگر خدا کی رضا کو حاصل کر بھی لو اور اگر تمہاری نیکی اور تقویٰ کے نتیجہ میں اور ان قربانیوں کی وجہ سے جو تم اس کی راہ میں دے رہے ہو اور اس موت کی وجہ سے جو تم نے اپنے خدا کی رضا کے حصول کے لئے اپنے پر وارد کی ہو اور اس اثر کے نتیجہ میں جس سے تمہاری بیویاں ایک حد تک متاثر ہوتی ہیں اس دنیا میں خدا کی رضا کی جنت کو حاصل بھی کر لو تو کون

کہہ سکتا ہے کہ یہ جنت ہمیشہ رہنے والی ہے جب تک کہ مستقل طور پر اُمت مسلمہ کی ہر عورت ان قربانیوں کو بجانہ لائے جن قربانیوں کی توقع مردوں اور عورتوں ہر دو سے کی جاتی ہے۔ اور جب تک عورت اپنی ذمہ داریوں کو نباہنے والی نہ ہو، جیسا کہ اس کے خاوند اور اس کے باپ اور اس کے بھائی اور اس کے دوسرے رشتہ دار اور تعلق رکھنے والے مرد اپنی ذمہ داریوں کو نباہنے والے ہیں، اس وقت تک اس جنت کو دوام حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ عورت کی ایک بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ آئندہ نسل کی صحیح تربیت کرے اور آئندہ نسل میں اُن نقوش کو اُبھارے جو نقوش اسلامی انوار سے بنے ہوئے ہوں، جو نقوش قرآن کریم کی تعلیم پر عمل کرنے کے نتیجہ میں اُبھرتے ہیں۔ تو جب تک عورت اپنی اس ذمہ داری کو نہیں نباہے گی وہ عورت جو ایثار پیشہ مرد کی بیوی اور اس اسلامی جنت کی نرسری کی ماں ہے اس وقت تک اس جنت کو دوام حاصل نہیں ہو سکتا۔ ایک نسل خدا کی رحمتوں کے سایہ کے نیچے اپنی زندگی کے دن گذار کے اس دنیا سے رخصت ہو جائے گی اور اگر اگلی نسل کی تربیت صحیح نہ ہوئی تو پہلی نسل کے اس دنیا سے گزر جانے کے ساتھ ہی خدا کی رحمت کا سایہ بھی اس قوم سے اٹھ جائے گا اور خدا کی رحمت کے سایہ کی بجائے شیطانی تمازت کے اندر اگلی نسلیں جھلنے لگیں گی۔

اللہ تعالیٰ سورہ نساء میں اس طرف مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو متوجہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۡ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ۝ (النساء: ۵۸) اس آیہ کریمہ میں ایک مضمون یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ لوگ جو ایمان پر پختگی سے قائم رہتے ہیں اور ایسے اعمال صالحہ بجالاتے ہیں جن میں فساد کی کوئی ملونی نہیں ہوتی اور وہ لوگ جن کے سارے کام اور سارے اعمال اپنے خدا کی رضا کے حصول کے لئے ہوتے ہیں، جن کا نفس مر جاتا ہے اور اس فانی انسان میں خدائے ذوالجلال کی ایک تجلی کے نتیجہ میں ایک نئی روح پھونکی جاتی ہے اور اس نئی روح کے آرام اور آسائش کے لئے اس دنیا میں ایک جنت کو قائم کیا

جاتا اور پیدا کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ جنت اس قوم کے لئے اور اس اُمت کے لئے ابدی ہے اس وجہ سے لَهُمْ فِيهَآ أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ کہ ان کی بیویاں جو مُّطَهَّرَةٌ ہیں۔

مُّطَهَّرَةٌ کے ایک معنی ہیں گناہ سے بچنے والیاں۔ مُّطَهَّرَةٌ کے ایک دوسرے معنی ہیں اعمال صالحہ کو بجالانے والیاں یعنی ایسے اعمال جن میں کوئی فساد نہ ہو اور مُّطَهَّرَةٌ کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ عورتوں کا وہ گروہ جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس قسم کا ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے بدرسوم اور مشرکانہ بدعتوں سے محفوظ رکھا ہوا ہے اور ان کا وجود دنیا کے وجود سے بالکل علیحدہ کر دیا گیا ہے بلکہ اس دنیا میں رہتی ہوئی بھی وہ جنت کی حوروں کی مانند بن گئی ہیں یعنی وہ ہر اس گند سے اور شنیع اور قبیح فعل سے پاک ہیں کہ جن میں کافرات ملوث ہوتی ہیں۔ یہ وہ عورتیں ہیں کہ جن کے گھروں میں کسی قسم کی بدرسم نظر نہیں آتی یہ وہ عورتیں ہیں جو اپنے گھر اور اپنے ماحول سے مشرکانہ بدعتوں کو دور کرنے والی ہیں چونکہ یہ ازواج مطہرات ان لوگوں کو ملی ہیں اور چونکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے یہ توفیق عطا کی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو توحید خالص کے ماحول میں تربیت کر سکیں اور ایک سچا اور پکا اور موحد مسلمان بنا سکیں اور اس لئے اگلی نسل شیطان سے محفوظ رکھنے میں یہ عورتیں کامیاب ہو جاتی ہیں اس لئے اس جنت کو دوام مل جاتا ہے اس لئے یہ جنت ایک نسل کے لئے نہیں ہوتی بلکہ اگلی نسل کے لئے اور پھر اس سے اگلی نسل کے لئے بھی یہ دنیا کی جنت قائم رہتی ہے اور جو بشارتیں ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہیں ان بشارتوں کی روشنی میں یہ جنت ہمارے لئے صدیوں تک قائم رہنی چاہئے۔ اگر ہم اپنی ذمہ داری کو نباہنے والے ہوں ہم مرد بھی اور ہماری مائیں اور ہماری بیویاں اور ہماری بہنیں اور ہماری دوسری رشتہ دار عورتیں بھی تو اللہ تعالیٰ کا ہم سے یہ وعدہ ہے کہ وہ اس جنت کو اس دنیوی جنت کو بھی ہمارے لئے ایک قسم کی ابدی جنت بنادے گا لیکن اس کے لئے شرط یہی ہے کہ عورت اپنے بچوں کی صحیح تربیت کی طرف پوری

طرح متوجہ رہے۔ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ اس معنی میں مطہرہ ہوں کہ کوئی بدرسم ان کے گھروں میں نہ ہو اور کسی مشرکانہ بدعت کے ساتھ ان کو کوئی تعلق باقی نہ رہے خالص توحید کا ماحول پیدا کرنے والی ہوں اور اس خالص توحید کے ماحول میں اپنے بچوں اور بچیوں کی تربیت کرنے والی ہوں۔“

(خطبات ناصر جلد اول صفحہ ۵۹۳ تا ۵۹۵)

بَاب ۲: حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ ○ (الرحمٰن: ۷۳)

وہ عورتیں کالی آنکھوں والی ہوں گی (اور) خیموں کے اندر رکھی گئی ہوں گی

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ حُورٌ سُودُ الْحَدَقِ وَقَالَ مُجَاهِدٌ مَقْصُوْرٰتٌ (الرحمٰن: ۷۳) مَحْبُوسَاتٌ قُصِرَ طَرْفُهُنَّ وَأَنْفُسُهُنَّ عَلَى أَزْوَاجِهِنَّ قَاصِرَاتٌ لَا يَبْغِينَ غَيْرَ أَزْوَاجِهِنَّ.

حضرت ابن عباسؓ نے کہا: حُورٌ کے معنی ہیں سیاہ آنکھوں والی۔ اور مجاہد نے کہا: مَقْصُوْرٰتٌ کے معنی ہیں وہ عورتیں جن کی نگاہ اور جن کی جانیں اپنے خاوندوں کے لئے ہی وقف ہیں (کسی اور کے لئے نہیں) قَاصِرَاتٌ کے معنی ہیں وہ اپنے خاوندوں کے سوا کسی اور کی خواہش نہیں کریں گی۔

٤٨٧٩: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ الصَّمَدِ حَدَّثَنَا أَبُو عِمْرَانَ الْجَوْنِيُّ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ فِي الْجَنَّةِ خَيْمَةً مِّنْ لُّؤْلُؤَةٍ مُجَوَّفَةٍ عَرْضُهَا سِتُّونَ مِيلًا فِي كُلِّ زَاوِيَةٍ مِّنْهَا أَهْلٌ مَا يَرَوْنَ الْآخَرِينَ يَطُوفُ عَلَيْهِمُ الْمُؤْمِنُونَ.

طرفہ: ٣٢٤٣۔

۴۸۷۹: محمد بن مثنیٰ نے ہم سے بیان کیا کہ عبدالعزیز بن عبدالصمد نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ابو عمران جونی سے، انہوں نے ابو بکر بن عبداللہ بن قیس سے، انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں خولدار موتیوں کا خیمہ ہو گا جس کی چوڑائی ساٹھ میل ہو گی، جس کے ایک کونے میں رہنے والے دوسروں کو نہیں دیکھیں گے۔ مؤمن ان سب کے پاس چکر لگائیں گے۔

٤٨٨٠ : وَجَنَّتَانِ مِنْ فِضَّةٍ آنِيَتُهُمَا وَمَا فِيهِمَا وَجَنَّتَانِ مِنْ كَذَا آنِيَتُهُمَا وَمَا فِيهِمَا وَمَا بَيْنَ الْقَوْمِ وَبَيْنَ أَنْ يَنْظُرُوا إِلَى رَبِّهِمْ إِلَّا رِدَاءُ الْكِبْرِ عَلَى وَجْهِهِ فِي جَنَّةِ عَدْنٍ.

۴۸۸۰: اور دو جنت چاندی کے ہوں گے، ان کے برتن بھی اور جو سامان ان میں ہے وہ سب بھی۔ اور دو جنت ایسے ہوں گے کہ اُن کے برتن بھی اور جو سامان ان کے اندر ہے وہ بھی (سونے کا ہوگا۔) اور جنت عدن میں لوگوں کے سامنے اپنے ربّ کو دیکھنے میں کوئی روک نہ ہوگی سوائے کبریائی کی چادر کے جو اس کی چہرے پر ہوگی۔

أطرافه: ٤٨٧٨، ٧٤٤٤۔

تشریح: **حُورٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ**: وہ عورتیں کالی آنکھوں والی ہوں گی (اور) خیموں کے اندر رکھی گئی ہوں گی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ اس سورۃ کے تعارف میں فرماتے ہیں:

> "جہنم کے تمثیلی بیان کے ذکر کے بعد پھر جنت کا تمثیلی بیان شروع ہوتا ہے۔ قارئین کو متنبہ رہنا چاہیئے کہ ہرگز اس بیان کا ظاہری مطلب لینے کی کوشش نہ کریں۔ یہ تمام تر ایک تمثیلی زبان ہے۔ اس پر غور کرنے سے اہلِ فکر کو عرفان کے نئے نئے موتی عطا ہو سکتے ہیں ورنہ ان کا دماغ بھٹکتا پھرے گا اور کچھ بھی حاصل نہ ہوگا سوائے جنت کے ایک مادی تصور کے جس میں بہت سی باتوں کا کوئی حل انہیں معلوم نہ ہو سکے گا۔ پس اللہ تعالیٰ کا نام بے حد برکتوں والا ہے۔ اس کی برکات کا شمار ممکن نہیں۔ وہ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَام ہے۔"

(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تعارف سورۃ الرحمٰن صفحہ ۹۷۴)

۵۶۔ سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ

وَقَالَ مُجَاهِدٌ رُجَّتْ (الواقعة:٥) زُلْزِلَتْ. بُسَّتْ (الواقعة:٦) فُتَّتْ وَلُتَّتْ كَمَا يُلَتُّ السَّوِيقُ. الْمَخْضُودُ {الْمُوقَرُ حَمْلًا وَيُقَالُ أَيْضًا[1]} لَا شَوْكَ لَهُ. مَنْضُودٍ (الواقعة:٣٠) الْمَوْزُ، وَالْعُرُبُ الْمُحَبَّبَاتُ إِلَى أَزْوَاجِهِنَّ. ثُلَّةٌ (الواقعة:٤٠) أُمَّةٌ. يَحْمُومٍ (الواقعة:٤٤) دُخَانٌ أَسْوَدُ. يُصِرُّوْنَ (الواقعة:٤٧) يُدِيمُونَ. الْهِيمِ (الواقعة:٥٦) الْإِبِلُ الظِّمَاءُ. لَمُغْرَمُوْنَ (الواقعة:٦٧) لَمُلْزَمُونَ. مَدِيْنِيْنَ (الواقعة:٨٧) مُحَاسَبِينَ. رَوْحٌ جَنَّةٌ وَرَخَاءٌ، وَ رَيْحَانٌ (الواقعة:٩٠) الرِّزْقُ. وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (الواقعة:٦٢) فِي أَيِّ خَلْقٍ نَشَاءُ. وَقَالَ غَيْرُهُ تَفَكَّهُوْنَ (الواقعة:٦٦) تَعْجَبُونَ. عُرُبًا (الواقعة:٣٨) مُثَقَّلَةً وَاحِدُهَا عَرُوبٌ مِثْلُ صَبُورٍ وَصُبُرٍ يُسَمِّيهَا أَهْلُ مَكَّةَ الْعَرِبَةَ وَأَهْلُ الْمَدِينَةِ الْغَنِجَةَ وَأَهْلُ الْعِرَاقِ الشَّكِلَةَ. وَقَالَ

اور مجاہد نے کہا: رُجَّتْ کے معنی ہیں وہ ہلائی گئی۔ بُسَّتْ کے معنی ہیں چور چور کی گئی اور ملادی گئی اسی طرح جس طرح ستو ملائے جاتے ہیں۔ مَخْضُوْد کے معنی ہیں بوجھ سے لدا ہوا، اور ایسا ہی اس درخت کو بھی کہتے ہیں کہ جس میں کوئی کانٹا نہ ہو۔ مَنْضُوْدٍ سے مراد تہہ بہ تہہ کیلے ہیں۔ اور عُرُبٌ وہ عورتیں ہیں جو اپنے خاوندوں کو پیاری ہوں۔ ثُلَّةٌ یعنی گروہ۔ يَحْمُوْم سے مراد ہے کالا دھواں۔ يُصِرُّوْنَ کے معنی ہیں وہ اَڑے ہوئے ہیں۔ الْهِيم کے معنی ہیں پیاسے اونٹ۔ لَمُغْرَمُوْنَ یعنی وہ جن پر چٹی ڈالی گئی۔ مَدِيْنِيْنَ کے معنی ہیں جن سے حساب لیا جائے گا۔ رَوْحٌ کے معنی ہیں جنت اور آسائش۔ اور رَيْحَانٌ کے معنی ہیں رزق۔ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ یعنی جس پیدائش میں ہم چاہیں گے تم کو پیدا کریں گے۔ اور (مجاہد کے سوا) اَوروں نے کہا: تَفَكَّهُوْنَ یعنی تم تعجب کرتے ہو۔ عُرُبًا راء کی پیش کے ساتھ ہے۔ (یعنی خوبصورت، نازنین، پیاری عورت) اس کا مفرد عَرُوْب ہے جیسے صَبُوْر اور صُبُر۔ اہل مکہ ایسی (خوبصورت) عورت کو عَرِبَة کہتے ہیں اور مدینہ والے غَنِجَة کہتے ہیں اور عراق والے کہتے ہیں شَكِلَة۔ اور انہوں نے خَافِضَةٌ کے معنی یہ کئے کہ ایک قوم کو آگ میں

---

[1] یہ الفاظ فتح الباری مطبوعہ انصاریہ کے ہیں۔ (فتح الباری جزء ۸ حاشیہ صفحہ ۷۹۵) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

فِي خَافِضَةٌ (الواقعة:٤) لِقَوْمٍ إِلَى النَّارِ وَ رَافِعَةٌ (الواقعة:٤) إِلَى الْجَنَّةِ. مَوْضُونَةٍ (الواقعة:١٦) مَنْسُوجَةٍ وَمِنْهُ وَضِينُ النَّاقَةِ. وَالْكُوبُ لَا آذَانَ لَهُ وَلَا عُرْوَةَ وَالْأَبَارِيقُ ذَوَاتُ الْآذَانِ وَالْعُرَى. مَسْكُوبٍ (الواقعة:٣٢) جَارٍ وَفُرُشٍ مَّرْفُوعَةٍ (الواقعة:٣٥) بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ. مُتْرَفِيْنَ (الواقعة:٤٦) مُتَمَتِّعِينَ مَا تُمْنُوْنَ (الواقعة:٥٩) هِيَ النُّطْفَةُ فِي أَرْحَامِ النِّسَاءِ. لِلْمُقْوِينَ (الواقعة:٧٤) لِلْمُسَافِرِينَ، وَالْقِيُّ الْقَفْرُ. بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ (الواقعة:٧٦) بِمُحْكَمِ الْقُرْآنِ وَيُقَالُ بِمَسْقِطِ النُّجُومِ إِذَا سَقَطْنَ وَمَوَاقِعُ وَمَوْقِعٌ وَاحِدٌ. مُدْهِنُونَ (الواقعة:٨٢) مُكَذِّبُونَ مِثْلُ لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ (القلم:١٠) فَسَلٰمٌ لَّكَ (الواقعة:٩٢) أَيْ مُسَلَّمٌ لَكَ، إِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ. وَأُلْغِيَتْ[1] إِنَّ وَهُوَ مَعْنَاهَا كَمَا تَقُولُ أَنْتَ مُصَدَّقٌ وَمُسَافِرٌ عَنْ قَلِيلٍ إِذَا كَانَ قَدْ قَالَ إِنِّي مُسَافِرٌ عَنْ قَلِيلٍ وَقَدْ يَكُونُ كَالدُّعَاءِ

نیچے لے جانے والی اور رَافِعَةٌ کے معنی جنت کی طرف اُٹھا لے جانے والی۔ مَوْضُونَةٍ کے معنی ہیں بُنے ہوئے، اسی سے ہے وَضِينُ النَّاقَةِ یعنی اونٹنی کا زیر بند۔ اور کُوب کے معنی ہیں آبخورہ جس میں نہ ٹونٹی ہو نہ کنڈا۔ اور أَبَارِيق وہ کوزے جن کی ٹونٹیاں اور کنڈے ہوں۔ مَسْكُوب کے معنی ہیں بہتا ہوا۔ فُرُشٍ مَّرْفُوعَةٍ یعنی اونچے بچھونے جو ایک دوسرے کے اوپر ہوں۔ مُتْرَفِيْنَ کے معنی ہیں آسودہ حال۔ مَا تُمْنُوْنَ سے مراد وہ نطفہ ہے جو عورتوں کے رحموں میں ڈالا جاتا ہے۔ لِلْمُقْوِينَ کے معنی ہیں مسافروں کے لئے اور أَلْقِيّ کے معنی ہیں بے آب وگیاہ بیابان۔ مَوَاقِعُ النُّجُوْم سے مراد ہے قرآن کی محکم آیتیں۔ نیز کہا جاتا ہے ستاروں کے گرنے کی جگہ جب وہ گریں۔ اور مَوَاقِعُ اور مَوْقِعٌ کے ایک ہی معنی ہیں۔ (جائے وقوع) مُدْهِنُونَ کے معنی ہیں جھٹلانے والے۔ جیسے (اس آیت میں ہے:) لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ یعنی کہ تو اپنے دین میں کچھ نرمی کرے تو وہ بھی (اپنے طریق میں کچھ) نرمی کریں۔ فَسَلٰمٌ لَّكَ کے معنی ہیں مُسَلَّمٌ لَكَ یعنی یہ بات مان لی جائے گی کہ تو بھی اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ سے ہے۔ (اس آیت میں) إِنَّ کا لفظ گرا دیا گیا ہے، مگر یہ اس کے معنوں میں ہے جیسا کہ تم اس شخص کو جو یہ

[1] فتح الباری مطبوعہ انصاریہ میں اس جگہ لفظ "أُلْقِيَتْ" ہے۔ (فتح الباری جزء۸ حاشیہ صفحہ ۷۹۶)

لَـهُ كَقَوْلِـكَ فَسَـقْيًا مِّـنَ الرِّجَـالِ إِنْ رَفَعْتَ السَّـلَامَ فَهُوَ مِـنَ الدُّعَـاءِ. تُوْرُوْنَ (الواقعة:٧٢) تَسْـتَخْرِجُونَ، أَوْرَيْـتُ أَوْقَـدْتُ. لَغْوًا(الواقعة:٢٦) بَاطِلًا. تَأْثِيْمًا(الواقعة:٢٦) كَذِبًا.

کہے کہ میں تھوڑی دیر میں سفر کرنے والا ہوں کہتے ہو: أَنْتَ مُصَدَّقٌ وَمُسَافِرٌ عَنْ قَلِيلٍ۔ اور کبھی (سَلَامٌ کا لفظ) اس کے لئے بطور دعا کے بھی مستعمل ہوتا ہے، جیسے تم کہتے ہو: فَسَقْيًا مِّنَ الرِّجَالِ یعنی اُن لوگوں میں سے اللہ تمہیں سیراب کرے۔ اگر تم لفظ سَلَامٌ پر پیش پڑھو تو پھر یہ دعا ہوگی۔ تُوْرُوْنَ کے معنی ہیں تم (آگ) نکالتے ہو اور أَوْرَيْتُ میں نے آگ سلگائی۔ لَغْوًا کے معنی ہیں بیہودہ۔ تَأْثِيْمًا کے معنی ہیں جھوٹ۔

تشریح: سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ: حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"مرنے کے بعد جی اٹھنے کی خبریں اس سورت میں بیان فرمائی گئی ہیں جو لازماً وقوع پذیر ہوں گی۔ اس کے بعد اسلام کے دَورِ اوّل میں قربانی کرنیوالوں اور دَورِ آخر میں قربانی کرنے والوں کا موازنہ فرمایا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ جو اوّل دَور میں دین کیلئے قربانیاں پیش کریں گے اور آخری دَور میں قربانیاں پیش کریں گے ان میں سے بکثرت آپس میں قربانیوں میں مشابہ ہوں گے اور انہیں ایک جیسے درجات عطا کئے جائیں گے۔ لیکن اوّل دور کے بہت سے قربانیاں کرنے والوں کو قربانیوں میں اور ایثار میں بعد میں آنے والوں پر عدد اور رتبہ کے لحاظ سے فوقیت حاصل ہوگی۔ لیکن بعد کے دَور میں بھی کچھ ضرور ہوں گے جنہیں رتبہ کی وہ فضیلتیں عطا ہوں گی جو پہلے دَور والوں کو عطا کی گئیں۔"

(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تعارف سورۃ الواقعہ، صفحہ ۹۸۳)

رُجَّتْ کے معنی ہیں وہ ہلائی گئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًّا ○ (الواقعة:۵) یعنی جس دن ملک کو ہلا دیا جائے گا۔ لغت میں رَجٌّ کے معنی ہلانے اور حرکت دینے کے ہیں۔ (عمدۃ القاری جزء ۱۹ صفحہ ۲۱۷)

بُسَّتْ کے معنی ہیں چور چور کی گئی اور ملا دی گئی اسی طرح جس طرح ستو ملائے جاتے ہیں۔ فرماتا ہے: وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ○ (الواقعة:٦) یعنی اور پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔ بُسَّتْ اور لُتَّتْ کے ایک ہی معنی ہیں۔

یعنی وہ پسے ہوئے میدہ کی طرح ہو گئی۔ اہل عرب میدہ کو بَسِیْسَۃٌ کہتے ہیں۔ ابن مسیب نے کہا کہ بُسَّتْ کے معنی ہیں اس کو اچھی طرح توڑا گیا اور حسن نے کہا: بُسَّتْ کے معنی ہیں اس کو جڑ سے اکھیڑ دیا گیا۔ اور عطیہ نے کہا: ریت اور مٹی کی طرح جسے بچھایا گیا ہو۔ (عمدۃ القاری جزء ۱۹ صفحہ ۲۱۷)

ثُلَّةٌ: یعنی گروہ۔ فرماتا ہے: ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ○ (الواقعة: ۴۰) یعنی یہ گروہ شروع میں ایمان لانے والے لوگوں میں سے بھی کثرت سے ہو گا۔ (ترجمہ تفسیر صغیر)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھلے کھلے طور پر اپنی اُمّت کے حق میں فرما دیا تھا کہ تم آخری زمانہ میں بکلّی یہودیوں کے قدم پر قدم رکھ کر یہودی بن جاؤ گے اور یہ بلائیں آخری زمانہ میں سب سے زیادہ مشرقی ملکوں میں پھیلیں گی یعنی ہندوستان وخراسان وغیرہ میں، تب اس یہودیت کی بیخ کنی کے لئے مسیح ابن مریم نازل ہو گا یعنی مامور ہو کر آئے گا۔ اور فرمایا کہ جیسا کہ یہ اُمّت یہودی بن جائے گی ایسا ہی ابن مریم بھی اپنی صورت مثالی میں اسی اُمّت میں سے پیدا ہو گا نہ یہ کہ یہودی تو یہ اُمّت بنی اور ابن مریم بنی اسرائیل میں سے آوے۔ ایسا خیال کرنے میں سراسر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کسر شان ہے اور نیز آیت ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ○ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ○[1] (الواقعہ: ۴۰، ۴۱) کے برخلاف۔“

(ازالہ اوہام حصہ دوم، روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۴۱۹، ۴۲۰)

نیز فرمایا:

”کیا تم وہ باتیں یاد نہیں کرتے جو عالم الغیب نے کہیں اور اس نے تمہیں ایک آنے والے امام کی قرآن کریم میں خبر دی ہے۔ اور کہا کہ ایک گروہ پہلوں میں سے اور ایک گروہ پچھلوں میں سے ہو گا۔ اور ہر ایک گروہ کے لئے ایک امام ہوتا ہے سو، سوچو کیا اس میں کوئی کلام ہے سو تم امام الآخرین سے کہاں بھاگتے ہو۔“

(نور الحق حصہ دوم، روحانی خزائن جلد ۸ صفحہ ۲۱۷)

اَلْهِيْمُ: هَيْمَاءُ کی جمع ہے۔ کہا جاتا ہے: جَمَلٌ أَهْيَمُ وَنَاقَةٌ هَيْمَاءُ۔ اس کے معنی ہیں پیاسے اونٹ۔ قتادہ کہتے ہیں:

---

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”پہلوں میں سے ایک بڑی جماعت ہے اور پچھلوں میں سے بھی ایک بڑی جماعت ہے۔“

هِیْمٌ اونٹوں کی ایک بیماری ہے جس میں اونٹ کی پیاس نہیں بجھتی اور وہ پیتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ مر جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری جزء۱۹ صفحہ ۲۱۸)

لَمُغْرَمُوْنَ: یعنی وہ جن پر چٹی ڈالی گئی۔ حضرت ابن عباسؓ اور قتادہ سے مروی ہے کہ غَرَامٌ کے معنی عذاب کے ہیں۔ مُغْرَمُوْن سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو عذاب دیا گیا۔ اور ہمدانی کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا محاسبہ کیا گیا۔ (عمدۃ القاری جزء۱۹ صفحہ ۲۱۸)

تَفَكَّهُوْنَ: یعنی تم تعجب کرتے ہو۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ اس کا معنی ہے کہ تم ملامت کرتے ہو۔ حسن کہتے ہیں اس سے مراد ہے کہ تم ندامت محسوس کرتے ہو اور ابن کیسان نے اس کا معنی تَحْزَنُوْن کیا ہے۔ یعنی تم غم کرتے ہو۔ یہ لفظ اضداد میں سے ہے۔ اس کے ایک معنی ہیں مجھے نعمت مل گئی۔ اور ایک معنی ہیں میں غمگین ہوا۔ اَلتَّفَكُّهُ کا مطلب ہے لایعنی بات کرنا۔ اور مزاح کو فَاكِهٌ کہتے ہیں۔ (عمدۃ القاری جزء۱۹ صفحہ ۲۱۹)

خَافِضَةٌ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ○ (الواقعة:۴) یعنی وہ بعض کو نیچا کرنے والی اور بعض کو اُونچا کرنے والی ہے۔ (ترجمہ تفسیر صغیر)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

> "یعنی مسلمانوں اور کافروں کے درمیان فیصلہ کرنے والی گھڑی ضرور آئے گی۔ کافر کتنی ہی تدبیریں کریں اُس کو اپنے وقت سے ٹلا نہیں سکتے۔ اور جب وہ آئے گی تو بعض کو نیچا کر دے گی اور بعض کو اُونچا کر دے گی۔ یعنی کافر آج غالب ہیں اُس دن مغلوب ہو جائیں گے اور مسلمان آج مغلوب ہیں اُس دن غالب ہو جائیں گے۔"

(تفسیر صغیر، سورۃ الواقعۃ حاشیہ آیت ۴)

لِلْمُقْوِیْنَ کے معنی ہیں مسافروں کے لئے۔ اَلْقِيُّ وَالْقَوَاءُ سے مراد آبادی اور رہنے والوں سے خالی جگہ ہے۔ یُقَالُ: أَقْوَتِ الدَّارُ إِذَا خَلَتْ مِنْ سُكَّانِهَا۔ یعنی گھر جب مکینوں سے خالی ہو گیا۔ قطرب کہتے ہیں: لفظ اَلْمُقْوِی اضداد میں سے ہے اس کے معنی غنی کے بھی ہیں اور فقیر کے بھی۔ (عمدۃ القاری جزء۱۹ صفحہ ۲۲۰)

بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ: یعنی قرآن کی محکم آیتیں۔ یہ معنی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔ اس کے علاوہ ستاروں کے گرنے کی جگہ بھی اس کے معنی کئے گئے ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۷۹۸)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> "پھر "مواقع النجوم" کو گواہ ٹھہرایا گیا۔ اُس زمانہ کا انسان تو سمجھتا تھا کہ نجوم چھوٹے چھوٹے چمکنے والے موتی یا پتھر ہیں لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تمہیں

علم ہو کہ وہ چھوٹے چھوٹے سے نظر آنے والے نجوم ہیں کیا چیز تو تم دنگ رہ جاؤ کہ یہ نجوم تو اتنے بڑے بڑے ہیں کہ چاند اور سورج اور زمین اور سیارے بھی ان نجوم کے ایک کنارے میں سما سکتے ہیں۔ پس فرمایا یہ بہت بڑی گواہی ہے جو ہم دے رہے ہیں۔

ان گواہیوں کے بعد یہ فرمایا گیا کہ قرآن کریم بھی ایک چھپی ہوئی کتاب ہے۔ جیسے ستارے دُور ہونے کی وجہ سے تمہاری نظر سے پوشیدہ ہیں اسی طرح قرآن کریم کی رفعتوں کو بھی تمہاری نظر نہیں پاسکتی اور تم اسے چھوٹی سی کتاب دیکھتے ہو۔ اور پھر یہ بھی فرمایا گیا کہ بظاہر تو تم اسے چُھو بھی سکتے ہو یعنی تم اس کے اتنے قریب ہو کہ اسے ہاتھ بھی لگا سکتے ہو لیکن سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کسی کے دل کو پاک کرے وہ اس کے مضامین کو نہیں چُھو سکتا۔“

(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تعارف سورۃ الواقعہ، صفحہ ۹۸۴)

مُدْهِنُونَ کے معنی ہیں جھٹلانے والے۔ اور أَدْهَنَ اور دَاهَنَ ایک ہی ہیں اور اس کی اصل دَهْنٌ ہے جس کے معنی تیل یا چکنائی کے ہیں۔ (عمدۃ القاری جزء ۱۹ صفحہ ۲۲۰) اس سے مراد منافق ہیں جو کبھی کفر کی طرف پھسل کر چلے جاتے ہیں اور کبھی ایمان کی طرف۔

بَاب ۱ : وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ (الواقعة: ۳۱)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) اور ایسی چھاؤں میں جو بہت لمبی ہو گی

۴۸۸۱ : حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ فِي الْجَنَّةِ شَجَرَةً يَسِيرُ الرَّاكِبُ فِي ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ لَا يَقْطَعُهَا وَاقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ وَظِلٍّ

۴۸۸۱: علی بن عبد اللہ نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان (بن عیینہ) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ابو الزناد سے، ابو الزناد نے اعرج سے، اعرج نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ وہ اس حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: جنت میں ایک ایسا درخت ہے جس کے سایہ کے نیچے سوار سو برس تک چلتا

مَّمْدُوْدٍ. (الواقعة: ۳۱) رہے گا، اس کو طے کرنے میں نہیں آئے گا اور اگر تم چاہو تو (یہ آیت) پڑھو: وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ۔ (اور ایسی چھاؤں میں جو بہت لمبی ہوگی)

طرفہ: ۳۲۵۲۔

تشریح: وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ: یعنی اور ایسی چھاؤں میں جو بہت لمبی ہوگی۔

حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”جنت کی نعمتیں مَا لَا يُتَصَوَّرُ وَلَمْ يَخْطُرْ بِبَالِ أَحَدٍ کا مصداق ہیں۔ ان کا تصور اس زندگی میں نہیں کیا جاسکتا سوا اس کے کہ موعودہ نعمتیں دنیا کی نعمتوں کے مشابہ ہوں گی۔ جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کا اس بارے میں یہ قول مروی ہے: لَيْسَ فِي الدُّنْيَا مِمَّا فِي الْجَنَّةِ إِلَّا الْأَسْمَاءُ۔ (فتح الباری جزء ۶ صفحہ ۳۸۶) یعنی صرف نام کا اشتراک ہے۔ ان نعمتوں کی حقیقت کچھ اَور ہی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سورۂ سجدہ میں فرماتا ہے: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (السجدة:۱۸) اور (حقیقت یہ ہے کہ) کوئی شخص نہیں جانتا کہ ان (مؤمنوں) کے لئے ان کے اعمال کے بدلہ میں کیا کیا آنکھیں ٹھنڈی کرنے والی چیزیں (جنت میں) چھپا کر رکھی گئی ہیں۔“

(صحیح بخاری ترجمہ و شرح، کتاب بدء الخلق، جلد ۶ صفحہ ۸۲)

ایک موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت اور اس کی نعماء کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ۔[۱] یعنی وہ جو کسی آنکھ نے نہیں دیکھیں اور نہ کسی کان نے سُنیں اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں اُن کا خیال گزرا۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”جبکہ خدا اور رسول اس کا ان چیزوں کو ایک نرالی چیزیں بتلاتا ہے تو ہم قرآن سے دور جا پڑتے ہیں۔ اگر یہ گمان کریں کہ بہشت میں بھی دنیا کا ہی دودھ ہوگا جو گائیوں اور بھینسوں سے دوہا جاتا ہے۔ گویا دودھ دینے والے جانوروں کے وہاں ریوڑ کے ریوڑ موجود ہوں گے۔ اور درختوں پر شہد کی مکھیوں نے بہت سے چھتے لگائے ہوئے ہونگے اور فرشتے تلاش کرکے وہ شہد نکالیں گے اور نہروں میں

---

[۱] (صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب مَا جَاءَ فِي صِفَةِ الْجَنَّةِ وَأَنَّهَا مَخْلُوقَةٌ، روایت نمبر ۳۲۴۴)

ڈالیں گے۔ کیا ایسے خیالات اس تعلیم سے کچھ مناسبت رکھتے ہیں جس میں یہ آیتیں موجود ہیں کہ دنیا نے ان چیزوں کو کبھی نہیں دیکھا اور وہ چیزیں روح کو روشن کرتی ہیں اور خدا کی معرفت بڑھاتی ہیں اور روحانی غذائیں ہیں۔ گو ان غذاؤں کا تمام نقشہ جسمانی رنگ پر ظاہر کیا گیا ہے مگر ساتھ ساتھ بتایا گیا ہے کہ انکا سرچشمہ روح اور راستی ہے۔ کوئی یہ گمان نہ کرے کہ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت سے یہ پایا جاتا ہے کہ جو جو نعمتیں بہشت میں دی جائیں گی ان نعمتوں کو دیکھ کر بہشتی لوگ انکو شناخت کرلیں گے کہ یہی نعمتیں ہمیں پہلے بھی ملی تھیں۔ جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے: وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَ اُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا (البقرة:۲۶) یعنی جو لوگ ایمان لانے والے اور اچھے کام کرنے والے ہیں جن میں ذرہ فساد نہیں۔ ان کو خوشخبری دے کہ وہ اس بہشت کے وارث ہیں جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ جب وہ عالم آخرت میں ان درختوں کے ان پھلوں میں سے جو دنیا کی زندگی میں ہی ان کو مل چکے تھے پائیں گے تو کہیں گے کہ یہ تو وہ پھل ہیں جو ہمیں پہلے ہی دیئے گئے تھے۔ کیونکہ وہ ان پھلوں کو ان پہلے پھلوں سے مشابہ پائیں گے۔ اب یہ گمان کہ پہلے پھلوں سے مراد دنیا کی جسمانی نعمتیں ہیں بالکل غلطی ہے اور آیت کے بدیہی معنے اور اس کے منطوق کے بالکل برخلاف ہے۔ بلکہ اللہ جلّ شانہٗ اس آیت میں یہ فرماتا ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے انہوں نے اپنے ہاتھ سے ایک بہشت بنایا ہے جس کے درخت ایمان اور جس کی نہریں اعمال صالحہ ہیں۔ اسی بہشت کا وہ آئندہ بھی پھل کھائیں گے اور وہ پھل زیادہ نمایاں اور شیریں ہو گا۔ اور چونکہ وہ روحانی طور پر اسی پھل کو دنیا میں کھا چکے ہوں گے اس لئے دوسری دنیا میں اس پھل کو پہچان لیں گے اور کہیں گے کہ یہ تو وہی پھل معلوم ہوتے ہیں کہ جو پہلے ہمارے کھانے میں آ چکے ہیں اور اس پھل کو اس پہلی خوراک سے مشابہ پائیں گے۔ سو یہ آیت صریح بتا رہی ہے کہ جو لوگ دنیا میں

خدا کی محبت اور پیار کی غذا کھاتے تھے۔ اب جسمانی شکل پر وہی غذا ان کو ملے گی اور چونکہ وہ پریت اور محبت کا مزہ چکھ چکے تھے اور اس کیفیت سے آگاہ تھے۔ اس لئے ان کی روح کو وہ زمانہ یاد آجائے گا کہ جب وہ گوشوں اور خلوتوں میں اور رات کے اندھیروں میں محبت کے ساتھ اپنے محبوب حقیقی کو یاد کرتے اور اس یاد سے لذت اٹھاتے تھے۔

غرض اس جگہ جسمانی غذاؤں کا کچھ ذکر نہیں۔ اور اگر کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ جبکہ روحانی طور پر عارفوں کو یہ غذا دنیا میں مل چکی تھی تو پھر یہ کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ وہ ایسی نعمتیں ہیں کہ نہ دنیا میں کسی نے دیکھیں نہ سنیں اور نہ کسی کے دل میں گذریں۔ اور اس صورت میں ان دونوں آیتوں میں تناقض پایا جاتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ تناقض اس صورت میں ہوتا کہ جب اس آیت میں دنیا کی نعمتیں مراد ہوتیں لیکن جب اس جگہ دنیا کی نعمتیں مراد نہیں ہیں۔ جو کچھ عارف کو معرفت کے رنگ میں ملتا ہے وہ در حقیقت دوسرے جہان کی نعمت ہوتی ہے جس کا نمونہ شوق دلانے کے لئے پہلے ہی دیا جاتا ہے۔“

(اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۳۹۸ تا ۴۰۰)

۵۷- سُورَۃُ الْحَدِیْدِ

قَالَ مُجَاهِدٌ جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ (الحدید:۸) مُعَمَّرِينَ فِيهِ. مِنَ الظُّلُمٰتِ إِلَى النُّوْرِ (الحدید:۱۰) مِنَ الضَّلَالَةِ إِلَى الْهُدَى. فِيْهِ بَأْسٌ شَدِيْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ (الحدید:۲۶) جُنَّةٌ وَسِلَاحٌ. مَوْلٰكُمْ (الحدید:۱۶) أَوْلَى بِكُمْ. لِئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ (الحدید:۳۰) لِيَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتَابِ. يُقَالُ الظَّاهِرُ (الحدید:۴) عَلَى كُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا وَالْبَاطِنُ (الحدید:۴) عَلَى كُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا. أَنْظِرُونَا انْتَظِرُونَا.

مجاہد نے کہا: جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ سے مراد ہے کہ تم کو اس میں آباد کیا۔ مِنَ الظُّلُمٰتِ إِلَى النُّوْرِ کے معنی ہیں گمراہی سے راست روی کی طرف۔ فِيْهِ بَأْسٌ شَدِيْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ سے مراد ہے ڈھالیں اور ہتھیار۔ مَوْلٰكُمْ کے معنی ہیں (آگ) تمہارے زیادہ سزاوار ہے۔ لِئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ یعنی تا کہ اہل کتاب جان لیں۔ (لَا ءزائدہ ہے۔) کہا جاتا ہے کہ الظَّاهِرُ کے معنی (یہ بھی کئے جاتے) ہیں کہ وہ علم کی رُو سے ہر ایک چیز پر عیاں ہے۔ اور الْبَاطِنُ کے معنی ہیں کہ علم کی رُو سے ہر ایک چیز سے چھپا ہوا۔ أَنْظِرُونَا کے معنی ہیں ہمارا انتظار کرو۔

تشریح: **سُورَۃُ الْحَدِیْدِ:** حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اسی سورت میں یہ عظیم الشان آیت ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے یہ بات روشن فرما دی تھی کہ جنت اور جہنم کا ظاہری تصور درست نہیں۔ چنانچہ آیت کریمہ نمبر ۲۲ میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اس کی اس جنت کی طرف پیش قدمی میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو جس جنت کی وسعت زمین و آسمان پر محیط ہے۔ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی تو ایک صحابیؓ نے سوال کیا کہ یارسول اللہؐ! اگر جنت ساری کائنات پر پھیلی ہوئی ہے تو جہنم کہاں ہے؟ آپؐ نے فرمایا: وہ بھی وہیں ہوگی۔ یعنی اسی کائنات کی وسعتوں میں موجود ہوگی جس میں جنت ہے لیکن تمہیں اس بات کا شعور نہیں ہے کہ یہ کیسے ہوگا۔ ایک ہی جگہ

جنت اور جہنم بس رہے ہیں اور ایک کا دوسرے سے کوئی بھی تعلق نہیں۔ اس سے واضح طور پر ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس زمانہ میں ایک Relativity کا تصور عطا فرمایا گیا تھا یعنی ایک ہی جگہ میں ہوتے ہوئے Dimension بدل جانے سے دو چیزوں کا آپس میں کوئی تعلق قائم نہیں رہتا۔"

(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تعارف سورۃ الحدید، صفحہ ۹۹۳)

فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ: ابن ابی نجیح نے اس سے مراد ڈھالیں اور ہتھیار لیے ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۷۹۹) فرماتا ہے: وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ○ (الحدید:۲۶) اور ہم نے لوہا اُتارا جس میں سخت لڑائی کا سامان اور انسانوں کے لئے بہت سے فوائد ہیں تاکہ اللہ اسے جان لے جو اُس کی اور اس کے رسولوں کی غیب میں بھی مدد کرتا ہے۔ یقیناً اللہ بہت طاقتور (اور) کامل غلبہ والا ہے۔ (ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"سورۃ الحدید کی مرکزی آیت وہ ہے جس میں اعلان فرمایا گیا کہ ہم نے لوہے کو نازل فرمایا۔ لفظ نزول کا جو ترجمہ عامۃ الناس کرتے ہیں اس کی رُو سے لوہا گویا آسمان سے برسا ہے حالانکہ وہ زمین کی گہرائیوں سے کھود کر نکالا جاتا ہے۔ اس آیتِ کریمہ سے لفظِ نزول کی اصل حقیقت معلوم ہو جاتی ہے کہ وہ چیز جو اپنی جنس میں سب سے زیادہ فائدہ مند ہے اس کے لئے قرآن کریم میں لفظِ نزول استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ اسی پہلو سے مویشیوں کے متعلق بھی نزول کا لفظ آیا ہے، لباس کے متعلق بھی نزول کا لفظ آیا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا: قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ○ رَّسُوْلًا (الطلاق:۱۱، ۱۲) کہ یقیناً اللہ نے تمہاری طرف مجسم ذکرِ الٰہی رسول نازل کیا ہے۔ اور تمام علماء متفق ہیں کہ ظاہری بدن کے ساتھ آپؐ آسمان سے نہیں اُترے۔ پس سوائے اس کے اور کوئی معنی نہیں کہ تمام رسولوں سے بنی نوع انسان کو سب سے زیادہ فیضان پہنچانے والا رسول حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے۔

(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تعارف سورۃ الحدید، صفحہ ۹۹۳، ۹۹۴)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اصحاب میں سے کسی نے سورۃ الحدید کی آیت وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ کا ذکر کر کے عرض کیا کہ

”معلوم ہوتا ہے کہ حدید نے اپنا فعل باس شدید کا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کیا کہ اس سے سامان جنگ وغیرہ تیار ہو کر کام آتا تھا مگر اس کے فعل مَنَافِعُ لِلنَّاسِ کا وقت یہ مسیح اور مہدی کا زمانہ ہے کہ اس وقت تمام دنیا حدید (لوہے) سے فائدہ اُٹھا رہی ہے (جیسا کہ ریل، تار، دخانی جہاز، کارخانوں اور ہر ایک قسم کے سامان لوہے سے ظاہر ہے)“

حضرت اقدس نے اس پر فرمایا کہ

”میں بھی سارے مضمون لوہے کے قلم ہی سے لکھتا ہوں۔ مجھے بار بار قلم بنانے کی عادت نہیں ہے اس لئے لوہے کے قلم استعمال کرتا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوہے سے کام لیا۔ ہم بھی لوہے ہی سے لے رہے ہیں اور وہی لوہے کی قلم تلوار کا کام دے رہی ہے۔“ (ملفوظات جلد ۲ صفحہ ۵۸۴)

الظَّاهِرُ کے معنی ہیں کہ وہ علم کی رُو سے ہر ایک چیز پر عیاں ہے۔ اور الْبَاطِنُ کے معنی ہیں کہ علم کی رُو سے ہر ایک چیز سے چھپا ہوا ہے۔ یہ معنی یحيٰ الفراء سے منقول ہیں۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۸۰۰) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○ (الحدید: ۴) وہی اوّل اور وہی آخر، وہی ظاہر اور وہی باطن ہے اور وہ ہر چیز کا دائمی علم رکھتا ہے۔ (ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اس کا آغاز اس اعلان کے ساتھ ہوتا ہے کہ زمین و آسمان اور جو کچھ ان میں ہے سب اللہ ہی کی تسبیح کر رہے ہیں اور اوّل بھی وہی ہے اور آخر بھی وہی اور ظاہر بھی وہی اور باطن بھی وہی۔ یعنی اس کے جلوے ظاہر و باہر ہیں مگر جو آنکھ ان کو نہ دیکھ سکے اس کے لئے وہ ہمیشہ باطن ہی رہیں گے۔“

(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تعارف سورۃ الحدید، صفحہ ۹۹۳)

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ کی چار صفتیں ہر وقت رہتی ہیں۔ اللہ اوّل ہے اور جس وقت وہ اوّل ہے اسی وقت آخر بھی ہے اور ظاہر بھی اور باطن بھی۔ هُوَ الْاَوَّلُ کے یہ معنی غلط کئے

گئے ہیں کہ ایک وقت میں خدا اکیلا تھا پھر جہان بنایا۔ دیانندیوں نے بھی غلطی کی ہے کہ کہا کہ چار ارب سال ہو گیا۔ حالانکہ اگر مہاں سنکھ کو مہاں سنکھ میں مہاں سنکھ دفعہ بھی ضرب دیں تب بھی خدا کی ہستی کا پتہ نہیں لگ سکتا۔ مگر قربان جایئے الحمد شریف کے جس نے ربّ العالمین فرما کر فیصلہ کر دیا۔ سب لوگوں نے جہان کی تاریخیں لکھیں مگر قرآن نے ان کو چھوڑ دیا۔ عیسائی بڑے بے ہنگم مؤرخ ہیں۔ سات آٹھ ہزار سے نیچے ہی رہتے ہیں۔ پانڈوؤں کی لڑائی مسیحؑ سے چار ہزار برس پہلے ہوئی۔ قرآن کے عجائبات میں سے یہ ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ کے بنانے کی کوئی تاریخ نہیں بتائی۔ دراصل کوئی ہے ہی نہیں۔ آج بھی اللہ اوّل ہے اور آج ہی آخر بھی ہے۔ جس وقت وہ مجھ کو بنا رہا تھا نطفہ سے بھی پہلے۔ بقول: ہم چو سبزہ بارہا روئیدہ ام کے جبکہ اناج تھا، پھر روٹی بنی، خون بنا، نطفہ بنا۔ غرض کہ جس وقت وہ بنا رہا تھا، جتنا حصّہ میرا بن چکا تھا، ان سب وقتوں میں میری حفاظت فرماتا رہا۔ وہ ہر چیز کے بنانے کے وقت اس کی ابتداء، اوسط اور انتہاء میں موجود ہوتا ہے۔

اوّل: لَيْسَ قَبْلَهُ شَيْءٌ۔ (جس سے پہلے کوئی شئے نہ تھی)

آخر: لَيْسَ بَعْدَهُ شَيْءٌ۔ (جس کے بعد کوئی شئے نہیں)

الظّاہر: لَيْسَ فَوْقَهُ شَيْءٌ۔ (اس پر کسی وقت کوئی حکمران نہیں)

الباطن: لَيْسَ دُوْنَهُ شَيْءٌ۔

اللہ کی ربوبیّت، رحمانیّت اور رحیمیّت اور مالکیت۔ اس سے کوئی الگ چیز ہو ہی نہیں سکتی۔ ایسی کوئی چیز نہیں جس پر اللہ کی ان صفات کا تسلّط نہ ہو۔ لوگوں نے اس بات پر ہنسی اڑائی ہے کہ تم ہمیشہ کا بہشت کس طرح لوگے جبکہ صرف خدا ہی پیچھے رہ جائے گا۔ ربّ، رحمٰن، رحیم، مالک۔ یہ چاروں صفتیں کبھی خالی نہیں رہتیں۔ زمانہ ہر وقت فنا ہوتا رہتا ہے۔ ماضی مر گیا، مستقبل دنیا پر آیا نہیں، حال کا کوئی زمانہ ہی نہیں۔ یہ زمانہ جو ہر وقت فنا ہوتا رہتا ہے اس کے اوّل، آخر خدا ہی ہے۔ ہر آن میں خدا ہمارے ساتھ ہے۔ یہ معنی سوائے قرآن کریم کے اور کسی کو نہیں آتے۔"

(حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۵۱، ۵۲)

ایک عیسائی کے اعتراض کہ "قرآن نے خدا کا نام ظاہر یا تو صرف قافیہ بندی کے لئے لیا ہے یا ویدانتیوں کی مَت پر مخلوق کو خدا کہا ہے" کے جواب میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اس آیت میں پہلا نام الاوّل ہے اور دوسرا نام الآخر۔ یہ دونوں نام یسعیاہ ۴۴ باب ۶ میں موجود ہیں۔ ربّ الافواج فرماتا ہے "میں اوّل اور آخر ہوں اور میرے سوا کوئی خدا نہیں۔"

تیسرا نام اس آیت میں الظاھر اور چوتھا الباطن ہے۔ ظاہر کے معنی لغت عرب میں غالب اور بڑے زور والے کے ہیں۔ اور ظاہر اونچے کو بھی کہتے ہیں اور باطن مخفی کو۔ اب دیکھو ٹھیک انہیں الفاظ کے مرادف معنی ایوب ۱۱ باب ۸۔ "وہ تو آسمان سا اُونچا تو کیا کر سکتا ہے؟ اور پاتال سے نیچے ہے تو کیا جان سکتا ہے۔"

اور حدیث صحیح میں اس آیت کی تفسیر خود افصح العرب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے۔ هُوَ الْاَوَّلُ لَيْسَ قَبْلَهُ شَيْءٌ یعنی جب مخلوق میں سے کسی موجود چیز کو دیکھو تو خدائے تعالیٰ کی ذاتِ بابرکات اُس موجود مخلوق سے پہلے موجود ہے۔ مخلوقات سے کوئی ایسی چیز نہیں جو خدا سے پہلے ہو۔ هُوَ الْاٰخِرُ لَيْسَ بَعْدَهُ شَيْءٌ یعنی ہر چیز کی فنا اور زوال کے بعد اُس کی ذات پاک موجود ہے۔ هُوَ الظَّاهِرُ لَيْسَ فَوْقَهُ شَيْءٌ یعنی ہر چیز سے اُوپر اور غالب وہی ہے۔ اُس سے اُوپر اور غالب کوئی شَے نہیں۔ هُوَ الْبَاطِنُ لَيْسَ دُوْنَهُ شَيْءٌ وہی پوشیدہ ہے۔ سوا اس کے کوئی چیز نہیں ہے۔

یہ تفسیر خوب واضح کرتی ہے کہ زبانِ عرب میں ان الفاظ کا مفہوم اور مراد یہ ہے اور وہی معتبر ہے۔" (فصل الخطاب لمقدمۃ اھل الکتاب، حصّہ اوّل صفحہ ۱۶۷)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

"قرآن شریف میں فرمایا ہے هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ (الحدید:۴) یعنی خدا سب سے پہلے ہے اور باجود پہلے ہونے کے پھر سب سے آخر ہے اور وہ سب سے زیادہ ظاہر ہے اور پھر باوجود سب سے زیادہ ظاہر ہونے کے سب سے پوشیدہ ہے۔" (چشمۂ معرفت، روحانی خزائن جلد ۲۳ صفحہ ۱۱۹، ۱۲۰)

۵۸۔ سُوْرَةُ الْمُجَادَلَةِ

وَقَالَ مُجَاهِدٌ يُحَآدُّوْنَ (المجادلة: ٦) يُشَاقُّونَ اللهَ. كُبِتُوْا (المجادلة: ٦) أُخْزِيُوا مِنَ الْخِزْيِ. اِسْتَحْوَذَ (المجادلة: ٢٠) غَلَبَ.

مجاہد نے کہا: یُحَآدُّوْنَ کے معنی ہیں اللہ کی مخالفت کرتے ہیں۔ کُبِتُوْا کے معنی ہیں رُسوا کئے گئے۔ اِسْتَحْوَذَ یعنی وہ غالب ہو گیا۔

تشریح: سُوْرَةُ الْمُجَادَلَةِ: حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"سورۃ المجادلہ میں جو بار بار یُحَآدُّوْنَ اور حَآدَّ بیان فرمایا گیا ہے۔ اس سے مراد روحانی طور پر ایک دوسرے کو پھاڑنا ہے۔ اور مسلسل یہ ذکر ہے کہ جو لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روحانی زخم پہنچاتے ہیں اور صحابہ رضوان اللہ علیہم کے درمیان تفریق پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس غرض سے چھپ کر مشورے کرتے ہیں وہ تمام اپنے آپ کو ہلاک کرنے والی باتیں کرتے ہیں۔ فرمایا: جو بھی اللہ اور رسول کو اپنے طعنوں سے چرکے لگاتے ہیں وہ نامراد ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر فرض کر لیا ہے کہ وہ اور اس کے رسول ضرور غالب آئیں گے۔"

(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تعارف سورۃ المجادلہ، صفحہ ۱۰۰۲)

کُبِتُوْا کے معنی ہیں رُسوا کئے گئے۔ فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ؕ وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ (المجادلة: ٦) یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے خلاف جاتے ہیں وہ ذلیل کئے جائیں گے جس طرح اُن سے پہلے لوگ ذلیل کئے گئے۔ اور ہم اپنے واضح احکام اُتار چکے ہیں۔ اور جو لوگ (ان واضح احکام کا) انکار کریں گے اُن کو رسوا کرنے والا عذاب پہنچے گا۔ (ترجمہ تفسیر صغیر)

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے مخالف ہوتے ہیں ردّ کیے جائیں گے جیسے کہ پہلے ردّ ہوئے اور ہم کھلے کھلے نشان اُتار چکے ہیں۔ ان کے منکروں کے لیے اہانت کا عذاب ہے گویا ایک سبب ذلت کا اللہ اور اس کے فرستادہ کی (خواہ وہ کسی زمانہ میں ہو) مخالفت ہے اور خدا کے کھلے کھلے نشانوں کا انکار۔"

(حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۵۹)

اِسۡتَحۡوَذَ: یعنی وہ غالب ہو گیا۔ فرمایا: اِسۡتَحۡوَذَ عَلَیۡہِمُ الشَّیۡطٰنُ فَاَنۡسٰہُمۡ ذِکۡرَ اللّٰہِ ؕ اُولٰٓئِکَ حِزۡبُ الشَّیۡطٰنِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزۡبَ الشَّیۡطٰنِ ہُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ○ (المجادلة: ۲۰) یعنی شیطان ان پر غالب آ گیا۔ پس اُس نے اُنہیں اللہ کا ذکر بھلا دیا۔ یہی شیطان کا گروہ ہیں۔ خبردار! شیطان ہی کا گروہ ہے جو ضرور نقصان اٹھانے والے ہیں۔
(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ)

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''نبی کریمؐ اور آپؐ کے جاں نثار صحابہ کرام تمام مخالفوں کے سامنے مظفر منصور بامراد رہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات نہ ہوتی تو اس کے خلاف ہوتا اور یہ بات مجنون کی بڑ بن جاتی۔ مخالفوں کے حق میں فرمایا: اُولٰٓئِکَ حِزۡبُ الشَّیۡطٰنِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزۡبَ الشَّیۡطٰنِ ہُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ○ یہ مخالف شیطانی گروہ ہے۔ خبردار رہو۔ بے ریب شیطانی گروہ ناکام رہے گا۔'' (حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۶۳)

۵۹۔ سُورَةُ الْحَشْرِ

الْجَلَاءَ (الحشر: ٤) الْإِخْرَاجُ مِنْ أَرْضٍ إِلَى أَرْضٍ.

جَلَاءٌ کے معنی ہیں ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف نکالنا۔

باب ۱

٤٨٨٢: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا أَبُو بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ سُورَةُ التَّوْبَةِ قَالَ التَّوْبَةُ هِيَ الْفَاضِحَةُ مَا زَالَتْ تَنْزِلُ وَمِنْهُمْ وَمِنْهُمْ حَتَّى ظَنُّوا أَنَّهَا لَنْ تُبْقِ أَحَدًا مِنْهُمْ إِلَّا ذُكِرَ فِيهَا قَالَ قُلْتُ سُورَةُ الْأَنْفَالِ قَالَ نَزَلَتْ فِي بَدْرٍ قَالَ قُلْتُ سُورَةُ الْحَشْرِ قَالَ نَزَلَتْ فِي بَنِي النَّضِيرِ.

أطرافه: ٤٠٢٩، ٤٦٤٥، ٤٨٨٣۔

۴۸۸۲: محمد بن عبد الرحیم نے ہم سے بیان کیا کہ سعید بن سلیمان نے ہمیں بتایا۔ ہُشیم نے ہم سے بیان کیا کہ ابو بشر نے ہمیں خبر دی۔ انہوں نے سعید بن جبیر سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عباسؓ سے سورۂ توبہ کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے کہا: سورۂ توبہ وہی ہے جو فضیحت کرنے والی ہے۔ اس سورۃ میں برابر یہی اترتا رہا۔ ان میں بعض ایسے ہیں، ان میں بعض ایسے ہیں۔ یہاں تک کہ انہوں نے خیال کیا کہ یہ سورۃ ان میں سے کسی کو باقی نہیں چھوڑے گی مگر اس میں اس کا ضرور ذکر کیا جائے گا۔ (سعید) کہتے تھے: میں نے سورۂ انفال کے متعلق پوچھا۔ (حضرت ابن عباسؓ نے) کہا: یہ بدر کے متعلق نازل ہوئی۔ کہتے تھے، میں نے پوچھا: سورۂ حشر۔ انہوں نے کہا: بنو نضیر کے متعلق نازل ہوئی۔

٤٨٨٣: حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُدْرِكٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَمَّادٍ أَخْبَرَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ سَعِيدٍ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا

۴۸۸۳: حسن بن مُدرک نے ہم سے بیان کیا۔ یحيٰ بن حماد نے ہمیں بتایا کہ ابو عوانہ نے ہمیں خبر دی۔ انہوں نے ابو بشر (جعفر بن ابی وحشیہ) سے، ابو بشر نے سعید (بن جبیر) سے روایت کی۔ انہوں نے کہا:

سُورَةُ الْحَشْرِ قَالَ قُلْ سُورَةُ بَنِي النَّضِيرِ.

میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سورۂ حشر کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا: (یوں) کہو کہ سورۂ بنی نضیر۔

أطرافه: ٤٠٢٩، ٤٦٤٥، ٤٨٨٢۔

تشریح: سُوْرَةُ الْحَشْرِ: اس سورۃ میں دو قسم کے حشر کا ذکر ہے۔ ایک حشر وہ ہے جس میں یہودی قبائل کو اُن کے کئے کی سزا دی گئی۔ بعض کے لئے خود اپنے ہاتھوں اپنے گھروں کو برباد کرنے کی سزا ہوئی، بعض کے لئے قتل کی سزا مقدر ہوئی جبکہ بعض کو جلاوطنی کی سزا دی گئی، جس سے مراد بنو نضیر ہیں۔ اسی نسبت سے اسے سورۂ بنی نضیر بھی کہا گیا ہے۔ یہ اُن کی بدعہدیوں کا نتیجہ تھا۔ اور دوسرا حشر وہ ہے جو آخرت میں منکروں کے لئے بطور سزا ہوگا۔

بَاب ۲: مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ (الحشر: ٦)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) جو کھجوروں کے درخت تم نے کاٹے

نَخْلَةٍ مَا لَمْ تَكُنْ عَجْوَةً أَوْ بَرْنِيَّةً.

(لِیْنَةٍ کے معنی ہیں) کھجور کا درخت جو عجوہ یا برنیہ نہ ہو۔

٤٨٨٤: حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَرَّقَ نَخْلَ بَنِي النَّضِيرِ وَقَطَعَ وَهِيَ الْبُوَيْرَةُ فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى أُصُوْلِهَا فَبِإِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ (الحشر: ٦)

۴۸۸۴: قتیبہ (بن سعید) نے ہم سے بیان کیا کہ لیث (بن سعد) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے نافع سے، نافع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کے کھجوروں کے درخت جلا دیئے اور ان کو کٹوا دیا۔ اور یہ بویرہ کا باغ تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: مَا قَطَعْتُمْ... یعنی جو کھجوروں کے درخت تم نے کاٹے یا جنہیں تم نے اپنی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا، تو سب اللہ کے حکم سے ہوا اور اس لئے ہوا کہ تا وہ بدعہدوں کو رسوا کرے۔

أطرافه: ٢٣٢٦، ٣٠٢١، ٤٠٣١، ٤٠٣٢۔

تشریح: مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ: یعنی جو کھجوروں کے درخت تم نے کاٹے یا جنہیں تم نے اپنی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا، تو سب اللہ کے حکم سے ہوا اور اس لئے ہوا کہ تا وہ بدعہدوں کو رسوا کرے۔

لِیْنَۃٍ ناقص قسم کی کھجور ہے جسے دَقَل بھی کہتے ہیں۔ اس کا پھل ادنیٰ قسم کا اور کھانے میں کم استعمال ہوتا ہے۔ عَجْوَۃٌ مدینہ منورہ کی ایک عمدہ قسم کی کھجور ہے اور بَرْنِیَّۃٌ بھی کھجور ہی کی ایک قسم ہے جو گول اور بہت عمدہ اور مزیدار ہوتی ہے۔ جن کھجوروں کے درخت کاٹے گئے وہ عجوہ اور برنیہ نہیں تھیں بلکہ کھجور کی قسموں میں سے ردّی اور ناکارہ کھجوریں تھیں۔ (فتح الباری جزء ۷ صفحہ ۴۱۶)

بَاب ۳: قَوْلُهُ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ (الحشر: ۸)

اللہ تعالیٰ کا فرمانا: جو اللہ نے اپنے رسول کو بغیر کسی قسم کی مشقت کے عطا کیا

٤٨٨٥: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ غَيْرَ مَرَّةٍ عَنْ عَمْرٍو عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ مَّالِكِ بْنِ أَوْسِ بْنِ الْحَدَثَانِ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَتْ أَمْوَالُ بَنِي النَّضِيرِ مِمَّا اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّا لَمْ يُوجِفِ الْمُسْلِمُونَ عَلَيْهِ بِخَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ فَكَانَتْ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاصَّةً يُنْفِقُ عَلَى أَهْلِهِ مِنْهَا نَفَقَةَ سَنَتِهِ ثُمَّ يَجْعَلُ مَا بَقِيَ فِي السِّلَاحِ وَالْكُرَاعِ عُدَّةً فِي سَبِيلِ اللّٰهِ.

۴۸۸۵: علی بن عبد اللہ (مدینی) نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان (بن عیینہ) نے کئی بار ہمیں بتایا۔ انہوں نے عمرو (بن دینار) سے، عمرو نے زُہری سے، زُہری نے مالک بن اوس بن حدثان سے، مالک نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: بنو نضیر کی جائیدادیں ان مالوں میں سے تھیں جو اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر کسی قسم کی مشقت کے عطا کیں۔ یعنی مسلمانوں نے ان کے لئے نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ۔ اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص تھیں۔ آپؐ ان میں سے اپنے کنبے کو اس کا سال بھر کا خرچ دے دیا کرتے تھے اور جو باقی رہتا اس کو ہتھیار اور گھوڑوں کے خریدنے میں خرچ کرتے جو اللہ کی راہ میں بطور ساز و سامان کے ہوتے۔

أطرافه: ٢٩٠٤، ٣٠٩٤، ٤٠٣٣، ٥٣٥٧، ٥٣٥٨، ٦٧٢٨، ٧٣٠٥۔

بَاب ٤ : وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ (الحشر:٨)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) جو رسول تم کو دے اس پر عمل کرو

٤٨٨٦ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَّنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ لَعَنَ اللهُ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُوتَشِمَاتِ وَالْمُتَنَمِّصَاتِ وَالْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ الْمُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللهِ فَبَلَغَ ذٰلِكَ امْرَأَةً مِّنْ بَنِي أَسَدٍ يُقَالُ لَهَا أُمُّ يَعْقُوبَ فَجَاءَتْ فَقَالَتْ إِنَّهُ بَلَغَنِي أَنَّكَ لَعَنْتَ كَيْتَ وَكَيْتَ فَقَالَ وَمَا لِيَ لَا أَلْعَنُ مَنْ لَّعَنَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ هُوَ فِي كِتَابِ اللهِ فَقَالَتْ لَقَدْ قَرَأْتُ مَا بَيْنَ اللَّوْحَيْنِ فَمَا وَجَدْتُّ فِيهِ مَا تَقُولُ قَالَ لَئِنْ كُنْتِ قَرَأْتِيهِ لَقَدْ وَجَدْتِّيهِ أَمَا قَرَأْتِ وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر:٨) قَالَتْ بَلَى قَالَ فَإِنَّهُ قَدْ نَهَى عَنْهُ قَالَتْ فَإِنِّي أَرَى أَهْلَكَ يَفْعَلُونَهُ قَالَ فَاذْهَبِي فَانْظُرِي فَذَهَبَتْ فَنَظَرَتْ فَلَمْ تَرَ مِنْ حَاجَتِهَا شَيْئًا فَقَالَ لَوْ كَانَتْ

۴۸۸۶: محمد بن یوسف (بیکندی) نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان (بن عیینہ) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے منصور سے، منصور نے ابراہیم سے، ابراہیم نے علقمہ سے، علقمہ نے حضرت عبداللہؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: خوبصورتی کے لیے گودنے والیوں اور گدوانے والیوں اور چہرے کے بال نکالنے والیوں اور دانتوں کے درمیان فاصلہ رکھوانے والیوں، وہ جو اللہ کی پیدائش کو تبدیل کرنے والیاں ہیں، اللہ اُن پر لعنت کرے۔ بنو اسد کی ایک عورت کو یہ خبر پہنچی جسے اُم یعقوب کہتے تھے، وہ آئی اور کہنے لگی: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ آپؓ نے ایسی ایسی عورتوں پر لعنت کی ہے۔ (حضرت ابن مسعودؓ نے) کہا: مجھے کیا ہے کہ ان پر لعنت نہ کروں جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی۔ اور جو اللہ کی کتاب میں (ملعون قرار دی گئی) ہیں۔ وہ کہنے لگی: جو (قرآن کی) اس جلد میں ہے میں نے بھی پڑھا ہے۔ میں نے تو اس میں وہ بات نہیں پائی جو آپؓ کہتے ہیں۔ (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے) کہا: اگر تم اس کو پڑھتی تو ضرور اسے پاتی۔ کیا تم نے یہ نہیں پڑھا؟ یعنی جو رسول نے تمہیں دیا ہے اس پر عمل کرو اور جس بات سے اس نے تم کو روکا ہے اس

كَذٰلِكَ مَا جَامَعْتُهَا.[1]

سے رُک جاؤ۔ وہ کہنے لگی: ہاں (یہ ضرور پڑھا ہے۔ حضرت عبداللہؓ نے) کہا: تو پھر رسول اللہؐ نے اس سے روکا ہے۔ وہ کہنے لگی: میں آپؐ کی بیوی کو دیکھتی ہوں وہ ایسا کرتی ہیں۔ انہوں نے کہا: جاؤ اور دیکھو۔ وہ گئی اور اس نے دیکھا مگر اپنے مطلب کی بات کچھ نہ دیکھی۔ تو (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے) کہا: اگر وہ ایسی ہوتی تو ہمارے ساتھ نہ رہ سکتی۔

أطرافه: ٤٨٨٧، ٥٩٣١، ٥٩٣٩، ٥٩٤٣، ٥٩٤٨۔

٤٨٨٧: حَدَّثَنَا عَلِيٌّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ عَنْ سُفْيَانَ قَالَ ذَكَرْتُ لِعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَابِسٍ حَدِيثَ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوَاصِلَةَ فَقَالَ سَمِعْتُهُ مِنْ امْرَأَةٍ يُقَالُ لَهَا أُمُّ يَعْقُوبَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ مِثْلَ حَدِيثِ مَنْصُورٍ.

۴۸۸۷: علی (بن عبداللہ مدینی) نے ہم سے بیان کیا کہ عبدالرحمٰن (بن مہدی) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے سفیان (ثوری) سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں نے عبدالرحمٰن بن عابس سے منصور کی اس حدیث کا ذکر کیا جو انہوں نے ابراہیم (نخعی) سے، ابراہیم نے علقمہ سے، علقمہ نے حضرت عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالوں میں پیوند لگانے والی پر لعنت کی ہے۔ (عبدالرحمٰن بن عابس نے) کہا: میں نے یہ حدیث ایک عورت سے سنی جسے اُمّ یعقوب کہتے تھے۔ اس نے حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) سے منصور کی حدیث کی طرح ہی حدیث بیان کی۔

أطرافه: ٤٨٨٦، ٥٩٣١، ٥٩٣٩، ٥٩٤٣، ٥٩٤٨۔

[1] عمدۃ القاری کے مطابق اس جگہ لفظ "جَامَعَتْنَا" ہے۔ (عمدۃ القاری جزء ۱۹ صفحہ ۲۲۵) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

تشریح: وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ: یعنی جو رسول تم کو دے اس پر عمل کرو۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں:

"مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر: ۸) یعنی رسول جو کچھ تمہیں علم و معرفت عطا کرے وہ لے لو اور جس سے منع کرے وہ چھوڑ دو۔"

(ازالہ اوہام حصہ دوم، روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۴۳۶)

نیز فرمایا:

"مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ کا حکم بغیر کسی قید اور شرط کے نہیں۔ اول یہ تو دیکھ لینا چاہیئے کہ کوئی حدیث فی الواقع مَآ اٰتٰىكُمْ میں داخل ہے یا نہیں۔ مَآ اٰتٰىكُمْ میں تو وہ داخل ہوگا جس کو ہم شناخت کر لیں کہ درحقیقت رسول نے اس کو دیا ہے اور جب تک پورے طور پر اطمینان نہ ہو تو کیا یہ جائز ہے کہ حدیث کا نام سننے سے مَآ اٰتٰىكُمْ میں اس کو داخل کر دیں۔"

(مباحثہ لدھیانہ، روحانی خزائن جلد ۴ صفحہ ۱۰۷)

بَاب ٥: وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُو الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ (الحشر: ۱۰)

اور جو مدینہ میں پہلے سے رہتے تھے اور ایمان قبول کر چکے تھے

٤٨٨٨: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ يَعْنِي ابْنَ عَيَّاشٍ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ قَالَ قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أُوصِي الْخَلِيفَةَ بِالْمُهَاجِرِينَ الْأَوَّلِينَ أَنْ يَعْرِفَ لَهُمْ حَقَّهُمْ وَأُوصِي الْخَلِيفَةَ بِالْأَنْصَارِ الَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُهَاجِرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَقْبَلَ مِنْ

۴۸۸۸: احمد بن یونس نے ہم سے بیان کیا کہ ابوبکر یعنی ابن عیاش نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے حصین (بن عبدالرحمٰن) سے، حصین نے عمرو بن میمون سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اپنے جانشین کو پہلے مہاجرین کے متعلق یہ وصیت کرتا ہوں کہ وہ ان کے لیے ان کا حق پہچانیں اور اپنے جانشین کو اُن انصار کے متعلق کہ جو گھر میں آباد اور ایمان سنبھالے ہوئے تھے، پیشتر اس کے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرتے، یہ وصیت کرتا ہوں کہ ان میں سے جو نیک

مُحْسِنِهِمْ وَيَعْفُوَ عَنْ مُّسِيئِهِمْ. ہو اس کی قدردانی کرے اور جو بُرا ہو اُس سے درگزر کرے۔

أطرافه: ١٣٩٢، ٣٠٥٢، ٣١٦٢، ٣٧٠٠، ٧٣٢٨-

تشریح: وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ: اور جو مدینہ میں پہلے سے رہتے تھے اور ایمان قبول کر چکے تھے۔ اس آیت میں انصارِ مدینہ کے اخلاص اور قربانی کا ذکر ہے جو انہوں نے اپنے مہاجر بھائیوں کے ساتھ روا رکھا۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”اس وقت مدینہ کے مسلمان دو حصوں میں منقسم تھے۔ ایک تو وہ تھے جو مدینہ کے باشندے نہ تھے بلکہ مکہ یا کسی اور جگہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں آباد ہو گئے تھے، یہ لوگ بوجہ اپنی ہجرت کے مہاجرین کہلاتے تھے۔ دوسرے وہ لوگ تھے جو مدینہ کے رہنے والے تھے۔ اور چونکہ ان لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے مہاجرین کو پناہ دی تھی اور ان کی اعانت کا بیڑا اُٹھایا تھا اس لیے وہ انصار کے نام سے موسوم ہوتے تھے۔ مہاجرین عام طور پر مدینہ میں بالکل بے سروسامان تھے۔ کیونکہ غریب تو غریب تھے ہی، متمول مہاجرین بھی عموماً اپنا سب مال و متاع وطن میں چھوڑ کر نکل آئے تھے۔ انصار نے ان کے ساتھ حقیقی بھائیوں سے بڑھ کر سلوک کیا اور کوئی دقیقہ ان کی مہمان نوازی کا اٹھا نہیں رکھا۔ لیکن اس رشتۂ اخوت کو اور بھی مضبوط کرنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تجویز فرمائی کہ انس بن مالکؓ کے مکان پر انصار و مہاجرین کو جمع فرمایا اور باہم مناسبت کو ملحوظ رکھتے ہوئے دو دو کا جوڑا بنا کر انصار و مہاجرین کے کم و بیش نوے اشخاص کے درمیان باقاعدہ رشتۂ اخوت قائم کر دیا۔ اس سلسلۂ مؤاخاۃ پر طرفین کی طرف سے جس محبت اور اخلاص اور وفاداری کے ساتھ عمل درآمد ہوا وہ آجکل کی حقیقی اخوت کو بھی شرماتا ہے۔ انصار و مہاجرین بھائی بھائی کیا بنے گویا ایک جان دو قالب ہو گئے۔ پہلی تجویز انصار نے اس رشتۂ اخوت کے بعد یہ کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ درخواست پیش کی کہ آپؐ ہمارے باغات کو ہم میں اور ہمارے بھائیوں میں تقسیم فرمادیں۔ لیکن چونکہ

مہاجرین عموماً تجارت پیشہ تھے اور کھیتی باڑی کے کام سے قطعاً ناواقف تھے، بلکہ مکہ والے تو اس کام کو پسند بھی نہیں کرتے تھے اس لیے پھر انصار نے خود ہی یہ تجویز پیش کی کہ باغات کا انتظام اور محنت ہم کریں گے مگر ماحاصل میں سے مہاجرین کو حصہ مل جایا کرے۔[1] چنانچہ اسی کے مطابق عمل ہوتا رہا حتیٰ کہ آہستہ آہستہ مہاجرین کی تجارتیں جن میں وہ مدینہ میں آکر مشغول ہو گئے تھے چل نکلیں اور ان کی اپنی جائیدادیں بھی بن گئیں اور انصار کی طرف سے امداد کی ضرورت نہ رہی۔[2] لکھا ہے کہ جب مہاجرین نے انصار کی طرف سے اس غیر معمولی لطف و شفقت کو دیکھا تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر انصار کے اس سلوک کی بہت تعریف کی اور کہا یا رسول اللہؐ! انصار کی اس نیکی کو دیکھ کر ہمیں ڈر ہوتا ہے کہ کہیں خدا سے سارا اجر وہی نہ لے جائیں۔ آپؐ نے فرمایا نہیں نہیں ایسا نہیں ہوگا جب تک تم ان کی نیکی کے شکر گذار اور خدا کے حضور ان کے لیے دست بدعا ہو گے تم اجر سے محروم نہیں ہو سکتے۔[3] حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سعد بن الربیع انصاریؓ کے بھائی بنے تھے۔ سعدؓ نے اپنا سارا مال و متاع نصف گن گن کر عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے سامنے رکھ دیا اور جوشِ محبت میں یہاں تک کہہ دیا کہ میری دو بیویاں ہیں میں ان میں سے ایک کو طلاق دئے دیتا ہوں اور پھر اس کی عدت گذرنے پر تم اس کے ساتھ شادی کر لینا۔ یہ سعدؓ کی طرف سے جوشِ محبت کا ایک بے اختیاری اظہار تھا ورنہ وہ اور عبدالرحمٰنؓ دونوں جانتے تھے کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ان کا شکریہ ادا کیا اور ان کے لیے دعا کرتے ہوئے کہا کہ خدا یہ سب کچھ تمہیں مبارک کرے مجھے بازار کا رستہ بتا دو۔ چنانچہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے تجارت شروع کی۔ اور چونکہ وہ نہایت ہوشیار اور سمجھدار آدمی تھے آہستہ آہستہ ان کی تجارت چمک اٹھی اور بالآخر وہ ایک نہایت امیر کبیر آدمی بن گئے۔...

---

[1] (صحیح البخاری، كِتَابُ الْهِبَةِ وَفَضْلِهَا وَالتَّحْرِيضِ عَلَيْهَا، بَابُ فَضْلِ الْمَنِيحَةِ، روایت نمبر ۲۶۳۰)

[2] (صحیح مسلم، كِتَابُ الْجِهَادِ وَالسِّيَرِ، بَابُ رَدِّ الْمُهَاجِرِينَ إِلَى الْأَنْصَارِ مَنَائِحَهُمْ)

[3] (سنن ابی داود، كِتَابُ الْأَدَبِ، بَابٌ فِي شُكْرِ الْمَعْرُوفِ)

اس سلسلہ مؤاخات کا اثر وراثت تک پر تھا۔ چنانچہ یہ فیصلہ تھا کہ اگر کوئی انصاری فوت ہو تو اس کا ترکہ بحصہ رسدی اس کے بھائی مہاجر کو بھی ملے۔ یہ سمجھوتہ جنگِ بدر تک قائم رہا جس کے بعد یہ طریق وراثت خدا کی وحی کے ماتحت منسوخ ہو گیا اور صرف حقیقی رشتہ دار وارث قرار دیئے گئے۔[1] اس سلسلۂ مؤاخات میں حضرت ابو بکرؓ خارجہ بن زیدؓ کے بھائی بنے، حضرت عمرؓ عتبان بن مالکؓ کے، حضرت عثمانؓ اوس بن ثابتؓ کے، ابو عبیدۃ بن الجراحؓ سعد بن معاذؓ کے، سعید بن زیدؓ اُبَیّ بن کعبؓ کے، سلمان فارسیؓ ابو درداءؓ کے، مصعب بن عمیرؓ ابو ایوب انصاریؓ کے، عمار بن یاسرؓ حذیفہ بن یمانؓ کے وغیر ذالک۔

مؤاخات کا یہ سلسلہ کئی لحاظ سے مفید اور بابرکت ہوا:

اول: جو پریشانی اور بے اطمینانی مہاجرین کے دلوں میں اس بے وطنی و بے سروسامانی کی حالت میں پیدا ہو سکتی تھی وہ اس سے بڑی حد تک محفوظ ہو گئے۔

دوم: رشتہ داروں اور عزیزوں سے علیحدگی کے نتیجہ میں جس تکلیف کے پیدا ہونے کا احتمال تھا وہ ان نئے روحانی رشتہ داروں کے مل جانے سے جو جسمانی رشتہ داروں کی نسبت بھی زیادہ محبت کرنے والے اور زیادہ وفادار تھے پیدا نہ ہوئی۔

سوم: انصار و مہاجرین کے درمیان جو محبت و اتحاد مذہبی اور سیاسی اور تمدنی لحاظ سے ان ایام میں ضروری تھا وہ مضبوط ہو گیا۔

چہارم: بعض غریب اور بے کار مہاجرین کے لیے ایک سہارا اور ذریعہ معاش پیدا ہو گیا" (سیرت خاتم النبیین ﷺ مصنفہ حضرت مرزا بشیر احمدؓ ایم اے، صفحہ ۳۰۹ تا ۳۱۱)

بَاب ٦: وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ (الحشر: ١٠) الْآيَةَ

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اور وہ اپنے نفسوں پر دوسروں کو مقدم کرتے ہیں

الْخَصَاصَةُ الْفَاقَةُ. الْمُفْلِحُوْنَ (الحشر: ١٠) الْفَائِزُونَ بِالْخُلُودِ، وَالْفَلَاحُ الْبَقَاءُ،

خَصَاصَة کے معنی ہیں بھوک۔ الْمُفْلِحُوْنَ کے معنی ہیں ہمیشہ کامیاب رہنے والے۔ الْفَلَاح کے

---

[1] (شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیة، ذکر المؤاخاة بین الصحابة، جلد ۲ صفحہ ۱۹۳)

حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ عَجِّلْ. وَقَالَ الْحَسَنُ حَاجَةً (الحشر: ١٠) حَسَدًا.

معنی ہیں باقی رہنا۔ حَیَّ عَلَی الْفَلَاح کے معنی ہیں اس کام کی طرف جلدی آؤ جس سے حیات ابدی حاصل ہوتی ہے۔ اور حسن (بصری) نے کہا: (لَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً میں) حَاجَةً سے مراد حسد ہے۔ (یعنی وہ اپنے سینوں میں کوئی حسد نہیں پاتے۔)

٤٨٨٩: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ كَثِيرٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ حَدَّثَنَا فُضَيْلُ بْنُ غَزْوَانَ حَدَّثَنَا أَبُو حَازِمٍ الْأَشْجَعِيُّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ أَتَى رَجُلٌ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَصَابَنِي الْجَهْدُ فَأَرْسَلَ إِلَى نِسَائِهِ فَلَمْ يَجِدْ عِنْدَهُنَّ شَيْئًا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا رَجُلٌ يُضَيِّفُهُ اللَّيْلَةَ يَرْحَمُهُ اللّٰهُ فَقَامَ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ أَنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَذَهَبَ إِلَى أَهْلِهِ فَقَالَ لِامْرَأَتِهِ ضَيْفُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدَّخِرِيهِ شَيْئًا فَقَالَتْ وَاللّٰهِ مَا عِنْدِي إِلَّا قُوتُ الصِّبْيَةِ قَالَ فَإِذَا أَرَادَ الصِّبْيَةُ الْعَشَاءَ فَنَوِّمِيهِمْ وَتَعَالَيْ فَأَطْفِئِي السِّرَاجَ وَنَطْوِي بُطُونَنَا اللَّيْلَةَ فَفَعَلَتْ ثُمَّ غَدَا

۴۸۸۹: یعقوب بن ابراہیم بن کثیر نے ہم سے بیان کیا کہ ابواسامہ نے ہمیں بتایا۔ فضیل بن غزوان نے ہم سے بیان کیا کہ ابوحازم اشجعی نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا: یارسول اللہؐ! مجھے سخت بھوک لگی ہے۔ آپؐ نے اپنی ازواج سے کہلا بھیجا مگر ان کے پاس کچھ نہ پایا۔ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا کوئی شخص ایسا نہیں جو آج رات اسے مہمان ٹھہرائے۔ اللہ اُس پر رحم کرے گا۔ ایک انصاری شخص کھڑا ہوا۔ اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں (اسے مہمان ٹھہراؤں گا۔) وہ اپنے گھر والوں کے پاس گیا اور اپنی بیوی سے کہا: رسول اللہ ﷺ کا مہمان ہے اس سے کوئی چیز چھپا نہ رکھنا۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم! میرے پاس صرف بچوں کی خوراک ہے۔ اس نے کہا: جب بچے شام کا کھانا مانگیں تو اُن کو سُلا دینا اور تم آنا اور دیا بجھا دینا اور

الرَّجُلُ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَقَدْ عَجِبَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ أَوْ ضَحِكَ مِنْ فُلَانٍ وَفُلَانَةٍ فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: وَيُؤْثِرُوْنَ عَلَىٰٓ اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ. (الحشر: ۱۰)

آج رات ہم خالی پیٹ رہیں گے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ پھر صبح کو وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ عزوجل فلاں مرد اور فلاں عورت سے بہت خوش ہوا، یا فرمایا: بہت ہنسا۔ اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل کی: وَيُؤْثِرُوْنَ عَلَىٰٓ اَنْفُسِهِمْ ... یعنی اور وہ اپنے نفسوں پر دوسروں کو مقدم کرتے ہیں گو اُنہیں خود بھوک ہی ہو۔

طرفہ: ۳۷۹۸۔

تشریح: وَيُؤْثِرُوْنَ عَلَىٰٓ اَنْفُسِهِمْ: اور وہ اپنے نفسوں پر دوسروں کو مقدم کرتے ہیں۔ زیر باب روایت نمبر ۴۸۸۹ میں جس شخص کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کا ذکر ہے، امام ابن حجر اور علامہ عینی نے طبرانی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ وہ اہل صفہ میں سے حضرت ابو ہریرہؓ تھے جن کی ضیافت کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھروں سے پتہ کروایا، مگر انتظام نہ ہو سکا۔ پھر آپؐ نے مجلس میں بیٹھے افراد سے فرمایا کہ اس کی کون مہمان نوازی کرے گا۔ حضرت ابوطلحہؓ نے عرض کی: یہ خدمت میرے سپرد کی جائے۔ وہ اُنہیں ساتھ لے گئے اور مہمان نوازی اور قربانی کی ایسی مثال قائم کی کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے ساتھ ان کی قربانی کی یہ مثال ہمیشہ کے لئے محفوظ ہوگئی۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۸۰۵) (عمدۃ القاری جزء۱۹ صفحہ ۲۲۸)

حضرت ابوطلحہؓ اور ان کی اہلیہ حضرت اُم سلیمؓ نہایت ہی مخلص گھرانہ تھا۔ یہ خاندان خدمت کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔ یہ حضرت ابوطلحہؓ ہی ہیں جنہوں نے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران: ۹۳)[1] کے نزول پر اپنے مال کا سب سے قیمتی اور پیارا حصہ بَيْرُحَاءَ نامی باغ اللہ اور اُس کے رسول کی خدمت میں پیش کر دیا۔ (صحیح البخاری، کتاب الزکوۃ، باب الزکاۃ علی الأقارب، روایت نمبر ۱۴۶۱) یہ خاندان خدمت اور اخلاص میں اپنی مثال آپ ہے، ان سے اس قسم کے اخلاص کے نمونے کئی دفعہ چشم فلک نے دیکھے۔ ایک موقع پر حضرت ابوطلحہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھوک کی تکلیف کو محسوس کر کے گھر میں جو کچھ تھا پیش کر دیا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بابرکت وجود سے ایسا اقتداری نشان ظاہر ہوا کہ چند لوگوں کا کھانا اسّی سے زائد افراد کے لئے کفایت کر گیا۔ (صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، روایت نمبر ۳۵۷۸) اسی

[1] ترجمہ تفسیر صغیر: ”تم کامل نیکی کو ہرگز نہیں پاسکتے جب تک کہ اپنی پسندیدہ اشیاء میں سے (خدا کے لیے) خرچ نہ کرو۔“

طرح کے اخلاص کا ایک واقعہ حضرت جابر بن عبداللہؓ کا بھی ملتا ہے۔ انہوں نے غزوہ احزاب کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھوک کو محسوس کیا اور گھر آکر کھانا تیار کروایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ صحابہ کو بھی لے آئے۔ اس موقع پر بھی آپؐ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وہ سلوک ایک نرالی شان سے ظاہر ہوا اور چند لوگوں کا کھانا صحابہ کی ایک جماعت کے لیے کفایت کر گیا جن کی تعداد ایک ہزار بیان کی گئی ہے۔ (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الخندق وھی الاحزاب، روایت نمبر ۴۱۰۲) اسی طرح کے اخلاص کی ایک مثال حضرت ابو الہیثمؓ کی ملتی ہے۔ واقعہ اس طرح ہوا کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ بھوک سے بے تاب ہو کر نکلے اور ایک مخلص صحابی حضرت ابو الہیثمؓ کے گھر گئے۔ وہ گھر میں موجود نہیں تھے۔ ان کی اہلیہ نے ان معزز مہمانوں کو گھر بٹھایا۔ اتنے میں حضرت ابو الہیثمؓ بھی آگئے۔ ضرورت کے مطابق فوری طور پر کھجوریں اور ٹھنڈا پانی پیش کیا۔ پھر گھر میں موجود ایک بکری ذبح کر کے کھانا تیار کروایا اور ان مقدس مہمانوں کی خدمت کی۔

(جامع ترمذی، ابواب الزھد، باب ما جاء فی معیشۃ اصحاب النبی ﷺ)

صحابہ کے اخلاص کے نمونوں میں سے جاں نثاری کا ایک غیر معمولی واقعہ حضرت طلحہؓ کا ہے جنہوں نے غزوۂ اُحد میں اپنے ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس چہرہ کی حفاظت کی۔ اُس ہاتھ پر مسلسل تیر برستے رہے، یہاں تک کہ وہ شل ہو گیا۔ مگر حضرت طلحہؓ نے اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ پر گزند نہ آنے دی۔

(صحیح البخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب ذکر طلحۃ بن عبید اللہ)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”ہمارے ہادی اکملؐ کے صحابہؓ نے اپنے خدا اور رسول کے لئے کیا کیا جان نثاریاں کیں۔ جلاوطن ہوئے، ظلم اٹھائے، طرح طرح کے مصائب برداشت کیے، جانیں دیں لیکن صدق و وفا کے ساتھ قدم مارتے ہی گئے۔ پس وہ کیا بات تھی کہ جس نے انہیں ایسا جاں نثار بنا دیا۔ وہ سچی الٰہی محبت کا جوش تھا جس کی شعاع ان کے دل میں پڑ چکی تھی۔ اس لئے خواہ کسی نبی کے ساتھ مقابلہ کر لیا جاوے، آپؐ کی تعلیم، تزکیہ نفس، اپنے پیروؤں کو دنیا سے متنفر کرا دینا، شجاعت کے ساتھ صداقت کے لئے خون بہا دینا، اس کی نظیر کہیں نہ مل سکے گی۔ یہ مقام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کا ہے۔ اور ان میں جو باہمی الفت و محبت تھی اس کا نقشہ دو فقروں میں بیان فرمایا ہے: وَ اَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ ؕ لَوۡ اَنۡفَقۡتَ مَا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا مَّاۤ اَلَّفۡتَ بَیۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ (الانفال:۶۴) یعنی جو تالیف ان میں ہے وہ ہرگز پیدا نہ ہوتی خواہ

سونے کا پہاڑ بھی دیا جاتا۔ اب ایک اور جماعت مسیح موعودؑ کی ہے جس نے اپنے اندر صحابہؓ کا رنگ پیدا کرنا ہے۔ صحابہؓ کی تو وہ پاک جماعت تھی جس کی تعریف میں قرآن شریف بھرا پڑا ہے۔ کیا آپ لوگ ایسے ہیں؟ جب خدا کہتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کے ساتھ وہ لوگ ہوں گے جو صحابہؓ کے دوش بدوش ہوں گے۔ صحابہؓ تو وہ تھے جنھوں نے اپنا مال، اپنا وطن راہ حق میں دے دیا اور سب کچھ چھوڑ دیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا معاملہ اکثر سنا ہو گا۔ ایک دفعہ جب راہ خدا میں مال دینے کا حکم ہوا تو گھر کا کل اثاثہ لے آئے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ گھر میں کیا چھوڑ آئے تو فرمایا کہ خدا اور رسول کو گھر چھوڑ آیا ہوں۔ رئیس مکہ ہو اور کمبل پوش، غرباء کا لباس پہنے، یہ سمجھ لو کہ وہ لوگ تو خدا کی راہ میں شہید ہو گئے۔"

(ملفوظات جلد اول صفحہ ۲۷)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جاں نثار اور بے لوث خدمت کرنے والوں کا ایسا جنت نظیر معاشرہ قائم ہوا جو قیامت تک مشعلِ راہ اور قابلِ تقلید نمونہ ہے۔ ایسی روشن مثالیں سیرتِ صحابہ کا ایک روشن باب ہے۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ وَرَضُوۡا عَنۡہُ۔

۶۰- سُورَةُ الْمُمْتَحِنَةِ

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً (الممتحنة:٦) لَا تُعَذِّبْنَا بِأَيْدِيهِمْ، فَيَقُولُونَ لَوْ كَانَ هَؤُلَاءِ عَلَى الْحَقِّ مَا أَصَابَهُمْ هَذَا. بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ (الممتحنة:١١) أُمِرَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِفِرَاقِ نِسَائِهِمْ كُنَّ كَوَافِرَ بِمَكَّةَ.

اور مجاہد نے کہا: لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً یعنی ہمیں ان کے ہاتھوں سے سزا نہ دے ورنہ وہ کہیں گے کہ اگر یہ سچائی پر ہوتے تو یہ سزا ان کو نہ پہنچتی۔ بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ سے یہ مراد ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو اپنی ان عورتوں کے چھوڑ دینے کا حکم ہوا جو مکہ میں ابھی کافر ہی تھیں۔

تشریح: سُورَةُ الْمُمْتَحِنَةِ: حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اس سے پہلی سورت میں یہود کے حشر کا ذکر فرمایا گیا ہے اور اس سورت میں مسلمانوں کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ جو اللہ اور رسولؐ کی دشمنی کرتے ہیں ان کو ہرگز دوست نہ بناؤ کیونکہ وہ اگر بظاہر دوست بھی بنتے ہوں تو ان کے سینہ میں بغض بھرا ہوا ہے اور وہ ہر وقت تمہیں ہلاک کرنے کے منصوبے باندھتے رہتے ہیں۔“

(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تعارف سورۃ الممتحنہ صفحہ ۱۰۱۷)

لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً: یعنی ہمیں ان کے ہاتھوں سے سزا نہ دے۔ قتادہ کہتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ وہ (کفار) ہم پر غالب نہ آئیں کہ ہمیں ہمارے ایمان کی وجہ سے فتنہ میں ڈالیں اور یہ خیال کریں کہ وہ سچے ہیں۔ اس لئے وہ ہم پر غالب آئے ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۸۰۷)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے اسلام کی سچائی کا واسطہ دے کر دشمنوں کے غلبہ سے بچنے کی دعا کی اور نتائج نے ثابت کیا کہ اسلام سچا مذہب ہے اس لئے کفار اس پر غالب نہ آسکے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے: اَلْإِسْلَامُ يَعْلُوْ وَلَا يُعْلٰى یعنی اسلام غالب رہتا ہے اور مغلوب نہیں ہوتا۔

(صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ۷۹ إِذَا أَسْلَمَ الصَّبِيُّ فَمَاتَ هَلْ يُصَلَّى عَلَيْهِ)

بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ (الممتحنة:۱۱) یعنی اور کافر عورتوں کے ننگ و ناموس کو قبضہ میں نہ رکھو۔ (ترجمہ تفسیر صغیر) اس سے مراد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو اپنی ان عورتوں کے چھوڑ دینے کا حکم ہوا جو مکہ میں ابھی کافر ہی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنی دو بیویوں قریبہ بنت ابی امیہ اور بنت جرول خزاعی کو طلاق دی۔ (صحیح بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجهاد، روایت نمبر ۲۷۳۳)

ایک سوال یہ ہے کہ وہ کافر عورتیں جو قیدی ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں آجائیں مگر اسلام قبول نہ کریں اُن عورتوں کے متعلق اسلام کی کیا تعلیم ہے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''ایک مدت دراز تک مسلمانوں کو خدا تعالیٰ کی طرف سے یہی حکم ملتا رہا کہ ان لوگوں کی شرارتوں پر صبر کرو۔ مگر آخر کار جب ظلم حد سے بڑھ گیا تو خدا نے اجازت دے دی کہ اب ان شریر لوگوں سے لڑو اور جس قدر وہ زیادتی کرتے ہیں اس سے زیادہ نہ کرو...

جب عرب کے خبیث فطرت ایذا اور دُکھ دینے سے باز نہ آئے اور نہایت بے حیائی اور بے غیرتی سے عورتوں پر بھی فاسقانہ حملے کرنے لگے تو خدا نے اُن کی تنبیہہ کے لئے یہ قانون جاری کر دیا کہ اُن کی عورتیں بھی اگر لڑائیوں میں پکڑی جائیں تو اُن کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جائے۔ پس یہ تو بموجب مثل مشہور کہ عوض معاوضہ گلہ ندارد کوئی محل اعتراض نہیں۔ جیسی ہندی میں بھی یہ مثل مشہور ہے کہ جیسی کرنی ویسی بھرنی... پھر ماسوا اس کے اسلام اس بات کا حامی نہیں کہ کافروں کے قیدی غلام اور لونڈیاں بنائی جائیں بلکہ غلام آزاد کرنے کے بارہ میں اِس قدر قرآن شریف میں تاکید ہے کہ جس سے بڑھ کر متصور نہیں۔ غرض ابتدا غلام لونڈی بنانے کی کافروں سے شروع ہوئی اور اسلام میں بطور سزا کے یہ حکم جاری ہوا اور اُس میں بھی آزاد کرنے کی ترغیب دی گئی۔'' (چشمۂ معرفت، روحانی خزائن جلد ۲۳ صفحہ ۲۵۳ تا ۲۵۵)

نیز آپؑ نے فرمایا:

''یاد رہے کہ نکاح کی اصل حقیقت یہ ہے کہ عورت اور اس کے ولی کی اور نیز مرد کی بھی رضامندی لی جاتی ہے لیکن جس حالت میں ایک عورت اپنی آزادی کے حقوق کھو چکی ہے اور وہ آزاد نہیں ہے بلکہ وہ ان ظالم طبع جنگجو لوگوں میں سے ہے جنہوں نے مسلمانوں کے مردوں اور عورتوں پر بے جا ظلم کئے ہیں۔ تو ایسی عورت جب گرفتار ہو کر اپنے اقارب کے جرائم کی پاداش میں لونڈی بنائی گئی تو اس کی آزادی کے حقوق سب تلف ہو گئے لہٰذا وہ اب فتحیاب بادشاہ کی لونڈی ہے اور ایسی

عورت کو حرم میں داخل کرنے کے لئے اس کی رضامندی کی ضرورت نہیں بلکہ اس کے جنگجو اقارب پر فتحیاب ہو کر اس کو اپنے قبضہ میں لانا یہی اس کی رضامندی ہے۔ یہی حکم توریت میں بھی موجود ہے۔ ہاں قرآن شریف میں فَكُّ رَقَبَةٍ یعنی لونڈی غلام کو آزاد کرنا بڑے ثواب کا کام بیان فرمایا ہے اور عام مسلمانوں کو رغبت دی ہے کہ اگر وہ ایسی لونڈیوں اور غلاموں کو آزاد کر دیں تو خدا کے نزدیک بڑا اجر حاصل کریں گے۔ اگرچہ مسلمان بادشاہ ایسے خبیث اور چنڈال لوگوں پر فتح یاب ہو کر غلام اور لونڈی بنانے کا حق رکھتا ہے مگر پھر بھی بدی کے مقابل پر نیکی کرنا خدا نے پسند فرمایا ہے۔ یہ بہت خوشی کی بات ہے کہ ہمارے زمانہ میں اسلام کے مقابل پر جو کافر کہلاتے ہیں انہوں نے یہ تعدی اور زیادتی کا طریق چھوڑ دیا ہے۔ اس لئے اب مسلمانوں کے لئے بھی روا نہیں کہ ان کے قیدیوں کو لونڈی غلام بنادیں کیونکہ خدا قرآن شریف میں فرماتا ہے: جو تم جنگجو فرقہ کے مقابل پر صرف اسی قدر زیادتی کرو جس میں پہلے انہوں نے سبقت کی ہو۔ پس جبکہ اب وہ زمانہ نہیں ہے اور اب کافر لوگ جنگ کی حالت میں مسلمانوں کے ساتھ ایسی سختی اور زیادتی نہیں کرتے کہ ان کو اور ان کے مردوں اور عورتوں کو لونڈیاں اور غلام بناویں بلکہ وہ شاہی قیدی سمجھے جاتے ہیں اس لئے اب اس زمانہ میں مسلمانوں کو بھی ایسا کرنا ناجائز اور حرام ہے۔" (چشمۂ معرفت، روحانی خزائن جلد ۲۳ حاشیہ صفحہ ۲۵۳)

بَاب ۱: لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ (الممتحنة: ۲)

تم میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ

۴۸۹۰: حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ قَالَ حَدَّثَنِي الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ أَنَّهُ سَمِعَ عُبَيْدَ اللهِ بْنَ أَبِي رَافِعٍ كَاتِبَ عَلِيٍّ يَقُولُ سَمِعْتُ عَلِيًّا

۴۸۹۰: (عبد اللہ بن زبیر) حمیدی نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان (بن عیینہ) نے ہمیں بتایا کہ عمرو بن دینار نے ہم سے بیان کیا، کہا: حسن بن محمد بن علی نے مجھے بتایا کہ انہوں نے عبید اللہ بن ابی رافع سے جو حضرت علیؓ کے منشی تھے سنا۔ وہ کہتے تھے:

رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ بَعَثَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا وَالزُّبَيْرَ وَالْمِقْدَادَ قَالَ انْطَلِقُوا حَتَّى تَأْتُوا رَوْضَةَ خَاخٍ فَإِنَّ بِهَا ظَعِينَةً مَعَهَا كِتَابٌ فَخُذُوهُ مِنْهَا فَذَهَبْنَا تَعَادَى بِنَا خَيْلُنَا حَتَّى أَتَيْنَا الرَّوْضَةَ فَإِذَا نَحْنُ بِالظَّعِينَةِ فَقُلْنَا أَخْرِجِي الْكِتَابَ فَقَالَتْ مَا مَعِي مِنْ كِتَابٍ فَقُلْنَا لَتُخْرِجِنَّ الْكِتَابَ أَوْ لَنُلْقِيَنَّ الثِّيَابَ فَأَخْرَجَتْهُ مِنْ عِقَاصِهَا فَأَتَيْنَا بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا فِيهِ مِنْ حَاطِبِ بْنِ أَبِي بَلْتَعَةَ إِلَى أُنَاسٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ مِمَّنْ بِمَكَّةَ يُخْبِرُهُمْ بِبَعْضِ أَمْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا هَذَا يَا حَاطِبُ قَالَ لَا تَعْجَلْ عَلَيَّ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي كُنْتُ امْرَأً مِنْ قُرَيْشٍ وَلَمْ أَكُنْ مِّنْ أَنْفُسِهِمْ وَكَانَ مَنْ مَّعَكَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ لَهُمْ قَرَابَاتٌ يَحْمُونَ بِهَا أَهْلِيهِمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِمَكَّةَ فَأَحْبَبْتُ إِذْ فَاتَنِي مِنَ النَّسَبِ فِيهِمْ أَنْ أَصْطَنِعَ إِلَيْهِمْ يَدًا يَحْمُونَ قَرَابَتِي وَمَا فَعَلْتُ

میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ ذکر کرتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور زبیرؓ اور مقدادؓ کو بھیجا۔ آپؐ نے فرمایا: چلے جاؤ۔ جب روضہ خاخ میں پہنچو وہاں اُونٹ پر سوار ایک عورت ہوگی، اس کے پاس ایک خط ہے وہ اس سے لے لو۔ ہمیں ہمارے گھوڑے دوڑتے ہوئے لے گئے جب روضہ خاخ میں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک عورت شتر سوار ہے۔ ہم نے کہا: وہ خط نکالو۔ اس نے کہا: میرے پاس کوئی خط نہیں۔ ہم نے کہا: تمہیں وہ خط نکالنا ہوگا ورنہ ہم کپڑے اُتار دیں گے۔ (یہ سُن کر) اس نے اپنے جُوڑے سے وہ خط نکالا اور ہم وہ خط نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے تو اُس میں یہ تھا: حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے مکہ کے چند مشرکوں کے نام۔ وہ اُن کو نبی ﷺ کی کسی بات کے متعلق خبر دے رہا تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: حاطب یہ کیا؟ حاطبؓ نے کہا: یارسول اللہ! میرے متعلق جلدی نہ کیجئے، میں قریش کا ایک آدمی تھا اور میں ان میں سے نہ تھا۔ اور آپؐ کے ساتھ جو مہاجر ہیں ان کی وہاں رشتہ داریاں ہیں جن کے ذریعہ وہ اپنے اُن گھر والوں اور اپنی اُن جائیدادوں کو جو مکہ میں ہیں بچاتے ہیں۔ میں نے یہ چاہا کہ اگر میرا اُن میں کوئی رشتہ نہیں تو میں ان پر کوئی احسان ہی کر دوں تا کہ وہ اس وجہ سے میرے رشتہ داروں کی حمایت کریں۔ اور میں نے

ذَلِكَ كُفْرًا وَّلَا ارْتِدَادًا عَنْ دِينِي فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهُ قَدْ صَدَقَكُمْ فَقَالَ عُمَرُ دَعْنِي يَا رَسُولَ اللهِ فَأَضْرِبَ عُنُقَهُ فَقَالَ إِنَّهُ شَهِدَ بَدْرًا وَّمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ اطَّلَعَ عَلَى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ قَالَ عَمْرٌو وَنَزَلَتْ فِيهِ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ (الممتحنة:۲) قَالَ لَا أَدْرِي الْآيَةَ فِي الْحَدِيثِ أَوْ قَوْلُ عَمْرٍو.

یہ کسی کفر اور نہ ہی اپنے دین سے پھر جانے کی وجہ سے کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: اس نے تم سے سچ سچ بیان کر دیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا: یارسول اللہ! مجھے اجازت دیں اس کی گردن اڑا دوں۔ آپؐ نے فرمایا: وہ بدر میں موجود تھا اور تمہیں کیا معلوم شاید اللہ عزوجل نے بدر والوں کو جھانک کر دیکھا ہو اور فرمایا ہے: جو تم چاہو کرو میں نے پردہ پوشی فرما کر تم سے درگزر کر دیا۔ عمرو (بن دینار) نے کہا: اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ... یعنی اے مومنو! تم میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ۔ (سفیان بن عیینہ نے) کہا: میں نہیں جانتا کہ یہ آیت حدیث میں ہے یا عمرو (بن دینار) نے ہی اس (آیت) کو پڑھا۔

حَدَّثَنَا عَلِيٌّ قَالَ قِيلَ لِسُفْيَانَ فِي هَذَا فَنَزَلَتْ لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ (الممتحنة:۲) الْآيَةَ قَالَ سُفْيَانُ هَذَا فِي حَدِيثِ النَّاسِ حَفِظْتُهُ مِنْ عَمْرٍو مَا تَرَكْتُ مِنْهُ حَرْفًا وَمَا أَرَى أَحَدًا حَفِظَهُ غَيْرِي.

علی (بن عبداللہ مدینی) نے ہم سے بیان کیا، کہا: سفیان سے (حضرت حاطبؓ کے) واقعہ کے متعلق پوچھا گیا۔ کیا یہ آیت اس کے متعلق نازل ہوئی تھی؟ لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ... تم میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ۔ سفیان نے کہا: لوگوں کی روایت میں ایسا ہی ہے۔ میں نے عمرو (بن دینار) سے (سُن کر) یہی یاد رکھا۔ میں نے اس سے ایک حرف نہیں چھوڑا اور میں اپنے سوا کسی کو نہیں دیکھتا کہ اس نے اس حدیث کو یاد رکھا ہو۔

أطرافه: ٣٠٠٧، ٣٠٨١، ٣٩٨٣، ٤٢٧٤، ٦٢٥٩، ٦٩٣٩۔

تشریح: لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ: پوری آیت یہ ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَ قَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَ اِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَ اَنَا اَعْلَمُ بِمَاۤ اَخْفَيْتُمْ وَ مَاۤ اَعْلَنْتُمْ وَ مَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ○ (الممتحنة:۲) اے مومنو! میرے اور اپنے دشمنوں کو گہرا دوست نہ بنایا کرو۔ تم تو ان کی طرف محبت کے پیغام بھیجتے ہو۔ حالانکہ وہ اس حق کے منکر ہیں جو تمہاری طرف آیا ہے۔ وہ تم کو بھی اور رسول کو بھی صرف اس لئے کہ تم سب اللہ پر جو تمہارا ربّ ہے ایمان لائے ہو لڑنے کے لئے (گھروں سے) نکالتے ہیں۔ اگر تم میرے رستہ میں کوشش کرنے اور میری رضاجوئی کے لئے نکلو تو تم میں سے بعض چوری چوری ان کی طرف محبت کا پیغام بھیجتے ہیں اور میں خوب جانتا ہوں اس کو جو تم چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو اور جو کوئی تم میں سے ایسا کام کرے وہ سمجھ لے کہ وہ سیدھے رستہ سے بھٹک گیا۔ (ترجمہ تفسیر صغیر) حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ فرماتے ہیں:

"مذکورہ بالا آیاتِ کریمہ میں دشمن کی طرف میلان اور اس سے راہ و رسم اور تعلقات قائم کرنے یا جاری رکھنے کی بڑی وجہ قرابت و مروت بتائی گئی ہے اور تنبیہ کی گئی ہے کہ یہ امر تمہارے حالات سے دشمن کے واقف ہو جانے کا ذریعہ نہ بنے۔ جنگ میں کامیابی کے لئے ابتدائی ضرورت یہی ہے کہ بر سرِ پیکار قوم کی نیت و قصد، قوت واستعداد اور نقل و حرکت کا صحیح علم حاصل ہو۔ اور حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ سے جو غلطی سرزد ہوئی وہ بھی اسی قسم کی تھی جس کا ذکر آیت مذکورہ بالا میں کیا گیا ہے۔ ان کی اس غلطی پر بعض صحابہ کو شدید غصہ آیا اور انہیں قتل کر دینے پر وہ آمادہ ہو گئے۔ مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظرِ حقیقت بین ان کے قلبی اخلاص تک پہنچی اور آپؐ نے ان کا عذر قبول فرما لیا۔ واقعہ مذکورہ بالا میں آپؐ کے حسنِ انتظام اور خلقِ کریم کی شان نمایاں ہے... اس ساری سورۃ کا موضوع ہی یہ ہے کہ بحالت جنگ خود حفاظتی کی تدابیر مستحکم رکھی جائیں۔ یہاں تک کہ اگر کفار کی طرف سے کوئی اسلام قبول کرنے کے لئے آئے تو اس کی بھی اچھی طرح جانچ کر لی جائے۔"

(صحیح بخاری ترجمہ و شرح، کتاب الجہاد والسیر، باب الجاسوس جلد ۵ صفحہ ۳۵۳)

اس واقعہ میں جس عورت کا ذکر ہے کہ وہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کا خط لے جا رہی تھی درحقیقت وہ اہلِ مکہ

کی جاسوس تھی (جیسا کہ امام بخاری نے کتاب الجہاد میں اس واقعہ پر باب الجاسوس کا عنوان قائم کر کے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے) اس عورت کا انتخاب اہلِ مکہ کی گہری سازش سے نقاب اٹھاتا ہے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ عورت بنی ہاشم کے گھروں سے پرانا تعلق رکھتی ہے اور انہی کی امداد پر اس کی گزرانِ اوقات ہوتی تھی اس لیے اس کا انتخاب کیا تا کہ کوئی اس پر شک نہ کرے۔ اور حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کا خط دینا اللہ تعالیٰ کی اس حکمتِ بالغہ کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے جس سے اسلام پر یہ دھبہ لگنے سے بچایا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غریب مسکین عورت کو جاسوسی کے الزام میں پکڑا۔ اس خط کی برآمدگی نے اس عورت کا مجرم ہونا ثابت کر دیا اور یوں اللہ تعالیٰ نے اسلام کے چہرے کو اس داغ سے ہمیشہ کے لیے بچا لیا کہ اسلام کے عورت کی عزت کے دعویٰ اور عمل میں فرق ہے کیونکہ دنیا کی کوئی تہذیب جاسوس اور مجرم کو بری قرار نہیں دیتی خصوصاً جبکہ اس سے جاسوسی کا مال بھی برآمد ہو جائے۔ اس واقعہ کی تفصیل حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے بیان فرمائی ہے۔ آپؓ فرماتے ہیں:

> ”اس جگہ سارہ والے واقعہ کا بیان کر دینا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا اور وہ اس طرح سے ہے کہ سارہ نام ایک عورت جو کہ مکہ میں رہتی تھی اور خاندانِ بنی ہاشم کے زیرِ سایہ پرورش پایا کرتی تھی۔ ان ایام میں جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے واسطے کوچ کی تیاری کی آپؐ کے پاس مدینہ میں آئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ کیا تو مسلمان ہو کر مکہ سے بھاگ آئی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں، میں مسلمان ہو کر نہیں آئی بلکہ بات یہ ہے کہ میں اس وقت محتاج ہوں اور آپؐ کا خاندان ہمیشہ میری پرورش کیا کرتا ہے۔ اس واسطے میں آپؐ کے پاس آئی ہوں تا کہ مجھے کچھ مالی امداد مل جائے۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے بعض لوگوں کو فرمایا اور انہوں نے اس کو کچھ کپڑا اور روپیہ وغیرہ دیا جس کے بعد وہ واپس اپنے وطن کو روانہ ہو گئی۔ جب روانہ ہونے لگی تو حاطب نے جو کہ اصحاب میں سے تھا اس کو دس درہم دیے اور کہا کہ میں تجھے ایک خط دیتا ہوں، یہ خط اہلِ مکہ کو دے دینا۔ اس بات کو اس نے قبول کیا اور وہ یہ خط بھی لے گئی۔ اس خط میں حاطب نے اہلِ مکہ کو خبر کی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا ہے تم ہوشیار ہو جاؤ۔ وہ عورت ہنوز مدینہ سے روانہ ہی ہوئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی الٰہی خبر مل گئی کہ وہ ایک خط لے کر گئی ہے۔ چنانچہ آپؐ نے اسی وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بمع عمارؓ اور ایک جماعت کے روانہ کر دیا کہ

اس کو پکڑ کر اس سے خط لے لیں.... چنانچہ اس جماعت نے اس کو راہ میں جا پکڑا۔ اس نے انکار کیا اور قسم کھائی کہ میرے پاس کوئی خط نہیں جس پر حضرت علیؓ نے تلوار کھینچ لی اور کہا کہ ہم کو جھوٹ نہیں کہا گیا۔ بذریعہ وحیٔ الٰہی کے خبر ملی ہے۔ خط ضرور تیرے پاس ہے۔ تلوار کے ڈر سے اس نے خط اپنے سر کے بالوں میں سے نکال دیا۔ جب خط آ گیا اور معلوم ہوا کہ وہ حاطب کی طرف سے ہے تو حاطب بلایا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ یہ تو نے کیا کیا؟ اس نے کہا مجھے خدا کی قسم ہے کہ جب سے میں ایمان لایا ہوں کبھی کافر نہیں ہوا۔ بات صرف اتنی ہے کہ مکہ میں میرے قبائل کا کوئی حامی اور خبر گیر نہیں۔ میں نے اس خط سے صرف یہ فائدہ حاصل کرنا چاہا تھا کہ کفار میرے قبائل کو دکھ نہ دیں۔ حضرت عمرؓ نے چاہا کہ حاطبؓ کو قتل کر دیں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اصحابِ بدر پر خوشنودی کا اظہار کیا ہے اور کہا ہے کہ کرو جو بھی ہو میں نے تمہیں بخش دیا۔" (حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۵۲۸، ۵۲۹)

بَاب ۲: إِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ (الممتحنة: ۱۱)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) جب مومن عورتیں تمہارے پاس ہجرت کر کے آئیں

٤٨٩١: حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَخِي ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَمِّهِ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَمْتَحِنُ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ بِهَذِهِ الْآيَةِ بِقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ إِلَى

۴۸۹۱: اسحاق (بن منصور) نے مجھے بتایا کہ ہم سے یعقوب بن ابراہیم بن سعد نے بیان کیا کہ ہمیں ابن شہاب کے بھتیجے نے اپنے چچا سے روایت کرتے ہوئے بتایا۔ (انہوں نے کہا:) مجھے عروہ (بن زبیر) نے خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو مومن عورتیں آپؐ کے پاس ہجرت کر کے آتیں اس آیت سے آپؐ ان کا امتحان لیتے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قَوْلِهِ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○ (الممتحنة:١٣)
قَالَ عُرْوَةُ قَالَتْ عَائِشَةُ فَمَنْ أَقَرَّ بِهَذَا الشَّرْطِ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ قَالَ لَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ بَايَعْتُكِ كَلَامًا وَلَا وَاللهِ مَا مَسَّتْ يَدُهُ يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ فِي الْمُبَايَعَةِ مَا يُبَايِعُهُنَّ إِلَّا بِقَوْلِهِ قَدْ بَايَعْتُكِ عَلَى ذَلِكِ.

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ...[1]
عروہ نے کہا: حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں: جس مؤمن عورت نے اس شرط کا اقرار کرلیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے فرماتے: میں نے تجھ سے بیعت لے لی۔ یہ زبان سے فرماتے اور ہرگز نہیں، اللہ کی قسم ہرگز نہیں، آپؐ کے ہاتھ نے کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو بیعت کے وقت نہیں چھوا۔ آپؐ ان سے بیعت صرف یہ کہہ کر ہی لیتے تھے کہ میں نے تم سے اس اقرار پر بیعت لے لی۔

تَابَعَهُ يُونُسُ وَمَعْمَرٌ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ إِسْحَاقَ عَنِ الزُّهْرِيِّ. وَقَالَ إِسْحَاقُ بْنُ رَاشِدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ وَعَمْرَةَ.

(زُہری کے بھتیجے کی طرح) یونس، معمر اور عبدالرحمٰن بن اسحاق نے بھی زُہری سے یہی روایت کی۔ اور اسحاق بن راشد نے زُہری سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے عروہ اور عَمرہ سے نقل کیا۔

أطرافه: ٢٧١٣، ٢٧٣٣، ٤١٨٢، ٥٢٨٨، ٧٢١٤۔

تشریح: اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جو مؤمن عورتیں ہجرت کر کے آتیں رسول اللہ ﷺ اس آیت کے تابع ان کا جائزہ لیتے۔ اس جائزہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں لفظ امتحان استعمال کیا ہے۔ یہ لفظ مَحَنَ سے ہے۔ اس کے معنی ہیں کھرے کھوٹے کا نکھار کیا۔ کہتے ہیں: مَحَنَ الْفِضَّةَ: صَفَّاهَا وَخَلَّصَهَا بِالنَّارِ آگ سے چاندی کو صاف اور خالص بنایا۔ (اقرب الموارد- محن) قرآنِ کریم میں لفظِ امتحان اس آیت میں بھی آیا ہے۔ فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”اے نبی! جب مومن عورتیں تیرے پاس آئیں (اور) اس (امر) پر تیری بیعت کریں کہ وہ کسی کو اللہ کا شریک نہیں ٹھہرائیں گی اور نہ ہی چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ ہی (کسی پر) کوئی جھوٹا الزام لگائیں گی جسے وہ اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے سامنے گھڑلیں اور نہ ہی معروف (امور) میں تیری نافرمانی کریں گی تو تُو اُن کی بیعت قبول کر اور اُن کے لئے اللہ سے بخشش طلب کر۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔“

اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ○ (الحجرات: ۴) یعنی وہ لوگ جو اپنی آوازوں کو رسول کے سامنے دبا کر رکھتے ہیں، وہی ہیں جن کے دلوں کا اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے پوری طرح جائزہ لے لیا ہے اور اُن کے لئے مغفرت اور بڑا اَجر مقدر ہے۔ (ترجمہ تفسیر صغیر) ظاہری ادب سے دِلوں کی کیفیت کا پتہ چلتا ہے۔ اسی طرح جن عورتوں سے متعلق بذریعہ تحقیق و آزمائش معلوم ہو جائے کہ وہ اپنا دین محفوظ کرنے کی غرض سے ہجرت کر کے آئی ہیں، وہ واپس نہ کی جائیں۔ سورۂ ممتحنہ کا نزول صلح حدیبیہ کے بعد ہوا اور اس میں جو واضح حکم عورتوں سے متعلق وارد ہوا ہے، اس حکم میں جہاں تک کفار کی عورتوں کا تعلق ہے اُن کے ساتھ پورا منصفانہ سلوک مدنظر رکھا گیا ہے۔

بَاب ۳: اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ (الممتحنة: ۱۳)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) جب مؤمن عورتیں تیرے پاس تجھ سے بیعت کرنے آئیں

٤٨٩٢: حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيرِينَ عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ بَايَعْنَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَأَ عَلَيْنَا اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا (الممتحنة: ۱۳) وَنَهَانَا عَنِ النِّيَاحَةِ فَقَبَضَتْ امْرَأَةٌ يَدَهَا فَقَالَتْ أَسْعَدَتْنِي فُلَانَةُ فَأُرِيدُ أَنْ أَجْزِيَهَا فَمَا قَالَ لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا فَانْطَلَقَتْ وَرَجَعَتْ فَبَايَعَهَا.

أطرافه: ۱۳۰٦، ۷۲۱٥۔

۴۸۹۲: ابو معمر نے ہم سے بیان کیا کہ عبدالوارث نے ہمیں بتایا۔ ایوب نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے حفصہ بنت سیرین سے، حفصہ نے حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔ وہ کہتی تھیں: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی۔ آپ نے ہمارے سامنے یہ آیت پڑھی کہ وہ اللہ کے سوا کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی اور آپ نے ہمیں بَین کرنے سے روکا تو ایک عورت نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور بولی: فلاں عورت نے (بَین کرنے میں) میری مدد کی تھی۔ میں چاہتی ہوں کہ میں بھی اس کے عوض میں (اس کے ساتھ بَین) کرلوں۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے کچھ نہیں فرمایا۔ وہ چلی گئی اور پھر لوٹ آئی اور آپ نے اس سے بیعت لی۔

٤٨٩٣: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ قَالَ حَدَّثَنَا

۴۸۹۳: عبداللہ بن محمد نے ہم سے بیان کیا کہ وہب بن جریر نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے کہا: ہم

أَبِي قَالَ سَمِعْتُ الزُّبَيْرَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ (الممتحنة:١٢) قَالَ إِنَّمَا هُوَ شَرْطٌ شَرَطَهُ اللهُ لِلنِّسَاءِ.

سے میرے باپ نے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: میں نے زبیر (بن خریت) سے سنا۔ زبیر نے عکرمہ سے، عکرمہ نے حضرت ابن عباسؓ سے اللہ تعالیٰ کے اس قول (وَلَا يَعْصِينَكَ...) کے متعلق روایت بیان کی۔ یعنی وہ کسی بھلے کام میں تیری نافرمانی نہیں کریں گی۔ (حضرت ابن عباسؓ نے) کہا: یہ ایک شرط تھی جو اللہ نے عورتوں کے لئے لگائی۔

٤٨٩٤: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ الزُّهْرِيُّ حَدَّثَنَاهُ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو إِدْرِيسَ سَمِعَ عُبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَتُبَايِعُونِي عَلَى أَنْ لَّا تُشْرِكُوا بِاللهِ شَيْئًا وَّلَا تَزْنُوا وَلَا تَسْرِقُوا وَقَرَأَ آيَةَ النِّسَاءِ وَأَكْثَرُ لَفْظِ سُفْيَانَ قَرَأَ الْآيَةَ فَمَنْ وَّفَى مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى اللهِ وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَعُوقِبَ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ وَمَنْ أَصَابَ مِنْهَا شَيْئًا مِّنْ ذَلِكَ فَسَتَرَهُ اللهُ فَهُوَ إِلَى اللهِ إِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ وَإِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ.

۴۸۹۴: علی بن عبد اللہ نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان (بن عیینہ) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے کہا: زُہری نے ہم سے یہ بیان کیا، انہوں نے کہا: ابو ادریس (خولانی) نے مجھے بتایا کہ انہوں نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے سنا۔ حضرت عبادہؓ نے کہا: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے تو آپؐ نے فرمایا: کیا تم مجھ سے ان باتوں پر بیعت کرتے ہو کہ تم اللہ کا کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گے اور نہ تم زنا کرو گے اور نہ چوری کرو گے۔ اور آپؐ نے آیت النساء پڑھی۔ اور سفیان نے (اس حدیث میں) اکثریوں کہا کہ آپؐ نے یہ آیت پڑھی (پھر فرمایا:) جس نے تم میں سے اس عہد کو پورا کیا اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہوگا اور جو اس میں سے کچھ کر بیٹھا اور پھر اسے سزا دے دی گئی تو یہ سزا اُس کے لئے کفارہ ہوگی اور جو اس میں سے کچھ کر بیٹھا اور اللہ نے پردہ پوشی کی تو اللہ کے سپرد ہے اگر اس نے چاہا تو اس کو سزا دے گا اور اگر

چاہا تو پردہ پوشی فرما کر درگزر کر دے گا۔

تَابَعَهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَّعْمَرٍ فِي الْآيَةِ.

(علی بن عبداللہ کی طرح) اس حدیث کو عبدالرزاق نے بھی بیان کیا ہے۔ انہوں نے معمر سے اس آیت کے متعلق روایت کی ہے۔

أطرافه: ١٨، ٣٨٩٢، ٣٨٩٣، ٣٩٩٩، ٦٧٨٤، ٦٨٠١، ٦٨٧٣، ٧٠٥٥، ٧١٩٩، ٧٢١٣، ٧٤٦٨-

٤٨٩٥ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ مَعْرُوفٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ قَالَ وَأَخْبَرَنِي ابْنُ جُرَيْجٍ أَنَّ الْحَسَنَ بْنَ مُسْلِمٍ أَخْبَرَهُ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ شَهِدْتُ الصَّلَاةَ يَوْمَ الْفِطْرِ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ فَكُلُّهُمْ يُصَلِّيهَا قَبْلَ الْخُطْبَةِ ثُمَّ يَخْطُبُ بَعْدُ فَنَزَلَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ حِينَ يُجَلِّسُ الرِّجَالَ بِيَدِهِ ثُمَّ أَقْبَلَ يَشُقُّهُمْ حَتَّى أَتَى النِّسَاءَ مَعَ بِلَالٍ فَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ

۴۸۹۵: محمد بن عبدالرحیم نے ہم سے بیان کیا کہ ہارون بن معروف نے ہمیں بتایا۔ عبداللہ بن وہب نے ہم سے بیان کیا، کہا: اور ابن جریج نے مجھے خبر دی کہ حسن بن مسلم نے انہیں بتایا۔ انہوں نے طاؤس سے، طاؤس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں نے عید الفطر کے دن نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ پڑھی تو وہ سب ہی اس نماز کو خطبہ سے پہلے پڑھا کرتے تھے اور اس (کے پڑھنے) کے بعد لوگوں سے مخاطب ہوتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اُترے گویا کہ میں اب بھی آپؐ کو دیکھ رہا ہوں، جب آپؐ اپنے ہاتھ کے اشارے سے لوگوں کو بٹھا رہے تھے۔ پھر آپؐ ان کی صفوں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھے اور مع بلالؓ عورتوں کے پاس آئے اور آپؐ نے یہ آیت پڑھی: یٰٓاَیُّھَا

أَوْلَادَهُنَّ وَ لَا يَأْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ (الممتحنة:١٣) حَتَّى فَرَغَ مِنَ الْآيَةِ كُلِّهَا ثُمَّ قَالَ حِينَ فَرَغَ أَنْتُنَّ عَلَى ذَلِكَ وَقَالَتْ امْرَأَةٌ وَاحِدَةٌ لَمْ يُجِبْهُ غَيْرُهَا نَعَمْ يَا رَسُولَ اللهِ لَا يَدْرِي الْحَسَنُ مَنْ هِيَ قَالَ فَتَصَدَّقْنَ وَبَسَطَ بِلَالٌ ثَوْبَهُ فَجَعَلْنَ يُلْقِينَ الْفَتَخَ وَالْخَوَاتِيمَ فِي ثَوْبِ بِلَالٍ.

النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ ...[1] آپؐ نے پوری آیت پڑھی۔ پھر جب فارغ ہوئے فرمایا: تم ان شرطوں پر قائم ہو؟ صرف ایک ہی عورت نے کہا: جی ہاں یارسول اللہ۔ اس کے سوا کسی نے جواب نہیں دیا۔ حسن (بن مسلم) نہیں جانتے کہ وہ کون تھی۔ آپؐ نے فرمایا: اچھا تو صدقہ دو۔ اور حضرت بلالؓ نے اپنا کپڑا پھیلا دیا اور وہ حضرت بلالؓ کے کپڑے میں چھلے اور انگوٹھیاں ڈالنے لگیں۔

أطرافه: ٩٨، ٨٦٣، ٩٦٢، ٩٦٤، ٩٧٥، ٩٧٧، ٩٧٩، ٩٨٩، ١٤٣١، ١٤٤٩، ٥٢٤٩، ٥٨٨٠، ٥٨٨١، ٥٨٨٣، ٧٣٢٥۔

تشریح: **اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ:** جب مؤمن عورتیں تیرے پاس تجھ سے بیعت کرنے آئیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام وقت کی بیعت کرنا مردوں اور عورتوں کے لئے ضروری ہے۔ مگر عورتوں کی بیعت مردوں کی طرح نہیں ہوتی۔ امام وقت اُن کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیعت نہیں لیتے بلکہ زبانی اقرار کی صورت میں وہ امام کے پیچھے بیعت کے الفاظ کو دوہرائیں گی۔ بعض شارحین کے نزدیک اگر امام وقت کسی محرم کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھیں اور باقی عورتیں اس پر اپنا ہاتھ رکھیں تو یوں اس جسمانی تعلق سے اُن روحانی لہروں کو جذب کرنے کا طریق ہو سکتا ہے جیسا کہ مردوں کی بیعت میں ہوتا ہے۔ وگرنہ عورتوں کی بیعت زبانی ہی ہوگی اور کسی نامحرم کا ہاتھ چھونا منع ہے۔ جن باتوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت عورتوں سے بیعت لی وہ آج بھی عورتوں کے لئے اتنی ہی اہم ہیں۔ مثلاً شرک سے اجتناب، جزع فزع اور نوحہ سے روکنا، بین وغیرہ کرنا اسی زمرے میں آتا ہے۔

افسوس مسلمان عورتوں نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کو بھلا دیا اور جن بدرسوم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان عورتوں کو منع فرمایا تھا وہ رسومات آج مسلم معاشرے میں عام نظر آتی ہیں۔ اسلام نے

---

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ''اے نبی! جب مومن عورتیں تیرے پاس آئیں (اور) اس (امر) پر تیری بیعت کریں کہ وہ کسی کو اللہ کا شریک نہیں ٹھہرائیں گی اور نہ ہی چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ ہی (کسی پر) کوئی جھوٹا الزام لگائیں گی جسے وہ اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے سامنے گھڑ لیں اور نہ ہی معروف (امور) میں تیری نافرمانی کریں گی تو تُو اُن کی بیعت قبول کر اور اُن کے لئے اللہ سے بخشش طلب کر۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔''

آنکھ کے آنسو اور دل کے غم کو منع نہیں کیا۔ مگر سینہ کوبی کرنا، جاہلیت کے بین کرنا اور نوحہ خوانی کرنا منع ہے۔ اور تربیت کا یہ پہلو آج بھی بشدت محسوس ہوتا ہے۔ آج جماعت احمدیہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے خلافت احمدیہ کے زیر سایہ ان بدرسوم کے خلاف جہاد کا علم اُٹھائے ہوئے ہے۔ جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے فرمایا تھا:

”ہمارے معاشرے میں خاص طور پر اور دنیا کے مسلمانوں میں عام طور پر بیسیوں، سینکڑوں شاید ہزاروں بدرسمیں داخل ہو چکی ہیں۔ احمدی گھرانوں کا یہ فرض ہے کہ وہ تمام بدرسوم کو جڑ سے اکھیڑ کے اپنے گھروں سے باہر پھینک دیں۔“

(خطبات ناصر جلد اول، صفحہ ۷۵۸)

مزید فرمایا:

”ہر گھرانے کو یہ بتادینا چاہتا ہوں کہ میں ہر گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر اور ہر گھرانہ کو مخاطب کر کے بدرسوم کے خلاف جہاد کا اعلان کرتا ہوں اور جو احمدی گھرانہ بھی آج کے بعد ان چیزوں سے پرہیز نہیں کرے گا اور ہماری اصلاحی کوشش کے باوجود اصلاح کی طرف متوجہ نہیں ہوگا وہ یہ یاد رکھے کہ خدا اور اس کے رسول اور اس کی جماعت کو اس کی کچھ پرواہ نہیں ہے۔ وہ اس طرح جماعت سے نکال کے باہر پھینک دیا جائے گا جس طرح دودھ سے مکھی۔...

پس آج میں اس مختصر سے خطبہ میں ہر احمدی کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے منشاء کے مطابق اور جماعت احمدیہ میں اس پاکیزگی کو قائم کرنے کے لیے جس پاکیزگی کے قیام کیلئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام دنیا کی طرف مبعوث ہوئے تھے ہر بدعت اور بدرسم کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا ہے اور میں اُمید رکھتا ہوں کہ آپ سب میرے ساتھ اس جہاد میں شریک ہوں گے۔“

(خطبات ناصر جلد اول، صفحہ ۷۶۲، ۷۶۳)

٦١۔ سُورَةُ الصَّفِّ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: مَنْ اَنْصَارِيْۤ اِلَى اللهِ (الصف:١٥) مَنْ يَتَّبِعُنِي إِلَى اللهِ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مَرْصُوْصٌ (الصف:٥) مُلْصَقٌ بَعْضُهُ اِلَى بَعْضٍ، وَقَالَ يَحْيَى بِالرَّصَاصِ.

اللہ کے نام کے ساتھ جو رحمٰن اور رحیم ہے

اور مجاہد نے کہا: مَنْ اَنْصَارِيْۤ اِلَى اللهِ سے یہ مراد ہے کہ میری پیروی کر کے اللہ کی طرف کون جاتا ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا: مَرْصُوْصٌ کے معنی ہیں ایک دوسرے سے جڑے ہوئے۔ اور یحيٰی نے کہا: سیسہ سے جڑا ہوا۔

تشریح: سُورَةُ الصَّفِّ: حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اس سورۃ کے آخر پر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپؑ کی پیشگوئیوں کا ذکر چل رہا ہے اس لئے جس طرح آپؑ نے یہ اعلان کیا تھا کہ کون ہے جو اللہ کے لئے آپؑ کا مددگار بنے گا، اُسی طرح لازم ہے کہ دورِ آخرین میں جب دوبارہ یہ اعلان ہو تو تمام وہ مسلمان جو سچے دل سے ان پیشگوئیوں پر ایمان لائے ہیں وہ بھی یہ اعلان کرتے ہوئے مسیحِ محمدیؑ کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں کہ ہم ہر طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی نصرت کے لئے مسیحِ محمدیؑ کے خدمتِ دین کے کاموں میں اس کے مددگار ہوں گے۔“

(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تعارف سورۃ الصف صفحہ ۱۰۲۳)

مَنْ اَنْصَارِيْۤ اِلَى اللهِ سے یہ مراد ہے کہ میری پیروی کر کے اللہ کی طرف کون جاتا ہے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”یہ نام قرآنی تاریخ میں بھی دو دفعہ آیا ہے اور احمدیت کی تاریخ میں بھی دو دفعہ آیا ہے۔ قرآنی تاریخ میں ایک دفعہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے متعلق یہ الفاظ آتے ہیں۔ چنانچہ جب آپؑ نے فرمایا مَنْ اَنْصَارِيْۤ اِلَى اللهِ تو آپؑ کے حواریوں نے کہا نَحْنُ اَنْصَارُ اللهِ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے انصار ہیں۔ دوسری

جگہ اللہ تعالیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے متعلق فرماتا ہے کہ ان میں سے ایک گروہ مہاجرین کا تھا اور ایک گروہ انصار کا تھا۔ گویا یہ نام قرآنی تاریخ میں دو دفعہ آیا ہے، ایک جگہ پر حضرت مسیح علیہ السلام کے حواریوں کے متعلق آیا ہے اور ایک جگہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے ایک حصہ کو انصار کہا گیا ہے۔ جماعت احمدیہ کی تاریخ میں بھی انصار اللہ کا دو جگہ ذکر آتا ہے۔ ایک دفعہ جب حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کی پیغامیوں نے مخالفت کی تو مَیں نے انصار اللہ کی ایک جماعت قائم کی اور دوسری دفعہ جب جماعت کے بچوں، نوجوانوں، بوڑھوں اور عورتوں کی تنظیم کی گئی تو چالیس سال سے اوپر کے مردوں کی جماعت کا نام انصار اللہ رکھا گیا۔ گویا جس طرح قرآن کریم میں دو گروہوں کا نام انصار اللہ رکھا گیا ہے اسی طرح جماعت احمدیہ میں بھی دو زمانوں میں دو جماعتوں کا نام انصار اللہ رکھا گیا۔“

(مجلس انصار اللہ مرکزیہ کے دوسرے سالانہ اجتماع ۱۹۵۶ میں خطابات، انوار العلوم جلد ۲۵ صفحہ ۴۵۹، ۴۶۰)

نیز فرمایا:

”یاد رکھو تمہارا نام انصار اللہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے مددگار۔ گویا تمہیں اللہ تعالیٰ کے نام کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ ازلی اور ابدی ہے۔ اس لئے تم کو بھی کوشش کرنی چاہیئے کہ ابدیت کے مظہر ہو جاؤ۔ تم اپنے انصار ہونے کی علامت یعنی خلافت کو ہمیشہ کے لئے قائم رکھتے چلے جاؤ اور کوشش کرو کہ یہ کام نسلاً بعد نسلٍ چلتا چلا جاوے اور اس کے دو ذریعے ہو سکتے ہیں۔ ایک ذریعہ تو یہ ہے کہ اپنی اولاد کی صحیح تربیت کی جائے اور اس میں خلافت کی محبت قائم کی جائے۔ اسی لئے مَیں نے اطفال الاحمدیہ کی تنظیم قائم کی تھی اور خدام الاحمدیہ کا قیام عمل میں لایا گیا تھا۔ یہ اطفال اور خدام آپ لوگوں کے ہی بچے ہیں۔ اگر اطفال الاحمدیہ کی تربیت صحیح ہو گی تو خدام الاحمدیہ کی تربیت صحیح ہو گی اور اگر خدام الاحمدیہ کی تربیت صحیح ہو گی تو اگلی نسل انصار اللہ کی اعلیٰ ہو گی۔ مَیں نے سیڑھیاں بنا دی ہیں۔

آگے کام کرنا تمہارا کام ہے۔ پہلی سیڑھی اطفال الاحمدیہ ہے، دوسری سیڑھی خدام الاحمدیہ ہے، تیسری سیڑھی انصار اللہ ہے اور چوتھی سیڑھی خدا تعالیٰ ہے۔ تم اپنی اولاد کی صحیح تربیت کرو اور دوسری طرف خدا تعالیٰ سے دعائیں مانگو تو یہ چاروں سیڑھیاں مکمل ہو جائیں گی۔ اگر تمہارے اطفال اور خدام ٹھیک ہو جائیں اور پھر تم بھی دعائیں کرو اور خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کر لو تو پھر تمہارے لئے عرش سے نیچے کوئی جگہ نہیں اور جو عرش پر چلا جائے وہ بالکل محفوظ ہو جاتا ہے۔ دنیا حملہ کرنے کی کوشش کرے تو وہ زیادہ سے زیادہ سو دو سو فٹ پر حملہ کر سکتی ہے۔ وہ عرش پر حملہ نہیں کر سکتی۔ پس اگر تم اپنی اصلاح کر لو گے اور خدا تعالیٰ سے دعائیں کرو گے تو تمہارا اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم ہو جائے گا اور اگر تم حقیقی انصار اللہ بن جاؤ اور خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کر لو تو تمہارے اندر خلافت بھی دائمی طور پر رہے گی اور وہ عیسائیت کی خلافت سے بھی لمبی چلے گی۔ عیسائیوں کی تعداد تو تمام کوششوں کے بعد مسلمانوں سے قریباً دوگنی ہوئی ہے۔ مگر تمہارے متعلق تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ پیشگوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری تعداد کو اتنا بڑھادے گا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ دوسرے تمام مذاہب ہندوازم، بدھ مت، عیسائیت اور شنٹوازم وغیرہ کے پیرو تمہارے مقابلہ میں بالکل ادنیٰ اقوام کی طرح رہ جائیں گے۔ یعنی ان کی تعداد تمہارے مقابلہ میں ویسی ہی بے حقیقت ہو گی جیسے آج کل ادنیٰ اقوام کی دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں ہے۔ وہ دن جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا ہے یقیناً آئے گا۔ لیکن جب آئے گا تو اس کے ذریعہ سے آئے گا کہ خلافت کو قائم رکھا جائے، تبلیغ اسلام کو قائم رکھا جائے، تحریک جدید کو مضبوط کیا جائے، اشاعت اسلام کے لئے جماعت میں شغف زیادہ ہو اور دنیا کے کسی کونہ کو بھی بغیر مبلغ کے نہ چھوڑا جائے۔"

(مجلس انصار اللہ مرکزیہ کے دوسرے سالانہ اجتماع ۱۹۵۶ میں خطابات، انوار العلوم جلد ۲۵ صفحہ ۴۷۴، ۴۷۵)

اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بشارت دی:

”یَنۡصُرُكَ رِجَالٌ نُّوۡحِیۡۤ اِلَیۡهِمۡ مِّنَ السَّمَآءِ“

(براہین احمدیہ حصہ پنجم، نصرۃ الحق، روحانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ ۷۱)

یعنی آپ کی مدد وہ لوگ کریں گے جن کو ہم آسمان سے وحی کریں گے۔

ان الٰہی بشارتوں کے مطابق اقوام عالم سے بالعموم اور امت مسلمہ سے بالخصوص سعید فطرت نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰهِ کے پیکر کشاں کشاں آپؑ کے حلقہ ارادت میں اکٹھے ہونے لگے۔ آپؑ نے اپنی متعدد تصانیف میں ان مخلصین کا ذکر فرمایا ہے۔ یکے از حضرت مولانا نور الدینؓ، حضرت مولانا عبد الکریم سیالکوٹی صاحبؓ، حضرت سید سرور شاہ صاحبؓ، حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ، نیز وہ اصحاب جنہوں نے اپنی جان کی قربانیاں پیش کیں جیسے حضرت صاحبزادہ عبد اللطیف شہیدؓ جو اپنے اَن مٹ نقوش ہمیشہ کے لیے چھوڑ گئے۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ۔ مسیح محمدیؑ کے جاںنثار اور مخلصین کا یہ سلسلہ صحابہ تک محدود نہیں بلکہ یہ فہرست ایک جاری چشمہ کی طرح ہر زمانہ میں اخلاص و وفا کے نمونے دکھاتے ہوئے دنیا بھر میں پھیلے ہوئے واقفینِ زندگی اور خدمتِ سلسلہ کرنے والے ان گنت خدام، انصار، مستورات اور اطفال کی صورت میں امامِ وقت کے سلطانِ نصیر بنے ہوئے ہیں اور اس راہ میں جان کا نذرانہ پیش کرنے والوں کی فہرست بھی بہت طویل ہے۔ امریکہ کے ڈاکٹر مظفر احمد صاحب، ۲۰۰۵ء کے مونگ رسول کے شہداء، ۲۸ مئی ۲۰۱۰ء دار الذکر اور بیت النور لاہور کے شہداء، غرض جاںنثاروں کی ایک ایسی کہکشاں ہے جو ہر زمانے میں اپنے نور کی چمک دمک سے بھولے بھٹکوں کے لیے شمعِ نور بنی ہوئی ہے۔

مَرۡصُوۡصٌ کے معنی ہیں ایک دوسرے سے جڑے ہوئے۔ اور یحیٰی نے کہا: سیسہ سے جڑا ہوا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”پچھلی سورت کے آخر پر جس عہدِ بیعت کا ذکر ہے اس میں صرف مومن عورتوں کی ذمہ داریوں کا ذکر ہی نہیں ہے بلکہ مومن مرد بھی عہدِ بیعت کے ذریعہ اسی قسم کی روحانی بیماریوں سے اجتناب کا عہد کرتے ہیں۔ پس دونوں کو سورۃ الصف کے آغاز میں یہ تاکید ہے کہ اپنے عہدِ بیعت میں منافق نہ ہو جانا اور یہ نہ ہو کہ دوسروں کو تو نصیحت کرتے رہو اور خود اس پر کاربند نہ ہو۔ اگر تم اخلاص کے ساتھ عہدِ بیعت پر قائم رہو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے دل ایک دوسرے سے اس طرح پیوستہ کر دے گا کہ تمہیں ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح دشمن کے مقابل پر کھڑا کر دے گا۔“

(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تعارف سورۃ الصف صفحہ ۱۰۲۳)

بَاب ۱ : يَأْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (الصف:۷)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہو گا

٤٨٩٦ : حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ لِي أَسْمَاءً أَنَا مُحَمَّدٌ وَأَنَا أَحْمَدُ وَأَنَا الْمَاحِي الَّذِي يَمْحُو اللّٰهُ بِيَ الْكُفْرَ وَأَنَا الْحَاشِرُ الَّذِي يُحْشَرُ النَّاسُ عَلَى قَدَمِي وَأَنَا الْعَاقِبُ.

۴۸۹۶: ابوالیمان نے ہم سے بیان کیا کہ شعیب نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے زُہری سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: مجھے محمد بن جبیر بن مطعم نے اپنے باپ (حضرت جبیر بن مطعم) رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے خبر دی۔ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپؐ فرماتے تھے: میرے کچھ نام ہیں، میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں اور میں ہی وہ مٹانے والا ہوں کہ میرے ذریعہ سے اللہ کفر کو مٹا دے گا اور میں ہی وہ اکٹھا کرنے والا ہوں کہ میرے قدم پر لوگ اکٹھے کئے جائیں گے اور میں ہی وہ (نبی) ہوں جو پیچھے آنے والا تھا۔

طرفہ: ۳۵۳۲۔

تشریح: يَأْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ: میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہو گا۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اس آیت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشگوئی ہے جو انجیل برنباس میں لکھی ہوئی ہے۔ عیسائی اس کو جھوٹی انجیل قرار دیتے ہیں مگر یہ پوپ کی لائبریری میں پائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی دلیل ہے کہ مروجہ اناجیل میں "فارقلیط" کی خبر دی گئی ہے جس کے معنے "احمد" ہی کے بنتے ہیں۔ پس اس آیت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بلاواسطہ اور آپؐ کے ایک بروز کی جس کا ذکر اگلی سورۃ میں ہے بالواسطہ خبر دی گئی ہے۔"

(تفسیر صغیر، سورۃ الصف حاشیہ آیت نمبر ۷)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”غضب کی بات ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ تو اپنی پاک کلام میں حضرت مسیحؑ کی وفات ظاہر کرے اور یہ لوگ اب تک اس کو زندہ سمجھ کر ہزار ہا اور بیشمار فتنے اسلام کیلئے برپا کر دیں اور مسیح کو آسمان کا حیّ و قیّوم اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین کا مردہ ٹھہراویں۔ حالانکہ مسیح کی گواہی قرآن کریم میں اس طرح پر لکھی ہے کہ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (الصف:۷) یعنی میں ایک رسول کی بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد یعنی میرے مرنے کے بعد آئیگا اور نام اس کا احمدؐ ہوگا۔ پس اگر مسیح اب تک اس عالم جسمانی سے گذر نہیں گیا تو اس سے لازم آتا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اب تک اس عالم میں تشریف فرما نہیں ہوئے کیونکہ نص اپنے کھلے کھلے الفاظ سے بتلا رہی ہے کہ جب مسیح اس عالم جسمانی سے رخصت ہو جائے گا تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم جسمانی میں تشریف لائیں گے۔ وجہ یہ کہ آیت میں آنے کے مقابل پر جانا بیان کیا گیا ہے اور ضرور ہے کہ آنا اور جانا دونوں ایک ہی رنگ کے ہوں۔ یعنی ایک اُس عالم کی طرف چلا گیا اور ایک اُس عالم کی طرف سے آیا۔“

(آئینہ کمالاتِ اسلام، روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۴۲)

نیز فرمایا:

”آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دو بعث ہیں... دوسرا بعث احمدی جو جمالی رنگ میں ہے جو ستارہ مشتری کی تاثیر کے نیچے ہے۔ جس کی نسبت بحوالہ انجیل قرآنِ شریف میں یہ آیت ہے۔ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ۔“

(تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۲۵۴)

٦٢- سُورَةُ الْجُمُعَةِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام کے ساتھ جو رحمٰن اور رحیم ہے

بَاب ١: قَوْلُهُ وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ (الجمعة: ٤)

اللہ تعالیٰ کا فرمانا: اور ان میں سے کچھ اور ہیں جو ابھی ان سے نہیں ملے

وَقَرَأَ عُمَرُ فَامْضُوا إِلَى ذِكْرِ اللهِ.

اور حضرت عمرؓ نے (فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ کی بجائے) فَامْضُوا إِلَى ذِكْرِ اللهِ پڑھا۔ یعنی اللہ کے ذکر کی طرف چلو۔

٤٨٩٧: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ ثَوْرٍ عَنْ أَبِي الْغَيْثِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأُنْزِلَتْ عَلَيْهِ سُورَةُ الْجُمُعَةِ وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ (الجمعة: ٤) قَالَ قُلْتُ مَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللهِ فَلَمْ يُرَاجِعْهُ حَتَّى سَأَلَ ثَلَاثًا وَفِينَا سَلْمَانُ الْفَارِسِيُّ وَضَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ عَلَى سَلْمَانَ ثُمَّ قَالَ لَوْ كَانَ الْإِيمَانُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَنَالَهُ رِجَالٌ أَوْ رَجُلٌ مِنْ هَؤُلَاءِ.

طرفه: ٤٨٩٨۔

۴۸۹۷: عبدالعزیز بن عبداللہ (اویسی) نے ہم سے بیان کیا، کہا: سلیمان بن بلال نے مجھے بتایا۔ انہوں نے ثور (بن زید) سے، ثور نے ابوالغیث (سالم) سے، ابوالغیث نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: ہم نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور آپؐ پر سورۃ جمعہ نازل کی گئی۔ وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ کے متعلق حضرت ابوہریرہؓ کہتے تھے میں نے پوچھا: یارسول اللہ! یہ کون ہیں؟ تو آپؐ نے اس کا ان کو جواب نہیں دیا۔ پھر انہوں نے تین بار پوچھا اور اس وقت ہم میں سلمان فارسیؓ تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا ہاتھ سلمانؓ پر رکھا اور فرمایا: اگر ایمان ثریا کے پاس بھی ہو تو ان میں سے کچھ مرد یا فرمایا ایک مرد اُس تک پہنچ جائیں گے۔

٤٨٩٨ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ أَخْبَرَنِي ثَوْرٌ عَنْ أَبِي الْغَيْثِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنَالَهُ رِجَالٌ مِّنْ هٰؤُلَاءِ.

۴۸۹۸: عبداللہ بن عبدالوہاب نے ہم سے بیان کیا کہ عبدالعزیز (دراوردی) نے ہمیں بتایا کہ ثور (بن زید دیلی) نے مجھے خبر دی۔ انہوں نے ابوالغیث (سالم) سے، ابوالغیث نے حضرت ابوہریرہؓ سے، حضرت ابوہریرہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔ (انہوں نے حدیث بیان کی جس میں یہ الفاظ ہیں کہ) ان میں سے کچھ مرد اس تک پہنچ جائیں گے۔

طرفه: ٤٨٩٧۔

تشریح: سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ: حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”یہ سورت گزشتہ سورت میں مذکور تمام پیشگوئیوں کی جامع ہے۔ اور اس میں جمع کا ہر معنی بیان فرما دیا گیا ہے یعنی حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آخرین کو اولین کے ساتھ جمع کرنے کا موجب بنیں گے اور اپنی جلالی اور جمالی صفات کے جلووں کو بھی جمع فرمائیں گے۔“

(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تعارف سورۃ الجمعۃ صفحہ ۱۰۲۸)

وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ: اور ان میں سے کچھ اَور ہیں جو ابھی ان سے نہیں ملے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”اس جگہ یہ نکتہ یاد رہے کہ آیت وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ میں اٰخَرِيْنَ کا لفظ مفعول کے محل پر واقع ہے... یعنی ہمارے خالص اور کامل بندے بجز صحابہ رضی اللہ عنہم کے اور بھی ہیں جن کا گروہ کثیر آخری زمانہ میں پیدا ہوگا اور جیسی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تربیت فرمائی ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس گروہ کی بھی باطنی طور پر تربیت فرمائیں گے۔ یعنی وہ لوگ ایسے زمانہ میں آئیں گے کہ جس زمانہ میں ظاہری افادہ اور استفادہ کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا اور مذہب اسلام بہت سی غلطیوں اور بدعتوں سے پُر ہو جائے گا اور فقرا کے دلوں سے بھی باطنی روشنی جاتی رہے گی۔ تب خدا تعالیٰ کسی نفس سعید کو بغیر وسیلہ ظاہری سلسلوں اور

طریقوں کے صرف نبی کریمؐ کی روحانیت کی تربیت سے کمال روحانی تک پہنچادے گا اور اس کو ایک گروہ بنائے گا اور وہ گروہ صحابہ کے گروہ سے نہایت شدید مشابہت پیدا کرے گا کیونکہ وہ تمام و کمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی زراعت ہوگی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان ان میں جاری و ساری ہو گا اور صحابہ سے وہ ملیں گے یعنی اپنے کمالات کے رُو سے اُن کے مشابہ ہو جائیں گے اور ان کو خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہی موقعے ثواب حاصل کرنے کے حاصل ہو جائیں گے جو صحابہ کو حاصل ہوئے تھے۔ اور بباعث تنہائی اور بے کسی اور پھر ثابت قدمی کے اسی طرح خدا تعالیٰ کے نزدیک صادق سمجھے جائیں گے کہ جس طرح صحابہ سمجھے گئے تھے۔ کیونکہ یہ زمانہ بہت سی آفتوں اور فتنوں اور بے ایمانی کے پھیلنے کا زمانہ ہو گا اور راستبازوں کو وہی مشکلات پیش آجائیں گی جو صحابہ رضی اللہ عنہم کو پیش آئی تھیں۔ اس لئے وہ ثابت قدمی دکھلانے کے بعد صحابہ کے مرتبہ پر شمار ہوں گے۔ لیکن درمیانی زمانہ فیج اعوج ہے جس میں بباعث رعب اور شوکت سلاطین اسلام اور کثرت اسباب تنعم صحابہ کے قدم پر قدم رکھنے والے اور ان کے مراتب کو ظلی طور پر حاصل کرنے والے بہت ہی کم تھے۔ مگر آخری زمانہ اول زمانہ کے مشابہ ہو گا کیونکہ اس زمانہ کے لوگوں پر غربت طاری ہو جائے گی اور بجز ایمانی قوت کے اور کوئی سہارا بلاؤں کے مقابلہ پر ان کے لئے نہ ہو گا۔ سو ان کا ایمان خدا تعالیٰ کے نزدیک ایسا مضبوط اور ثابت ہو گا کہ اگر ایمان آسمان پر چلا جاتا تب بھی وہ اس کو زمین پر لے آتے۔ یعنی ان پر زلزلے آئیں گے اور وہ آزمائے جائیں گے اور سخت فتنے ان کو گھیریں گے لیکن وہ ایسے ثابت قدم نکلیں گے کہ اگر ایمان افلاک پر بھی ہوتا تب بھی اس کو نہ چھوڑتے۔ سو یہ تعریف کہ وہ ایمان کو آسمان پر سے بھی لے آتے اس بات کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ وہ ایسے زمانہ میں آئیں گے کہ جب چاروں طرف بے ایمانی پھیلی ہوئی ہوگی اور خدا تعالیٰ کی سچی محبت دلوں سے نکل جائے گی مگر ان کا ایمان ان دلوں میں بڑے زور میں ہو گا اور خدا تعالیٰ کے لئے بلاکشی کی ان میں بہت قوت ہوگی اور صدق اور ثبات بے انتہا ہو گا۔ نہ کوئی خوف

ان کے لئے مانع ہوگا اور نہ کوئی دنیوی اُمید ان کو سست کرے گی۔ اور ایمانی قوت انہیں باتوں سے آزمائی جاتی ہے کہ ایسی آزمائشوں کے وقت اور بے ایمانی کے زمانہ میں ثابت نکلے۔ سو اس حدیث میں یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ اس گروہ کا اسی وقت میں آنا ضروری ہے جب کہ اس کی آزمائش کے لئے ایسے ایسے اسباب موجود ہوں اور دنیا حقیقی ایمان سے ایسی دور ہو کہ گویا خالی ہو۔ خلاصہ کلام یہ کہ اللہ جلّ شانہٗ ان کے حق میں فرماتا ہے کہ وہ آخری زمانہ میں آنے والے خالص اور کامل بندے ہوں گے جو اپنے کمال ایمان اور کمال اخلاص اور کمال صدق اور کمال استقامت اور کمال ثابت قدمی اور کمال معرفت اور کمال خداداني کی رو سے صحابہ کے ہمرنگ ہوں گے۔ اور اس بات کو بخوبی یاد رکھنا چاہیئے کہ درحقیقت اس آیت میں آخری زمانہ کے کاملین کی طرف اشارہ ہے نہ کسی اور زمانہ کی طرف کیونکہ یہ تو آیت کے ظاہر الفاظ سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ کامل لوگ آخری زمانہ میں پیدا ہوں گے جیسا کہ آیت وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ (الجمعة:۴) صاف بتلا رہی ہے۔ اور زمانے تین ہیں۔ ایک اول جو صحابہ کا زمانہ ہے اور ایک اوسط جو مسیح موعود اور صحابہ کے درمیان ہے اور ایک آخری زمانہ جو مسیح موعود کا زمانہ اور مصداق آیت وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ کا ہے۔ وہ وہی زمانہ ہے جس میں ہم ہیں۔ جیسا کہ مولوی صدیق حسن مرحوم قنوجی ثم بھوپالوی جو شیخ بطالوی کے نزدیک مجدّد وقت ہیں اپنی کتاب حجج الکرامہ کے صفحہ ۱۵۵ میں لکھتے ہیں کہ آخریت ایں امت از بدایت الف ثانی شروع کردیدہ آثار تقویٰ از اوّل گم شدہ بودند واکنوں سطوت ظاہری اسلام ہم مفقودہ شدہ۔ تمّ کلامہٗ اور یہ تو ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ہی زمانے نیک قرار دیئے ہیں۔ ایک صحابہ کا زمانہ جس کا امتداد اس حد تک متصور ہے جس میں سب سے آخر کوئی صحابی فوت ہوا ہو۔ اور امتداد اس زمانہ کا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے وقت تک ثابت ہوتا ہے۔ اور دوسرا زمانہ وسط ہے جس کو بلحاظ بدعات کثیرہ اُمّ الخبائث کہنا چاہیئے اور جس کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فیج اعوج رکھا ہے اور اس زمانہ کا آخری حصہ جو مسیح موعود کے زمانہ اقبال سے ملحق

ہے اس کا حال احادیث نبویہ کے رو سے نہایت ہی بدتر معلوم ہوتا ہے۔ بیہقی نے اس کے بارے میں ایک حدیث لکھی ہے یعنی یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس زمانہ کے مولوی اور فتویٰ دینے والے ان تمام لوگوں سے بدتر ہوں گے جو اس وقت روئے زمین پر موجود ہوں گے۔ اور حجج الکرامہ میں لکھا ہے کہ درحقیقت مہدی اللہ (مسیح موعود) پر کفر کا فتویٰ دینے والے یہی لوگ ہوں گے۔ اس بات سے اکثر مسلمان بے خبر ہیں کہ احادیث سے ثابت ہے کہ مسیح موعود پر بھی کفر کا فتویٰ ہوگا۔ چنانچہ وہ پیشگوئی پوری ہوئی۔ غرض وہ زمانہ جو اول زمانہ اور مسیح موعود کے زمانہ کے بیچ میں ہے نہایت فاسد زمانہ ہے۔ چنانچہ اس زمانہ کے لوگوں کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں خَيْرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَوَّلُهَا وَاٰخِرُهَا۔ اَوَّلُهَا فِيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاٰخِرُهَا فِيْهِمْ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ وَبَيْنَ ذَالِكَ فَيْجٌ اَعْوَجُ لَيْسُوْا مِنِّيْ وَلَسْتُ مِنْهُمْ یعنی امتیں دو[2] ہی بہتر ہیں۔ ایک اول اور ایک آخر اور درمیانی گروہ ایک لشکر کج ہے جو دیکھنے میں ایک فوج اور روحانیت کے رو سے مردہ ہے۔ نہ وہ مجھ سے اور نہ میں ان میں سے ہوں۔ حدیث صحیح میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان فارسی کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا لَوْ كَانَ الْاِيْمَانُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَنَالَهُ رَجُلٌ مِّنْ فَارِس أَوْ رِجَالٌ مِّنْ فَارِس پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آخری زمانہ میں فارسی الاصل لوگوں میں سے ایک آدمی پیدا ہوگا کہ وہ ایمان میں ایسا مضبوط ہوگا کہ اگر ایمان ثریا میں ہوتا تو وہیں سے اس کو لے آتا اور ایک دوسری حدیث میں اسی شخص کو مہدی کے لفظ سے موسوم کیا گیا ہے اور اُس کا ظہور آخری زمانہ میں بلاد مشرقیہ سے قرار دیا گیا ہے اور دجّال کا ظہور بھی آخری زمانہ میں بلاد مشرقیہ سے قرار دیا گیا ہے۔ ان دونوں حدیثوں کے ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص دجال کے مقابل پر آنے والا ہے وہ یہی شخص ہے اور سنت اللہ بھی اسی بات کو چاہتی ہے کہ جس ملک میں دجال جیسا خبیث پیدا ہوا اسی ملک میں وہ طیّب بھی پیدا ہو۔ کیونکہ طبیب

جب آتا ہے تو بیمار کی طرف ہی رخ کرتا ہے۔ اور یہ نہایت تعجب کا مقام ہے کہ بموجب احادیث صحیحہ کے دجال تو ہندوستان میں پیدا ہو اور مسیح دمشق کے میناروں پر جا اُترے۔ اس میں شک نہیں کہ مدینہ منورہ سے ہندوستان سمت مشرق میں واقع ہے۔ بلاشبہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ مشرق کی طرف سے ہی دجّال کا ظہور ہو گا اور مشرق کی طرف سے ہی رایات سود مہدی اللہ کے ظاہر ہوں گے۔ گویا روز ازل سے یہی مقرر ہے کہ محل فتن بھی مشرق ہی ہے اور محل اصلاح فتن بھی مشرق ہی ہے۔ اور اس جگہ ایک نکتہ ہے اور وہ یہ ہے کہ جیسا اللہ جلّ شانہٗ نے ظاہر الفاظ آیت میں وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ کا لفظ استعمال کر کے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ وہ لوگ جو کمالات میں صحابہ کے رنگ میں ظاہر ہوں گے وہ آخری زمانہ میں آئیں گے۔ ایسا ہی اس آیت میں وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ کے تمام حروف کے اعداد سے جو ۱۲۷۵ ہیں اس بات کی طرف اشارہ کر دیا جو اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ کا مصداق جو فارسی الاصل ہے اپنے نشاء ظاہر کا بلوغ اس سن میں پورا کر کے صحابہ سے مناسبت پیدا کرلے گا۔ سو یہی سن ۱۲۷۵ ہجری جو آیت وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ (الجمعة:۴) کے حروف کے اعداد سے ظاہر ہوتا ہے اس عاجز کی بلوغ اور پیدائش ثانی اور تولد روحانی کی تاریخ ہے جو آج کے دن تک چونتیس برس ہوتے ہیں۔"

(آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۲۰۸ تا ۲۲۰)

بَاب ۲: وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوًا (الجمعة: ۱۲)

اور جب وہ کسی تجارت یا تماشہ کو دیکھتے ہیں

٤٨٩٩: حَدَّثَنِي حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا حُصَيْنٌ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ وَعَنْ أَبِي سُفْيَانَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ أَقْبَلَتْ عِيرٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

۴۸۹۹: حفص بن عمر نے مجھ سے بیان کیا کہ خالد بن عبد اللہ نے ہمیں بتایا کہ حصین (بن عبد الرحمٰن) نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے سالم بن ابی جعد سے اور ابو سفیان سے روایت کی۔ ان دونوں نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت

وَنَحْنُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَثَارَ النَّاسُ إِلَّا اثْنَا عَشَرَ رَجُلًا فَأَنْزَلَ اللّٰهُ: وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْا اِلَيْهَا. (الجمعة:۱۲)

کی۔ انہوں نے کہا: جمعہ کے دن غلہ لئے ہوئے ایک قافلہ سامنے سے آیا اور اس وقت ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے۔ یہ دیکھ کر لوگ اُٹھ بھاگے سوائے بارہ آدمیوں کے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً... یعنی اور جب وہ تجارت یا تماشہ دیکھتے ہیں تو اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔

أطرافه: ٩٣٦، ٢٠٥٨، ٢٠٦٤۔

تشریح: وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوًا: اور جب وہ کسی تجارت یا تماشہ کو دیکھتے ہیں۔

حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"سورۂ جمعہ ہجرت سے دوسرے سال نازل ہوئی۔ اس وقت مہاجرین اور انصار کی تعداد کافی تھی اور ان مخلص نفوس قدسیہ کی نسبت جنہوں نے اپنے عزیزوں اور جائیدادوں کو اللہ تعالیٰ کے لئے چھوڑا، یہ باور نہیں کیا جاسکتا کہ ایک قافلہ کی آمد سن کر خطبہ جمعہ یا دوران نماز ہی بھاگ پڑے ہوں اور ان میں سے کل بارہ رہ گئے ہوں۔ وہ صحابہ جن کے متعلق آسمانی گواہی یہ ہے: رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ○ (النور:۳۸) [1] حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت دحیہ کلبیؓ کے جس قافلے کا شام سے لوٹنے کا روایات میں ذکر آتا ہے وہ سورۃ جمعہ نازل ہونے کے بعد کا واقعہ ہے۔ (دیکھئے فتح الباری جزء ثانی صفحہ ۵۴۴، ۵۴۵) اس لئے از روئے دِرایت لفظ فَنَزَلَتْ درحقیقت تطبیق دینے کے معنے میں ہی استعمال کیا گیا ہے اور جمعہ چھوڑ کر بھاگنے والے مخلص مہاجرین اور انصار نہ تھے بلکہ منافقین تھے جن کا ذکر صیغہ مخاطب میں نہیں بلکہ صیغہ غائب سے ازراہ تحقیر کیا گیا ہے۔

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: "ایسے عظیم مرد جنہیں نہ کوئی تجارت اور نہ کوئی خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے یا نماز کے قیام سے یا زکوٰۃ کی ادائیگی سے غافل کرتی ہے۔ وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل (خوف سے) الٹ پلٹ ہو رہے ہوں گے اور آنکھیں بھی۔"

وَ اِذَا رَاَوۡا تِجَارَۃً اَوۡ لَہۡوَا انۡفَضُّوۡۤا اِلَیۡہَا جب وہ تجارت یا تماشہ دیکھتے ہیں تو اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ یہ تجارت یا تماشہ دیکھنے والے ایسے ہی لوگ تھے۔ ۲ھ اور ۳ھ کا عرصہ خاص طور پر جنگوں کا تھا۔ صرف ۲ھ میں سات چھوٹے بڑے حملے ہوئے۔ پس اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ کسی خاص واقعہ کی بناء پر مذکورہ بالا تنبیہ نازل ہوئی تھی اور اس قسم کے واقعہ کا ابتدائی زمانہ میں رونما ہونا طبعی امر تھا تو نماز سے کھسکنے والے یقیناً ایسے ہی کمزور طبع لوگ تھے جو مدینہ میں ہی رہے اور جنہیں جنگی دستوں کے ساتھ احتیاطاً نہیں بھیجا گیا تھا کہ میدان جنگ میں گڑبڑ پیدا نہ کریں۔ بارہ کی تعداد سے نہ روایتاً نہ درایتاً ثابت ہے کہ تمام انصار و مہاجرین مشار الیہ واقعہ کے وقت جمعہ میں موجود تھے جو قافلے کی خبر سن کر بھاگ پڑے اور آپؐ کو تنہا چھوڑ دیا ہو۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ بھاگنے والے منافقین تھے نہ کہ جاں نثار انصار و مہاجرین۔“

(صحیح بخاری ترجمہ و شرح، کتاب الجمعة، باب إِذَا نَفَرَ النَّاسُ عَنِ الْإِمَامِ... جلد ۲ صفحہ ۳۴۲، ۳۴۳)

حضرت شاہ صاحبؒ مزید فرماتے ہیں:

”فتح الباری میں چار پانچ واقعات کا ذکر کیا گیا ہے جن میں لوگ نماز چھوڑ کر گئے ہیں اور ہر واقعہ میں آیت محولہ بالا کے شان نزول کا انہی الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے۔ (دیکھئے فتح الباری جزء ثانی صفحہ ۵۴۵، ۵۴۶) نَزَلَتْ سے یہ بھی ثابت کیا جا چکا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے محاورہ کلام میں لفظ نَزَلَتْ سے تطبیق مراد تھی نہ یہ کہ سورۃ جمعہ کی آیات کا ہر دفعہ نزول۔“

(صحیح بخاری ترجمہ و شرح، کتاب الجمعة، باب إِذَا نَفَرَ النَّاسُ عَنِ الْإِمَامِ... جلد ۲ صفحہ ۳۴۲)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اس کے آخر پر یہ پیشگوئی بھی کر دی گئی کہ بعد کے آنے والے مسلمان مال کمانے اور تجارتوں میں مشغول ہو کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہا چھوڑ دیں گے۔ اس آیت کے متعلق بعض علماء کا یہ کہنا کہ گویا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسا ہوا کرتا تھا کہ آپؐ کے انتہائی مخلص صحابہؓ جنہوں نے کبھی آنحضور صلی اللہ

علیہ وسلم کو خطرناک جنگوں میں بھی تنہا نہیں چھوڑا، جب تجارتی قافلوں کی خبریں سنا کرتے تھے تو آپؐ کو چھوڑ کر اُن کی طرف بھاگ جایا کرتے تھے۔ یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ پر ایک بہتان ہے۔ یقیناً اس میں آخرین کے دور کے مسلمانوں کا ذکر ہے جو عملاً اپنے دین سے غافل ہو چکے ہوں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام سے کوئی سروکار نہ رکھیں گے۔“

(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تعارف سورۃ الجمعۃ صفحہ ۱۰۲۸)

٦٣ـ سُورَةُ الْمُنَافِقِينَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام کے ساتھ جو رحمٰن اور رحیم ہے

بَاب ١ : قَوْلُهُ اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ اِلٰى لَكٰذِبُوْنَ ○ (المنافقون: ٢)

اللہ تعالیٰ کا فرمانا: جب تیرے پاس منافق آتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم قسم کھا کر گواہی دیتے ہیں کہ تُو اللہ کا رسول ہے۔ اور اللہ جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے۔ مگر (ساتھ ہی) اللہ قسم کھا کر گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں

٤٩٠٠ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ رَجَاءٍ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ كُنْتُ فِي غَزَاةٍ فَسَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ أُبَيٍّ يَقُولُ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِهِ وَلَئِنْ رَجَعْنَا مِنْ عِنْدِهِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِعَمِّي أَوْ لِعُمَرَ فَذَكَرَهُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَانِي فَحَدَّثْتُهُ فَأَرْسَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ أُبَيٍّ وَأَصْحَابِهِ فَحَلَفُوا مَا قَالُوا فَكَذَّبَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

۴۹۰۰: عبداللہ بن رجاء نے ہم سے بیان کیا کہ اسرائیل (بن یونس) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ابواسحاق سے، ابواسحاق نے حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں ایک غزوہ میں تھا تو میں نے عبداللہ بن اُبَیّ کو یہ کہتے سنا: جو رسول اللہ کے پاس ہیں ان کو خرچ نہ دو۔ وہ آپؐ کے پاس سے تتر بتر ہو جائیں گے۔ اور اگر ہم اس غزوہ سے لوٹے تو جو زیادہ معزز ہوگا وہ ذلیل کو ضرور اس سے نکال دے گا۔ میں نے اپنے چچا (حضرت سعد بن عبادہؓ) سے یا حضرت عمرؓ سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔ آپؐ نے مجھے بلایا اور میں نے آپؐ سے بیان کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن اُبَیّ اور اس کے ساتھیوں کو بلا بھیجا۔

وَصَدَّقَهُ فَأَصَابَنِي هَمٌّ لَمْ يُصِبْنِي مِثْلُهُ قَطُّ فَجَلَسْتُ فِي الْبَيْتِ فَقَالَ لِي عَمِّي مَا أَرَدْتَ إِلَى أَنْ كَذَّبَكَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَقَتَكَ فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ (المنافقون:۲) فَبَعَثَ إِلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَأَ فَقَالَ إِنَّ اللهَ قَدْ صَدَّقَكَ يَا زَيْدُ.

انہوں نے قسمیں کھائیں کہ انہوں نے یہ نہیں کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جھوٹا سمجھا اور اُسے سچا قرار دیا۔ مجھے اس سے اتنا فکر ہوا کہ ایسا فکر کبھی نہیں ہوا تھا۔ میں اپنے گھر میں بیٹھ رہا۔ مجھے میرے چچا نے کہا: تمہیں کیا سوجھی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں جھوٹا سمجھا اور تم سے ناراض ہوگئے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ... یعنی جب منافق تیرے پاس آتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلا بھیجا اور آپؐ نے (یہ آیت) پڑھی۔ پھر فرمایا: زید! اللہ نے تجھے سچا قرار دیا۔

أطرافه: ۴۹۰۱، ۴۹۰۲، ۴۹۰۳، ۴۹۰۴۔

تشریح: اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝ یعنی جب تیرے پاس منافق آتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم قسم کھا کر گواہی دیتے ہیں کہ تو اللہ کا رسول ہے۔ اور اللہ جانتا ہے کہ تو اُس کا رسول ہے۔ مگر (ساتھ ہی) اللہ قسم کھا کر گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ”اس کا آغاز ہی اس بات سے کیا گیا ہے کہ جس طرح فی زمانہ بعض منافقین قسمیں کھاتے ہیں کہ تو ضرور اللہ کا رسول ہے اور اللہ خوب جانتا ہے کہ واقعۃً تُو اللہ کا رسول ہے مگر اللہ یہ بھی گواہی دیتا ہے کہ منافقین جھوٹے ہیں، اسی طرح آخرین کے دَور میں مسلمانوں میں سے ایک کثیر تعداد کا یہی حال ہو چکا ہو گا۔...
>
> اسی سورت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پیدا ہونے والے رئیس المنافقین یعنی عبد اللہ بن اُبی بن سلول کا ذکر آیا ہے کہ کس طرح اس نے ایک غزوہ سے واپسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح طور پر انتہائی گستاخی کی

تھی یہاں تک کہ اپنے متعلق اہلِ مدینہ میں سے سب سے معزز ہونے کا دعویٰ کیا اور اس کے برعکس آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق گستاخانہ کلمات کہتے ہوئے یہ دعویٰ کیا کہ وہ مدینہ جانے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ سے نکال دے گا۔ اللہ تعالیٰ کی تقدیر نے جو کچھ دکھایا وہ اس کے بالکل برعکس تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عفو کا عظیم نمونہ دکھاتے ہوئے، طاقت رکھتے ہوئے بھی اس کو مدینہ سے باہر نہ نکالا اور اس کے مرتے دم تک اس کے لئے استغفار کرتے رہے یہاں تک کہ بالآخر اللہ تعالیٰ نے حکماً منع فرمادیا کہ آئندہ اس کی قبر پر کھڑے ہو کر اس کے لئے دعائے مغفرت نہ کیا کریں۔"

(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تعارف سورۃ المنافقون صفحہ ۱۰۳۲)

بَاب ۲ : اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً (المنافقون:۳)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) انہوں نے اپنی قسموں کو (تیری گرفت سے بچنے کے لیے) ڈھال بنالیا ہے

يَجْتَنُّونَ بِهَا. یعنی ان کے ذریعہ بچاؤ کرتے ہیں۔

٤٩٠١ : حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ مَعَ عَمِّي فَسَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ أُبَيٍّ ابْنَ سَلُولَ يَقُولُ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا وَقَالَ أَيْضًا لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ (المنافقون:۲-۹) فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِعَمِّي فَذَكَرَ عَمِّي لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

۴۹۰۱: آدم بن ابی ایاس نے ہم سے بیان کیا کہ اسرائیل (بن یونس) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ابواسحاق (سبیعی) سے، ابواسحاق نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں اپنے چچا کے ساتھ تھا۔ میں نے عبداللہ بن اُبَیّ بن سلول کو یہ کہتے سنا کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہیں ان کو مت کچھ خرچ دو تا کہ وہ تتر بتر ہو جائیں۔ اور اس نے یہ بھی کہا: اگر ہم مدینہ کو لوٹے تو جو زیادہ معزز ہے وہ ضرور ذلیل کو اس سے نکال دے گا۔ میں نے اپنے چچا سے اس کا ذکر کیا اور میرے چچا نے رسول اللہ

فَأَرْسَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ أُبَيٍّ وَأَصْحَابِهِ فَحَلَفُوا مَا قَالُوا فَصَدَّقَهُمْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَذَّبَنِي فَأَصَابَنِي هَمٌّ لَمْ يُصِبْنِي مِثْلُهُ فَجَلَسْتُ فِي بَيْتِي فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ إِلَى قَوْلِهِ هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ إِلَى قَوْلِهِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ (المنافقون:۲-۹) فَأَرْسَلَ إِلَيَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَأَهَا عَلَيَّ ثُمَّ قَالَ إِنَّ اللهَ قَدْ صَدَّقَكَ.

صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن اُبَیّ اور اس کے ساتھیوں کو بلا بھیجا۔ انہوں نے قسمیں کھائیں کہ انہوں نے ایسا نہیں کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سچا سمجھا اور مجھے جھوٹا ٹھہرایا۔ مجھے اس سے اتنا فکر ہوا کہ ایسا فکر مجھے کبھی نہیں ہوا۔ میں اپنے گھر میں بیٹھ رہا۔ پھر اللہ عزوجل نے یہ آیات نازل کیں: اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ... تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلا بھیجا اور آپؐ نے میرے سامنے یہ آیات پڑھیں اور فرمایا: اللہ نے تمہیں سچا قرار دیا ہے۔

أطرافه: ۴۹۰۰، ۴۹۰۲، ۴۹۰۳، ۴۹۰۴۔

تشریح: اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً: انہوں نے اپنی قسموں کو (تیری گرفت سے بچنے کے لیے) ڈھال بنالیا ہے۔ ان آیات کی تفسیر میں حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”میں نے بارہا سنایا ہے کہ جب مامور من اللہ آتا ہے تو لوگوں کو اس کی مخالفت کا ایک جوش مارتا ہے۔ اور یہ اس لیے ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کے اعزاز کے لیے تُل جائے اس کو کوئی ذلیل نہیں کر سکتا۔ مدینہ طیبہ میں ایک رأس المنافقین کا ارادہ ہوا لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ اگر ہم لوٹ کر مدینہ پہنچیں گے تو ایک ذلیل گروہ کو معزز گروہ نکال دے گا۔ جنابِ الٰہی نے فرمایا وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ معزز تو اللہ ہے اور اس کا رسول اور اس کی جماعت۔ منافقوں کو یہ کبھی سمجھ نہیں آتی۔ آخر ایام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

میں ایک بھی منافق نہ رہا۔ بلکہ یہ فرمایا مَلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا (احزاب:۶۲) اللہ تعالیٰ نے ارادہ کر لیا تھا کہ وہ تیری مجاورت میں بھی نہ رہیں۔" (حقائق الفرقان، جلد ۴ صفحہ ۱۳۵، ۱۳۶)

نیز فرمایا:

"عزت اللہ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے اور مومنوں کے لیے۔ منافقین ایسی باتوں سے بے علم ہیں۔ پس مومن اور پھر ذلیل، یہ غیر ممکن ہے۔ مومن تو اسی دنیا میں بہشت پالیتا ہے۔ صحابہ کرام نے جب جاہلیت کے عقائدِ فاسدہ سے توبہ کی اور اسلام کے پاک عقائد اختیار کیے تو سب سے پہلی جنت ان کے لیے یہی تھی۔ پھر جب مکہ سے مدینہ ہجرت کی تو یہ بھی ان کے لیے جنت ہی تھی۔ پھر جب ملک پر ملک فتح کیے تو ایک دنیا کے فاتح کہلائے تو یہ بھی ان کے لیے جنت تھی۔ پھر جب دنیا سے کوچ کرنے پر پہلی منزل قبر (قبر وہ ہے جہاں انسان اپنے اعمال کے بدلہ میں بعد الموت رہتا ہے) بھی رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ ہوگئی! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیبیاں جنگ میں اپنے ساتھ رکھتے۔ دراصل آپؐ ان جاہلوں کو یہ سمجھاتے تھے کہ دیکھو اللہ تعالیٰ مجھے ذلیل نہیں کرتا ورنہ جنگ کیسے خطرے کا موقع ہے اور دستور کے لحاظ سے بیبیوں کا قید میں پڑ جانا اور اور طرح ذلیل ہونا ممکن ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ میرا حامی و ناصر ہے وہ مومن کے اعداء کو کوئی ایسا موقع نہیں دیتا۔" (حقائق الفرقان، جلد ۴ صفحہ ۱۳۶)

بَاب ۳: قَوْلُهُ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ○ (المنافقون: ٤)

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا: یہ اس لئے کہ وہ ایمان لائے پھر انہوں نے کفر کیا تو اُن کے دلوں پر مہر لگادی گئی اور وہ کچھ نہیں سمجھتے

٤٩٠٢: حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ ۴۹۰۲: آدم (بن ابی ایاس) نے ہم سے بیان کیا

الْحَكَمِ قَالَ سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ كَعْبٍ الْقُرَظِيَّ قَالَ سَمِعْتُ زَيْدَ بْنَ أَرْقَمَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ لَمَّا قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ: لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ (المنافقون:٨) وَقَالَ أَيْضًا لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ (المنافقون: ٩) أَخْبَرْتُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَامَنِي الْأَنْصَارُ وَحَلَفَ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ مَا قَالَ ذٰلِكَ فَرَجَعْتُ إِلَى الْمَنْزِلِ فَنِمْتُ فَدَعَانِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَيْتُهُ فَقَالَ إِنَّ اللهَ قَدْ صَدَّقَكَ وَنَزَلَ هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا (المنافقون:٨) الْآيَةَ. وَقَالَ ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ عَمْرٍو عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

کہ شعبہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے حکم سے روایت کی، کہا: میں نے محمد بن کعب قرظی سے سنا۔ انہوں نے کہا: میں نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے سنا۔ وہ کہتے تھے: جب عبداللہ بن اُبَیّ نے کہا کہ جو رسول اللہ کے پاس ہیں انہیں خرچ مت دو اور یہ بھی کہا کہ اگر ہم مدینہ کو لوٹے تو (ویسا کریں گے۔) میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر کر دی تو انصار نے مجھے ملامت کی اور عبداللہ بن اُبَیّ نے قسم کھالی کہ اس نے ایسا نہیں کہا۔ میں اپنے گھر کو لوٹا اور سو رہا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا۔ میں آپؐ کے پاس آیا۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ نے تمہیں سچا قرار دیا ہے اور یہ آیت نازل ہوئی: هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا یعنی یہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ خرچ نہ کرو۔ اور ابن ابی زائدہ نے بھی (اس حدیث کو) بیان کیا۔ انہوں نے اعمش سے، اعمش نے عمرو (بن مرہ) سے، عمرو نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے، عبدالرحمٰن نے حضرت زید بن ارقمؓ سے، حضرت زیدؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا۔

أطرافه: ٤٩٠٠، ٤٩٠١، ٤٩٠٣، ٤٩٠٤۔

بَاب: وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ ۖ وَإِنْ يَقُولُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ۖ كَأَنَّهُمْ خُشُبٌ مُسَنَّدَةٌ ۖ يَحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ۚ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۚ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ ۖ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ○ (المنافقون:۵)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) جب تو اُن کو دیکھتا ہے اُن کے جسم تجھے اچھے معلوم ہوتے ہیں اور اگر وہ بات کریں تو تُو اُن کی بات کو سن لیتا ہے۔ وہ ایسے ہیں جیسے لکڑیاں، جن کو سہارا دے کر کھڑا کیا جائے۔ ہر ایک عذاب کو اپنے لئے ہی سمجھتے ہیں۔ وہی دشمن ہیں تو اُن سے بچتا رہ۔ اللہ انہیں ہلاک کرے۔ کہاں کو وہ پلٹ رہے ہیں۔

٤٩٠٣: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ زَيْدَ بْنَ أَرْقَمَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ أَصَابَ النَّاسَ فِيهِ شِدَّةٌ فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ لِأَصْحَابِهِ لَا تُنْفِقُوْا عَلَى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ حَتَّى يَنْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِهِ وَقَالَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرْتُهُ فَأَرْسَلَ إِلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ أُبَيٍّ فَسَأَلَهُ فَاجْتَهَدَ يَمِينَهُ مَا فَعَلَ قَالُوا كَذَبَ زَيْدٌ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَقَعَ فِي نَفْسِي مِمَّا قَالُوا

۴۹۰۳: عمرو بن خالد نے ہم سے بیان کیا کہ زُہیر بن معاویہ نے ہمیں بتایا۔ ابواسحاق نے ہم سے بیان کیا، کہا: میں نے حضرت زید بن ارقمؓ سے سنا۔ انہوں نے کہا: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں نکلے جس میں لوگوں کو سخت تکلیف پہنچی۔ عبداللہ بن اُبَیّ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: جو رسول اللہ کے پاس ہیں انہیں خرچ مت دو، وہ آپؐ کے آس پاس سے تتر بتر ہو جائیں گے۔ اور کہا: اگر ہم مدینہ لوٹے تو جو زیادہ معزز ہے وہ ذلیل کو وہاں سے ضرور نکال دے گا۔ میں (یہ سن کر) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپؐ کو خبر کر دی۔ آپؐ نے عبداللہ بن اُبَیّ کو بلا بھیجا اور اس سے پوچھا۔ اس نے بڑے زور سے قسم کھائی کہ اس نے ایسا نہیں کہا۔ لوگ کہنے لگے: زیدؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جھوٹ بولا ہے۔

شِــدَّةٌ حَتَّــى أَنْــزَلَ اللهُ عَــزَّ وَجَــلَّ تَصْدِيــقِي فِــي: إِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ (المنــافقون:۲) فَــدَعَاهُمُ النَّبِــيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَسْتَغْفِرَ لَهُمْ فَلَوَّوْا رُءُوسَهُمْ وَقَوْلُهُ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ (المنافقون:۵) قَالَ كَانُوا رِجَالًا أَجْمَلَ شَيْءٍ.

ان کے ایسا کہنے سے مجھے سخت تکلیف ہوئی۔ آخر اللہ عزوجل نے میری تصدیق میں یہ وحی نازل کی: إِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ یعنی جب تیرے پاس منافق آتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا تاکہ ان کے لئے مغفرت کی دعا مانگیں۔ انہوں نے اپنے سر تان لئے۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا: خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ۔ کہا: اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ بڑے خوبصورت مرد تھے۔

أطرافه: ٤٩٠٠، ٤٩٠١، ٤٩٠٢، ٤٩٠٤۔

بَاب ٤: قَوْلُهُ وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ○ (المنافقون:٦)

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا: اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ آؤ! اللہ کا رسول تمہارے لیے استغفار کرے تو وہ اپنے سر (تکبر اور انکار سے) پھیر لیتے ہیں اور تُو اُن کو دیکھتا ہے کہ وہ راہِ حق سے لوگوں کو پھرا رہے ہیں اور وہ تکبر کی مرض میں مبتلا ہیں

حَرَّكُوا اسْتَهْزَءُوا بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَيُقْرَأُ بِالتَّخْفِيفِ مِنَ لَوَيْتُ.

(لَوَّوْا کے معنی ہیں) انہوں نے ہلائے۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹھٹھا کیا اور واؤ کی تخفیف سے (لَوَوْا) بھی پڑھا جاتا ہے لَوَيْتُ سے۔ یعنی پھیر لیا۔

٤٩٠٤: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ كُنْتُ مَعَ عَمِّي فَسَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ أُبَيٍّ ابْنَ سَلُولَ يَقُولُ لَا تُنْفِقُوْا عَلَى مَنْ عِنْدَ

۴۹۰۴: عبید اللہ بن موسیٰ نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے اسرائیل سے، اسرائیل نے ابو اسحاق سے، ابو اسحاق نے حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں اپنے چچا کے ساتھ تھا اور میں نے عبد اللہ بن اُبَیّ بن سلول کو یہ کہتے سنا: جو

رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا وَلَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِعَمِّي فَذَكَرَهُ عَمِّي لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَدَّقَهُمْ فَدَعَانِي فَحَدَّثْتُهُ فَأَرْسَلَ إِلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أُبَيٍّ وَأَصْحَابِهِ فَحَلَفُوا مَا قَالُوا وَكَذَّبَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَصَابَنِي غَمٌّ لَمْ يُصِبْنِي مِثْلُهُ قَطُّ فَجَلَسْتُ فِي بَيْتِي وَقَالَ عَمِّي مَا أَرَدْتَّ إِلَى أَنْ كَذَّبَكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَقَتَكَ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالَى: اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ (المنافقون: ٢) وَأَرْسَلَ إِلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَأَهَا وَقَالَ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ صَدَّقَكَ.

رسول اللہ کے پاس ہیں انہیں خرچ مت دو تاکہ وہ بکھر جائیں اور اگر ہم مدینہ کو لوٹے تو جو زیادہ معزز ہوگا وہ ذلیل کو وہاں سے نکال دے گا۔ میں نے اپنے چچا سے اس کا ذکر کیا۔ میرے چچا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ اور آپؐ نے ان (لوگوں) کو سچا سمجھا۔ آپؐ نے مجھے بلایا اور میں نے آپؐ سے بیان کیا۔ آپؐ نے عبداللہ بن اُبَیّ اور اس کے ساتھیوں کو بلا بھیجا۔ انہوں نے قسمیں کھائیں کہ انہوں نے یہ نہیں کہا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جھوٹا ٹھہرایا۔ مجھے اس سے ایسا غم پہنچا کہ ایسا غم مجھے کبھی نہیں پہنچا تھا۔ میں اپنے گھر میں بیٹھا رہا اور میرے چچا نے کہا: تمہیں کیا سوجھی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں جھوٹا قرار دیا اور تم سے ناراض ہوگئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ (سورۃ) نازل کی: اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ ... یعنی جب تیرے پاس منافق آتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم قسم کھا کر گواہی دیتے ہیں کہ تُو اللہ کا رسول ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلا بھیجا اور آپؐ نے یہ سورۃ پڑھی اور فرمایا: اللہ نے تمہیں سچا قرار دیا۔

أطرافه: ٤٩٠٠، ٤٩٠١، ٤٩٠٢، ٤٩٠٣-

بَابٌ ٥: قَوْلُهُ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۗ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ○ (المنافقون:۷)

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا: ان کے نزدیک یکساں ہے کہ تُو ان کے لئے مغفرت کی دعا کرے یا ان کے لئے مغفرت کی دعا نہ کرے، اللہ ان کی ہرگز مغفرت نہیں کرے گا اور اللہ بدعہد لوگوں کی کبھی رہنمائی نہیں کرتا

٤٩٠٥: حَدَّثَنَا عَلِيٌّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ عَمْرٌو سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ كُنَّا فِي غَزَاةٍ قَالَ سُفْيَانُ مَرَّةً فِي جَيْشٍ فَكَسَعَ رَجُلٌ مِّنَ الْمُهَاجِرِينَ رَجُلًا مِّنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ يَا لَلْأَنْصَارِ وَقَالَ الْمُهَاجِرِيُّ يَا لَلْمُهَاجِرِينَ فَسَمِعَ ذَاكَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا بَالُ دَعْوَى جَاهِلِيَّةٍ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ كَسَعَ رَجُلٌ مِّنَ الْمُهَاجِرِينَ رَجُلًا مِّنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ دَعُوهَا فَإِنَّهَا مُنْتِنَةٌ فَسَمِعَ بِذَلِكَ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ فَقَالَ فَعَلُوهَا أَمَا وَاللهِ لَئِنْ رَّجَعْنَآ إِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ فَبَلَغَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ عُمَرُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ دَعْنِي أَضْرِبْ عُنُقَ هَذَا الْمُنَافِقِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْهُ لَا يَتَحَدَّثُ

۴۹۰۵: علی (بن عبد اللہ مدینی) نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان (بن عیینہ) نے ہمیں بتایا۔ عمرو (بن دینار) نے کہا کہ میں نے حضرت جابر بن عبد اللہ (انصاری) رضی اللہ عنہما سے سنا۔ انہوں نے کہا: ہم ایک غزوہ میں تھے۔ سفیان نے ایک دفعہ یوں کہا: ہم ایک فوج میں تھے تو مہاجرین میں سے ایک شخص نے ایک انصاری شخص کے (سرین پر) لات ماری۔ وہ انصاری بولا: انصاریو! مدد کو پہنچو۔ اور اس مہاجر نے کہا: مہاجرین! مدد کو پہنچو۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ سنا۔ آپؐ نے فرمایا: یہ جاہلیت کی پکار کیا کرنے لگے ہو۔ لوگوں نے کہا: یا رسول اللہؐ! مہاجرین میں سے ایک شخص نے ایک انصاری کے (سرین پر) لات لگائی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ان باتوں کو جانے دو کیونکہ وہ بدبودار ہیں۔ تو عبد اللہ بن اُبَیّ نے یہ بات سنی تو وہ کہنے لگا: انہوں نے ایسا کیا ہے۔ اچھا اللہ کی قسم اگر ہم مدینہ کو لوٹے تو جو اُن میں سے معزز ہیں وہ ذلیل کو وہاں سے ضرور نکال دیں۔ یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی۔ حضرت عمرؓ کھڑے ہو گئے اور کہا: یارسول اللہ!

النَّـاسُ أَنَّ مُحَمَّـدًا يَقْتُـلُ أَصْـحَابَهُ وَكَانَتِ الْأَنْصَارُ أَكْثَرَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ حِينَ قَدِمُوا الْمَدِينَةَ ثُمَّ إِنَّ الْمُهَاجِرِينَ كَثُرُوا بَعْدُ. قَالَ سُفْيَانُ فَحَفِظْتُهُ مِنْ عَمْرٍو قَالَ عَمْرٌو سَمِعْتُ جَابِرًا كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

أطرافه: ٣٥١٨، ٤٩٠٧-

مجھے اجازت دیں کہ اس منافق کی گردن اڑادوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جانے دو، کہیں لوگ باتیں نہ کریں کہ محمد اپنے ساتھیوں کو مرواتا ہے۔ اور انصار مہاجرین سے جب یہ مدینہ میں آئے زیادہ تھے۔ پھر اس کے بعد مہاجرین بہت ہو گئے۔ سفیان نے کہا: میں نے عمرو (بن دینار) سے یہ حدیث (سن کر) یاد رکھی۔ عمرو نے کہا: میں نے حضرت جابرؓ سے سنا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے (اور پھر سارا واقعہ بیان کیا۔)

بَاب ٦: قَوْلُهُ هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا (المنافقون:٨)

اللہ تعالیٰ کا فرمانا: یہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ کے پاس جو ہیں انہیں خرچ مت دو تاکہ وہ بکھر جائیں

يَنْفَضُّوْا (المنافقون:٨) يَتَفَرَّقُوا.

يَنْفَضُّوْا کے معنی ہیں وہ بکھر جائیں۔

باب

وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ○ (المنافقون:٨)

اور اللہ ہی کے لئے زمین و آسمان کے خزانے ہیں لیکن منافق نہیں سمجھتے

٤٩٠٦: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عُقْبَةَ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ الْفَضْلِ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ حَزِنْتُ

۴۹۰۶: اسماعیل بن عبداللہ نے ہم سے بیان کیا، کہا: اسماعیل بن ابراہیم بن عقبہ نے مجھے بتایا۔ انہوں نے موسیٰ بن عقبہ سے روایت کی۔ کہا: عبداللہ بن فضل نے مجھے بتایا کہ انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے سنا، وہ کہتے تھے: حرہ کے واقعہ

عَلَى مَنْ أُصِيبَ بِالْحَرَّةِ فَكَتَبَ إِلَيَّ زَيْدُ بْنُ أَرْقَمَ وَبَلَغَهُ شِدَّةُ حُزْنِي يَذْكُرُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَلِأَبْنَاءِ الْأَنْصَارِ وَشَكَّ ابْنُ الْفَضْلِ فِي أَبْنَاءِ أَبْنَاءِ الْأَنْصَارِ فَسَأَلَ أَنَسًا بَعْضُ مَنْ كَانَ عِنْدَهُ فَقَالَ هُوَ الَّذِي يَقُولُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا الَّذِي أَوْفَى اللهُ لَهُ بِأُذُنِهِ.

میں جو (صحابہ) مارے گئے اُن کے لئے میں غمگین ہوا۔ حضرت زید بن ارقمؓ کو میرے سخت غمگین ہونے کی خبر پہنچی تو اُنہوں نے مجھے خط لکھا جس میں انہوں نے ذکر کیا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ آپؐ یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! انصار اور انصار کے بیٹوں کی مغفرت فرما۔ اور (عبداللہ) بن فضل راوی کو شک ہے آپؐ نے پوتوں کا بھی ذکر فرمایا یا نہیں۔ حضرت انسؓ سے ان لوگوں میں سے کسی نے پوچھا جو اُن کے پاس تھے (کہ حضرت زید بن ارقمؓ کیسے تھے) تو انہوں نے کہا: یہ وہی ہیں جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: یہ وہ شخص ہے جس کی اللہ نے پورے طور پر تصدیق کی (اس بات میں) جو اُس کے کان نے سنی تھی۔

تشریح: **هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا:** اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَ لِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ○ یہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول کے پاس جو لوگ رہتے ہیں اُن پر خرچ نہ کرو، یہاں تک کہ وہ (فاقوں سے تنگ آکر) بھاگ جائیں۔ حالانکہ آسمان اور زمین کے خزانے اللہ کے پاس ہیں لیکن منافق سمجھتے نہیں۔ مراد یہ ہے کہ منافقین کہتے ہیں کہ ان غریب مسلمانوں پر خرچ نہ کرو یہ بھوک اور افلاس سے تنگ آکر بھاگ جائیں گے۔ عربی محاورہ ہے: كُلُّ إِنَاءٍ يَتَرَشَّحُ بِمَا فِيهِ یعنی ہر برتن کے اندر جو ہوتا ہے وہی باہر آتا ہے۔ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کمزور مسلمانوں کو تو بہت کچھ دیا مگر یہ منافقین حسرت کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”وہ شخص بڑا نادان ہے جو یہ خیال کرتا ہے کہ آئے دن ہم پر بوجھ پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بار بار فرماتا ہے: وَ لِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (المنافقون:۸) یعنی خدا تعالےٰ کے پاس آسمان و زمین کے خزانے ہیں۔ منافق ان کو سمجھ نہیں سکتے

لیکن مومن اس پر ایمان لاتا اور یقین کرتا ہے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر سب لوگ جو اس وقت موجود ہیں اور اس سلسلہ میں داخل ہیں یہ سمجھ کر کہ آئے دن ہم پر بوجھ پڑتا ہے وہ دست بردار ہو جائیں اور بخل سے یہ کہیں کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے تو خدا تعالیٰ ایک اور قوم پیدا کر دے گا جو ان سب اخراجات کا بوجھ خوشی سے اٹھائے اور پھر بھی سلسلہ کا احسان مانے۔"

(ملفوظات جلد ۴ صفحہ ۶۵۰، ۶۵۱)

بَاب ۷

يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ۭ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (المنافقون: ۹)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) وہ کہتے ہیں اگر ہم مدینہ کو لوٹے تو جو زیادہ معزز ہے وہ ذلیل کو وہاں سے ضرور نکال دے گا حالانکہ عزت اللہ ہی کی اور اس کے رسول کی اور مؤمنوں کی ہے لیکن منافق نہیں جانتے

٤٩٠٧: حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ حَفِظْنَاهُ مِنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ كُنَّا فِي غَزَاةٍ فَكَسَعَ رَجُلٌ مِّنَ الْمُهَاجِرِينَ رَجُلًا مِّنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ يَا لَلْأَنْصَارِ وَقَالَ الْمُهَاجِرِيُّ يَا لَلْمُهَاجِرِينَ فَسَمَّعَهَا اللهُ رَسُولَهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا هَذَا فَقَالُوا كَسَعَ رَجُلٌ مِّنَ الْمُهَاجِرِينَ رَجُلًا مِّنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ يَا لَلْأَنْصَارِ وَقَالَ

۴۹۰۷: (عبد اللہ بن زبیر) حمیدی نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان (بن عیینہ) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے کہا: عمرو بن دینار سے ہم نے یہ حدیث (سن کر) یاد رکھی۔ انہوں نے کہا: میں نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ کہتے تھے: ہم ایک غزوہ میں تھے۔ مہاجروں میں سے ایک شخص نے ایک انصاری شخص کو (سُرین پر) لات ماری۔ انصاری پکارا: اے انصاریو! مدد کو پہنچو۔ اور مہاجر نے پکارا: اے مہاجرو! مدد کو پہنچو۔ اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حال و پکار سنائی۔ آپؐ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: مہاجرین میں سے ایک شخص نے ایک انصاری

الْمُهَاجِرِيُّ يَا لَلْمُهَاجِرِينَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعُوهَا فَإِنَّهَا مُنْتِنَةٌ قَالَ جَابِرٌ وَكَانَتِ الْأَنْصَارُ حِينَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْثَرَ ثُمَّ كَثُرَ الْمُهَاجِرُونَ بَعْدُ فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ أَوَقَدْ فَعَلُوا وَاللهِ لَئِنْ رَّجَعْنَآ إِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ دَعْنِي يَا رَسُولَ اللهِ أَضْرِبْ عُنُقَ هَذَا الْمُنَافِقِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْهُ لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ.

شخص کے (سُرین پر) لات لگائی ہے تو انصاری بولا: اے انصاریو! مدد کو پہنچنا۔ اور مہاجر نے کہا: اے مہاجرو! مدد کو پہنچنا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سن کر) فرمایا: اس حال پکار کو چھوڑو کیونکہ یہ بدبودار باتیں ہیں۔ حضرت جابرؓ نے کہا: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم (مدینہ میں) آئے انصار زیادہ تھے پھر بعد میں مہاجرین بھی بہت ہو گئے۔ عبداللہ بن اُبَیّ نے (یہ سن کر) کہا: مہاجروں نے ایسا کیا ہے؟ اللہ کی قسم اگر ہم مدینہ کو واپس گئے تو جو معزز ہو گا تو وہ ذلیل کو وہاں سے ضرور نکال دے گا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے (یہ سن کر) کہا: یارسول اللہؐ! مجھے اجازت دیں کہ میں اس منافق کی گردن اڑادوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے جانے دو۔ کہیں لوگ باتیں نہ کریں کہ محمد اپنے ساتھیوں کو مرواتا ہے۔

أطرافه: ۳۵۱۸، ۴۹۰۵۔

تشریح: **يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ إِلَى الْمَدِيْنَةِ:** زیرِ باب روایت میں جو واقعہ مذکور ہے اس کا تعلق غزوۃ المریسیع سے ہے۔ اس غزوہ کا دوسرا نام غزوۂ بنی مصطلق ہے۔ مریسیع مقام پر بنو مصطلق سے جھڑپ ہوئی تھی۔ ایک انصاری اور مہاجر کے درمیان کھیل میں ایک دوسرے کے ساتھ چپقلش ہوئی۔ مہاجر کا نام جہجاہ بن قیس تھا جو حضرت عمر بن خطابؓ کے اجیر (مزدوری پر کام کرنے والے) تھے اور انصاری کا نام سنان بن وبرہ تھا جو بنو سالم خزرجی کے حلیف تھے۔ مہاجر نے کھیلتے کھیلتے ان کے سرین پر مارا جس سے بدمزگی پیدا ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاملہ رفع دفع کر دیا۔ (فتح الباری جزء۶ صفحہ ۶۶۸) عبداللہ بن اُبَیّ بن سلول رئیس المنافقین نے اس واقعہ سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی اور مذکورہ بالا دھمکی دی۔

٦٤ـ سُورَةُ التَّغَابُنِ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام کے ساتھ جو رحمٰن اور رحیم ہے

وَقَالَ عَلْقَمَةُ عَنْ عَبْدِ اللهِ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ (التغابن: ١٢) هُوَ الَّذِي إِذَا أَصَابَتْهُ مُصِيبَةٌ رَضِيَ بِهَا وَعَرَفَ أَنَّهَا مِنَ اللهِ.

اور علقمہ (بن قیس) نے حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) سے نقل کرتے ہوئے کہا: وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ۔ یعنی جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اللہ اس کے دل کی رہنمائی کرتا ہے۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جس کو جب کوئی مصیبت پہنچے تو وہ اس پر راضی رہتا ہے اور سمجھ لیتا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ التَّغَابُنُ غَبْنُ أَهْلِ الْجَنَّةِ أَهْلَ النَّارِ.

اور مجاہد نے کہا: التَّغَابُن کے معنی ہیں کہ جنتی دوزخیوں سے نفع میں رہیں گے۔

تشریح: سُورَةُ التَّغَابُنِ: اس سورۃ کا آغاز يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ... سے کیا گیا ہے جس کا مطلب ہے کہ اس سورۃ کا مرکزی مضمون اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید ہے۔ پس جو انسان سب سے بڑھ کر خدا کی تسبیح و تحمید کرے گا، وہی سب سے بڑھ کر پاکیزگی اور حمد کے لائق ٹھہرے گا اور یہ شرف انسانِ کامل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوا اس لیے آپؐ کا نام محمد رکھا گیا یعنی سب سے زیادہ تعریف کیا گیا۔ اور آپؐ کو ہی یہ اعزاز بخشا گیا لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ۔ یعنی وہ ایسا پاک اور معصوم وجود ہے جس سے نہ پہلے کوئی گناہ سرزد ہوا نہ آئندہ ہوگا۔ اس لیے وہ ایک ہی ہے جسے مقامِ محمود پر فائز کیا جائے گا۔ ایسے عالی شان وجود کی طرف ناپاک باتیں منسوب کرنے والے اس چاند چہرہ کو کیا ماند کریں گے وہ گند خود ان ہی کے منہ پر پڑ کر انہیں ذلت اور رسوائی کا نشان بنائے گا۔

وَقَالَ عَلْقَمَةُ عَنْ عَبْدِ اللهِ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ: پوری آیت کا ترجمہ یہ ہے: کوئی مصیبت نہیں آتی مگر اللہ کے حکم سے اور جو اللہ پر ایمان لاتا ہے وہ اس کے دل کو کامیابی کے طریقوں کی طرف پھیر دیتا ہے اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ علقمہ نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کے یہ معنی کیے ہیں کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جس کو جب کوئی مصیبت پہنچے تو وہ اس پر راضی رہتا ہے اور سمجھ لیتا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ یہ دراصل وہی مضمون ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر بیان فرمایا کہ مومن کا معاملہ عجیب (پیارا)

ہے۔اس کا ہر عمل اس کے لیے خیر کا باعث ہوتا ہے۔اور یہ مومن کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔اگر اسے کوئی خیر پہنچے تو وہ شکر کرتا ہے اور وہ اس کے لیے بہتر ہے اور اگر اسے کوئی شر پہنچے تو وہ صبر کرتا ہے اور یہ اس کے لیے بہتر ہے۔(صحیح مسلم، کتاب الزھد والرقاق، باب الْمُؤْمِنُ أَمْرُهُ كُلُّهُ خَيْرٌ)

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اَب غور کرو جن مصائب کے وقت صبر کرنے والے انسان کو ان انعامات کا تصوّر آ جاوے جو اس کو اللہ کی طرف سے عطا ہونے کا وعدہ ہے تو بھلا پھر وہ مصیبت، مصیبت رہ سکتی ہے اور غم غم رہتا ہے؟ ہر گز نہیں! پس کیسا پاک کلمہ ہے الحمدللہ اور کیسی پاک تعلیم ہے وہ جو مسلمانوں کو سکھائی گئی ہے۔یہ نہایت ہی لطیف نکتۂ معرفت ہے اور دل کو مُوہ لینے والی بات۔یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف اِسی آیت سے شروع ہوُا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام خطبات کا ابتدا بھی اِسی سے ہوُا ہے۔" (حقائق الفرقان جلد اول صفحہ ۲۷۲)

٦٥ـ سُورَةُ الطَّلَاقِ

وَقَالَ مُجَاهِدٌ وَبَالَ أَمْرِهَا (الطلاق:١٠) جَزَاءَ أَمْرِهَا. { اِنِ ارْتَبْتُمْ (الطلاق:٥) إِنْ لَمْ تَعْلَمُوا أَتَحِيضُ أَمْ لَا تَحِيضُ، فَاللَّائِي قَعَدْنَ عَنِ الْمَحِيضِ وَاللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ بَعْدُ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ. (الطلاق:٥)[۱] }

اور مجاہد نے کہا: وَبَالَ اَمْرِهَا کے معنی ہیں اپنے کام کا بدلہ۔ اِنِ ارْتَبْتُمْ یعنی اگر تمہیں معلوم نہ ہو آیا اس کو حیض آتا ہے یا حیض نہیں آتا، تو پھر وہ عورتیں جو کہ حیض سے رہ جائیں اور وہ جنہیں ابھی حیض نہ آیا ہو تو ان عورتوں کی عدت تین مہینہ ہے۔

تشریح: سُورَةُ الطَّلَاقِ: حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اس کا نام سورۃ الطلاق ہے اور اس میں آغاز سے لے کر آخر تک طلاق کے متعلق مختلف مسائل کا بیان ہے۔ پچھلی سورت سے اس سورت کا مرکزی نقطۂ اتصال یہ ہے کہ اس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ایسے نور کے طور پر پیش فرمایا گیا ہے جو اندھیروں سے نور کی طرف نکالتا ہے اور یہی وہ نور ہے جو آخرین کے زمانہ میں ایک دفعہ پھر آپؐ کی امت کے ان لوگوں کو اندھیروں سے نکالے گا جو دنیا کے اندھیروں میں بھٹکتے پھر رہے ہوں گے۔"

(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تعارف سورۃ الطلاق صفحہ ۱۰۴۱)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ وَبَالَ اَمْرِهَا: اور مجاہد نے کہا وَبَالَ اَمْرِهَا کے معنی ہیں اپنے کام کا بدلہ۔

علامہ عینی لکھتے ہیں کہ وَبَالَ کے معنی جزا کے ہیں اور ذَاقَتْ میں ضمیر اللہ تعالیٰ کے اس قول وَ كَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا (الطلاق:۹) کی طرف راجع ہے۔ (عمدۃ القاری جزء ۱۹ صفحہ ۲۴۳، ۲۴۴) جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کتنی ہی بستیاں ہیں جنہوں نے اپنے ربّ کا اور رسولوں کا انکار کیا جس کا نتیجہ نقصان، گھاٹے، ناکامی اور نامرادی کے سوا کچھ نہ نکلا۔

اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ: یعنی اگر تمہیں معلوم نہ ہو آیا اس کو حیض آتا ہے یا حیض نہیں آتا تو پھر وہ عورتیں جو کہ حیض سے رہ جائیں اور وہ جنہیں ابھی حیض نہ آیا ہو تو ان عورتوں کی عدت تین ماہ ہے۔ اس سے

---

[۱] یہ الفاظ عمدۃ القاری کے مطابق اس جگہ ہیں۔ (عمدۃ القاری جزء ۱۹ صفحہ ۲۴۴) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

مراد وہ عورتیں ہیں جن کو بڑھاپے کی وجہ سے یا بیماری کی وجہ سے یا کم عمری کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو۔ نیز حیض کا نہ آنا حمل کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے۔ اس شک کے رفع کرنے کے لیے کہ ان کے حیض کے نہ آنے کی وجہ حمل تو نہیں ان کی عدت تین ماہ مقرر کی گئی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”جو عورتیں حیض سے نومید ہو گئی ہیں اُن کی مہلت طلاق بجائے تین حیض کے تین مہینہ ہیں۔ اور جو خدا سے ڈرے گا یعنی طلاق دینے میں جلدی نہیں کرے گا خدا اس کے کام میں آسانی پیدا کر دے گا۔“

(آریہ دھرم، روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۵۳)

تین ماہ کا وقت حمل کے ظاہر ہونے کے لیے قانونِ قدرت کا ایک ایسا واضح اصول ہے جس سے کوئی عورت بھی جو حاملہ ہو، باہر نہیں رہ سکتی۔ پس تین ماہ میں ان عورتوں کے حمل یا عدمِ حمل کی بات واضح ہو جائے گی اور شک یقین میں بدل جائے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا: دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَى مَا لَا يَرِيبُكَ [1] کہ شک کی بات چھوڑ دو اور اسے اختیار کرو جو ہر قسم کے شک وشبہ سے پاک ہے۔ یہ درحقیقت وہ اصل الاصول ہے جو زندگی کے جملہ امور میں مشعلِ راہ کے طور پر کام آتا ہے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر گناہ کی پہچان یہ بتائی: الْإِثْمُ مَا حَاكَ فِي صَدْرِكَ، وَكَرِهْتَ أَنْ يَطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ [2] یعنی گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تو ناپسند کرے کہ لوگوں کو اس کی خبر ہو۔ ایسی بے چینی کو چھوڑنا اور اس امر کو اختیار کرنا جو اطمینان اور تسلی کا باعث ہو نیکی اور تقویٰ ہے اور یہ تبھی نصیب ہوتا ہے جب انسان ہر وقت اللہ کو یاد رکھے کہ وہ مجھے دیکھتا ہے اور اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ اسی یادِ الٰہی کو اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد:۲۹) کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے عارفانہ کلام میں اسی نکتہ کو بار بار بیان فرمایا ہے تا پڑھنے اور سننے والا اس حقیقت کو پا سکے۔ فرمایا: سُبْحَانَ مَنْ يَّرَانِي کہ پاک ہے وہ ذات جو مجھے دیکھ رہی ہے۔ یہ تصور انسان کو پاک بنا دیتا ہے۔

باب ۱

٤٩٠٨: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي سَالِمٌ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا

۴۹۰۸: یحيٰ بن بکیر نے ہمیں بتایا کہ ہم سے لیث (بن سعد) نے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: مجھے عقیل نے ابن شہاب سے روایت کرتے ہوئے بتایا۔ ابن شہاب نے کہا: مجھے سالم نے بتایا کہ حضرت

[1] (صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب تفسیر المشبہات)

[2] (صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب تفسیر البر والإثم)

أَخْبَرَهُ أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ فَذَكَرَ عُمَرُ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَغَيَّظَ فِيهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ لِيُرَاجِعْهَا ثُمَّ يُمْسِكْهَا حَتَّى تَطْهُرَ ثُمَّ تَحِيضَ فَتَطْهُرَ فَإِنْ بَدَا لَهُ أَنْ يُطَلِّقَهَا فَلْيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا قَبْلَ أَنْ يَمَسَّهَا فَتِلْكَ الْعِدَّةُ كَمَا أَمَرَهُ اللهُ.

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کو خبر دی کہ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور وہ حائضہ تھی تو حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر خفگی کا اظہار کیا اور فرمایا: وہ اسے واپس لوٹا لے پھر اس کو اپنے پاس رکھے تاوقتیکہ وہ پاک ہو جائے۔ پھر اس کے بعد حائضہ ہو اور پاک ہو اور پھر طلاق دینا مناسب معلوم ہو تو چاہیے کہ اس کو پاک ہونے کی حالت میں ہی طلاق دے پیشتر اس کے کہ اس کو چھوئے۔ یہ وہ عدت ہے جیسا کہ اللہ نے اس کا حکم دیا۔

أطرافه: ۵۲۵۱، ۵۲۵۲، ۵۲۵۳، ۵۲۵۸، ۵۲۶۴، ۵۳۳۲، ۵۳۳۳، ۷۱۶۰۔

تشریح: **فَلْيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا قَبْلَ أَنْ يَمَسَّهَا:** حضرت ابن عمرؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت فرمائی کہ وہ اپنی بیوی کو ایسے طُہر میں طلاق دیں جس میں ازدواجی تعلق قائم نہ ہوا ہو۔ اسلام نے مرد کو طلاق کے ذریعہ اور عورت کو خلع کے ذریعہ رشتۂ ازدواج کو ختم کرنے کی اجازت دی ہے مگر اسے أَبْغَضُ الحَلَال قرار دیا ہے۔ پس انتہائی ناگزیر حالات میں یہ قدم اُٹھانے کی اجازت ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

> ”روحانی اور جسمانی طور پر اپنی بیویوں سے نیکی کرو۔ اُن کے لئے دُعا کرتے رہو اور طلاق سے پرہیز کرو کیونکہ نہایت بد خدا کے نزدیک وہ شخص ہے جو طلاق دینے میں جلدی کرتا ہے۔ جس کو خدا نے جوڑا ہے اس کو ایک گندہ برتن کی طرح جلد مت توڑو۔“ (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن جلد ۱۷ حاشیہ صفحہ ۷۵)

اسلام نے یہ بھی ہدایت کی ہے کہ رشتہ دار اور معاشرہ میاں بیوی میں صلح کی کوشش کریں اور خاص طور پر فریقین کی طرف سے حَکَمین کے تقرر کی ہدایت دی گئی ہے جو انتہائی قدم سے پہلے ممکن حد تک صلح کی کوشش کریں۔ پھر بھی اگر صلح نہ ہو اور معاملہ طلاق کی طرف بڑھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تاکیدی حکم دیا ہے کہ مرد ایسے طہر میں طلاق دے جس میں ازدواجی تعلق قائم نہ ہوا ہو۔ اور پھر تین ماہ کی عدت مقرر کی ہے جس میں رجوع کا حق دیا گیا ہے۔ گویا عملاً تین ماہ طلاق کے باوجود وہ عورت اسی خاوند کی بیوی ہو گی اور واپسی کا راستہ کھلا ہو گا۔

تین ماہ گذرنے کے بعد بھی جبکہ یہ طلاق بائن بن جاتی ہے یہ دونوں دوبارہ نکاح کر کے رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو سکتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ پھر باہم ناچاقی ہو جائے تو پھر وہ دوسری طلاق بھی اسی شرط کے مطابق ایسے طہر میں دینی ہو گی جس میں ازدواجی تعلق قائم نہ ہوا ہو اور پھر تین ماہ کا عرصہ سوچ و بچار اور باہمی صلح کے لیے رکھا گیا ہے اور وہ دونوں قانوناً میاں بیوی کے ہی رشتے میں منسلک ہوں گے اور رجوع یعنی واپسی کا راستہ ابھی بھی کھلا ہے۔ اس دوسری طلاق اور اس کی عدت کے بعد جب یہ طلاقِ بائن بن جائے تو پھر ان کے لیے نکاحِ ثالث کرنے کا موقع موجود ہے۔ اگر پھر طلاق ہو جائے تو اب ان کے پاس نہ رجوع کا حق ہے اور نہ نئے نکاح کا۔ ہاں مگر ایک صورت ہے۔ قرآنِ کریم فرماتا ہے: حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ (البقرۃ: ۲۳۱) یعنی یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ دوسرے مرد سے نکاح کرے اور اگر وہ دوسرا خاوند اپنی مرضی سے طلاق دے دے تو یہ عورت اپنے پہلے خاوند کی طرف نکاحِ جدید کے ذریعے سے واپس آسکتی ہے۔ یہ لمبا process اس لیے ہے تا اجڑا ہوا گھر دوبارہ آباد ہو سکے مگر یہ ایسی قید نہیں جس سے رہائی کے لیے نو ماہ ہر صورت پورے کرنے پڑتے ہیں۔ بلکہ پہلی طلاق کے بعد ہی اگر مرد رجوع نہ کرے اور نہ طلاقِ بائن کے بعد نکاح کے لیے آمادہ ہو تو عملاً تین ماہ کے بعد وہ دونوں آزاد ہوں گے نیز مرد کے رجوع کے باوجود اگر عورت واپس نہ آنا چاہے تو وہ بذریعہ قاضی خلع لے کر اس سے جان چھڑا سکتی ہے۔ پس یہ ایک کامل تعلیم ہے جو اس مسئلے کے ہر پہلو پر حاوی ہے۔

بَاب ۲: وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۗ وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ أَمْرِهٖ يُسْرًا ○ (الطلاق: ۵)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اور حمل والیاں، اُن کی میعاد یہ ہے کہ وہ اپنے حمل کو جنیں اور جس نے اللہ کو اپنا سپر بنایا تو اللہ اس کے کام میں آسانی پیدا کر دے گا

{وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ وَاحِدُهَا ذَاتُ حَمْلٍ.[1]}

اور أُولَاتُ الْأَحْمَالِ کا مفرد ذَاتُ حَمْلٍ ہے۔ یعنی حمل والی۔

۴۹۰۹: حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبُو هُرَيْرَةَ جَالِسٌ

۴۹۰۹: سعد بن حفص نے ہم سے بیان کیا کہ شیبان (بن عبدالرحمٰن نحوی) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے یحيٰ (بن ابی کثیر) سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: مجھے ابو سلمہ نے خبر دی۔ انہوں نے کہا: حضرت

[1] یہ الفاظ عمدۃ القاری کے مطابق اس جگہ ہیں۔ (عمدۃ القاری جزء ۱۹ صفحہ ۲۴۵) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

عِنْدَهُ فَقَالَ أَفْتِنِي فِي امْرَأَةٍ وَلَدَتْ بَعْدَ زَوْجِهَا بِأَرْبَعِينَ لَيْلَةً فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ آخِرُ الْأَجَلَيْنِ قُلْتُ أَنَا وَأُوْلَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (الطلاق:٥) قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ أَنَا مَعَ ابْنِ أَخِي يَعْنِي أَبَا سَلَمَةَ فَأَرْسَلَ ابْنُ عَبَّاسٍ غُلَامَهُ كُرَيْبًا إِلَى أُمِّ سَلَمَةَ يَسْأَلُهَا فَقَالَتْ قُتِلَ زَوْجُ سُبَيْعَةَ الْأَسْلَمِيَّةِ وَهِيَ حُبْلَى فَوَضَعَتْ بَعْدَ مَوْتِهِ بِأَرْبَعِينَ لَيْلَةً فَخُطِبَتْ فَأَنْكَحَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ أَبُو السَّنَابِلِ فِيمَنْ خَطَبَهَا.

ابن عباسؓ کے پاس ایک شخص آیا، اور حضرت ابو ہریرہؓ اُن کے پاس بیٹھے تھے۔ وہ کہنے لگا: مجھے ایک ایسی عورت کے متعلق فتویٰ دیں جس نے اپنے خاوند کے (مرنے کے) چالیس رات بعد بچہ جنا۔ حضرت ابن عباسؓ نے (یہ سن کر) کہا: دو مدتوں میں سے آخری مدت گزارے۔ (ابو سلمہ کہتے تھے) میں نے کہا: (قرآن میں تو یوں ہے: وَأُوْلَاتُ الْأَحْمَالِ...) اور حمل والیاں، اُن کی میعاد یہ ہے کہ وہ اپنے حمل کو جنیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا: میں اپنے بھتیجے سے متفق ہوں یعنی ابو سلمہ سے۔ اس پر حضرت ابن عباسؓ نے اپنے غلام کریب کو حضرت اُم سلمہؓ کے پاس یہ دریافت کرنے کے لئے بھیجا۔ انہوں نے کہا: سبیعہ اسلمیہؓ کا خاوند مارا گیا تھا اور وہ حاملہ تھیں۔ سبیعہؓ نے اس کے مرنے کے چالیس رات بعد بچہ جنا۔ اسے پیام نکاح بھیجا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نکاح کر دیا۔ اور ابو سنابل بھی ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اس کو پیغام بھیجا تھا۔

طرفُه: ٥٣١٨۔

٤٩١٠: وَقَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ وَأَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدٍ قَالَ كُنْتُ فِي حَلْقَةٍ فِيهَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي لَيْلَى وَكَانَ أَصْحَابُهُ يُعَظِّمُونَهُ فَذَكَرَ آخِرَ

۴۹۱۰: اور سلیمان بن حرب اور ابو نعمان نے کہا کہ ہمیں حماد بن زید نے بتایا۔ حماد نے ایوب سے، ایوب نے محمد (بن سیرین) سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں ایک حلقہ میں تھا جس میں عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ بھی تھے اور ان کے ساتھی

الْأَجَلَيْنِ فَحَدَّثْتُ بِحَدِيثِ سُبَيْعَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ قَالَ فَضَمَّزَ لِي بَعْضُ أَصْحَابِهِ قَالَ مُحَمَّدٌ فَفَطِنْتُ لَهُ فَقُلْتُ إِنِّي إِذًا لَجَرِيءٌ إِنْ كَذَبْتُ عَلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ وَهُوَ فِي نَاحِيَةِ الْكُوفَةِ فَاسْتَحْيَا وَقَالَ لَكِنَّ عَمَّهُ لَمْ يَقُلْ ذَاكَ فَلَقِيتُ أَبَا عَطِيَّةَ مَالِكَ بْنَ عَامِرٍ فَسَأَلْتُهُ فَذَهَبَ يُحَدِّثُنِي حَدِيثَ سُبَيْعَةَ فَقُلْتُ هَلْ سَمِعْتَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ فِيهَا شَيْئًا فَقَالَ كُنَّا عِنْدَ عَبْدِ اللّٰهِ فَقَالَ أَتَجْعَلُونَ عَلَيْهَا التَّغْلِيظَ وَلَا تَجْعَلُونَ عَلَيْهَا الرُّخْصَةَ لَنَزَلَتْ سُورَةُ النِّسَاءِ الْقُصْرَى بَعْدَ الطُّولَى: وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ. (الطلاق:۵)

طرفہ: ۴۵۳۲۔

ان کی تعظیم کیا کرتے تھے تو انہوں نے بھی دو میعادوں میں سے آخری میعاد کا ذکر کیا۔ اس پر میں نے حضرت سبیعہ بنت حارثؓ کا واقعہ عبداللہ بن عتبہ سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا۔ کہتے تھے کہ عبدالرحمٰن کے ایک ساتھی نے اپنے ہونٹ کو دانتوں سے دبا کر مجھے اشارہ کیا۔ محمد (بن سیرین) کہتے تھے: میں اس کی بات سمجھ گیا، میں نے کہا: میں تو پھر عجب دلیر ہوں اگر میں نے عبداللہ بن عتبہ کے متعلق جھوٹ کہا جبکہ وہ ابھی کوفہ کے ایک گوشہ میں موجود ہے۔ یہ سن کر وہ شرمندہ ہو گیا۔ اور (عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے) کہا: لیکن عبداللہ بن عتبہ کے چچا (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ) نے ایسا نہیں کہا۔ پھر میں ابوعطیہ مالک بن عامر سے ملا اور اُن سے مسئلہ دریافت کیا تو وہ بھی مجھے حضرت سبیعہؓ کا واقعہ بیان کرنے لگے۔ میں نے کہا: کیا تم نے حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) سے بھی اس کے متعلق کچھ سنا؟ انہوں نے کہا: ہم حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) کے پاس بیٹھے تھے۔ انہوں نے کہا: کیا تم اس حاملہ عورت پر سختی تو کرتے ہو اور اس پر آسانی نہیں کرتے؟ عورتوں کے متعلق چھوٹی سورۃ (یعنی سورۃ الطلاق) بڑی (یعنی سورۃ البقرۃ) کے بعد ہی اتری تھی (اور اس میں یہ ہے:) اور حمل والیوں کی میعاد یہ ہے کہ وہ اپنے حمل کو جنیں۔

تشریح: وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ : اور جن عورتوں کو حمل ہو ان کی عدت وضع حمل تک ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ حاملہ کی عدت وضعِ حمل ہے۔ صحیح مسلم کی روایت میں یہ ذکر ہے کہ حضرت سبیعہؓ بیان کرتی ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: جب وضعِ حمل ہو گیا تو مَیں حلال ہو گئی ہوں اور اگر چاہوں تو شادی کر سکتی ہوں۔ اس روایت میں ابن شہاب کا بھی ایک قول درج ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مَیں اس میں کوئی حرج نہیں دیکھتا کہ وہ وضعِ حمل کے بعد شادی کرلے اگرچہ اسے خون جاری ہو، سوائے اس کے کہ اس کا خاوند اس سے قربت نہ کرے جب تک کہ وہ پاک نہ ہو جائے۔

(صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب انقضاء عدۃ المتوفی عنہا زوجہا وغیرہا بوضع الحمل)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"حمل والی عورتوں کی طلاق کی عدت یہ ہے کہ وہ وضع حمل تک بعد طلاق کے دوسرا نکاح کرنے سے دستکش رہیں۔ اس میں یہی حکمت ہے کہ اگر حمل میں ہی نکاح ہو جائے تو ممکن ہے کہ دوسرے کا نطفہ بھی ٹھہر جائے تو اس صورت میں نسب ضائع ہو گی اور یہ پتہ نہیں لگے گا کہ وہ دونوں لڑکے کس کس باپ کے ہیں۔"

(آریہ دھرم، روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۲۱)

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا: حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اگر کوئی تم میں سے خدا سے ڈرے گا یعنی طلاق دینے میں جلدی نہیں کرے گا اور کسی بے ثبوت شبہ پر بگڑ نہیں جائے گا تو خدا اُس کو تمام مشکلات سے رہائی دے گا اور اس کو ایسے طور سے رزق پہنچائے گا کہ اسے علم نہیں ہو گا کہ مجھے کہاں سے رزق آتا ہے۔" (آریہ دھرم، روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۵۳)

٦٦ـ سُورَةُ التَّحْرِيمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام کے ساتھ جو رحمٰن اور رحیم ہے

بَاب ١: يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (التحريم: ٢)

اے نبی! جو اللہ نے تمہارے لئے جائز قرار دیا ہے وہ تم کیوں حرام قرار دیتے ہو۔ اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہو اور اللہ غفور رحیم ہے

٤٩١١: حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيَى عَنِ ابْنِ حَكِيمٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ فِي الْحَرَامِ يُكَفِّرُ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. (الاحزاب: ٢٢)

طرفه: ٥٢٦٦۔

۴۹۱۱: معاذ بن فضالہ نے ہم سے بیان کیا کہ ہشام (دستوائی) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے یحيٰ (بن ابی کثیر) سے، یحيٰ نے (یعلیٰ) ابن حکیم سے، یعلیٰ نے سعید بن جبیر سے روایت کی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ (اپنی بیوی سے یہ کہنا کہ تو مجھ پر) حرام ہے، اس کے لئے وہ کفارہ ادا کرے۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے یہ بھی کہا: یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول میں نیک نمونہ ہے۔

٤٩١٢: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْرَبُ عَسَلًا عِنْدَ زَيْنَبَ ابْنَةِ جَحْشٍ وَيَمْكُثُ عِنْدَهَا فَوَاطَأْتُ أَنَا

۴۹۱۲: ابراہیم بن موسیٰ نے ہم سے بیان کیا کہ ہشام بن یوسف نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ابن جریج سے، ابن جریج نے عطاء (بن ابی رباح) سے، عطاء نے عبید بن عمیر سے، عبید نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔ وہ فرماتی تھیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب بنت جحشؓ کے پاس شہد پیا کرتے تھے اور ان کے

وَحَفْصَةُ عَنْ أَيَّتُنَا دَخَلَ عَلَيْهَا فَلْتَقُلْ لَهُ أَكَلْتَ مَغَافِيرَ إِنِّي أَجِدُ مِنْكَ رِيحَ مَغَافِيرَ قَالَ لَا وَلَكِنِّي كُنْتُ أَشْرَبُ عَسَلًا عِنْدَ زَيْنَبَ ابْنَةِ جَحْشٍ فَلَنْ أَعُودَ لَهُ وَقَدْ حَلَفْتُ لَا تُخْبِرِي بِذَلِكَ أَحَدًا.

پاس ٹھہرے رہتے۔ میں نے اور حفصہؓ نے اتفاق کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس آپؐ آئیں تو وہ آپؐ سے یوں کہے: آپؐ نے ہینگ کھائی ہے۔ مجھے آپؐ سے ہینگ کی بُو آتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: نہیں، بلکہ میں زینب بنت جحشؓ کے پاس شہد پیا کرتا تھا اور اب پھر کبھی نہیں پیوں گا اور میں نے قسم کھالی ہے۔ یہ کسی کو بتانا نہیں۔

أطرافه: ٥٢١٦، ٥٢٦٧، ٥٢٦٨، ٥٤٣١، ٥٥٩٩، ٥٦١٤، ٥٦٨٢، ٦٦٩١، ٦٩٧٢۔

تشریح: سُوْرَۃُ التَّحْرِيْمِ: حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اس سورت میں توبۃ النّصوح کا ذکر فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کو یہ تاکید فرمائی گئی ہے کہ اگر وہ سچے دل سے توبہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ ان کے تمام صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کو معاف فرمادے۔...

اس سورۃ کے آخر میں ان دو بدقسمت عورتوں کی مثال بیان کی گئی ہے جو انبیاء کے اہل میں بظاہر داخل تھیں مگر عملاً وہ اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے میں خیانت سے کام لیتی رہیں۔ پھر ان دونوں کے برعکس دو انتہائی پاکدامن عورتوں کا بھی ذکر ہے۔“

(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تعارف سورۃ التحریم صفحہ ۱۰۴۷)

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ: اے نبی! تو کیوں حرام کر رہا ہے جسے اللہ نے تیرے لیے حلال قرار دیا ہے۔ (ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ) لِمَ تُحَرِّمُ میں آپؐ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ناراضگی یا زجر کا اشارۃً بھی ذکر نہیں بلکہ آپؐ سے پیار اور آپؐ کے نازک مقام کا نہایت اعلیٰ اظہار کیا گیا ہے۔ اس آیت کے متعلق مختلف روایات بیان کی گئی ہیں۔

(۱) بابِ ہذا کی پہلی روایت (۴۹۱۱) أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ فِي الْحَرَامِ يُكَفِّرُ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ (اپنی بیوی سے یہ کہنا کہ تو مجھ پر) حرام ہے، اس کے لئے وہ کفارہ ادا کرے۔ اس روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مراد نہیں بلکہ عمومی بات کی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ میری بیوی مجھ پر حرام ہے تو وہ اس قسم کا کفارہ دے۔ اس قسم کو ایلاء کہا جاتا ہے۔ قرآنِ کریم ان ایلاء کرنے والوں کی نسبت فرماتا ہے: لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ (البقرۃ: ۲۲۷) یعنی جو لوگ اپنی بیویوں کے متعلق قسم کھا

(کہ اُن سے علیحدگی اختیار کر) لیتے ہیں اُن کے لیے (صرف) چار مہینے تک انتظار کرنا (جائز) ہے۔ (ترجمہ تفسیر صغیر)
ایلاء کی صورت میں خاوند زیادہ سے زیادہ چار ماہ تک اپنی بیوی سے الگ رہ سکتا ہے اس دوران اسے رجوع کرنا ہوگا یا طلاق دینی ہوگی۔ اگر مرد نہ طلاق دے نہ رجوع کرے تو عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ خلع لے کر الگ ہو جائے کیونکہ اسلام عورت کو کَالْمُعَلَّقَةِ (درمیان میں لٹکتی ہوئی چیز کی مانند) رکھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس قسم کو ختم کرنے پر مرد کو کفارہ دینا ہوگا۔ قرآنِ کریم نے قسم کا کفارہ یہ بیان کیا ہے: لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ (المائدة:۹۰) یعنی اللہ تمہیں تمہاری لغو قسموں پر نہیں پکڑے گا لیکن وہ تمہیں اُن پر پکڑے گا جو تم نے قسمیں کھا کر وعدے کئے ہیں۔ پس اس کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے جو اوسطاً تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو، یا انہیں کپڑے پہنانا ہے یا ایک گردن آزاد کرنا ہے۔ اور جو اس کی توفیق نہ پائے تو تین دن کے روزے (رکھنے ہوں گے۔) (ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ)

(۲) اس آیت کے حوالے سے سنن ترمذی میں ایک روایت حضرت عائشہؓ سے بیان کی گئی ہے: آلَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ نِّسَائِهِ وَحَرَّمَ[1] کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج سے ایلاء کیا اور ان کو اپنے اوپر حرام کر لیا۔ حضرت ابنِ عباسؓ کا یہ قول کہ فِي الْحَرَامِ يُكَفِّرُ یعنی اپنی بیوی سے یہ کہنا کہ تو مجھ پر حرام ہے، اس کے لئے وہ کفارہ ادا کرے، یہ عام حکم ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب نہیں ہیں۔ امام بخاری کے اس استدلال کو قرآن کریم کے حسنِ ترتیب سے بآسانی سمجھا جا سکتا ہے۔ نیز تفسیرِ قرآن کا اصول ہے: يُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا یعنی اس کا ایک حصہ دوسرے کی تفسیر کرتا ہے۔ اس کے مطابق سورۃ تحریم کی آیت نمبر دو کی تفسیر آیت تین سے کی گئی ہے اور یوں تصریفِ آیات سے یہ بات واضح کی گئی ہے کہ یہاں آنحضرت ﷺ کو کسی حلال چیز کے حرام کرنے سے نہیں روکا گیا بلکہ آپؐ کے ذریعہ مؤمنوں کو یہ حکم دیا گیا ہے، جیسا کہ اگلی آیت میں فرمایا: قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ (التحریم:۳) یعنی اللہ نے تم پر اپنی قسمیں کھولنا لازم کر دیا ہے۔ (ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ) پس ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب نہیں بلکہ آپؐ کے ذریعہ مؤمنوں کو خطاب کیا گیا ہے۔

(۳) اس آیت کے حوالے سے باب ہذا کی روایت (۴۹۱۲) میں بیان کیا گیا ہے کہ آپؐ نے حضرت زینب بنت جحشؓ کے گھر شہد پیا۔ بعض ازواج نے اسے پسند نہ کیا تو آپؐ نے آئندہ شہد نہ پینے کی قسم کھالی۔ اس روایت کو قبول کر بھی لیا جائے تو بھی یہ امر محل اعتراض نہیں۔ بلکہ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک فطرت اور حسنِ معاشرت کا نہایت لطیف پہلو سامنے آتا ہے کہ آپؐ اپنی ازواج کے جذبات کا کس قدر خیال رکھتے تھے اور ان کی دلجوئی اور دل داری کے لیے اپنی جائز ضرورتوں اور خواہشات کی قربانی سے دریغ نہ کرتے۔ اُن کو تکلیف سے بچانے کے لیے خود تکلیف اُٹھا لیتے۔

---

[1] (سنن الترمذی، أَبْوَابُ الطَّلَاقِ وَاللِّعَانِ، بَابُ مَا جَاءَ فِي الإِيلَاءِ)

تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ (التحریم:۲) یعنی اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہو۔ دراصل آپؐ چاہتے تھے کہ آپؐ کے گھر کا ماحول ایسا ہو کہ تمام بیویاں خوش رہیں اور کسی قسم کی باہم مقابلہ بازی نہ ہو۔ آپؐ ازواج میں عدل کے تمام تقاضوں کو پورا کرتے مگر کسی زوجہ کی خوبیاں اگر اسے دیگر ازواج سے زیادہ محبوب بناتیں اور آپؐ کے التفات کا زیادہ حصہ دلانے کا موجب بنتیں تو محبت کے ان جذبات کی وجہ سے آپؐ خدا کے حضور دعا گو رہتے کہ اے اللہ کسی سے زیادہ محبت ہونا میرے بس کی بات نہیں اس لیے تُو اس سے صرفِ نظر فرمانا۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی ان دعاؤں کو قبول فرمایا اور اس آیت کے آخر پر غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ کے الفاظ سے آپؐ کو تسلی دی۔

دوسروں کی خاطر اپنے جذبات اور خواہشات اور حقیقی ضرورتوں کی قربانی اگرچہ ایک عمدہ نیکی ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام اس سے بہت بالا اور ارفع ہے کیونکہ آپؐ کا ہر قول و فعل اور ہر حرکت و سکون ایک دائمی نمونہ اور ماڈل ہے۔ اس لیے آپؐ کا اپنی ازواج کے جذبات کا خیال رکھنا یا اعلیٰ ظرفی کے طور پر ازواج کی خاطر کسی حلال کو حرام کرنا آپؐ کے لیے اس لیے روا نہیں رکھا گیا کہ آپؐ کی ذات ایک کامل اسوہ اور نمونہ ہے جیسا کہ روایت نمبر ۴۹۱۱ کے آخر میں امام بخاری نے حضرت ابنِ عباسؓ کے حوالے سے بیان کیا ہے: وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب:۲۲) یعنی حضرت ابن عباسؓ نے یہ بھی کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے۔ پس اگر آپؐ قربانی کرتے ہوئے اور دوسروں کی خاطر اپنے آپؐ کو تکلیف میں ڈال کر کسی حلال چیز کو حرام کر دیں گے تو تمام مؤمن اس کے پابند ہو جائیں گے اور یہ امر ان کے لیے تکلیف کا باعث ہو گا۔

مستشرقین کا بودہ اور بے ہودہ اعتراض:

لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ (التحریم:۲) یعنی جو اللہ نے تمہارے لئے جائز قرار دیا ہے وہ تم کیوں حرام قرار دیتے ہو۔ اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہو۔

اس آیت کے حوالے سے ایک بات یہ بیان کی گئی ہے کہ آپؐ نے حضرت ماریہ قبطیہؓ کے پاس نہ جانے کی قسم کھالی۔ مستشرقین نے اس بات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اپنی شر انگیزی اور آپؐ کی مقدس ذات پر کیچڑ اُچھالنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے اور اپنے اندر کے گند خوب ظاہر کیے ہیں۔ چنانچہ ولیم میور نے حضرت ماریہؓ کو ایک Slave Girl لکھا ہے۔(The Life of Mahomet, Vol. 4, Footnote of page 158)

نیز وہ لکھتا ہے:

> "The wives of Mahomet were envious of Mary, who as the mother of Ibrahim was advanced beyond the position of a slave.......It once happened that Haphsa paid a visit to her father on the day which, in due

course, Mahomet was passing in her house. Returning unexpectedly, she surprised the Prophet in her own private room with Mary. She was indignant at the wrong. The affront was the more intolerable from the servile position of her rival. She reproached her lord bitterly, and threatened to make the occurrence known to all his wives. Afraid of the exposure, and anxious to appease his offended wife, Mahomet begged of her to keep the matter quiet, and promised to forego the society of Mary altogether. Haphsa, however, did not care to keep the secret to herself. She told all to Ayesha, who equally boiled with indignation. The scandal spread apace over the harem, and Mahomet soon found himself received by his wives with coldness." (The Life of Mahomet, Vol. 4, Page 159 to 161)

"محمد (ﷺ) کی بیویوں کو ماریہؓ سے حسد تھا جن کی ابراہیمؓ کی ماں بننے کی وجہ سے لونڈی کی حیثیت ختم ہو چکی تھی اور (آنحضرت ﷺ کا) ان سے خاص سلوک تھا۔ ایک دفعہ یوں ہوا کہ حفصہؓ اپنے والد (حضرت عمرؓ) سے ملنے گئیں۔ اسی دن آپؐ حفصہؓ کے گھر آئے ہوئے تھے۔ حفصہؓ غیر متوقع طور پر جلدی واپس آ گئیں۔ گھر پہنچیں تو محمد (ﷺ) کو اپنے کمرے میں ماریہؓ کے ساتھ موجود پایا۔ اس حرکت پر وہ غضبناک ہو گئیں۔ ان کو اپنی توہین کا احساس اس لیے بھی زیادہ ہوا کہ ان کی سوکن (حضرت ماریہؓ) کی حیثیت ان سے کم تر تھی۔ اس پر حفصہؓ نے آپؐ کو سخت سست کہا اور یہ واقعہ اپنی دیگر ساتھیوں (ازواج النبی ﷺ) سے بیان کرنے کی دھمکی دی۔ محمد (ﷺ) اس کی تشہیر کے خوف سے حفصہؓ سے ملتجی ہوئے کہ وہ اسے مخفی رکھیں اور وعدہ کیا کہ آئندہ وہ ماریہؓ کے ساتھ تعلق نہیں رکھیں گے۔ حفصہؓ نے اس بات کی پروانہ کی اور وہ بات عائشہؓ کو بتا دی جس پر وہ بھی غصہ سے آگ بگولہ ہو گئیں۔ نتیجۃً یہ بات حرم نبوی میں مشہور ہو گئی اور محمد (ﷺ) کو اپنی بیویوں کی طرف سے انتہائی سرد مہری کا سامنا ہوا۔"

مخالفینِ انبیاء کے متعلق ہمیشہ یہ حسرت ہی رہی ہے کہ کاش وہ مستند اور مسلمہ واقعات کو سامنے رکھتے اور اگر ان

مسلمہ واقعات میں کوئی بات قابلِ اعتراض ہوتی تو اسے پیش کرتے مگر اس میدان میں چونکہ ان کے ہاتھ کبھی کچھ نہیں آیا اس لیے ہمیشہ وہ انبیاء کے خلاف استہزاء کے لیے کمزور، بے سند، حقائق کے برعکس اور مسلمہ اصولوں کے منافی باتوں کو لے کر انبیاء پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ قرآنِ کریم اس افسوسناک صورتحال کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے: يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَأْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ○ (یس:۳۱) یعنی وائے حسرت بندوں پر! ان کے پاس کوئی رسول نہیں آتا مگر وہ اس سے ٹھٹھا کرنے لگتے ہیں۔ (ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ) مذکورہ بالا واقعہ بھی اسی قبیل کا شاخسانہ ہے۔ مستشرقین کے اس طرزِ عمل پر حیرت ہے کہ کس طرح وہ تاریخی حقائق کو یکسر نظرانداز کر کے اپنی مرضی کی چیزوں کو اپنی خواہش کے مطابق ڈھال کر قرآنِ کریم کی تفسیر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

(۱) جہاں تک مستشرقین کے اس مزعومہ واقعہ کا تعلق ہے یہ نہ قرآن کریم میں ہے نہ احادیثِ صحیحہ میں۔ بلکہ اس کا ذکر شروحات اور تفاسیر میں ملتا ہے۔ اس لیے اصولِ روایت کے اعتبار سے قرآنِ کریم اور مستند کتبِ احادیث کے مقابل مفسرین اور شارحین کے اقوال کو قبول نہیں کیا جاسکتا۔

(۲) اس واقعہ کو تاریخی حقائق کی روشنی میں دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات کا نزول ۹ھ میں ہوا۔ اس سے دو سال قبل یعنی ۷ھ میں حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں داخل ہو چکی تھیں اور ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ پیدا ہو چکے تھے۔ یہ بات تاریخ کا ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ حضرت ماریہ قبطیہؓ کسی مفتوح قوم کے غلاموں میں سے نہیں تھیں بلکہ مصر کے بادشاہ کی طرف سے شاہی خاندان کی یہ شہزادی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئی تھیں۔ اور جو حقوق دیگر ازواج کے تھے وہ تمام حقوق ان کو حاصل تھے اور حضرت ماریہؓ کا مقام ہر لحاظ سے ایک آزاد زوجہ کا تھا نہ کہ لونڈی کا۔

پس مستشرقین کا یہ من گھڑت قصہ حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ کی طرف منسوب کرنا مستشرقین کے اندر کے گند کو ظاہر کرتا ہے۔ عربی زبان کا مشہور محاورہ ہے: اَلْاِنَاءُ يَتَرَشَّحُ بِمَا فِيْهِ یعنی برتن کے اندر جو ہو وہی باہر آتا ہے۔ پس یہ قصہ ولیم میور جیسے مستشرقین کے اندر کے گند کو تو ظاہر کرتا ہی ہے اس کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے خلاف منافقین کی سازشوں کو بھی طشت از بام کرتا ہے۔ نیز مستشرقین کا منافقین کی ان سازشوں کو اپنی زبان دے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بیان کرنا ان کے تعصب کا آئینہ دار ہے جس نے تاریخ کے صفحات کو اپنے تعفن سے بدبودار کیا ہے۔ وہ راز کی بات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک زوجہ سے بیان فرمائی اس کا اس واقعہ سے قطعاً کوئی دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ وہ راز راز ہی رہا۔ نہ اللہ تعالیٰ نے اس راز سے پردہ اُٹھایا نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ اس لیے مفسرین، مستشرقین کی یہ اپنی قیاس آرائیاں ہیں جن کی کوئی اصل اور بنیاد نہیں۔ اس کی تفصیل باب ۳ کی تشریح میں دیکھی جاسکتی ہے۔

بَاب ۲: تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ... قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ (التحریم: ۲، ۳)

تم اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہو... اللہ نے تمہارے لئے یہ فرض قرار دیا ہے
کہ تم اپنی ایسی قسموں کو کھولو (جن سے فتنہ پیدا ہو)

٤٩١٣: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ بْنِ حُنَيْنٍ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يُحَدِّثُ أَنَّهُ قَالَ مَكَثْتُ سَنَةً أُرِيدُ أَنْ أَسْأَلَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ عَنْ آيَةٍ فَمَا أَسْتَطِيعُ أَنْ أَسْأَلَهُ هَيْبَةً لَّهُ حَتَّى خَرَجَ حَاجًّا فَخَرَجْتُ مَعَهُ فَلَمَّا رَجَعْتُ وَكُنَّا بِبَعْضِ الطَّرِيقِ عَدَلَ إِلَى الْأَرَاكِ لِحَاجَةٍ لَّهُ قَالَ فَوَقَفْتُ لَهُ حَتَّى فَرَغَ ثُمَّ سِرْتُ مَعَهُ فَقُلْتُ لَهُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ مَنِ اللَّتَانِ تَظَاهَرَتَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَزْوَاجِهِ فَقَالَ تِلْكَ حَفْصَةُ وَعَائِشَةُ قَالَ فَقُلْتُ وَاللهِ إِنْ كُنْتُ لَأُرِيدُ أَنْ أَسْأَلَكَ عَنْ هَذَا مُنْذُ سَنَةٍ فَمَا أَسْتَطِيعُ هَيْبَةً لَّكَ قَالَ فَلَا تَفْعَلْ مَا ظَنَنْتَ أَنَّ عِنْدِي مِنْ عِلْمٍ فَاسْأَلْنِي فَإِنْ كَانَ لِي عِلْمٌ خَبَّرْتُكَ بِهِ قَالَ ثُمَّ قَالَ

۴۹۱۳: عبدالعزیز بن عبداللہ نے ہم سے بیان کیا کہ سلیمان بن بلال نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے یحيٰ (بن سعید انصاری) سے، یحيٰ نے عبید بن حنین سے روایت کی کہ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ بیان کرتے سنا۔ انہوں نے کہا: میں ایک سال ٹھہرا رہا۔ یہ چاہتا تھا کہ حضرت عمر بن خطابؓ سے ایک آیت کے متعلق پوچھوں مگر میں ان کی ہیبت کی وجہ سے ان سے پوچھ نہ سکا۔ آخر وہ حج کے لئے نکلے اور میں بھی اُن کے ساتھ نکلا۔ جب میں لوٹا اور ہم ابھی راستے کے کسی حصے میں تھے، وہ حاجت کے لئے پیلو کے درخت کی طرف راستہ سے ہٹ کر گئے۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے تھے: میں کھڑا آپؓ کا انتظار کرتا رہا۔ جب فارغ ہوئے تو پھر میں آپؓ کے ساتھ چل پڑا۔ میں نے کہا: امیرالمؤمنین! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں سے وہ دو عورتیں کون ہیں جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے برخلاف آپس میں ایکا کیا تھا۔ انہوں نے کہا: وہ حفصہؓ اور عائشہؓ تھیں۔ (حضرت ابن عباسؓ) کہتے تھے، میں نے کہا: اللہ کی قسم میں ایک سال سے چاہتا تھا کہ آپؓ سے اس کے متعلق پوچھوں مگر آپؓ کی ہیبت کی وجہ سے پوچھ نہ سکتا تھا۔ انہوں

عُمَرُ وَاللهِ إِنْ كُنَّا فِي الْجَاهِلِيَّةِ مَا نَعُدُّ لِلنِّسَاءِ أَمْرًا حَتَّى أَنْزَلَ اللهُ فِيهِنَّ مَا أَنْزَلَ وَقَسَمَ لَهُنَّ مَا قَسَمَ قَالَ فَبَيْنَا أَنَا فِي أَمْرٍ أَتَأَمَّرُهُ إِذْ قَالَتْ امْرَأَتِي لَوْ صَنَعْتَ كَذَا وَكَذَا قَالَ فَقُلْتُ لَهَا مَا لَكِ وَلِمَا هَا هُنَا فِيمَا تَكَلُّفُكِ فِي أَمْرٍ أُرِيدُهُ فَقَالَتْ لِي عَجَبًا لَّكَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ مَا تُرِيدُ أَنْ تُرَاجَعَ أَنْتَ وَإِنَّ ابْنَتَكَ لَتُرَاجِعُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى يَظَلَّ يَوْمَهُ غَضْبَانَ فَقَامَ عُمَرُ فَأَخَذَ رِدَاءَهُ مَكَانَهُ حَتَّى دَخَلَ عَلَى حَفْصَةَ فَقَالَ لَهَا يَا بُنَيَّةُ إِنَّكِ لَتُرَاجِعِينَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى يَظَلَّ يَوْمَهُ غَضْبَانَ فَقَالَتْ حَفْصَةُ وَاللهِ إِنَّا لَنُرَاجِعُهُ فَقُلْتُ تَعْلَمِينَ أَنِّي أُحَذِّرُكِ عُقُوبَةَ اللهِ وَغَضَبَ رَسُولِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا بُنَيَّةُ لَا يَغُرَّنَّكِ هَذِهِ الَّتِي أَعْجَبَهَا حُسْنُهَا حُبُّ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِيَّاهَا يُرِيدُ عَائِشَةَ قَالَ ثُمَّ خَرَجْتُ حَتَّى دَخَلْتُ عَلَى أُمِّ سَلَمَةَ

نے کہا: ایسا نہ کرو، جو علم کی بات تم سمجھو کہ میرے پاس ہے تو مجھ سے پوچھ لو۔ اگر مجھے علم ہوا تو میں تم کو اس کے متعلق بتادوں گا۔ (حضرت ابن عباسؓ) کہتے تھے: پھر اس کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا: اللہ کی قسم! ہم تو جاہلیت میں عورتوں کو کسی شمار میں بھی نہ سمجھتے تھے یہاں تک کہ اللہ نے ان کے متعلق وہ کچھ احکام نازل کئے جو کئے اور ان کو وہ حصہ دلایا جو دلایا۔ (حضرت عمرؓ) فرماتے تھے: ایک بار میں ایک معاملہ میں مشورہ کر رہا تھا کہ اتنے میں میری بیوی نے کہا: اگر آپؐ ایسا ایسا کریں۔ فرماتے تھے: میں نے اس سے کہا: تجھے اس مشورہ سے کیا جو یہاں ہو رہا ہے۔ تم ایسے معاملہ میں خواہ مخواہ کیوں دخل دیتی ہو جس کو میں کرنا چاہتا ہوں۔ وہ (یہ سن کر) بولی: ابن خطاب! آپؐ بھی عجیب آدمی ہیں۔ آپؐ نہیں چاہتے کہ کوئی آپؐ سے دوسری بات کرے اور آپؐ کی بیٹی تو رسول اللہ ﷺ کو ایسے دُوبدو جواب دیتی ہے کہ آنحضورؐ سارا دن ناراض رہتے ہیں۔ (یہ سن کر) حضرت عمرؓ اسی وقت کھڑے ہو گئے اور اپنی چادر لی اور حضرت حفصہؓ کے پاس گئے اور ان سے کہنے لگے: بیٹی! تم رسول اللہ ﷺ سے دوبدو باتیں کرتی ہو کہ آپؐ سارا دن ناراض رہتے ہیں۔ حضرت حفصہؓ نے (یہ سن کر) کہا: اللہ کی قسم! ہم تو آپؐ کو جواب دیتی ہیں۔ میں نے کہا: بیٹی سمجھ لو کہ میں تمہیں اللہ کی سزا اور اس کے رسول ﷺ کی ناراضگی سے

لِقَرَابَتِي مِنْهَا فَكَلَّمْتُهَا فَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ عَجَبًا لَّكَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ دَخَلْتَ فِي كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى تَبْتَغِيَ أَنْ تَدْخُلَ بَيْنَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَزْوَاجِهِ فَأَخَذَتْنِي وَاللهِ أَخْذًا كَسَرَتْنِي عَنْ بَعْضِ مَا كُنْتُ أَجِدُ فَخَرَجْتُ مِنْ عِنْدِهَا وَكَانَ لِي صَاحِبٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ إِذَا غِبْتُ أَتَانِي بِالْخَبَرِ وَإِذَا غَابَ كُنْتُ أَنَا آتِيهِ بِالْخَبَرِ وَنَحْنُ نَتَخَوَّفُ مَلِكًا مِنْ مُّلُوكِ غَسَّانَ ذُكِرَ لَنَا أَنَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَّسِيرَ إِلَيْنَا فَقَدْ امْتَلَأَتْ صُدُورُنَا مِنْهُ فَإِذَا صَاحِبِي الْأَنْصَارِيُّ يَدُقُّ الْبَابَ فَقَالَ افْتَحْ افْتَحْ فَقُلْتُ جَاءَ الْغَسَّانِيُّ فَقَالَ بَلْ أَشَدُّ مِنْ ذَلِكَ اعْتَزَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَزْوَاجَهُ فَقُلْتُ رَغِمَ أَنْفُ حَفْصَةَ وَعَائِشَةَ فَأَخَذْتُ ثَوْبِي فَأَخْرُجُ حَتَّى جِئْتُ فَإِذَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَشْرُبَةٍ لَّهُ يَرْقَى عَلَيْهَا بِعَجَلَةٍ وَغُلَامٌ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْوَدُ عَلَى رَأْسِ

بچنے کے لئے آگاہ کرتا ہوں۔ بیٹی! یہ عورت تمہیں کہیں دھوکہ میں نہ ڈالے جس کو اس کے حسن نے اور رسول اللہ ﷺ کی اس سے محبت کرنے نے نازاں کر دیا جو آپؐ اس سے کرتے ہیں۔ ان کی مراد حضرت عائشہؓ سے تھی۔ (حضرت عمرؓ) فرماتے تھے: پھر (یہ کہہ کر) میں نکل گیا اور اُم سلمہؓ کے پاس بوجہ اپنی ان سے رشتہ داری کے آیا اور ان سے بھی میں نے یہ گفتگو کی۔ اُم سلمہؓ (یہ سن کر) کہنے لگیں: ابن خطاب! تم بھی عجب ہو، ہر ایک بات میں دخل دے دیا ہے یہاں تک کہ چاہتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کی بیویوں کے درمیان بھی دخل دو۔ اللہ کی قسم! اُم سلمہؓ نے مجھے ایسا آڑے ہاتھوں لیا کہ انہوں نے میرے اس غصہ کو ٹھنڈا کر دیا جو اپنے اندر پاتا تھا۔ میں ان کے پاس سے چلا گیا اور میرا ایک انصاری ساتھی تھا۔ جب میں (رسول اللہ ﷺ کے پاس) نہ جاتا تو وہ میرے لئے خبر لاتا اور جب وہ غیر حاضر ہوتا تو میں اس کے پاس خبر لاتا۔ اور ہم ان دنوں غسان کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ سے ڈرتے تھے جس کے متعلق ہم سے ذکر کیا گیا کہ وہ ہم پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ ہمارے سینے اس کے خوف سے بھر گئے تھے۔ میں کیا سنتا ہوں کہ یکایک وہ میرا انصاری ساتھی دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے۔ اس نے کہا: کھولو کھولو۔ میں نے کہا: غسانی آن پہنچے؟ اس نے کہا: (نہیں) بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔

الدَّرَجَةِ فَقُلْتُ لَهُ قُلْ هَذَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَأَذِنَ لِي قَالَ عُمَرُ فَقَصَصْتُ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا الْحَدِيثَ فَلَمَّا بَلَغْتُ حَدِيثَ أُمِّ سَلَمَةَ تَبَسَّمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنَّهُ لَعَلَى حَصِيرٍ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ شَيْءٌ وَتَحْتَ رَأْسِهِ وِسَادَةٌ مِنْ أَدَمٍ حَشْوُهَا لِيفٌ وَإِنَّ عِنْدَ رِجْلَيْهِ قَرَظًا مَصْبُورًا وَعِنْدَ رَأْسِهِ أَهَبٌ مُعَلَّقَةٌ فَرَأَيْتُ أَثَرَ الْحَصِيرِ فِي جَنْبِهِ فَبَكَيْتُ فَقَالَ مَا يُبْكِيكَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ كِسْرَى وَقَيْصَرَ فِيمَا هُمَا فِيهِ وَأَنْتَ رَسُولُ اللهِ فَقَالَ أَمَا تَرْضَى أَنْ تَكُونَ لَهُمُ الدُّنْيَا وَلَنَا الْآخِرَةُ.

رسول اللہ ﷺ اپنی بیویوں سے الگ ہو گئے ہیں۔ میں نے (سن کر) کہا: حفصہؓ اور عائشہؓ کی ناک خاک آلود ہوئی۔ میں نے اپنے کپڑے پہنے اور گھر سے روانہ ہوگیا۔ جب میں آیا تو کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے بالاخانہ میں ہیں۔ کھجور کی ایک سیڑھی کے ذریعہ سے چڑھ کر آپؐ اس میں جاتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کا ایک سیاہ فام غلام سیڑھی کے سر پر تھا۔ میں نے اس سے کہا: کہو! یہ عمر بن خطاب آیا ہے۔ آپؐ نے مجھے اجازت دی۔ حضرت عمرؓ کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سارا واقعہ بیان کیا۔ جب میں حضرت اُم سلمہؓ کی بات پر پہنچا تو رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور اس وقت آپؐ ایک بوریا پر تھے، آپؐ کے اور اس بوریا کے درمیان کوئی چیز نہ تھی اور آپؐ کے سر کے نیچے چمڑے کا ایک تکیہ تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اور آپؐ کے پاؤں کے پاس کیکر کے پتوں کا ڈھیر لگا تھا اور آپؐ کے سر کے قریب کچے چمڑے لٹک رہے تھے اور میں نے آپؐ کے پہلو میں اس بوریا کا نشان بھی دیکھا اور (یہ دیکھ کر) میں رو پڑا۔ آپؐ نے پوچھا: تمہیں کیا بات رُلا رہی ہے؟ میں نے کہا: یارسول اللہؐ! کسریٰ اور قیصر آسائش میں ہوں جس میں کہ وہ ہیں اور آپؐ تو رسول اللہ ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: کیا تم اس سے خوش نہیں کہ ان کے لئے دنیا ہو اور ہمارے لئے آخرت؟

أطرافه: ٨٩، ٢٤٦٨، ٤٩١٤، ٤٩١٥، ٥١٩١، ٥٢١٨، ٥٨٤٣، ٧٢٥٦، ٧٢٦٣-

تشریح: قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ: اللہ نے تمہارے لئے یہ فرض قرار دیا ہے کہ تم اپنی ایسی قسموں کو کھولو۔ یہاں قسموں کو کھولنے سے یہ مراد نہیں کہ جو سنجیدگی سے کسی سے وعدہ کی خاطر جائز قسم کھائی جائے اس کو بھی تم بے شک کھول دیا کرو۔ صرف یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمودہ حلال و حرام میں سے اگر تم کسی کو تبدیل کرنے کی قسم کھا بیٹھو تو اسے توڑ دیا کرو مگر اس کا بھی فدیہ دینا ہوگا۔ قرآنِ کریم میں اِن قسموں کے کفارے کو یوں بیان کیا گیا ہے۔ فرماتا ہے: لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ (المائدۃ:۹۰) یعنی تمہاری قسموں میں سے لغو (قسموں) پر اللہ تمہیں سزا نہیں دے گا بلکہ تمہارے پکی قسمیں کھانے (اور پھر توڑ دینے) پر تمہیں سزا دے گا۔ پس اس (کے توڑنے) کا کفارہ دس مسکینوں کو متوسط (درجہ کا) کھانا کھلانا ہے (ایسا کھانا) جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا ان کا لباس یا ایک (غلام کی) گردن کا آزاد کرنا۔ پھر جسے (یہ بھی) میسر نہ ہو تو (اس پر) تین دن کے روزے (واجب) ہیں۔ جب تم قسمیں کھاؤ (اور پھر انہیں توڑ دو) تو یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے۔ اور تم اپنی قسموں کی حفاظت (کیا) کرو۔ (ترجمہ تفسیر صغیر) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک یہ بھی طریق تھا کہ اگر آپؐ کسی بات پر قسم کھا لیتے پھر اس کے بعد اس سے بہتر صورت سامنے آجاتی تو آپؐ اس کو اختیار کر لیتے اور قسم کا کفارہ ادا کر دیتے۔ (صحیح البخاری، کتاب کفارات الأیمان، باب الاستثناء فی الأیمان، روایت نمبر ۶۷۱۸)

بَاب ۳

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ۭ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝ (التحریم:۴)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) اور یاد کرو جب نبی نے اپنی بیویوں میں سے کسی ایک سے ایک مخفی بات کہی۔ پھر جب اس نے وہ بات کسی کو بتادی اور اللہ نے اس (کمزوری) کی خبر اس (یعنی نبی) کو دے دی تو اُس نے (بات کا) کچھ حصہ بیوی کو بتا دیا اور کچھ حصہ سے پردہ پوشی کی۔ پھر جب اس نے امرِ واقعہ کی خبر اس (بیوی) کو دی تو اس نے کہا کہ آپ کو یہ خبر کس نے دی ہے اس پر اُس (یعنی نبی) نے کہا کہ مجھے بڑے علم والے (اور) واقف کار خدا نے خبر دی ہے۔

فِيْهِ عَائِشَةُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ — اس کے متعلق حضرت عائشہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

سے روایت بیان کی (جو پہلے گزر چکی ہے۔)

٤٩١٤: حَدَّثَنَا عَلِيٌّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ قَالَ سَمِعْتُ عُبَيْدَ بْنَ حُنَيْنٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ أَرَدْتُ أَنْ أَسْأَلَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَقُلْتُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ مَنِ الْمَرْأَتَانِ اللَّتَانِ تَظَاهَرَتَا عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا أَتْمَمْتُ كَلَامِي حَتَّى قَالَ عَائِشَةُ وَحَفْصَةُ.

۴۹۱۴: علی (بن عبد اللہ مدینی) نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان (بن عیینہ) نے ہمیں بتایا کہ یحیٰ بن سعید (انصاری) نے ہمیں خبر دی۔ کہا: میں نے عبید بن حنین سے سنا۔ عبید کہتے تھے: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا۔ وہ کہتے تھے: میں نے چاہا کہ حضرت عمر (بن خطاب) رضی اللہ عنہ سے پوچھوں اور میں نے اتنا ہی کہا تھا کہ امیر المؤمنین وہ دو عورتیں کون ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برخلاف ایکا کیا تھا؟ تو میں نے ابھی اپنی بات پوری نہیں کی تھی کہ انہوں نے کہا: عائشہؓ اور حفصہؓ۔

أطرافه: ٨٩، ٢٤٦٨، ٤٩١٣، ٤٩١٥، ٥١٩١، ٥٢١٨، ٥٨٤٣، ٧٢٥٦، ٧٢٦٣۔

تشریح: وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا: یعنی جب نبی نے اپنی بیویوں میں سے کسی ایک سے ایک مخفی بات کہی۔ یہ کیا راز کی بات تھی قرآن کریم میں اس کا کہیں ذکر نہیں کیا گیا۔ گذشتہ ابواب میں شہد وغیرہ جن واقعات کا ذکر ہے، اُن کا اس راز کی بات سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں بلکہ یہ ایک ایسے راز کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے جو اسلامی سوسائٹی کے انتظام و انصرام سے تعلق رکھتا تھا اور اس کے افشاء و اظہار سے منافقین فائدہ اُٹھا سکتے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے افشاء سے پہلے ہی اپنے نبیؐ کو مطلع فرما کر اس کا سدباب فرما دیا۔ قرآنِ کریم نے ان آیات میں دشمنانِ اسلام کی مخفی کارروائیوں کو طشت از بام کر کے ان کے سارے منصوبے کا تار و پود اُکھیڑ کر رکھ دیا اور ثابت کیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خدا علیم بھی ہے اور خبیر بھی یعنی منافقین کی ہر چال کو وہ جانتا ہے اور حسبِ موقع اپنے نبی کو اس کی خبر دیتا ہے۔ اس لیے ایسے بندے کا مقابلہ کرنا جو علیم و خبیر کا بندہ ہے اسفل السافلین کے بس کا روگ نہیں۔ نیز آپؐ کے قریبی ساتھیوں کو بھی ان کے مقام اور نازک ذمہ داریوں کی طرف نہایت حکمت سے توجہ دلا دی کہ انہیں اس مقدس رسولؐ کا دست و بازو بن کر اسلام کی مہماتِ عظیمہ میں اس کا سلطانِ نصیر بننا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں:

”آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کوئی بات اپنی کسی بیوی کو کہی تھی۔ اُس

نے کسی اَور کے آگے ذکر کر دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو الہامِ الٰہی کے ذریعے معلوم ہو گیا کہ اس بیوی نے اس راز کی بات کو آگے ذکر کر دیا ہے۔

شیعوں نے کہا ہے کہ وہ بات یہ تھی کہ میرے بعد حضرت علیؓ خلیفہ ہوں گے اور سنّی کہتے ہیں کہ وہ بات یہ تھی کہ میرے بعد ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما خلیفہ ہوں گے۔ مگر جب اللہ تعالیٰ نے اس بات کو مقید نہیں کیا اور بیان نہیں فرمایا کہ وہ کیا بات تھی۔ تو ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم کہیں کہ وہ یہ بات تھی یا وہ بات تھی۔" (حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۱۴۹)

بَاب ٤ : اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا (التحريم:٥)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) اگر تم اللہ کی طرف رجوع کر لو تو تمہارے دل تو مائل ہو ہی چکے ہیں

صَغَوْتُ وَ أَصْغَيْتُ مِلْتُ، لِتَصْغٰٓى (الأنعام:١١٤) لِتَمِيلَ. وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَ جِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ○ (التحريم:٥) عَوْنٌ، تَظٰهَرُوْنَ (البقرة:٨٦) تَعَاوَنُونَ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ (التحريم:٧) أَوْصُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ بِتَقْوَى اللهِ وَأَدِّبُوهُمْ.

صَغَوْتُ اور أَصْغَيْتُ کے معنی ہیں میں مائل ہوا، جھکا۔ لِتَصْغٰٓى (جو سورۂ انعام میں ہے) کے معنی ہیں تا کہ جھک جائیں۔ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ۔[1] (اس آیت میں ظَهِيْرٌ کے معنی ہیں) مددگار۔ تَظٰهَرُوْنَ کے معنی ہیں تم مدد کرتے ہو۔ اور مجاہد نے کہا: قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ سے مراد ہے کہ اپنی جانوں کو بھی اور اپنے اہل کو بھی اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی نصیحت کرو اور ان کی تربیت کرو۔

٤٩١٥: حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا

۴۹۱۵: حمیدی نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان نے

---

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: "اور اگر تم دونوں اُس کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرو تو یقیناً اللہ ہی اس کا مولیٰ ہے اور جبرائیل بھی اور مومنوں میں سے ہر صالح شخص بھی اور مزید برآں فرشتے بھی اس کے پشت پناہ ہیں۔"

سُفْيَانُ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْـنُ سَعِيدٍ قَالَ سَمِعْتُ عُبَيْدَ بْنَ حُنَيْنٍ يَقُولُ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ أَرَدْتُّ أَنْ أَسْأَلَ عُمَرَ عَنِ الْمَرْأَتَيْنِ اللَّتَيْنِ تَظَاهَرَتَا عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَكَثْتُ سَنَةً فَلَمْ أَجِدْ لَهُ مَوْضِعًا حَتَّى خَرَجْتُ مَعَهُ حَاجًّا فَلَمَّا كُنَّا بِظَهْرَانَ ذَهَبَ عُمَرُ لِحَاجَتِهِ فَقَالَ أَدْرِكْنِي بِالْوَضُوءِ فَأَدْرَكْتُهُ بِالْإِدَاوَةِ فَجَعَلْتُ أَسْكُبُ عَلَيْهِ وَرَأَيْتُ مَوْضِعًا فَقُلْتُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ مَنِ الْمَرْأَتَانِ اللَّتَانِ تَظَاهَرَتَا قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَمَا أَتْمَمْتُ كَلَامِي حَتَّى قَالَ عَائِشَةُ وَحَفْصَةُ.

ہمیں بتایا۔ یحییٰ بن سعید نے ہم سے بیان کیا، کہا: میں نے عبید بن حنین سے سنا۔ وہ کہتے تھے: میں نے حضرت ابن عباسؓ سے سنا۔ وہ کہتے تھے: میں نے چاہا کہ حضرت عمرؓ سے اُن دو عورتوں کے متعلق پوچھوں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برخلاف ایکا کیا تھا۔ میں ایک سال ٹھہرا رہا مگر میں نے اس کا کوئی موقع نہ پایا۔ یہاں تک کہ میں آپؓ کے ساتھ حج کے لیے نکلا۔ جب ہم مرالظہران پہنچے، حضرت عمرؓ حاجت کے لئے گئے اور فرمایا: میرے لیے وضو کا پانی لاؤ۔ میں نے پانی کی ایک چھاگل پائی اور اُن پر پانی ڈالا۔ اور میں نے موقع دیکھا تو کہا: اے امیر المؤمنین! وہ دو عورتیں کون ہیں جنہوں نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برخلاف) ایکا کیا تھا؟ حضرت ابن عباسؓ نے کہا: میں نے ابھی اپنی بات پوری نہیں کی تھی کہ انہوں نے فرمایا: عائشہؓ اور حفصہؓ۔

أطرافه: ۸۹، ۲٤٦۸، ٤۹۱۳، ٤۹۱٤، ٥۱۹۱، ٥۲۱۸، ٥۸٤۳، ۷۲٥٦، ۷۲٦۳۔

تشریح: اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا: اگر تم اللہ کی طرف رجوع کرلو تو تمہارے دل تو مائل ہو ہی چکے ہیں۔ اس آیت میں ان دو امہات المؤمنین کا نام نہیں بتایا گیا جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک راز کی بات بیان فرمائی تھی اور انہوں نے آگے بیان کر دی۔ اس آیت میں ایسے افراد کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے جو نیک اور خدا کی طرف جھکنے والے تھے مگر اپنی سادگی سے منافقوں کی سازش کا آلہ کار بن سکتے تھے۔ مگر یہ بات بہت آغاز میں ہی پکڑی گئی اور خدا تعالیٰ نے ان کے دلوں کا حال بھی بیان کر دیا کہ ان کے دلوں میں کوئی شر نہیں تھا۔ اور اگر منافقین یہ سمجھتے تھے کہ ہم اپنی چالوں میں کامیاب ہو جائیں گے تو ان کو بتایا کہ خدا، اس کے فرشتے اور تمام سچے مؤمن تمہارا قلع قمع کرنے کے لئے موجود ہیں۔ مفسرین نے پھر یہاں غلطی کی ہے اور معنے

یہ کیسے ہیں کہ تمہارے دل ٹیڑھے ہوگئے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ تمہارے دل پہلے ہی توبہ کی طرف مائل ہیں۔ لغت میں لکھا ہے کہ صَغَا کے معنی ہیں اَلْمَيْلُ یعنی مائل ہونا، جھکنا۔ (المفردات فی غریب القرآن، کتاب الصاد، صغا) پس فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا کے معنی یہی ہو سکتے ہیں کہ تمہارے دل تو توبہ کی طرف پہلے ہی مائل ہیں۔

نوٹ: حضرت ابن عباسؓ کے پوچھنے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جن ازواج کا ذکر فرمایا ہے اس کا اس راز کی بات سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اس میں ازواج مطہرات کے اس باہمی مقابلہ و مسابقت کا ذکر ہے جو ازواج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ و محبت حاصل کرنے کے لیے لگی رہتی۔ معلوم ہوتا ہے حضرت عائشہؓ و حضرت حفصہؓ مسابقت کی اس دوڑ میں نمایاں تھیں۔

بَاب ۵

عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّ اَبْكَارًا ○ (التحريم: ٦)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) ہو سکتا ہے کہ اگر وہ تم کو طلاق دے دے تو اُس کا ربّ تم سے بہتر بیویاں اس کو بدلہ میں دے جو فرمانبردار، مؤمن، دعائیں مانگنے والیاں، توبہ کرنے والیاں، عبادت کرنے والیاں، تسبیح اور تحمید میں مشغول رہنے والیاں، بیوہ اور باکرہ ہوں

٤٩١٦: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اجْتَمَعَ نِسَاءُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْغَيْرَةِ عَلَيْهِ فَقُلْتُ لَهُنَّ عَسٰى رَبُّهٗ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبَدِّلَهٗ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ.

أطرافه: ٤٠٢، ٤٤٨٣، ٤٧٩٠-

۴۹۱۶: عمرو بن عون نے ہم سے بیان کیا کہ ہشیم نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے حمید سے، حمید نے حضرت انسؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے تھے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج نے بوجہ غیرت آپؐ کے متعلق ایکا کیا۔ میں نے ان سے کہا: ہو سکتا ہے کہ اگر وہ تمہیں طلاق دے دے تو اُس کا ربّ تم سے بہتر بیویاں بدلہ میں اس کو دے۔ تو پھر یہی آیت نازل ہوئی۔

تشریح: عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا: ہو سکتا ہے کہ اس کا ربّ اگر وہ تم کو طلاق دے دے تم سے بہتر بیویاں اس کو بدلہ میں دے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے یہ اعلان کیا، اس اعلان کے باوجود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج میں سے کسی کو نہ طلاق دی اور نہ کسی اور عورت سے نکاح کیا۔ غرض آپؐ کے اہل میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ سب صفات جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے وہ اِنہی ازواج میں موجود تھیں۔ نیز اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے یہ اعلان فرمایا: يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ○ (الاحزاب:۲۹) اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ کہ اگر تم دنیا اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ دنیوی سامان دے دیتا ہوں اور تم کو نیک طریق سے رخصت کر دیتا ہوں۔ (ترجمہ تفسیر صغیر) اس اعلان کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ازواج سے ایک ماہ تک الگ رہے تا کہ وہ آزادی سے اس بارہ میں سوچ بچار کر سکیں اور اپنے گھر والوں سے مشورہ کر سکیں۔ ایک ماہ کے بعد جب آپؐ تشریف لائے اور باری باری ہر ایک کے پاس جا کر پوچھا کہ تم نے کیا مشورہ کیا ہے تو سب نے بیک زبان کہا کہ اس بارہ میں ہمارا اور ہمارے گھر والوں کا یہی فیصلہ ہے کہ ہمیں آپؐ سے بڑھ کر اور کچھ نہیں چاہیئے۔ ہم آپؐ سے کسی طور پر علیحدہ ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتیں۔ اس طرح ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اہلِ خانہ کے عظیم مقام اور حسنِ معاشرت کا عدیم المثال نمونہ پیش کیا گیا ہے۔

۶۷- سُورَةُ تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ

التَّفَاوُتُ الِاخْتِلَافُ. وَالتَّفَاوُتُ وَالتَّفَوُّتُ وَاحِدٌ. تَمَيَّزُ (الملك:۹) تَقَطَّعُ. مَنَاكِبِهَا (الملك:۱۶) جَوَانِبِهَا. تَدَّعُونَ (الملك:۲۸) وَتَدْعُونَ وَاحِدٌ مِثْلُ تَذَّكَّرُونَ وَتَذْكُرُونَ. وَ يَقْبِضْنَ (الملك:۲۰) يَضْرِبْنَ بِأَجْنِحَتِهِنَّ.

التَّفَاوُتُ کے معنی ہیں اختلاف اور التَّفَاوُتُ اور التَّفَوُّتُ ایک ہی ہیں۔ تَمَيَّزُ کے معنی ہیں ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی ہے۔ مَنَاكِبِهَا کے معنی ہیں اس کے کنارے۔ تَدَّعُونَ اور تَدْعُونَ کا ایک ہی مفہوم ہے جیسے تَذَّكَّرُونَ اور تَذْكُرُونَ کا۔ اور يَقْبِضْنَ کے معنی ہیں وہ اپنے پنکھ مارتے ہیں۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ صَفَّتٍ (الملك:۲۰) بَسْطُ أَجْنِحَتِهِنَّ. وَ نُفُور (الملك:۲۲) الْكُفُورُ.

اور مجاہد نے کہا: صَفَّتٍ کے معنی ہیں اپنے پنکھ پھیلائے ہوئے۔ اور نُفُوْر کے معنی ہیں کفر۔

تشریح: سُورَةُ تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ: حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”اس سورۂ شریفہ کو نہایت پُر شوکت الفاظ سے شروع کیا گیا ہے جن سے اللہ تعالیٰ کی طاقت، سلطنت، عزت و عظمت و جبروت کا اظہار ہوتا ہے۔ اس کے قبضۂ قدرت میں سب حکومتیں ہیں۔ یہ سورۃ مکی ہے۔ ایسے وقت میں نازل ہوئی جب مسلمان تھوڑے اور کمزور تھے اور مشرکین کا زور تھا۔ اس میں ایک پیشگوئی ہے کہ سلطنت اصل میں خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اور وہ اب کفار سے لے کر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلطنت کا مالک بنائے گا۔ دنیاداروں کی نگاہ میں یہ بات دور از قیاس ہے مگر خدائے تعالیٰ ہر بات پر قادر ہے۔“ (حقائق الفرقان، جلد ۴ صفحہ ۱۵۶)

امام بخاری اس سورۃ کے جو الفاظ متن میں لائے ہیں ان کی مختصر تشریح ذیل میں ہے:

التَّفَاوُتُ کے معنی ہیں اختلاف۔ فرماتا ہے: الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ○ (الملک:۴) یعنی وہی جس نے سات آسمانوں کو طبقہ در طبقہ پیدا کیا تو رحمان کی تخلیق میں کوئی تضاد نہیں دیکھتا۔ پس نظر دوڑا۔ کیا تو کوئی رخنہ دیکھ سکتا ہے۔ (ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ) حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ساری کائنات پر غور کر کے دیکھ لو وہ ایک ہی خالق کی گواہی دے گی اور اس میں

کوئی نقص دکھائی نہیں دے گا۔ اگر یہ کائنات از خود پیدا ہوئی ہوتی تو کہیں کسی رخنہ کے آثار دکھائی دینے چاہیئے تھے بلکہ اکثر فتور ہی دکھائی دینا چاہیئے تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ اس کے کسی مزعومہ شریک نے یہ کائنات بنائی ہوتی تو لازماً اس کے بنائے ہوئے قوانین کا اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قوانین سے ٹکراؤ ہونا چاہیئے تھا۔ پس اس پہلو سے تمام بنی نوع انسان کو دعوتِ فکر دی گئی ہے کہ کائنات کے اسرار پر نظر ڈالیں اور پھر نظر ڈالیں تو ان کی نظر تھکی ماندی اور حسرت زدہ ہو کر ان کی طرف واپس لوٹے گی مگر وہ کائنات میں کہیں بھی کوئی خامی دریافت نہیں کر سکیں گے۔"

(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تعارف سورۃ الملک، صفحہ ۱۰۵۳)

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"تَفٰوُتٍ اضطراب کو بھی کہتے ہیں اور اختلاف کو بھی کہتے ہیں۔ اضطراب یہ ہے کہ کوئی چیز کہیں کی کہیں ڈال دی جائے، ایسا نہیں ہے۔ اور نہ ایسا اختلاف اور گڑبڑ ہے کہ مثلاً آگ کی خاصیت پانی میں جا پڑے اور پانی کی خاصیت آگ میں جا پڑے۔ تفاوت نقصان کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حق و حکمت میں کوئی نقصان نہیں ہوتا۔" (حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۱۵۹)

يَقْبِضْنَ: فرمایا: اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ ۚ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ۭ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۢ بَصِيْرٌ ۝ (الملك: ۲۰) کیا انہوں نے پرندوں کو اپنے اوپر پر پھیلاتے اور سمیٹتے ہوئے نہیں دیکھا۔ رحمان کے سوا کوئی نہیں جو انہیں روکے رکھے۔ یقیناً وہ ہر چیز پر گہری نظر رکھتا ہے۔ (ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"طیور کے آسمان میں اڑنے اور جوّ میں مسخر ہونے سے متعلق یہ آیت گہرے معانی رکھتی ہے۔ پرندوں کی ساخت خصوصیت کے ساتھ ایسے اصولوں کے مطابق کی گئی ہے کہ وہ فضا میں اڑ سکیں اور یہ محض اتفاقی حادثہ نہیں۔ بعض شکاری پرندوں کی رفتار ہوا میں دو سو میل فی گھنٹہ تک پہنچ جاتی ہے اور ان کی ساخت ایسی ہے کہ اس رفتار کا ان کو کوئی بھی نقصان نہیں پہنچتا کیونکہ ہوا چونچ اور سر سے ٹکرا کر چاروں طرف پھیل جاتی ہے اور اسی تیز رفتاری کے ساتھ وہ اڑتے ہوئے پرندوں کا شکار بھی کر لیتے ہیں۔" (ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، سورۃ الملک، حاشیہ آیت ۲۰)

٦٨ـ سُورَةُ نٓ وَالْقَلَمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَقَالَ قَتَادَةُ حَرْدٍ (القلم:٢٦) جِدٍّ فِي أَنْفُسِهِمْ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَتَخَافَتُوْنَ (القلم:٢٤) يَنْتَجُوْنَ السِّرَارَ وَالْكَلَامَ الْخَفِيَّ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ إِنَّا لَضَآلُّوْنَ (القلم:٢٧) أَضْلَلْنَا مَكَانَ جَنَّتِنَا. وَقَالَ غَيْرُهُ كَالصَّرِيْمِ (القلم:٢١) كَالصُّبْحِ انْصَرَمَ مِنَ اللَّيْلِ وَاللَّيْلِ انْصَرَمَ مِنَ النَّهَارِ وَهُوَ أَيْضًا كُلُّ رَمْلَةٍ انْصَرَمَتْ مِنْ مُعْظَمِ الرَّمْلِ. وَالصَّرِيمُ أَيْضًا الْمَصْرُومُ مِثْلُ قَتِيلٍ وَمَقْتُولٍ.

اللہ کے نام کے ساتھ جو رحمٰن اور رحیم ہے

اور قتادہ نے کہا: حَرْدٍ کے معنی ہیں ایسی کوشش جو اپنے دل کی عزیمت سے ہو۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا: يَتَخَافَتُوْنَ کے معنی ہیں چپکے سے سرگوشیاں کرتے ہیں اور آہستہ بات کرتے ہیں۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا: إِنَّا لَضَآلُّوْنَ کے معنی ہیں ہم اپنے باغ کی جگہ بھول گئے۔ اور (حضرت ابن عباسؓ کے سوا) اَوروں نے کہا: كَالصَّرِيْمِ کے معنی ہیں صبح کی طرح جو رات سے کٹ کر الگ ہو گئی اور رات کی طرح جو دن سے کٹ کر الگ ہو گئی۔ اور صَرِيْم ہر ایک ایسی ریتی کو کہتے ہیں جو ریت کے بڑے ٹیلے سے کٹ کر الگ ہو گئی ہو۔ اور صَرِيْم کے معنی کٹے ہوئے کے بھی ہیں جیسے قَتِيْل اور مَقْتُوْل۔

تشریح: سُورَةُ نٓ وَالْقَلَمِ: حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
"یہ سورت حروف مقطعات سے شروع ہونے والی آخری سورت ہے۔ یہ سورت لفظ "ن" سے شروع ہوتی ہے جس کا ایک معنی دوات کا ہے اور قلم سے لکھنے والے تمام اس کے محتاج رہتے ہیں۔ اور انسان کی تمام ترقیات کا دَور قلم کی بادشاہی سے شروع ہوتا ہے۔ اگر انسانی ترقی میں سے تحریر کو نکال دیا جائے تو انسان جہالتوں کی طرف لَوٹ جائے اور پھر کبھی اسے کوئی علمی ترقی نصیب نہیں ہو سکتی۔ ...
اس سورت میں حرف "ن" کا تکرار کے ساتھ ذکر ہے جو اس سورت کے مضامین سے کامل مطابقت رکھتا ہے اور ایک جگہ بھی مضمون اور حرفِ ن میں کوئی بے جوڑی دکھائی نہیں دیتی۔" (ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تعارف سورۃ القلم صفحہ ۱۰۶۰)

حَرْدٍ کے معنی ہیں ایسی کوشش جو اپنے دل کی عزیمت سے ہو۔ فرمایا: وَغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ۝ (القلم:۲۶) یعنی اور صبح آنے سے پہلے وہ بخل کا فیصلہ کر چکے تھے۔ (ترجمہ تفسیر صغیر) امام ابن حجر لکھتے ہیں: امام بخاری نے حَرْدٍ کی تفسیر کی ہے کہ کسی کام میں بہت زیادہ مبالغہ سے کوشش کرنا۔ علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ بعض اصول کے مطابق یہ لفظ جَدٌّ ہے۔ جیسا کہ امام عبدالرزاق نے اپنی تفسیر میں روایت کی ہے کہ ایک شخص کا ایک باغ تھا۔ وہ سال کے اخراجات رکھ کر باقی جو بچتا وہ صدقہ کر دیتا۔ اس کے بیٹے اسے صدقہ سے منع کرتے۔ جب ان کا باپ فوت ہو گیا تو وہ اس باغ میں صبح صبح گئے اور انہوں نے کہا کہ اب اس باغ سے کسی سائل کو کچھ نہیں دیں گے۔ عکرمہ سے روایت ہے کہ یہ لوگ حبشہ کے تھے۔ ابوعبیدہ نے حَرْدٍ کے معنی ارادہ، بخل، غضب اور کینہ کئے ہیں۔

(فتح الباری جزء۸ صفحہ ۸۴۳)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اس آیت کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

"انہوں نے اس حال میں صبح کی کہ وہ اپنا مال اپنے لیے روک کے رکھنے اور اس میں کسی کو شریک نہ بنانے کا فیصلہ کر چکے تھے۔" (تفسیر صغیر، سورۃ القلم حاشیہ آیت ۲۶)

يَتَخَافَتُوْنَ کے معنی ہیں چپکے سے سرگوشیاں کرتے ہیں اور آہستہ بات کرتے ہیں۔ فرمایا: فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ۝ (القلم:۲۴) چنانچہ وہ چلے گئے اور وہ آہستہ آہستہ یہ کہتے جاتے تھے۔ (ترجمہ تفسیر صغیر) علامہ ابن حجر نے لکھا ہے: یہ تعلیق صرف ابوذر کے نسخہ میں ہے جبکہ دیگر نسخوں میں یہ کتاب التوحید میں ہے۔

(فتح الباری جزء۸ صفحہ ۸۴۳)

اِنَّا لَضَآلُّوْنَ کے معنی ہیں ہم اپنے باغ کی جگہ بھول گئے۔ فرمایا: فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ۝ (القلم:۲۷) یعنی پھر جب انہوں نے اس باغ کو دیکھا تو کہا ہم تو راستہ بھول آئے ہیں۔ (ترجمہ تفسیر صغیر) علامہ عینی لکھتے ہیں کہ حضرت ابنِ عباسؓ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ ہم اپنے باغ کی جگہ کو بھول گئے ہیں۔ ابن ابی حاتم نے بھی اس کی یہی تفسیر کی ہے اور اس کے ساتھ اس آیت کو بیان کیا ہے: اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ۝ (القلم:۱۸) یعنی ہم نے ان دشمنوں کو ایسے ہی ابتلا میں ڈالا ہے جس ابتلا میں ان باغوں والے لوگوں کو ڈالا تھا جنہوں نے آپس میں ایک دوسرے کو قسمیں کھا کر کہا تھا کہ ہم صبح جا کر اپنے باغ کے پھل توڑیں گے۔ (ترجمہ تفسیر صغیر)

اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے اہل مکہ کو قحط اور بھوک کے ابتلاء میں ڈال کر ان کی آزمائش کی جس طرح کہ ہم نے اس باغ والوں کی آزمائش کی تھی۔ حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ یہ باغ یمن میں تھا اسے ضروان کہا جاتا تھا۔ اس باغ کے مالکوں نے کہا کہ وہ صبح ہونے سے پہلے اس باغ کو کاٹ لیں گے تاکہ کوئی سائل اس طرف نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے آگ برسائی جس نے اس باغ کو جلا دیا جبکہ وہ سوئے ہوئے تھے۔ صبح وہ اپنے

باغ کو دیکھنے آئے تو انہیں یوں لگا کہ ہم راستہ بھول کر کسی اور جگہ آ گئے ہیں کیونکہ وہاں باغ کا نام ونشان تک نہ تھا۔ (عمدۃ القاری جزء۱۹ صفحہ ۲۵۵)

كَالصَّرِيْمِ کے معنی ہیں صبح کی طرح جو رات سے کٹ کر الگ ہو گئی اور رات کی طرح جو دن سے کٹ کر الگ ہو گئی۔ فرمایا: فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ○ (القلم:۲۱) یعنی جب صبح کے وقت دیکھا گیا تو وہ باغ ایسا ہی ہو گیا جیسے کٹا ہوا تھا۔ (ترجمہ تفسیر صغیر)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"یعنی ان کفار کا انجام اس باغ کی تمثیل کے مطابق ہو گا اور اپنے اعمال کے نتیجہ سے یہ محروم رہیں گے۔" (تفسیر صغیر، سورۃ القلم حاشیہ آیت ۲۱)

بَاب ۱: عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ○ (القلم: ۱٤)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) اکھڑ، اس کے بعد مشتبہ النسل

٤٩١٧: حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ أَبِي حَصِينٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ○ (القلم:١٤) قَالَ رَجُلٌ مِّنْ قُرَيْشٍ لَهُ زَنَمَةٌ مِّثْلُ زَنَمَةِ الشَّاةِ.

۴۹۱۷: محمود (بن غیلان) نے ہم سے بیان کیا کہ عبیداللہ بن موسیٰ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے اسرائیل (بن یونس) سے، اسرائیل نے ابوحصین (عثمان بن عاصم) سے، ابوحصین نے مجاہد سے، مجاہد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ (جو آیت ہے اس کے بارے میں) انہوں نے کہا: اس سے مراد قریش میں سے ایک آدمی تھا۔ جس کا بکری کے کان کی لَو کی طرح گوشت کا ایک ٹکڑا لٹک رہا تھا۔

٤٩١٨: حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَّعْبَدِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ سَمِعْتُ حَارِثَةَ بْنَ وَهْبٍ الْخُزَاعِيَّ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ الْجَنَّةِ

۴۹۱۸: ابونعیم نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان (ثوری) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے معبد بن خالد سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں نے حضرت حارثہ بن وہب خزاعیؓ سے سنا۔ وہ کہتے تھے: میں نے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ سے سنا۔ آپؐ فرماتے تھے: کیا میں

كُلُّ ضَعِيفٍ مُتَضَعِّفٍ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَأَبَرَّهُ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ النَّارِ كُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَكْبِرٍ.

تمہیں جنتی نہ بتاؤں؟ ہر غریب، انکساری کرنے والا، جو اگر اللہ کو بھی قسم دے تو وہ اس کی قسم کو پورا کردے۔ کیا میں تمہیں دوزخی نہ بتاؤں؟ ہر ایک اَکھڑ، اُجڈ، اینٹھ کر چلنے والا مغرور۔

أطرافه: ٦٠٧١، ٦٦٥٧۔

تشریح: عُتُلٍّ بَعۡدَ ذٰلِكَ زَنِيۡمٍ: اَکھڑ، اس کے بعد مشتبہ النسل۔ اس آیت کے نزول کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد ولید بن مغیرہ ہے۔ بعض نے اس سے مراد اَسوَد بن عبد یغوث کو لیا ہے، بعض نے اخنس بن شریق کو مراد لیا ہے۔ ایک شاعر نے کہا: زَنِيمٌ لَيۡسَ يُعۡرَفُ مَنۡ أَبُوهُ یعنی زنیم وہ ہے جس کے باپ کا نہ پتہ ہو۔ حضرت حسان بن ثابتؓ نے کہا: وَأَنۡتَ زَنِيمٌ نِيطَ فِي آلِ هَاشِمٍ یعنی اور تم زنیم ہو آلِ ہاشم سے (باعتبارِ نسل) بہت دور ہو۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۸۴۵)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”قرآن مجید میں زَنِیم کا لفظ ہے جس کے معنے ہوتے ہیں کہ وہ شخص جو کسی قوم کا فرد تو نہیں مگر اپنے آپ کو اس کی طرف منسوب کرتا ہے۔ (مفردات) ہم نے اس کا ترجمہ ”خدا کا بندہ ہو کر شیطان سے تعلق رکھتا ہے“ کیا ہے۔ یعنی ہے تو وہ خدا کا مگر اپنے آپ کو منسوب بتوں کی طرف کرتا ہے۔“

(تفسیر صغیر، سورۃ القلم حاشیہ آیت ۱۴)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”ولید (بن) مغیرہ کی نسبت نہایت درجہ کے سخت الفاظ جو بصورت ظاہر گندی گالیاں معلوم ہوتی ہیں استعمال کئے ہیں جیسا کہ فرماتا ہے: فَلَا تُطِعِ الۡمُكَذِّبِيۡنَ ○ وَدُّوۡا لَوۡ تُدۡهِنُ فَيُدۡهِنُوۡنَ ○ وَ لَا تُطِعۡ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيۡنٍ ○ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۢ بِنَمِيۡمٍ ○ مَّنَّاعٍ لِّلۡخَيۡرِ مُعۡتَدٍ اَثِيۡمٍ ○ عُتُلٍّۭ بَعۡدَ ذٰلِكَ زَنِيۡمٍ ○... دیکھو سورۃ القلم جزو نمبر ۲۹ یعنی تُو ان مکذّبوں کے کہنے پر مت چل جو بدل اس بات کے آرزومند ہیں کہ ہمارے معبودوں کو بُرا مت کہو اور ہمارے مذہب کی ہجو مت کرو تو پھر ہم بھی تمہارے مذہب کی نسبت ہاں میں ہاں ملاتے رہیں گے اور ان کی چرب زبانی کا خیال مت کر و یہ شخص جو مداہنہ کا خواستگار ہے جھوٹی قسمیں کھانے والا اور

ضعیف الرائے اور ذلیل آدمی ہے دوسروں کے عیب ڈھونڈنے والا اور سخن چینی سے لوگوں میں تفرقہ ڈالنے والا اور نیکی کی راہوں سے روکنے والا زناکار اور بایں ہمہ نہایت درجہ کا بدخلق اور ان سب عیبوں کے بعد ولد الزنا بھی ہے۔"

(ازالہ اوہام حصہ اول، روحانی خزائن جلد ۳ حاشیہ صفحہ ۱۱۶، ۱۱۷)

بَاب ۲: يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ (القلم: ٤٣)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) جس دن مصیبت کا وقت آجائے گا

٤٩١٩: حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ خَالِدِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ يَكْشِفُ رَبُّنَا عَنْ سَاقِهِ فَيَسْجُدُ لَهُ كُلُّ مُؤْمِنٍ وَمُؤْمِنَةٍ وَيَبْقَى مَنْ كَانَ يَسْجُدُ فِي الدُّنْيَا رِئَاءً وَسُمْعَةً فَيَذْهَبُ لِيَسْجُدَ فَيَعُودُ ظَهْرُهُ طَبَقًا وَاحِدًا.

۴۹۱۹: آدم (بن ابی ایاس) نے ہم سے بیان کیا کہ لیث (بن سعد) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے خالد بن یزید سے، خالد نے سعید بن ابی ہلال سے، سعید نے زید بن اسلم سے، زید نے عطاء بن یسار سے، عطاء نے حضرت ابوسعید (خدری) رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپؐ فرماتے تھے: ہمارا ربّ اپنی پنڈلی ننگی کرے گا جس پر ہر مؤمن مرد اور مؤمن عورت اس کو سجدہ کرے گا اور وہی باقی رہ جائے گا جو دنیا میں ریا اور شہرت کی خاطر عبادت کرتا تھا۔ وہ سجدہ کرنے لگے گا تو اس کی پیٹھ اکڑ کر ایک تختہ ہو جائے گی۔

أطرافه: ٢٢، ٤٥٨١، ٦٥٦٠، ٦٥٧٤، ٧٤٣٨، ٧٤٣٩-

تشریح: يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ: یعنی جس دن مصیبت کا وقت آجائے گا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ یہ ایک محاورہ عربی زبان کا ہے اور اس کے معنے ہیں جب حقیقت کھل جائے گی یا جب بہت گھبراہٹ ہو گی۔ بعض تفاسیر کے بیان کردہ معانی کی بناء پر اس آیت پر آریوں اور عیسائیوں نے اعتراض کیا ہے جو کہ بمع

جواب درج ذیل ہے:

مکذب براہین نے تکذیب کے صفحہ ۶۹ میں قرآن شریف کی آیت یَوْمَ یُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ کو صانعِ عالم کی ہستی کی دلیل سمجھ کر یہ اعتراض کیا ہے۔ خدائے بے چون و چرا محمدیوں کو کہتا ہے: میں قیامت کے روز تم کو دیدار دوں گا اور تم نہیں مانو گے۔ اور پھر مَیں تمہارے اصرار کرنے پر پنڈلی سے جامہ اٹھا کر بتلاؤں گا تب تم سجدہ میں گرو گے۔ جائے تعجّب اور حیرت ہے۔ خدا تعالیٰ بسبب زود رنجی کے جامہ سے باہر ہوا جاتا ہے۔ اور نہیں شرماتا۔

مُصدِّق: تمام اعتراض از سر تاپا۔ افترا و بہتان اور راستی سے بے نام و نشان ہے۔ اوّل اس لئے کہ اگر معترض ہی کا وہ ترجمہ مان لیا جاوے جو خود معترض نے اس آیت کے نیچے لکھا ہے "جس روز جامہ اٹھایا جاوے گا پنڈلی سے اور بلائے جاویں گے لوگ واسطے سجدہ کرنے کے۔ پس نہ کر سکیں گے" (تکذیب صفحہ نمبر ۶۸) جب بھی اس ترجمہ سے وہ باتیں نہیں نکلتیں جو مکذّب براہین نے اپنے اعتراض میں بیان کی ہیں۔ مثلاً نمبر ۱ "تم کو دیدار دوں گا" نمبر ۲ "اور تم نہیں مانو گے" نمبر ۳ "پھر میں تمہارے اصرار پر" نمبر ۴ "تب تم سجدہ میں گرو گے" نمبر ۵ "زُود رنجی" نمبر ۶ "نہیں شرماتا"۔ تعجب و حیرت ہے فَلَا يَسْتَطِيعُونَ کے معنے مکذّب نے یہ لکھے ہیں۔ "پس نہ کر سکیں گے" اور اعتراض میں مکذّب نے لکھا ہے "تب تم سجدہ میں گرو گے" آریہ صاحبان! انصاف کرو اور سچ کے اختیار کرنے میں دیر نہ کرو۔ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ (اب میں آپ کو اس آیت کی بقدرِ ضرورت تشریح سناتا ہوں اور آیت کا مابعد بھی ساتھ ہی بیان کرتا ہوں) يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّ يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ○ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ وَ قَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُوْدِ وَ هُمْ سٰلِمُوْنَ ○ (القلم: ۴۳) جس وقت سخت اضطراب کا وقت ہو گا اور سجدہ کی طرف بلائے جائیں گے۔ پس ان کو سجدہ کرنے کی طاقت نہ ہو گی۔ اُن کی آنکھیں (مارے ضعف و دہشت) کے بے نور ہو گئی ہوں گی۔ ذلّت نے انہیں ڈھانک رکھا ہو گا۔ اور (اس حالت

سے پہلے) جب بھلے چنگے تھے۔ سجدہ کے لئے بلائے جاتے تھے۔

السّاق: عربی میں شدّت اور تکلیف کو کہتے ہیں اور کشف السّاق شدّت اور تکلیف کا ظہور ہے۔ پس یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ کے معنے ہوئے جب شدّت اور تکلیف کا ظہور ہو گا۔ ان معنوں کا ثبوت علاوہ لغتِ عرب کے قرآنِ کریم سے دیا جاتا ہے۔ كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ○ وَ قِيْلَ مَنْ ٚ رَاقٍ ○ وَّ ظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ○ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ○ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ اِلْمَسَاقُ ○ (الدھر: ۲۷ تا ۳۱) ایسا نہ ہو گا۔ جس وقت سانس ہنسلی تک پہنچ جاتی ہے اور کہا جاتا ہے۔ کون افسوس کرنے والا ہے (جو اسے اب بچالے) اور (مریض) یقین کرتا ہے کہ اب جدائی کا وقت ہے اور سخت گھبراہٹ اس پر طاری ہوتی ہے، اس وقت چلنا تیرے ربّ کی طرف ہے۔...

اور جب جنگ کی شدّت ہوتی ہے تو کہتے ہیں کَشَفَتِ الْحَرْبُ عَنْ سَاقٍ یعنی گھمسان کا رَن واقع ہوا۔ اب اس تحقیق پر آیت شریف کا یہ مطلب ہوا کہ جب عبادت کے کمزور کو مرضِ موت کی شدّت انتہادرجہ کو پہنچ جاتی ہے اور بڑا، بوڑھا یا ناتواں زار و نزار ہو جاتا ہے اور اس وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف بلانے والے مؤذن نے حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کا کلمہ اُونچے منار سے بلند آواز کے ساتھ پکار سنایا۔ اور وہ میٹھی آواز سلیم الفطرت ناتواں کے کان میں پہنچی۔ اب اس کا دل مسجد کو جانے کے لئے تڑپتا ہے۔ مگر اس وقت وہ مرنے کی حالت میں مبتلا اچھی طرح ہل جل بھی نہیں سکتا اور دل میں کڑھتا ہے مگر اب اس کڑھنے سے قوی نہیں ہو جاتا۔ اسی آیتِ شریف میں وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ کے پیچھے وَ هُمْ سٰلِمُوْنَ کا کلمہ ان معنے کا قرینہ موجود ہے۔ جس کے معنی ہیں "اور بتحقیق وہ لوگ بلائے جاتے تھے سجدہ کی طرف جبکہ بھلے چنگے تھے" ان معنی کی تصدیق تفسیر کبیر [1] کے جلد نمبر ۸ صفحہ ۲۷۴ سے بخوبی ہو سکتی ہے۔

دوسری توجیہہ۔ اس آیت شریف کی اَلسَّاقُ ذَاتُ الشَّيْءِ وَحَقِيْقَةُ الْاَمْرِ۔ کیا معنی؟ ساق کا لفظ عربی زبان میں کسی چیز کی ذات اور اس کی اصل حقیقت کو کہتے

[1] (امام رازی کی تفسیر کبیر مراد ہے۔)

ہیں۔ یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ کے معنے یہ ہوئے۔ جس دن اشیاء کی اصل حقیقت ظاہر ہو گی اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کے منکر اپنی نافرمانیوں کا بدلہ دیکھیں گے۔...

اس وقت اتماماً للحجة پھر سجدہ کی طرف بلائے جائیں گے مگر پہلی نافرمانی کا بدنتیجہ یہ ہو گا کہ اس وقت سجدہ نہ کر سکیں گے۔

تیسری توجیہہ اس آیت شریف کی یہ ہے کہ ہر ایک چیز کی پہچان مختلف اسباب سے ہوا کرتی ہے۔ مثلاً کوئی شخص ایک آدمی کو اس کا منہ دیکھ کر پہچان سکتا ہے اور سابقہ جان پہچان والا ادنیٰ نشان جیسے قدم اور ساق کو دیکھ کر پتہ لگا سکتا ہے۔ اسی طرح ایک سمجھدار، صحیح الفطرت، صاحبِ دانش ادنیٰ ادنیٰ امور سے باری تعالیٰ کے وجود اور اس کی ہستی کا پتہ حاصل کر سکتا ہے۔

برگِ درختانِ سبز دَر نظرِ ہوشیار ہر ورقے دفترِ معرفتِ کردگار

اور کم فہم مریض الفطرت کو عمدہ عمدہ دلائل سے بھی معرفتِ الٰہی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح ہنگامہ محشر کے وقت جو اسی موجود دنیا کا نتیجہ ہے۔ جب الٰہی صفات کا ظہور ہو گا تو ناسمجھ اپنی کمی معرفت اور نقص عرفان کے باعث بخلاف سمجھ داروں کے سجدہ سے محروم رہ جاویں گے۔ اور اسلام والے اپنے عرفان اور ایمانی نور کے باعث ادنیٰ ظہورِ صفات پر جسے کشفِ ساق کہتے ہیں۔ جو کشفِ وجہ سے کم ہے سجدہ میں گریں گے اور منافقوں نافہموں کی پیٹھ اس وقت طبق واحد ہو جائے گی۔

چوتھی توجیہہ جو بالکل میرے مسلک پر ہے یہ ہے: ساق اور اس کا کشف، باری تعالیٰ کی صفت ہے اور صفات کا معاملہ ایسا ہے کہ ان کی حقیقت ہمیشہ بلحاظ اپنے موصوف کے بدل جایا کرتی ہے مثلاً بیٹھنا ہماری صفت ہے جس سے ہم ہر روز مُتَّصف ہوتے ہیں۔ مگر ایک بڑے ساہوکار یا کسی امیر کا عروج کے بعد بیٹھ جانا ہمارے روز مرّہ کے بیٹھ جانے سے نرالا ہو گا۔ برسات کے دنوں میں مینہ کے زور سے دیوار کا بیٹھ جانا پہلے بیٹھنوں سے بالکل الگ ہوگا۔ اور ایک بادشاہ کا تخت پر

بیٹھ جانا کوئی اور ہی حقیقت رکھے گا۔ ان مثالوں میں دیکھ لو۔ بیٹھنا ایک صفت ہے مگر بلحاظ تبدّل موصوفین کے اس صفت کی ایک قسم دوسری قسم سے بالکل علیحدہ ہے اب ان سب سے ایک لطیف بیٹھنا سُنو جس کی حقیقت ان تمام بیٹھنوں سے بالکل الگ ہے وہ بیٹھنا کیا ہے۔ کسی کی محبّت کا کسی کے دل میں بیٹھ جانا اور کسی کی عداوت کا کسی کے دل میں بیٹھ جانا۔ کسی کے کلام کا کسی کے دل میں گھر کر لینا یا بیٹھ جانا۔ جب اہلِ اسلام نے باری تعالیٰ کو لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (الشوریٰ: ۱۲) انو پیم۔ بے مانند مانا ہے تو اس بات کا تسلیم کرنا ہر عاقل منصف کا فرض ہے کہ وہ اس کی تمام صفات بھی اس پاک موصوف کی طرح لَيْسَ كَمِثْلِ اور انو پیم، بے مانند مانتے ہوں گے۔ اس کی قدرت، اس کی طاقت، اس کا علم، اس کی حیات، اس کا موجود ہونا، اس کا ازلی ہونا، اس کا ابدی ہونا، اس کا ید، اس کا وَجہ، اس کی ساق، اس کا کشف، اس کا عرش پر بیٹھنا سب بے مثل ہوگا۔ چونکہ ہم اس کی ذات سے کوئی مشابہت نہیں رکھتے۔ اس لئے ہماری کوئی صفت اس کی کسی صفت سے مشابہ نہ ہوگی۔" (حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۱۸۳ تا ۱۸۶)

٦٩ ۔ سُورَةُالْحَاقَّةِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام کے ساتھ جو رحمٰن اور رحیم ہے

عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ(الحاقة:٢٢) يُرِيدُ فِيهَا الرِّضَا. الْقَاضِيَةَ(الحاقة:٢٨) الْمَوْتَةَ الْأُولَى الَّتِي مُتُّهَا ثُمَّ أُحْيَا بَعْدَهَا. مِنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ(الحاقة:٤٨) أَحَدٌ يَكُونُ لِلْجَمْعِ وَلِلْوَاحِدِ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ الْوَتِيْنَ (الحاقة:٤٧) نِيَاطُ الْقَلْبِ. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ طَغَا(الحاقة:١٢) كَثُرَ وَيُقَالُ بِالطَّاغِيَةِ(الحاقة:٦) بِطُغْيَانِهِمْ وَيُقَالُ طَغَتْ عَلَى الْخَزَّانِ كَمَا طَغَى الْمَاءُ عَلَى قَوْمِ نُوحٍ.

عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ سے مراد یہ ہے کہ ایسی زندگی جس میں رضاء الٰہی ہوگی۔ الْقَاضِيَةَ کے معنی ہیں پہلی موت جو مجھ پر آئی، پھر اس کے بعد زندہ ہوں گا۔ مِنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ یعنی پھر کوئی بھی اس سے بچانے والا (نہ ہوگا۔) أَحَدٌ جمع اور واحد دونوں کے لئے آتا ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا: الْوَتِيْنَ دل کی وہ رگ ہے جس پر زندگی کا انحصار ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا: طَغَا یعنی زیادہ ہو گیا۔ (طَغَا الْمَآءُ کے معنی ہیں پانی بہت چڑھ گیا۔) اور بِالطَّاغِيَةِ بوجہ حد سے گزرنے کے کہتے ہیں۔ نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ (طَاغِيَة اس لئے کہا کہ) وہ داروغوں کے کہنے میں نہ رہی۔ جیسا کہ پانی قوم نوح پر اس قدر چڑھ آیا تھا کہ وہ قابو سے باہر ہو گیا۔

تشریح: الْقَاضِيَةَ کے معنی ہیں پہلی موت جو مجھ پر آئی، پھر اس کے بعد زندہ ہوں گا۔ پوری آیت یہ ہے: يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ○ (الحاقة:٢٨) کاش! میری موت مجھے بالکل ختم کر دیتی۔ (ترجمہ تفسیر صغیر) امام ابنِ حجر کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کاش میری پہلی موت ہی فیصلہ کن ہوتی اور اس کے بعد مجھے دوبارہ زندہ نہ کیا جاتا۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۸۴۷)

مِنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ یعنی پھر کوئی بھی اس سے بچانے والا نہ ہوگا۔ فرمایا: فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ○ (الحاقة:۴۸) سو اس صورت میں تم میں سے کوئی بھی نہ ہوتا جو اُسے خدا کے عذاب سے بچا سکتا۔ (ترجمہ تفسیر صغیر) احد کا لفظ واحد، تثنیہ، جمع، مذکر اور مؤنث سب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۸۴۷) اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر افتراء کرنے والے کو نہ ایک نہ دو نہ جتھہ نہ مرد نہ عورتیں غرض

کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچا نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ اس مضمون کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ○ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ○ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ○ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ ○ (الحاقة: ۴۵ تا ۴۸) یعنی اور اگر یہ شخص ہماری طرف جھوٹا الہام منسوب کر دیتا، خواہ ایک ہی ہوتا تو ہم یقیناً اس کو دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے اور اس کی رگِ گردن کاٹ دیتے۔ سو اس صورت میں تم میں سے کوئی بھی نہ ہوتا جو اسے خدا کے عذاب سے بچا سکتا۔ (ترجمہ تفسیر صغیر)

اس آیت کی تفسیر میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اور اگر یہ رسول کچھ اپنی طرف سے بنا لیتا اور کہتا کہ فلاں بات خدا نے میرے پر وحی کی ہے حالانکہ وہ کلام اس کا ہوتا نہ خدا کا تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے اور پھر اس کی رگِ جان کاٹ دیتے اور کوئی تم میں سے اس کو بچا نہ سکتا یعنی اگر وہ ہم پر افتراء کرتا تو اس کی سزا موت تھی کیونکہ وہ اس صورت میں اپنے جھوٹے دعوے سے افتراء اور کفر کی طرف بلا کر ضلالت کی موت سے ہلاک کرنا چاہتا تو اس کا مرنا اس حادثہ سے بہتر ہے کہ تمام دنیا اس کی مفتریانہ تعلیم سے ہلاک ہو۔ اس لیے قدیم سے ہماری یہی سنت ہے کہ ہم اسی کو ہلاک کر دیتے ہیں جو دنیا کے لیے ہلاکت کی راہیں پیش کرتا ہے اور جھوٹی تعلیم اور جھوٹے عقائد پیش کر کے مخلوقِ خدا کی روحانی موت چاہتا ہے اور خدا پر افتراء کر کے گستاخی کرتا ہے۔ اب ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی پر یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ اگر وہ ہماری طرف سے نہ ہوتا تو ہم اس کو ہلاک کر دیتے اور وہ ہرگز زندہ نہ رہ سکتا گو تم لوگ اس کے بچانے کے لیے کوشش بھی کرتے۔"

(ضمیمہ تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۳۹، ۴۰)

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ الْوَتِينَ: اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا: الْوَتِينَ دل کی وہ رگ ہے جس پر زندگی کا انحصار ہے۔ فرمایا: ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ○ (الحاقة: ۴۷) اور اس کی رگ گردن کاٹ دیتے۔ (ترجمہ تفسیر صغیر)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"یہ آیت اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کے معنوں میں عموم ہے جیسا کہ تمام قرآن شریف میں یہی محاورہ ہے کہ بظاہر اکثر امر و نہی کے مخاطب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے ہیں لیکن اُن احکام

میں دوسرے بھی شریک ہوتے ہیں یا وہ احکام دوسروں کے لئے ہی ہوتے ہیں....

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت جو فرمایا کہ اگر وہ ہمارے پر کچھ افترا کرتا تو ہم اُس کو ہلاک کر دیتے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ صرف خدا تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ غیرت اپنی ظاہر کرتا ہے کہ آپؐ اگر مفتری ہوتے تو آپؐ کو ہلاک کر دیتا مگر دوسروں کی نسبت یہ غیرت نہیں ہے اور دُوسرے خواہ کیسا ہی خدا پر افتراء کریں اور جھوٹے الہام بنا کر خدا کی طرف منسوب کر دیا کریں اُن کی نسبت خدا کی غیرت جوش نہیں مارتی۔ یہ خیال جیسا کہ غیر معقول ہے۔ ایسا ہی خدا کی تمام کتابوں کے برخلاف بھی ہے اور اب تک توریت میں بھی یہ فقرہ موجود ہے کہ جو شخص خدا پر افترا کرے گا اور جھوٹا دعویٰ نبوت کا کرے گا وہ ہلاک کیا جاوے گا۔ علاوہ اس کے قدیم سے علماء اسلام آیت لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا کو عیسائیوں اور یہودیوں کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کے لئے بطور دلیل پیش کرتے رہے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جب تک کسی بات میں عموم نہ ہو وہ دلیل کا کام نہیں دے سکتی۔ بھلا یہ کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر افترا کرتے تو ہلاک کئے جاتے اور تمام کام بگڑ جاتا لیکن اگر کوئی دوسرا افترا کرے تو خدا ناراض نہیں ہوتا بلکہ اس سے پیار کرتا ہے اور اُس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی زیادہ مُہلت دیتا ہے اور اُس کی نصرت اور تائید کرتا ہے اِس کا نام تو دلیل نہیں رکھنا چاہئے بلکہ یہ تو ایک دعویٰ ہے کہ جو خود دلیل کا محتاج ہے۔" (حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۲۱۳، ۲۱۴)

اس مضمون کی مزید وضاحت کے لیے دیکھئے اربعین نمبر ۴، روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۴۳۰ تا ۴۴۱۔ نیز دیکھئے ضمیمہ اربعین نمبر ۳، ۴، روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۴۶۸ تا ۴۷۳۔

۷۰- سُورَةُ سَأَلَ سَائِلٌ

الْفَصِيلَةُ أَصْغَرُ آبَائِهِ الْقُرْبَى إِلَيْهِ يَنْتَمِي مَنِ انْتَمَى. لِلشَّوٰى (المعارج:۱۷) الْيَدَانِ وَالرِّجْلَانِ وَالْأَطْرَافُ وَجِلْدَةُ الرَّأْسِ يُقَالُ لَهَا شَوَاةٌ وَمَا كَانَ غَيْرَ مَقْتَلٍ فَهُوَ شَوًى، عِزِيْنَ (المعارج:۳۸) وَالْعِزُونَ الْحَلَقُ وَالْجَمَاعَاتُ وَاحِدُهَا عِزَةٌ.

الْفَصِيلَة کے معنی ہیں نہایت ہی نزدیک کا دادا جس کی طرف منسوب ہونے والا منسوب ہوتا ہے۔ لِلشَّوٰی دونوں ہاتھ، پاؤں اور (بدن کے) آخری حصے اور سر کی کھال، انہی کو شَوَاةٌ کہتے ہیں۔ اور شَوًی وہ اعضاء ہیں جن کے کٹنے سے آدمی مرتا نہیں۔ عِزِیْنَ اور الْعِزُوْن کے معنی ہیں گروہ در گروہ، اس کی مفرد عِزَةٌ ہے۔

تشریح: الْفَصِيلَةُ کے معنی ہیں نہایت ہی نزدیک کا دادا جس کی طرف منسوب ہونے والا منسوب ہوتا ہے۔ اس میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے: وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ○ (المعارج:۱۴) یعنی اور اپنے اس قبیلہ کے ذریعہ سے جس کی طرف وہ پناہ لیا کرتا تھا۔ (ترجمہ تفسیر صغیر)

ابو عبیدہ کہتے ہیں: فَصِيْلَة قبیلے کی چھوٹی شاخ کو کہتے ہیں اور عبد الرزاق نے معمر سے روایت کی ہے کہ فَصِيْلَة سے مراد رضاعی ماں ہے اور داؤدی نے بیان کیا ہے کہ فَصِيْلَة نارِ جہنم میں سے ایک نام ہے۔

(فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۸۴۹)

لِلشَّوٰى دونوں ہاتھ، پاؤں اور (بدن کے) آخری حصے اور سر کی کھال کو کہتے ہیں۔

اس میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے: نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ○ (المعارج:۱۷) یعنی سر تک کے چمڑے کو اکھیڑ دینے والا عذاب ہے۔ (ترجمہ تفسیر صغیر) علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں کہ مجاہد کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے سر کی جلد کو اکھاڑا جائے گا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد چہرے کے محاسن کو ختم کرنا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد پٹھے اور ایڑی وغیرہ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ہاتھوں پاؤں کی انگلیاں اور سر ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ گوشت ہے جو ہڈی سے اتار لیا جائے۔ مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ جہنم کی آگ ان کے گوشت کو بھی جلائے گی اور ان کی جلد کو بھی۔ کلبی سے روایت ہے کہ جہنم کی آگ ان کے سر اور دماغ کے گوشت کو بھسم کر دے گی۔ پھر دماغ اسی حالت میں ہو جائے گا جس میں پہلے تھا۔ پھر آگ اس کو جلائے گی اور یہ اسی طرح ہوتا رہے گا۔

(عمدۃ القاری جزء ۱۹ صفحہ ۲۶۰)

عِزِيْنَ کے معنی ہیں گروہ در گروہ۔ اس میں ان آیات کی طرف اشارہ ہے: فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ○ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ○ (المعارج: ۳۸،۳۷) پس کافروں کو کیا ہو گیا ہے کہ تیری طرف غصہ سے سر اُٹھا کر دَوڑے آرہے ہیں۔ دائیں طرف سے بھی اور بائیں طرف سے بھی، گروہ در گروہ کی صورت میں۔ (ترجمہ تفسیر صغیر)

علامہ زمخشری نے لکھا ہے کہ مشرکین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد گروہ در گروہ اکٹھے ہو جاتے تھے اور آپؐ کے کلام کو سن کر استہزاء کیا کرتے تھے۔

(الکشاف للزمخشری، سورۃ المعارج آیت عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ، جزء ۴ صفحہ ۶۱۳)

۷۱- سُورَۃُ نُوحٍ

أَطْوَارًا(نوح:۱۵) طَوْرًا كَذَا وَطَوْرًا كَذَا، يُقَالُ عَدَا طَوْرَهُ أَيْ قَدْرَهُ. وَالْكُبَّارُ أَشَدُّ مِنَ الْكُبَارِ وَكَذَلِكَ جُمَّالٌ وَجَمِيلٌ لِأَنَّهَا أَشَدُّ مُبَالَغَةً وَكَذَلِكَ كُبَّارٌ الْكَبِيرُ وَكُبَارًا أَيْضًا بِالتَّخْفِيفِ وَالْعَرَبُ تَقُولُ رَجُلٌ حُسَّانٌ وَجُمَّالٌ وَحُسَانٌ مُخَفَّفٌ وَجُمَالٌ مُخَفَّفٌ. دَيَّارًا(نوح:۲۷) مِنْ دَوْرٍ، وَلَكِنَّهُ فَيْعَالٌ مِنَ الدَّوَرَانِ كَمَا قَرَأَ عُمَرُ الْحَيُّ الْقَيَّامُ وَهْيَ مِنْ قُمْتُ، وَقَالَ غَيْرُهُ دَيَّارًا(نوح:۲۷) أَحَدًا. تَبَارًا (نوح:۲۹) هَلَاكًا. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مِدْرَارًا(نوح:۱۲) يَتْبَعُ بَعْضُهَا بَعْضًا. وَقَارًا(نوح:۱۴) عَظَمَةً.

أَطْوَارًا کے معنی ہیں کبھی اس حالت میں کبھی اس حالت میں۔ کہتے ہیں: عَدَا طَوْرَهُ یعنی وہ اپنے اندازے سے بڑھے گا۔ اور الْكُبَّار(ب کی تشدید کے ساتھ) معنی میں کُبَار(ب کی تخفیف کے ساتھ) سے بڑھ کر ہے یعنی بہت ہی بڑا۔ ایسا ہی جُمَّالٌ اور جَمِيلٌ یعنی بہت ہی خوبصورت، کیونکہ یہ مبالغہ میں بڑھ کر ہے۔ اور اسی طرح كُبَّارٌ ہے یعنی بہت ہی بڑا۔ اور کبھی (اس کو) كُبَارًا بھی (پڑھتے ہیں) تخفیف سے۔ اور عرب کہتے ہیں: رَجُلٌ حُسَّانٌ وَجُمَّالٌ اور (کبھی کہتے ہیں:) حُسَانٌ تخفیف سے اور جُمَالٌ تخفیف سے۔ دَيَّارًا دَوْر سے ہے۔ مگر وہ فَيْعَالٌ کا وزن ہے دَوَرَان سے۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ نے الْحَيُّ الْقَيَّامُ پڑھا ہے۔ اور یہ کلمہ قُمْتُ سے ہے۔ اور (حضرت عمرؓ کے سوا) اوروں نے کہا: دَيَّارًا کے معنی ہیں کسی کو بھی۔ تَبَارًا کے معنی ہیں ہلاکت۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا: مِدْرَارًا کے معنی ہیں لگاتار برسنے والی۔ وَقَارًا کے معنی ہیں عظمت۔

تشریح: سُورَۃُ نُوحٍ: حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"گزشتہ سورت کے آخر میں فرمایا تھا کہ ہم اس بات پر قادر ہیں کہ تم سے بہتر لوگ پیدا کر دیں۔ اب اس سورت میں فرمایا کہ قومِ نوح کے عذاب میں چھوٹے پیمانے پر یہی صورت تھی کہ پوری کی پوری قوم غرق کر دی گئی سوائے

چند ایک کے جنہوں نے نوح علیہ السلام کی کشتی میں پناہ لی تھی اور پھر ان لوگوں سے جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ تھے ایک نئی بہتر نسل کا آغاز کیا گیا۔“

(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تعارف سورۃ نوح صفحہ ۱۰۷۷)

امام بخاری اس سورۃ میں جو الفاظ لائے ہیں ان کی تفصیل ذیل میں دی جاتی ہے:

اَطْوَارًا: فرماتا ہے: وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا○ (نوح:۱۵) حالانکہ اس نے تم کو بہت ترقیات حاصل کرنے کی طاقت دے کر بھیجا ہے۔ (ترجمہ تفسیر صغیر)

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”انسان کو پیدائش کے وقت مختلف صورتوں میں سے گزارا ہے۔ نطفہ، علقہ، مضغہ وغیرہ۔ کیا یہ تفرقہ اور امتیاز کسی علیم و قدیر ہستی کا کام نہیں۔ یہی خدا تعالیٰ کی ہستی کی ایک دلیل ہے۔“

(حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۲۱۶)

دَيَّارًا دَوْر سے ہے مگر وہ فَيْعَالٌ کا وزن ہے دَوَرَان سے۔ آیت کے الفاظ یہ ہیں: وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا○ (نوح:۲۷) اور نوح نے یہ بھی دعا کی کہ اے میرے ربّ! زمین پر کافروں کا کوئی گھر باقی نہ رہے۔ (ترجمہ تفسیر صغیر) یہ بددعا نہیں کہ سب کافر مارے جائیں، بلکہ دعا ہے کہ سب قوم ایمان لے آئے۔ نیز یہ دعا اس بناء پر کی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ علم دیا تھا کہ اب اگر یہ زندہ رکھے گئے تو صرف فاسق و فاجر پیدا کریں گے ان کی نسلوں سے مؤمن پیدا ہونے کی امید منقطع ہو چکی ہے۔ اور اگر اس دعا سے مراد تباہی لی جائے تو وہ تب ہوگی جب اتمامِ حجت کر دی گئی جس طرح حضرت نوح علیہ السلام نے اتمام حجت کے بعد یہ دعا کی۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”جب ارادہ الٰہی کسی قوم کی تباہی سے متعلق ہوتا ہے تو نبی میں درد کی حالت پیدا ہوتی ہے۔ وہ دعا کرتا ہے۔ پھر اس قوم کی تباہی یا خیر خواہی کے اسباب مہیا ہو جاتے ہیں۔ دیکھو نوح علیہ السلام پہلے صبر کرتے رہے اور بڑی مدت تک قوم کی ایذائیں سہتے رہے۔ پھر ارادہ الٰہی جب ان کی تباہی سے متعلق ہوا تو درد کی حالت پیدا ہوئی اور دل سے نکلا رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا○ (نوح:۲۷) جب تک خدا تعالیٰ کا ارادہ نہ ہو وہ حالت پیدا نہیں ہوتی۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم

تیرہ سال پہلے صبر کرتے رہے۔ پھر جب درد کی حالت پیدا ہوئی تو قتال کے ذریعہ مخالفین پر عذاب نازل ہوا۔ خود ہماری نسبت دیکھو جب یہ شبھ چنتک جاری ہوا تو اس کا ذکر تک بھی نہیں کیا گیا۔ مگر جب ارادہ الٰہی اس کی تباہی کے متعلق ہوا تو ہماری توجہ اس طرف بے اختیار ہوگئی اور پھر تم دیکھتے ہو کہ رسالہ ابھی اچھی طرح شائع بھی نہ ہونے پایا کہ خدا تعالیٰ کی باتیں پوری ہوگئیں۔“

(ملفوظات جلد ۵ صفحہ ۱۹۹)

وَقَارًا: فرماتا ہے: مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۝ (نوح: ۱۴) تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم اللہ سے کسی وقار کی توقع نہیں رکھتے۔ (ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”ہاں اگر یہ جستجو ہے کہ اس تفاوت مراتب رکھنے میں حکمت کیا ہے۔ تو سمجھنا چاہیئے کہ اس بارہ میں قرآن شریف نے تین حکمتیں بیان فرمائی ہیں جو عند العقل نہایت بدیہی اور روشن ہیں جن سے کوئی عاقل انکار نہیں کرسکتا اور وہ بہ تفصیل ذیل ہیں:

اول۔ یہ کہ تا مہمات دنیا یعنے امور معاشرت باحسن وجہ صورت پذیر ہوں...

ہم نے اسؔ لئے بعض کو دولت مند اور بعض کو درویش اور بعض کو لطیف طبع اور بعض کو کثیف طبع اور بعض طبیعتوں کو کسی پیشہ کی طرف مائل اور بعض کو کسی پیشہ کی طرف مائل رکھا ہے تا ان کو یہ آسانی پیدا ہو جائے کہ بعض کے لئے بعض کاربرار اور خادم ہوں اور صرف ایک پر بھار نہ پڑے اور اس طور پر مہمات بنی آدم بآسانی تمام چلتے رہیں۔...

انصاف و خدا ترسی ایک قانون پر موقوف ہے جس میں دقائق معدلت و حقائق معرفت الٰہی بدرستی تمام درج ہوں اور سہواً یا عمداً کسی نوع کا ظلم یا کسی نوع کی غلطی نہ پائی جاوے۔ اور ایسا قانون اسی کی طرف سے صادر ہو سکتا ہے جس کی ذات سہو و خطا و ظلم و تعدی سے بکلی پاک ہو اور نیز اپنی ذات میں واجب الانقیاد اور واجب التعظیم بھی ہو۔...

ان تمام وجوہ سے کتاب الٰہی کی حاجت ہوئی کیونکہ ساری نیک صفتیں اور ہریک طور کی کمالیت وخوبی صرف خدا ہی کی کتاب میں پائی جاتی ہے وبس۔

دوم۔ حکمت تفاوتِ مراتب رکھنے میں یہ ہے کہ تا نیک اور پاک لوگوں کی خوبی ظاہر ہو کیونکہ ہریک خوبی مقابلہ ہی سے معلوم ہوتی ہے۔ جیسے فرمایا ہے: اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا○ الجزو نمبر ۱۵ یعنے ہم نے ہریک چیز کو جو زمین پر ہے زمین کی زینت بنا دیا ہے تا جو لوگ صالح آدمی ہیں بمقابلہ بُرے آدمیوں کے ان کی صلاحیت آشکارا ہو جائے اور کثیف کے دیکھنے سے لطیف کی لطافت کھل جائے۔ کیونکہ ضد کی حقیقت ضد ہی سے شناخت کی جاتی ہے اور نیکوں کا قدر و منزلت بدوں ہی سے معلوم ہوتا ہے۔

سوم۔ حکمت تفاوت مراتب رکھنے میں انواع واقسام کی قدرتوں کا ظاہر کرنا اور اپنی عظمت کی طرف توجہ دلانا ہے جیسا فرمایا مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا○ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا○ نمبر ۲۹۔ یعنے تم کو کیا ہو گیا کہ تم خدا کی عظمت کے قائل نہیں ہوتے حالانکہ اس نے اپنی عظمت ظاہر کرنے کے لیے تم کو مختلف صورتوں اور سیرتوں پر پیدا کیا۔ یعنے اختلافِ استعدادات وطبائع اسی غرض سے حکیمِ مطلق نے کیا تا اس کی عظمت وقدرت شناخت کی جائے۔"

(براہین احمدیہ حصہ سوم، روحانی خزائن جلد اول، حاشیہ صفحہ ۲۰۴ تا ۲۰۷)

بَاب ۱: وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ (نوح: ۲٤)

ودّ اور نہ سواع اور نہ یغوث اور یعوق

٤٩٢٠: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ. وَقَالَ عَطَاءٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا صَارَتِ الْأَوْثَانُ الَّتِي كَانَتْ فِي قَوْمِ نُوحٍ فِي الْعَرَبِ بَعْدُ أَمَّا وَدٌّ فَكَانَتْ

۴۹۲۰: ابراہیم بن موسیٰ نے ہم سے بیان کیا کہ ہشام (بن یوسف) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ابن جریج سے روایت کی۔ اور عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ (انہوں نے کہا:) وہ بُت جو کہ قوم نوحؑ میں تھے، وہ بعد میں

لِكَلْبٍ بِدَوْمَةِ الْجَنْدَلِ وَأَمَّا سُوَاعٌ فَكَانَتْ لِهُذَيْلٍ وَأَمَّا يَغُوثُ فَكَانَتْ لِمُرَادٍ ثُمَّ لِبَنِي غُطَيْفٍ بِالْجُرُفِ عِنْدَ سَبَإٍ وَأَمَّا يَعُوقُ فَكَانَتْ لِهَمْدَانَ وَأَمَّا نَسْرٌ فَكَانَتْ لِحِمْيَرَ لِآلِ ذِي الْكَلَاعِ أَسْمَاءُ رِجَالٍ صَالِحِينَ مِنْ قَوْمِ نُوحٍ فَلَمَّا هَلَكُوا أَوْحَى الشَّيْطَانُ إِلَى قَوْمِهِمْ أَنِ انْصِبُوا إِلَى مَجَالِسِهِمُ الَّتِي كَانُوا يَجْلِسُونَ أَنْصَابًا وَسَمُّوهَا بِأَسْمَائِهِمْ فَفَعَلُوا فَلَمْ تُعْبَدْ حَتَّى إِذَا هَلَكَ أُولَئِكَ وَتَنَسَّخَ الْعِلْمُ عُبِدَتْ.

عربوں میں آ گئے۔ وُدّ جو تھا تو وہ اس کلب قبیلے کا تھا جو دومۃ الجندل میں آباد تھا۔ اور جو سُواع تھا تو وہ ہُذیل قبیلہ کا تھا اور یَغُوث مراد قبیلے کا تھا، پھر وہ بنو غُطیف کا ہو گیا جو سبا شہر کے پاس جرف میں رہتا تھا۔ اور جو یَعُوق تھا وہ ہمدان قبیلے کا۔ اور جو نَسْر تھا تو وہ حِمیَر کا، جو ذِی الْکَلَاع کی اولاد تھے۔ یہ سب ان چند نیک آدمیوں کے نام ہیں جو حضرت نوحؑ کی قوم میں سے تھے۔ جب وہ مر گئے تو شیطان نے ان کی قوم کے دل میں یہ ڈالا کہ اُن جگہوں میں جہاں وہ بیٹھا کرتے تھے بُت کھڑے کر دو اور اُن کے ناموں پر اِن کے نام رکھو۔ چنانچہ انہوں نے (ایسا ہی) کیا۔ اور ان کو نہیں پوجا جاتا تھا۔ مگر جب وہ لوگ ہلاک ہو گئے اور اصل معلومات نہ رہیں تو ان کو پوجنا شروع کر دیا۔

تشریح: **وَدًّا وَّ لَا سُوَاعًا:** فرماتا ہے: وَ قَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَ لَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّ لَا سُوَاعًا ۙ وَّ لَا يَغُوْثَ وَ يَعُوْقَ وَ نَسْرًا ۝ (نوح: ۲۴) اور (اپنی قوم سے) کہتے رہے ہیں کہ تم اپنے معبودوں کو مت چھوڑنا۔ نہ ودّ کو چھوڑنا، نہ سواع کو چھوڑنا اور نہ یغوث کو اور نہ یعوق کو اور نہ نسر کو۔ (ترجمہ تفسیر صغیر)

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”یہ اُن کے بتوں کے نام ہیں:

۱) **وَدًّا:** محبت اور خواہش کا دیوتا جس کے متعلق ان کا خیال تھا کہ وہ اپنے ارادے سے ایجادِ عالم کا باعث ہوا۔ اس کو مرد کی صورت پر بنایا جاتا ہے۔ ہندوؤں میں اس کے بالمقابل برہما ہے۔

۲) **سُوَاعَ:** بقائے عالم کا بت جو عورت کی شکل میں ہوتا ہے اس کے مقابل ہندو میتھالوجی میں بِشن ہے۔

۳) یَغُوْثَ: حاجت روائی اور فریاد رسی کا دیوتا۔ اس کی شکل گھوڑے کی تھی۔ شاید اس واسطے کہ فریاد رسی کے لیے تیز رفتاری کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس طرح ہندوؤں میں اِندر دیوتا ہے۔

۴) یَعُوْقَ: (عوق سے مشتق ہے۔ بمعنے روکنا اور دفع کرنا) یہ مصیبتوں اور دشمنوں کے روکنے کا بت تھا۔ بشکل شیر۔ ہندوؤں میں اس کے بالمقابل شنگھ اوتار دیوتا ہے۔

۵) نَسْرًا: طولِ عمر کا دیوتا بشکل باز بنا ہوا ہوتا ہے۔

یہی بت اس قوم کی ہلاکت کا موجب ہوئے۔"

(حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۲۱۸)

۷۲- سُورَةُ قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لِبَدًا (الجن: ۲۰) أَعْوَانًا. حضرت ابن عباسؓ نے کہا: لِبَدًا کے معنی ہیں مددگار۔

تشریح: لِبَدًا: حضرت ابن عباسؓ نے کہا: لِبَدًا کے معنی ہیں أَعْوَانًا یعنی مددگار۔ علامہ عینی لکھتے ہیں: أَعْوَانًا عَوْن کی جمع ہے اور اس کے معنی ہیں کسی امر کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرنا۔

(عمدۃ القاری جزء ۱۹ صفحہ ۲۶۳)

مراد یہ ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اکٹھے ہو کر اس نور کو مٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے: وَ أَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ۝ (الجن: ۲۰) یعنی اور یقیناً جب بھی اللہ کا بندہ اُس کو پکارتے ہوئے کھڑا ہوا تو وہ قریب ہوتے ہیں کہ اس پر غول در غول ٹوٹ پڑیں۔

(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ)

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا: كَادُوْا کی ضمیر جنّ اور انس، کفّار اور مومن سب کی طرف راجع ہو سکتی ہے۔ لِبَدٌ لِبَدَةٌ کی جمع ہے۔ اور لَبَدَهُ کے معنے بعض کو بعض پر لپیٹنا۔ لُبَد بِضَمِّ اللَّامِ وَفَتْحِ الْبَاءِ بھی قراءت ہے، معنے یہ ہوئے کہ کفّار مشرکین قرآن سنانے کے وقت مخالفت پر آمادہ ہو کر نبی پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور مومن مسلمین بھی اطاعت، انقیاد اور حفظ کلام کی نیّت سے مسابقت کرتے ہیں۔ جنّوں کی طرف بھی اسی اعتبار سے كَادُوْا کا مرجع ہو سکتا ہے۔" (حقائق الفرقان، جلد ۴ صفحہ ۲۲۷)

باب ۱

۴۹۲۱: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ انْطَلَقَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي طَائِفَةٍ مِّنْ أَصْحَابِهِ عَامِدِينَ

۴۹۲۱: موسیٰ بن اسماعیل نے ہم سے بیان کیا کہ ابو عوانہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ابو بشر سے، ابو بشر نے سعید بن جبیر سے، سعید نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں میں سے

إِلَى سُوقِ عُكَاظٍ وَقَدْ حِيلَ بَيْنَ الشَّيَاطِينِ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ وَأُرْسِلَتْ عَلَيْهِمُ الشُّهُبُ فَرَجَعَتِ الشَّيَاطِينُ فَقَالُوا مَا لَكُمْ فَقَالُوا حِيلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ وَأُرْسِلَتْ عَلَيْنَا الشُّهُبُ قَالَ مَا حَالَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ إِلَّا مَا حَدَثَ فَاضْرِبُوا مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا فَانْظُرُوا مَا هَذَا الْأَمْرُ الَّذِي حَدَثَ فَانْطَلَقُوا فَضَرَبُوا مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا يَنْظُرُونَ مَا هَذَا الْأَمْرُ الَّذِي حَالَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ قَالَ فَانْطَلَقَ الَّذِينَ تَوَجَّهُوا نَحْوَ تِهَامَةَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَخْلَةَ وَهُوَ عَامِدٌ إِلَى سُوقِ عُكَاظٍ وَهُوَ يُصَلِّي بِأَصْحَابِهِ صَلَاةَ الْفَجْرِ فَلَمَّا سَمِعُوا الْقُرْآنَ تَسَمَّعُوا لَهُ فَقَالُوا هَذَا الَّذِي حَالَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ فَهُنَالِكَ رَجَعُوا إِلَى قَوْمِهِمْ فَقَالُوا يَا قَوْمَنَا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۝ (الجن:۲،۳) وَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ

چند لوگوں کے ساتھ عکاظ کی منڈی کا قصد کرتے ہوئے چل پڑے۔ اور اُن دنوں شیطانوں کو آسمان کی خبر معلوم کرنے سے روک دیا گیا تھا اور ان پر شہاب ثاقب برسائے جاتے تھے۔ یہ دیکھ کر شیطان لوٹ آئے۔ لوگوں نے پوچھا: تمہیں کیا ہوا؟ تو انہوں نے کہا: آسمان کی ٹوہ لگانے سے ہمیں روک دیا گیا ہے اور ہم پر شہاب ثاقب برسائے گئے۔ کسی نے کہا: یہ جو آسمان کی خبر معلوم کرنے سے تمہارے لئے روک ہوگئی ہے تو ضرور کوئی نہ کوئی نئی بات ہوئی ہے۔ اس لئے زمین کے مشرق و مغرب میں پھر کر دیکھو، یہ کیا نئی بات ہے جو ہوئی ہے۔ وہ روانہ ہوگئے اور زمین کے مشرق و مغرب میں پھرے، دیکھنے لگے، یہ کیا بات ہے کہ جو اُن کے اور آسمان کی خبر کے درمیان حائل ہوگئی ہے؟ (حضرت ابن عباسؓ) کہتے تھے کہ وہ لوگ جو کہ تہامہ کی طرف گئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نخلہ مقام میں آئے جبکہ آپؐ سوق عکاظ میں جا رہے تھے۔ آپؐ اپنے ساتھیوں کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ جب انہوں نے قرآن سنا تو کان لگا کر اس کو سننے لگے۔ انہوں نے کہا: یہ ہے وہ جو تمہارے اور آسمان کی خبر کے درمیان روک ہوا۔ پھر وہ وہیں سے اپنی قوم کے پاس لوٹ گئے اور کہنے لگے: اے ہماری قوم! ہم نے ایک عجیب قرآن سنا جو

عَلٰى نَبِيِّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْ أُوْحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ (الجن:۲) وَإِنَّمَا أُوحِيَ إِلَيْهِ قَوْلُ الْجِنِّ.

سراسر بھلائی کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ ہم اس پر ایمان لائے اور ہم تو اپنے ربّ کے ساتھ کسی کو بھی ہرگز شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ اور اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ وحی نازل کی: تو کہہ! میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ جنوں میں سے ایک جماعت نے (قرآن) سنا ہے۔ اور آپؐ کو جنوں کی یہ بات وحی سے ہی بتائی گئی تھی۔

طرفہ: ۷۷۳۔

تشریح: عُکَاظ نخلہ اور طائف کے درمیان ایک مشہور مقام ہے۔ یہاں میلہ لگا کرتا تھا۔ طائف سے دس میل کے فاصلہ پر ہے۔ (عمدۃ القاری جزء۶ صفحہ ۳۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس میلے میں بغرض تبلیغ تشریف لے جایا کرتے تھے۔ واقعہ مذکور مکی زندگی کا ہے۔ سورۂ جنّ ہجرت سے دو سال قبل نازل ہوئی اور اس وقت حضرت عبداللہ بن عباسؓ ایک سال کے تھے۔ اس لئے یہ امر یقینی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے واقعہ مذکور کسی سے سن کر بیان کیا ہے۔

إِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝ يَّهْدِيْٓ إِلَى الرُّشْدِ: ہم نے ایک عجیب قرآن سنا جو سراسر بھلائی کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اےؓ فرماتے ہیں:

"طائف کے سفر کے متعلق یہ بھی روایت آئی ہے کہ جب آپؐ اس سفر سے واپس تشریف لا رہے تھے تو نخلہ میں رات کے وقت جب کہ آپؐ قرآن شریف کی تلاوت میں مصروف تھے جنات کا ایک گروہ جو سات نفوس پر مشتمل تھا اور شام کے ایک شہر نصیبین[۱] سے آیا تھا آپؐ کے پاس سے گذرا اور اُس نے آپؐ کی تلاوت کو سُنا اور اس سے متأثر ہوا اور جب یہ جنّ اپنی قوم کی طرف واپس گئے تو اُنہوں نے اپنی قوم سے آپؐ کی بعثت اور قرآن شریف کا ذکر کیا۔ قرآن شریف میں اس واقعہ کا دو جگہ ذکر آتا ہے[۲] اور دونوں جگہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت

---

۱ زیادہ صحیح طور پر یہ شہر شام اور عراق کے درمیان واقع ہے۔ (سیرت خاتم النبیین ﷺ، حاشیہ صفحہ ۲۰۷)

۲ (سورۃ الاحقاف:۳۰) (سورۃ الجن:۲)

صلی اللہ علیہ وسلم کو ان جنوں کے آنے کا خود براہ راست علم نہیں ہوا بلکہ ان کے چلے جانے کے بعد خدائی وحی کے ذریعہ اس بات کی اطلاع دی گئی کہ ایک جنوں کا گروہ آپؐ کی تلاوت کو سُن گیا ہے۔ حدیث میں بھی متفرق جگہ اس واقعہ کا ذکر آتا ہے اور گو تاریخی بیان سے حدیث کا بیان بعض تفصیلات میں مختلف ہے مگر مآل ایک ہی ہے کہ جنّات کے ایک وفد نے ایک سفر کی حالت میں آپؐ کی تلاوتِ قرآنِ کریم کو سُنا اور پھر اس سے متأثر ہو کر اپنی قوم کی طرف واپس لَوٹ گیا۔[1] یہ ممکن ہے کہ یہ واقعہ ایک سے زیادہ دفعہ ہوا ہو جس کی وجہ سے روایات میں باہمی اختلاف ہو گیا ہے لیکن اس جگہ ہمیں اس واقعہ کی ظاہری تفصیلات سے زیادہ سروکار نہیں ہے بلکہ مختصر طور پر صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ اس جگہ جنّات سے کیا مراد ہے اور ان کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلنا اور پھر کلامِ مجید کی تلاوت سُن کر واپس لوٹ جانا کس غرض و غایت کے ماتحت تھا۔۔۔

دراصل جنّ ایک عربی لفظ ہے جس کے روٹ میں چھپنے یا چھپانے یا نظروں سے پوشیدہ ہونے یا پردہ میں رہنے یا آڑ میں آجانے یا سایہ یا اندھیرا کرنے کے معنے ہیں۔ چنانچہ عربی میں جنت باغ کو کہتے ہیں کیونکہ اس کے درخت زمین پر سایہ کر کے اُسے چھپالیتے ہیں۔ جنین اس بچہ کو کہتے ہیں جو ابھی رحم مادر میں ہے کیونکہ وہ رحم کے پَردوں میں مخفی ہوتا ہے۔ مِجنّہ ڈھال کو کہتے ہیں کیونکہ اس کے پیچھے ایک جنگجو سپاہی لڑائی کے وقت میں آڑ لیتا ہے۔ جنون دیوانگی کو کہتے ہیں کیونکہ وہ عقل پر پَردہ ڈال دیتی ہے۔ جَنان دل کو کہتے ہیں کیونکہ وہ سینہ میں مخفی ہوتا ہے۔ اسی طرح جنان رات یا لباس کو بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ اندھیرا کرنے یا ڈھانکنے کا ذریعہ ہیں۔ جَنَن قبر یا کفن کو کہتے ہیں کیونکہ یہ دونوں مُردے کو اپنے اندر چھپالیتے ہیں۔ جَان سانپ کو کہتے ہیں کیونکہ وہ عموماً زمین کے مخفی سوراخوں میں زندگی گذارتا ہے۔ جُنّہ اوڑھنی کو کہتے ہیں کیونکہ وہ سر اور چھاتی کو ڈھانکتی ہے وغیرہ ذالک۔[2] اس اصل کے ماتحت بعض اوقات عربی محاورہ میں جنّ کا لفظ ایسے اُمراء و رؤساء کے لیے بھی

[1] (صحیح مسلم، كِتَابُ الصَّلَاةِ، بَابُ الْجَهْرِ بِالْقِرَاءَةِ فِي الصُّبْحِ)
[2] (اقرب الموارد- جنن)

استعمال ہو جاتا ہے جو بوجہ امارت اور علو منزلت اور استکبار کے عام لوگوں کی سوسائٹی میں میل جول نہیں رکھتے اور علیحدگی میں زندگی گذارتے ہیں۔ چنانچہ بسا اوقات قرآن شریف میں جنّ کا لفظ اِنْس یعنی عامۃ الناس کے مقابلہ میں امراء کے طبقہ کے لئے استعمال ہوا ہے اور ان معنوں میں یہ لفظ عموماً بُرے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح ایسی قوموں پر بھی جنّ کا لفظ بول دیتے ہیں جو کسی ایسی علیحدہ اور منقطع جگہ میں آباد ہوں کہ دوسرے لوگوں کے ساتھ ان کا زیادہ میل ملاپ ممکن نہ ہو اور انہی دو معنوں کے پیش نظر بعض محققین نے آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں جنوں کے وفد کے حاضر ہونے سے یہ مراد لیا ہے کہ یہ لوگ یا تو خاص امراء کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہوں گے جنہوں نے برملا طور پر آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضر ہونے سے پرہیز کیا اور علیحدگی میں آپؐ کا کلام سُن کر واپس چلے گئے اور یا وہ کسی دُور افتادہ قوم کے افراد ہوں گے جو اپنے ماحول کی وجہ سے دُوسرے لوگوں سے بالکل جُدا اور علیحدہ رہتی ہوگی۔ ہمیں ان معنوں کے قبول کرنے میں کوئی تأمل نہیں ہے اور اگر نخلہ میں جنوں کے وفد کے حاضر ہونے سے مراد اُمراء کے کسی وفد کا حاضر ہونا یا کسی دُور افتادہ منقطع قوم کے افراد کا پیش ہونا مراد ہے تو پھر اس میں خدا تعالیٰ کا یہ اشارہ ہوگا کہ اے رسول! مکّہ اور طائف میں بظاہر اپنی ناکامیوں کو دیکھ کر پریشان اور دلگیر نہ ہو کیونکہ اب وقت آتا ہے کہ عوام النّاس تو کیا بڑے بڑے امیر و کبیر لوگ تیرے جھنڈے کے نیچے جمع ہوں گے اور دُنیا کی دُور افتادہ قومیں تیری غلامی کا جوا اپنی گردنوں پر رکھیں گی۔

لیکن اگر جنّ سے وہ مخفی مخلوق مراد ہے جس کی تفصیلات کا ہم کو علم نہیں، لیکن اس کا وجود نصوصِ قرآنی کے ساتھ ثابت ہے تو اس میں بھی کسی عقلمند انسان کو شُبہ کی گنجائش نہیں ہو سکتی کیونکہ خدا تعالیٰ کی قدرت اور اس کی خلق کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ کسی مخلوق کی نظر اس کی انتہاء کو نہیں پا سکتی۔ جہاں انسان کے سوا اس مرئی دنیا میں ہزاروں لاکھوں بلکہ کروڑوں قسم کی دوسری مخلوق موجود ہے جن میں سے بعض قسم کی مخلوق مرئی ہونے کے باوجود ہماری کوتاہ نظر سے پوشیدہ رہتی

ہے اور اس مخلوق کے وجود پر علم طب اور سائنس کے دُوسرے شعبے یقینی قطعی شاہد ہیں تو پھر اس بات کے ماننے میں کیا تأمل ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی مخلوق جنّ کی قسم کی بھی موجود ہو گی جو باوجود انسانی نظر سے پوشیدہ ہونے کے اسی طرح زندہ اور قائم ہو گی جس طرح انسان اپنے دائرہ کے اندر زندہ اور قائم ہے۔ بے شک اسلام ہمیں اس رنگ میں جنّات کی تعلیم نہیں دیتا کہ ہم موہومہ بھوتوں وغیرہ کی صورت میں کسی ایسی مخلوق کے قائل ہوں جس کے افراد انسانی نظروں سے پوشیدہ رہتے ہوئے انسان کے لیے ایک تماشہ بنتے پھریں اور انسان کے سامنے مختلف صورتیں بدل بدل کر اُس کی تفریح یا تخویف کا سامان بہم پہنچائیں۔ یہ خیالات جاہلانہ توہّم پر مبنی ہیں۔ جن کا کوئی ثبوت اسلامی تاریخ یا حدیث یا قرآن کریم میں نہیں ملتا مگر یہ کہ جس طرح دُنیا میں اللہ تعالیٰ کی بیشمار دُوسری مخلوق ہے جس میں بڑی چھوٹی کثیف لطیف مَرئی و غیر مَرئی ہر قسم کی چیزیں شامل ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق جنّ بھی ہے جو جیسا کہ اس کا نام ظاہر کرتا ہے، انسان کی نظروں سے مخفی ہے اور ایک جداگانہ عالم سے تعلق رکھتی ہے اور عام حالات میں انسان کے ساتھ اس کا کوئی سروکار نہیں۔ یہ وہ عقیدہ ہے جس پر کوئی عقلمند اعتراض نہیں کر سکتا۔

باقی رہا یہ سوال کہ ان معنوں کی رُو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جنّات کے وفد آنے سے کیا مراد ہے؟ سو اس صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نظارہ ایک کشفی نظارہ سمجھا جائے گا اور اس سے مراد یہ ہو گی کہ اس انتہائی درجہ پریشانی اور بے بسی کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو یہ نظارہ دکھا کر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ اے رسول گو ویسے ہر وقت ہی ہماری نصرت تیرے ساتھ ہے لیکن جس طرح گرمی کی شدّت خاص طور پر بادل کو کھینچتی ہے اسی طرح اب وقت آگیا ہے کہ ہماری مخفی طاقتیں تیری رسالت کی تائید میں خصوصیّت کے ساتھ مصروفِ کار ہو جائیں۔ چنانچہ اس کے بعد جلد ہی حالات نے پلٹا کھایا اور ہجرت یثرب کا پردہ اُٹھتے ہی خدا کی مخفی تجلّیات اسلام کے جھنڈے کو اٹھا کر کہیں کا کہیں لے گئیں۔ اور روایات میں جو سات کا لفظ آتا ہے سو اس سے

مخفی طاقتوں کا کامل ظہور مراد ہے کیونکہ عربی میں سات کا عدد کمال کے اظہار کے لیے آتا ہے اور شام کے شہر نصیبین میں یہ اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی فتوحات کی رَو عرب کے بعد شام کے مُلک سے شروع ہوگی۔ واللہ اعلم۔"

(سیرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم مصنفہ حضرت مرزا بشیر احمد ایم اےؓ صفحہ ۲۰۶ تا ۲۱۰)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"جنّات کی حقیقت پر غور کرنے کے لئے سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ آیا قرآن کریم میں صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق ہی یہ ذکر آتا ہے کہ ان کے پاس جنّ تھے یا کسی اور نبی کے متعلق بھی کہا گیا ہے کہ اس کے پاس جنّ آئے۔ اس غرض کے لئے جب ہم قرآن کریم کو دیکھتے ہیں تو ہمیں سورۃ احقاف میں یہ آیات نظر آتی ہیں: وَ اِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَ لَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ○ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَ اِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَ اٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ يُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ (احقاف ع ۴) فرماتا ہے اس وقت کو بھی یاد کرو جبکہ ہم جنوں میں سے کچھ لوگوں کو تیری طرف لائے جو قرآن سننے کی خواہش رکھتے تھے۔ جب وہ تیری مجلس میں پہنچے تو کہنے لگے چپ کرو تا کہ اس کی آواز ہمارے کانوں میں اچھی طرح پڑے۔ جب قرآن کریم کی تلاوت ختم ہوگئی تو وہ اپنی قوم کی طرف واپس چلے گئے اور کہنے لگے۔ اے ہماری قوم ہم نے ایک کتاب کی تلاوت سنی ہے جو موسیٰؑ کے بعد اُتاری گئی ہے۔ اور جو کتابیں اس سے پہلے اُتری ہیں ان سب کی تصدیق کرتی ہے اور حق کی طرف بلاتی اور سیدھا راستہ دکھاتی ہے۔ اے قوم۔ اللہ تعالیٰ کے منادی کی آواز کو سنو اور اسے قبول کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں دردناک عذاب سے بچائے گا۔

پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنّ تورات پر، حضرت موسیٰؑ پر اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لائے تھے۔ پس سلیمانؑ ہی ایک ایسے نبی

نہیں جن پر جنّ ایمان لائے بلکہ موسیٰؑ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی قرآن کریم سے ثابت ہے کہ جنّات ان پر ایمان لائے۔ مگر افسوس ہے کہ مفسرین حضرت سلیمانؑ کے جنوں کے متعلق تو عجیب عجیب قصے سناتے ہیں۔ کہتے ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام قالین پر بیٹھ جاتے اور چار جنّوں کو چار گوشے پکڑوا دیتے اور وہ انہیں اُڑا کر آسمانوں کی سیر کراتے۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو جنّ ایمان لائے ان کے متعلق کسی ضعیف سے ضعیف روایت سے بھی یہ ثابت نہیں کرتے کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کبھی ایسی مدد کی ہو حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بڑی بڑی تکلیفیں اٹھا کر سفر کرتے تھے۔ آپؐ کے صحابہؓ کو کئی دفعہ سواریاں نہ ملتیں اور وہ روتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور کہتے کہ ہمارے لئے کسی سواری کا انتظام فرما دیجئے تو ہم جانے کے لئے حاضر ہیں۔ کئی دفعہ صحابہؓ نے ننگے پیر لمبے لمبے سفر کئے ہیں۔ مگر یہ تمام دکھ اور تکلیفیں دیکھنے کے باوجود ان سنگدل جنّوں کا دل نہ پسیجا۔ وہ حضرت سلیمانؑ کے وقت تو لشکر کا لشکر اٹھا کر دوسری جگہ پہنچا دیتے تھے اور یہاں ان سے اتنا بھی نہ ہوا کہ دس بیس مہاجرین کو ہی اٹھا کر میدان جنگ میں پہنچا دیتے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ جنّ غیر از انسان وجود ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ اور حضرت سلیمان علیہم السلام پر ایمان لائے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ کیا ان معنوں کو قرآن کریم تسلیم کرتا ہے۔ اگر یہ ایک استعارہ ہے تو یقیناً قرآن کریم نے اس کو اپنی کسی دوسری آیت میں حل کیا ہوگا۔ اور استعارہ تسلیم نہ کرنے کی صورت میں قرآن کریم کی دو آیتیں باہم ٹکرا جائیں گی اور اس طرح قرآن کریم میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔ پس ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ اس کو استعارہ تسلیم نہ کرنے سے قرآن کریم میں اختلاف پیدا ہوتا ہے یا استعارہ تسلیم کر کے اختلاف پیدا ہوتا ہے۔

استعارہ کے متعلق یہ امر بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جو لوگ اسے استعارہ نہیں سمجھتے وہ کہتے ہیں کہ یہ ایسا ہی لفظ ہے جیسے شیطان کا لفظ آتا ہے۔ جس طرح شیطان

سے مراد ایک ایسی مخلوق ہے جو انسانوں سے علیحدہ ہے اسی طرح جن بھی ایک ایسی مخلوق ہے جو انسانوں سے الگ ہے حالانکہ وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ میں مفسرین بالاتفاق کہتے ہیں کہ اس جگہ شیاطین سے مراد یہود اور ان کے بڑے بڑے سردار ہیں۔ پس اگر انسان شیطان بن سکتا ہے تو انسان جنّ کیوں نہیں بن سکتا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا (انعام ع ۱۴) کہ ہم نے ہر نبی کے دشمن بنائے ہیں۔ شیطان آدمیوں میں سے بھی اور جنّوں میں سے بھی جو لوگوں کو مخالفت پر اکساتے اور انہیں نبی اور اس کی جماعت کے خلاف برانگیختہ کرتے رہتے ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر بتادیا ہے کہ انسان بھی شیطان ہوتے ہیں۔ پس اگر شیاطین الانس ہوسکتے ہیں تو جن الانس کیوں نہیں ہو سکتے۔ یعنی جس طرح انسانوں میں سے شیطان کہلانے والے پیدا ہوسکتے ہیں اسی طرح ان میں جنّ کہلانے والے بھی پیدا ہوسکتے ہیں۔ بہر حال قرآن کریم سے ہمیں پتہ لگ گیا کہ صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کے قبضہ میں ہی جنّ نہیں تھے بلکہ حضرت موسیٰ ؑ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی جنّ ایمان لائے تھے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کن کی طرف ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ سورۂ نساء میں اس کے متعلق فرماتا ہے وَ اَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا (نساء ع ۱۱) ہم نے تجھے تمام آدمیوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ اس آیت میں صاف طور پر فرماتا ہے کہ ہم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام آدمیوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا حالانکہ اگر آدمیوں کے علاوہ کوئی اور نرالی مخلوق جسے جنّ کہتے ہیں آپؐ پر ایمان لائی تھی تو یہ کہنا چاہیئے تھا کہ اَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ وَالْجِنِّ رَسُوْلًا مگر وہ یہ نہیں فرماتا۔ بلکہ فرماتا ہے کہ ہم نے تجھے آدمیوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا۔ تو جب آدمیوں کی طرف ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث کئے گئے تھے تو صاف پتہ لگ گیا کہ جہاں یہ ذکر ہے کہ جنّ آپؐ پر ایمان لائے وہاں ان سے جنّ الانس ہی مراد ہیں نہ کہ کوئی اور نرالی مخلوق جس کا نقشہ عام

لوگوں کے دماغوں میں ہے۔ اسی طرح ایک حدیث میں جس کے راوی حضرت جابر بن عبد اللہ ہیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے پانچ ایسی خصوصیتیں عطا کی گئی ہیں جو پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ ان میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ كَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً کہ پہلے ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً مگر میں روئے زمین کے تمام آدمیوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ یہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم قطعی طور پر بیان فرماتے ہیں کہ انبیائے سابقین میں سے ایک نبی بھی ایسا نہیں جو اپنی قوم کے سوا کسی اور قوم کی طرف مبعوث ہوا ہو۔ لیکن مسلمان یہ کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جنّوں اور طیور اور چیونٹیوں کی طرف بھی بھیجے گئے تھے۔ اگر واقعہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام جنّوں اور طیور کی طرف مبعوث ہوئے تھے تو وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نعوذ باللہ درجہ میں بڑھ گئے کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو صرف انسانوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔

پھر اگر یہ جنّ غیر از انسان ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے مخاطب کیونکر ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ۚ يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِنَ الْإِنْسِ (انعام ع ۱۵) یعنی جب قیامت کے دن سب لوگ جمع ہوں گے تو ہم جنّوں سے مخاطب ہوتے ہوئے کہیں گے اے جنّوں کے گروہ! تم نے اکثر حصۂ انسان کو اپنے قابو میں کیا ہوا تھا۔ ہم تو جنّوں کو تلاش کرتے کرتے تھک گئے مگر قرآن یہ کہتا ہے کہ جنّوں نے اکثروں کو قابو کیا ہوا ہے۔ حالانکہ ہم تلاش کرتے ہیں تو وہ ملتے نہیں۔ لوگ وظیفے پڑھتے ہیں، چلّہ کشیاں کرتے ہیں اور جب ان کا دماغ خراب ہو جاتا ہے اور خشکی سے کان بجنے لگتے ہیں تو کہتے ہیں جنّ آ گیا۔ حالانکہ اس وقت جنّ نہیں آتا بلکہ اس وقت وہ خود دنیا سے کھوئے جاتے اور پاگل ہو جاتے ہیں۔ تر و تازہ دماغ کے ہوتے ہوئے جنّ کبھی انسان کے پاس نہیں آتے۔

غرض جنّوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِنَ الْإِنْسِ تم نے انسانوں سے بہت سے فائدے اٹھائے ہیں۔ اور وہ جو انسان ہیں وہ بھی کہیں

گے کہ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ ہم میں سے بعض نے بعض سے بڑا فائدہ اٹھایا ہے۔ اب اپنے اپنے محلہ اور گاؤں میں پھر کر لوگوں سے دریافت کر لو کہ کیا پچاس یا اکاون فیصدی لوگ جنّوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں؟ سو میں سے ایک بھی ایسا شخص نہیں ملے گا جو یہ کہتا ہو کہ میں جنّوں سے فائدہ اٹھاتا ہوں اور میرے ان سے تعلقات ہیں۔ جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جنّ سے مراد انسانوں کے علاوہ کوئی اور مخلوق نہیں بلکہ انسانوں میں سے ہی بعض جنّ مراد ہیں۔ اور انسانی جنّوں کی دوستیاں بڑی کثرت سے نظر آتی ہیں۔

پھر اس سے بڑھ کر ایک اَور دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ۔ اے جنّوں اور انسانوں کے گروہ جو ہمارے سامنے کھڑے ہو۔ بتاؤ کیا تمہارے پاس ایسے رسول نہیں آئے جو تمہی میں سے تھے۔ اب بتاؤ جب خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بعض جنّ بھی ایمان لائے اور دوسری طرف یہ فرماتا ہے کہ ہمارا رسول بھی انہیں میں سے تھا تو کیا اس سے صاف ثابت نہیں ہوتا کہ وہ جنّ بھی انسان ہی تھے کوئی غیر از انسان وجود نہیں تھے؟ پھر یہیں تک بات ختم نہیں کی بلکہ فرمایا وَ یُنْذِرُوْنَکُمْ لِقَآءَ یَوْمِکُمْ ھٰذَا۔ وہ تمہیں انذار بھی کرتے تھے اور قیامت کے دن سے ڈراتے تھے۔ گویا حضرت موسیٰؑ اور حضرت سلیمانؑ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنوں کو ڈرایا بھی کرتے تھے اور انہیں یوم آخرت اور اللہ تعالیٰ کا خوف دلایا کرتے تھے۔ جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ یہ جنّ جنّ الانس ہی تھے کوئی اَور مخلوق نہیں تھے۔ جس طرح شیاطین الانس ہوتے ہیں اسی طرح جن الانس بھی ہوتے ہیں۔

اب ایک اور موٹی مثال سنو۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاہِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ۝ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ وَ تُعَزِّرُوْہُ وَ تُوَقِّرُوْہُ (الفتح ع ۱) کہ ہم نے اس رسول کو اس لئے بھیجا ہے تا کہ تم ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو۔ اب جبکہ جنّ بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے تو کیا کوئی ثابت کر سکتا ہے کہ ان جنّوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کبھی مدد کی ہو۔

ایک معمولی ملّا کے لئے تو وہ انگوروں کے خوشے لا سکتے ہیں مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وہ روٹی کا ایک ٹکڑا بھی نہ لائے اور آپؐ کو بسا اوقات فاقے کرنے پڑے۔ ایک دفعہ آپؐ کے چہرہ پر ضعف کے آثار دیکھ کر صحابہؓ نے سمجھا کہ آپؐ کو بھوک لگی ہوئی ہے۔ چنانچہ ایک صحابیؓ نے بکری ذبح کی اور آپؐ کو اور بعض اَور صحابہؓ کو کھانا کھلایا۔ مگر ایسے مواقع میں سے ایک موقع پر بھی تو جنوں نے مدد نہیں کی۔ میں سمجھتا ہوں وہ بڑے ہی بے شرم جنّ تھے کہ وہ آجکل کے ملنٹوں کو تو سیب اور انگور لا کر کھلاتے ہیں مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جن پر وہ ایمان لائے تھے انہوں نے کبھی ایک جَو کی روٹی بھی نہ دی۔ پھر وہ مومن کس طرح ہو گئے؟ وہ تو پکے کافر تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ خیال ہی بالکل غلط ہے کہ جنّ کوئی ایسی مخلوق ہے جو انسانوں سے نرالی ہے۔ وہ جنّ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے وہ بھی انسان ہی تھے اور جس طرح اَور لوگوں نے آپؐ کی مدد کی وہ بھی مدد کرتے رہے۔ اگر کوئی نرالی مخلوق مانی جائے تو پھر اس سوال کا حل کرنا ان لوگوں کے ذمہ ہو گا جو جنّات کے قائل ہیں کہ کیا وجہ ہے کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی مدد نہ کی۔ حالانکہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا چکے تھے اور انہیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کریں۔"

(تفسیر کبیر، سورۃ النمل، زیر آیت وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ، جلد ۷ صفحہ ۳۵۹ تا ۳۶۲)

وَأُرْسِلَتْ عَلَيْهِمُ الشُّهُبُ فَرَجَعَتِ الشَّيَاطِينُ: اور ان پر شہاب ثاقب برسائے جاتے تھے۔ یہ دیکھ کر شیطان لوٹ آئے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"عرب کے لوگ بوجہ ان خیالات کے جو کاہنوں کے ذریعہ سے اُن میں پھیل گئے تھے نہایت شدید اعتقاد سے ان باتوں کو مانتے تھے کہ جس وقت کثرت سے ستارے یعنی شہب گرتے ہیں تو کوئی بڑا عظیم الشان انسان پیدا ہوتا ہے خاص کر اُن کے کاہن جو ارواح خبیثہ سے کچھ تعلّق پیدا کر لیتے تھے اور اخبار غیبیہ بتلایا کرتے تھے اُن کا تو گویا پختہ اور یقینی عقیدہ تھا کہ کثرت شہب یعنی تاروں کا معمولی اندازہ

سے بہت زیادہ ٹوٹنا اِس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کوئی نبی دنیا میں پیدا ہونے والا ہے اور ایسا اتفاق ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت حد سے زیادہ سقوط شہب ہوا جیسا کہ سورۃ الجن میں خدا تعالیٰ نے اس واقعہ کی شہادت دی ہے اور حکایتًا عن الجنّات فرماتا ہے۔ وَ اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّ شُهُبًا ○ وَّ اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ○ سورۃ الجن الجزو نمبر ۲۹۔ یعنی ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو اُس کو چوکیداروں سے یعنی فرشتوں سے اور شعلوں سے بھرا ہوا پایا اور ہم پہلے اِس سے امورِ غیبیہ کے سننے کے لئے آسمان میں گھات میں بیٹھا کرتے تھے اور اب جب ہم سننا چاہتے ہیں تو گھات میں ایک شعلے کو پاتے ہیں جو ہم پر گرتا ہے۔ ان آیات کی تائید میں کثرت سے احادیث پائی جاتی ہیں۔ بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ وغیرہ سب اِس قسم کی حدیثیں اپنی تالیفات میں لائے ہیں کہ شہب کا گرنا شیاطین کے رد کرنے کے لئے ہوتا ہے اور امام احمد ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ شہب جاہلیت کے زمانہ میں بھی گرتے تھے لیکن ان کی کثرت اور غلظت بعثت کے وقت میں ہوئی۔ چنانچہ تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت جب کثرت سے شہب گرے تو اہلِ طائف بہت ہی ڈر گئے اور کہنے لگے کہ شاید آسمان کے لوگوں میں تہلکہ پڑ گیا۔ تب ایک نے اُن میں سے کہا کہ ستاروں کی قرار گاہوں کو دیکھو اگر وہ اپنے محل اور موقعہ سے ٹل گئے ہیں تو آسمان کے لوگوں پر کوئی تباہی آئی ورنہ یہ نشان جو آسمان پر ظاہر ہوا ہے ابن ابی کبشہ کی وجہ سے ہے (وہ لوگ شرارت کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن ابی کبشہ کہتے تھے) غرض عرب کے لوگوں کے دلوں میں یہ بات جمی ہوئی تھی کہ جب کوئی نبی دنیا میں آتا ہے یا کوئی اور عظیم الشان آدمی پیدا ہوتا ہے تو کثرت سے تارے ٹوٹتے ہیں۔ اِسی وجہ سے بمناسبت خیالات عرب کے شہب کے گرنے کی خدائے تعالیٰ نے قسم کھائی جس کا مدعا یہ ہے کہ تم لوگ خود تسلیم کرتے ہو اور تمہارے کاہن اِس بات کو مانتے ہیں کہ جب کثرت سے

شہب گرتے ہیں تو کوئی نبی یا مُلہم من اللہ پیدا ہوتا ہے تو پھر انکار کی کیا وجہ ہے۔ چونکہ شہب کا کثرت سے گرنا عرب کے کاہنوں کی نظر میں اِس بات کے ثبوت کے لئے ایک بدیہی امر تھا کہ کوئی نبی اور ملہم من اللہ پیدا ہوتا ہے اور عرب کے لوگ کاہنوں کے ایسے تابع تھے جیسا کہ ایک مرید مرشد کا تابع ہوتا ہے اِس لئے خدا تعالیٰ نے وہی بدیہی امر اُن کے سامنے قسم کے پیرایہ میں پیش کیا تا اُن کو اِس سچائی کی طرف توجہ پیدا ہو کہ یہ کاروبار خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے انسان کا ساختہ پرداختہ نہیں۔ اگر یہ سوال پیش ہو کہ شہب کا گرنا اگر کسی نبی یا ملہم یا محدّث کے مبعوث ہونے پر دلیل ہے تو پھر کیا وجہ کہ اکثر ہمیشہ شہب گرتے ہیں مگر اُن کے گرنے سے کوئی نبی یا محدّث دنیا میں نزول فرما نہیں ہوتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ حکم کثرت پر ہے اور کچھ شک نہیں کہ جس زمانہ میں یہ واقعات کثرت سے ہوں اور خارق عادت طور پر اُن کی کثرت پائی جائے تو کوئی مرد خدا دنیا میں خدا تعالیٰ کی طرف سے اصلاح خلق اللہ کے لئے آتا ہے۔ کبھی یہ واقعات ارہاص کے طور پر اُس کے وجود سے چند سال پہلے ظہور میں آجاتے ہیں اور کبھی عین ظہور کے وقت جلوہ نما ہوتے ہیں اور کبھی اُس کی کسی اعلیٰ فتحیابی کے وقت یہ خوشی کی روشنی آسمان پر ہوتی ہے۔ ابنِ کثیر نے اپنی تفسیر میں سدی سے روایت کی ہے کہ شہب کا کثرت سے گرنا کسی نبی کے آنے پر دلالت کرتا ہے یا دین کے غلبہ کی بشارت دیتا ہے مگر جو کچھ اشارات نص قرآن کریم سے سمجھا جاتا ہے وہ ایک مفہوم عام ہے جس سے صاف اور صریح طور پر مستنبط ہوتا ہے کہ جب کوئی نبی یا وارث نبی زمین پر مامور ہو کر آوے یا آنے پر ہو یا اُس کے ارہاصات ظاہر ہونے والے ہوں یا کوئی بڑی فتحیابی قریب الوقوع ہو تو ان تمام صورتوں میں ایسے ایسے آثار آسمان پر ظاہر ہوتے ہیں اور اِس سے انکار کرنا نادانی ہے کیونکہ عدم علم سے عدم شے لازم نہیں آتا۔ بعض مصلح اور مجدّد دین دنیا میں ایسے آتے ہیں کہ عام طور پر دُنیا کو اُن کی بھی خبر نہیں ہوتی۔“

(آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد ۵ حاشیہ صفحہ ۱۰۳ تا ۱۰۸)

۷۳- سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: وَ تَبَتَّلْ (المزمل:۹) أَخْلِصْ. وَقَالَ الْحَسَنُ: اَنْكَالًا (المزمل:۱۳) قُيُودًا. مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ (المزمل:۱۹) مُثْقَلَةٌ بِهِ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا (المزمل:۱۵) الرَّمْلُ السَّائِلُ. وَبِيْلًا (المزمل:۱۷) شَدِيدًا.

اور مجاہد نے کہا: وَ تَبَتَّلْ کے معنی ہیں خالص (اسی کا) ہو جا۔ اور حسن نے کہا: اَنْكَالًا کے معنی ہیں بیڑیاں۔ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ یعنی اس کے سبب سے بھاری ہو جائے گی۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا: كَثِيْبًا مَّهِيْلًا کے معنی ہیں ریت کا وہ ٹیلا جو پھسلتا رہے۔ وَبِيْلًا کے معنی ہیں سخت۔

تشریح: سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ: حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اس سے پہلی سورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کی جو کیفیت بیان کی گئی تھی اس کی تفصیل اس سورت کے آغاز ہی میں ملتی ہے جو مختصراً یہ ہے کہ آپؐ راتوں کو اٹھتے تھے۔ اس کا اکثر حصہ گریہ وزاری میں صرف کیا کرتے تھے۔ اپنی نفسانی خواہشات کو روندنے کا اس سے بہتر اور کوئی طریق نہیں کہ انسان رات کو اُٹھ کر عبادت کے ذریعہ اپنی ان خواہشات کو کچل ڈالے۔“

(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تعارف سورۃ المزمل صفحہ ۱۰۸۹)

وَ تَبَتَّلْ: یعنی خالص اسی کا ہو جا۔ فرمایا: وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ○ (المزمل:۹) اور چاہیئے کہ تُو اپنے ربّ کی صفات کو یاد کیا کر اور اُسی سے دل لگایا کر۔ (ترجمہ تفسیر صغیر)

حضرت اقدس مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

”ہمارے نزدیک اس وقت کسی کو مُتَبَتِّلْ کہیں گے جب وہ عملی طور پر اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام اور رضا کو دنیا اور اس کی متعلقات و مکروہات پر مقدم کرے۔ کوئی رسم و عادت کوئی قومی اصول اس کا رہزن نہ ہو سکے، نہ نفس رہزن ہو سکے، نہ بھائی، نہ جورو، نہ بیٹا، نہ باپ۔ غرض کوئی شے اور کوئی متنفس اس کو خدا تعالیٰ کے احکام اور رضا کے مقابلہ میں اپنے اثر کے نیچے نہ لا سکے اور وہ خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول میں ایسا اپنے آپ کو کھو دے کہ اس پر فنائے اتم طاری ہو جائے اور اس کی ساری

خواہشوں اور ارادوں پر ایک موت وارد ہو کر خدا ہی خدا رہ جاوے... پس تبتل تام کی صورت میں یہ ضروری امر ہے کہ ایک سُکر اور فنا انسان پر وارد ہو مگر نہ ایسی کہ وہ اسے خدا سے گم کرے بلکہ خدا میں گم کرے۔ غرض عملی طور پر تبتل کی حقیقت تب ہی کھلتی ہے جبکہ ساری روکیں دور ہو جائیں اور ہر ایک قسم کے حجاب دور ہو کر محبت ذاتی تک انسان کا رابطہ پہنچ جاوے اور فناء اتم ایسی حاصل ہو جاوے۔ قیل و قال کے طور پر تو سب کچھ ہو سکتا ہے اور انسان الفاظ اور بیان میں بہت کچھ ظاہر کر سکتا ہے مگر مشکل ہے تو یہ کہ عملی طور پر اسے دکھا بھی دے جو کچھ وہ کہتا ہے۔ یوں تو ہر ایک خدا کو ماننے والا ہے پسند بھی کرتا ہے اور کہہ بھی دیتا ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ خدا کو سب پر مقدم رکھوں اور مقدم کرنے کا مدعی بھی ہو سکتا ہے لیکن جب ان آثار اور علامات کا معائنہ کرنا چاہیں جو خدا کے مقدم کرنے کے ساتھ ہی عطا ہوتے ہیں تو ایک مشکل کا سامنا ہو گا۔ بات بات پر انسان ٹھوکر کھاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی راہ میں جب اس مال اور جان دینے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ ان سے ان کی جانوں اور مالوں یا اور عزیز ترین اشیاء کی قربانی چاہتا ہے حالانکہ وہ اشیاء ان کی اپنی بھی نہیں ہوتی لیکن پھر بھی وہ مضائقہ کرتے ہیں... تو بات اصل میں یہی ہے کہ کوئی امر محض بات سے نہیں ہو سکتا جب تک عمل اس کے ساتھ نہ ہو اور عملی طور پر صحیح ثابت نہیں ہوتا جب تک امتحان ساتھ نہ ہو۔ ہمارے ہاتھ پر بیعت تو یہی کی جاتی ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم کروں گا اور ایک شخص کو جسے خدا نے اپنا مامور کر کے دنیا میں بھیجا ہے اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب ہے جس کا نام حکم اور عدل رکھا گیا ہے اپنا امام سمجھوں گا۔ اس کے فیصلے پر انشراحِ قلب کے ساتھ رضامند ہو جاؤں گا لیکن اگر کوئی شخص یہ عہد اور اقرار کرنے کے بعد ہمارے کسی فیصلے پر خوشی کے ساتھ رضامند نہیں ہوتا بلکہ اپنے سینہ میں کوئی روک اور اٹک پاتا ہے تو یقیناً کہنا پڑے گا کہ اس نے تبتل حاصل نہیں کیا اور وہ اس اعلیٰ مقام پر نہیں پہنچا جو تبتل کا مقام کہلاتا ہے بلکہ اس کی راہ میں ہوائے نفس اور دنیوی تعلقات کی روکیں اور زنجیریں باقی ہیں اور ان حجابوں سے وہ باہر نہیں نکلا

جن کو پھاڑ کر انسان اس درجہ کو حاصل کرتا ہے جب تک وہ دنیا کے درخت سے کاٹا جاکر الوہیت کی شاخ کے ساتھ ایک پیوند حاصل نہیں کرتا اس کی سرسبزی اور شادابی محال ہے۔ دیکھو جب ایک درخت کی شاخ اس سے کاٹ دی جاوے تو وہ پھل پھول نہیں دے سکتی خواہ اسے پانی کے اندر ہی کیوں نہ رکھو اور ان تمام اسباب کو جو پہلی صورت میں اس کے لئے مایہ حیات تھے استعمال کرو لیکن وہ کبھی بھی بار آور نہ ہوگی۔ اسی طرح پر جب تک ایک صادق کے ساتھ انسان کا پیوند قائم نہیں ہوتا وہ روحانیت کو جذب کرنے کی قوت نہیں پا سکتا جیسے وہ شاخ تنہا اور الگ ہو کر پانی سے سرسبز نہیں ہوتی اسی طرح پر یہ بے تعلق اور الگ ہو کر بار آور نہیں ہو سکتا۔ پس انسان کو متبتل ہونے کے لئے ایک قطع کی ضرورت بھی ہے اور ایک پیوند کی بھی۔ خدا کے ساتھ اسے پیوند کرنا اور دنیا اور اس کے تمام تعلقات اور جذبات سے الگ بھی ہونا پڑے گا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ بالکل دنیا سے الگ رہ کر یہ تعلق اور پیوند حاصل کرے گا۔ نہیں۔ بلکہ دنیا میں رہ کر پھر اس سے الگ رہے یہی تو مردانگی اور شجاعت ہے اور الگ ہونے سے مراد یہ کہ دنیا کی تحریکیں اور جذبات اس کو اپنا زیر اثر نہ کرلیں اور وہ ان کو مقدم نہ کرے بلکہ خدا کو مقدم کرے۔ دنیا کی کوئی اَور روک اس کی راہ میں نہ آوے اور اپنی طرف اس کو جذب نہ کر سکے۔" (ملفوظات جلد اول صفحہ ۵۵۲، ۵۵۳)

اَنْكَالًا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّ جَحِيْمًا ○ (المزمل: ۱۳) یعنی ہمارے پاس قسم قسم کی بیڑیاں اور جہنم ہے۔ (ترجمہ تفسیر صغیر) ابوعبیدہ نے کہا: أَنْکَال کی واحد نِکْل ہے جس کے معنی ہیں بیڑی۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۸۶۱) لوہے کی وزنی زنجیر کو بیڑی کہتے ہیں جو قیدیوں کے ہاتھوں اور پاؤں میں ڈالی جاتی ہے تاکہ وہ باآسانی حرکت نہ کر سکیں۔

كَثِيْبًا مَّهِيْلًا کے معنی ریت کے ایسے ٹیلہ کے ہیں جو پھسلتا رہے۔ حضرت ابن عباسؓ کے بیان کردہ یہ معنی ابن ابی حاتم اور حاکم نے نقل کیے ہیں۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۸۶۱) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ○ (المزمل: ۱۵) جس دن زمین اور پہاڑ کانپیں گے اور پہاڑ ایسے ٹیلوں کی طرح ہو جائیں گے جو خود بخود پھسلے جاتے ہیں۔ (ترجمہ تفسیر صغیر)

وَبِيْلًا کے معنی ہیں سخت۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى

فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ○ فَعَصٰی فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ○ (المزمل: ۱۶، ۱۷) اے لوگو! ہم نے تمہاری طرف ایک ایسا رسول بھیجا ہے جو تم پر نگران ہے اسی طرح جس طرح فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا۔ پھر فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی تھی۔ اور ہم نے اس کو ایک وبال والے عذاب سے پکڑ لیا تھا۔ (ترجمہ تفسیر صغیر)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اسی سورت میں ایک دفعہ پھر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ آپؐ کی مماثلت بیان فرمائی گئی ہے کہ آپؐ بھی ایک شارع رسول ہیں اور ایک صاحبِ جلال رسول ہیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطبین کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام سے بڑھ کر صاحبِ جلال رسول ظاہر ہو چکا ہے۔ اس کی مخالفت کے نتیجہ میں سوائے اس کے کہ تم ہلاکتوں میں غرق کر دیئے جاؤ کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا جیسا کہ موسیٰؑ کے مقابل پر ایک بہت بڑے جابر نے آپؑ کے پیغام کو رڈ کرنے کی جرأت کی تھی اور ہلاک کر دیا گیا تھا۔"

(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تعارف سورۃ المزمل صفحہ ۱۰۸۹)

۷۴- سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام کے ساتھ جو رحمٰن اور رحیم ہے

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ عَسِيْرٌ (المدثر: ۱۰) شَدِيْدٌ. قَسْوَرَةٌ (المدثر: ۵۲) رِكْزُ النَّاسِ وَأَصْوَاتُهُمْ وَكُلُّ شَدِيْدٍ قَسْوَرَةٌ. وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ الْقَسْوَرَةُ قَسْوَرٌ الْأَسَدُ. الرِّكْزُ الصَّوْتُ. مُسْتَنْفِرَةٌ (المدثر: ۵۱) نَافِرَةٌ مَذْعُورَةٌ.

حضرت ابن عباسؓ نے کہا: عَسِيْرٌ کے معنی ہیں سخت۔ قَسْوَرَة کے معنی ہیں لوگوں کا شور و غل۔ نیز ہر سخت چیز کو قَسْوَرَةٌ کہتے ہیں۔ اور حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ شیر کو بھی قَسْوَرَة کہتے ہیں۔ الرِّكْزُ کے معنی ہیں ہلکی آواز۔ مُسْتَنْفِرَة کے معنی ہیں بدکنے والی، خوف زدہ۔

تشریح: سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرِ: حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"جس طرح پہلی سورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مُزَّمِّل قرار دیا گیا، گویا اپنے آپ کو مضبوطی سے ایک کمبل میں لپیٹ لیا ہو۔ اس سورت میں بھی یہی مضمون ہے اور اس امر کی تشریح ہے کہ وہ کون سے کپڑے ہیں جن کو نبی مضبوطی کے ساتھ اپنے ساتھ لگالیتا ہے اور جن کو پاک کرتا رہتا ہے۔ یہاں کوئی ظاہری کپڑے ہرگز مراد نہیں ہیں بلکہ صحابہ رضوان اللہ علیہم کا ذکر ہے کہ وہ صحابہؓ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب رہتے ہیں آپؐ کی مُطَهِّر صحبت کے نتیجہ میں مسلسل پاک کئے جاتے ہیں اور وہ رُجز کو چھوڑتے چلے جاتے ہیں حالانکہ اس سے پہلے بہت سے ان میں سے ایسے تھے کہ ان کے لئے رُجز سے اجتناب ممکن نہ تھا۔ علاوہ ازیں رُجز سے مراد مشرکین مکہ بھی ہو سکتے ہیں۔ اور ان سے مکمل قطع تعلق کا ارشاد فرمایا گیا ہے۔"

(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تعارف سورۃ المدثر صفحہ ۱۰۹۴)

مُسْتَنْفِرَة کے معنی ہیں بدکنے والی، خوف زدہ۔ فرماتا ہے: كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ۝ (المدثر: ۵۱) گویا وہ بدکے ہوئے گدھے ہوں۔ (ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ) حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"حُمُرٌ جمع ہے حِمَار کی۔ حمار کو حمار اس مناسبت سے کہتے ہیں کہ اس کی چیخ پکار کے

وقت اس کی آنکھیں سُرخ ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح ہر صادق کے مقابلہ میں گدھوں کی طرح مخالفوں کا سخت غیظ و غضب ہوتا ہے۔ جہاں سخت مخالفت ہوتی ہے اس کے بالمقابل حق ضرور ہوتا ہے۔" (حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۲۶۵)

قَسْوَرَة کے معنی ہیں شیر۔ فرماتا ہے: فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ○ (المدثر: ۵۲) شیر ببر سے (ڈر کر) دوڑ رہے ہوں۔ (ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ) حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"قَسْوَرَةٍ - قَسَرَ سے مشتق ہے جس کے معنے قہر اور غلبہ کے ہیں۔ اہل عرب بولا کرتے ہیں: لُيُوْثٌ قَسَاوِرَة۔ لُيُوْث جمع لَيْث کی ہے۔ لَيْثَ بمعنی شیر۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: اَلْقَسْوَرَةُ هِيَ الْاَسَد۔ قسورة اُن تیر اندازوں کی جماعت کو بھی کہتے ہیں جو جنگلی گدھوں کا شکار کرتی ہیں۔" (حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۲۶۵)

باب ۱

٤٩٢٢: حَدَّثَنِي يَحْيَى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْمُبَارَكِ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ سَأَلْتُ أَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَوَّلِ مَا نَزَلَ مِنَ الْقُرْآنِ قَالَ: يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ○ (المدثر: ۲) قُلْتُ يَقُولُونَ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ (العلق: ۲) فَقَالَ أَبُو سَلَمَةَ سَأَلْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنْ ذٰلِكَ وَقُلْتُ لَهُ مِثْلَ الَّذِي قُلْتَ فَقَالَ جَابِرٌ لَا أُحَدِّثُكَ إِلَّا مَا حَدَّثَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ جَاوَرْتُ

۴۹۲۲: یحییٰ (بن موسیٰ بلخی) نے مجھ سے بیان کیا کہ وکیع نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے علی بن مبارک سے، علی نے یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت کرتے ہوئے بتایا۔ (انہوں نے کہا:) میں نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے قرآن کی اس آیت کے متعلق پوچھا جو پہلے اُتری۔ انہوں نے کہا: یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ۔ میں نے کہا: (لوگ) کہتے ہیں: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ۔ ابوسلمہ نے کہا: میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے اس کے متعلق پوچھا۔ اور میں نے بھی ان سے ویسے ہی کہا جو تم نے کہا، تو حضرت جابرؓ نے جواب دیا: میں تم سے وہی بیان کروں گا جو ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا: میں حرا میں گوشہ نشین

بِحِرَاءٍ فَلَمَّا قَضَيْتُ جِوَارِي هَبَطْتُ فَنُودِيتُ فَنَظَرْتُ عَنْ يَمِينِي فَلَمْ أَرَ شَيْئًا وَنَظَرْتُ عَنْ شِمَالِي فَلَمْ أَرَ شَيْئًا وَنَظَرْتُ أَمَامِي فَلَمْ أَرَ شَيْئًا وَنَظَرْتُ خَلْفِي فَلَمْ أَرَ شَيْئًا فَرَفَعْتُ رَأْسِي فَرَأَيْتُ شَيْئًا فَأَتَيْتُ خَدِيجَةَ فَقُلْتُ دَثِّرُونِي وَصُبُّوا عَلَيَّ مَاءً بَارِدًا قَالَ فَدَثَّرُونِي وَصَبُّوا عَلَيَّ مَاءً بَارِدًا قَالَ فَنَزَلَتْ: يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ○ قُمْ فَاَنْذِرْ ○ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ○ (المدثر: ۲-۴)

تھا۔ جب میں اپنا اعتکاف پورا کر چکا تو نیچے اُترا۔ مجھے کسی نے آواز دی۔ میں نے اپنی دائیں طرف نگاہ ڈالی، میں نے کوئی چیز نہ دیکھی اور میں نے بائیں طرف نگاہ ڈالی تو بھی کسی چیز کو نہ دیکھا۔ میں نے اپنے آگے نگاہ ڈالی پھر بھی کچھ نہ دیکھا، اور میں نے اپنے پیچھے نگاہ ڈالی تب بھی کچھ نہ دیکھا۔ میں نے اپنے سر کو اٹھایا اور کچھ دیکھا۔ میں خدیجہؓ کے پاس آیا اور میں نے کہا: مجھے کپڑا اُوڑھا دو اور ٹھنڈا پانی مجھ پر ڈالو۔ اور فرماتے تھے: چنانچہ انہوں نے مجھے کپڑا اُوڑھا دیا اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالا۔ فرمایا: (مجھ پر یہ آیتیں) نازل ہوئی ہیں: اے کپڑا اوڑھنے والے، اُٹھ اور خطرے سے آگاہ کر۔ اور اپنے ربّ کی بڑائی بیان کر۔

أطرافه: ٤، ٣٢٣٨، ٤٩٢٣، ٤٩٢٤، ٤٩٢٥، ٤٩٢٦، ٤٩٥٤، ٦٢١٤۔

بَاب ۲: قُمْ فَاَنْذِرْ ○ (المدثر: ۳)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) اُٹھ اور خطرے سے آگاہ کر

٤٩٢٣: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ وَغَيْرُهُ قَالَا حَدَّثَنَا حَرْبُ بْنُ شَدَّادٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ جَاوَرْتُ بِحِرَاءٍ مِثْلَ حَدِيثِ عُثْمَانَ

۴۹۲۳: محمد بن بشار نے مجھ سے بیان کیا کہ عبدالرحمٰن بن مہدی نیز ان کے سوا کسی اور نے ہمیں بتایا۔ ان دونوں نے کہا: حرب بن شداد نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے یحییٰ بن ابی کثیر سے، یحییٰ نے ابوسلمہ سے، ابوسلمہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے، حضرت جابرؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔ آپؐ نے فرمایا: میں حرا میں گوشہ نشین تھا۔ (پھر انہوں

بْنِ عُمَرَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْمُبَارَكِ.

نے) ویسی حدیث (بیان کی) جو عثمان بن عمر نے علی بن مبارک سے روایت کی۔

أطرافُه: ٤، ٣٢٣٨، ٤٩٢٢، ٤٩٢٤، ٤٩٢٥، ٤٩٢٦، ٤٩٥٤، ٦٢١٤۔

بَاب۳: قَوْلُهُ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ○ (المدثر:٤)

اللہ تعالیٰ کا فرمانا: اور اپنے ربّ کی بڑائی بیان کر

٤٩٢٤: حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ حَدَّثَنَا حَرْبٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى قَالَ سَأَلْتُ أَبَا سَلَمَةَ أَيُّ الْقُرْآنِ أُنْزِلَ أَوَّلُ فَقَالَ يَاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ○ (المدثر:٢) فَقُلْتُ أُنْبِئْتُ أَنَّهُ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ (العلق:٢) فَقَالَ أَبُو سَلَمَةَ سَأَلْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ أَيُّ الْقُرْآنِ أُنْزِلَ أَوَّلُ فَقَالَ يَاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ○ (المدثر:٢) فَقُلْتُ أُنْبِئْتُ أَنَّهُ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ (العلق:٢) فَقَالَ لَا أُخْبِرُكَ إِلَّا بِمَا قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاوَرْتُ فِي حِرَاءٍ فَلَمَّا قَضَيْتُ جِوَارِي هَبَطْتُ فَاسْتَبْطَنْتُ الْوَادِيَ فَنُودِيتُ فَنَظَرْتُ أَمَامِي وَخَلْفِي وَعَنْ يَمِينِي

۴۹۲۴: اسحاق بن منصور نے ہم سے بیان کیا کہ عبدالصمد (بن عبدالوارث) نے ہمیں بتایا۔ (انہوں نے کہا:) حرب (بن شداد) نے ہم سے بیان کیا کہ یحيٰ (بن ابی کثیر) نے ہمیں خبر دی۔ انہوں نے کہا: میں نے ابوسلمہ سے پوچھا: قرآن میں سے کونسی سورۃ پہلے نازل کی گئی۔ انہوں نے کہا: یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ۔[1] میں نے کہا: مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ وہ سورۃ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ[2] ہے۔ تو ابوسلمہ نے کہا: میں نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے پوچھا تھا کہ قرآن میں کونسی سورۃ پہلے نازل کی گئی تو انہوں نے کہا: یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ۔ (ان سے بھی) میں نے کہا کہ مجھے یہ کہا گیا ہے کہ وہ سورۃ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ہے۔ انہوں نے کہا: میں تمہیں وہی بات بتاتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں حراء میں گوشہ نشین تھا۔ جب میں اعتکاف پورا کر چکا، میں نیچے اُترا اور

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: "اے کپڑا اوڑھنے والے۔"
[2] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: "پڑھ اپنے ربّ کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا۔"

وَعَنْ شِمَالِي فَإِذَا هُوَ جَالِسٌ عَلَى عَرْشٍ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ فَأَتَيْتُ خَدِيجَةَ فَقُلْتُ دَثِّرُونِي وَصُبُّوا عَلَيَّ مَاءً بَارِدًا وَأُنْزِلَ عَلَيَّ يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ○ قُمْ فَأَنْذِرْ ○ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ○ (المدثر: ۲-۴)

وادی کے نشیب میں پہنچا تو مجھے بلایا گیا۔ میں نے اپنے آگے اور اپنے پیچھے اور اپنے دائیں اور بائیں نگاہ کی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہ (فرشتہ) آسمان اور زمین کے درمیان ایک تخت پر بیٹھا ہوا ہے۔ میں خدیجہؓ کے پاس آیا اور میں نے کہا: مجھے کپڑا اُوڑھا دو اور ٹھنڈا پانی مجھ پر ڈالو۔ اور مجھ پر یہ وحی نازل کی گئی: اے کپڑا اوڑھنے والے، اُٹھ اور خطرے سے آگاہ کر۔ اور اپنے ربّ کی بڑائی بیان کر۔

أطرافه: ٤، ٣٢٣٨، ٤٩٢٢، ٤٩٢٣، ٤٩٢٥، ٤٩٢٦، ٤٩٥٤، ٦٢١٤۔

بَاب ٤ : وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ○ (المدثر: ۵)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) اور اپنے پاس رہنے والے لوگوں کو پاک کر

٤٩٢٥ : حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ح.

۴۹۲۵: یحيٰ بن بکیر نے ہم سے بیان کیا کہ لیث (بن سعد) نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے عقیل سے، عقیل نے ابن شہاب سے روایت کی۔

و حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ فَأَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُحَدِّثُ عَنْ فَتْرَةِ الْوَحْيِ فَقَالَ فِي حَدِيثِهِ فَبَيْنَا أَنَا أَمْشِي إِذْ سَمِعْتُ صَوْتًا مِنَ السَّمَاءِ فَرَفَعْتُ رَأْسِي فَإِذَا الْمَلَكُ الَّذِي جَاءَنِي بِحِرَاءٍ جَالِسٌ

نیز عبداللہ بن محمد (مسندی) نے مجھے بتایا کہ عبدالرزاق نے ہم سے بیان کیا۔ (انہوں نے کہا:) معمر نے ہمیں خبر دی۔ انہوں نے زہری سے روایت کی۔ (انہوں نے کہا:) ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے مجھ سے بیان کیا۔ انہوں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ اور آپؐ وحی کے موقوف ہونے کے متعلق بیان فرما رہے تھے۔ آپؐ نے اپنے بیان میں یہ فرمایا: ایک بار میں چلا جا رہا تھا کہ اتنے میں مَیں نے

عَلَى كُرْسِيٍّ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ فَجَئِثْتُ مِنْهُ رُعْبًا فَرَجَعْتُ فَقُلْتُ زَمِّلُونِي زَمِّلُونِي فَدَثِّرُونِي فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى: يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ○ إِلَى وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ○ (المدثر: ۲-۶) قَبْلَ أَنْ تُفْرَضَ الصَّلَاةُ وَهِيَ الْأَوْثَانُ.

آسمان سے ایک آواز سنی تو میں نے سر اٹھایا۔ کیا دیکھتا ہوں وہی فرشتہ ہے جو میرے پاس حراء میں آیا تھا۔ آسمان اور زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہے۔ میں اس کے رُعب سے سہم گیا اور واپس لوٹ گیا۔ میں نے کہا: مجھے کمبل اُوڑھادو، مجھے کمبل اُوڑھادو۔ انہوں نے مجھے کپڑا اُوڑھا دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ وحی نازل کی: یٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ...۔[1] (اور یہ) نماز فرض کئے جانے سے پہلے (کا واقعہ ہے۔) اور اس (رُجز) سے مراد بُت ہیں۔

أطرافه: ٤، ٣٢٣٨، ٤٩٢٢، ٤٩٢٣، ٤٩٢٤، ٤٩٢٦، ٤٩٥٤، ٦٢١٤۔

بَاب ۵: وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ○ (المدثر: ٦)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اور شرک کو مٹاڈال

يُقَالُ الرِّجْزُ وَالرِّجْسُ الْعَذَابُ.

رِجز اور رِجس (رِ کی کسرہ کے ساتھ) عذاب کو کہا جاتا ہے۔

٤٩٢٦: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ قَالَ أَخْبَرَنِي جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحَدِّثُ عَنْ فَتْرَةِ الْوَحْيِ فَبَيْنَا أَنَا أَمْشِي إِذْ سَمِعْتُ صَوْتًا مِّنَ السَّمَاءِ فَرَفَعْتُ

۴۹۲۶: عبداللہ بن یوسف نے ہم سے بیان کیا کہ لیث (بن سعد) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے عقیل سے روایت کی۔ ابن شہاب نے کہا: میں نے ابوسلمہ سے سنا۔ انہوں نے کہا: مجھے حضرت جابر بن عبداللہؓ نے خبر دی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپؐ وحی کے موقوف ہونے کے متعلق بیان فرما رہے تھے کہ ایک بار

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: "اے کپڑا اوڑھنے والے! اُٹھ کھڑا ہو اور انتباہ کر۔ اور اپنے ربّ ہی کی بڑائی بیان کر۔ اور جہاں تک تیرے کپڑوں (یعنی قریبی ساتھیوں) کا تعلق ہے تُو (انہیں) بہت پاک کر۔ اور جہاں تک ناپاکی کا تعلق ہے تو اس سے کلیۃً الگ رہ۔"

بَصَرِي قِبَلَ السَّمَاءِ فَإِذَا الْمَلَكُ الَّذِي جَاءَنِي بِحِرَاءٍ قَاعِدٌ عَلَى كُرْسِيٍّ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ فَجَئِثْتُ مِنْهُ حَتَّى هَوَيْتُ إِلَى الْأَرْضِ فَجِئْتُ أَهْلِي فَقُلْتُ زَمِّلُونِي زَمِّلُونِي فَزَمَّلُونِي فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى يَآَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ○ قُمْ فَأَنْذِرْ ○ إِلَى قَوْلِهِ فَاهْجُرْ ○ (المدثر: ۲- ۶) قَالَ أَبُو سَلَمَةَ وَالرِّجْزَ الْأَوْثَانَ ثُمَّ حَمِيَ الْوَحْيُ وَتَتَابَعَ.

میں چلا جارہا تھا تو میں نے آسمان سے ایک آواز سنی۔ میں نے اپنی نگاہ جو آسمان کی طرف کی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہی فرشتہ ہے جو میرے پاس حرا میں آیا۔ آسمان اور زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہے۔ میں اس سے اتنا سہم گیا کہ زمین پر گر پڑا۔ میں اپنے گھر والوں کے پاس آیا اور کہا: مجھے کمبل اُوڑھا دو، مجھے کمبل اُوڑھا دو۔ انہوں نے مجھے کمبل اُوڑھا دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ وحی نازل کی: يَآَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ.... ابوسلمہ نے کہا: رجز سے مراد بُت ہیں۔ پھر اس کے بعد وحی خوب گرم ہوگئی اور پے در پے آنے لگی۔

أطرافه: ٤، ٣٢٣٨، ٤٩٢٢، ٤٩٢٣، ٤٩٢٤، ٤٩٢٥، ٤٩٥٤، ٦٢١٤۔

تشریح: مذکورہ بالا ابواب کے تحت جو روایات بیان کی گئی ہیں اُن کو دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علماء میں اس بات پر اختلاف ہوا کہ پہلی وحی کونسی تھی جس کا نزول ہوا۔ سورۃ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ یا پھر يَآَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ؟ امام بخاری نے اپنے استاد ابن شہاب محمد بن مسلم زہری کی سند پر اس اختلاف کو یوں حل کیا ہے کہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ زمانہ نبوت کے ابتداء میں پہلی وحی ہے اور يَآَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ زمانہ فترت کے بعد پہلی وحی ہے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”ابن کثیر کہتے ہیں: فَأَوَّلُ شَيْءٍ نَزَلَ مِنَ الْقُرْآنِ هٰذِهِ الْآيَاتُ الْكَرِيْمَاتُ الْمُبَارَكَاتُ، وَهُنَّ أَوَّلُ رَحْمَةٍ رَحِمَ اللهُ بِهَا الْعِبَادَ وَأَوَّلُ نِعْمَةٍ أَنْعَمَ اللهُ بِهَا عَلَيْهِمْ۔ یعنی یہ قرآن کریم کی پہلی بزرگ اور مبارک آیات ہیں جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئیں۔ یہ پہلی رحمت ہیں جس کے ذریعہ اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں پر رحم فرمایا اور پہلی نعمت ہیں جس کے ذریعہ اُس نے اپنے فضل سے اُنہیں سرفراز فرمایا...

ابن عباسؓ کہتے ہیں: هِيَ أَوَّلُ مَا نَزَلَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (فتح البیان) یہ قرآن میں سے پہلا حصہ ہے جو نازل ہوا۔ ابوموسیٰ اشعری کہتے ہیں: هٰذِهٖ أَوَّلُ سُوْرَةٍ أُنْزِلَتْ عَلٰى

مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم (فتح البیان) یہ پہلی سورۃ ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی یہی روایت ہے... جمہور کا مذہب یہی ہے کہ یہ پہلی سورۃ ہے جو قرآن کریم میں سے نازل ہوئی۔ اس کے بعد نون والقلم نازل ہوئی پھر مزمل نازل ہوئی اور پھر مدثر نازل ہوئی۔ (فتح البیان)...

اور بخاری کی روایت سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اِقْرَاْ کے بعد مدثر نازل ہوئی۔ لیکن یہ اختلاف حقیقی نہیں درحقیقت ایک امر کے نہ سمجھنے کی وجہ سے یہ اختلاف پیدا ہوا ہے۔ لوگ عام طور پر خیال کرتے ہیں کہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ کے بعد فترۃ وحی ہوئی ہے حالانکہ جو حدیث بخاری میں بیان ہوئی ہے اس سے یہ پتہ نہیں لگتا۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی اس کے کچھ عرصہ بعد ورقہ بن نوفل فوت ہوئے اور پھر فترۃ کا زمانہ آگیا۔ درمیانی عرصہ کا اس حدیث میں ذکر نہیں کیا گیا۔ فترۃ وحی چونکہ ایک اہم مسئلہ تھا اس لئے اس کا ذکر کر دیا گیا مگر اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ اِقْرَاْ کے بعد فترۃ ہوئی ہے بلکہ اِقْرَاْ کے بعد کچھ اور کلام نازل ہوا تھا اور اس کے بعد فترۃ ہوئی ہے اور یہی بات قرین قیاس بھی ہے۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ کہا کہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ○ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ○ (العلق: ۲-۶) تو اس میں تو کوئی حکم بیان نہیں ہوا پھر کیا حکم دیا تھا جس کے متعلق اِقْرَاْ کہا گیا تھا۔ اِقْرَاْ کا لفظ صاف بتاتا ہے کہ کوئی باتیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے کہنی ہیں۔ وہ کہنے والی باتیں بہر حال اِقْرَاْ کے بعد نازل ہونی چاہیئے تھیں۔ چنانچہ اِقْرَاْ کے بعد نون والقلم نازل ہوئی اس کے بعد سورۃ مزمل نازل ہوئی اور پھر فترۃ کا زمانہ آگیا۔ پس میرے نزدیک اصل واقعہ یہ ہے کہ اِقْرَاْ کی ابتدائی آیات اور اسی طرح نون والقلم اور سورۃ المزمل کی کچھ آیات پہلے نازل ہوئیں پھر فترۃ وحی ہوئی اور اس کے ختم ہونے پر سورۃ المدثر نازل ہوئی۔"

(تفسیر کبیر، سورۃ العلق، آیت نمبر ۱، جلد ۹ صفحہ ۲۲۳، ۲۲۴)

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ: اور شرک کو مٹا ڈال۔ رُجز "ر" کی ضمہ کے ساتھ ہو تو معنی شرک کے ہیں۔ جبکہ رِجز یعنی "ر" کی کسرہ سے ہو تو اس کے معنی عذاب کے ہیں۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"قُمْ فَاَنْذِرْ ○ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ○ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ○ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ○ (المدثر: ۳-۶) جلال خدا کہ بتاں را دادہ شد باز ستاں و جلال الٰہی ظاہر کن دریں اشارت است کہ بر دست او بتاں مقہور خواہند شد و جلال و عظمتِ الٰہی ظاہر خواہد شد۔ و از پلیدی ہا جدا باش۔ ایں اشارت است سوئے اینکہ از ہر قسم پلیدی دور باید ماند و نیز سوئے ایں اشارت است کہ خدا ارادہ فرمودہ است کہ از صحبتِ مشرکاں کہ نجس اند ترا جدا کند و شرک را از زمین مکہ بردارد۔ و جامہ ہائے خود را و دل خود را پاک کن (ثوب بمعنی دل نیز آمدہ) ایں اشارت است سوئے اینکہ خدا ارادہ فرمودہ است کہ دلہا را از ہر قسم شرک و ظلم و التفات الٰی ماسوی اللہ پاک کند۔ و نیز ایں ہم دریں آیت ہا اشارہ می کنند کہ ایں شریعت بریں ہمہ اجزا مشتمل است۔"[1]

(لجۃ النور، روحانی خزائن جلد ۱۶ صفحہ ۳۹۴)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (المدثر: ۶) یعنی "ہر ایک پلیدی سے جُدا رہ" یہ احکام اِسی لئے ہیں کہ تا انسان حفظانِ صحت کے اسباب کی رعایت رکھ کر اپنے تئیں جسمانی بلاؤں سے بچاوے۔ عیسائیوں کا یہ اعتراض ہے کہ یہ کیسے احکام ہیں جو ہمیں سمجھ نہیں آتے کہ قرآن کہتا ہے کہ تم غسل کر کے اپنے بدنوں کو پاک رکھو اور مسواک

---

[1] اِن آیات میں اشارہ ہے کہ آپؐ کے ہاتھ پر بُت مقہور ہوں گے اور جلال اور عظمت الٰہی ظاہر ہو گی اور آپؐ پلیدی سے الگ ہو جائیں۔ اِس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اِس طرف آنے کے لئے ہر قسم کی پلیدی دُور ہونی چاہیئے۔ نیز اس طرف اشارہ ہے کہ خدا نے ارادہ فرمایا ہے مشرکوں کی مجلس سے کہ جو ناپاک ہیں تجھے الگ کر دیں گے اور مکہ کی سر زمین سے شرک مٹا دیا جائے گا۔ اور اپنے لباس اور دل کو پاک کر (ثوب کے معنی دل کے بھی ہیں) میں یہ اشارہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ دلوں کو ہر قسم کے شرک، ظلم اور غیر اللہ کی طرف متوجہ ہونے سے پاک کر دیا جائے گا۔ نیز ان آیات میں اِس طرف اشارہ ہے کہ یہ شریعت ان تمام اجزاء پر مشتمل ہے۔ (تفسیر حضرت مسیح موعود علیہ السلام، جلد ۴ صفحہ ۴۹۶)

کرو، خلال کرو اور ہر ایک جسمانی پلیدی سے اپنے تئیں اور اپنے گھر کو بچاؤ اور بدبوؤں سے دُور رہو اور مُردار اور گندی چیزوں کو مت کھاؤ۔ اِس کا جواب یہی ہے کہ قرآن نے اُس زمانہ میں عرب کے لوگوں کو ایسا ہی پایا تھا اور وہ لوگ نہ صرف رُوحانی پہلو کے رُو سے خطرناک حالت میں تھے بلکہ جسمانی پہلو کے رُو سے بھی اُن کی صحت نہایت خطرہ میں تھی۔ سو یہ خدا تعالیٰ کا اُن پر اور تمام دنیا پر احسان تھا کہ حفظانِ صحت کے قواعد مقرر فرمائے۔ یہاں تک کہ یہ بھی فرمادیا کہ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَ لَا تُسْرِفُوْا (الاعراف:۳۲) یعنی بے شک کھاؤ پیؤ مگر کھانے پینے میں بے جا طور پر کوئی زیادت کیفیت یا کمیّت کی مت کرو۔ افسوس پادری اِس بات کو نہیں جانتے کہ جو شخص جسمانی پاکیزگی کی رعایت کو بالکل چھوڑ دیتا ہے وہ رفتہ رفتہ وحشیانہ حالت میں گر کر رُوحانی پاکیزگی سے بھی بے نصیب رہ جاتا ہے۔ مثلاً چند روز دانتوں کا خلال کرنا چھوڑ دو جو ایک ادنیٰ صفائی کے درجہ پر ہے تو وہ فضلات جو دانتوں میں پھنسے رہیں گے اُن میں سے مُردار کی بُو آئے گی۔ آخر دانت خراب ہو جائیں گے اور اُن کا زہریلا اثر معدہ پر گر کر معدہ بھی فاسد ہو جائے گا۔ خود غور کر کے دیکھو کہ جب دانتوں کے اندر کسی بوٹی کا رگ و ریشہ یا کوئی جُز پھنسا رہ جاتا ہے اور اُسی وقت خلال کے ساتھ نکالا نہیں جاتا تو ایک رات بھی اگر رہ جائے تو سخت بدبو اُس میں پیدا ہو جاتی ہے اور ایسی بدبُو آتی ہے جیسا کہ چُوہا مرا ہوا ہوتا ہے۔ پس یہ کیسی نادانی ہے کہ ظاہری اور جسمانی پاکیزگی پر اعتراض کیا جائے اور یہ تعلیم دی جائے کہ تم جسمانی پاکیزگی کی کچھ پرواہ نہ رکھو نہ خلال کرو اور نہ مسواک کرو اور نہ کبھی غسل کر کے بدن پر سے میل اتارو اور نہ پاخانہ پھر کر طہارت کرو اور تمہارے لئے صرف روحانی پاکیزگی کافی ہے۔ ہمارے ہی تجارب ہمیں بتلا رہے ہیں کہ ہمیں جیسا کہ روحانی پاکیزگی کی روحانی صحت کے لئے ضرورت ہے ایسا ہی ہمیں جسمانی صحت کے لئے جسمانی پاکیزگی کی ضرورت ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ہماری جسمانی پاکیزگی کو ہماری روحانی پاکیزگی میں بہت کچھ دخل ہے۔ کیونکہ جب ہم جسمانی پاکیزگی کو چھوڑ کر اُس کے بدنتائج یعنی

خطرناک بیماریوں کو بھگتنے لگتے ہیں تو اُس وقت ہمارے دینی فرائض میں بھی بہت حرج ہو جاتا ہے اور ہم بیمار ہو کر ایسے نکمے ہو جاتے ہیں کہ کوئی خدمت دینی بجا نہیں لا سکتے۔ اور یا چند روز دکھ اٹھا کر دنیا سے کوچ کر جاتے ہیں بلکہ بجائے اس کے کہ بنی نوع کی خدمت کر سکیں اپنی جسمانی ناپاکیوں اور ترکِ قواعدِ حفظان صحت سے اوروں کے لئے وبالِ جان ہو جاتے ہیں اور آخر ان ناپاکیوں کا ذخیرہ جس کو ہم اپنے ہاتھ سے اکٹھا کرتے ہیں وبا کی صورت میں مشتعل ہو کر تمام ملک کو کھاتا ہے۔ اور اس تمام مصیبت کا موجب ہم ہی ہوتے ہیں کیونکہ ہم ظاہری پاکی کے اصولوں کی رعایت نہیں رکھتے۔ پس دیکھو کہ قرآنی اصولوں کو چھوڑ کر اور فرقانی وصایا کو ترک کر کے کیا کچھ بلائیں انسانوں پر وارد ہوتی ہیں اور ایسے بے احتیاط لوگ جو نجاستوں سے پرہیز نہیں کرتے اور عفونتوں کو اپنے گھروں اور کوچوں اور کپڑوں اور منہ سے دور نہیں کرتے اُن کی بے اعتدالیوں کی وجہ سے نوعِ انسان کے لئے کیسے خطرناک نتیجے پیدا ہوتے ہیں اور کیسی یک دفعہ وبائیں پھوٹتی اور موتیں پیدا ہوتیں ہیں اور شور قیامت برپا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ لوگ مرض کی دہشت سے اپنے گھروں اور مال اور املاک اور تمام اس جائیداد سے جو جان کاہی سے اکٹھی کی تھی دست بردار ہو کر دوسرے ملکوں کی طرف دوڑتے ہیں اور مائیں بچوں سے اور بچے ماؤں سے جدا کئے جاتے ہیں۔ کیا یہ مصیبت جہنم کی آگ سے کچھ کم ہے؟ ڈاکٹروں سے پوچھو اور طبیبوں سے دریافت کرو کہ کیا ایسی لاپروائی جو جسمانی طہارت کی نسبت عمل میں لائی جائے وبا کے لئے عین موزوں اور مؤید ہے یا نہیں؟ پس قرآن نے کیا بُرا کیا کہ پہلے جسموں اور گھروں اور کپڑوں کی صفائی پر زور دے کر انسانوں کو اس جہنم سے بچانا چاہا جو اسی دنیا میں یکدفعہ فالج کی طرح گرتا اور عدم تک پہنچاتا ہے۔“

(ایام الصلح، روحانی خزائن جلد ۱۴ صفحہ ۳۳۲تا۳۳۴)

۷۵۔ سُورَةُ الْقِيَامَةِ

بَاب ۱ : لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ (القيامة:۱۷)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) تو اس کے ساتھ اپنی زبان کو مت ہلا تاکہ اسے جلدی سے یاد کرلے

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ (القيامة:٦) سَوْفَ أَتُوبُ، سَوْفَ أَعْمَلُ. لَا وَزَرَ (القيامة:١٢) لَا حِصْنَ. سُدًى (القيامة:٣٧) هَمَلًا.

اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا: لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ سے یہ مراد ہے کہ (گناہ کرتا رہے اور کہے کہ) میں عنقریب توبہ کرلوں گا، عنقریب عمل کروں گا۔ لَا وَزَرَ کے معنی ہیں کوئی پناہ کا مقام نہیں۔ سُدًى کے معنی ہیں آزاد چھوڑا ہوا۔

٤٩٢٧ : حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ أَبِي عَائِشَةَ وَكَانَ ثِقَةً عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ حَرَّكَ بِهِ لِسَانَهٗ وَوَصَفَ سُفْيَانُ يُرِيدُ أَنْ يَحْفَظَهٗ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ (القيامة:١٧)

۴۹۲۷: حمیدی نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان (بن عیینہ) نے ہمیں بتایا کہ موسیٰ بن ابی عائشہ نے ہم سے بیان کیا۔ اور یہ معتبر شخص تھے۔ انہوں نے سعید بن جبیر سے، سعید نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب آپؐ پر وحی نازل ہوتی تو اپنی زبان کو ہلاتے۔ آپؐ چاہتے تھے کہ اس طرح یاد کریں۔ اور سفیان نے (زبان ہلا کر) بتایا (کہ اس طرح ہلاتے تھے) تو اللہ نے یہ آیت نازل کی: لَا تُحَرِّكْ بِهٖ... یعنی تُو اس کے ساتھ اپنی زبان کو مت ہلا تاکہ اسے جلدی سے یاد کرلے۔

أطرافه: ٥، ٤٩٢٨، ٤٩٢٩، ٥٠٤٤، ٧٥٢٤-

تشریح: سُورَةُ الْقِيَامَةِ: حضرت خلیفة المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اس سورت کے آغاز میں یومِ قیامت کو ہی گواہ ٹھہرایا گیا ہے اور اس نفس کو بھی جو بار بار اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے اور اگر انسان اس ملامت سے فائدہ اٹھالے تو ہزار قسم کے گناہوں سے بچ سکتا ہے۔...

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اور معجزہ کا ذکر ہے۔ اتنی بڑی کتاب قرآن کریم تیئس برسوں میں نازل ہوئی اور نزول کے وقت آپؐ اس فکر میں کہ مَیں اسے فراموش نہ کردوں، اپنی زبان کو تیزی سے حرکت دیتے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو یقین دلایا کہ ہم ہی نے یہ قرآن نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کو جمع کرنے پر قدرت رکھتے ہیں۔ پس ایک اُمّی پر تیئس سال میں نازل ہونے والا قرآن بحفاظت جمع کیا گیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس امر کو ایک عظیم الشان معجزہ قرار دیتے ہیں کہ اس تیئس سالہ عرصہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دشمن نے ہر طرح سے حملے کئے اور آپؐ کو ہلاک کرنے کی کوشش کی۔ اگر کچھ قرآن نازل ہونے کے بعد ہی نعوذ باللہ آپؐ کو دشمن ہلاک کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو قرآن کے ایک کامل کتاب ہونے کا دعویٰ نعوذ باللہ باطل اور بالکل بے معنی ہو جاتا۔“

(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تعارف سورۃ القیامۃ، صفحہ ۱۱۰۱، ۱۱۰۲)

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ: یعنی تو اس کے ساتھ اپنی زبان کو مت ہلا۔ فرمایا: لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ○ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ○ (القیامۃ: ۱۷، ۱۸) یعنی تو اس کے ساتھ اپنی زبان کو مت ہلا تاکہ اسے جلدی سے یاد کرلے۔ ہمارے ذمّہ ہی اس کا اکٹھا کرنا اور اس کی ترتیب دینا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”آیت باب ذوالمعارف ہے اس کے دو ترجمے ہیں۔ ربط ماقبل کے لحاظ سے ایک معنے یہ ہیں کہ ”اے معذرت کنندہ۔ عذر بیان کرنے میں تیز زبانی نہ کر“ اس صورت میں جَمْعَهٗ میں ہٗ کی ضمیر انسان کے اعمال کی طرف ہے۔ دوسرے معنے یہ ہیں کہ پڑھنے والا جب قرآن شریف پڑھے تو جلدی نہ کرے۔... جمع تو اللہ تعالیٰ کی پسند کی ہوئی ترتیب کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے فرمایا تھا اور اسی پسندیدہ ترتیب کے ساتھ ہم تک پہنچایا گیا۔ ہاں اس کا پڑھنا اور جمع کرنا ہم سب کے ذمہ ہے۔“ (حقائق الفرقان، جلد ۴ صفحہ ۲۷۲)

بَاب إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ○ (القيامة:١٨)

ہمارے ذمّہ ہی اس کا اکٹھا کرنا اور اس کی ترتیب دینا ہے

٤٩٢٨: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ مُوسَى بْنِ أَبِي عَائِشَةَ أَنَّهُ سَأَلَ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ عَنْ قَوْلِهِ تَعَالَى لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ (القيامة:١٧) قَالَ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ كَانَ يُحَرِّكُ شَفَتَيْهِ إِذَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ فَقِيلَ لَهُ لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ (القيامة:١٧) يَخْشَى أَنْ يَنْفَلِتَ مِنْهُ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ (القيامة:١٨) أَنْ نَجْمَعَهُ فِي صَدْرِكَ وَقُرْآنَهُ (القيامة:١٨) أَنْ تَقْرَأَهُ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ (القيامة:١٩) يَقُولُ أُنْزِلَ عَلَيْهِ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ○ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ○ (القيامة:١٩-٢٠) أَنْ نُبَيِّنَهُ عَلَى لِسَانِكَ.

۴۹۲۸: عبید اللہ بن موسیٰ نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے اسرائیل سے، اسرائیل نے موسیٰ بن ابی عائشہ سے روایت کی۔ (وہ کہتے ہیں) کہ انہوں نے سعید بن جبیر سے اللہ تعالیٰ کے اس قول لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے کہا: اور حضرت ابن عباسؓ کہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب آپؐ پر وحی نازل کی جاتی اپنے ہونٹوں کو ہلایا کرتے تھے۔ اس لئے آپؐ سے کہا گیا: تُو اس کے ساتھ اپنی زبان کو مت ہلا۔ آپؐ ڈرتے تھے کہ کہیں کوئی لفظ آپؐ سے چھوٹ نہ جائے۔ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ یعنی ہم تمہارے دل میں اس کو محفوظ کر دیں گے۔ وَقُرْآنَهُ اور تو اس کو پڑھ لے گا۔ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ سے مراد ہے کہ وہ کہتا ہے جب یہ نازل کیا جائے فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ تو جیسا پڑھا گیا ویسے ہی تو بھی پڑھ۔ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ پھر ہم تیری زبان سے اس کو بیان کروائیں گے۔

أطرافه: ٥، ٤٩٢٧، ٤٩٢٩، ٥٠٤٤، ٧٥٢٤۔

تشریح: إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ: ہمارے ذمّہ ہی اس کا اکٹھا کرنا اور اس کی ترتیب دینا ہے۔ اس بارہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں:

”زید بن ثابت انصاریؓ نے حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ خلافت میں قرآن کریم کو مصحف کی صورت میں جمع کر کے لکھا تھا۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ اس سے پہلے قرآن مجید جمع نہیں تھا۔ بلکہ حق یہ ہے کہ قرآن کریم جوں جوں آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا جاتا تھا آپؐ اسے الٰہی تفہیم کے ماتحت ترتیب دے کر نہ صرف خود اسے یاد کرتے جاتے تھے بلکہ بہت سے دوسرے صحابہ کو بھی یاد کرا دیتے تھے۔ اور جو صحابہ اس معاملہ میں زیادہ ماہر تھے ان کا آپؐ نے یہ فرض مقرر کیا تھا کہ وہ دوسروں کو سکھائیں اور مزید احتیاط کے طور پر آپؐ اسے ساتھ ساتھ لکھواتے بھی جاتے تھے۔ چنانچہ حدیث سے پتہ لگتا ہے کہ یہی زید بن ثابتؓ جنہوں نے بعد میں قرآن شریف کو ایک جلد کی صورت میں اکٹھا کر کے لکھا اور جو ایک غیر معمولی طور پر ذہین آدمی تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآنی وحی کے قلمبند کرنے پر مامور تھے۔ اور ان کے علاوہ بعض اور اصحاب بھی اس خدمت کو سرانجام دیتے تھے ...غرض قرآن مجید کے جمع و ترتیب کا حقیقی کام سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی آپؐ کی ہدایت کے ماتحت ہو گیا تھا اور یہ صرف ایک قیاس ہی نہیں ہے بلکہ حدیث میں صراحت کے ساتھ ذکر آتا ہے۔ چنانچہ عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت آتی ہے کہ حضرت عثمان بن عفانؓ خلیفہ ثالث فرمایا کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طریق تھا کہ جب آپؐ پر کوئی وحی نازل ہوتی تھی تو آپؐ اپنے کاتب وحی کو بلوا کر اسے وہ وحی لکھوا دیتے تھے اور ساتھ ہی یہ فرما دیتے تھے کہ اسے فلاں سورۃ میں فلاں موقع پر رکھو۔ اسی طرح آپؐ خود ہی سورتوں کی ترتیب بھی مقرر فرما دیتے تھے۔[1] اور یہ طریق آپؐ کا ابتداء دعویٰ نبوت سے تھا...... جب مکہ کے ابتدائی سالوں میں حضرت عمرؓ مسلمان ہوئے تو انہیں اسلام کی تحریک قرآن کی تلاوت سے ہی ہوئی تھی جو خباب بن الارتؓ ایک لکھے ہوئے صحیفہ سے حضرت عمرؓ کی بہن اور بہنوئی کو پڑھ کر سنا رہے تھے۔[2] الغرض قرآن شریف شروع سے ہی ساتھ ساتھ ضبط تحریر میں آ کر مرتب ہوتا اور جمع ہوتا گیا تھا۔ اس کا مزید

---

[1] (سنن الترمذی، أَبْوَابُ تَفْسِيرِ الْقُرْآنِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَابٌ وَمِنْ سُورَةِ التَّوْبَةِ)
(سنن ابی داود، کتاب الصلاۃ، أَبْوَابُ تَفْرِيعِ اسْتِفْتَاحِ الصَّلَاةِ، بَابُ مَنْ جَهَرَ بِهَا)

[2] (السیرۃ النبویۃ لابن ھشام، إِسْلَامُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، حَدِيثٌ آخَرُ عَنْ إِسْلَامِ عُمَرَ، جزء اول صفحہ ۳۴۳)
(شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ، إسلام الفاروق، جزء ۲، صفحہ ۳-۸)

ثبوت یہ ہے کہ آپؐ اور آپؐ کے صحابہ اپنی نمازوں میں قرآن شریف کی باقاعدہ تلاوت فرمایا کرتے تھے اور بعض اوقات نمازوں میں لمبی لمبی قرأتیں پڑھتے تھے۔ چنانچہ ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ ایک دفعہ آپؐ نے ایک ہی تہجد یعنی نصف شب کی نماز میں قرآن شریف کی پہلی پانچ سورتوں کی جو مجموعی طور پر قرآن کریم کے پنجم حصہ کے برابر بنتی ہیں اکٹھی اور بالترتیب قرأت فرمائی تھی۔[1] اور یہی وہ لمبے قیام ہیں جن کی وجہ سے بسا اوقات آپؐ کے پاؤں متورم ہو جاتے تھے۔[2] اور بعض روایتوں سے پتہ لگتا ہے کہ آپؐ ہر سال ماہ رمضان میں جبریل علیہ السلام کے ساتھ قرآن شریف کا دور فرمایا کرتے تھے اور آخری سال دو دفعہ مکمل دور فرمایا۔[3] یہ سب باتیں اس بات کو یقینی طور پر ظاہر کرتی ہیں کہ قرآن شریف کی ترتیب اور جمع کا حقیقی کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی ہو گیا تھا۔ پس زید بن ثابتؓ کے جمع کرنے سے صرف یہ مراد ہے کہ انہوں نے حضرت ابو بکرؓ خلیفہ اوّل کے حکم اور ان کی نگرانی کے ماتحت قرآن مجید کو ایک مصحف یعنی جلد یا کتاب کی صورت میں اکٹھا کر کے لکھا تا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتب کردہ قرآن کی ایک مستند اور یکجائی کاپی ضبط میں آجاوے۔ اور روایت سے پتہ لگتا ہے کہ پھر اسی مصحف سے بعد میں حضرت عثمانؓ خلیفہ ثالث نے متعدد مصدقہ نقلیں تیار کرا کے انہیں اس وقت کی اسلامی دنیا کے مختلف علاقوں میں بھجوا دیا اور پھر انہی مصدقہ نقول سے آگے مزید اشاعت ہوتی گئی۔[4] علاوہ ازیں ہر زمانہ میں ہزاروں بلکہ لاکھوں حفاظ نے قرآن کریم کو اپنے سینوں میں لفظ بلفظ محفوظ کر کے اس کی حفاظت کا ایک مزید ظاہری سبب مہیا کیا۔ اس بات کا اندازہ کرنے کے لیے کہ مسلمانوں کو قرآن شریف کے حفظ کرنے کا کس قدر شوق رہا ہے۔ صرف یہ روایت کافی ہے کہ جب ایک دفعہ کسی غرض سے

[1] (سنن أبی ابوداود، کتاب الصلاۃ، بَابُ مَا يَقُولُ الرَّجُلُ فِي رُكُوعِهِ وَسُجُودِهِ)
[2] (صحیح البخاری، کتاب التھجد، بَابُ قِيَامِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّيْلَ، روایت نمبر ۱۱۳۰)
[3] (صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب کان جبریل یعرض القرآن، روایت نمبر ۴۹۹۸)
[4] (صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن)

حضرت عمرؓ کو قرآن کے حفاظ کے پتہ لینے کی ضرورت پیش آئی تو معلوم ہوا کہ اس وقت کی اسلامی افواج کے صرف ایک دستہ میں تین سو سے زائد حافظ قرآن تھے۔[۱] موجودہ زمانہ میں بھی جبکہ لوگوں میں دین کا شوق بہت کم ہو گیا ہے۔ اسلامی دنیا میں حفاظ قرآن کی تعداد یقیناً لاکھوں سے کم نہیں ہو گی۔"

(سیرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم مصنفہ حضرت مرزا بشیر احمدؓ ایم اے صفحہ ۵۹۸ تا ۶۰۰)

بَاب ۲: فَإِذَا قَرَأْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ○ (القيامة:١٩)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) پس جب ہم اسے پڑھ لیا کریں تو ہمارے پڑھنے کے بعد تو بھی پڑھ لیا کر

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَرَأْنٰهُ (القيامة:١٩) بَيَّنَّاهُ. فَاتَّبِعْ (القيامة:١٩) اعْمَلْ بِهِ.

حضرت ابن عباسؓ نے کہا: قَرَأْنٰهُ سے یہ مراد ہے کہ ہم اس کو کھول کر بیان کر دیں۔ فَاتَّبِعْ سے یہ مراد ہے کہ تو اِس پر عمل کر۔

٤٩٢٩: حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مُوسَى بْنِ أَبِي عَائِشَةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي قَوْلِهِ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ (القيامة:١٧) قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا نَزَلَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ بِالْوَحْيِ وَكَانَ مِمَّا يُحَرِّكُ بِهِ لِسَانَهُ وَشَفَتَيْهِ فَيَشْتَدُّ عَلَيْهِ وَكَانَ يُعْرَفُ مِنْهُ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ الْآيَةَ الَّتِي فِي لَآ أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ (القيامة:٢) لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ○ إِنَّ عَلَيْنَا

۴۹۲۹: قتیبہ بن سعید نے ہم سے بیان کیا کہ جریر (بن عبد الحمید) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے موسیٰ بن ابی عائشہ سے، موسیٰ نے سعید بن جبیر سے، سعید نے حضرت ابن عباسؓ سے اللہ تعالیٰ کے اس قول لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ کے متعلق روایت کی۔ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب جبریلؑ وحی لے کر نازل ہوتے آپؐ کو سخت تکلیف ہوتی اور آپؐ اپنی زبان اور اپنے ہونٹوں کو بھی ہلایا کرتے تھے اور آپؐ کی یہ حالت لوگوں کو معلوم ہو جاتی۔ اس لئے اللہ نے یہ آیت نازل کی جو سورۂ لَآ أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ میں ہے: لَا تُحَرِّكْ... یعنی تو اِس کے ساتھ اپنی زبان کو

---

[۱] (کنز العمال، باب فی القرآن، فصل فی فضائل القرآن، جزء ۲ صفحہ ۲۸۵)

جَمْعَهُ وَ قُرْاٰنَهٗ ○(القیامــة:۱۷، ۱۸) قَالَ عَلَيْنَا أَنْ نَّجْمَعَهُ فِي صَدْرِكَ وَقُرْآنَـــهُ فَإِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ○ (القيامة:۱۹) فَإِذَا أَنْزَلْنَاهُ فَاسْتَمِعْ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ○ (القيامــة:۱۹) عَلَيْنَا أَنْ نُّبَيِّنَهُ بِلِسَانِكَ قَالَ فَكَانَ إِذَا أَتَاهُ جِبْرِيلُ أَطْرَقَ فَإِذَا ذَهَبَ قَرَأَهُ كَمَا وَعَدَهُ اللّٰهُ، اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ○ (القيامة:۳۵) تَوَعُّدٌ.

مت ہلا تا کہ اسے جلدی سے یاد کرلے۔ ہمارے ذمہ ہی اس کا اکٹھا کرنا اور اِس کی ترتیب دینا ہے۔ (حضرت ابن عباسؓ نے) کہا: اس سے یہ مراد ہے کہ یہ ہمارے ذمہ ہے کہ ہم اس کو تمہارے سینہ میں محفوظ کر دیں اور اس کو پڑھا دیں۔ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ یعنی جب ہم اس کو نازل کریں تم خاموشی سے سنتے رہو۔ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ پھر ہمارے ذمہ ہے کہ ہم اس کو تیری زبان سے کھول کر بیان کریں۔ (حضرت ابن عباسؓ) کہتے تھے: پھر جب جبرائیلؑ آپؐ کے پاس آتے تو آپؐ سر نیچے جھکا دیتے اور غور سے سنتے۔ جب وہ چلے جاتے تو آپؐ اس کو پڑھتے۔ جیسا کہ اللہ نے آپؐ سے وعدہ کیا۔ (اور آیت) اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى کے معنی ہیں تم پر ہلاکت ہو اور پھر ہلاکت ہو۔ یہ دھمکی ہے۔

أطرافه: ٥، ٤٩٢٧، ٤٩٢٨، ٥٠٤٤، ٧٥٢٤۔

تشریح: إِذَا نَزَلَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ بِالْوَحْيِ...فَيَشْتَدُّ عَلَيْهِ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب جبریلؑ وحی لے کر نازل ہوتے تو آپؐ کو سخت تکلیف ہوتی۔ مذکورہ بالا روایت میں نزول وحی کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تکلیف کی کیفیت کا جو ذکر ہے، حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب رضی اللہ عنہ اس کے متعلق فرماتے ہیں:

> ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت نزولِ وحی کے وقت تبدیل ہو جایا کرتی تھی اور جسمانی علائق سے جو عارضی طور پر انقطاع واقع ہوتا اس سے آپؐ کو غیر معمولی تکلیف ہوتی... یہ بات بھی روحانی مشاہدات میں یقینی ہے کہ تجلّیٔ وحی کی ایک ایسی حالت بھی ہوتی ہے جس میں زبان بغیر کسی محرک کے خود بخود حرکت کرنی شروع کر دیتی ہے اور جو الفاظ اس پر جاری ہوتے ہیں وہ علم غیب پر مشتمل ہوتے ہیں۔“

(صحیح بخاری ترجمہ و شرح، کتاب بدء الوحی، باب ۴ جلد اول صفحہ ۱۷)

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ایک روز نہایت شدّت سے سردی تھی۔ آپؐ پر وحی نازل ہوئی اور آپؐ کی پیشانی مبارک سے وحی کی شدت کی وجہ سے پسینے کے قطرے ٹپکنے لگے۔ اسی طرح اگر آپؐ کسی اونٹ پر سوار ہوتے اور وحی کا نزول شروع ہو جاتا تو اُس کے پاؤں بوجہ ثقل وحی ٹیڑھے ہونے لگتے اور اگر کسی صحابیؓ کی ران پر آپؐ کا سر مبارک ہوتا یا تکیہ لگائے ہوتے اور ایسی حالت میں وحی کا نزول ہونے لگتا تو اُس صحابیؓ کو اپنی ران کے ٹوٹ جانے کا خوف ہوتا اور ایسی حالت میں آپؐ کا چہرہ مبارک زیادہ منوّر اور روشن ہو جاتا۔“

(حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۲۴۳)

٧٦ـ سُورَةُ هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام کے ساتھ جو رحمٰن اور رحیم ہے

يُقَالُ مَعْنَاهُ أَتٰى عَلَى الْإِنْسَانِ (الدهر: ٢) وَهَلْ تَكُونُ جَحْدًا وَتَكُونُ خَبَرًا وَهٰذَا مِنَ الْخَبَرِ يَقُولُ كَانَ شَيْئًا فَلَمْ يَكُنْ مَّذْكُورًا وَذٰلِكَ مِنْ حِينِ خَلَقَهُ مِنْ طِينٍ إِلَى أَنْ يُّنْفَخَ فِيهِ الرُّوحُ. أَمْشَاجٍ (الدهر: ٣) الْأَخْلَاطُ، مَاءُ الْمَرْأَةِ وَمَاءُ الرَّجُلِ الدَّمُ وَالْعَلَقَةُ وَيُقَالُ إِذَا خُلِطَ مَشِيجٌ كَقَوْلِكَ خَلِيطٌ وَمَمْشُوجٌ مِثْلُ مَخْلُوطٍ وَيُقَالُ سَلَاسِلًا وَأَغْلَالًا وَلَمْ يُجْرِ بَعْضُهُمْ. مُسْتَطِيرًا (الدهر: ٨) مُمْتَدًّا الْبَلَاءُ. وَالْقَمْطَرِيرُ الشَّدِيدُ يُقَالُ يَوْمٌ قَمْطَرِيرٌ وَيَوْمٌ قُمَاطِرٌ وَالْعَبُوسُ وَالْقَمْطَرِيرُ وَالْقُمَاطِرُ وَالْعَصِيبُ أَشَدُّ مَا يَكُونُ مِنَ الْأَيَّامِ فِي الْبَلَاءِ.

(هَلْ أَتٰى عَلَى الْإِنْسَانِ کے متعلق) کہا جاتا ہے کہ اس کا مطلب ہے أَتٰى عَلَى الْإِنْسَانِ یعنی انسان پر (ایسا زمانہ) آیا۔ اور هَلْ انکار کے لئے بھی ہوتا ہے اور خبر کے لئے بھی۔ اور یہ هَلْ خبر یہ ہے۔ فرماتا ہے: انسان کچھ تھا مگر قابل ذکر نہ تھا۔ اور یہ زمانہ اس وقت سے ہے کہ جب اللہ نے اس کو مٹی سے پیدا کیا اس وقت تک کہ اس میں روح پھونکی گئی۔ أَمْشَاج کے معنی ہیں بہت سی مختلف چیزوں کا مرکب، یعنی عورت کا پانی اور مرد کا پانی، خون اور لوتھڑا۔ اور جب چیزیں آپس میں ملا دی جائیں تو انہیں مَشِيجٌ کہتے ہیں، جیسے تم کہتے ہو: خَلِيطٌ۔ اور مَمْشُوجٌ (بھی کہتے ہیں) جیسے مَخْلُوطٍ۔ اور سَلَاسِلًا وَأَغْلَالًا بھی پڑھا گیا ہے (بجائے سَلَاسِلَ وَأَغْلَالًا کے) اور بعضوں نے (سَلَاسِلَ پر) تنوین نہیں پڑھی۔ مُسْتَطِيرًا کے معنی ہیں لمبی پھیلی ہوئی مصیبت۔ اور قَمْطَرِير کے معنی ہیں سخت۔ کہتے ہیں: يَوْمٌ قَمْطَرِيرٌ اور يَوْمٌ قُمَاطِرٌ یعنی سخت مصیبت کا دن۔ اور عَبُوس، قَمْطَرِير، قُمَاطِر اور عَصِيب مصیبت کے وہ دن ہیں جو سخت سے سخت ہو سکتے ہیں۔

وَقَالَ الْحَسَنُ النُّضْرَةُ فِي الْوَجْهِ وَالسُّرُورُ فِي الْقَلْبِ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ الْأَرَآئِكِ (الدهر: ١٤) السُّرُرُ. وَقَالَ مُقَاتِلٌ السُّرُرُ الحِجَالُ مِنَ الدُّرِّ وَالْيَاقُوتِ.

اور حسن (بصری) نے کہا: نُضْرَةً کے معنی تروتازگی کے ہیں جو چہروں میں ہو۔ اور سُرُوْر اس خوشی کو کہتے ہیں جو دل میں ہو۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا: الْأَرَآئِكِ کے معنی ہیں تخت۔ اور مقاتل نے کہا: السُّرُرُ سے مراد موتی اور یاقوت سے آراستہ چھپر کھٹ ہیں۔

وَقَالَ الْبَرَاءُ وَذُلِّلَتْ قُطُوفُهَا (الدهر: ١٥) يَقْطِفُونَ كَيْفَ شَاءُوا. وَقَالَ مُجَاهِدٌ سَلْسَبِيلًا (الدهر: ١٩) حَدِيدَ الْجِرْيَةِ. وَقَالَ مَعْمَرٌ أَسْرَهُمْ (الدهر: ٢٩) شِدَّةُ الْخَلْقِ وَكُلُّ شَيْءٍ شَدَدْتَهُ مِنْ قَتَبٍ وَغَبِيطٍ فَهُوَ مَأْسُورٌ.

اور حضرت براءؓ نے کہا: وَذُلِّلَتْ قُطُوفُهَا سے مراد ہے کہ (جنتی) جس طرح چاہیں گے (پھل) چنیں گے۔ اور مجاہد نے کہا: سَلْسَبِيلًا کے معنی ہیں تیز بہنے والا۔ اور معمر نے کہا: أَسْرَهُمْ کے معنی ہیں پختہ تخلیق۔ اور ہر وہ چیز جس کو تم مضبوط باندھو، جیسے پالان اور کجاوہ، تو وہ مَأْسُور ہوگا یعنی مضبوط باندھا ہوا۔

تشریح۔ سُورَةُ هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ: حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اس سورت میں انسان کو اس کے آغاز کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک ایسا بھی دَور اس پر گزرا ہے جب وہ کوئی قابلِ ذکر چیز نہیں تھا۔ حالانکہ انسان جب سے وجود میں آیا ہے تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ قابل ذکر وہی تھا۔ پس یہاں انسان کی ابتدائی حالتوں کا ذکر ہے کہ انسان ایسے ابتدائی، ارتقائی دور میں سے بھی گزرا ہے کہ جب وہ ہرگز کسی ذکر کے لائق نہیں تھا۔ یہ وہ دَور معلوم ہوتا ہے جب ابھی پرندوں کو بھی قوتِ گویائی عطا نہیں ہوئی تھی اور ایک کامل خاموشی نے زمین کو ڈھانپ رکھا تھا۔ اس سے انسان کو پیدا کیا گیا اور پھر وہ سمیعًا بصیرًا بنا دیا گیا۔ سننے والا بھی اور دیکھنے والا بھی۔ پس جس اللہ نے مٹی کو سننے اور دیکھنے کی توفیق بخشی وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ اسے دوبارہ پیدا

فرمائے اور اس کی سمع اور بصر کا حساب لیا جائے۔“

(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تعارف سورۃ الدھر صفحہ ۱۱۰۶)

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ: فرماتا ہے: هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ○ (الدھر:۲) یعنی کیا انسان پر وہ گھڑی نہیں آئی جب وہ بالکل بے حقیقت تھا اور اُس کے کاموں کو کوئی یاد نہیں کرتا تھا۔ (ترجمہ تفسیر صغیر) هَلْ انکار کے لئے بھی ہوتا ہے اور خبر کے لئے بھی۔ اور یہ هَلْ خبریہ ہے۔ فرماتا ہے: كَانَ شَيْـًٔا فَلَمْ يَكُنْ مَّذْكُوْرًا۔ یعنی انسان کچھ تھا مگر قابل ذکر نہ تھا۔ اور یہ زمانہ اس وقت سے ہے کہ جب اللہ نے اس کو مٹی سے پیدا کیا اس وقت تک کہ اس میں روح پھونکی گئی۔

اس آیت کریمہ میں تخلیق کے ان مراحل کا ذکر ہے جن میں ابھی انسانی تشخص قائم نہیں ہوا تھا اور انسان ایسے ارتقائی دَور سے گزر رہا تھا کہ اس نے انسانیت کی خلعت ابھی نہیں پہنی تھی اور اس حالت کو انسانی وجود کے طور پر بیان نہیں کیا جا سکتا تھا۔ قرآن کریم نے کروڑوں سال سے زائد عرصہ پر پھیلے ہوئے ارتقائی زمانے کو سمجھنے کے لئے موجودہ انسانی تخلیق کی مثال دی ہے جب وہ نطفہ سے مختلف مراحل میں گذرتا ہوا انسانی شکل اختیار کرتا ہے۔ مگر ان ارتقائی مراحل میں اسے انسان کے نام سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا تاوقتیکہ وہ انسانی شکل اختیار کرلے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ○ (الدھر:۲) کیا انسان پر یعنی تجھ پر وہ وقت نہیں گزرا کہ تیرا دنیا میں کچھ بھی ذکر و تذکرہ نہ تھا۔ یعنی تجھ کو کوئی نہیں جانتا تھا کہ تُو کون ہے اور کیا چیز ہے اور کسی شمار و حساب میں نہ تھا۔ یعنی کچھ بھی نہ تھا۔ یہ گزشتہ تلطفات و احسانات کا حوالہ ہے تا محسن حقیقی کے آئندہ فضلوں کے لئے ایک نمونہ ٹھہرے۔“

(براہین احمدیہ حصہ چہارم، روحانی خزائن جلد اول حاشیہ صفحہ ۵۸۲)

سَلَاسِلًا وَأَغْلَالًا بھی پڑھا گیا ہے (بجائے سَلَاسِلَ وَأَغْلَالًا کے) اور بعضوں نے (سَلَاسِلَ پر) تنوین نہیں پڑھی۔ فرماتا ہے: اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَاۡ وَ اَغْلٰلًا وَّ سَعِيْرًا ○ (الدھر:۵) یقیناً ہم نے کافروں کے لئے طرح طرح کی زنجیریں اور طوق اور ایک بھڑکتی ہوئی آگ تیار کئے ہیں۔

(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

ہم نے منکروں کے لئے جو سچائی کو قبول کرنا نہیں چاہتے زنجیریں تیار کر دی ہیں

اور طوقِ گردن اور ایک افروختہ آگ کی سوزش۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ سچے دل سے خدا تعالیٰ کو نہیں ڈھونڈتے ان پر خدا کی طرف سے رجعت پڑتی ہے وہ دنیا کی گرفتاریوں میں ایسے مبتلا رہتے ہیں کہ گویا پابزنجیر ہیں۔ اور زمینی کاموں میں ایسے نگونسار ہوتے ہیں کہ گویا ان کی گردن میں ایک طوق ہے جو اُن کو آسمان کی طرف سر نہیں اٹھانے دیتا اور ان کے دلوں میں حرص و ہوا کی ایک سوزش لگی ہوئی ہوتی ہے کہ یہ مال حاصل ہو جائے اور یہ جائیداد مل جائے اور فلاں ملک ہمارے قبضہ میں آجائے اور فلاں دشمن پر ہم فتح پا جائیں۔ اس قدر روپیہ ہو، اتنی دولت ہو۔ سو چونکہ خدائے تعالیٰ ان کو نالائق دیکھتا ہے اور بُرے کاموں میں مشغول پاتا ہے اس لئے یہ تینوں بلائیں ان کو لگا دیتا ہے۔ اور اس جگہ اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جب انسان سے کوئی فعل صادر ہوتا ہے تو اسی کے مطابق خدا بھی اپنی طرف سے ایک فعل صادر کرتا ہے۔ مثلاً انسان جس وقت اپنی کوٹھڑی کے تمام دروازوں کو بند کر دے تو انسان کے اس فعل کے بعد خدا تعالیٰ کا یہ فعل ہوگا کہ وہ اس کوٹھڑی میں اندھیرا پیدا کر دے گا۔ کیونکہ جو امور خدا تعالیٰ کے قانونِ قدرت میں ہمارے کاموں کے لئے بطور ایک نتیجہ لازمی کے مقدر ہو چکے ہیں وہ سب خدا تعالیٰ کے فعل ہیں۔ وجہ یہ کہ وہی علّتُ العِلل ہے۔“

(اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۳۸۸، ۳۸۹)

نیز فرمایا:

”ہم نے کافروں کے لئے جو ہماری محبت دل میں نہیں رکھتے اور دنیا کی طرف جھکے ہوئے ہیں۔ زنجیر اور طوقِ گردن اور دل کے جلنے کے سامان تیار کر رکھے ہیں اور دنیا کی محبت کی اُن کے پیروں میں زنجیریں ہیں اور گردنوں میں ترکِ خدا کا ایک طوق ہے جس سے سر اُٹھا کر اوپر کو نہیں دیکھ سکتے اور دنیا کی طرف جھکے جاتے ہیں۔ اور دنیا کی خواہشوں کی ہر وقت ان کے دلوں میں ایک جلن ہے۔“

(لیکچر لاہور، روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۱۵۸)

قَمْطَرِيْر کے معنی ہیں سخت۔ فرماتا ہے: اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا یَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ○ (الدھر:۱۱)[1] کہتے ہیں: یَوْمٌ قَمْطَرِيْرٌ اور یَوْمٌ قُمَاطِرٌ یعنی سخت مصیبت کا دن۔ عَبُوْس، قَمْطَرِيْر، قُمَاطِرُ اور عَصِيْب مصیبت کے وہ دن ہیں جو سخت سے سخت ہوسکتے ہیں۔ یہ ابو عبیدہ کا قول ہے۔ فراء نے کہا: قَمْطَرِيْر کے معنی ہیں شدید۔

(فتح الباری جزء۸ صفحہ ۸۷۳)

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا یَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا۔ کہ ہم اپنے ربّ سے ایک دن سے جو عبوس اور قمطریر ہے ڈرتے ہیں۔ عبوس تنگی کو کہتے ہیں، قمطریر دراز۔ یعنی قیامت کا دن تنگی کا ہوگا اور لمبا ہوگا۔" (حقائق الفرقان جلد۴ صفحہ ۲۹۰)

نیز فرمایا:

"یَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا: عبوس الوجہ اس آدمی کو کہتے ہیں جس کی پیشانی پر ہمیشہ بل پڑے ہوئے ہوں۔ قمطریر سخت سلوٹیں اور بل چہرے کے۔ عذاب الٰہی کی شدت کو دیکھ کر چہروں کی ایسی حالت ہوگی کہ جیسے سخت گریہ وزاری کے وقت رونے والے چہرے کی کیفیت عین حالت گریہ کے وقت ہوتی ہے۔"

(حقائق الفرقان جلد۴ صفحہ ۲۹۱)

---

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: "یقیناً ہم اپنے ربّ کی طرف سے (آنے والے) ایک تیوری چڑھائے ہوئے نہایت سخت دن کا خوف رکھتے ہیں۔"

۷۷۔ سُوْرَةُ وَالْمُرْسَلَاتِ

وَقَالَ مُجَاهِدٌ جِمَالَاتٌ حِبَالٌ. ارْكَعُوْا (المرسلات:٤٩) صَلُّوا. لَا يَرْكَعُوْنَ (المرسلات:٤٩) لَا يُصَلُّونَ. وَسُئِلَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَا يَنْطِقُوْنَ (المرسلات:٣٦) وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ (الانعام:٢٤) وَ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ (يس:٦٦) فَقَالَ إِنَّهُ ذُو أَلْوَانٍ مَرَّةً يَنْطِقُونَ وَمَرَّةً يُخْتَمُ عَلَيْهِمْ.

اور مجاہد نے کہا: جِمَالَاتٌ یعنی (جہاز کی) موٹی رسیاں۔ ارْكَعُوْا کے معنی ہیں نماز پڑھو۔ لَا يَرْكَعُوْنَ وہ نماز نہیں پڑھتے۔ اور حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ (ایک جگہ فرمایا: لَا يَنْطِقُوْنَ یعنی) وہ بات نہیں کریں گے۔ (اور دوسری جگہ فرمایا: وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ یعنی) اللہ کی قسم اے ہمارے ربّ! ہم تو مشرک نہ تھے۔ پھر (فرمایا: اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ یعنی) آج ہم اُن کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے۔ تو انہوں نے کہا: بات یہ ہے کہ انسان کے مختلف حالات ہوں گے۔ کبھی وہ بات کریں گے اور کبھی اُن کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی۔

تشریح: سُوْرَةُ وَالْمُرْسَلَاتِ: حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اس سورت کے آغاز ہی میں پھر مستقبل کے وہ واقعات جو دورِ آخرین سے تعلق رکھتے ہیں بیان فرمائے گئے ہیں اور اس زمانہ کی سائنسی ترقی کے ذکر کو گواہ ٹھہرایا گیا ہے کہ جس اللہ نے ان غیبی امور کی خبر دی ہے وہ ہر قسم کے انقلاب برپا کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ چنانچہ کچھ ایسے اڑنے والوں کا ذکر ہے جو آغاز میں آہستہ آہستہ اُڑتے ہیں اور پھر تیز آندھیوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ فی زمانہ تیز ترین جہازوں کا بھی یہی حال ہے کہ آہستہ آہستہ روانہ ہوتے ہیں اور پھر ان کی رفتار میں بے حد سرعت پیدا ہو جاتی ہے اور ان جہازوں کے ذریعہ دشمن سے لڑائی کے دوران کثرت سے اشتہار پھینکے جاتے ہیں اور یہ فرق ظاہر کیا جاتا ہے کہ اگر تم ہمارے ساتھ ہو تو ہم تمہارے مددگار ہوں گے ورنہ ہماری پکڑ سے تمہیں کوئی بچا نہیں سکے گا۔“

(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تعارف سورۃ المرسلات صفحہ ۱۱۱۱)

اِرْكَعُوْا کے معنی ہیں نماز پڑھو۔ لَا يَرْكَعُوْنَ وہ نماز نہیں پڑھتے۔ امام بخاری نے اس تعلیق سے آیت وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ○ (المرسلات: ۴۹) کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یعنی اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ نماز پڑھو تو وہ نماز نہیں پڑھتے۔ علامہ عینی لکھتے ہیں اس آیت میں رکوع کا اطلاق نماز پر کیا گیا ہے کیونکہ رکوع نماز کا جزو ہے اور بسا اوقات جزو سے کُل مراد لی جاتی ہے۔ (عمدۃ القاری، جزء۱۹ صفحہ ۲۷۲)

باب ۱

٤٩٣٠ : حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ مَّنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأُنْزِلَتْ عَلَيْهِ وَالْمُرْسَلَاتِ وَإِنَّا لَنَتَلَقَّاهَا مِنْ فِيهِ فَخَرَجَتْ حَيَّةٌ فَابْتَدَرْنَاهَا فَسَبَقَتْنَا فَدَخَلَتْ جُحْرَهَا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وُقِيَتْ شَرَّكُمْ كَمَا وُقِيتُمْ شَرَّهَا.

أطرافه: ١٨٣٠، ٣٣١٧، ٤٩٣١، ٤٩٣٤-

۴۹۳۰: محمود (بن غیلان) نے ہم سے بیان کیا کہ عبید اللہ (بن موسیٰ) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے اسرائیل سے، اسرائیل نے منصور سے، منصور نے ابراہیم (نخعی) سے، ابراہیم نے علقمہ (بن قیس) سے، علقمہ نے حضرت عبد اللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور آپؐ پر سورۂ مرسلات نازل کی گئی۔ اور ہم اس کو آپؐ کے منہ سے سن کر سیکھ رہے تھے۔ اتنے میں ایک سانپ نکلا، ہم اس پر جلدی سے لپکے لیکن وہ ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی اپنے سوراخ میں گھس گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے شر سے وہ بچ گیا جیسا کہ تم اس کے شر سے بچائے گئے۔

٤٩٣١ : حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ مَّنْصُورٍ بِهٰذَا، وَعَنْ إِسْرَائِيلَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ مِثْلَهُ، وَتَابَعَهُ أَسْوَدُ بْنُ

۴۹۳۱: عبدہ بن عبد اللہ (خزاعی) نے ہم سے بیان کیا کہ ہمیں یحيٰ بن آدم نے خبر دی۔ انہوں نے اسرائیل سے، اسرائیل نے منصور سے روایت کرتے ہوئے یہی حدیث بتائی۔ اور (ایسا ہی) اسرائیل نے (اس حدیث کو) اعمش سے، اعمش

عَـامِرٍ عَـنْ إِسْـرَائِيلَ. وَقَـالَ حَفْـصٌ وَأَبُو مُعَاوِيَةَ وَسُلَيْمَانُ بْنُ قَرْمٍ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ. وَ قَـالَ يَحْيَـى بْـنُ حَمَّـادٍ أَخْبَرَنَـا أَبُـو عَوَانَـةَ عَـنْ مُغِيـرَةَ عَـنْ إِبْـرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ. وَقَالَ ابْنُ إِسْحَاقَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَسْوَدِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ.

نے ابراہیم سے، ابراہیم نے علقمہ سے، علقمہ نے حضرت عبداللہؓ سے اسی طرح اس کو روایت کیا۔ اور (یحيٰ بن آدم کی طرح) اسود بن عامر نے بھی اسرائیل سے اس حدیث کو روایت کیا۔ اور حفص (بن غیاث) اور ابو معاویہ اور سلیمان بن قَرم نے بھی اعمش سے، اعمش نے ابراہیم (نخعی) سے، ابراہیم نے اسود سے اس کو روایت کیا۔ اور یحيٰ بن حماد نے کہا کہ ہمیں ابو عوانہ نے خبر دی۔ انہوں نے مغیرہ سے، مغیرہ نے ابراہیم سے، ابراہیم نے علقمہ سے، علقمہ نے حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) سے (یہی) روایت کی۔ اور ابن اسحاق نے عبدالرحمٰن بن اسود سے، عبدالرحمٰن نے اپنے باپ سے، ان کے باپ نے حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) سے بھی یہی نقل کیا۔

أطرافه: ١٨٣٠، ٣٣١٧، ٤٩٣٠، ٤٩٣٤-

حَـدَّثَنَا قُتَيْبَـةُ حَـدَّثَنَا جَرِيـرٌ عَـنِ الْأَعْمَـشِ عَـنْ إِبْـرَاهِيمَ عَـنِ الْأَسْـوَدِ قَـالَ قَـالَ عَبْـدُ اللهِ بَيْنَـا نَحْـنُ مَـعَ رَسُـولِ اللهِ صَـلَّى اللهُ عَلَيْـهِ وَسَـلَّمَ فِي غَارٍ إِذَا نَزَلَتْ عَلَيْهِ وَالْمُرْسَلَاتِ فَتَلَقَّيْنَاهَا مِنْ فِيهِ وَإِنَّ فَاهُ لَرَطْبٌ بِهَا إِذْ خَرَجَتْ حَيَّةٌ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمُ اقْتُلُوهَا قَالَ فَابْتَدَرْنَاهَا فَسَبَقَتْنَا قَالَ فَقَالَ

قتیبہ (بن سعید) نے ہم سے بیان کیا کہ جریر (بن عبدالحمید) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے اعمش سے، اعمش نے ابراہیم سے، ابراہیم نے اسود سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) کہتے تھے: ایک بار ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غار میں تھے۔ اسی اثنا میں آپؐ پر سورۂ مرسلات نازل ہوئی اور ہم نے آپؐ کے منہ سے سن کر اس کو سیکھا۔ اور ابھی آپؐ کا منہ اس سورۃ سے شیریں تھا کہ اتنے میں ایک سانپ نکلا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بچنا، اس کو مارو۔ کہتے

وُقِيَتْ شَرَّكُمْ كَمَا وُقِيتُمْ شَرَّهَا.

تھے: ہم اس پر جلدی سے لپکے مگر وہ ہم سے نکل گیا۔ کہتے تھے: آپؐ نے فرمایا: وہ تمہارے شر سے بچایا گیا جیسا کہ تم اس کے شر سے بچائے گئے۔

أطرافه: ۱۸۳۰، ۳۳۱۷، ۴۹۳۰، ۴۹۳۱، ۴۹۳۴۔

بَاب ۲: قَوْلُهُ اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ○ (المرسلات: ۳۳)

اللہ تعالیٰ کا فرمانا: بلکہ وہ اتنے اُونچے شعلے پھینکتا ہے جو قلعے کے برابر ہوتے ہیں

۴۹۳۲: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَابِسٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ○ (المرسلات: ۳۳) قَالَ كُنَّا نَرْفَعُ الْخَشَبَ بِقَصَرٍ ثَلَاثَةَ أَذْرُعٍ أَوْ أَقَلَّ فَنَرْفَعُهُ لِلشِّتَاءِ فَنُسَمِّيهِ الْقَصَرَ.

۴۹۳۲: محمد بن کثیر نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان نے ہمیں خبر دی کہ عبدالرحمٰن بن عابس نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عباسؓ کو اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ کے متعلق کہتے ہوئے سنا۔ کہا: ہم جلانے کے لئے تین تین ہاتھ یا اس سے کچھ کم لکڑیاں اٹھا کر جاڑے کے لئے رکھ چھوڑا کرتے تھے۔ اور ان کو قَصَر کہتے تھے۔

طرفه: ۴۹۳۳۔

تشریح: اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ: بلکہ وہ اتنے اُونچے شعلے پھینکتا ہے جو قلعے کے برابر ہوتے ہیں۔ (ترجمہ تفسیر صغیر) حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

> ”جن آئندہ جنگوں کا ذکر فرمایا گیا ہے ان کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ تین شعبوں والی ہوں گی یعنی بری بھی، بحری بھی اور فضائی بھی۔ اور آسمان سے ایسے شعلے برسیں گے جو قلعوں سے مشابہ ہوں گے گویا وہ جو گیا رنگ کے اُونٹ ہیں۔ ان دونوں آیات نے قطعی طور پر ثابت کر دیا کہ یہ باتیں تمثیلی رنگ میں ہو رہی ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کسی ایسی جنگ کا تصور موجود نہیں تھا جس میں آسمان سے شعلے برسیں۔ اس لئے لازماً یہ اُس علیم و خبیر ہستی کی طرف سے ایک پیشگوئی ہے جو مستقبل کے حالات بھی جانتا ہے۔“

(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تعارف سورۃ المرسلات صفحہ ۱۱۱۱)

بَاب ۳: كَأَنَّهُ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ○ (المرسلات: ۳۴)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) گویا کہ وہ ایسے ہیں جیسے زرد رنگ کے موٹے رسے

۴۹۳۳: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا يَحْيَى أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَابِسٍ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ○ (المرسلات: ۳۲) كُنَّا نَعْمِدُ إِلَى الْخَشَبَةِ ثَلَاثَةَ أَذْرُعٍ وَفَوْقَ ذَلِكَ فَنَرْفَعُهُ لِلشِّتَاءِ فَنُسَمِّيهِ الْقَصَرَ كَأَنَّهُ جِمَالَاتٌ صُفْرٌ حِبَالُ السُّفُنِ تُجْمَعُ حَتَّى تَكُونَ كَأَوْسَاطِ الرِّجَالِ.

طرفہ: ۴۹۳۲۔

۴۹۳۳: عمرو بن علی نے ہم سے بیان کیا کہ یحيٰ (بن سعید قطان) نے ہمیں بتایا کہ سفیان (ثوری) نے ہمیں خبر دی۔ (انہوں نے کہا:) عبدالرحمٰن بن عابس نے مجھ سے بیان کیا۔ (انہوں نے کہا:) میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ کے متعلق یہ سنا کہ ہم تین تین ہاتھ کی یا اس سے بڑی لکڑیاں لیتے اور اسے اٹھا کر جاڑے کے لئے رکھ چھوڑتے اور انہی کو قَصَر کہتے۔ كَأَنَّهُ جِمَالَاتٌ صُفْرٌ کے معنی ہیں جہازوں کی رسیاں جو اکٹھی کر کے بٹی جاتیں، یہاں تک کہ وہ آدمیوں کی کمر کے برابر موٹی ہوتیں۔

تشریح: كَأَنَّهُ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ: گویا کہ وہ ایسے ہیں جیسے زرد رنگ کے موٹے رسے۔ علامہ عینی لکھتے ہیں امام بخاری نے جمالات کی تفسیر حبال یعنی رسیوں سے کی ہے۔ یہ وہ موٹی رسیاں ہیں جن کے ساتھ بڑی بڑی کشتیوں یا جہازوں کو باندھا جاتا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں: آیت حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ (الأعراف: ۴۱) میں اَلْجَمَلُ سے مراد وہ موٹا رسّا ہے جس سے کشتیوں کو باندھا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اور سعید بن جبیرؒ نے بھی جمالات صفر کا معنی جہازوں کی رسیاں جو بٹی ہوئی ہوتی ہیں بیان کیا ہے۔ (عمدۃ القاری، جزء ۱۹ صفحہ ۲۷۲) علامہ زمخشری نے لکھا ہے کہ وَفِي التَّشْبِيْهِ بِالْجِمَالَاتِ وَهِيَ الْقُلُوْس، تَشْبِيْهٌ مِنْ ثَلَاثِ جِهَات، مِنْ جِهَةِ الْعِظَمِ وَالطُّوْلِ وَالصُّفْرَةِ۔ (الکشاف، سورۃ المرسلات، آیت كَأَنَّهُ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ، جزء ۴ صفحہ ۶۸۱) یعنی اَلْجِمَالَات جو کہ جہازوں کے باندھنے والے رسّے ہیں۔ یہ تشبیہ تین وجوہ سے ہے یعنی اس کی عظمت، اس کی لمبائی اور اس کے زرد رنگ ہونے کی وجہ سے۔

بَاب ٤ : هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ۝ (المرسلات:٣٦)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) یہ وہ دن ہے کہ وہ بات نہیں کریں گے

٤٩٣٤ : حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَارٍ إِذْ نَزَلَتْ عَلَيْهِ وَالْمُرْسَلَاتِ فَإِنَّهُ لَيَتْلُوهَا وَإِنِّي لَأَتَلَقَّاهَا مِنْ فِيهِ وَإِنَّ فَاهُ لَرَطْبٌ بِهَا إِذْ وَثَبَتْ عَلَيْنَا حَيَّةٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْتُلُوهَا فَابْتَدَرْنَاهَا فَذَهَبَتْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وُقِيَتْ شَرَّكُمْ كَمَا وُقِيتُمْ شَرَّهَا. قَالَ عُمَرُ حَفِظْتُهُ مِنْ أَبِي فِي غَارٍ بِمِنًى.

۴۹۳۴: عمر بن حفص بن غیاث نے ہم سے بیان کیا کہ میرے باپ نے ہمیں بتایا کہ اعمش نے ہم سے بیان کیا۔ (انہوں نے کہا:) ابراہیم نے مجھے بتایا۔ ابراہیم نے اسود (بن یزید) سے، اسود نے حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: ایک بار ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غار میں تھے کہ اسی اثنا میں آپؐ پر سورۂ مرسلات نازل ہوئی۔ آپؐ اس کو پڑھ ہی رہے تھے اور میں آپؐ کے منہ سے اس کو سیکھ رہا تھا۔ اور ابھی آپؐ کا منہ اس (آیت) سے شیریں بیاں تھا کہ اتنے میں ایک سانپ ہم پر کُود پڑا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو مار ڈالو۔ ہم جلدی سے اس پر لپکے مگر وہ نکل گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ تمہارے شر سے بچایا گیا جیسا کہ تم اس کے شر سے بچائے گئے۔ عمر (بن حفص) کہتے تھے: میں نے یہ (حدیث) اپنے باپ سے اُس غار میں یاد کی تھی جو منیٰ میں ہے۔

أطرافه: ١٨٣٠، ٣٣١٧، ٤٩٣٠، ٤٩٣١-

۷۸۔ سُوْرَةُ عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ

قَالَ مُجَاهِدٌ: لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا (النبأ: ۲۸) لَا يَخَافُونَهُ. لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا (النبأ: ۳۸) لَا يُكَلِّمُونَهُ إِلَّا أَنْ يَأْذَنَ لَهُمْ. صَوَابًا (النبأ: ۳۹) حَقًّا فِي الدُّنْيَا وَعَمِلَ بِهِ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَهَّاجًا (النبأ: ۱٤) مُضِيئًا. وَقَالَ غَيْرُهُ غَسَّاقًا (النبأ: ۲٦) غَسَقَتْ عَيْنُهُ، وَيَغْسِقُ الْجُرْحُ يَسِيلُ كَأَنَّ الْغَسَّاقَ وَالْغَسِيقَ وَاحِدٌ. عَطَآءً حِسَابًا (النبأ: ۳۷) جَزَاءً كَافِيًا، أَعْطَانِي مَا أَحْسَبَنِي أَيْ كَفَانِي.

مجاہد نے کہا: لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا سے مراد ہے کہ وہ اس (حساب) سے ڈرتے نہیں۔ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا کے معنی ہیں کہ اس سے بات نہیں کرسکیں گے سوائے اس کے کہ وہ ان کو بات کرنے کی اجازت دے۔ صَوَابًا کے معنی ہیں کہ دنیا میں سچی بات کہی تھی اور اس پر عمل کیا تھا اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا: وَهَّاجًا کے معنی ہیں چمکتا ہوا اور ان کے سوا اوروں نے کہا: غَسَّاقًا کے معنی ہیں اس کی آنکھ سے آنسو بہے (اور اس کے سامنے تاریکی ہوئی) يَغْسِقُ الْجُرْحُ کے معنی ہیں زخم پیپ سے بہہ رہا ہے۔ غَسَّاق اور غَسِيق کے ایک ہی معنی ہیں (یعنی پیپ) عَطَآءً حِسَابًا کے معنی ہیں پورا پورا بدلہ (عرب کہتے ہیں) أَعْطَانِي مَا أَحْسَبَنِي اس نے مجھے اتنا دیا کہ میرے لیے کافی ہو گیا۔

تشریح: **سُوْرَةُ عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ:** حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اس سورت کے آخر پر ایک بہت بڑا انتباہ فرمایا گیا ہے کہ اگر انسان نے اسی طرح غافلانہ حالت میں زندگی گزار دی تو انجام کار وہ بڑے درد سے اس حسرت کا اظہار کرے گا کہ کاش میں اس سے پہلے ہی مٹی ہو جاتا اور مٹی سے انسان کی صورت میں اٹھایا نہ جاتا۔“ (ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تعارف سورۃ النبا صفحہ ۱۱۱۷)

لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا: وہ یقیناً (کسی) محاسبہ کا ڈر (اپنے دلوں میں) نہیں رکھتے تھے۔ (ترجمہ تفسیر صغیر) علامہ عینی لکھتے ہیں کہ رَجَاء کا لفظ اُمید اور خوف دونوں کے لیے مستعمل ہے۔ (عمدۃ القاری، جزء۱۹ صفحہ ۲۷۵)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ رَجَاء کے ان معنوں کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”يَرْجُوْنَ کے معنے خوف کرنے کے بھی ہوتے ہیں اور امید رکھنے کے بھی۔

اور آخرت کے لحاظ سے یہ دونوں معنے چسپاں ہو سکتے ہیں یعنی لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا (النبأ:۲۸) وہ خوف نہیں کرتے تھے کہ ہمارے اعمال کی سزا ہم کو ملے گی یا وہ امید نہیں کرتے تھے کہ اگر ہم نیک اعمال کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کا کوئی بدلہ ملے گا۔ اس لیے رَجَاء کا لفظ یہاں استعمال کیا گیا ہے قرآن کریم کی یہ خوبی ہے کہ وُہ ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے جو ایک ہی وقت میں کئی کئی معنوں میں مستعمل ہو جاتے ہیں۔ یہاں بھی رَجَاء کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو دو معنوں کی طرف اشارہ کرتا ہے یعنی اُمید اور خوف۔ درحقیقت انسانی اعمال میں دو وجوہ سے ہی خرابی پیدا ہوتی ہے یا تو اس وجہ سے خرابی پیدا ہوتی ہے کہ بد اعمال کی سزا کا اُسے کوئی ڈر نہیں ہوتا اور یا اس وجہ سے خرابی پیدا ہوتی ہے کہ نیک اعمال کی جزاء کا اُسے کوئی یقین نہیں ہوتا۔ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا میں یہ دونوں باتیں بیان کر دی گئی ہیں۔" (تفسیر کبیر، سورۃ النباء، زیر آیت اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا جلد ۸ صفحہ ۴۱)

لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا: وہ اس کے حضور میں (بلا اجازت) بات کرنے کی طاقت نہیں رکھیں گے۔ (ترجمہ تفسیر صغیر) اس سے مراد یہ ہے کہ وہ یہ طاقت نہیں رکھتے کہ اللہ تعالیٰ سے ثواب یا عذاب کی کمی بیشی کی بات کر سکیں۔ (عمدۃ القاری جزء ۱۹ صفحہ ۲۷۵)

صَوَابًا: اس کے معنی ہیں اللَّائِقُ یعنی مناسب، الحَقُّ یعنی پکی بات، ضِدُّ الخَطَإِ درست بات۔[1] فرماتا ہے: يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۖ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ○ (النبأ:۳۹) یعنی جس دن روح القدس اور فرشتے صف بصف کھڑے ہوں گے، وہ کلام نہیں کریں گے سوائے اُس کے جسے رحمٰن اجازت دے گا اور وہ درست بات کہے گا۔ (ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ)

امام بخاری نے صَوَاب کے معنی مجاہد سے یہ نقل کیے ہیں کہ دنیا میں سچی بات کہی تھی اور اس پر عمل کیا تھا۔ اس میں ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے رَبُّنَا اللہ کہا اور اس پر استقامت اختیار کرکے اپنے عمل سے اپنے قول کی تصدیق کی۔ نیز اس سے مراد یہ ہے کہ آخرت میں تمام لوگ جن میں انبیاء اور صلحاء سب شامل ہیں خدا کے حضور صف بستہ کھڑے ہوں گے اور کسی کو بات کرنے کی اجازت نہیں ہوگی سوائے اس کے جسے رحمان خدا اجازت دے گا اور وہ جو بات کہے گا ٹھیک کہے گا۔ جس وجود کو یہاں اجازت ملنے کا ذکر ہے وہ ہمارے سید و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور آپؐ خدا کے حضور پختہ اور سچی بات کریں گے۔ اسے قرآنِ کریم اور احادیث میں شفاعت کے لفظ سے بیان کیا گیا ہے۔

---

[1] (اقرب الموارد۔ صوب)

وَهَّاجًا: وَ جَعَلۡنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ۝ (النبأ:۱۴) اور ہم نے ایک چمکتا ہوا سورج (بھی) بنایا ہے۔ وَهَجَ کے ایک معنی آگ سے گرمی اور روشنی حاصل کرنے کے بھی ہیں۔ (المفردات فی غریب القرآن، کتاب الواو، وھج)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عالمگیر تعلیم کی طرف بھی اس میں اشارہ ہے اور اللہ تعالیٰ یہ بیان فرماتا ہے کہ جس طرح سورج کا نور ساری دنیا پر پھیل جاتا ہے اِسی طرح محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم ایک دن ساری دنیا میں پھیل جائے گی۔ تم مکّے کا رونا رو رہے ہو اور کہہ رہے ہو کہ مکّہ میں اسلام پھیل گیا دس بیس پچاس برس کے بعد ایک دن آئے گا جب تم دیکھو گے کہ یہ سِرَاج وَهَّاج بن جائے گا اور اس کی روشنی ساری دنیا پر چھا جائے گی۔... دُور تک گرمی اور روشنی کے پھیلنے میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانۂ افادہ زمانہ کے لحاظ سے بھی بہت ممتد ہے اور جس طرح یہ دنیوی سورج قیامت تک مادی دنیا کی ضرورتوں کو پورا کرتا رہے گا رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا افاضۂ روحانی بھی دنیا کے اختتام تک چلتا چلا جائے گا۔“

(تفسیر کبیر، سورۃ النبأ، زیر آیت وَجَعَلۡنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا، جلد ۸ صفحہ ۲۳)

غَسَّاقًا: فرمایا اِلَّا حَمِيۡمًا وَّ غَسَّاقًا ۝ (النبأ:۲۶) ہاں مگر اللہ ان کو (تیز) گرم پانی اور (ناقابل برداشت) ٹھنڈا پانی دے گا۔ لغت میں لکھا ہے۔ الغَسَّاقُ: اَلۡبَارِدُ وَ الۡمُنۡتِنُ، وَمَا يَقۡطُرُ مِنۡ جُلُوۡدِ اَهۡلِ النَّارِ وَصَدِيۡدُهُمۡ مِنۡ قَيۡحٍ وَّنَحۡوِهٖ (اقرب الموارد-غسق) غَسَّاق کے معنی ہوتے ہیں سخت سرد اور بدبودار پانی اور جو جہنمیوں کی جلدوں سے ٹپکے گا اور ان کی پیپ وغیرہ جو زخموں سے بہتی ہے۔ کیونکہ غَسَّاق کے معنے ہیں سخت سرد۔ پس یہ کہنا کہ اُنہیں وہاں سردی نہیں لگے گی بالبداہت باطل ہو گیا کیونکہ غَسَّاق کے معنی ہی سخت سرد کے ہیں۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”غرض اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دوزخیوں کو جو پانی ملے گا وہ سخت گرم ہو گا۔ اسی طرح اُنہیں زخموں کا دھوون یا اسکی پیپ دی جائے گی یا سخت بدبودار اور سڑا ہوا پانی ملے گا یا اتنا ٹھنڈا پانی دیا جائے گا جس سے ان کے دانت گرنے لگیں گے۔“

(تفسیر کبیر، سورۃ النبأ، زیر آیت اِلَّا حَمِيۡمًا وَّغَسَّاقًا جلد ۸ صفحہ ۴۰)

عَطَآءً حِسَابًا: فرماتا ہے: جَزَآءً مِّنۡ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ۝ (النبأ:۳۷) یعنی اُنہیں تیرے ربّ کی طرف سے ایسا بدلہ دیا جائے گا جو مناسب حال انعام ہو گا۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”عَطَآءً کا لفظ جَزَآءً کے لئے مفعول مطلق کے طور پر استعمال ہوا ہے یعنی یہ ایسی جزاء ہو گی جو حساب کے مطابق ہو گی۔ حساب کے مطابق جزاء ہونے سے بظاہر اس امر پر زور معلوم ہوتا ہے کہ وہاں حساب سے زیادہ جزاء نہیں ہو گی حالانکہ قرآن کریم کی بعض دوسری آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا رحیم ہے اور انسانی اعمال سے بہت زیادہ جزاء دیتا ہے۔ پس بظاہر یہ بات اُن آیات کے خلاف نظر آتی ہے کہ ایک جگہ فرمایا گیا ہے کہ ہم مومنوں کو ان کے کام سے زیادہ جزاء دیں گے اور دوسری جگہ یہ فرمادیا کہ حساب کے مطابق جزاء ہو گی۔ اس کے متعلق یاد رکھنا چاہیئے کہ حساب کے معنے حساب کے مطابق کے علاوہ اور بھی ہوتے ہیں چنانچہ حساب کے ایک معنے گننے کے بھی ہوتے ہیں اور کافی کے بھی ہوتے ہیں[1] یعنی ایسی چیز جس سے ضرورت پوری ہو جائے۔ پس عَطَآءً حِسَابًا (النبأ:۳۷) کا یہ مطلب ہوا کہ ایسی عطا جس سے انسان کی ہر ضرورت پوری ہو جائے۔ چنانچہ ابن کثیر لکھتے ہیں کَافِیًا وَافِیًا سَالِمًا کَثِیْرًا کہ حِسَابًا کے معنے یہ ہیں کہ جو کچھ ملے گا وہ کافی ہو گا بلکہ ضرورت سے زیادہ ہو گا اور سالم ہو گا یعنی کسی قسم کا نقص اُس میں نہیں ہو گا۔ کَثِیْرًا اور وہ پھر بہت ہو گا۔... گویا یہاں حِسَابًا کے معنے یہ ہوں گے کہ ایسی عطا جو پہلے ہی حساب میں آئی ہوئی تھی جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنی پیشگوئیوں میں ذکر کیا ہوا تھا اور جس کے متعلق مومن یہ امید رکھتا تھا... میرے نزدیک عَطَآءً حِسَابًا (النبأ:۳۷) سے مراد وہی عطا ہے جو حساب میں آچکی تھی یعنی جس کا ذکر ہو چکا تھا۔“ (تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۵۷، ۵۸)

باب ۱: يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَأْتُوْنَ أَفْوَاجًا (النبأ: ۱۹)

جس دن کہ صور میں پھونکا جائے گا پھر تم گروہ در گروہ (ہو کر ہمارے حضور میں) آؤ گے

زُمَرًا. (أَفْوَاجًا کے معنی ہیں) گروہ در گروہ۔

٤٩٣٥: حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا

۴۹۳۵: محمد (بن سلام بیکندی) نے مجھ سے بیان

[1] (اقرب الموارد - حسب)

أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَيْنَ النَّفْخَتَيْنِ أَرْبَعُونَ قَالَ أَرْبَعُونَ يَوْمًا؟ قَالَ أَبَيْتُ قَالَ أَرْبَعُونَ شَهْرًا؟ قَالَ أَبَيْتُ قَالَ أَرْبَعُونَ سَنَةً؟ قَالَ أَبَيْتُ قَالَ ثُمَّ يُنْزِلُ اللهُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيَنْبُتُونَ كَمَا يَنْبُتُ الْبَقْلُ، لَيْسَ مِنَ الْإِنْسَانِ شَيْءٌ إِلَّا يَبْلَى، إِلَّا عَظْمًا وَاحِدًا وَهُوَ عَجْبُ الذَّنَبِ وَمِنْهُ يُرَكَّبُ الْخَلْقُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

طرفه: ٤٨١٤۔

کیا کہ ابومعاویہ نے ہمیں خبر دی۔ انہوں نے اعمش سے، اعمش نے ابوصالح سے، ابوصالح نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی، اُنہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (صور کی) دو پھونکوں کے درمیان چالیس کا فاصلہ ہو گا۔ لوگوں نے پوچھا: چالیس دن؟ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا: میں نہیں کہہ سکتا۔ اُنہوں نے پوچھا: چالیس مہینے؟ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا: میں نہیں کہہ سکتا۔ لوگوں نے پوچھا: چالیس سال؟ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا: میں نہیں کہہ سکتا۔ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا: پھر اس کے بعد اللہ آسمان سے مینہ برسائے گا اور لوگ اس طرح نشوونما پائیں گے جیسے سبزیاں نشوونما پاتی ہیں۔ آدمی سے کوئی چیز باقی نہیں رہے گی جو بوسیدہ نہ ہو جائے سوائے ایک ہڈی کے اور وہ ریڑھ کا آخری سرا ہے۔ اور اسی سے قیامت کے دن ڈھانچا ترکیب دیا جائے گا۔

تشریح: يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ: جس دن صور میں پھونکا جائے گا۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”صور کا لفظ ہمیشہ عظیم الشان تبدیلیوں کی طرف اشارہ کرتا ہے گویا جب خدا تعالیٰ اپنی مخلوقات کو ایک صورت سے منتقل کر کے دوسری صورت میں لاتا ہے تو اس تغیر صور کے وقت کو نفخ صور سے تعبیر کرتے ہیں اور اہل کشف پر مکاشفات کی رو سے اس صور کا ایک وجود جسمانی بھی محسوس ہوتا ہے اور یہ عجائبات اس عالم میں سے ہیں جن کے سر اس دنیا میں بجز منقطعین کے اور کسی پر کھل نہیں سکتے۔“

(شہادۃ القرآن، روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۳۱۲)

وَهُوَ عَجْبُ الذَّنَبِ وَمِنْهُ يُرَكَّبُ الْخَلْقُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: اور وہ ریڑھ کا آخری سرا ہے۔ اور اسی سے قیامت کے دن ڈھانچا ترکیب دیا جائے گا۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہاں جسم تو ضرور ہو گا مگر وہ ایک روحانی جسم ہو گا یہ موجودہ جسم نہیں ہو گا۔ یہ جسم مٹی میں مل کر فنا ہو جائے گا البتہ اس کے کسی باریک حصہ کو لے کر جسے درحقیقت روحانی حصہ ہی کہنا چاہیئے اللہ تعالیٰ اُسے نشوونما دینا شروع کر دے گا اور اُسے انسان کا جسم بنا دے گا۔ انسان اپنے ذہن میں اس جسم کو اسی جسم کا ایک تسلسل سمجھے گا اور یہی یقین رکھے گا کہ میں وہی آدمی ہوں جو دنیا میں ہوا کرتا تھا مگر وہ جسم اور ہو گا۔"

(تفسیر کبیر، سورۃ النبا، زیر آیت يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا جلد ۸ صفحہ ۶۱)

۷۹- سُورَةُ وَالنَّازِعَاتِ

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: الْآيَةَ الْكُبْرٰى (النازعات:۲۱) عَصَاهُ وَيَدُهُ، يُقَالُ النَّاخِرَةُ وَالنَّخِرَةُ سَوَاءٌ، مِثْلُ الطَّامِعِ وَالطَّمِعِ، وَالْبَاخِلِ وَالْبَخِيلِ. وَقَالَ بَعْضُهُمْ وَالنَّخِرَةُ الْبَالِيَةُ وَالنَّاخِرَةُ الْعَظْمُ الْمُجَوَّفُ الَّذِي تَمُرُّ فِيهِ الرِّيحُ فَيَنْخَرُ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَلْحَافِرَةِ (النازعات:۱۱) إِلَى أَمْرِنَا الْأَوَّلِ إِلَى الْحَيَاةِ. وَقَالَ غَيْرُهُ اَيَّانَ مُرْسٰهَا (النازعات:۴۳) مَتَى مُنْتَهَاهَا، وَمُرْسَى السَّفِينَةِ حَيْثُ تَنْتَهِي. {الرَّاجِفَةُ (النازعات:۷) النَّفْخَةُ الْأُولَى، الرَّادِفَةُ النَّفْخَةُ الثَّانِيَةُ.[1]}

اور مجاہد نے کہا: اَلْاٰيَةَ الْكُبْرٰى سے مراد حضرت موسیٰؑ کا عصا اور ان کا ہاتھ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ النَّاخِرَةُ اور النَّخِرَةُ دونوں ایک سے ہیں جیسے طَامِع اور طَمِع اور بَاخِل اور بَخِيل۔ اور ان میں سے بعض نے کہا اور نَخِرَةٌ کے معنی ہیں بوسیدہ (ہڈی) اور النَّاخِرَةُ وہ کھوکھلی ہڈی ہے جس کے اندر سے ہوا گزرے تو وہ کھرکھراہٹ کی آواز دے اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا: اَلْحَافِرَةِ کے معنی ہیں ہماری وہ پہلی حالت جو (دنیا کی) زندگی میں ہوئی ہے اور ان کے سوا اَوروں نے کہا: اَيَّانَ مُرْسٰهَا یعنی اس کی انتہا کہاں ہے۔ اور مُرْسَى السَّفِينَةِ وہ جگہ ہے جہاں کشتی آکر ٹھہر جاتی ہے۔ الرَّاجِفَةُ کے معنی ہیں پہلی بار (صور کا) پھونکا جانا، الرَّادِفَةُ کے معنی ہیں دوسری بار (صور کا) پھونکا جانا۔

تشریح: اَلْاٰيَةَ الْكُبْرٰى: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ○ (النازعات:۲۱) چنانچہ (موسیٰ گئے اور انہوں نے) اسے ایک بڑا نشان دکھلایا۔ (ترجمہ تفسیر صغیر) مجاہد نے کہا: اَلْاٰيَةَ الْكُبْرٰى سے مراد حضرت موسیٰؑ کا عصا اور ان کا ہاتھ ہے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”سوال یہ ہے کہ جب فرعون کو بہت سے نشانات دکھائے گئے تو پھر آیت کُبری سے کونسا نشان مراد ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جیسا کہ سورۂ طٰہٰ سے ہی ظاہر ہے پہلے دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا کا معجزہ دکھایا تھا۔ یہاں بھی چونکہ فرعون سے پہلی ملاقات کا ہی ذکر ہے اس لئے آیتِ کبریٰ سے مراد عصا والا معجزہ

[1] یہ الفاظ عمدۃ القاری کے مطابق ہیں۔ (عمدۃ القاری جزء ۱۹ صفحہ ۲۷۷)

ہے۔ قرآنِ کریم نے بھی بار بار عصا کے معجزہ کا ذکر کیا ہے۔ بیشک ید بیضا کا معجزہ بھی کئی دفعہ ظاہر ہوا مگر ید بیضا کا معجزہ ہمیشہ عصا والے معجزہ کے بعد ظاہر ہوا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت کے مقام پر کھڑا کیا گیا تو اُس وقت بھی پہلے عصا کا معجزہ ظاہر ہوا اور بعد میں ید بیضا کا۔ فرعون کے سامنے ساحروں کے مقابلہ میں بھی عصا کا معجزہ ہی دکھایا گیا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے ساتھ دریا کو پار کیا تو اُس وقت بھی عصا ہی سمندر پر مارا گیا اور جب پانی کی سخت ضرورت تھی تو اُس وقت بھی عصا ہی چٹان پر مارا گیا۔ پس عصا کے ساتھ خصوصیت سے کئی نشانات وابستہ تھے اِسی لئے اِس معجزہ کو آیت کُبریٰ قرار دیا گیا ہے۔ خروج باب ۷ آیت ۸ تا ۱۰ سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا کا معجزہ ہی دکھایا تھا۔"

(تفسیر کبیر، سورۃ النازعات، زیر آیت فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى جلد ۸ صفحہ ۱۱۹، ۱۲۰)

الْحَافِرَةِ: يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ ○ (النازعات: ۱۱) وہ (لوگ) کہیں گے کہ کیا ہم ضرور پہلی حالت کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے۔ (ترجمہ تفسیر صغیر)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ سے مراد یہ ہے کہ جب کفار ایک پیشگوئی کو پورا ہوتے دیکھیں گے تو اُن کے دل دھڑکیں گے اور وہ کہیں گے کیوں جی ایک بات تو پوری ہوگئی۔ کیا دوبارہ زندہ ہونے والی بات بھی پوری ہو جائے گی یعنی خُود بخود اُن کے دل میں سوال اُٹھنا شروع ہو جائے گا یا وہ آپس میں ایک دوسرے سے کہیں گے کہ ایک بات تو ہو گئی کیا اس سے ہم یہ نتیجہ نکال لیں کہ قیامت کا مسئلہ بھی سچ مچ صحیح ہے اور کیا اب اس طرح ہو کر رہے گا اگر ایسا ہوا تو ہمیں بڑا نقصان پہنچے گا۔" (تفسیر کبیر، سورۃ النازعات، زیر آیت يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ جلد ۸ صفحہ ۱۱۴، ۱۱۵)

اَيَّانَ مُرْسٰهَا: يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ○ (النازعات: ۴۳) وہ تجھ سے اس گھڑی کے متعلق پوچھتے ہیں (کہ) اُس کا آنا کب ہوگا۔ (ترجمہ تفسیر صغیر) اَلْمُرْسٰى، اَرْسٰى سے اسم مفعول یا ظرف ہے اور اَرْسَى السَّفِيْنَةَ کے معنے ہیں اَوْقَفَهَا عَلَى الْاَنْجَرِ کشتی یا جہاز کو ان کی بندرگاہ پر لنگر انداز کر دیا۔ (اقرب الموارد - رسو) يَسْـَٔلُوْنَكَ اَيَّانَ مُرْسٰهَا اَيْ مَتٰى وُقُوْعُهَا یعنی کب یہ پیشگوئیاں پوری ہوں گی۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ پیشگوئیوں میں وقت کا بتانا ضروری نہیں ہوتا اور نہ اس سے اصل معاملہ کا کوئی تعلق ہوتا ہے جب تم پر عذاب ہی آنا ہے تو وہ دو دن پہلے آ گیا یا دو دن بعد میں آ گیا۔ اس سے اصل پیشگوئی پر کیا اثر پڑ سکتا ہے۔... دشمن کا ہمیشہ یہ سوال رہتا ہے کہ جب ایک پیشگوئی کی گئی ہے تو اس کے پورا ہونے کی تاریخ بھی بتا دی جائے اور اس امر کا بھی اظہار کر دیا جائے کہ ایسا کب ہوگا مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تمہیں اس سے کیا واسطہ۔ جب پیشگوئی پوری ہو گئی تم میں سے ہر شخص کو نظر آ جائے گا کہ خدا تعالیٰ نے جو کچھ کہا تھا وہ سچ ثابت ہوا۔ تمہیں اس کی تاریخ اور وقت اگر بتا بھی دیا جائے تو تمہیں اس سے کیا فائدہ ہوگا۔“

(تفسیر کبیر، سورۃ النازعات، زیر آیت يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ جلد ۸ صفحہ ۱۴۱)

الرَّاجِفَةُ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ○ (النازعات: ۷) (ان صفات والی قوم کے ظہور کا وہ دن ہوگا) جس دن جنگ (کی تیاری) کرنے والی (قوم) جنگ کی تیاری کرے گی۔ (ترجمہ تفسیر صغیر)

باب ۱

۴۹۳۶: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ الْمِقْدَامِ حَدَّثَنَا الْفُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا أَبُو حَازِمٍ حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ سَعْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بِإِصْبَعَيْهِ هَكَذَا بِالْوُسْطَى وَالَّتِي تَلِي الْإِبْهَامَ بُعِثْتُ وَالسَّاعَةَ كَهَاتَيْنِ.

اطرافہ: ۵۳۰۱، ۶۵۰۳۔

۴۹۳۶: احمد بن مقدام نے ہم سے بیان کیا کہ فضیل بن سلیمان نے ہمیں بتایا کہ ابوحازم نے ہم سے بیان کیا (اُنہوں نے کہا:) حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے ہمیں بتایا، اُنہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپؐ نے اپنی دونوں انگلیوں سے اشارہ کر کے فرمایا یعنی درمیانی انگلی سے اور اس سے جو انگوٹھے سے ملی ہے کہ میری بعثت اور وہ گھڑی ان دو کی طرح ہے۔

{[1] قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَغْطَشَ

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: أَغْطَشَ کے معنی ہیں

[1] یہ الفاظ عمدۃ القاری کے مطابق ہیں۔ (عمدۃ القاری جزء ۱۹ صفحہ ۲۷۸)

(النازعات:۳۰) أَظْلَمَ . الطَّآمَّةُ اس نے تاریک بنایا۔ الطَّآمَّةُ سے مراد وہ ہے جو
(النازعات:۳۵) تَطُمُّ كُلَّ شَيْءٍ.} ہر چیز پر پھیل جائے گی۔

تشریح: بُعِثْتُ وَالسَّاعَةَ كَهَاتَيْنِ: میری بعثت اور وہ گھڑی ان دو کی طرح ہے۔

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”اَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ۔[۱] یعنی میں اور قیامت اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہیں کہ جس طرح میری یہ دو انگلیاں آپس میں ملی ہوئی ہیں (اور یہ الفاظ فرماتے ہوئے آپؐ نے اپنی دو انگلیاں کھڑی کر کے ایک دوسرے کے ساتھ پیوست کر دیں۔) اس لطیف حدیث کا بھی یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میری وفات کے معاً بعد قیامت آجائے گی۔ کیونکہ یہ بات نہ صرف واقعات بلکہ آپؐ کی بعثت کی غرض و غایت کے بھی خلاف ہے کہ آپؐ کے معاً بعد قیامت آجاوے۔ پس اس حدیث میں بھی یقیناً یہی اشارہ کرنا مقصود ہے کہ میرا دورِ شریعت قیامت تک چلے گا اور میرے بعد کوئی اور شریعت نہیں آئے گی جو میری شریعت کو منسوخ کر کے ایک نیا دور شروع کر دے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خداداد مشن مکانی لحاظ سے وسیع اور غیر محدود ہے اور دنیا کی کوئی قوم آپؐ کی دعوت سے باہر نہیں اسی طرح زمانی لحاظ سے بھی آپؐ کا مشن کسی ایک زمانہ تک محدود نہیں بلکہ قیامت تک وسیع اور غیر محدود ہے۔“

(سیرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم مصنفہ حضرت مرزا بشیر احمدؓ صاحب ایم اے، صفحہ ۸۹۴)

---

[۱] (صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم. بعثت انا والساعة کھاتین، روایت نمبر ۶۵۰۵)
(صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب تخفیف الصلاة والخطبة)

۸۰۔سُورَةُ عَبَسَ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام کے ساتھ جو رحمٰن اور رحیم ہے

عَبَسَ وَ تَوَلّٰی(عبس:۲) كَلَحَ وَأَعْرَضَ. وَقَالَ غَيْرُهُ مُطَهَّرَة(عبس:۱۵) لَا يَمَسُّهَا إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ وَهُمُ الْمَلَائِكَةُ، وَ هَذَا مِثْلُ قَوْلِهِ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا (النازعات:۶) جَعَلَ الْمَلَائِكَةَ وَالصُّحُفَ مُطَهَّرَةً لِأَنَّ الصُّحُفَ يَقَعُ عَلَيْهَا التَّطْهِيرُ، فَجُعِلَ التَّطْهِيرُ لِمَنْ حَمَلَهَا أَيْضًا. سَفَرَة (عبس:۱۶) الْمَلَائِكَةُ، وَاحِدُهُمْ سَافِرٌ، سَفَرْتُ أَصْلَحْتُ بَيْنَهُمْ، وَجُعِلَتِ الْمَلَائِكَةُ إِذَا نَزَلَتْ بِوَحْيِ اللهِ وَتَأْدِيَتِهِ كَالسَّفِيرِ الَّذِي يُصْلِحُ بَيْنَ الْقَوْمِ. وَقَالَ غَيْرُهُ تَصَدّٰى(عبس:۷) تَغَافَلَ عَنْهُ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ لَمَّا يَقْضِ(عبس:۲۴) لَا يَقْضِي أَحَدٌ مَا أُمِرَ بِهِ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ (عبس:۴۲) تَغْشَاهَا شِدَّةٌ. مُسْفِرَةٌ (عبس:۳۹) مُشْرِقَةٌ. بِاَيْدِیْ سَفَرَةٍ(عبس:۱۶) وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ كَتَبَةٍ. اَسْفَارًا (الجمعة:۶) كُتُبًا. تَلَهّٰى (عبس:۱۱) تَشَاغَلَ.

عَبَسَ وَ تَوَلّٰی کے معنی ہیں منہ بنایا اور اعراض کیا اور ان کے سوا اَوروں نے کہا: مُطَهَّرَة (یعنی پاکیزہ) اور لَا يَمَسُّهَا إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ (یعنی جو پاک ہیں وہی قرآن کو چھوتے ہیں) سے مراد ملائکہ ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرح ہے فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا (وہ جو کہ سلسلۂ قوم کی تدبیر کرتے ہیں) یعنی ملائکہ اور صحیفوں کو پاکیزہ قرار دیا کیونکہ صحیفوں کی صفت تطہیر ہے اور اس لئے تطہیر ان کی بھی صفت بنائی گئی جو ان کو اٹھاتے ہیں۔ سَفَرَة یعنی فرشتے اس کا مفرد سَافِرٌ ہے۔(عرب کہتے ہیں:) سَفَرْتُ یعنی میں نے ان کے درمیان اصلاح کر دی اور ملائکہ کو جب وہ اللہ کی وحی لے کر نازل ہوتے ہیں اور اس کو پہنچاتے ہیں، اس سفیر کی طرح قرار دیا گیا جو قوم کے درمیان صلح کراتا ہے اور ان کے سوا اَوروں نے کہا: تَصَدّٰى کے معنی ہیں وہ عمداً بے خبر ہو جاتا ہے، اس سے چشم پوشی کرتا ہے اور مجاہد نے کہا: لَمَّا يَقْضِ کے معنی ہیں یعنی کوئی بھی جو اس کو حکم دیا گیا پورے طور پر ادا نہیں کرتا اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا: تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ کے معنی ہیں اس پر مصیبت چھا گئی۔ مُسْفِرَةٌ کے معنی ہیں

يُقَالُ وَاحِدُ الْأَسْفَارِ سِفْرٌ.

چمکتے ہوئے بِاَیْدِیْ سَفَرَۃٍ (کے معنی ہیں لکھنے والوں کے ہاتھوں میں) اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: (سَفَرَۃٍ کے معنی ہیں) کاتب۔ (اور اسی سے) اَسْفَارًا (ہے) یعنی کتابیں۔ تَلَهّٰی کے معنی ہیں تو اس سے غافل رہتا ہے۔ (کھیل میں لگ جاتا ہے۔) کہا جاتا ہے کہ أَسْفَارٌ کا مفرد سِفْرٌ ہے۔

٤٩٣٧: حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ قَالَ سَمِعْتُ زُرَارَةَ بْنَ أَوْفَى يُحَدِّثُ عَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَثَلُ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَهُوَ حَافِظٌ لَهُ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ، وَمَثَلُ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَهُوَ يَتَعَاهَدُهُ وَهُوَ عَلَيْهِ شَدِيدٌ فَلَهُ أَجْرَانِ.

۴۹۳۷: آدم (بن ابی ایاس) نے ہم سے بیان کیا کہ شعبہ (بن حجاج) نے ہمیں بتایا، (کہا:) قتادہ نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: میں نے زرارہ بن اوفیٰ کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ سعد بن ہشام سے روایت ہے۔ سعد نے حضرت عائشہؓ سے، حضرت عائشہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپؐ نے فرمایا: جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور وہ اس کا حافظ ہے اس کی اعلیٰ درجہ کے نیکوکار، معزز، لکھنے والوں کی سی حالت ہوگی اور جو شخص قرآن پڑھتا اور اس کو بار بار یاد کرتا ہے مگر اس کے لئے مشکل ہوتا ہے تو اس کو دو ثواب ملیں گے۔

تشریح: **سُوْرَۃُ عَبَسَ:** حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اس سورۃ کی ابتدائی آیتوں کے شانِ نزول کے متعلق ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ جس کا ذکر مَیں ابھی کروں گا۔ اس سے پہلے اس امر کو یاد رکھنا چاہئیے کہ شانِ نزول سے ہمیشہ یہ مراد نہیں ہوتا کہ ان آیات کے نزول سے وہی امر مراد ہے جو شانِ نزول کے تحت میں بیان کیا جاتا ہے۔ بلکہ اصل یہ ہے کہ وحیِ الٰہی کے نزول کے کچھ اسباب ہوتے ہیں۔ ان میں سے اس واقعہ پر بھی وہ آیات چسپاں ہوتی ہیں

ورنہ اگر کسی ایک واقعہ کو مخصوص کر لیں تو پھر قرآن مجید کی عظمت جو اس کے عام اور ابدی ہونے میں ہے کم ہو جاتی ہے۔ غرض اس کی ابتدائی آیات کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجمع قریش میں تبلیغ فرما رہے تھے۔... اسی اثناء میں عبد اللہ بن امّ مکتوم جو نابینا تھے دوڑتے ہوئے آئے اور آپؐ سے امر دین میں کچھ دریافت کرنا چاہا چونکہ وہ نابینا تھے، انہیں یہ بھی معلوم نہ تھا کہ یہاں کن لوگوں کو حضرتؐ خطاب کر رہے ہیں۔ اور آداب الرسولؐ کے موافق انہیں کیا طرز اختیار کرنا چاہیئے۔ وفورِ شوق اور اخلاص سے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن امّ مکتوم کا یہ فعل پسند نہ آیا۔ اور اس کے آثار آپؐ کے چہرہ پر ظاہر ہوئے۔ اور کافروں کی طرف منہ پھیر کر ان سے باتیں کرنے لگے۔ آپؐ کے اس فعل پر اللہ تعالیٰ نے عتاب کیا۔ صحیح روایت میں ہے کہ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن امّ مکتوم کی بڑی دلداری کی اور اپنی چادر بچھا کر اسے بٹھایا۔ یہ واقعہ آنحضرتؐ کی صداقت اور قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے کا زبردست ثبوت ہے۔ اگر یہ کلامِ الٰہی نہ ہوتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے فرستادہ اور سچّے نبی نہ ہوتے تو یہ اس میں درج نہ ہوتا۔ جو گویا عتاب کا رنگ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر خدا تعالیٰ کی کتاب اور وحی پر ایمان نہ رکھتے تو پھر اس کی تلافی نہ فرماتے۔" (حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۳۲۵، ۳۲۶)

عَبَسَ وَ تَوَلّٰٓى: یعنی منہ بنایا اور اعراض کیا۔

اس آیت میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعض سردارانِ قریش کو تبلیغ فرما رہے تھے اور حضرت عبد اللہ بن اُم مکتومؓ نے مداخلت کرتے ہوئے اپنی بات کرنی چاہی۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے جو یہ نابینا صحابیؓ تو نہ دیکھ سکتے تھے مگر وہ سردار آپؐ کی اس کیفیت کو بھانپ گئے۔ اگرچہ قصور حضرت عبد اللہ بن ام مکتومؓ کا تھا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رنگ میں اس پر ردِّعمل ظاہر فرمایا کہ عبد اللہؓ کے جذبات کو بھی ٹھیس نہ لگے اور سردارانِ قریش کی واجبی توقیر بھی قائم رہے۔ اور آپؐ اس بات کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے کہ اگر آپؐ کی گفتگو کے دوران کوئی قطع کلامی کرتا تو آپؐ اس کی طرف التفات نہ فرماتے اور اپنی گفتگو جاری رکھتے اور بات مکمل ہونے پر اس سے مخاطب ہوتے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے صحیح البخاری، کتاب العلم، باب من سئل علمًا وھو مشتغل فی حدیثه۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”اس روایت کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے یہ دیکھا جائے کہ عبد اللہ بن ام مکتوم کون تھا۔ عبد اللہ بن ام مکتوم حضرت خدیجہؓ کے بھائی تھے یعنی اُن کے ماموں کے بیٹے تھے اُن کے نام اور نسب کے متعلق قریب کے ناموں میں اختلاف ہے مگر قوم کے لحاظ سے سب اس بات پر متفق ہیں کہ بنی عامر بن لُؤَیِّ میں سے تھے۔ اُن کا نام اور نسب نامہ بعض عبد اللہ بن شریح بن مالک بن ربیعۃ الفہری بتاتے ہیں اور بعض عبد اللہ بن عمرو بن قیس ابن زائدہ بن الاعصم بتاتے ہیں اور بعض اُن کا نام ہی عمرو بن قیس ابن زائدہ بتاتے ہیں (روح المعانی) یہ ابن ام مکتوم کیوں کہلاتے ہیں اس کے متعلق زمخشری نے لکھا ہے کہ اُم مکتوم اُن کی دادی کا نام تھا۔ لیکن ابن عبد البرّ اور دوسرے مؤرخین کہتے ہیں کہ یہ غلط ہے اُن کے نزدیک یہ اُن کی والدہ کی کنیت ہے اور ان کا اصل نام عاتکہ بنت عامر بن مخزوم تھا۔ اُن کی کنیت ام مکتوم اس لئے تھی کہ یہ پیدا ہی اندھے ہوئے تھے ... اس شجرۂ نسب کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنے سے میری غرض یہ ہے کہ یہ کہنا کہ وہ حقیر آدمی تھے اور اُن کی طرف رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی توجہ مفید نہیں ہو سکتی تھی ان واقعات سے بالبداہت غلط ثابت ہوتا ہے اس لئے کہ ان کی والدہ اور والد دونوں زبردست قبائل میں سے ہیں۔ اور یہ ایک ایسی عورت کے بھائی ہیں جس کی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے دل میں انتہاء درجہ کی عزّت تھی اور اس حد تک عزت تھی کہ اُن کی وفات کے سالوں بعد حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو اُن پر رشک آجاتا تھا... پس حضرت خدیجہؓ کے بھائی اور ماں اور باپ دونوں کی طرف سے زبردست خاندانوں کے فرد کی عظمت صرف نابینا ہونے کی وجہ سے تو نہیں کی جاسکتی تھی۔ آخر تبلیغ زبان سے کی جاتی ہے آنکھوں سے تو نہیں کی جاتی۔ پس یہ کہنا کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ سمجھا کہ ایک حقیر اندھا آدمی میرے پاس آیا ہے میں بڑے بڑے لوگوں کو چھوڑ کر ایسے غریب اور معمولی آدمی کی طرف کیوں توجہ کروں بالبداہت واقعات سے غلط ثابت ہوتا ہے۔ پھر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کو دو دفعہ مدینہ کا سردار مقرر کیا اور یہ سردار مقرر

کرنا محض لحاظ کے طور پر نہیں ہو سکتا تھا بلکہ اگر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کو سردار مقرر فرمایا تو اس لئے کہ ان میں امارت کی قابلیت تھی اور اس لئے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم یہ سمجھتے تھے کہ عرب ان کی خاندانی عظمت کی وجہ سے انہیں اپنا سردار تسلیم کرنے میں کوئی تکلیف محسوس نہیں کریں گے۔ کیونکہ عرب کے دستور کے مطابق کوئی ایسا شخص امیر مقرر نہیں کیا جا سکتا تھا جس کا خاندانی لحاظ سے لوگوں پر اثر نہ ہوتا۔ اسی وجہ سے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب بھی امیر مقرر کیا ہمیشہ انہی لوگوں کو کیا جو خاندانی لحاظ سے عظمت و شہرت کے مالک ہوتے تھے اور جن کے متعلق یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ لوگوں کو اُن کی اطاعت سے کوئی گریز نہیں ہو گا۔... پس یہ سمجھنا کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک حقیر آدمی آیا اور آپؐ نے اُس کی طرف محض اُس کی غربت اور عدم عزّت کی وجہ سے توجہ نہ کی بالبداہت باطل ہے اور یہ اتنا موٹا مضمون ہے کہ تعجب آتا ہے مسلمانوں کی سمجھ میں کیوں نہیں آیا حالانکہ بعض دشمنانِ اسلام کی سمجھ میں آ گیا ہے چنانچہ نولڈکے (NOLDEKE) جو مشہور جرمن مستشرق ہے وہ یہ واقعہ لکھ کر کہتا ہے کہ یہ بالکل جھوٹا واقعہ ہے عبد اللہ بن ام مکتوم کا شجرہ نسب بتا رہا ہے کہ وہ کوئی معمولی آدمی نہیں تھا۔ اور اس لئے یہ بات اس کے متعلق ہرگز نہیں ہو سکتی گویا اُس کا ذہن بھی اِدھر چلا گیا کہ یہ واقعہ یہاں چسپاں نہیں ہوتا۔ حالانکہ اگر یہ بات درست ہوتی تو اُس کو خوش ہونا چاہیئے تھا کہ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس سے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہتک ہوتی ہے مگر وہ کہتا ہے یہ بات واقعات کے بالکل خلاف ہے اور اسے ان آیات پر چسپاں نہیں کیا جا سکتا۔"

(تفسیر کبیر، سورۃ عبس، زیر آیت عَبَسَ وَتَوَلّٰی، جلد ۸ صفحہ ۱۴۸ تا ۱۵۰)

تَصَدّٰی کے معنی ہیں وہ عمداً بے خبر ہو جاتا ہے، اس سے چشم پوشی کرتا ہے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"یہاں عام انسانوں کی حالت بیان کرتے ہوئے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعتراض کرنے والوں کا اپنا حال بیان کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ ان کی اپنی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ بڑے لوگوں کی طرف تو توجہ کرتے ہیں لیکن چھوٹے درجہ

کے آدمیوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ گویا رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرنے والوں کو ان کی اپنی حالت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اے معترض! تو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ کہتا ہے کہ جو مستغنی ہوتا ہے اس کی طرف وہ زیادہ توجہ کرتے ہیں اور جو غریب اور معمولی درجہ کا آدمی ہوتا ہے اس کی طرف وہ کوئی توجہ نہیں کرتے۔ حالانکہ اے معترض تُو جو کچھ کہہ رہا ہے یہ تیری اپنی حالت ہے اور تیرا ذاتی رویّہ واقعہ میں ایسا ہی ہے کہ تو اُمراء کی طرف توجہ کرتا ہے اور غرباء کو نظر انداز کر دیتا ہے۔"

(تفسیر کبیر، سورۃ عبس، زیر آیت فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى جلد ۸ صفحہ ۱۵۹، ۱۶۰)

تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ کے معنی ہیں اس پر مصیبت چھا گئی۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"فرماتا ہے اُس دن کچھ چہرے ایسے ہوں گے جن پر غبار پڑا ہوُا ہو گا۔ مطلب یہ ہوُا کہ پہلے دن اُن کے منہ پر مٹی لگے گی اور پھر اُن کے سارے جسم کو ڈھانپ لے گی۔ جانور کو جب ذبح کرنے کے لئے لٹایا جاتا ہے تو پہلے اُس کے منہ کو مٹی لگتی ہے لیکن جب اُسے ذبح کیا جاتا ہے تو وہ تڑپتا ہے اور اس تڑپنے کی وجہ سے اُس کے سارے جسم پر مٹی لگ جاتی ہے۔ اسی طرف اِن آیات میں اشارہ کیا گیا ہے کہ ان کو ذبح کرنے کے لئے پہلے ہم زمین پر لٹائیں گے جس سے اُن کے منہ پر مٹی لگے گی مگر جب اُنہیں ذبح کیا جائے گا اور یہ تڑپنا شروع کریں گے۔ تو پھر اُن کا سارا جسم مٹی سے ڈھانپا جائے گا گویا کفار کی کامل تباہی کی خبر دی گئی ہے۔" (تفسیر کبیر، سورۃ عبس، زیر آیت تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ جلد ۸ صفحہ ۱۸۷)

بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ کے الفاظ سے امام بخاری نے ان آیات کی طرف اشارہ کیا ہے: مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ○ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ○ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ○ (عبس: ۱۵-۱۷) "جو بلند و بالا کئے ہوئے، بہت پاک رکھے گئے ہیں۔ لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہیں۔ (جو) بہت معزز (اور) بڑے نیک ہیں۔" (ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"قرآن کریم کی تین صفات جو اِس جگہ بیان کی گئی ہیں وہ حاملینِ قرآن کی تین صفات کے مقابل میں رکھی گئی ہیں اور اس طرح بتایا گیا ہے کہ ان میں سے ایک چیز دوسری چیز کا سبب ہے چنانچہ دیکھ لو قرآن مُکَرَّمَة ہو گیا اس لئے کہ وہ سَفَرَة کے

ہاتھ میں تھا جو اُسے لے کر دُنیا کے مختلف مُلکوں میں پھیل گئے اور سَفَرَة مُكَرَّم ہو گئے اس لئے کہ اُن کے ہاتھ میں وہ کتاب تھی جو بڑی عزت والی تھی۔ گویا یہ دونوں باتیں ایک دوسرے سے لازم ملزوم تھیں۔ یہ جوش جو کسی شخص کے دل میں پیدا ہوتا ہے کہ مَیں اس چیز کو اپنے ہاتھ میں لیکر باہر نکل جاؤں اسی لئے پیدا ہوتا ہے کہ وہ اس چیز کو مُكَرَّمَة سمجھتا ہے اور اُسے یقین ہوتا ہے کہ اس چیز کو پھیلانا میری عزت کا موجب ہے مگر جب وُہ اسے پھیلا دیتا ہے تو اس کا طبعی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ خود بھی مکرّم بن جاتا ہے کیونکہ وہ ایسی چیز کو پھیلاتا ہے جو تکریم رکھنے والی ہوتی ہے۔ گویا قرآن کا مُكَرَّم ہونا سَفَرَة کی وجہ سے تھا اور سَفَرَة کا مُكَرَّم ہونا قرآن کی وجہ سے تھا۔ قرآن مسلمانوں کی عزت کا باعث ہوا۔ اور مسلمان قرآن کی عزت کو بڑھانے کا باعث ہوئے جیسے ایک مشینری چکّر کھاتی چلی جاتی ہے اُسی طرح ایک طرف قرآن نے صحابہؓ کو اونچا کیا اور دوسری طرف صحابہؓ نے قرآن کو اونچا کیا۔ صحابہؓ قرآن کی عزت بڑھانے کا موجب ہوتے تھے اور قرآن صحابہؓ کی عزت بڑھانے کا موجب ہوتا تھا۔" (تفسیر کبیر، سورۃ عبس، زیر آیت بِاَيْدِىْ سَفَرَةٍ... جلد ۸ صفحہ ۱۷۴)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"تمہارے لئے ایک ضروری تعلیم یہ ہے کہ قرآن شریف کو مہجور کی طرح نہ چھوڑ دو کہ تمہاری اسی میں زندگی ہے جو لوگ قرآن کو عزت دیں گے وہ آسمان پر عزت پائیں گے جو لوگ ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول پر قرآن کو مقدم رکھیں گے اُن کو آسمان پر مقدم رکھا جائے گا۔ نوع انسان کے لئے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن۔" (کشتی نوح، روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۱۳)

۸۱- سُورَۃُ إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ

انْكَدَرَتْ (التکویر:۳) انْتَثَرَتْ. وَقَالَ الْحَسَنُ سُجِّرَتْ (التکویر:۷) يَذْهَبُ مَاؤُهَا فَلَا يَبْقَى قَطْرَةٌ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ الْمَسْجُورِ (الطور:۷) الْمَمْلُوءُ. وَقَالَ غَيْرُهُ سُجِّرَتْ (التکویر:۷) أَفْضَى بَعْضُهَا إِلَى بَعْضٍ فَصَارَتْ بَحْرًا وَاحِدًا. وَالْخُنَّسُ تَخْنِسُ فِي مُجْرَاهَا تَرْجِعُ. وَتَكْنِسُ تَسْتَتِرُ فِي بُيُوتِهَا كَمَا تَكْنِسُ الظِّبَاءُ. تَنَفَّسَ (التکویر:۱۹) ارْتَفَعَ النَّهَارُ. وَالظَّنِينُ الْمُتَّهَمُ. وَالضَّنِينُ يَضَنُّ بِهِ. وَقَالَ عُمَرُ النُّفُوسُ زُوِّجَتْ (التکویر:۸) يُزَوَّجُ نَظِيرَهُ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ، ثُمَّ قَرَأَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ احْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَ اَزْوَاجَهُمْ (الصافات:۲۳). عَسْعَسَ (التکویر:۱۸) أَدْبَرَ.

انْكَدَرَتْ کے معنی ہیں جھڑ جائیں اور حسن نے کہا: سُجِّرَتْ کے معنی ہیں اس کا پانی خشک ہو جائے اور ایک قطرہ بھی باقی نہ رہے اور مجاہد نے کہا: الْمَسْجُوْر کے معنی ہیں بھرا ہوا اور ان کے سوا اَوروں نے کہا: سُجِّرَتْ کا یہ معنی ہے کہ سمندر ایک دوسرے سے مل جائیں گے اور سب ایک ہی سمندر ہو جائے گا اور الْخُنَّس کے معنی ہیں کہ وہ اپنے چلنے کے مقام میں پھر لوٹ کر آتے ہیں۔ اور تَكْنِسُ کے معنی ہیں اپنے گھروں میں چھپ جاتے ہیں، جیسے ہرن چھپ جاتے ہیں۔ تَنَفَّس کے معنی ہیں کہ دن چڑھ گیا۔ اور الظَّنِينُ کے معنی ہیں وہ جس پر تہمت لگائی گئی ہو اور الضَّنِينُ (وہ ہے) جو کسی چیز میں بخل کرے۔ اور حضرت عمرؓ نے کہا: النُّفُوسُ زُوِّجَتْ سے یہ مراد ہے کہ جنتیوں اور دوزخیوں میں سے ہر شخص کو اپنے جیسا جوڑا دیا جائے گا۔ پھر (حضرت عمر) رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی: اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَ اَزْوَاجَهُمْ یعنی اُن لوگوں کو جنہوں نے ظلم کئے اپنے اپنے ساتھیوں کے ساتھ اکٹھا کرو۔ عَسْعَسَ کے معنی ہیں پیٹھ پھیر کر چل دیا۔

تشریح: **سُورَۃُ إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ:** اس سورۃ کے متعلق حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو قیامت کو اس طرح دیکھنا چاہے جس طرح آنکھوں دیکھی چیز تو وہ یہ سورتیں پڑھے۔ یعنی سورۃ تکویر، سورۃ انفطار اور سورۃ انشقاق۔[1]

---

[1] (سنن الترمذی، ابواب تفسیر القرآن، بَاب وَمِنْ سُورَةِ إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”قرآن کریم دنیا میں رونما ہونے والے عظیم واقعات کی خبر دیتا ہے جو قیامت کی گھڑی پر گواہ ٹھہریں گے۔ اور گواہ ٹھہرایا گیا ہے سورج کو جب اسے ڈھانپ دیا جائے گا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی کو اس زمانہ کے دشمن بنی نوع انسان کی بھلائی کے لئے نہیں پہنچنے دیں گے اور ان کا مکروہ پراپیگنڈا بیچ میں حائل ہو جائے گا۔ اور جب صحابہؓ کے نور کو بھی دشمن کی طرف سے گدلا دیا جائے گا اور جس طرح سورج کے بعد ستارے کسی حد تک روشنی کا کام دیتے ہیں اسی طرح صحابہؓ کا نور بھی انسان کی نظر سے زائل کر دیا جائے گا۔ یہ وہ زمانہ ہو گا جبکہ بڑے بڑے پہاڑ چلائے جائیں گے یعنی پہاڑوں کی طرح بڑے بڑے سمندری جہاز بھی اور فضائی جہاز بھی سفر اور باربرداری کے لئے استعمال ہوں گے اور اونٹنیاں ان کے مقابل پر بے کار کی طرح چھوڑ دی جائیں گی۔ یہ وہ زمانہ ہو گا جب کثرت سے چڑیا گھر بنائے جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کا کوئی وجود نہیں تھا اور اِس زمانہ کے چڑیا گھر بھی اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ اتنے بڑے بڑے جانور سمندری اور ہوائی جہازوں کے ذریعہ ان میں منتقل کئے جاتے ہیں کہ اُس زمانہ کے انسان کو اِس کا وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر غالباً سمندری لڑائیوں کی طرف ہماری توجہ مبذول کرائی گئی ہے جب کثرت سے سمندروں میں جہاز رانی ہو گی اور اس کے نتیجہ میں دُور دُور کے لوگ آپس میں ملائے جائیں گے یعنی صرف جانور ہی اکٹھے نہیں کئے جائیں گے بلکہ بنی نوع انسان بھی ملائے جائیں گے۔ وہ دَور قانون کا دَور ہو گا یعنی تمام دنیا پر قانون کی حکمرانی ہو گی یہاں تک کہ انسان کو یہ بھی اختیار نہیں دیا جائے گا کہ خود اپنی اولاد کے ساتھ ظلم کا سلوک کرے۔... یہ دور کثرت سے کتب و رسائل کی اشاعت کا دور ہو گا اور آسمان کے رازوں کی جستجو کرنے والے گویا آسمان کی کھال ادھیڑ دیں گے۔ اس دن دوزخ بھی بھڑکائی جائے گی جو جنگ کی دوزخ بھی ہو گی اور آسمانی غضب کی دوزخ بھی ہو گی۔ اس کے باوجود جو لوگ اللہ تعالیٰ کی تعلیم پر

عمل پیرا ہوں گے اور اس پر ثابت قدم رہیں گے ان کے لئے جنت نزدیک کر دی جائے گی۔ ہر شخص کو علم ہو جائے گا کہ اس نے اپنے لئے آگے کیا بھیجا ہے۔“

(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تعارف سورۃ التکویر صفحہ ۱۱۳۴)

امام بخاری نے اس سورۃ کے جن کلمات کا انتخاب کر کے ان کے معنی بیان کئے ہیں وہ خلاصۃً اس سورۃ کے مضامین کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ جن میں بڑے بڑے انقلابات کو چند الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ ان کی کچھ تفصیل ذیل میں دی گئی ہے:

سُجِّرَتْ کے معنی ہیں اس کا پانی خشک ہو جائے اور ایک قطرہ بھی باقی نہ رہے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”سَجَّرَ کے معنی خشک کر دینے کے بھی ہوتے ہیں۔ اور اسی لیے مفسرین نے اس کے یہ معنے کیے ہیں کہ دریا خشک کر دیئے جائیں گے لیکن سَجَّرَ کے یہ بھی معنے ہوتے ہیں کہ اس کا پانی نکال کر اپنی مرضی کے مطابق کہیں لے جائیں جو نہروں کا اصول ہے۔[1] پس دونوں لحاظ سے یہی معنے بنتے ہیں کہ نہریں نکال نکال کر دریاؤں کو خشک کیا جائے گا۔ نہ کہ ان کا پانی آسمان کی طرف اُڑا کر خشک کیا جائے گا۔“ (تفسیر صغیر سورۃ التکویر، حاشیہ آیت نمبر ۷)

سُجِّرَتْ کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ سمندر ایک دوسرے سے مل جائیں گے اور سب ایک ہی سمندر ہو جائے گا

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”یہ موجودہ زمانہ کی خبر ہے اور آخری زمانہ میں انجنیرنگ کی ترقی پر دلالت کرتی ہے۔ چنانچہ اس وقت پاکستان میں بھی کئی دریا ملائے جا رہے ہیں اور ہندوستان میں بھی اور روس اور امریکہ میں بھی اور جرمن میں تو ربع صدی سے ملائے جا چکے ہیں۔“ (تفسیر صغیر سورۃ التکویر، حاشیہ آیت نمبر ۷)

وَقَالَ عُمَرُ النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ اور حضرت عمرؓ نے کہا: اس سے یہ مراد ہے کہ جنتیوں اور دوزخیوں میں سے ہر شخص کو اپنے جیسا جوڑا دیا جائے گا۔ حضرت عمرؓ کے بیان فرمودہ ان معنوں کا تعلق آخرت سے ہے۔

نیز اس سورۃ کی پیشگوئیوں کا تعلق آخری زمانے سے بھی ہے۔

---

[1] (اقرب الموارد- سجر)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"وہ زمانہ آتا ہے کہ جبکہ بچھڑے ہوئے لوگ باہم ملا دیئے جائیں گے اور اس قدر باہمی ملاقاتوں کے لئے سہولتیں میسر آجائیں گی اور اس کثرت سے ان کی ملاقاتیں ہوں گی کہ گویا مختلف ملکوں کے لوگ ایک ہی ملک کے باشندے ہیں سو یہ پیشگوئی ہمارے اِس زمانہ میں پوری ہوگئی جس سے ایک عالمگیر انقلاب ظہور میں آیا گویا دنیا بدل گئی کیونکہ دُخانی جہازوں اور ریلوں کے ذریعہ سے وہ روکیں جو پہاڑوں کی مانند حائل تھیں سب اُٹھ گئیں اور ایک دنیا مشرق سے مغرب کو اور مغرب سے مشرق بلاد کو آتی ہے۔" (چشمۂ معرفت، روحانی خزائن جلد ۲۳ صفحہ ۸۲، ۸۳)

عَسْعَسَ کے معنی ہیں پیٹھ پھیر کر چل دیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"عَسْعَسَ اضداد سے ہے جس کے معنے آنے اور جانے کے ہیں۔ یعنی کفر گیا اور اس کی جگہ اسلام نے لے لی ہے۔ عَسْعَسَ کے لفظ سے زمین کا گول ہونا بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایک طرف سے ظلمت روشنی پر چڑھی چلی آتی ہے تو ساتھ ہی دوسری طرف سے پیچھے سے روشنی ظلمت پر سوار ہو رہی ہے اور یہ ہو نہیں سکتا جب تک زمین گول نہ مانی جاوے۔" (حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۳۳۵)

۸۲- سُورَۃُ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام کے ساتھ جو رحمٰن اور رحیم ہے

وَ قَالَ الرَّبِيعُ بْنُ خُثَيْمٍ فُجِّرَتْ (الانفطار:٤) فَاضَتْ، وَقَرَأَ الْأَعْمَشُ وَعَاصِمٌ فَعَدَلَكَ (الانفطار:٨) بِالتَّخْفِيفِ، وَقَرَأَهُ أَهْلُ الْحِجَازِ بِالتَّشْدِيدِ، وَأَرَادَ مُعْتَدِلَ الْخَلْقِ. وَمَنْ خَفَّفَ يَعْنِي فِي أَيِّ صُورَةٍ شَاءَ إِمَّا حَسَنٌ وَ إِمَّا قَبِيحٌ، أَوْ طَوِيلٌ أَوْ قَصِيرٌ.

اور ربیع بن خثیم نے کہا: فُجِّرَتْ کے معنی ہیں بہہ نکلے اور اعمش اور عاصم نے فَعَدَلَكَ کو تخفیف سے پڑھا ہے اور اہل حجاز نے اس کو تشدید سے پڑھا ہے اور اس سے مراد یہ لیا ہے کہ معتدل بناوٹ اور جس نے مخفف کیا اس نے یہ مراد لی جس صورت میں چاہا تجھے ڈھال دیا خوبصورت یا بدصورت، لمبا یا چھوٹا۔

تشریح: سُورَۃُ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ: حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”سمندر کا ذکر کرتے ہوئے یہ بات دہرائی گئی کہ صرف سمندروں میں ہی کثرت سے جہاز رانی نہیں ہوگی اور ان کے راز دریافت کرنے کے لئے ان کو پھاڑا نہیں جائے گا بلکہ خشکی پر بھی آثار قدیمہ والے گزشتہ زمانہ کی مدفون تہذیبوں کی قبریں اکھیڑیں گے۔ اُس دن انسان کو معلوم ہو جائے گا کہ اس سے پہلے بنی نوع انسان اپنے آگے کیا بھیجتے رہے ہیں اور بعد کے دَور کے آنے والے بھی کیا آگے بھیجیں گے۔“ (ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تعارف سورۃ الانفطار صفحہ ۱۱۳۸)

فُجِّرَتْ کے معنی ہیں بہہ نکلے۔ فرمایا: وَ اِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ○ (الانفطار:۴) اور جب سمندر پھاڑ کر ملا دیئے جائیں گے۔ (ترجمہ تفسیر صغیر)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”مَیں بتا چکا ہوں کہ سورۂ انفطار میں ایک مخصوص مضمون کی طرف اشارہ ہے جو عیسائیت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اس لئے یہ سب علامات عیسائیوں پر چسپاں ہوں گی۔ مَیں سمجھتا ہوں اس آیت کے ایک معنے تو یہ ہیں کہ عیسائی اپنی ترقی کے

زمانہ میں سمندروں کو پھاڑ کر آپس میں ملا دیں گے چنانچہ اِس کی نمایاں مثال نہر سویز اور نہر پانامہ پیش کرتی ہیں اور یہ دونوں عیسائیوں کی بنائی ہوئی نہریں ہیں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دنیا میں بڑی بڑی شاندار نہریں پائی جاتی ہیں۔ ایرانیوں نے بھی نہریں بنائی ہیں۔ پٹھانوں نے بھی بنائی ہیں اور مغلوں نے بھی بنائی ہیں مگر اس فن میں گو یورپ نے بڑی ترقی کی ہے مگر وہ منفرد اور موجد نہیں مگر اس آیت میں جو علامت بتائی گئی ہے کہ سمندر پھاڑ کر آپس میں ملا دیئے جائیں گے اس میں یورپ منفرد ہے اس سے پہلے دو سمندروں کو زمین پھاڑ کر نہیں ملایا گیا۔ سورۂ تکویر کی آیت وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ کی تشریح میں دریاؤں سے نہریں نکالے جانے کا مفہوم اس بناء پر بیان کیا گیا تھا کہ وہ سورۃ آخری زمانہ سے تعلق رکھنے والے عام حالات کی طرف راہنمائی کرتی تھی لیکن یہ سورۃ ایسی ہے جس کا عیسائیوں کے ساتھ خاص طور پر تعلق ہے اور اس سورۃ میں انہی علامات کا ذکر پایا جاتا ہے جو مخصوص طور پر عیسائی اقوام میں پائی جانے والی تھیں اور چونکہ سمندروں کو پھاڑ کر آپس میں ملا دینے کی اس سے پہلے اور کوئی مثال دنیا میں نہیں ملتی اس لئے پہلی آیت میں جہاں عام حالات کو مدِّنظر رکھتے ہوئے بحار سے دریا مراد لئے گئے تھے وہاں اس جگہ عیسائیوں کے مخصوص حالات کو مدِّنظر رکھتے ہوئے بحار سے سمندر مراد لئے جائیں گے اور معنے یہ ہوں گے کہ وہ سمندروں کو چیر کر ایک دوسرے سے ملا دیں گے۔“

(تفسیر کبیر، سورۃ انفطار، زیر آیت وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ جلد ۸ صفحہ ۲۵۱)

فَعَدَلَكَ: عَدَلَ کے ایک معنی نقص دور کرنے کے بھی ہوتے ہیں جیسے کہتے ہیں عَدَلَ السَّهْمَ: اَقَامَهُ تیر کو بالکل سیدھا کیا اور اس کے نقص کو دُور کر دیا۔ اِسی طرح عَدَلَ کے معنی موازنہ کرنے کے بھی ہوتے ہیں چنانچہ عَدَلَ فُلَانًا کے معنی ہوتے ہیں وَازَنَهُ اس کا موازنہ کیا۔ (اقرب الموارد۔ عدل)

فَعَدَلَكَ: فرمایا الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَ ○ (الانفطار: ۸) ”وہ جس نے تجھے پیدا کیا، پھر تجھے ٹھیک ٹھاک کیا۔ پھر تجھے اعتدال بخشا۔“ (ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ)

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”انسان پیدا کیا۔ اَنعام میں سے نہیں بنایا۔ تَسْوِیَۃِ خلق ایسا عمدہ کیا کہ شیر ہاتھی وغیرہ سب کو قابو کر لیتا ہے۔ بڑا ہی معتدل المزاج بنایا ہے۔ صورتوں اور آوازوں کی ترکیب ایسی کہ لاکھوں کروڑوں انسانوں میں صورت اور آواز ایک دوسرے سے نہیں ملتی۔ یہ سب اس کی ربوبیت اور کرم ہے۔“

(حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۳۴۰، ۳۴۱)

۸۳۔ سُوْرَةُ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام کے ساتھ جو رحمٰن اور رحیم ہے

وَقَالَ مُجَاهِدٌ رَانَ (المطففين:١٥) ثَبْتُ الْخَطَايَا. ثُوِّبَ (المطففين:٣٧) جُوزِيَ. الرَّحِيقُ الْخَمْرُ. خِتٰمُهٗ مِسْكٌ (المطففين:٢٧) طِينُهُ. التَّسْنِيمُ يَعْلُو شَرَابَ أَهْلِ الْجَنَّةِ. وَقَالَ غَيْرُهُ الْمُطَفِّفُ لَا يُوَفِّي غَيْرَهُ. يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ (المطففين:٧)

اور مجاہد نے کہا: رَانَ سے مراد گناہوں کا (ان کے دل میں) جم جانا ہے۔ ثُوِّبَ کے معنی ہیں بدلہ دیا گیا۔ الرَّحِيقُ کے معنی ہیں شراب۔ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ سے مراد ہے اس کی فطرت میں مشک ہوگا۔ (اور) تسنیم اہلِ جنت کی شراب کو بلند شان کر دے گی۔ اور ان کے سوا اوروں نے کہا: اَلْمُطَفِّفُ سے مراد ہے وہ جو دوسروں کو پورا ماپ تول کر نہ دے۔ جس وقت (تمام) لوگ سب جہانوں کے ربّ (کا فیصلہ سننے) کے لیے کھڑے ہوں گے تو اَلْمُطَفِّفُ وہ ہوگا جو دوسروں کو پورا ماپ تول کر نہ دے۔

تشریح: سُوْرَةُ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ: حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اس سورۃ میں ایک دفعہ پھر میزان کی طرف انسان کو متوجہ فرمایا گیا ہے کہ تم تبھی کامیاب ہوسکتے ہو اگر عدل پر قائم ہو یہ نہ ہو کہ لینے کے پیمانے اور ہوں اور بانٹنے کے پیمانے اور۔ اس میں اس دور کی تجارت کا بھی تجزیہ فرما دیا گیا ہے بڑی بڑی امیر قومیں جب بھی غریب قوموں سے سودا کرتی ہیں تو لازماً اس سودے میں ہمیشہ غریب قوموں کا نقصان ہوتا ہے۔ فرمایا کیا یہ لوگ سوچتے نہیں کہ ایک بہت بڑے حساب کتاب کے دن وہ اکٹھے کیے جائیں گے جس میں ان کے دنیا کے سودوں کا بھی حساب ہوگا۔" (ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تعارف سورۃ المطففین صفحہ ۱۱۴۱)

رَانَ: فرماتا ہے: كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ (المطففین:۱۵) ہرگز (ایسا) نہیں (جیسے وہ کہتے ہیں) بلکہ (اصل بات یہ ہے کہ) ان کے دلوں پر اس نے جو وہ کما چکے ہیں زنگ لگا دیا ہے۔ (ترجمہ تفسیر صغیر)

رَانَ سے مراد گناہوں کا (ان کے دل میں) جم جانا ہے۔ امام راغب کہتے ہیں کہ رَانَ سے مراد وہ زنگ ہے جو اُن کے دلوں کی روشنی پر پڑ گیا اور وہ خیر اور شر کی پہچان کھو بیٹھے۔ (المفردات فی غریب القرآن۔ رین)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"رَین اصل میں زنگ کو کہتے ہیں اور زنگ اس بات کا نام ہوتا ہے کہ جس چیز پر زنگ لگا ہے وہ اپنی ذات میں گھلنی شروع ہو گئی ہے۔ زنگ اسی کو کہتے ہیں کہ کوئی باہر کی چیز اثر کر کے دوسری چیز میں تغیّر پیدا کر دیتی ہے۔ لوہے کو زنگ لگتا ہے تو اس کا بھی یہی مطلب ہوتا ہے کہ باہر سے نمی پہنچی اور اُس کا آکسائیڈ بننا شروع ہو گیا یا تانبہ COPPER کو زنگ لگتا ہے تو اس کا بھی یہی مطلب ہوتا ہے کہ اُس میں بیرونی اثرات کی وجہ سے تغیّر پیدا ہونا شروع ہو گیا ہے۔ پس رَین کا لفظ اس مفہوم پر دلالت کرتا ہے کہ کسی چیز کے اندر تغیّر پیدا ہونا شروع ہو گیا ہے اور وہ اپنی ماہیت کو چھوڑ بیٹھتی ہے۔ اس تغیّر کا اظہار کرنے کے لئے رین کا لفظ بولا جاتا ہے لیکن طبع کا لفظ اِس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اُس نے دوسرے کے نقش کو قبول کر لیا کیونکہ طبع کے معنے مُہر کے ہوتے ہیں۔ پس جب ہم طبع کا لفظ بولتے ہیں تو ہمارا اس طرف اشارہ ہوتا ہے کہ اُس نے دوسرے کے نقش کو قبول کر لیا۔ اس کے مقابلہ میں جب ہم اقفال کا لفظ بولتے ہیں تو ہمارا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اب یہ چیز اپنے زور سے نہیں کُھل سکتی۔ خدا ہی اس کو کھولے تو یہ کھل سکتی ہے۔ پس یہ تین قسم کی الگ الگ کیفیّتیں ہیں جن کے لئے رین، طبع اور اقفال کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ یہاں رین کا لفظ یہ بتانے کے لئے استعمال کیا گیا ہے کہ اُن پر بیرونی گناہوں کا اس قدر اثر ہوا ہے کہ قلب جو نیکی کا منبع تھا اُس کی ماہیت ہی بدل گئی ہے اور وہ اب بدی پر دلیر ہو گیا ہے لیکن طبع میں یہ بتایا گیا ہے کہ اُن کے دلوں پر گناہوں کا ٹھپّہ لگ گیا ہے یعنی وہ چوٹی کے گنہگار ہو گئے ہیں کیونکہ ٹھپّہ والی چیز معیاری چیز ہوتی ہے۔ اور اقفال کے لفظ نے یہ بتایا کہ اُن کی حالت ایسی ہو چکی ہے کہ اب اللہ تعالیٰ ہی اُن کے دلوں کے تالے کھولے تو وہ کھلیں گے کوئی انسان اُن کو کھولنے کی طاقت نہیں رکھتا یعنی آپ اپنی اصلاح کرنی اُن کے اختیار سے باہر ہو گئی ہے۔

رین کے متعلق رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی ایک حدیث مروی ہے جو یہ ہے: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْعَبْدَ

اِذَا اَذْنَبَ ذَنْبًا نُكِتَتْ فِيْ قَلْبِهٖ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فَاِنْ تَابَ وَنَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ صُقِلَ قَلْبُهٗ وَاِنْ عَادَ زَادَتْ حَتّٰى تَغْلُفَ قَلْبُهٗ فَذَالِكَ الرَّيْنُ الَّذِيْ ذَكَرَهُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ فِي الْقُرْاٰنِ كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ۔ احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور ابن جریر وغیرہ سب نے بتغیّر الفاظ اس روایت کو بیان کیا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ گناہ کرتا ہے تو نُكِتَتْ فِيْ قَلْبِهٖ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ اس کے دل پر ایک سیاہ نکتہ ڈال دیا جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ بدی کی رغبت اُس کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے فَاِنْ تَابَ اگر وہ توبہ کرلے وَنَزَعَ اور اپنے نفس کو پیچھے کھینچ لے وَاسْتَغْفَرَ اور استغفار کرے تو صُقِلَ قَلْبُهٗ اُس کا دل صاف ہو جاتا ہے وَاِنْ عَادَ اور اگر وہ پھر گناہ کرے تو زَادَتْ حَتّٰى تَغْلُفَ قَلْبُهٗ یہ سیاہی بڑھتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ ایک دن اُس کے دل کو بالکل ڈھانپ لیتی ہے اس کے بعد رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا فَذَالِكَ الرَّيْنُ الَّذِيْ ذَكَرَهُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ فِي الْقُرْاٰنِ۔ یعنی اسی حالت کی طرف قرآن کریم نے رین کے لفظ سے اشارہ فرمایا ہے۔"

(تفسیر کبیر، سورۃ التطفیف، زیر آیت كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ جلد ۸ صفحہ ۳۰۴،۳۰۵)

ثُوِّبَ کے معنی ہیں بدلہ دیا گیا۔ یہ ابوعبیدہ کا قول ہے اور فریابی نے مجاہد سے یہی معنی نقل کئے ہیں۔ (فتح الباری، جزء۸ صفحہ ۸۸۹) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ○ (المطففین: ۳۷) (اور آپس میں کہیں گے کہ) کیا کافروں کو جو کچھ وہ کیا کرتے تھے (اس کا) پورا بدلہ مل گیا (یا نہیں؟) (ترجمہ تفسیر صغیر)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"ثُوِّبَ الْكُفَّارُ یا تو يَنْظُرُوْنَ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے کہ وہ دیکھیں گے کہ بدلہ کفار کو پورا پورا مل گیا ہے یا نہیں اور یا پھر اس کے یہ معنے ہیں کہ يُقَالُ لَهُمْ هَلْ ثُوِّبَ کفار سے کہا جائے گا کہ بتاؤ تمہارے اعمال کے نتائج نکل آئے ہیں یا نہیں تم سمجھتے تھے کہ اس تطفیف اور ظلم کا کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا اور تمہارا غلبہ قیامت تک چلتا چلا جائے گا اور عیسائی حکومتیں جو ظلم چاہیں گی لوگوں پر ڈھاتی رہیں گی۔ اب بتاؤ تمہیں اپنے مظالم کا بدلہ مل گیا ہے یا نہیں ملا؟"

(تفسیر کبیر، سورۃ التطفیف، زیر آیت هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ، جلد ۸ صفحہ ۳۲۸)

خِتٰمُهٗ مِسْكٌ: فرماتا ہے خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ؕ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ○ (المطففين:۲۷) اُس کے آخر میں مشک ہوگا، اور چاہیئے کہ خواہش رکھنے والے (انسان) ایسی (ہی) چیز کی خواہش کریں۔ (ترجمہ تفسیر صغیر) خِتَام خَتَمَ کا مصدر ہے اور اس کے معنی ہیں اَلْفَصُّ مِنْ مَفَاصِلِ الْخَيْلِ، وَالْمَقْطَعُ، وَالطِّيْنُ يُخْتَمُ بِهٖ (اقرب الموارد۔ ختم) یعنی خِتَام گھوڑے کے جوڑ کو کہتے ہیں۔ اسی طرح خِتَام نظم کے آخری شعر کو بھی کہتے ہیں اور خِتَام اُس مٹی کو بھی کہتے ہیں جس کے ذریعہ (کسی دوسری چیز پر) مہر لگائی جائے۔ پس خِتَامُهُ مِسْكٌ کے یہ معنی ہوئے کہ وہ مُنہ بند کرنے والی چیز مشک کی ہوگی یا اُس کا آخری حصہ مشک ہوگا یا اس کے انتہاء تک مشک ہوگا۔

بَاب: يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ (المطففين:۷)

جس وقت (تمام) لوگ سب جہانوں کے ربّ (کا فیصلہ سننے) کے لیے کھڑے ہوں گے

٤٩٣٨: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا مَعْنٌ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (المطففين:۷) حَتَّى يَغِيبَ أَحَدُهُمْ فِي رَشْحِهِ إِلَى أَنْصَافِ أُذُنَيْهِ.

طرفه: ٦٥٣١۔

۴۹۳۸: ابراہیم بن منذر نے ہم سے بیان کیا کہ معن (بن عیسیٰ) نے ہمیں بتایا، انہوں نے کہا: مالک نے مجھے بتایا، انہوں نے نافع سے، نافع نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سے مراد یہ ہے کہ لوگ قیامت کے دن رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے اور ان کی حالت یہ ہوگی کہ ان میں سے ایک اپنے آدھے کانوں تک پسینہ میں ڈوبا ہوگا۔

تشریح: يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ: حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ میں درحقیقت يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا (الانفطار:۲۰) کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اب تو یہ مشرقی اور مغربی، گورے اور کالے، یوروپین اور ایشیائی میں فرق کرتے ہیں مگر ایک دن آئے گا جب یہ لوگ اُس خدا کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے جو ربّ العالمین ہے۔ وہ اس وقت ان لوگوں سے ان مظالم کے بارہ میں باز پُرس کرے گا اور کہے گا کہ کیوں تم نے ایک طبقہ کو ذلیل کیا۔ اور کیوں اُس کو محکوم و مغلوب

رکھا۔ آخر خدا کسی ایک قوم کا نہیں بلکہ وہ رب العالمین ہے۔ وہ ایشیائیوں کا بھی خدا ہے اور افریقنوں کا بھی خدا ہے اور چینیوں کا بھی خدا ہے اور جاپانیوں کا بھی خدا ہے اور انگریزوں کا بھی خدا ہے اور امریکنوں کا بھی خدا ہے۔ وہ اپنے بندوں کو اُسی کے ماتحت دیکھ کر خوش ہو سکتا ہے جو رب العالمین کی صفت اپنے اندر لے لے اور اُس کی ربوبیت کا کامل مظہر بن جائے۔ عارضی حکومتیں دنیا میں بے شک ہوتی چلی آئی ہیں اور وہ تھوڑے عرصہ کے بعد مٹتی بھی رہی ہیں۔ لیکن مستقل طور پر وہی قوم دنیا پر حکومت کر سکتی ہے جو لوگوں سے زیادہ حقوق نہ مانگے۔ اور اُن سے کہے کہ یہ ہماری نہیں بلکہ تمہاری حکومت ہے۔ جو قوم دُنیا میں بنی نوع انسان کی خدمت کا احساس لے کر کھڑی ہو گی اور پھر زائد حقوق مانگنے کے لئے بھی تیار نہیں ہو گی وہ ہمیشہ رہے گی۔ اُس کے خلاف لوگوں کو بغاوت کرنے کی کبھی ضرورت ہی پیش نہیں آسکتی۔"

(تفسیر کبیر، سورۃ التطفیف، زیر آیت يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ، جلد ۸ صفحہ ۲۸۵)

۸۴- سُوْرَةُ إِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ

قَالَ مُجَاهِدٌ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ (الحاقة:٢٦) يَأْخُذُ كِتَابَهُ مِنْ وَّرَاءِ ظَهْرِهِ، وَسَقَ (الانشقاق:١٨) جَمَعَ مِنْ دَابَّةٍ. ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ (الانشقاق:١٥) لَا يَرْجِعَ إِلَيْنَا. {وَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يُوعُونَ (الانشقاق:٢٤) يُسِرُّونَ.[1]}

مجاہد نے کہا: کِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ سے یہ مراد ہے کہ وہ اپنی کتاب کو اپنی پیٹھ کے پیچھے سے لے گا۔ وَسَقَ سے مراد ہے کہ (رات) جن جانوروں کو اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے۔ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ کے یہ معنی ہیں کہ اس نے گمان کیا کہ وہ ہماری طرف نہیں لوٹے گا۔ اور حضرت ابنِ عباسؓ نے کہا: يُوعُونَ کے معنی ہیں وہ چھپاتے ہیں۔

تشریح: **سُوْرَةُ إِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ:** حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ”سورتوں کے گزشتہ اسلوب کو برقرار رکھتے ہوئے ایک دفعہ پھر دنیا میں رونما ہونے والی عظیم تبدیلیوں کو آخرت پر گواہ ٹھہرایا گیا ہے ایک دفعہ پھر آسمان کے پھٹ جانے کا ذکر ہے جس کا ایک معنی یہ ہے کہ طرح طرح کی بلاؤں کا نزول ہو گا۔... اس کے بعد یہ پیشگوئی ہے کہ جب دن اندھیروں میں تبدیل ہو رہا ہو گا اور پھر رات چھا جائے گی اور ایک دفعہ پھر اسلام کا چاند طلوع ہو گا، اس دن تم درجہ بدرجہ اپنی ترقی کی آخری منازل طے کر رہے ہو گے۔“

(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تعارف سورۃ الانشقاق صفحہ ۱۱۴۶)

إِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ○ (الانشقاق:۲) کے معنی ہیں کہ آسمان پھٹ گیا یا یہ کہ آسمان ظاہر ہو گیا انشقاق کے دراصل دو ہی نتیجے ہوتے ہیں۔ اول کوئی چیز پھٹ کر ناکارہ ہو گئی۔ دوم جو چیز پیچھے رکی ہوئی تھی وہ باہر آ گئی۔ آسمان کے پھٹنے سے مراد نزول رحمت و برکات کا رُک جانا بھی ہے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

> ”ان آیتوں سے یہ مراد نہیں ہے کہ درحقیقت اُس وقت آسمان پھٹ جائے گا یا اُس کی قوتیں سُست ہو جائیں گی بلکہ مدعا یہ ہے کہ جیسے پھٹی ہوئی چیز بیکار ہو جاتی ہے ایسا ہی آسمان بھی بیکار سا ہو جائے گا۔ آسمان سے فیوض نازل نہیں ہونگے اور دُنیا ظلمت اور تاریکی سے بھر جائے گی۔“ (شہادت القرآن، روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۳۱۹)

---

[1] یہ عبارت نسفی کے نسخہ کے مطابق صحیح بخاری میں ہے۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۸۹۰)

قرآنِ کریم کی آیات ذوالوجوہ ہیں اور ان کے کئی بطن ہیں وہ آیات جن میں آسمان وغیرہ کے پھٹنے کا ذکر ہے اس کے ایک روحانی معنی ہیں یعنی بارانِ رحمت کا رک جانا مگر آسمان کا پھٹنا ان معنوں تک محدود نہیں ہے۔ جیسا کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”اور اگر یہ اعتراض پیش ہو کہ قرآن کریم میں یہ بھی لکھا ہے کہ کسی وقت آسمان پھٹ جائیں گے اور ان میں شگاف ہو جائیں گے اگر وہ لطیف مادہ ہے تو اس کے پھٹنے کے کیا معنی ہیں تو اس کا یہ جواب ہے کہ اکثر قرآن کریم میں سماء سے مراد کلّ ما فی السّماء کو لیا ہے جس میں آفتاب اور ماہتاب اور تمام ستارے داخل ہیں۔ ماسوا اس کے ہر یک جرم لطیف ہو یا کثیف قابل خرق ہے بلکہ لطیف تو بہت زیادہ خرق کو قبول کرتا ہے پھر کیا تعجب ہے کہ آسمانوں کے مادہ میں بحکم ربّ قدیر و حکیم ایک قسم کا خرق پیدا ہو جائے۔ و ذٰلك علی الله یسیر۔ بالآخر یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ قرآن کریم کے ہر یک لفظ کو حقیقت پر حمل کرنا بھی بڑی غلطی ہے اللہ جلّ شانہ کا یہ پاک کلام بوجہ اعلیٰ درجہ کی بلاغت کے استعارات لطیفہ سے بھرا ہوا ہے۔ سو ہمیں اس فکر میں پڑنا کہ انشقاق اور انفجار آسمانوں کا کیونکر ہو گا در حقیقت ان الفاظ کے وسیع مفہوم میں ایک دخل بے جا ہے صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ تمام الفاظ اور اس قسم کے اور بھی عالم مادی کے فنا کی طرف اشارہ ہے الٰہی کلام کا مدعا یہ ہے کہ اس عالم کون کے بعد فساد بھی لازم پڑا ہوا ہے ہر یک جو بنایا گیا توڑا جائے گا اور ہر یک ترکیب پاش پاش ہو جائے گی اور ہر یک جسم متفرق اور ذرّہ ذرّہ ہو جائے گا اور ہر یک جسم اور جسمانی پر عام فنا طاری ہو گی۔ اور قرآن کریم کے بہت سے مقامات سے ثابت ہوتا ہے کہ انشقاق اور انفجار کے الفاظ جو آسمانوں کی نسبت وارد ہیں ان سے ایسے معنی مراد نہیں ہیں جو کسی جسم صلب اور کثیف کے حق میں مراد لئے جاتے ہیں۔“

(آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد ۵ حاشیہ صفحہ ۱۴۹ تا ۱۵۱)

وَسَقَ: فرماتا ہے: وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ۝ (الانشقاق: ۱۸) اس کے معنی یہ ہیں کہ جب رات اکٹھا کر لیتی ہے یعنی ان ساری صفات کو جو رات کو کامل رات بنانے والی ہیں اپنے اندر جمع کر لیتی ہے۔

ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ۝ (الانشقاق: ۱۵) أَيْ لَنْ يُبْعَثَ (المفردات فی غریب القرآن ـ حور) اس نے یہ

گمان کیا کہ وہ دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس نے گمان کیا کہ وہ ہماری طرف نہیں لوٹے گا۔ اور نہ اس کے گناہوں پر اس کی پکڑ ہو گی۔

بَاب ۱ : فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا (الانشقاق: ۹)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) عنقریب اس سے آسان حساب لیا جائے گا

٤٩٣٩ : حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُثْمَانَ بْنِ الْأَسْوَدِ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ أَبِي مُلَيْكَةَ سَمِعْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ح. حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ح. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ عَنْ يَّحْيَى عَنْ أَبِي يُونُسَ حَاتِمِ بْنِ أَبِي صَغِيرَةَ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ أَحَدٌ يُّحَاسَبُ إِلَّا هَلَكَ، قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ جَعَلَنِي اللّٰهُ فِدَاءَكَ أَلَيْسَ يَقُولُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ○ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ○(الانشقاق: ۸، ۹) قَالَ

۴۹۳۹: عمرو بن علی (فلاس) نے ہم سے بیان کیا کہ یحییٰ (بن سعید قطان) نے ہمیں بتایا، انہوں نے عثمان بن اسود سے روایت کی، انہوں نے کہا میں نے ابن ابی ملیکہ سے سنا، (انہوں نے کہا:) میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا، فرماتی تھیں: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ نیز سلیمان بن حرب نے ہم سے بیان کیا کہ حماد بن زید نے ہمیں بتایا، انہوں نے ایوب (سختیانی) سے، ایوب نے ابن ابی ملیکہ سے، انہوں نے حضرت عائشہؓ سے، حضرت عائشہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔ نیز مسدد نے ہم سے بیان کیا، انہوں نے یحییٰ (بن سعید قطان) سے، یحییٰ نے ابو یونس حاتم بن ابی صغیرہ سے، ابو یونس نے ابن ابی ملیکہ سے، انہوں نے قاسم (بن محمد) سے، قاسم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی، وہ بیان کرتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی بھی ایسا نہیں ہو گا کہ جس سے حساب لیا جائے مگر وہ ہلاک نہ ہو (حضرت عائشہؓ کہتی تھیں:) میں نے کہا: یا رسول اللہ! اللہ مجھے آپؐ پر فدا کرے، کیا اللہ عزوجل نہیں فرماتا: یعنی وہ

ذَاكِ الْعَرْضُ يُعْرَضُونَ، وَمَنْ نُوقِشَ الْحِسَابَ هَلَكَ.

شخص جو اپنی کتاب اپنے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ عنقریب اس سے آسان حساب لیا جائے گا۔ آپؐ نے فرمایا: یہ تو حساب کا پیش کرنا ہے جو اُن کے سامنے پیش کیا جائے گا اور جس کے حساب میں چھان بین کی جائے گی وہ تباہ ہوگا۔

أطرافه: ۱۰۳، ۶۵۳۶، ۶۵۳۷۔

تشریح: فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا: عنقریب اس سے آسان حساب لیا جائے گا۔
حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”حساب یسیر صرف بندہ کے لیے اس کے اعمال کا اس کے سامنے پیش کر دینا ہے۔ اور اس کی خطاؤں سے چشم پوشی و درگزر کرنا ہے۔ امام احمد حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں دعا فرمائی اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنِي حسابًا یسیرًا۔ پوچھا کہ حساب یسیر کیا ہے فرمایا صرف نامۂ اعمال کا پیش کرنا اور درگزر فرمانا ہے۔ اور فرمایا مَنْ نُوقِشَ فِي الْحِسَابِ عُذِّبَ۔ جس کے حساب میں کرید کی گئی، وہ مُعَذَّب ہوگا۔ ابوہریرہؓ سے مروی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تین خصلتیں ہیں کہ ان سے حسابِ یسیر ہوگا۔ ایک یہ کہ جو اسے محروم رکھے اور نہ دے، اسے دیا کرے۔ دوسرے یہ کہ جو ظلم کرے اس کو معاف کرے۔ تیسرے جو اس سے قطع رحمی کرے وہ اس سے وصل کرے۔“

(حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۳۴۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوال کرنے سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ صحابہؓ کے نزدیک بھی جو حدیث بظاہر قرآن مجید کے مخالف معلوم ہوتی، اس کے متعلق سوال کرنا خلاف ادب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ صحابہؓ قرآن مجید کو اصل سمجھتے تھے اور حدیث کو اس کے تابع۔

بَاب ۲: لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ (الانشقاق: ۲۰)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) تم درجہ بدرجہ ترقی کرتے چلے جاؤ گے

٤٩٤٠: حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ النَّضْرِ

۴۹۴۰: سعید بن نضر نے مجھ سے بیان کیا کہ ہشیم

أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا أَبُو بِشْرٍ جَعْفَرُ بْنُ إِيَاسٍ عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ (الانشقاق:۲۰) حَالًا بَعْدَ حَالٍ، قَالَ هَذَا نَبِيُّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

نے ہمیں خبر دی، کہ ابو بشر جعفر بن ایاس نے ہمیں بتایا، اُنہوں نے مجاہد سے روایت کی، مجاہد نے کہا: حضرت ابن عباسؓ کہتے تھے: لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ سے مراد ہے کہ ایک حالت سے دوسری حالت میں بدلتے چلے جاؤ گے، تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے۔

تشریح: لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ: تم درجہ بدرجہ ترقی کرتے چلے جاؤ گے۔ الطَّبَقُ کے معنی ہیں أَلْقَرْنُ مِنَ الزَّمَانِ یعنی ایک صدی۔ النَّاسُ یعنی ایک زمانہ کے لوگ۔ اَلْجَمَاعَةُ یعنی جماعت، اَلْحَالُ یعنی حال۔ (اقرب الموارد - طبق)

طَبَقٌ سے انسان کی جسمانی اور روحانی حالتیں مراد لی گئی ہیں نیز یہ بھی کہ اس سے مراد اسلام کے مختلف ادوار کا بیان ہے۔ شارحین نے انسان کی جسمانی حالتوں پر اس کو چسپاں کرتے ہوئے تیس سے زائد حالتوں کا بیان کیا ہے۔ امام ابن حجرؒ نے اس سے انسانی وجود کی تخلیق کے مختلف مراحل مراد لئے ہیں۔ جو ان کے نزدیک یہ ہیں: پیدائش سے پہلے کی حالت جَنِينٌ کہلاتی ہے۔ پیدائش کے بعد صَبِيٌّ، پھر جب دودھ چھوڑنے کی عمر آتی ہے تو غُلَامٌ، اور جب سات سال کا ہوتا ہے تو يَافِعٌ، اور جب دس سال کا ہو تو حَزَوَّرٌ، اور پندرہ سال کا قُمُدٌّ، اور پچیس سال کا عَنَطْنَطٌ، اور تیس سال کا صُمُلٌّ، اور چالیس سال کی عمر میں كَهْلٌ، اور پچاس سال کا ہو تو شَيْخٌ، اور اسّی سال کی عمر میں هِمٌّ، اور نوے سال فَانٍ۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۸۹۱، ۸۹۲)

۸۵۔ سُورَةُ الْبُرُوجِ

وَقَالَ مُجَاهِدٌ الْأُخْدُودُ (البروج:٥) شَقٌّ فِي الْأَرْضِ، فَتَنُوا (البروج:١١) عَذَّبُوا. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ الْوَدُودُ (البروج:١٥) الْحَبِيبُ الْمَجِيدُ (البروج:١٦) الْكَرِيمُ.

اور مجاہد نے کہا: اَلْاُخْدُوْد سے مراد وہ نالی ہے جو زمین میں کھودی جائے۔ فَتَنُوْا کے معنی ہیں اُنہوں نے تکلیف دی۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا: اَلْوَدُوْد کے معنی ہیں بہت محبت کرنے والا۔ اَلْمَجِیْد کے معنی ہیں بہت عزت والا۔

تشریح: سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ: اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے بُرجوں والے آسمان کی قسم کھائی ہے۔ سورۃ کو قسم کے الفاظ سے شروع کیا گیا ہے۔ قسم یا شہادت کسی ایسے واقعہ کے متعلق ہی ہوتی ہے جو آئندہ زمانہ میں ہونے والا ہو۔ پس اس میں یہ پیشگوئی کی گئی ہے کہ آئندہ بھی سچے مذہب کی مخالفت اور دشمنی کی آگ جلائی جائے گی لیکن اللہ تعالیٰ الٰہی سلسلہ کو محفوظ رکھے گا اور مخالفین اپنے عزائم میں ناکام رہیں گے تاہم مؤمنوں کو قربانیاں پیش کرتے ہوئے اس آگ کو گل وگلزار بنانا ہوگا۔

اَلْاُخْدُوْد سے مراد وہ نالی ہے جو زمین میں کھودی جائے فرماتا ہے: قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ (البروج:۵) خندقوں والے ہلاک ہوگئے۔ اس میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو گذشتہ زمانے میں ہوا۔ اس میں ایک بھٹی کا ذکر آتا ہے اور یہ کہ اس میں آگ جلائی گئی اور اس میں تین آدمی پھینکے گئے یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ بادشاہ اور اس کے ساتھی اس نظارہ کو دیکھتے رہے۔ (دانی ایل باب ۳) اس قسم کے واقعات ماضی میں بھی ہوئے۔ جن کے متعلق روایات امام مسلم اور ترمذی نے اپنی کتب میں درج کی ہیں[۱] مگر امام بخاری نے اپنی شرائط کے مطابق اُن کو نظرانداز کر دیا ہے اور اس سورۃ کے چند کلمات کے معنی بیان کر کے اُن واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

فَتَنُوْا کے معنی ہیں اُنہوں نے تکلیف دی۔ فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ○ (البروج:۱۱) وہ لوگ جنہوں نے مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو عذاب میں مبتلا کیا پھر (اپنے فعل سے) توبہ بھی نہ کی انہیں یقیناً جہنم کا عذاب ملے گا۔ اور (اس دنیا میں بھی) انہیں (دل کو) جلا دینے والا عذاب ملے گا۔ (ترجمہ تفسیر صغیر)

فَتَنُوْا کے ایک معنی ہیں اُنہوں نے تکلیف دی۔ اور فتنہ کے ایک معنی عذاب کے بھی ہیں۔ فتنہ بمعنی عذاب قرآن کریم میں کئی جگہ بیان ہوا ہے، جیسے فرمایا: يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ○ (الذّٰریات:۱۴) یعنی اس وقت جب انہیں آگ کے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

---

[۱] (صحیح مسلم، کتاب الزھد والرقائق، باب قِصَّةِ أَصْحَابِ الْأُخْدُودِ وَالسَّاحِرِ وَالرَّاهِبِ وَالْغُلَامِ)
(سنن الترمذی، ابواب تفسیر القرآن، بَاب وَمِنْ سُورَةِ الْبُرُوجِ)

ان آیات میں اُن مؤمنوں کا ذکر ہے جنہیں ابتلاؤں کا تختۂ مشق بنایا جائے گا اور اس کے ساتھ یہ خوشخبری بھی دی گئی ہے کہ آج جو تم ابتلاؤں کے لیے چنے گئے ہو کل کو تمہی انعامات کے وارث بنو گے۔ تمہارا اِبتلا میں پڑنا تمہارے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی وجہ سے نہیں بلکہ خدائے ودود جو تم سے بے حد محبت کرتا ہے ایسی محبت جو کسی دوسرے رشتہ میں ملنی ممکن نہیں ہے۔ وہ تمہیں پاک اور صاف کرنے کے لیے ان بھٹیوں سے گذارنا چاہتا ہے تاجب تم خدا کے حضور حاضر ہو تو تمہارے اوپر کوئی آلائش نہ ہو جو تمہیں تمہارے خدا کی لِقا سے ایک لحظہ کے لیے بھی دور کرنے کا باعث بنے اور تا تم اس کے سب سے بڑے انعام یعنی دیدارِ الٰہی کے وارث بنو۔ دیدارِ الٰہی سب سے بڑا انعام ہے جو جنتیوں کو دیا جائے گا جیسا کہ حدیث میں بیان ہوا ہے: وَلَكِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا حَضَرَهُ الْمَوْتُ بُشِّرَ بِرِضْوَانِ اللهِ وَكَرَامَتِهِ، فَلَيْسَ شَيْءٌ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا أَمَامَهُ، فَأَحَبَّ لِقَاءَ اللهِ وَأَحَبَّ اللهُ لِقَاءَهُ، وَإِنَّ الْكَافِرَ إِذَا حُضِرَ بُشِّرَ بِعَذَابِ اللهِ وَعُقُوبَتِهِ، فَلَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَهَ إِلَيْهِ مِمَّا أَمَامَهُ، كَرِهَ لِقَاءَ اللهِ وَكَرِهَ اللهُ لِقَاءَهُ۔

(صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللهِ أَحَبَّ اللهُ لِقَاءَهُ، روایت نمبر ۶۵۰۷)

ترجمہ: اور جب مومن پر موت کا وقت آئے گا تو اسے اللہ کی رضا اور عزت افزائی کی بشارت دی جائے گی اور اس کے لیے اس سے زیادہ پیاری کوئی چیز نہیں ہوگی جو اس کے سامنے (اللہ کی محبت کی صورت میں) ہوگی وہ اللہ سے ملاقات کا متمنی ہو گا اور اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کا مشتاق، اور کافر پر جب موت کا وقت آئے گا تو اسے اللہ کے عذاب اور سزا کی خبر دی جائے گی اور اس کے لیے اپنے سامنے اس سے زیادہ کوئی چیز ناپسندیدہ نہیں ہوگی۔ وہ اللہ کی ملاقات کو ناپسند کرے گا اور اللہ اس سے ملنا ناپسند کرے گا۔

۸۶- سُورَةُ الطَّارِقِ

هُوَ النَّجْمُ وَمَا أَتَاكَ لَيْلًا فَهُوَ طَارِقٌ. النَّجْمُ الثَّاقِبُ (الطارق:٤) الْمُضِيءُ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ ذَاتِ الرَّجْعِ (الطارق:١٢) سَحَابٌ يَرْجِعُ بِالْمَطَرِ، وَذَاتِ الصَّدْعِ (الطارق:١٣) الْأَرْضُ تَتَصَدَّعُ بِالنَّبَاتِ. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَقَوْلٌ فَصْلٌ (الطارق:١٤) لَحَقٌّ. لَمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ (الطارق:٥) إِلَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ.

(الطَّارِق) ایک ستارہ ہے۔ اور جو تیرے پاس رات کو آئے اُسے بھی طَارِق کہتے ہیں۔ النَّجْمُ الثَّاقِبُ کے معنی ہیں روشن ستارہ۔ اور مجاہد نے کہا: ذَاتِ الرَّجْعِ سے مراد اَبر ہے جو بار بار بارش لاتا ہے۔ ذَاتِ الصَّدْعِ سے مراد وہ زمین ہے جو نباتات اُگاتی رہتی ہے۔ اور حضرت ابنِ عباسؓ نے کہا: لَقَوْلٌ فَصْلٌ سے مراد ہے ضرور سچی بات۔ لَمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ میں لَمَّا، إِلَّا کے معنی میں ہے یعنی ہر کسی پر (خدا کی طرف سے) کوئی نگران مقرر ہے۔

تشریح: سُورَةُ الطَّارِقِ: طارق ایک ستارہ ہے۔ اور جو تیرے پاس رات کو آئے اُسے بھی طَارِق کہتے ہیں۔ علامہ عینی لکھتے ہیں: طارق کا لفظ طَرْقٌ سے ہے جس کے معنی کھٹکھٹانے کے ہیں یہ نام اس کو اس لیے دیا گیا ہے کہ رات کو آنے والے کو دروازہ کھٹکھٹانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ (عمدۃ القاری جزء ۱۹ صفحہ ۲۸۷)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"یہ سورۃ اِس سلسلہ مضمون کی جو بیان ہوتا آرہا ہے چوتھی سورۃ ہے إِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ اس سلسلہ کی پہلی سورۃ تھی اور إِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ دوسری سورۃ تھی اور وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ تیسری سورۃ تھی اور وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ یعنی یہ سورۃ جو زیر بحث ہے اس سلسلہ کی چوتھی سورۃ ہے... غرض یہ اس سلسلہ کی آخری سورۃ ہے اس کے بعد وَالسَّمَآءِ کا لفظ نہیں بلکہ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى سے نئی سورۃ کا مضمون شروع ہوگا۔ میرے نزدیک سورۃ طارق ایک عالمِ برزخ کے طور پر درمیان میں آئی ہے جس میں پہلے مضمون کو بدل کر ایک دوسری طرف پھیرا جائے گا۔" (تفسیر کبیر، سورۃ الطارق، جلد ۸ صفحہ ۳۷۳)

ذَاتِ الرَّجْعِ سے مراد اَبر ہے جو بار بار بارش لاتا ہے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"رَجْعٌ کے معنے جیسا کہ بتایا جا چکا ہے اُس بادل کے ہوتے ہیں جو بار بار برستا ہے

فرماتا ہے کیا تم بادلوں کو نہیں دیکھتے کہ وہ بار بار زمین پر برستے ہیں اگر بادلوں سے پانی نہ اُترے اور اگر وہ بار بار زمین پر آکر نہ برسیں تو زمین کی ترقی بالکل رُک جائے بادلوں کا پانی ہی ہے جو زمین کے نشوونما اور اس کی اندرونی قابلیتوں کو اُبھارنے کا باعث بنتا ہے... یہی حال روحانی زندگی کا ہوتا ہے اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے وہ لوگ کھڑے نہ ہوں جو دنیا کی اصلاح کے لئے مامور ہوتے ہیں اور الہامِ الٰہی کا پانی زمین پر نہ اُترے تو لوگوں کو روحانی زندگی کبھی حاصل نہ ہو سکے۔"

(تفسیر کبیر، سورۃ الطارق، زیر آیت وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ جلد ۸ صفحہ ۳۸۲)

ذَاتِ الصَّدْعِ سے مراد وہ زمین ہے جو نباتات اُگاتی رہتی ہے۔

"صَدْعٌ کے معنے لغت میں شَقٌّ کے بھی ہیں۔ اور ذَاتُ الصَّدْعِ کے معنے ذَاتُ النَّبَاتِ کے بھی ہیں۔ پس ذَاتُ الصَّدْعِ کے معنی ہیں نبات والی زمین یا پھٹ کر روئیدگی پیدا کرنے والی چیز۔ فرماتا ہے یہ ایک دوسرا نظام ہے جو ہماری طرف سے دنیا میں جاری ہے ایک طرف بار بار زمین پر بادل برستا ہے اور دوسری طرف زمین میں یہ قابلیت ہوتی ہے کہ وہ بار بار سبزیاں وغیرہ پیدا کرے۔ اِسی طرح انسانی قابلیتیں گو تمہیں مردہ دکھائی دیتی ہیں مگر الہامِ الٰہی کی بارش کے بعد انہی مردہ قلوب میں سے کئی قسم کی سبزیاں اور روئیدگیاں پیدا ہونی شروع ہو جائیں گی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جیسے بعض زمینیں شور ہوتی ہیں اسی طرح انسانوں میں سے بھی بعض شور ہوتے ہیں مگر الہامِ الٰہی کی بارش کے بعد اکثر لوگ ایسے نکلتے ہیں جو جلد یا بدیر مامورِ وقت کو قبول کر لیتے ہیں۔"

(تفسیر کبیر، سورۃ الطارق، زیر آیت وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ جلد ۸ صفحہ ۳۸۳)

لَمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ میں لَمَّا اِلَّا کے معنی میں ہے یعنی ہر کسی پر (خدا کی طرف سے) کوئی نگران مقرر ہے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ (الطارق:۵) جس کے یہ معنی ہیں کہ ہر ایک نفس پر ایک فرشتہ نگہبان ہے یہ صاف دلالت کر رہی ہے کہ جیسا کہ انسان کے ظاہر وجود کیلئے فرشتہ مقرر ہے جو اُس سے جدا نہیں ہوتا ویسا ہی اس کے باطن کی حفاظت کیلئے

بھی مقرر ہے جو باطن کو شیطان سے روکتا ہے اور گمراہی کی ظلمت سے بچاتا ہے اور وہ رُوح القدس ہے جو خدا تعالیٰ کے خاص بندوں پر شیطان کا تسلط ہونے نہیں دیتا اور اسی کی طرف یہ آیت بھی اشارہ کرتی ہے کہ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ (الحجر:۴۳)[۱]... کیا اس جگہ یہ خیال آسکتا ہے کہ انسان کے ظاہر کی نگہبانی کیلئے تو دائمی طور پر فرشتہ مقرر ہے لیکن اس کی باطن کی نگہبانی کیلئے کوئی فرشتہ دائمی طور پر مقرر نہیں بلکہ متعصّب سے متعصّب انسان سمجھ سکتا ہے کہ باطن کی حفاظت اور روح کی نگہبانی جسم کی حفاظت سے بھی زیادہ ضروری ہے کیونکہ جسم کی آفت تو اِسی جہان کا ایک دُکھ ہے لیکن روح اور نفس کی آفت جہنم ابدی میں ڈالنے والی چیز ہے... اس آیت کے ہم مضمون قرآن کریم میں اور بہت سی آیتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی تربیت اور حفاظت ظاہری و باطنی کیلئے اور نیز اس کے اعمال کے لکھنے کیلئے ایسے فرشتے مقرر ہیں کہ جو دائمی طور پر انسانوں کے پاس رہتے ہیں چنانچہ مُجملہ ان کے یہ آیات ہیں: وَاِنَّ عَلَیْكُمْ لَحٰفِظِیْنَ (الانفطار:۱۱)[۲] یُرْسِلُ عَلَیْكُمْ حَفَظَةً (الانعام:۶۲)[۳] لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ یَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ (الرعد:۱۲)[۴]... اس مقام میں صاحبِ معالم نے یہ حدیث لکھی ہے کہ ہر یک بندہ کیلئے ایک فرشتہ موکل ہے جو اس کے ساتھ ہی رہتا ہے۔ اور اس کی نیند اور بیداری میں شیاطین اور دوسری بلاؤں سے اس کی حفاظت کرتا رہتا ہے اور اسی مضمون کی ایک اور حدیث کعب الاحبار سے بیان کی ہے اور ابن جریر اس آیت کی تائید میں یہ حدیث لکھتا ہے: اِنَّ مَعَكُمْ مَنْ لَّا یُفَارِقُكُمْ اِلَّا عِنْدَ

---

[۱] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”یقیناً (جو) میرے بندے (ہیں) ان پر تجھے کوئی غلبہ نصیب نہ ہوگا۔“

[۲] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”جبکہ یقیناً تم پر ضرور نگہبان مقرر ہیں۔“

[۳] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”وہ تم پر حفاظت کرنے والے (نگران) بھیجتا ہے۔“

[۴] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”اُس کے لئے اُس کے آگے اور پیچھے چلنے والے محافظ (مقرر) ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔“

الْخَلَاءِ وَعِنْدَ الْجِمَاعِ فَاسْتَحْيُوهُمْ وَأَكْرِمُوهُمْ۔[۱] یعنی تمہارے ساتھ وہ فرشتے ہیں کہ بجز جماع اور پاخانہ کی حاجت کے تم سے جدا نہیں ہوتے۔ سو تم ان سے شرم کرو اور ان کی تعظیم کرو اور اس جگہ عکرمہ سے یہ حدیث لکھی ہے کہ ملائکہ ہر یک شر سے بچانے کیلئے انسان کے ساتھ رہتے ہیں اور جب تقدیر مبرم نازل ہو تو الگ ہو جاتے ہیں۔ اور پھر مجاہد سے نقل کیا ہے کہ کوئی ایسا انسان نہیں جس کی حفاظت کیلئے دائمی طور پر ایک فرشتہ مقرر نہ ہو۔"

(آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۷۷ تا ۸۰)

[۱] (سنن الترمذی، ابواب الادب، بَابُ مَا جَاءَ فِي الْإِسْتِتَارِ عِنْدَ الْجِمَاعِ)

۸۷- سُورَةُ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: قَدَّرَ فَهَدٰى (الأعلى: ٤) قَدَّرَ لِلْإِنْسَانِ الشَّقَاءَ وَالسَّعَادَةَ، وَهَدَى الْأَنْعَامَ لِمَرَاتِعِهَا.

اور مجاہد نے کہا: قَدَّرَ فَهَدٰى کے معنی ہیں اس نے انسان کی نیک بختی اور بد بختی مقرر کر دی اور جانوروں کو ان کی چراگاہوں کی ہدایت دے دی۔

٤٩٤١: حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ أَوَّلُ مَنْ قَدِمَ عَلَيْنَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ وَابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ، فَجَعَلَا يُقْرِئَانِنَا الْقُرْآنَ، ثُمَّ جَاءَ عَمَّارٌ وَبِلَالٌ وَسَعْدٌ، ثُمَّ جَاءَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فِي عِشْرِينَ، ثُمَّ جَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا رَأَيْتُ أَهْلَ الْمَدِينَةِ فَرِحُوا بِشَيْءٍ فَرَحَهُمْ بِهِ، حَتَّى رَأَيْتُ الْوَلَائِدَ وَالصِّبْيَانَ يَقُولُونَ هٰذَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ جَاءَ، فَمَا جَاءَ حَتَّى قَرَأْتُ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى (الأعلى: ٢) فِي سُوَرٍ مِثْلِهَا.

۴۹۴۱: عبدان نے ہم سے بیان کیا، اُنہوں نے کہا: مجھے میرے والد (عثمان بن جبلہ) نے بتایا اُنہوں نے شعبہ سے، شعبہ نے ابواسحاق سے، ابواسحاق نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کی، انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں میں سے پہلے جو ہمارے پاس آئے وہ حضرت مصعب بن عمیرؓ اور حضرت ابن ام مکتومؓ تھے۔ وہ ہمیں قرآن پڑھانے لگے۔ پھر حضرت عمارؓ اور حضرت بلالؓ اور حضرت سعدؓ آئے۔ پھر ان کے بعد حضرت عمر بن خطابؓ مع بیس آدمیوں کے آئے۔ پھر اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو میں نے مدینہ والوں کو نہیں دیکھا کہ وہ کسی بات سے ایسے خوش ہوئے ہوں جیسا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے پر خوش ہوئے یہاں تک کہ میں نے بچیوں اور بچوں کو دیکھا وہ بھی کہہ رہے تھے یہ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگئے اور آپؐ کے آجانے تک میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى اور اس جیسی کئی ایک سورتیں پڑھ چکا تھا۔

تشریح: سُوْرَةُ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى: امام بخاری نے اس سورۃ کے حوالہ سے صرف ایک ہی روایت لی ہے جو حضرت براءؓ سے مروی ہے۔ دیگر محدثین نے بعض روایات اپنی کتب میں درج کی ہیں۔ امام بخاری نے ان روایات کو اپنی شرائط کے مطابق قبول نہیں کیا۔ اس سورۃ کے متعلق مسند احمد بن حنبل، مسلم اور دوسری کتبِ احادیث میں نعمان بن بشیرؓ سے روایت آتی ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعہ اور عیدین کی نمازوں کی پہلی رکعت میں یہ سورۃ پڑھا کرتے تھے اور دوسری رکعت میں سورۃ الغاشیہ تلاوت فرمایا کرتے تھے بلکہ اگر عید اور جمعہ اکٹھے ہو جاتے تب بھی آپؐ یہی دونوں نمازوں میں پڑھا کرتے تھے۔[1] ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارقطنی، بیہقی، اور حاکم میں اُبَیّ ابن کعبؓ سے روایت آتی ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نمازِ وتر کی پہلی رکعت میں یہ سورۃ تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ حضرت علیؓ سے مسند احمد میں روایت ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ سورۃ بہت پسند تھی۔ ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، حاکم، اور بیہقی میں حضرت عائشہؓ سے بھی روایت آتی ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وتر کی پہلی رکعت میں یہ سورۃ، دوسری رکعت میں سورۃ الکافرون اور تیسری رکعت میں سورۃ الاخلاص اور معوّذتین پڑھا کرتے تھے۔[2]

قَدَّرَ فَهَدٰى کے معنی ہیں اس نے انسان کی نیک بختی اور بدبختی مقرر کر دی اور جانوروں کو ان کی چراگاہوں کی ہدایت دے دی۔ قَدَّرَهُ عَلَى الشَّيْءِ کے معنی ہوتے ہیں جَعَلَهُ قَادِرًا یعنی اُس نے اُس کو قادر بنا دیا۔ اور قَدَّرَ فُلَانٌ کے معنی ہوتے ہیں رَوَّى وَفَكَّرَ فِي تَسْوِيَةِ أَمْرِهِ۔ یعنی اُس نے کسی معاملہ میں غور کیا اور سوچا کہ اُسے کس طرح سر انجام دے۔ قَدَّرَ الشَّيْءَ بِالشَّيْءِ کے معنی ہوتے ہیں قَاسَهُ بِهِ وَجَعَلَهُ عَلَى مِقْدَارِهِ۔ اُس نے ایک چیز کو دوسری پر قیاس کیا اور اُس کے مطابق اُسے بنایا۔ (اقرب الموارد- قدر)

---

1. (صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب ما يقرأ في صلاة الجمعة)
(مسند احمد بن حنبل، مسند الكوفيين، حديث النعمان بن بشير جزء ۴ صفحہ ۲۷۳)
2. (سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، باب تفريع ابواب الوتر، باب ما يقرء في الوتر)
(سنن النسائی، کتاب قيام الليل و تطوع النهار، باب نوع آخر من القراءة في الوتر)
(سنن ابن ماجه، کتاب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء فيما يقرأ في الوتر)
(سنن الدارقطنی، کتاب الوتر، باب ما يقرأ في ركعات الوتر والقنوت فيه)
(سنن الكبرى للبيهقي، کتاب الصلاة، جماع ابواب صلاة التطوع، باب ما يقرأ في الوتر بعد الفاتحة)
(المستدرك على الصحيحين، كتاب التفسير، من كتاب قراءات النَّبِيِّ صلَّى الله عليه وسلَّم، جزء ۲ صفحہ ۲۸۲)
(سنن الترمذی، ابواب الوتر، باب ما جاء ما يقرأ في الوتر)
(المستدرك على الصحيحين، كتاب التفسير، تفسير سورة سبح اسم ربك الاعلى، جزء ۲ صفحہ ۵۲۶)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اس آیت میں قَدَّرَ کے تینوں معنے ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی کہ قَدَّرَهٗ عَلَى الشَّيْءِ یعنی قَدَّرَ الْاِنْسَانَ عَلَى الْهُدٰى۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ہدایت پر قادر بنایا۔ یعنی اُسے اس قابل بنایا ہے کہ وہ ہدایت پائے اور ترقی کرے۔ دوسرے معنوں کے لحاظ سے وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰى کا یہ مفہوم ہو گا کہ جس نے انسان کی حالت کا ہمیشہ اندازہ لگایا۔ کیونکہ قَدَّرَ فُلَانٌ کے معنے ہوتے ہیں رَوّٰى وَفَكَّرَ فِيْ تَسْوِيَةِ اَمْرِهٖ۔ پس قَدَّرَ فَهَدٰى کے معنے یہ ہوئے کہ جب کبھی خرابی پیدا ہوئی اللہ تعالیٰ نے اُس کو دُور کرنے کی تجویز کی۔...

قَدَّرَ کے ایک یہ معنے بھی تھے کہ قَاسَهٗ بِهٖ وَجَعَلَهٗ عَلٰى مِقْدَارِهٖ اُس نے ایک چیز کو دوسری چیز پر قیاس کیا اور اُس کے مطابق اُسے بنایا۔ اِس لحاظ سے آیت کے معنے یہ ہوں گے کہ انسان کی مرض اور اُس کے علاج کا موازنہ کر کے اللہ تعالیٰ نے اُس کی اصلاح اور درستی کے سامان مہیّا کئے۔ پہلے معنے تو یہ تھے کہ جس قسم کی مرض تھی اُسی قسم کا علاج نازل کیا اور دوسرے معنے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مرض کا اندازہ کیا اور پھر جتنی مرض تھی اُتنا علاج بھیج دیا۔"

(تفسیر کبیر، سورۃ الاعلیٰ، زیر آیت وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰى جلد ۸ صفحہ ۴۰۵)

۸۸- سُورَةُ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ (الغاشية:٤) النَّصَارٰى، وَقَالَ مُجَاهِدٌ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ (الغاشية:٦) بَلَغَ إِنَاهَا وَحَانَ شُرْبُهَا، حَمِيْمٍ اٰنٍ (الرحمٰن:٤٤) بَلَغَ إِنَاهُ، لَا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً (الغاشية:١١) شَتْمًا، وَيُقَالُ الضَّرِيعُ نَبْتٌ يُقَالُ لَهُ الشِّبْرِقُ. يُسَمِّيهِ أَهْلُ الْحِجَازِ الضَّرِيعَ إِذَا يَبِسَ وَهُوَ سُمٌّ. بِمُسَيْطِرٍ بِمُسَلَّطٍ، وَيُقْرَأُ بِالصَّادِ وَالسِّينِ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اِيَابَهُمْ (الغاشية:٢٥) مَرْجِعَهُمْ.

اللہ کے نام کے ساتھ جو رحمٰن اور رحیم ہے

اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا: عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ سے مراد نصاریٰ ہیں۔ اور مجاہد نے کہا: عَيْنٍ اٰنِيَةٍ سے مراد ہے ایسا گرم چشمہ جو گرمی میں اپنی حد کو پہنچ گیا اور اس سے پینے کا وقت آ پہنچا۔ حَمِيْمٍ اٰنٍ (سورۃ الرحمٰن میں ہے۔ اس کے بھی یہی معنی ہیں) حد درجے کی گرمی کو پہنچ گیا۔ لَا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً یعنی اس میں تم لغو بات یعنی گالی گلوچ نہیں سنو گے۔ اور کہا جاتا ہے کہ ضَرِيع ایک قسم کی نباتات ہے جس کو شبرق کہتے ہیں (یعنی پٹھ کنڈا) شبرق جب خشک ہو جائے اور زہر بن جائے تو اہل حجاز اس کو ضَرِيع کا نام دیتے ہیں۔ بِمُسَيْطِرٍ کے معنی ہیں مسلط اور ''ص'' اور ''س'' دونوں کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا: اِيَابَهُمْ کے معنی ہیں ان کا لوٹنا۔

تشریح: **سُورَةُ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ:** حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:
''اس سورۃ اور سورۃ الاعلیٰ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جمعہ اور عیدین میں پڑھنا اور بالالتزام پڑھنا اور اتنا تعہد کرنا کہ اگر دونوں نمازیں جمع ہو جائیں تب بھی آپؐ دونوں میں التزاماً یہ سورتیں پڑھا کرتے تھے بتاتا ہے کہ اسلام کی اجتماعی زندگی کے ساتھ یہ دونوں سورتیں گہرا تعلق رکھتی ہیں... سورۃ الاعلیٰ اسلامی ترقی اور دین اسلام کی اشاعت، اُس کے ماننے والوں کی زیادتی اور مسلمانوں کے غلبہ پر دلالت کرتی تھی اور سورۃ الغاشیہ میں گو وہ مضمون نہیں مگر اس میں بھی یہ بات ضرور

پائی جاتی ہے کہ کافروں کے اسلام کے خلاف اُٹھنے اور زور لگانے کا اس میں اشارہ کیا گیا ہے اور مومنوں کا ان کے مقابلہ میں کامیاب ہونا اشارۃً بیان کیا گیا ہے۔"

(تفسیر کبیر، سورۃ الغاشیہ، جلد ۸ صفحہ ۴۴۱، ۴۴۲)

عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ سے مراد نصاریٰ ہیں۔ نَاصِبَةٌ: نَصَبَ سے اسم فاعل مؤنث کا صیغہ ہے اور نَصَبَهُ الْهَمُّ کے معنی ہوتے ہیں أَتْعَبَهُ تم نے اس کو تھکا دیا۔ اور نَصَبَ فُلَانٌ الشَّيْءَ کے معنی ہوتے ہیں وَضَعَهُ وَضْعًا ثَابِتًا كَنَصْبِ الرُّمْحِ وَالْبِنَاءِ وَالْحَجَرِ یعنی کسی چیز کو مضبوطی سے گاڑ دیا جیسے نیزہ گاڑا جاتا ہے یا بنیاد کو مضبوط بنایا جاتا ہے یا پتھر کو عمارت میں مضبوطی سے پیوست کر دیا جاتا ہے۔ وَرَفَعَهُ ضِدٌّ نیز یہ لفظ اضداد میں سے ہے اور اس کے معنی بلند کرنے کے بھی ہوتے ہیں اور نَصَبَ السَّيْرَ کے معنی ہوتے ہیں رَفَعَهُ أَوْهُوَ أَنْ يَّسِيْرَ طُوْلَ يَوْمِهِ سَيْرًا لَيِّنًا اُس نے سیر کو بلند کیا یعنی خوب تیزی سے سفر کیا یا آہستہ آہستہ سارا دن سفر کرتا رہا۔ گویا اس کے دونوں معنی ہیں۔ یہ بھی معنی ہیں کہ خوب گھوڑا دوڑایا اور یہ بھی معنی ہیں کہ آہستہ آہستہ دیر تک سفر کرتا چلا گیا۔ اور نَصَبَ لِفُلَانٍ کے معنی ہوتے ہیں عَادَاهُ اُس سے دشمنی کی۔ اور نَصَبَ الْعَلَمَ کے معنی ہوتے ہیں رَفَعَهُ وَأَقَامَهُ مُسْتَقْبِلًا بِهٖ اس نے جھنڈے کو اپنے سامنے کھڑا کیا اور نَصَبَ الشَّجَرَةَ کے معنی ہوتے ہیں غَرَسَهَا فِي الْأَرْضِ اُس نے زمین میں درخت گاڑا اور نَصَبَ السُّلْطَانُ فُلَانًا کے معنی ہوتے ہیں وَلَّاهُ مَنْصَبًا اس کو بادشاہ کے منصب پر مقرر کیا اور نَصَبَ لَهٗ رَأْيًا کے معنی ہوتے ہیں أَشَرْتَ عَلَيْهِ بِرَأْيٍ لَا يَعْدِلُ عَنْهُ کہ تُو نے ایسی رائے اُن کو دی جس سے وہ اِدھر اُدھر نہ ہو سکا۔ (اقرب الموارد- نصب)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ کے معنے ہوئے عمل کرنے والی جماعت یا اعلان جنگ کرنے والی یا اپنی بنیادوں کو مضبوطی سے گاڑ دینے والی یا لمبے لمبے سفر کرنے والی یا اپنی دشمنیوں کا اظہار کرنے والی یا عہدوں پر مقرر کرنے والی یا اپنے جھنڈوں کو اونچا کرنے والی یا نیزوں کو گاڑنے والی جماعت۔"

(تفسیر کبیر، سورۃ الغاشیہ، زیر آیت عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ جلد ۸ صفحہ ۴۴۷)

عَيْنٍ اٰنِيَةٍ سے مراد ہے ایسا گرم چشمہ جو گرمی میں اپنی حد کو پہنچ گیا اور اس سے پینے کا وقت آ پہنچا۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"گرم پانی پینے کا ذکر فرما کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ ہر آرام سے محروم ہو جائیں گے یا یہ کہ اُن کی روحانی امراض کو دُور کرنے کے لئے اُنہیں ابتلاؤں میں ڈالا جائے گا اور ایسے گرم چشمہ سے اُن کو پانی پلایا جائے گا جس کی گرمی انتہا درجہ تک پہنچی ہوئی ہو گی۔ یعنی پانی پینے کی جو اصل غرض ہوتی ہے کہ انسانی جسم پر

تروتازگی آئے وہ اُن کو حاصل نہیں ہو گی... کھولتا ہوا چشمہ آخرت میں تو ہو گا ہی دنیا میں کھولتے ہوئے چشمہ سے مراد وہ چیز ہوتی ہے جس سے دل کو آگ لگ جائے۔ مطلب یہ ہے کہ کفار کو ایسے مصائب پہنچیں گے اور ایسے حالات میں سے وہ گزریں گے کہ اُن کے دل جل جائیں گے۔ یہ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ہی تھا کہ اُن کی اولادیں مسلمان ہو گئیں اور جس مذہب کو مٹانے کے لئے وہ کھڑے ہوئے تھے اسی مذہب میں اُن کے بیٹے شامل ہو گئے۔ جب وہ اپنی اولادوں کو اسلام میں شامل ہوتے دیکھتے ہوں گے تو کس طرح اُن کے دل جلتے ہوں گے کہ ہم کیا چاہتے تھے اور کیا ہو گیا۔“

(تفسیر کبیر، سورۃ الغاشیہ، زیر آیت تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ جلد ۸ صفحہ ۴۴۹، ۴۵۰)

الضَّرِيعُ نَبْتٌ يُقَالُ لَهُ الشِّبْرِقُ: ضَرِیع ایک قسم کی نباتات ہے جس کو شبرق کہتے ہیں۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”اَلضَّرِيْعُ نَبَاتٌ رَطْبُهُ يُسَمّٰى شِبْرِقًا وَيَابِسُهُ ضَرِيْعًا لَاتَقْرُبُهُ دَابَّةٌ لِخُبْثِهٖ۔ یعنی ضریع گھاس کی ایک قسم ہوتی ہے جب تک وہ گھاس تازہ رہے اُسے شبرق کہتے ہیں اور جب سوکھ جائے تو ضریع کہتے ہیں۔ ضریع ایسی گندی چیز ہوتی ہے کہ جانور بھی اس کو نہیں کھاتے۔ اسی طرح ضریع ایسی گھاس کو بھی کہتے ہیں جو سمندر کے کنارے اُگ آتا ہے مگر چونکہ نہایت گندہ اور بدبودار ہوتا ہے لوگ اسے کاٹ کر پانی میں بہا دیتے ہیں۔ اسی طرح ہر درخت کی سُوکھی ٹہنی یا سُوکھے پتوں کو بھی ضریع کہتے ہیں۔ اسی طرح سڑے ہوئے پانی میں ایک بوٹی ہوتی ہے اس کو بھی ضریع کہتے ہیں۔“

(تفسیر کبیر، سورۃ الغاشیہ زیر آیت لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ جلد ۸ صفحہ ۴۵۵)

اِيَابَهُمْ کے معنی ہیں ان کا لوٹنا۔ فرماتا ہے: اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ۝ (الغاشية: ۲۶، ۲۷) یقیناً انہیں ہماری ہی طرف لوٹنا ہے پھر ان سے حساب لینا بھی یقیناً ہمارا ہی کام ہے۔ (ترجمہ تفسیر صغیر)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”اس آیت سے اس مضمون کو ختم کیا گیا ہے جو سورۃ الاعلیٰ سے شروع کیا گیا تھا اور بتایا گیا ہے کہ مومن و کافر اپنے اپنے کام پورے کر کے مومن تسبیح کو بلند کر

کے اور کافر کفر کی اشاعت کر کے آخر اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور دنیوی نتائج دیکھ کر اُخروی نتائج دیکھنے کے لئے خدا تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوں گے۔ سورۃ الاعلیٰ اور سورۃ الغاشیہ دونوں کے متعلق یہ امر بتایا جا چکا ہے کہ ان کا آپس میں گہرا ربط ہے اس کا ایک ثبوت اس امر سے بھی ملتا ہے کہ احادیث میں آتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى پڑھتے تو فرماتے سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى اور جب سورۃ الغاشیہ کی تلاوت کرتے کرتے اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ○ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ پر پہنچتے تو فرماتے اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنِيْ حِسَابًا يَّسِيْرًا۔ ایک سورۃ کے شروع میں ایک فقرہ کا دُہرانا اور دوسری سورۃ کے آخر میں دوسرے فقرہ کا دہرانا صاف طور پر بتا رہا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یہ دونوں سورتیں مضمون کے اعتبار سے آپس میں جوڑ رکھتی ہیں اِسی لئے ایک سورۃ کے ابتداء میں اور دوسری سورۃ کے انتہا میں ایک فقرہ یہ بتانے کے لئے دُہراتے کہ جو مضمون سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى سے شروع ہوا تھا وہ اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ○ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ پر آ کر ختم ہو گیا ہے۔"

(تفسیر کبیر، سورۃ الغاشیہ، زیر آیت اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ... جلد ۸ صفحہ ۴۷۸)

۸۹-سُورَةُ وَالْفَجْرِ

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ (الفجر:٨) يَعْنِي الْقَدِيمَةَ. وَالْعِمَادُ أَهْلُ عَمُودٍ {لَا يُقِيمُونَ[1]} سَوْطَ عَذَابٍ (الفجر:١٤) الَّذِي عُذِّبُوا بِهِ. أَكْلًا لَّمًّا (الفجر:٢٠) السَّفُّ. وَجَمًّا (الفجر:٢١) الْكَثِيرُ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ كُلُّ شَيْءٍ خَلَقَهُ فَهُوَ شَفْعٌ، السَّمَاءُ شَفْعٌ، وَالْوَتْرُ (الفجر:٤) اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى. وَقَالَ غَيْرُهُ سَوْطَ عَذَابٍ (الفجر:١٤) كَلِمَةٌ تَقُولُهَا الْعَرَبُ لِكُلِّ نَوْعٍ مِنَ الْعَذَابِ يَدْخُلُ فِيهِ السَّوْطُ. لَبِالْمِرْصَادِ (الفجر:١٥) إِلَيْهِ الْمَصِيرُ. تَحٰٓضُّوْنَ (الفجر:١٩) تُحَافِظُونَ وَتَحُضُّونَ تَأْمُرُونَ بِإِطْعَامِهِ. الْمُطْمَئِنَّةُ (الفجر:٢٨) الْمُصَدِّقَةُ بِالثَّوَابِ. وَقَالَ الْحَسَنُ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ (الفجر:٢٨) إِذَا أَرَادَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ قَبْضَهَا اطْمَأَنَّتْ إِلَى اللهِ وَاطْمَأَنَّ اللهُ إِلَيْهَا، وَرَضِيَتْ عَنِ اللهِ وَرَضِيَ اللهُ عَنْهَا، فَأَمَرَ بِقَبْضِ رُوحِهَا وَأَدْخَلَهُ اللهُ الْجَنَّةَ وَجَعَلَهُ مِنْ عِبَادِهِ الصَّالِحِينَ.

اور مجاہد نے کہا: اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ سے مراد قدیم عاد یعنی عاد اولیٰ ہے اور ذات العماد سے مراد یہ ہے کہ وہ خیموں میں رہنے والے لوگ تھے۔ خانہ بدوش، ایک جگہ نہیں ٹھہرا کرتے تھے۔ سَوْطَ عَذَابٍ یعنی جس چیز سے ان کو عذاب دیا۔ اَكْلًا لَّمًّا کے معنی ہیں کہ سب سمیٹ کر کھا جانا۔ اور جَمًّا کے معنی ہیں بہت زیادہ۔ اور مجاہد نے کہا: ہر چیز جس کو اللہ نے پیدا کیا وہ شَفْعٌ یعنی جوڑا ہے۔ آسمان بھی جوڑا ہے (یعنی زمین کا)۔ اور الْوَتْر سے مراد اللہ تبارک و تعالیٰ ہے اور مجاہد کے سوا اَوروں نے کہا: سَوْطَ عَذَاب ایک محاورہ ہے جسے عرب ہر قسم کے عذاب کے لیے بولتے ہیں اس میں کوڑے کی سزا بھی شامل ہوتی ہے۔ لَبِالْمِرْصَادِ یعنی اس کی طرف لوٹنا ہے۔ تَحٰٓضُّوْنَ یعنی تم حفاظت کرتے ہو اور تَحُضُّونَ کے معنی ہیں مساکین کو کھانا کھلانے کا حکم دیتے ہیں۔ الْمُطْمَئِنَّةُ یعنی ثواب کو سچا ماننے والی۔ اور حسن نے کہا: يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ سے وہ نفس مراد ہے کہ جب اللہ عزوجل اس کو بلانا چاہے (تو اس کو اپنے پاس اُٹھالے) وہ اللہ کے پاس مطمئن ہو جائے اور اللہ اس سے مطمئن ہو جائے یعنی وہ اللہ سے خوش ہو جائے اور اللہ

---

[1] یہ الفاظ عمدۃ القاری کے مطابق ہیں۔ (عمدۃ القاری جزء۱۹ صفحہ ۲۹۰) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

وَقَالَ غَيْرُهُ جَابُوا(الفجر:١٠) نَقَبُوا، مِنْ جِيبَ الْقَمِيصُ قُطِعَ لَهُ جَيْبٌ، يَجُوبُ الْفَلَاةَ يَقْطَعُهَا. لَمًّا(الفجر:٢٠) لَمَمْتُهُ أَجْمَعَ أَتَيْتُ عَلَى آخِرِهِ.

اس سے خوش ہو جائے پھر اللہ اس کی روح قبض کرنے کا حکم دے اور اللہ اس کو جنت میں داخل کر دے اور اس کو اپنے نیک بندوں میں شریک کرے۔ اور مجاہد کے سوا اَوروں نے کہا: جَابُوا کے معنی ہیں انہوں نے پھاڑا۔ کہتے ہیں جِيبَ الْقَمِيصُ یعنی قمیص کو پھاڑ کر اس کا گریبان بنایا یا جیب بنائی۔ يَجُوبُ الْفَلَاةَ کے معنی ہیں بیابان کو طے کرتا ہے۔ لَمًّا کہتے ہیں لَمَمْتُهُ أَجْمَعَ یعنی میں نے اس کو آخر تک سمیٹ لیا۔

تشریح: حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اس سورت کا نام الفجر ہے اور فجر کے طلوع پر دس راتوں کو گواہ ٹھہرایا گیا ہے اور پھر دو اور ایک کو بھی گواہ ٹھہرایا گیا ہے جو کل تیرہ بنتے ہیں یہ تیرہ سال ابتدائی مکی دور کی طرف اشارہ فرمار ہے ہیں جس کے بعد ہجرت کی فجر طلوع ہونی تھی۔" (ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تعارف سورۃ الفجر صفحہ ۱۱۶۵)

اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ سے مراد قدیم عاد یعنی عاد اولیٰ ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ارم ایک شہر کا نام ہے اور عماد اُن کے جسموں کی مضبوطی اور غیر معمولی لمبے قد کی وجہ سے کہا گیا ہے۔ امام ابن حجر کے نزدیک ارم ایک قبیلہ کا نام ہے اور یہ قبیلہ حضرت نوحؑ کے بیٹے سام کی اولاد میں سے ہے۔ اور عاد عوص بن ارم کی نسل میں سے ہے۔
(فتح الباری جزء۸ صفحہ ۸۹۶)

يَاأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ: اس سورۃ کی آخری آیات میں بنی نوع انسان کی خدمت کی ترغیب دی گئی ہے خدمت خلق کرنے والے ایسے نافع الناس وجودوں کو یہ خوش خبری دی گئی ہے کہ وہ اس حال میں خدا کے حضور حاضر ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ اُن سے راضی اور وہ اللہ سے راضی ہوں گے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اس جگہ صاحب تفسیر معالم اس آیت کی تفسیر کر کے اپنی کتاب کے صفحہ ۹۷۵ میں لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب بندہ مومن وفات پانے پر ہوتا ہے تو اس کی طرف اللہ جَلَّشَانُهُ دو فرشتے بھیجتا ہے اور اُن کے ساتھ

کچھ بہشت کا تحفہ بھی بھیجتا ہے اور وہ فرشتے آکر اس کی روح کو کہتے ہیں کہ اے نفس مطمئنہ تو رَوح اور رَیحان اور اپنے ربّ کی طرف جو تجھ سے راضی ہے نکل آ۔ تب وہ روح مشک کی اس خوشبو کی طرح جو بہت لطیف اور خوش کرنے والی ہو جو ناک میں پہنچ کر دماغ کو معطّر کر دیتی ہو باہر نکل آتی ہے اور فرشتے آسمان کے کناروں پر کہتے ہیں کہ ایک روح چلی آتی ہے جو بہت پاکیزہ اور خوشبودار ہے۔ تب آسمان کا کوئی دروازہ ایسا نہیں ہوتا جو اس کے لئے کھولا نہ جائے اور کوئی فرشتہ آسمان کا نہیں ہوتا کہ اُس کے لئے دعا نہ کرے یہاں تک کہ وہ روح پایۂ عرش الٰہی تک پہنچ جاتی ہے تب خدائے تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہے پھر میکائیل کو حکم ہوتا ہے کہ جہاں اور روحیں ہیں وہیں اس کو بھی لے جا۔"

(ازالہ اوہام حصہ اوّل، روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۲۳۳، ۲۳۴)

۹۰- سُورَةُ لَآ اُقْسِمُ

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ (البلد:۳) مَكَّةَ، لَيْسَ عَلَيْكَ مَا عَلَى النَّاسِ فِيهِ مِنَ الْإِثْمِ. وَ وَالِدٍ (البلد: ٤) آدَمَ وَمَا وَلَدَ (البلد:٤). لُبَدًا (البلد:٧) كَثِيرًا. وَالنَّجْدَيْنِ (البلد: ١١) الْخَيْرُ وَالشَّرُّ. مَسْغَبَةٍ (البلد: ١٥) مَجَاعَةٍ. مَتْرَبَةٍ (البلد:١٧) السَّاقِطُ فِي التُّرَابِ. يُقَالُ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ (البلد: ١٢) فَلَمْ يَقْتَحِمِ الْعَقَبَةَ فِي الدُّنْيَا، ثُمَّ فَسَّرَ الْعَقَبَةَ فَقَالَ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ○ فَكُّ رَقَبَةٍ ○ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ○ (البلد:١٣-١٥). فِيْ كَبَدٍ (البلد:٥) فِي شِدَّةٍ.

اور مجاہد نے کہا: وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ سے مراد مکہ ہے۔ (اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ) اس شہر میں جو باتیں لوگوں پر گناہ ہیں وہ تم پر نہیں۔ اور وَالِدٍ سے مراد حضرت آدمؑ ہیں اور مَا وَلَدَ سے اُن کی اولاد۔ لُبَدًا کے معنی ہیں بہت سارا۔ اور النَّجْدَيْنِ سے مراد ہے خیر و شر۔ مَسْغَبَةٍ کے معنی ہیں بھوک۔ مَتْرَبَةٍ کے معنی ہیں مٹی میں پڑا ہوا۔ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ کہا جاتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں گھاٹی پر نہیں چڑھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس گھاٹی کو کھول کر بیان کیا، فرمایا: یعنی تجھے کیا معلوم وہ گھاٹی کیا ہے؟ گردن کا آزاد کرنا، یا سخت تکلیف اور بھوک کے دن کھانا کھلانا ہے۔ فِيْ كَبَدٍ سے مراد ہے سختی میں۔

تشریح: سُورَةُ لَآ اُقْسِمُ: حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ ظلم کے مقام کو واضح کرتا ہے۔ اسی طرح ظلم کی بعض اور تفصیلات کو بیان کرتا ہے۔ اور بتاتا ہے کہ یہ ظلم مکّہ میں ہی شروع ہو گا۔ ہو سکتا تھا کہ چونکہ اسوقت تک مسلمانوں پر ظلم نہیں ہوا تھا۔ اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہؓ کے رشتہ دار مکّہ میں موجود تھے۔ یہ خیال کر لیا جاتا کہ لیالی عشر کی پیشگوئی کا جو ظہور ہونے والا ہے ممکن ہے اس رنگ میں ہو کہ بعض اور علاقوں میں اسلام پھیلے اور وہاں مسلمانوں پر مظالم شروع ہو جائیں۔ اِس خیال کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مکّہ سے باہر بھی اکّے دکّے لوگوں نے اسلام قبول کرنا شروع

کر دیا تھا۔ اور ذہن اس طرف جاسکتا تھا کہ ممکن ہے عرب کا کوئی اور حصہ ہو جس میں ان مظالم کا آغاز ہونے والا ہو۔ یا کوئی اور لوگ ہوں جن کو مصائب و آلام کا تختۂ مشق بنایا جانے والا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں ایسے شبہات کی تردید کی ہے اور بتایا ہے کہ تمہارا یہ خیال صحیح نہیں۔ یہی مکّہ جس میں تم رہتے ہو جس میں تمہارے عزیز اور رشتہ دار موجود ہیں اور جس میں کفار کی طرف سے مظالم شروع ہونے کا تمہارے دلوں میں خیال تک بھی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی مکّہ میں ان کی طرف سے یہ افعال ہوں گے اور اسی شہر میں تم پر مظالم کے تیر برسائے جائیں گے۔"

(تفسیر کبیر، سورۃ البلد، جلد ۸ صفحہ ۵۷۷، ۵۷۸)

وَ اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ: حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ تیرا اِس (شہر) میں جنگ کرنا جائز ہے۔ یہاں صیغہ زمانہ حاضر ہے مگر اس سے مراد آنے والا وقت ہے۔ یہ مکی سورۃ ہے جس میں پیشگوئی کی گئی ہے۔ اور یہ پیشگوئی آٹھ ہجری میں فتح مکہ کی صورت میں پوری ہوئی۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۸۹۹)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ ہجری میں جب دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ اس شہر میں داخل ہوئے آپؐ نے عام معافی کا اعلان فرمایا۔ دنیا کے فاتحین کے برعکس تواضع اور انکساری کا یہ عالم تھا کہ آپؐ کی گردن جھکتے جھکتے اونٹ کے پالان کو لگ رہی تھی آپؐ نے اپنے اسوۂ حسنہ سے بنی نوع انسان کو یہ پیغام دیا کہ فتوحات کی بلندیاں فخر و مباہات اور قوموں کو زیرِ نگیں کرنے کا نام نہیں بلکہ اصل بلندی اور عظمت، معاشرہ سے بھوک اور افلاس کو دور کرنا اور سسکتی ہوئی انسانیت کو قعرِ مذلت سے اُٹھا کر بام عروج پر کھڑا کرنا ہے۔ گو یہ ترقی مادی بھی ہے مگر انسانیت کا اصل شرف اس کا اپنے خالق و مالک کے آگے جھکنا اور تَخَلَّقُوْا بِأَخْلَاقِ اللهِ کا رنگ اپنے اوپر چڑھانا ہے۔

النَّجْدَيْنِ کے معنی خیر اور شر امام بخاری نے مجاہد سے بیان کیے ہیں۔ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ○ (البلد:۱۱) پھر ہم نے اسے (ہدایت اور گمراہی کے) دونوں راستے بھی بتادیئے ہیں۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے ان معنوں کو قبول نہیں فرمایا۔ آپؓ فرماتے ہیں:

"نَجْدٌ کے معنی پہاڑی راستہ کے ہوتے ہیں لیکن مفسرین نے اس سے برائی اور بھلائی کا راستہ مراد لیا ہے چنانچہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن مسعودؓ دونوں نے کہا ہے کہ اس جگہ نَجْدَيْن سے خیر اور شر دو راستے مراد ہیں ... میری رائے یہ ہے کہ یہاں نَجْدَيْن سے بھلائی اور برائی کے راستے مراد نہیں۔ بلکہ دینی اور دنیوی ترقی کے راستے مراد ہیں۔ شر کا راستہ اونچا نہیں کہلا سکتا۔ کیونکہ نہ اس کے

اختیار کرنے میں کوئی تکلیف ہوتی ہے اور نہ اس راستے پر چل کر کوئی عزت ملتی ہے۔ اور راستہ اونچا انہی دو سبب سے کہلاتا ہے۔ اس پر چڑھنے میں تکلیف ہو، یا اس پر چڑھ کر صحیح عزت ملے۔ پس یہاں نَجْدَیْن سے خیر اور شر مراد نہیں۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ ہم نے انسان کی ترقی کے لئے دونوں قسم کے راستے کھول دیے ہیں اس کی دینی ترقی کے راستے بھی کھولے ہوئے ہیں اور اس کی دنیوی ترقی کے راستے بھی کھولے ہوئے ہیں۔ اور یہ دونوں راستے ہم نے محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ذریعہ کھولے ہیں۔ جو لوگ آپؐ پر سچے دل سے ایمان لائیں گے اور اسلام کے تمام احکام کی خلوصِ دل کے ساتھ اتباع کریں گے انہیں نہ صرف روحانی ترقی حاصل ہو گی اور اعلیٰ اخلاق کی وجہ سے خدا تعالیٰ ان سے خوش ہو گا بلکہ اللہ تعالیٰ انہیں دنیوی نعماء سے بھی متمتع فرمائے گا۔" (تفسیر کبیر، سورۃ البلد، زیر آیت وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ جلد ۸ صفحہ ۶۱۹)

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ (البلد: ۱۲) اس سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں گھاٹی پر نہیں چڑھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اقتحام کے معنے کسی خطرناک جگہ میں بغیر پس و پیش کو سوچے دھنس جانے کے ہیں اس اقتحام عقبہ کو چند آیات میں ایثارِ نفس وغیرہ سے تعبیر کیا ہے ایثار جبھی ہو سکتا ہے جبکہ انسان اپنی تنگی کو قبول کرے اور دوسرے کی راحت کو مقدم کر دے۔ یہ ایک دشوار گزار گھاٹی ہے دنیا کی مفتوح قومیں جب کبھی فاتح بن گئی ہیں تو اسی اقتحام کی وجہ سے بن گئی ہیں۔" (حقائق الفرقان، جلد ۴ صفحہ ۳۹۲)

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ○ فَكُّ رَقَبَةٍ ○ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ○ (البلد: ۱۳ تا ۱۵) اور تجھے کیا سمجھائے کہ عَقَبَہ کیا ہے؟ گردن کا آزاد کرنا، یا ایک عام فاقے والے دن میں کھانا کھلانا۔

(ترجمہ قرآنِ کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"یہاں بلندی پر چڑھنے کے مضمون کو کھول دیا گیا کہ کسی ظاہری پہاڑی پر چڑھنا مراد نہیں بلکہ جب غریب قوموں کو بھوک ستائے اور قوموں کو غلام بنا لیا جائے اس وقت اگر کوئی ان کی گردنوں کو آزاد کرانے کے لئے جدوجہد کرے اور فاقہ کشوں اور

خاک بسر لوگوں کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے لئے کوشش کرے تو یہی لوگ ہیں
جو بلندیوں کی طرف چڑھنے والے ہیں۔ لیکن یہ مطمحِ نظر ایسا ہے کہ ایک دو دن میں
طے ہونے والا نہیں۔ اس کے لیے مسلسل صبر سے کام لیتے ہوئے صبر کی تلقین کرنی
پڑے گی اور مسلسل رحمت سے کام لیتے ہوئے رحمت کی تلقین کرنی پڑے گی۔"

(ترجمہ قرآنِ کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تعارف سورۃ البلد صفحہ ۱۱۷۰)

۹۱- سُورَةُ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ضُحٰهَا (الشمس:٢) ضَوْءُهَا. إِذَا تَلٰهَا (الشمس:٣) تَبِعَهَا. وَطَحٰهَا (الشمس:٧) دَحٰهَا. وَدَسّٰهَا (الشمس:١١) أَغْوَاهَا. فَأَلْهَمَهَا (الشمس:٩) عَرَّفَهَا الشَّقَاءَ وَالسَّعَادَةَ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ بِطَغْوٰهَآ (الشمس:١٢) بِمَعَاصِيهَا. وَ لَا يَخَافُ عُقْبٰهَا (الشمس:١٦) عُقْبَى أَحَدٍ.

اور مجاہد نے کہا: ضُحٰهَا سے مراد ہے اُس کی روشنی۔ اِذَا تَلٰهَا یعنی اس نے اُس کی پیروی کی۔ اور طَحٰهَا کے معنی ہیں اس نے اُس کو بچھایا۔ اور دَسّٰهَا سے مراد ہے اُس نے اسے گمراہ کر دیا۔ فَاَلْهَمَهَا سے مراد ہے اُس نے اُسے نیکی اور بدی کی سمجھ دی۔ اور مجاہد نے کہا: بِطَغْوٰهَآ سے مراد ہے اپنے گناہوں کی وجہ سے۔ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا یعنی اللہ تعالیٰ کو کسی کے عقبیٰ (انجام) کا ڈر نہیں کہ اس کا کیا ہوگا۔

٤٩٤٢: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ زَمْعَةَ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ وَذَكَرَ النَّاقَةَ وَالَّذِي عَقَرَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰهَا (الشمس:١٣) انْبَعَثَ لَهَا رَجُلٌ عَزِيزٌ عَارِمٌ مَنِيعٌ فِي رَهْطِهِ مِثْلُ أَبِي زَمْعَةَ. وَذَكَرَ النِّسَاءَ فَقَالَ يَعْمِدُ أَحَدُكُمْ يَجْلِدُ امْرَأَتَهُ جَلْدَ الْعَبْدِ، فَلَعَلَّهُ يُضَاجِعُهَا مِنْ آخِرِ يَوْمِهِ. ثُمَّ وَعَظَهُمْ فِي ضَحِكِهِمْ مِنَ الضَّرْطَةِ وَقَالَ لِمَ يَضْحَكُ أَحَدُكُمْ مِمَّا يَفْعَلُ.

۴۹۴۲: موسیٰ بن اسماعیل نے ہم سے بیان کیا کہ وُہَیب نے ہمیں بتایا، ہشام (بن عروہ) نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی، کہ اُن کو حضرت عبداللہ بن زمعہؓ نے بتایا کہ اُنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپؐ تقریر فرما رہے تھے اور آپؐ نے (حضرت صالحؑ کی) اونٹنی کا اور اس شخص کا جس نے اس کو زخمی کیا تھا ذکر کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰهَا کے یہ معنی ہیں کہ ایک زبردست موذی شخص جو اپنی قوم میں ایسے طاقت ور تھا جیسے ابوزمعہ، اس کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور آپؐ نے عورتوں کا بھی ذکر کیا اور فرمایا: تم میں سے ایک لپکتا ہے اور اپنی عورت کو اس طرح مارنا شروع کر دیتا

وَقَالَ أَبُو مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَمْعَةَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلُ أَبِي زَمْعَةَ عَمِّ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ.

ہے، جیسے غلام کو مارا جاتا ہے پھر وہ اسی دن شام کو اس کے ساتھ ہم بستر بھی ہوتا ہے۔ پھر آپؐ نے ان کو یہ نصیحت کی کہ کسی کے گوز مارنے پر ہنسا نہ کرو اور آپؐ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اس فعل سے ہنستا کیوں ہے جو خود بھی کرتا ہے۔ اور ابو معاویہ نے (اپنی سند میں یوں) کہا کہ ہمیں ہشام نے بتایا۔ انہوں نے اپنے باپ سے، اُنہوں نے حضرت عبداللہ بن زمعہؓ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زبیر بن عوامؓ کے چچا ابوزمعہ جیسا (شخص)۔

أطرافه: ٣٣٧٧، ٥٢٠٤، ٦٠٤٢۔

تشریح: سُورَۃُ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا: یہ سورۃ مکی ہے۔ اور اس میں یہ پیشگوئی کی گئی ہے کہ اسلام کا سورج آخرین میں پھر طلوع ہوگا اور اس کی روشنی سے اکتسابِ فیض کرتے ہوئے چودھویں کا وہ چاند طلوع ہوگا جس کی کرنیں آئندہ تمام زمانوں میں اسلام کی روشنی پھیلاتی جائیں گی۔ سورۃ کے آخر میں حضرت صالح علیہ السلام کی اُونٹنی کی کونچیں کاٹنے اور اس قوم پر عذاب آنے کا ذکر کیا ہے جس سے یہ پیغام دیا ہے کہ قومیں جب اپنے وقت کے نبی کے پیغام کی سدِّ راہ بن جائیں تو اُن پر عذاب آیا کرتا ہے۔

ضُحٰهَا: فرماتا ہے: وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ۝ (الشمس: ۲، ۳) میں سورج کو شہادت کے طور پر پیش کرتا ہوں، اور ضُحیٰ کے وقت کو، جب وہ طلوع ہونے کے بعد اونچا ہو جاتا ہے۔ اور چاند کو جب وہ سورج کے پیچھے آتا ہے۔ (ترجمہ تفسیر صغیر)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

> ”ہم شہادت کے طور پر پیش کرتے ہیں سورج کو وَضُحٰهَا اور اس کی اُس روشنی کو جو اس کی ذاتی روشنی ہے۔...
>
> ہم شہادت کے طور پر قمر کو بھی پیش کرتے ہیں یعنی ایک ایسے وجود کو جس میں روشنی اخذ کرنے اور اس کو اپنے اندر جذب کرنے کا مادہ پایا جاتا ہے۔...
>
> قمر کے معنے دراصل ری فلیکٹر کے ہی ہیں یعنی ایسا وجود جس میں ذاتی طور پر یہ قابلیت ہوتی ہے کہ وہ سورج سے نور لے کر اسے دوسروں کی طرف پھینک

دے۔ یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ اگر قمر کی جگہ کوئی سا بھی اور ستارہ رکھ دیا جائے تو وہ بھی سورج کی روشنی کو اپنے اندر جذب کر کے دوسروں کی طرف پھینک سکتا ہے ہر ستارہ یہ قابلیت نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نظامِ شمسی میں صرف قمر میں ہی یہ قابلیت پیدا کی ہے کہ وہ سورج سے اس کی روشنی اخذ کرے اور پھر اسے اپنے اندر جذب کر کے دوسروں کی طرف پھینک کر ان کو منور کر دے۔ اسی لئے چاند کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ کسی قسم کی آبادی کے قابل نہیں ہے۔ اگر وہ قابل آبادی ہوتا تو اس میں درخت ہوتے، گھاس ہوتا بڑے بڑے جنگلات ہوتے مگر یہ چیزیں چاند میں نہیں ہیں۔ کیونکہ اگر یہ چیزیں ہوتیں تو وہ روشنی کو اپنے اندر جذب کر کے دوسروں کی طرف پھینک نہیں سکتا تھا۔ مگر چونکہ اللہ تعالیٰ نے چاند کو ری فلیکٹر کے طور پر بنایا ہے اس لئے اُس نے چاند میں ریت کے بڑے بڑے میدان پیدا کر دیئے ہیں جب سورج کی روشنی اُن پر پڑتی ہے تو وہ ریت کے میدان ری فلیکٹر کے طور پر اس کو دنیا پر پھینک دیتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالْقَمَرِ ہم تمہارے سامنے ایک ایسے وجود کو پیش کرتے ہیں جو قمری حیثیت رکھتا ہے مگر صرف قمر کے وجود کو نہیں بلکہ قمر کی اس حالت کو جب وہ پوری طرح سورج کے سامنے آکر اس کی ساری روشنی کو اپنے سارے وجود میں لے لیتا ہے۔ بے شک قمر میں یہ خوبی ہے کہ وہ روشنی لے کر دوسروں کی طرف پھینک دیتا ہے لیکن روشنی اس کے سامنے نہ ہو گی تو وہ پھینکے گا کیا؟ اس لئے صرف قمر کو شہادت کے طور پر پیش نہیں کیا گیا بلکہ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اِذَا تَلٰهَا ہم قمر کو ایسی حالت میں شہادت کے طور پر پیش کرتے ہیں جب وہ سورج کے بالکل سامنے آجاتا ہے۔ ذاتی خوبی تو قمر کی یہ ہے کہ وہ سورج کی روشنی کو لے سکتا ہے اور پھر دوسروں کی طرف پھینک سکتا ہے لیکن یہ اس کی ذاتی خوبی اس وقت تک ظاہر نہیں ہو سکتی جب تک وہ سورج کے سامنے نہ آجائے اگر سورج کے سامنے آجائے تو اس کی یہ خوبی ظاہر ہو جاتی ہے۔“

(تفسیر کبیر، سورۃ الشمس، زیر آیت وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ○ وَالْقَمَرِ...، جلد ۹ صفحہ ۱۰- ۱۲)

ان آیات میں سورج سے مراد حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور چاند سے مراد آپؐ کے ظلِ کامل حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہیں۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”قسم ہے سورج کی اور اس کی روشنی کی۔ اور قسم ہے چاند کی جب پیروی کرے سورج کی یعنی سورج سے نور حاصل کرے اور پھر سورج کی طرح اس نور کو دوسروں تک پہنچاوے اور قسم ہے دن کی جب سورج کی صفائی دکھاوے اور راہوں کو نمایاں کرے اور قسم ہے رات کی جب اندھیرا کرے اور اپنے پردہ تاریکی میں سب کو لے لے اور قسم ہے آسمان کی اور اس علت غائی کی جو آسمان کی اس بناء کا موجب ہوئی اور قسم ہے زمین کی اور اس علت غائی کی جو زمین کے اس قسم کے فرش کا موجب ہوئی اور قسم ہے نفس کی اور نفس کے اس کمال کی جس نے ان سب چیزوں کے ساتھ اس کو برابر کر دیا۔ یعنی وہ کمالات جو متفرق طور پر ان چیزوں میں پائے جاتے ہیں کامل انسان کا نفس ان سب کو اپنے اندر جمع رکھتا ہے اور جیسے یہ تمام چیزیں علیحدہ علیحدہ نوع انسان کی خدمت کر رہی ہیں۔ کامل انسان ان تمام خدمات کو اکیلا بجالاتا ہے۔ جیسا کہ میں ابھی لکھ چکا ہوں۔ اور پھر فرماتا ہے کہ وہ شخص نجات پا گیا اور موت سے بچ گیا جس نے اس طرح پر نفس کو پاک کیا یعنی سورج اور چاند اور زمین وغیرہ کی طرح خدا میں محو ہو کر خلق اللہ کا خادم بنا۔“

(اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۴۲۴، ۴۲۵)

مزید تفصیل کے لیے دیکھئے توضیح مرام روحانی خزائن جلد ۳ حاشیہ صفحہ ۷۷، ۷۸۔

فَأَلْهَمَهَا سے مراد ہے اُس نے اُسے نیکی اور بدی کی سمجھ دی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”خدائے تعالیٰ نے نفسِ انسان کو پیدا کر کے ظلمت اور نورانیت، ویرانی اور سبزی کی دونوں راہیں اس کے لیے کھول دی ہیں۔ جو شخص ظلمت فجور یعنی بدکاری کی راہیں اختیار کرے تو اس کو ان راہوں میں ترقی کے کمال درجہ تک پہنچایا جاتا ہے۔ اور اگر پرہیزگاری کا نورانی راستہ اختیار کرتا ہے تو اس نور کو مدد دینے والے الہام اس کو ہوتے ہیں۔“ (حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۳۹۵)

وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا یعنی اللہ تعالیٰ کو کسی کے عقبیٰ (انجام) کا ڈر نہیں کہ اس کا کیا ہو گا۔

حضرت عبداللہ بن زمعہؓ معروف صحابی ہیں۔ حضرت اُم سلمہؓ کی بیٹی زینبؓ ان کی بیوی تھیں۔ ان کی والدہ کا نام قریبہ تھا جو اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۹۰۱)

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلُ أَبِي زَمْعَةَ عَمِّ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زبیر بن عوامؓ کے چچا ابوزمعہ جیسا (شخص۔) ابوزمعہ حضرت زبیر بن العوامؓ کا حقیقی چچا نہیں تھا بلکہ مجازاً اُس کو چچا کہا گیا ہے۔ اسد بن عبد العزیٰ پر اُس کا شجرۂ نسب ملتا ہے۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۹۰۲)

۹۲- سُورَةُ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى (الليل: ١٠) بِالْخَلَفِ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ تَرَدَّى (الليل: ١٢) مَاتَ وَ تَلَظَّى (الليل: ١٥) تَوَهَّجُ. وَقَرَأَ عُبَيْدُ بْنُ عُمَيْرٍ تَتَلَظَّى.

اللہ کے نام کے ساتھ جو رحمٰن اور رحیم ہے

اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا: وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى سے یہ مراد ہے کہ اس کو یقین نہیں کہ جو نیکی کرے گا اس کا بدلہ اس کو ملے گا اور مجاہد نے کہا: تَرَدَّى کے معنی ملیا میٹ ہو جائے اور تَلَظَّى کے معنی ہیں وہ بھڑکتی ہے۔ اور عبید بن عمیر نے اس لفظ کو تَتَلَظَّى پڑھا ہے۔

تشریح: سُورَةُ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى: سورۃ شمس کے بعد سورۃ لیل آئی ہے اور یہ بالکل اُسی طرح ہے جیسے دن کے بعد رات آتی ہے۔ اس میں ظاہری دن رات کے علاوہ روحانی دن رات اور انسان کے اعمال صالحہ اور اعمال سیئہ کے نتائج کے طور پر انسان کو متنبہ کیا گیا ہے۔

وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى سے یہ مراد ہے کہ اس کو یقین نہیں کہ جو نیکی کرے گا اس کا بدلہ اس کو ملے گا۔ اور مجاہد نے اس کے یہ معنی کئے ہیں کہ وہ جنت کا انکاری ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ سے یہ معنی بھی مروی ہیں کہ وہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ کا انکاری ہے۔ (عمدۃ القاری جزء ۱۹ صفحہ ۲۹۵)

بَاب ١ : وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّى ۝ (الليل: ٣)

اور دن کو بھی (میں شہادت کے طور پر پیش کرتا ہوں) جب وہ خوب روشن ہو جائے

٤٩٤٣: حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ بْنُ عُقْبَةَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ دَخَلْتُ فِي نَفَرٍ مِنْ أَصْحَابِ عَبْدِ اللهِ الشَّأْمَ فَسَمِعَ بِنَا أَبُو الدَّرْدَاءِ فَأَتَانَا فَقَالَ أَفِيكُمْ مَنْ يَقْرَأُ فَقُلْنَا نَعَمْ قَالَ فَأَيُّكُمْ أَقْرَأُ فَأَشَارُوا إِلَيَّ فَقَالَ اقْرَأْ فَقَرَأْتُ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى ۝ وَالنَّهَارِ إِذَا

۴۹۴۳: قبیصہ بن عقبہ نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان (ثوری) نے ہمیں بتایا، انہوں نے اعمش سے، اعمش نے ابراہیم (نخعی) سے، ابراہیم نے علقمہ (بن قیس) سے روایت کی، انہوں نے کہا: میں حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) کے کئی ساتھیوں کے ساتھ شام میں داخل ہوا۔ حضرت ابو درداءؓ نے ہمارے متعلق سنا اور وہ ہمارے پاس آئے۔ انہوں نے کہا: کیا تم میں کوئی ہے جو قرآن پڑھنا جانتا ہو۔ ہم نے کہا: ہاں۔ انہوں نے پوچھا: تم میں

تَجَلّٰی ○ (اللیل:۲،۳) وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثَى قَالَ أَنْتَ سَمِعْتَهَا مِنْ فِي صَاحِبِكَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ وَأَنَا سَمِعْتُهَا مِنْ فِي النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهٰؤُلَاءِ يَأْبَوْنَ عَلَيْنَا.

سے کون زیادہ قاری ہے؟ انہوں نے میری طرف اشارہ کیا۔ حضرت ابو درداءؓ نے کہا: پڑھو۔ میں نے پڑھا: وَالَّيۡلِ اِذَا يَغۡشٰى ○ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ○ وَالذَّكَرِ وَالۡاُنۡثٰٓى یعنی رات کی قسم ہے جب وہ چھا جاتی ہے اور دن کی قسم ہے جب وہ روشن ہو جائے اور نر و مادہ کی قسم ہے۔ حضرت ابو درداءؓ نے کہا: کیا تم نے اس سورۃ کو اپنے استاذ (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ) کے منہ سے سنا؟ میں نے کہا: ہاں۔ حضرت ابو درداءؓ نے کہا: اور میں نے بھی اس سورۃ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے سنا تھا اور یہ لوگ ہماری نہیں مانتے۔

أطرافه: ٣٢٨٧، ٣٧٤٢، ٣٧٤٣، ٣٧٦١، ٤٩٤٤، ٦٢٧٨۔

بَاب ٢: وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالۡاُنۡثٰٓى ○ (اللیل: ٤)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اور نر اور مادہ کی پیدائش کو بھی (شہادت کے طور پر پیش کرتا ہوں)

٤٩٤٤: حَدَّثَنَا عُمَرُ حَدَّثَنِي أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ قَدِمَ أَصْحَابُ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَى أَبِي الدَّرْدَاءِ فَطَلَبَهُمْ فَوَجَدَهُمْ فَقَالَ أَيُّكُمْ يَقْرَأُ عَلَى قِرَاءَةِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كُلُّنَا قَالَ فَأَيُّكُمْ يَحْفَظُ وَأَشَارُوا إِلَى عَلْقَمَةَ قَالَ كَيْفَ سَمِعْتَهُ يَقْرَأُ وَالَّيۡلِ اِذَا يَغۡشٰى ○ (اللیل:۲) قَالَ عَلْقَمَةُ وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثَى قَالَ أَشْهَدُ أَنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

۴۹۴۴: عمر (بن حفص بن غیاث) نے ہم سے بیان کیا کہ میرے باپ نے مجھے بتایا، (اُنہوں نے کہا:) اعمش نے ہم سے بیان کیا، انہوں نے ابراہیم (نخعی) سے روایت کی، انہوں نے کہا: حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) کے ساتھی حضرت ابو درداءؓ کے پاس آئے۔ حضرت ابو درداءؓ نے ان کی تلاش کی اور ان کو پا لیا اور انہوں نے پوچھا: عبداللہ بن مسعودؓ کی قراءت کے مطابق تم میں سے کون پڑھتا ہے؟ انہوں نے کہا: ہم سبھی۔ حضرت ابو درداءؓ نے پوچھا: تم میں سے حافظ کون ہے؟ تو انہوں نے علقمہ کی

يَقْرَأُ هَكَذَا وَهَؤُلَاءِ يُرِيدُونَنِي عَلَى أَنْ أَقْرَأَ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَىٰ ○ (الليل:٤) وَاللهِ لَا أُتَابِعُهُمْ.

طرف اشارہ کیا۔ حضرت ابو درداءؓ نے کہا: تم نے عبداللہ بن مسعودؓ کو وَالَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى کس طرح پڑھتے ہوئے سنا؟ علقمہ نے کہا: (یوں پڑھتے تھے) وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثٰى۔ حضرت ابو درداءؓ نے کہا: میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح پڑھتے سنا اور یہ لوگ مجھ سے یہ چاہتے ہیں کہ میں یوں پڑھوں: وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثٰى[1]۔ اللہ کی قسم میں تو اِن کی پیروی نہیں کرنے کا۔

أطرافه: ٣٢٨٧، ٣٧٤٢، ٣٧٤٣، ٣٧٦١، ٤٩٤٣، ٦٢٧٨۔

تشریح: وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثٰى: قرآن کریم نزول کے وقت مختلف قراءتوں میں نازل ہوا۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا: إِنَّ الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ۔ بلاشبہ مجھ پر قرآن سات قراءتوں میں نازل کیا گیا ہے۔ حضرت عثمانؓ نے جمع قرآن کے وقت تدوین کرنے والوں کو یہ ہدایت فرمائی کہ جہاں تمہیں قراءتوں کا اختلاف نظر آئے تو قریش کی زبان کو ترجیح دینا اور یہی آخری صورت قراءت میں اختیار کی گئی۔ مذکورہ باب میں اسی اختلاف قراءت کا ذکر ہے جس کے مطابق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابو درداءؓ اس آیت کو وَمَا خَلَقَ کی بجائے وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثٰى سے پڑھتے تھے جس میں مَا خَلَقَ کے معنی مضمر تھے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”قرآن کریم کا نزول گو حجازی زبان میں ہوا ہے مگر قراءتوں میں فرق دوسرے قبائل کے اسلام لانے پر ہوا۔ چونکہ بعض دفعہ ایک قبیلہ اپنی زبان کے لحاظ سے دوسرے قبیلہ سے کچھ فرق رکھتا تھا اور یا تو وہ تلفظ صحیح طور پر ادا نہیں کرسکتا تھا یا ان الفاظ کا معنوں کے لحاظ سے فرق ہو جاتا تھا اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے منشاء کے ماتحت بعض اختلافی الفاظ کے لہجہ کے بدلنے یا اس کی جگہ دوسرا لفظ رکھنے کی اجازت دے دی۔ مگر اس کا آیات کے معانی یا ان کے مفہوم پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا بلکہ اگر یہ اجازت نہ دی جاتی تو فرق پڑتا۔...

آپؐ نے فرمایا قرآن کریم سات قراءتوں میں نازل کیا گیا ہے۔ تم ان معمولی

---

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”اور اس کی جو اُس نے نر اور مادہ پیدا کئے۔“

معمولی باتوں پر آپس میں لڑا نہ کرو۔ اس فرق کی وجہ دراصل یہی تھی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھا عبداللہ بن مسعودؓ گڈریا ہیں اور ان کا اَور لہجہ ہے اس لئے اُن کے لہجے کے مطابق جو قراءت تھی وہ اُنہیں پڑھائی۔...اس قسم کے چھوٹے چھوٹے فرق ہیں جو مختلف قراءتوں کی وجہ سے پیدا ہو گئے تھے مگر ان کا نفس مضمون پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا...

ابن اُم عبد کا یہ واقعہ بھی اسی قسم کے قراءت کے اختلاف کے متعلق ہے۔ عربی زبان میں مَا کا استعمال کئی معنوں میں ہوتا ہے۔ ما نافیہ بھی ہے اور مصدریہ بھی اور مَا مَنْ کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ چونکہ جب مصدری معنے اور مَنْ کے معنے دونوں ہی مراد ہوں تو ایسے مقام پر مَنْ کا استعمال کرنا یا مصدر کا استعمال کرنا مفید نہیں ہو سکتا کیونکہ مصدر ایک معنے دے گا اور مَنْ دوسرے معنے دے گا۔ دونوں معنے کسی ایک طریق کے استعمال سے ظاہر نہ ہوں گے۔ مگر چونکہ ایسے کئی مواقع قرآن کریم میں آتے ہیں جب کہ مصدری معنے اور مَنْ کے معنے دونوں ہی بتانے مقصود ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں ایسے مواقع پر مَا کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے تا یہ دونوں مفہوم ظاہر ہوں۔ مگر بعض عرب قبائل مَا کے مصدری معنے تو کرتے ہیں لیکن مَا کا استعمال مَنْ کی جگہ ناجائز سمجھتے ہیں اس لئے اس استعمال سے ان کے لئے مشکل پیش آجاتی تھی۔ پس اس کو دُور کرنے کے لئے وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثَى کی قراءت کی بھی اجازت دے دی گئی۔ جو جملہ ایک حد تک مَا کا مفہوم ادا کر دیتا ہے لیکن چونکہ ویسا مکمل مفہوم ادا نہیں کرتا جیسے مَا اس لئے اصل قرآنی عبارت کے طور پر اسے استعمال نہیں کیا گیا صرف عارضی قراءت کے طور پر اس کا استعمال جائز رکھا گیا۔" (تفسیر کبیر، سورۃ اللیل، زیر آیت ۴، جلد ۹ صفحہ ۵۰ تا ۵۲)

بَاب ۳: فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى ۝ (اللیل: ٦)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) پس جس نے (خدا کی راہ میں) دیا اور تقویٰ اختیار کیا

٤٩٤٥: حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ سَعْدِ بْنِ

۴۹۴۵: ابونعیم نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان (بن عیینہ) نے ہمیں بتایا، انہوں نے اعمش سے، اعمش

عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيِّ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَقِيعِ الْغَرْقَدِ فِي جَنَازَةٍ فَقَالَ مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَمَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَفَلَا نَتَّكِلُ فَقَالَ اعْمَلُوا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ ثُمَّ قَرَأَ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ○ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى إِلَى قَوْلِهِ لِلْعُسْرٰى.

(الیل: ٦-١١)

نے سعد بن عبیدہ سے، سعد نے ابو عبد الرحمٰن سلمی سے، انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی، انہوں نے کہا: ہم بقیع غرقد میں ایک جنازہ (پڑھنے) کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپؐ نے فرمایا: تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں کہ جس کا ٹھکانا جنت میں یا جس کا ٹھکانا آگ میں نہ لکھ دیا گیا ہو۔ صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! کیا ہم پھر اسی پر اعتماد نہ کرلیں۔ آپؐ نے فرمایا: عمل کرو کیونکہ ہر ایک کے لیے آسانی کی گئی ہے۔ پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی۔ یعنی پس جس نے (خدا کی راہ میں) دیا اور تقویٰ اختیار کیا اور نیک بات کی تصدیق کی اُسے تو ہم ضرور آسانی (کے مواقع) بہم پہنچائیں گے اور ایسا (شخص) جس نے بخل سے کام لیا اور بے پروائی کا اظہار کیا اور نیک بات کو جھٹلایا۔ اُسے ہم تکلیف (کا سامان) بہم پہنچائیں گے۔

أطرافه: ١٣٦٢، ٤٩٤٦، ٤٩٤٧، ٤٩٤٨، ٤٩٤٩، ٦٢١٧، ٦٦٠٥، ٧٥٥٢۔

باب وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ○ (الیل: ٧)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اور نیک بات کی تصدیق کی

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا قُعُودًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ.

مسدد نے ہم سے بیان کیا کہ عبد الواحد (بن زیاد) نے ہمیں بتایا کہ اعمش نے ہم سے بیان کیا انہوں نے سعد بن عبیدہ سے، سعد نے ابو عبد الرحمٰن سے، انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی، اُنہوں نے کہا: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے۔ پھر اُنہوں نے یہی حدیث بیان کی۔

اطرافه: ١٣٦٢، ٤٩٤٥، ٤٩٤٦، ٤٩٤٧، ٤٩٤٨، ٤٩٤٩، ٦٢١٧، ٦٦٠٥، ٧٥٥٢۔

بَاب ٤ : فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ○ (الليل: ٨)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اسے تو ہم ضرور آسانی (کے مواقع) بہم پہنچائیں گے

٤٩٤٦ : حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيِّ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ فِي جَنَازَةٍ فَأَخَذَ عُودًا يَنْكُتُ فِي الْأَرْضِ فَقَالَ مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ أَوْ مِنَ الْجَنَّةِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَفَلَا نَتَّكِلُ قَالَ اعْمَلُوا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ○ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ○ (الليل: ٦،٧) الْآيَةَ. قَالَ شُعْبَةُ وَحَدَّثَنِي بِهِ مَنْصُورٌ فَلَمْ أُنْكِرْهُ مِنْ حَدِيثِ سُلَيْمَانَ.

۴۹۴۶: بشر بن خالد نے ہم سے بیان کیا کہ محمد بن جعفر نے ہمیں بتایا، شعبہ نے ہم سے بیان کیا انہوں نے سلیمان (اعمش) سے، سلیمان نے سعد بن عبیدہ سے، سعد نے ابوعبدالرحمٰن سلمی سے، اُنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے، حضرت علیؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی، (اُنہوں نے کہا:) آپؐ ایک جنازہ میں تھے۔ آپؐ نے ایک لکڑی لی اور زمین کریدنے لگے اور آپؐ نے فرمایا: تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں کہ جس کا ٹھکانا آگ میں یا جنت میں نہ بنایا گیا ہو۔ صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! کیا پھر ہم (اس پر) بھروسہ نہ کر بیٹھیں۔ آپؐ نے فرمایا: عمل کرو۔ ہر ایک کے لئے آسانی کی گئی ہے۔ (پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی:) جس نے دیا اور بدیوں سے بچا اور بھلی باتوں پر عمل کئے۔ شعبہ نے کہا: اور منصور (بن معتمر) نے بھی مجھے یہی بیان کیا اور میں نے سلیمان کی حدیث کے خلاف اس کو نہیں پایا۔

أطرافه: ١٣٦٢، ٤٩٤٥، ٤٩٤٧، ٤٩٤٨، ٤٩٤٩، ٦٢١٧، ٦٦٠٥، ٧٥٥٢-

بَاب ٥ : وَ اَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ○ (الليل: ٩)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) اور ایسا (شخص) جس نے بخل سے کام لیا اور بے پروائی کا اظہار کیا

٤٩٤٧ : حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ

۴۹۴۷: یحيٰ (بن موسیٰ بلخی) نے ہم سے بیان کیا

عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَمَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ أَفَلَا نَتَّكِلُ قَالَ لَا، اعْمَلُوا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ ثُمَّ قَرَأَ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ○ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ○ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ○ إِلَى قَوْلِهِ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ○ (الليل:٦-١١)

کہ وکیع نے ہمیں بتایا، انہوں نے اعمش سے، اعمش نے سعد بن عبیدہ سے، سعد نے ابوعبدالرحمٰن سے، اُنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی، اُنہوں نے کہا: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے آپؐ نے فرمایا: تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کا ٹھکانا جنت میں یا جس کا ٹھکانا آگ میں نہ لکھ دیا گیا ہو۔ ہم نے کہا: یارسول اللہ! کیا ہم اس پر بھروسہ نہ کریں؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں، عمل کئے جاؤ کیونکہ ہر ایک کے لئے آسانی کی گئی ہے۔ پھر آپؐ نے یہ آیات پڑھیں۔ یعنی پس جس نے (خدا کی راہ میں) دیا اور تقویٰ اختیار کیا۔ اور نیک بات کی تصدیق کی۔ اُسے تو ہم ضرور آسانی (کے مواقع) بہم پہنچائیں گے۔ اور ایسا (شخص) جس نے بخل سے کام لیا اور بے پروائی کا اظہار کیا۔ اور نیک بات کو جھٹلایا۔ اُسے ہم تکلیف (کا سامان) بہم پہنچائیں گے۔

أطرافه: ١٣٦٢، ٤٩٤٥، ٤٩٤٦، ٤٩٤٨، ٤٩٤٩، ٦٢١٧، ٦٦٠٥، ٧٥٥٢۔

بَاب ٦: وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ○ (الليل:١٠)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اور نیک بات کو جھٹلایا

٤٩٤٨: حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيِّ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا فِي جَنَازَةٍ فِي بَقِيعِ الْغَرْقَدِ

۴۹۴۸: عثمان بن ابی شیبہ نے ہم سے بیان کیا کہ جریر (بن عبدالحمید) نے ہمیں بتایا، اُنہوں نے منصور سے، منصور نے سعد بن عبیدہ سے، سعد نے ابوعبدالرحمٰن سلمی سے، ابوعبدالرحمٰن نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی، انہوں نے کہا: ہم

فَأَتَانَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَعَدَ وَقَعَدْنَا حَوْلَهُ وَمَعَهُ مِخْصَرَةٌ فَنَكَّسَ فَجَعَلَ يَنْكُتُ بِمِخْصَرَتِهِ ثُمَّ قَالَ مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ وَمَا مِنْ نَفْسٍ مَنْفُوسَةٍ إِلَّا كُتِبَ مَكَانُهَا مِنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَإِلَّا قَدْ كُتِبَتْ شَقِيَّةً أَوْ سَعِيدَةً قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللهِ أَفَلَا نَتَّكِلُ عَلَى كِتَابِنَا وَنَدَعُ الْعَمَلَ فَمَنْ كَانَ مِنَّا مِنْ أَهْلِ السَّعَادَةِ فَسَيَصِيرُ إِلَى أَهْلِ السَّعَادَةِ وَمَنْ كَانَ مِنَّا مِنْ أَهْلِ الشَّقَاءِ فَسَيَصِيرُ إِلَى عَمَلِ أَهْلِ الشَّقَاوَةِ قَالَ أَمَّا أَهْلُ السَّعَادَةِ فَيُيَسَّرُونَ لِعَمَلِ أَهْلِ السَّعَادَةِ وَأَمَّا أَهْلُ الشَّقَاوَةِ فَيُيَسَّرُونَ لِعَمَلِ أَهْلِ الشَّقَاءِ ثُمَّ قَرَأَ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى ○ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى ○ (الليل:٦، ٧) الْآيَةَ.

بقیع الغرقد میں ایک جنازہ میں تھے کہ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے اور آپؐ بیٹھ گئے اور ہم آپؐ کے اردگرد بیٹھ گئے۔ آپؐ کے پاس چھڑی تھی آپؐ سر جھکا کر اپنی چھڑی سے زمین کریدنے لگے۔ پھر آپؐ نے فرمایا: تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں اور کوئی بھی ایسا نفس نہیں جسے پیدا کیا گیا مگر ضرور ہی اس کا ٹھکانا جنت میں یا آگ میں لکھ دیا گیا اور ضرور ہی اس کے متعلق یہ بھی لکھ دیا گیا ہے کہ بدبخت ہے یا نیک بخت۔ ایک شخص بولا: یارسول اللہ! کیا ہم اپنے اس نوشتہ پر بھروسہ نہ کریں اور عمل چھوڑ دیں جو ہم میں سے نیک بختوں سے ہو اوہ ضرور ہی نیک بختوں میں جا ملے گا اور جو ہم میں سے بدبختوں سے ہو اوہ بھی ضرور بدبختوں کے عمل کی طرف جائے گا۔ آپؐ نے فرمایا: جو تو نیک بخت ہیں تو انہیں ان کاموں کی توفیق دی جائے گی کہ جو نیک بختوں کے ہیں اور جو بدبخت ہیں تو انہیں ان کاموں کی توفیق دی جائے گی جو بدبختوں کے ہیں۔ پھر آپؐ نے یہ آیات پڑھیں۔ یعنی پس جس نے (خدا کی راہ میں) دیا اور تقویٰ اختیار کیا، اور نیک بات کی تصدیق کی۔

أطرافه: ١٣٦٢، ٤٩٤٥، ٤٩٤٦، ٤٩٤٧، ٤٩٤٩، ٦٢١٧، ٦٦٠٥، ٧٥٥٢-

بَاب ٧: فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى (الليل:١١)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) اُسے ہم تکلیف (کا سامان) بہم پہنچائیں گے

٤٩٤٩: حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ

۴۹۴۹: آدم (بن ابی ایاس) نے ہم سے بیان کیا کہ

عَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ عُبَيْدَةَ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيِّ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَنَازَةٍ فَأَخَذَ شَيْئًا فَجَعَلَ يَنْكُتُ بِهِ الْأَرْضَ فَقَالَ مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ وَمَقْعَدُهُ مِنَ الْجَنَّةِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ أَفَلَا نَتَّكِلُ عَلَى كِتَابِنَا وَنَدَعُ الْعَمَلَ قَالَ اعْمَلُوا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ أَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ السَّعَادَةِ فَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ أَهْلِ السَّعَادَةِ وَأَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الشَّقَاءِ فَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ أَهْلِ الشَّقَاوَةِ ثُمَّ قَرَأَ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ○ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ○ (الیل:٦،٧) الْآيَةَ.

شعبہ نے ہمیں بتایا، انہوں نے اعمش سے روایت کی، انہوں نے کہا: میں نے سعد بن عبیدہ سے سنا، انہوں نے ابوعبدالرحمٰن سُلمی سے روایت کی، وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے تھے۔ اُنہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازے میں تھے۔ آپؐ نے ایک چیز لی اور اس سے زمین کو کریدنا شروع کیا اور آپؐ نے فرمایا: تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں کہ جس کا ٹھکانا آگ میں یا جس کا ٹھکانا جنت میں نہ لکھ دیا گیا ہو۔ صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! کیا ہم اپنے اس نوشتہ پر اعتماد نہ کر بیٹھیں اور عمل چھوڑ دیں۔ آپؐ نے فرمایا: عمل کرو کیونکہ ہر ایک کو اس کام کے لئے توفیق دی جائے گی جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا۔ جو اہل سعادت سے ہو تو اس کو اہل سعادت کے کام کی توفیق دی جائے گی اور جو اہل شقاوت سے ہو تو اس کو اہل شقاوت کے کاموں کی توفیق دی جائے گی۔ پھر آپؐ نے یہ آیات پڑھیں۔ یعنی پس جس نے (خدا کی راہ میں) دیا اور تقویٰ اختیار کیا۔ اور نیک بات کی تصدیق کی۔

أطرافه: ١٣٦٢، ٤٩٤٥، ٤٩٤٦، ٤٩٤٧، ٤٩٤٨، ٦٢١٧، ٦٦٠٥، ٧٥٥٢-

تشریح: فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى (الیل:٦) پس جس نے (خدا کی راہ میں) دیا اور تقویٰ اختیار کیا۔ ان ابواب کے تحت احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو انسان کے انجام کی طرف توجہ دلائی ہے۔ نیز قضاء و قدر کا مسئلہ نہایت عمدگی سے واضح فرمایا ہے کہ جس طرح یہ تقدیر ہے کہ بدبخت جہنم میں جائے گا۔ اسی طرح یہ بھی تقدیر ہے کہ اس کی بدبختی کا سبب اس کی بدعملی ہے۔ گویا بدعملی کی بدبختی جہنم کا موجب ہے۔

حضرت سید زین العابدین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"قضاء و قدر کیا ہے۔ ایک سلسلہ علّت و معلول ہے۔ جس کے دائرہ اثر سے کوئی وجود باہر نہیں۔ مَا مِنْ نَّفْسٍ مَّنْفُوْسَةٍ اِلَّا كُتِبَ مَكَانُهَا مِنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَاِلَّا قَدْ كُتِبَتْ شَقِيَّةً اَوْ سَعِيْدَةً یہ نوشتہ شقاء و سعادت بھی اسی سلسلہ علت و معلول کے تحت روزِ اوّل سے ہر ایک انسان کے لئے ثبت ہو چکا ہے اور علم الٰہی احاطہ کر چکا ہے کہ فلاں اس کے احکام کی خلاف ورزی کر کے بد بخت ہو گا اور فلاں اطاعت کی وجہ سے نیک بخت۔ اس بارہ میں صحیح علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، انسان کو نہیں۔ اس لئے اس کا اپنے متعلق یہ فیصلہ کرنا کہ چونکہ وہ بد بخت ازلی اور جہنمی ہے، اسے بد عملی سے باز نہیں آنا چاہیے۔ اس کی یہ منطق درست نہیں۔ اگر بالفرض اس کا یہ قیاس اپنے متعلق صحیح بھی ہو تو اس کو توبہ کر کے نیک عمل بجالانے چاہئیں، نہ کہ اپنی بد عملی پر اصرار۔"

(صحیح بخاری ترجمہ و شرح، کتاب الجنائز، باب موعظة المحدث عند القبر... جلد دوم صفحہ ۱۴۱۷)

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اسلام تقدیر کے مسئلے پر یقین دلا کر اہل اسلام کو اس بات پر ابھارتا ہے کہ بُرے کاموں کے نزدیک مت جاؤ، بُرے بیج بُرا پھل لاتے ہیں۔ آرام و آسودگی کے سامان مہیا کرو، بے دل مت ہو، کیونکہ ہر ایک چیز کا اندازہ خدا کی درگاہ سے معین ہو چکا ہے۔ نقصان کے اندازے والی چیزیں نافع نہ ہوں گی، اور منافع کی مثمر اشیاء دکھوں کی موجب نہ ہوں گی۔ ہر ایک چیز اپنی فطرت پر ضرور قائم ہے اور تمہارا ہر فعل وجوباً وہی نتیجہ دے گا، جو اسکی ترکیب کا مقتضاء ہے۔... آدمی کے اعمالِ بد اور افعالِ مکروہ سے آدمی پر وبال آتا ہے۔ جب ہر ایک تکلیف کا سرچشمہ گناہ ٹھہرا، جب ہر ایک گناہ کا نتیجہ تکلیف ٹھہری تو منصفو! بے جا تعجب میں ہلاک نہ ہونے والو، قیامت میں نجات کے امیدوارو، راستی پسندو، سوچو اور اندازہ کرو کہ حسبِ تعلیمِ قرآن حضرت انسان کو گناہ سے کیسی نفرت ضرور ہے، اور آدمی کو خدا کی نافرمانی سے بچنا کیسا لابُد ہوا بھلائی کے لینے اور برائی سے بچنے کیلئے مسلمانوں، قرآن کے ماننے والوں کو کیسی تاکید ہوئی۔ جب ہر ایک تنزل اور مصیبت گناہ کا نتیجہ ہوا۔ تو

اہلِ اسلام کو کہاں تک ترقی کرنے اور عصیانِ الٰہی سے بچنے کی سعی کرنی چاہیئے۔ جن نافہم لوگوں نے کہا ہے کہ گناہ کو مسلمان ایک خفیف حرکت اور وہ بھی خدا کی طرف سے مان کر گناہ میں بے باک ہیں۔ وہ سوچیں کہ ان کی بات کچھ بھی درست ہے۔“

(حقائق الفرقان جلد ۳ صفحہ ۲۳۹)

نیز فرمایا:

”تقدیر کے معنے حسبِ لغتِ عرب اور محاورۂ قرآن کے کسی چیز کا اندازہ اور مقدار ٹھہرانا ہیں، دیکھو آیاتِ مرقومۃ الذیل: وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۝ (الفرقان:۳) اور بنائی ہر چیز اور پھر ٹھیک کیا اس کو ماپ کر۔ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ۝ (القمر:۵۰) وَ كُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ (الرعد:۹) خدا تعالیٰ نے ہر ایک چیز کو موجودات سے ایک خلقت (نیچر) اور اندازے پر بنایا ہے۔ اور جیسا اس کی ترکیب اور ہیئت کذائی کا مقتضاء ہو۔ لَا بُدَّ ویسے افعال اور آثار اس سے سرزد ہوتے ہیں۔ گویا جیسے اس کے مقدمات ہوں گے لا محالہ ویسا نتیجہ اس سے ظہور پذیر ہو گا۔ ممکن نہیں ہے کہ کوئی شخص ان خدائی حدوں کو توڑ سکے اور ان اصلی خواص کو جو قدرت نے کسی چیز میں خلق کیے ہیں۔ بدوں ان اسباب کے جن کو خالق نے بمقتضائے فطرت ان کا سبب معطل قرار دیا ہو۔ کوئی شخص کسی اور طرح پر باطل کر دے سلسلۂ کائنات کے خالق کا کلام اس مطلب و مقام میں فرماتا ہے: فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ۝ (فاطر: ۴۴) مثلاً توحید اور عبادت اور طاعت اور اتفاق اور صحیح کوشش اور چستی کو جن ثمرات اور پھلوں کا درخت بنایا ہے۔ ممکن نہیں کہ وہی پھل اور وہی ثمرات شرک اور ترکِ عبادت اور بغاوت اور باہمی نفاق اور تفرق اور غلط کوشش اور سستی سے حاصل ہو سکیں۔ جن باتوں کے لیے تریاق کا استعمال ہوتا ہے ان باتوں کے لیے زہر مار سے کام نکلنا دشوار کیا محال ہے۔“ (حقائق الفرقان جلد ۳ صفحہ ۲۳۸، ۲۳۹)

۹۳_سُورَةُ وَالضُّحٰی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام کے ساتھ جو رحمٰن اور رحیم ہے

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: إِذَا سَجٰى (الضحی:۲) اسْتَوَى. وَقَالَ غَيْرُهُ سَجَى أَظْلَمَ وَسَكَنَ. عَآئِلًا (الضحی:۸) ذُو عِيَالٍ.

اور مجاہد نے کہا: اِذَا سَجٰى کے معنی ہیں جب پورے طور پر چھا جائے اور ان کے سوا اَوروں نے کہا: سَجٰی کے معنی ہیں جب تاریک ہو جائے اور بالکل سکون طاری ہو جائے۔ عَآئِلًا کے معنی ہیں عیال دار یا محتاج۔

تشریح: **سُورَةُ وَالضُّحٰی:** اس سورۃ میں سورج اور روشن دن کا ذکر کر کے یہ اُمید دلائی گئی ہے کہ جس طرح یہ دن روشن ہے اسی طرح ہر تاریکی کے بعد ایک نیا دن طلوع ہو گا۔ جس سے یہ بتایا ہے کہ زندگی انہی نشیب و فراز کا نام ہے۔ پس اصل کامیاب وہ ہے جس کا ہر آنے والا وقت پہلے سے بہتر ہو اور یہ ترقی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ نعمتوں کو اُس کے بندوں کی بھلائی میں خرچ کرنے سے ملتی ہے۔ پس اس میں کبھی بھی بخل نہیں کرنا چاہیئے۔ ابوعبیدہ نے عَآئِلًا کے معنی عیال دار کئے ہیں۔ اور فراء نے اس کے معنی محتاج کے کئے ہیں۔ امام ابن حجر کہتے ہیں اغنٰی کے معنی مال کی کثرت نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اُسے وہ دیا جس سے وہ راضی ہو گیا۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۹۰۶)

بَاب ۱ : مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ○ (الضحی:۴)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا:) کہ نہ تیرے ربّ نے تجھے ترک کیا ہے اور نہ تجھ سے ناراض ہوا ہے

۴۹۵۰: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا الْأَسْوَدُ بْنُ قَيْسٍ قَالَ سَمِعْتُ جُنْدُبَ بْنَ سُفْيَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اشْتَكَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَقُمْ لَيْلَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا فَجَاءَتْ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ يَا مُحَمَّدُ إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ يَكُونَ شَيْطَانُكَ قَدْ

۴۹۵۰: احمد بن یونس نے ہم سے بیان کیا کہ زُہیر نے ہمیں بتایا، کہ اسود بن قیس نے ہم سے بیان کیا، انہوں نے کہا: میں نے حضرت جندب بن سفیان رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ کہتے تھے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے اور آپؐ دو یا تین راتیں (تہجد کے لئے) نہیں اٹھے ایک عورت آئی وہ کہنے لگی: محمدؐ! میں امید کرتی ہوں کہ تمہارے

تَرَكَكَ لَمْ أَرَهُ قَرِبَكَ مُنْذُ لَيْلَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ وَالضُّحٰى ○ وَ الَّيْلِ اِذَا سَجٰى ○ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ○ (الضحى: ٢-٤)

شیطان نے (نعوذ باللہ) تمہیں چھوڑ دیا ہوگا۔ میں نے اس کو نہیں دیکھا کہ وہ دو یا تین رات سے تمہارے پاس آیا ہو۔ تب اللہ عزوجل نے یہ آیات نازل کیں۔ یعنی چاشت کی قسم ہے اور رات کی قسم ہے جب وہ سکون کی حالت میں ہو جائے تیرے ربّ نے تجھے نہیں چھوڑا اور نہ ہی تجھ سے ناراض ہوا۔

أطرافه: ١١٢٤، ١١٢٥، ٤٩٥١، ٤٩٨٣-

باب ٢: مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ○ (الضحى: ٤)

(اللہ تعالیٰ کا فرمانا) کہ نہ تیرے ربّ نے تجھے ترک کیا ہے اور نہ تجھ سے ناراض ہوا ہے

تُقْرَأُ بِالتَّشْدِيدِ وَالتَّخْفِيفِ بِمَعْنًى وَاحِدٍ مَا تَرَكَكَ رَبُّكَ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مَا تَرَكَكَ وَمَا أَبْغَضَكَ.

(وَدَّعَكَ) دال کی تشدید سے بھی پڑھا جاتا ہے اور تخفیف سے بھی معنی ایک ہی ہیں۔ یعنی تیرے رب نے تجھے نہیں چھوڑا اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا: اس کے یہ معنی ہیں کہ نہ اس نے تجھے چھوڑا ہے اور نہ تجھ سے ناراض ہوا ہے۔

٤٩٥١: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ سَمِعْتُ جُنْدُبًا الْبَجَلِيَّ قَالَتْ امْرَأَةٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا أَرَى صَاحِبَكَ إِلَّا أَبْطَأَكَ فَنَزَلَتْ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ○ (الضحى: ٤).

۴۹۵۱: محمد بن بشار نے ہم سے بیان کیا کہ محمد بن جعفر غندر نے ہمیں بتایا، شعبہ نے ہم سے بیان کیا اُنہوں نے اسود بن قیس سے روایت کی۔ اُنہوں نے کہا: میں نے جندب بَجلی سے سنا کہ ایک عورت کہنے لگی: رسول اللہ! میں سمجھتی ہوں کہ تیرے دوست نے تیرے پاس آنے میں دیر کر دی ہے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی کہ نہ تیرے ربّ نے تجھے ترک کیا ہے اور نہ تجھ سے ناراض ہوا ہے۔

أطرافه: ١١٢٤، ١١٢٥، ٤٩٥٠، ٤٩٨٣-

تشریح: مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى: نہ تیرے ربّ نے تجھے ترک کیا ہے اور نہ تجھ سے ناراض ہوا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”وَدَّعَ کے معنے دوستی کو وداع کرنے اور قطع محبت کر دینے کے ہیں۔ قَلٰی: بمعنی عداوت دشمنی، بیزاری۔ کما قال اللہ تعالیٰ۔ اِنِّیْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ○ (الشعراء:۱۶۹)[1] وجہ اس سورہ شریفہ کے نزول کی یہ بیان ہوئی ہے کہ چند روزہ فترتِ وحی کی وجہ سے ابوسفیان کی بہن نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت نعوذ باللہ یوں کہا تھا کہ مَا اَرٰی شَیْطَانَكَ اِلَّا قَدْ تَرَكَكَ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوا اور یہ آیتیں تسلی بخش نازل ہوئیں۔ اس شانِ نزول کو پیشِ نظر رکھ کر آیہ کریمہ مَا وَدَّعَكَ کے ساتھ ضُحٰی اور لَیْلِ سَجٰی سے مراد چہرۂ انور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے سیاہ گیسو مبارک عمدہ توفیق اور توجیہ رکھتے ہیں۔

والضحٰی رمزے زِ روئے ہمچو ماہ مصطفٰی است
معنی و الیل گیسوئے سیاہ مصطفٰی است

مائیں اپنے بچوں کو پیار اور محبت کے وقت دیکھا گیا ہے کہ اسی قسم کے الفاظ سے خطاب کرتی ہیں۔“ (حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۴۰۴)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ خدا تعالیٰ نے تجھے رخصت نہیں کر دیا اس نے تجھ سے کینہ نہیں کیا بلکہ ہمارا یہ ایک قانون ہے جیسے رات اور دن کو بنایا ہے اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بھی ایک قانون ہے کہ بعض وقت وحی کو بند کر دیا جاتا ہے تا کہ ان میں دعاؤں کے لیے زیادہ جوش پیدا ہو اور ضُحٰی اور لَیْل کو اس لیے بطور شاہد بیان فرمایا تا آپؐ کی امید وسیع ہو اور تسلی اور اطمینان پیدا ہو۔“

(ملفوظات جلد اول صفحہ ۱۵۰)

---

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”یقیناً میں تمہارے کردار سے سخت بیزار ہوں۔“

۹٤- سُورَةُ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام کے ساتھ جو رحمٰن اور رحیم ہے

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: وِزْرَكَ (الم نشرح:۳) فِي الْجَاهِلِيَّةِ، اَنْقَضَ (الم نشرح: ٤) أَثْقَلَ، مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (الم نشرح: ٦، ٧) قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ أَيْ إِنَّ مَعَ ذَلِكَ الْعُسْرِ يُسْرًا آخَرَ كَقَوْلِهِ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ (التوبة: ۵۲) وَلَنْ يَغْلِبَ عُسْرٌ يُسْرَيْنِ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ فَانْصَبْ (الم نشرح: ۸) فِي حَاجَتِكَ إِلَى رَبِّكَ. وَيُذْكَرُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (الم نشرح: ۲) شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ.

اور مجاہد نے کہا: وِزْرَكَ سے مراد ہے وہ باتیں جو زمانہ جاہلیت میں ہوا کرتی تھیں۔ اَنْقَضَ کے معنی ہیں بوجھل کر دیا۔ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ابن عیینہ نے کہا: اس کا مطلب یہ ہے کہ اس تنگی کے ساتھ ایک اور آسانی بھی ہوتی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یعنی تم دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی کا ہی ہمارے لیے انتظار کر رہے ہو۔ اور (حدیث میں بھی آتا ہے کہ) ایک تنگی دو آسائشوں پر غالب نہیں آ سکتی۔ اور مجاہد نے کہا: فَانْصَبْ سے یہ مراد ہے کہ اپنے ربّ سے اپنی حاجت براری کرانے میں محنت برداشت کرو۔ اور حضرت ابن عباسؓ سے مذکور ہے کہ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ سے یہ مراد ہے کہ اللہ نے آپ کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیا۔

تشریح: سُورَةُ اَلَمْ نَشْرَحْ: حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”اس سے ما قبل کی سورۃ سورۃ الضحیٰ میں ظاہری و جسمانی انعامات کا ذکر تھا، اور اس سورہ شریفہ میں آپؐ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو روحانی نعمتیں ہوئیں ان کا ذکر ہے۔ شرح صدر ایک کشفی کیفیت تھی جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر وارد ہوئی تھی جبکہ آپؐ کی عمر دس سال سے کچھ اوپر تھی اور بعد میں نبوت کے زمانہ میں بھی دوبارہ وہ کشفی اور روحانی معاملہ شرح صدر کا آپؐ سے کیا گیا۔ ظاہری اثر اس کا آپؐ پر یہ تھا کہ جو وسیع الحوصلگی آپؐ کی تھی، اس کی نظیر اوروں میں کیا اولوالعزم نبیوں میں بھی پائی نہیں جاتی۔“ (حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۴۰۷)

وِزْرَكَ: وَ وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ (الم نشرح: ۳) اور تجھ سے ہم نے تیرا بوجھ اتار نہیں دیا۔ (ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ) علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں وِزْرَكَ سے مراد آپؐ کی قوم کے گناہ ہیں اور اس کی نسبت آپؐ کی طرف اس لیے کی گئی ہے کہ آپؐ کا دل ہمیشہ ان کی مغفرت اور اصلاح کے لیے بے چین رہتا تھا۔

(عمدۃ القاری، جزء ۱۹ صفحہ ۳۰۰، ۳۰۱)

اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا: عبد بن حمید نے قتادہ کے واسطہ سے حضرت ابن مسعودؓ کی ایک روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو اس آیت کے ساتھ یہ خوشخبری دی کہ ایک تنگی دو آسائشوں پر غالب نہیں آسکتی۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۹۱۰)

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”ایک روایت میں آیا کہ لَنْ يَّغْلِبَ عُسْرٌ يُسْرَيْنِ یعنی ایک سختی دو آسانیوں پر کبھی غالب نہیں آئے گی۔ اگرچہ عُسر کا لفظ بھی دو بار ہے۔ اور یُسر کا لفظ بھی دو بار ہے۔ مگر اَلْعُسْرُ معرّف باللّام مکرّر ہے۔ اور وہ معرّف ہونے کی وجہ سے ایک ہی ہے اور یُسر نکرہ دو بار ہے۔ اس لئے یُسر الگ الگ مُراد ہوں گے۔“

(حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۴۰۸، ۴۰۹)

فَانْصَبْ: فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ○ (الم نشرح: ۸) پس جب تُو فارغ ہو جائے تو کمر ہمت کس لے۔

(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفہ المسیح الرابعؒ)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”یہاں ایک عجیب بات بیان کی گئی ہے بظاہر فراغت کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ مشکل دور ہوگئی اور کام ختم ہوگیا مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب تو فارغ ہو جائے تو پھر محنت میں مشغول ہو جا۔ پس سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب فارغ ہونے کے بعد بھی محنت میں ہی مشغول رہنا ہے تو پھر فراغت کیسی ہوئی؟ درحقیقت اس میں اسلام کی ترقی کے متعلق پیشگوئی کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ کتنا بلند مقصد ہے جو ہم نے اپنے رسول کے سامنے رکھا ہے۔ بعض دفعہ دنیا میں یکدم کوئی تغیر پیدا ہو جاتا ہے مگر وہ دیرپا نہیں ہوتا بلکہ جلد ہی روبہ زوال ہو جاتا ہے لیکن بعض تغیرات ایسے ہوتے ہیں جو گو تدریجاً پیدا ہوتے ہیں مگر ایک لمبے عرصہ تک دنیا کی کایا پلٹ کر رکھ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے کہ تیری ترقی گو تدریجی ہوگی

مگر تیری کوششوں کے نتائج مستقل اور دیر پا ہوں گے۔ پہلے ایک مشکل تمہارے سامنے آئے گی اور جب تم اس کو دور کر لو گے اور اپنے پہلے مقام سے اونچے ہو جاؤ گے تو پھر دوسری مشکل پیش آجائے گی اس وقت تمہارا فرض ہو گا کہ اس دوسری مشکل کو دور کرو اور اپنے مقام سے اور اونچے ہو جاؤ۔ جب وہ مشکل بھی حل ہو گئی تو ایک تیسری مہم تمہارے سامنے آجائے گی اس وقت تمہارا فرض ہو گا کہ اس تیسری مہم کو سر کرو اور اپنے مقام سے اور اونچے ہو جاؤ۔ گویا ایک دَور ہے جو چلتا چلا جائے گا اور غیر متناہی ترقیات ہیں جو تمہارے سامنے آتی چلی جائیں گی۔ کوئی وقت اور کوئی لمحہ تمہاری زندگی میں ایسا نہیں آسکتا جب تم یہ خیال کر لو کہ میں اپنا کام ختم کر چکا یا میں نے جس بلندی پر پہنچنا تھا پہنچ گیا۔"

(تفسیرِ کبیر، سورۃ الم نشرح، زیر آیت فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ جلد ۹ صفحہ ۱۴۹)

۹۵_ سُورَةُ وَالتِّيْنِ

وَقَالَ مُجَاهِدٌ هُوَ التِّينُ وَالزَّيْتُونُ الَّذِي يَأْكُلُ النَّاسُ. يُقَالُ فَمَا يُكَذِّبُكَ (التين:٨) فَمَا الَّذِي يُكَذِّبُكَ بِأَنَّ النَّاسَ يُدَانُونَ بِأَعْمَالِهِمْ كَأَنَّهُ قَالَ وَمَنْ يَقْدِرُ عَلَى تَكْذِيبِكَ بِالثَّوَابِ وَالْعِقَابِ.

اور مجاہد نے کہا: التِّین سے یہ انجیر اور الزَّيْتُون سے یہ زیتون مراد ہے جو لوگ کھاتے ہیں۔ فَمَا يُكَذِّبُكَ کا یہ مفہوم بیان کیا جاتا ہے کہ کونسی چیز لوگوں کو اپنے اپنے اعمال کا بدلہ دیئے جانے کے معاملے میں آپ کو جھٹلا رہی ہے گویا (اللہ تعالیٰ نے) یوں کہا: تمہیں اس بات میں کون جھٹلا سکتا ہے کہ جزا بھی ہوگی اور سزا بھی۔

باب ۱

٤٩٥٢: حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي عَدِيٌّ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِي سَفَرٍ فَقَرَأَ فِي الْعِشَاءِ فِي إِحْدَى الرَّكْعَتَيْنِ بِالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ. تَقْوِيم (التين:٥) الْخَلْقِ.

۴۹۵۲: حجاج بن منہال نے ہم سے بیان کیا کہ شعبہ نے ہمیں بتایا، انہوں نے کہا: مجھے عدی نے بتایا، عدی نے کہا: میں نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے اور آپؐ نے عشاء کے وقت دو رکعتوں میں سے ایک رکعت میں سورة وَ التِّيْنِ وَ الزَّيْتُوْنِ پڑھی۔ تَقْوِيم کے معنی ہیں پیدائش۔

أطرافه: ٧٦٧، ٧٦٩، ٧٥٤٦۔

تشریح: سُورَةُ وَالتِّيْنِ: حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اس میں ایک لامتناہی ارتقاء کی خبر دی گئی ہے اس میں تِيْن اور زَيْتُون کو گواہ ٹھہرایا گیا یعنی آدم اور نوح علیہما الصلوٰۃ والسلام کو اور طُوْرِ سِيْنِيْن یعنی حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس پہاڑ کو جس پر اللہ تعالیٰ کی تجلی ہوئی اور پھر اس بَلَدِ اَمِین کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آماجگاہ تھا۔ اس تدریجی روحانی ترقی کے ساتھ یہ اعلان فرمادیا کہ اسی طرح ہم نے انسان کو ادنیٰ حالتوں سے ترقی

دیتے ہوئے انسان کی آخری ارتقائی منزلوں تک پہنچایا ہے لیکن جو بدنصیب اس سے استفادہ نہ کرے اسے ہم نچلے درجہ کی طرف لوٹنے والوں میں سب سے نیچے لوٹا دیا کرتے ہیں۔“ (ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تعارف سورۃ التین صفحہ ۱۱۸۸)

التِّيْنُ وَالزَّيْتُوْنُ: حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ۔ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ۔ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ۔ قسم انجیر کی اور زیتون کی۔ اور طور سینین کی اور اس امن والے شہر کی۔ ان تین مقامات کی خصوصیت نہایت غور کے قابل ہے۔ عہدِ عتیق میں اس تخصیص کی وجہ مفصل مذکور ہوئی ہے۔ قرآن کا طرز ہے کہ جس بات کی تفصیل عہد عتیق و جدید میں نہ ہو اس کی تفصیل کرتا ہے۔ اور جس کا بیان وہاں مفصل ہو اس کی طرف مجمل اشارہ کرتا ہے۔“

(حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۴۱۰)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”انجیر کے لفظ سے حضرت آدم علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے۔ جو یہ ہے کہ انسانی فطرت کو اعلیٰ درجہ کا پیدا کیا گیا ہے۔ کیونکہ آدمؑ کے متعلق بائیبل میں لکھا ہے کہ خدا نے اس کو اپنی صورت پر پیدا کیا (پیدائش باب ۱) اور قرآن مجید میں لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس کو اپنا خلیفہ بنایا (بقرہ ع ۴) پس دونوں کتابوں کے اتفاق سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمؑ کی اولاد آدم کی صفات کو لے کر نیک پیدا ہوگی اور اس کی پیدائش میں بدی کی جڑ نہیں آئے گی بلکہ نیکی کی جڑ آئے گی اسی کی طرف اشارہ کرنے کے لیے اس جگہ انجیر کو شہادت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ بائیبل میں لکھا ہے کہ جب آدمؑ اور حوا کو یہ احساس ہوا کہ ہم سے کوئی خدا کی نافرمانی والا فعل سرزد ہوا ہے تو حوا میں اور آدمؑ میں احساس ندامت پیدا ہوا اور انجیر کے پتوں سے انہوں نے اپنے جسم کو ڈھانکنا شروع کیا (پیدائش باب ۳) لیکن قرآن کہتا ہے کہ یہ بات غلط ہے آدمؑ اور حوا سے کوئی حقیقی گناہ سرزد نہیں ہوا۔ بلکہ محض ایک بھول ہوئی تھی جو گناہ نہیں ہوتی اور ان کے دل میں اس کے بار بار کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔“ (تفسیر صغیر سورۃ التین، حاشیہ آیت نمبر ۲)

نیز فرمایا:

”زیتون کی شاخ حضرت نوحؑ کے واقعہ کو یاد دلاتی ہے اور وہ بھی رحم اور امن کے واقعہ کو۔ چنانچہ بائیبل میں لکھا ہے کہ حضرت نوحؑ کی کشتی جب جودی یعنی ارارا ط پر پہنچی تو حضرت نوحؑ نے مختلف پرندوں کو چھوڑا تا کہ وہ پتہ لے کر آئیں کہ کہیں زمین بھی نظر آتی ہے یا نہیں۔ آخر میں انہوں نے کبوتری چھوڑی جب وہ واپس آئی تو زیتون کی ایک تازہ پتی اس کے منہ میں تھی۔ جس سے حضرت نوحؑ نے سمجھ لیا کہ اب خدا کی طرف سے فضل نازل ہو گیا ہے۔“ (تفسیر صغیر سورۃ التین، حاشیہ آیت نمبر ۲)

فَمَا يُكَذِّبُكَ: فرماتا ہے: فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ○ (التین: ۸) پس اس (حقیقت کے کھل جانے) کے بعد کونسی چیز تجھ کو جزا سزا کے معاملے میں جھٹلاتی ہے۔ (ترجمہ تفسیر صغیر)

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”معنے دین کے جزا سزا کے ہیں۔ سورۂ شریفہ بہت چھوٹی ہے۔ مگر ایک ایک لفظ سے اشارات یہ پائے جاتے ہیں کہ انتقالِ نبوّت بنی اسرائیل سے بنی اسمٰعیل میں جو ہوا۔ تو حق اور حکمت کے ساتھ ہوا۔ بے وجہ نہیں ہوا۔ طبیب نے نسخہ تبدیل کیا تو سوچ سمجھ کر ہی کیا۔ فَمَا يُكَذِّبُكَ اب اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تیری تکذیب سے ان کو کیا فائدہ جبکہ جزا سزا، یا یوں کہو کہ مرض کی دوا موافق طبیعت کے ملی ہے۔ حاکموں پر جو حاکم ہوتا ہے۔ اس کا یہی کام ہوتا ہے کہ حکمت اور مصلحت کی بناء پر ماتحت حکومتوں کو بدل دے۔“ (حقائق الفرقان، جلد ۴ صفحہ ۴۱۹)

۹۶- سُورَةُ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ

وَ قَالَ قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ عَتِيقٍ عَنِ الْحَسَنِ قَالَ اكْتُبْ فِي الْمُصْحَفِ فِي أَوَّلِ الْإِمَامِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَاجْعَلْ بَيْنَ السُّورَتَيْنِ خَطًّا. وَقَالَ مُجَاهِدٌ نَادِيَهُ (العلق:۱۸) عَشِيرَتَهُ، الزَّبَانِيَةَ (العلق:۱۹) الْمَلَائِكَةَ. وَقَالَ مَعْمَرٌ الرُّجْعٰى (العلق:۹) الْمَرْجِعُ، لَنَسْفَعَنْ قَالَ لَنَأْخُذَنْ وَلَنَسْفَعَنْ بِالنُّونِ وَهِيَ الْخَفِيفَةُ سَفَعْتُ بِيَدِهِ أَخَذْتُ.

اور قتیبہ نے کہا: ہمیں حماد (بن زید) نے بتایا، انہوں نے یحيٰ بن عتیق سے، یحيٰ نے حسن (بصری) سے روایت کی۔ اُنہوں نے کہا: مصحف میں سورۂ فاتحہ سے پہلے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لکھو اور پھر دو سورتوں کے درمیان ایک لکیر ڈالو اور مجاہد نے کہا: نَادِيَهُ کے معنی ہیں اس کا خاندان۔ الزَّبَانِيَةَ کے معنی ہیں ملائکہ۔ اور معمر نے کہا: الرُّجْعٰى کے معنی ہیں لوٹنا۔ لَنَسْفَعَنْ کے معنی ہیں انہوں نے کہا: ہم ضرور پکڑیں گے اور لَنَسْفَعَنْ میں جو "ن" ہے وہ خفیفہ ہے۔ (کہتے ہیں) سَفَعْتُ بِيَدِهِ یعنی میں نے اس کا ہاتھ پکڑا۔

تشریح: **سُوْرَةُ الْعَلَقِ:** یہ پہلی سورۃ ہے جو قرآنی وحی کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر غارِ حرا میں نازل ہوئی۔ اس میں آپؐ کو اپنے ربّ کے نام سے قراءت کا حکم دیا گیا اس ربّ کا جو ہر چیز کا خالق ہے۔ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ کہہ کر بتایا کہ تیرا ربّ سب سے معزز ہے اور اس میں یہ پیشگوئی مضمر تھی کہ اس وحی کے نتیجے میں تجھے دائمی عزت ملے گی اور قراءت کے لفظ سے یہ پیشگوئی فرمائی کہ انسانی ترقی کا راز پڑھنے اور لکھنے میں ہے اگر قراءت اور تحریر کا ملکہ انسان کو عطا نہ کیا جاتا تو کوئی ترقی ممکن نہیں تھی آج کا زمانہ اس پر شاہدِ ناطق ہے۔ اور اس پیشگوئی کی عظمتِ شان اور بھی بڑھ جاتی ہے جب یہ دیکھا جائے کہ یہ کلام ایک اُمّی پر نازل ہوا۔

قَالَ اكْتُبْ فِي الْمُصْحَفِ فِي أَوَّلِ الْإِمَامِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ: حسن بصری کہتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ کے شروع میں بسم اللہ لکھو لیکن آگے دوسری سورتوں کے شروع میں ایک خط علامتِ فاصلہ کے طور پر لکھو۔ علامہ سہیلی نے حسن بصری کے اس قول کو ردّ کیا ہے اور اسے شاذ قرار دیا ہے۔ کیونکہ تمام صحابہ سورۃ کے شروع میں بسم اللہ لکھتے تھے۔ (عمدۃ القاری جزء۱۹ صفحہ ۳۰۲)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"قرآن کریم کی سب سورتیں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سے شروع ہوتی ہیں۔ سوائے سورۃ براءۃ کے مگر اس کے بارہ میں زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ وہ الگ سورۃ

نہیں بلکہ سورۃ انفال کا تتمہ ہے اور اس لئے اس میں الگ بسم اللہ نہیں لکھی گئی۔
چنانچہ ابو داؤد میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اِنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ کَانَ لَا یَعۡرِفُ فَصۡلَ السُّوۡرَۃِ حَتّٰی یَنۡزِلُ عَلَیۡہِ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ (ابو داؤد کتاب الصّلوٰۃ باب مَنۡ جَھر بِبِسۡمِ اللّٰہِ) یعنی جب ایک سورۃ کے بعد دوسری سورۃ نازل ہوتی تھی تو پہلے بسم اللہ نازل ہوا کرتی تھی اور بسم اللہ کے بغیر رسول کریم صلعم کسی وحی کو دوسری سورۃ قرار نہیں دیا کرتے تھے۔ حاکم نے مستدرک میں بھی یہ روایت بیان کی ہے۔ (ابن کثیر) اس حدیث سے ظاہر ہے کہ ہر نئی سورۃ سے پہلے بسم اللہ نازل ہوتی تھی اور پہلی سورۃ کا اختتام ہی تب سمجھا جاتا تھا۔ جب بسم اللہ کے نزول سے دوسری سورۃ کے ابتداء کا اعلان کر دیا جاتا تھا۔ پس جبکہ بَرَاءَۃ سے پہلے بسم اللہ نازل نہیں ہوئی یا یُوں کہو کہ انفال کے بعد بسم اللہ نازل ہو کر بَرَاءَۃ کی آیات نازل نہیں ہوئیں تو یقیناً وہ الگ سورۃ نہیں ہے بلکہ انفال کا حصّہ ہی ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ تمام سورتوں سے پہلے جو بسم اللہ درج ہے وہ وحی الٰہی سے ہے اور قرآن کریم کا حصّہ ہے زائد نہیں۔ بسم اللہ کے متعلق بعض علماء نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ہر سورۃ کا حصہ بسم اللہ نہیں بلکہ صرف سورۃ فاتحہ کا حصّہ بسم اللہ ہے اور بعض نے کہا ہے کہ کسی سورۃ کا حصّہ بھی بسم اللہ نہیں ہے لیکن یہ خیال درست نہیں۔ اوّل تو مذکورہ بالا حدیث ہی اس خیال کو ردّ کرتی ہے دوسرے بہت سی اور احادیث ہیں جن میں بسم اللہ کو رسول کریم صلعم نے سورتوں کا جزو قرار دیا ہے۔"

(تفسیر کبیر، سورۃ الفاتحہ، زیر آیت بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ جلد اول صفحہ ۱۲، ۱۳)

باب ۱

٤٩٥٣: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ. و حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ مَرْوَانَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ أَبِي رِزْمَةَ أَخْبَرَنَا

۴۹۵۳: یحییٰ بن بکیر نے ہم سے بیان کیا کہ لیث (بن سعد) نے ہمیں بتایا، انہوں نے عقیل سے، عقیل نے ابن شہاب سے روایت کی۔ نیز سعید بن مروان نے مجھ سے بیان کیا کہ محمد بن عبد العزیز

أَبُو صَالِحٍ سَلْمَوَيْهِ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ عَنْ يُونُسَ بْنِ يَزِيدَ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ شِهَابٍ أَنَّ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ أَخْبَرَهُ أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كَانَ أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرُّؤْيَا الصَّادِقَةُ فِي النَّوْمِ فَكَانَ لَا يَرَى رُؤْيَا إِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ ثُمَّ حُبِّبَ إِلَيْهِ الْخَلَاءُ فَكَانَ يَلْحَقُ بِغَارِ حِرَاءٍ فَيَتَحَنَّثُ فِيهِ قَالَ وَالتَّحَنُّثُ التَّعَبُّدُ اللَّيَالِيَ ذَوَاتِ الْعَدَدِ قَبْلَ أَنْ يَّرْجِعَ إِلَى أَهْلِهِ وَيَتَزَوَّدُ لِذَلِكَ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى خَدِيجَةَ فَيَتَزَوَّدُ بِمِثْلِهَا حَتَّى فَجِئَهُ الْحَقُّ وَهُوَ فِي غَارِ حِرَاءٍ فَجَاءَهُ الْمَلَكُ فَقَالَ اقْرَأْ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَنَا بِقَارِئٍ قَالَ فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي حَتَّى بَلَغَ مِنِّي الْجُهْدُ ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَقَالَ اقْرَأْ قُلْتُ مَا أَنَا بِقَارِئٍ فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي الثَّانِيَةَ حَتَّى بَلَغَ مِنِّي الْجُهْدُ ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَقَالَ اقْرَأْ قُلْتُ مَا أَنَا بِقَارِئٍ فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي الثَّالِثَةَ حَتَّى بَلَغَ مِنِّي الْجُهْدُ ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَقَالَ: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ ۝

بن ابی رزمہ نے ہمیں بتایا۔ ابوصالح سلمویہ نے ہمیں خبر دی، انہوں نے کہا: عبداللہ (بن مبارک) نے مجھے بتایا، عبداللہ نے یونس بن یزید سے، انہوں نے کہا: مجھے ابن شہاب نے خبر دی کہ عروہ بن زبیر نے انہیں بتایا، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: پہلے پہل وحی کی جو قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شروع ہوئی تو وہ نیند کی حالت میں سچی خوابوں کا دیکھنا تھا۔ آپؐ کوئی بھی ایسی خواب نہ دیکھتے تھے جو صبح صادق کے نمودار ہونے کی طرح واقع نہ ہو جاتی ہو۔ پھر اس کے بعد آپؐ کو تنہائی پسند ہوئی اور آپؐ غار حرا میں چلے جایا کرتے تھے اور وہاں عبادت کیا کرتے تھے۔ عروہ بن زبیر کہتے تھے کہ تَحَنُّث وہ عبادت تھی جو چند گنتی کی راتیں کیا کرتے تھے بغیر اس کے کہ آپؐ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹیں اور اس غرض کے لئے آپؐ زاد لے لیتے، پھر حضرت خدیجہؓ کے پاس واپس آتے اور اتنا ہی اور زاد لیتے۔ یہاں تک کہ اچانک حق آپؐ کے پاس آیا اور اس وقت آپؐ غار حرا میں تھے۔ آپؐ کے پاس فرشتہ آیا، اس نے کہا: پڑھو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تو پڑھنا نہیں جانتا۔ فرماتے تھے: اس نے مجھے پکڑا اور اس زور سے بھینچا کہ مجھے سخت تکلیف پہنچی۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا: پڑھو، میں نے کہا: میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ پھر اس نے

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَأْ وَ رَبُّكَ الْأَكْرَمُ ○ الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ الْآيَاتِ إِلَى قَوْلِهِ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ○ (العلق:۲-۶) فَرَجَعَ بِهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرْجُفُ بَوَادِرُهُ حَتَّى دَخَلَ عَلَى خَدِيجَةَ فَقَالَ زَمِّلُونِي زَمِّلُونِي فَزَمَّلُوهُ حَتَّى ذَهَبَ عَنْهُ الرَّوْعُ قَالَ لِخَدِيجَةَ أَيْ خَدِيجَةُ مَا لِي لَقَدْ خَشِيتُ عَلَى نَفْسِي فَأَخْبَرَهَا الْخَبَرَ قَالَتْ خَدِيجَةُ كَلَّا أَبْشِرْ فَوَاللهِ لَا يُخْزِيكَ اللهُ أَبَدًا فَوَاللهِ إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَصْدُقُ الْحَدِيثَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ وَتَقْرِي الضَّيْفَ وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ فَانْطَلَقَتْ بِهِ خَدِيجَةُ حَتَّى أَتَتْ بِهِ وَرَقَةَ بْنَ نَوْفَلٍ وَهُوَ ابْنُ عَمِّ خَدِيجَةَ أَخِي أَبِيهَا وَكَانَ امْرَأً تَنَصَّرَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَكَانَ يَكْتُبُ الْكِتَابَ الْعَرَبِيَّ وَيَكْتُبُ مِنَ الْإِنْجِيلِ بِالْعَرَبِيَّةِ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَكْتُبَ وَكَانَ شَيْخًا كَبِيرًا قَدْ عَمِيَ فَقَالَتْ خَدِيجَةُ يَا

مجھے پکڑا اور دوبارہ اس زور سے بھینچا کہ مجھے سخت تکلیف پہنچی۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا: پڑھو میں نے کہا: میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ پھر اس نے مجھے پکڑا اور تیسری بار مجھے اس زور سے بھینچا کہ اپنی انتہائی طاقت مجھ پر خرچ کر دی۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا: اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ... یعنی پڑھ اپنے ربّ کے نام سے جس نے پیدا کیا انسان کو ایک لوتھڑے سے۔ پڑھ اور تیرا ربّ بڑا احسان کرنے والا ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے سکھایا، انسان کو وہ کچھ سکھلایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیتیں سن کر لوٹ آئے۔ آپؐ کے کندھے اور گردن کے درمیان کے پٹھے پھڑ پھڑا رہے تھے۔ آپؐ حضرت خدیجہؓ کے پاس آئے اور کہا: مجھے کمبل اڑھاؤ، کمبل اڑھاؤ، انہوں نے آپؐ کو کپڑا اڑھایا۔ جب آپؐ کا خوف جاتا رہا تو حضرت خدیجہؓ سے فرمایا: خدیجہؓ! مجھے کیا ہو گیا ہے۔ مجھے تو اپنی جان کا خدشہ ہے اور آپؐ نے حضرت خدیجہؓ کو وہ سارا واقعہ سنایا۔ حضرت خدیجہؓ بولیں: ہرگز نہیں، آپؐ کو خوشخبری ہو۔ اللہ کی قسم، اللہ آپؐ کو کبھی بھی رسوا نہیں کرے گا۔ کیونکہ آپؐ اللہ کی قسم صلہ رحمی کرتے ہیں اور سچی بات کہتے ہیں اور عاجز کو سہارا دیتے ہیں اور جس کے پاس نہ ہو اس کے لئے مہیا کرتے ہیں اور مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کی مشکلات میں

عَمِّ [1] اسْمَعْ مِنِ ابْنِ أَخِيكَ قَالَ وَرَقَةُ يَا ابْنَ أَخِي مَاذَا تَرَى فَأَخْبَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَبَرَ مَا رَأَى فَقَالَ وَرَقَةُ هَذَا النَّامُوسُ الَّذِي أُنْزِلَ عَلَى مُوسَى لَيْتَنِي فِيهَا جَذَعًا، لَيْتَنِي أَكُونُ حَيًّا ذَكَرَ حَرْفًا قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَمُخْرِجِيَّ هُمْ قَالَ وَرَقَةُ نَعَمْ لَمْ يَأْتِ رَجُلٌ بِمَا جِئْتَ بِهِ إِلَّا أُوذِيَ وَإِنْ يُدْرِكْنِي يَوْمُكَ حَيًّا أَنْصُرْكَ نَصْرًا مُؤَزَّرًا. ثُمَّ لَمْ يَنْشَبْ وَرَقَةُ أَنْ تُوُفِّيَ وَفَتَرَ الْوَحْيُ فَتْرَةً حَتَّى حَزِنَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

مدد کرتے ہیں۔ حضرت خدیجہؓ آپؐ کو ساتھ لے کر ورقہ بن نوفل کے پاس آئیں اور وہ حضرت خدیجہؓ کے چچازاد یعنی جو اُن کے باپ کا حقیقی بھائی تھا اس کے بیٹے تھے اور وہ ایسے شخص تھے جو زمانہ جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے اور عربی لکھنا جانتے تھے اور انجیل میں سے جو اللہ لکھوانا چاہتا عربی میں لکھا کرتے تھے اور وہ بہت بوڑھے تھے اندھے ہو گئے تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے کہا: چچا اپنے بھتیجے کی بات سنو۔ ورقہ نے کہا: بھتیجے تم کیا دیکھتے ہو؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دیکھا تھا اس کا حال ان سے بیان کیا۔ ورقہ نے سن کر کہا: یہ تو وہ راز دار ہے جو موسیٰؑ پر نازل کیا گیا تھا، کاش کہ میں اس زمانہ میں جوان ہوتا، اے کاش کہ میں اس زمانہ میں زندہ رہوں۔ اس کے بعد ورقہ نے ایک اور بات کہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا وہ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا: ہاں کوئی شخص بھی وہ بات لے کر نہیں آیا جو تم لائے ہو مگر ضرور ہی اسے ستایا گیا اور اگر تمہارے زمانہ نے مجھے زندہ پایا تو میں کمر باندھ کر تمہاری مدد کروں گا۔ پھر اس کے بعد ورقہ زیادہ دیر نہیں رہا فوت ہو گیا اور وحی بھی کچھ دیر کے لئے موقوف ہو گئی جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افسردہ خاطر ہو گئے۔

أطرافه: ٣، ٣٣٩٢، ٤٩٥٥، ٤٩٥٦، ٤٩٥٧، ٦٩٨٢۔

[1] الھروی کے نسخہ کے مطابق اس جگہ الفاظ "يَا ابْنَ عَمِّ" ہیں۔
(صحیح البخاری باختلاف الروایات، جزء ۳ حاشیہ صفحہ ۳۰۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

٤٩٥٤: قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ شِهَابٍ فَأَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيَّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُحَدِّثُ عَنْ فَتْرَةِ الْوَحْيِ قَالَ فِي حَدِيثِهِ بَيْنَا أَنَا أَمْشِي سَمِعْتُ صَوْتًا مِنَ السَّمَاءِ فَرَفَعْتُ بَصَرِي فَإِذَا الْمَلَكُ الَّذِي جَاءَنِي بِحِرَاءٍ جَالِسٌ عَلَى كُرْسِيٍّ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ فَفَرِقْتُ مِنْهُ فَرَجَعْتُ فَقُلْتُ زَمِّلُونِي زَمِّلُونِي فَدَثَّرُوهُ فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى: يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ (المدثر: ۲-۶) قَالَ أَبُو سَلَمَةَ وَهِيَ الْأَوْثَانُ الَّتِي كَانَ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَعْبُدُونَ قَالَ ثُمَّ تَتَابَعَ الْوَحْيُ.

۴۹۵۴: محمد بن شہاب کہتے تھے۔ مجھے ابوسلمہ (بن عبد الرحمٰن) نے بتایا کہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور آپؐ اس وقت وحی کے موقوف ہونے کے متعلق باتیں کر رہے تھے آپؐ نے اپنی گفتگو کے اثناء میں فرمایا: ایک بار میں چلا جا رہا تھا کہ میں نے آسمان سے ایک آواز سنی۔ میں نے اپنی نظر جو اٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی فرشتہ ہے جو میرے پاس حرا میں آیا تھا وہ آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہے۔ میں اس سے ڈر گیا اور لوٹ گیا۔ میں نے کہا: مجھے کمبل اوڑھاؤ، مجھے کمبل اوڑھاؤ۔ انہوں نے آپؐ کو کپڑا اوڑھا دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل کیں یعنی اے بارانی کوٹ پہن کر کھڑے ہونے والے، کھڑا ہو جا اور دُور دُور جا کے لوگوں کو ہوشیار کر، اور اپنے ربّ کی بڑائی بیان کر، اور اپنے پاس رہنے والے لوگوں کو پاک کر، اور شرک کو مٹا ڈال۔ ابوسلمہ نے کہا: (رُجز سے مراد) وہ بت ہیں جن کو زمانہ جاہلیت کے لوگ پوجا کرتے تھے۔ کہتے تھے: پھر اس کے بعد وحی لگاتار آنے لگی۔

أطرافه: ٤، ٣٢٣٨، ٤٩٢٢، ٤٩٢٣، ٤٩٢٤، ٤٩٢٥، ٤٩٢٦، ٦٢١٤۔

تشریح: أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: پہلے پہل وحی کی جو قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شروع ہوئی۔ اس سے مراد رؤیا صالحہ ہے۔ جس کا آغاز قرآنی وحی سے پہلے ہو چکا تھا۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"ابن عباسؓ کہتے ہیں: هِيَ أَوَّلُ مَا نَزَلَ مِنَ الْقُرْآنِ (فتح البیان) یہ قرآن میں

سے پہلا حصہ ہے جو نازل ہوا۔ ابو موسیٰ اشعری کہتے ہیں: هَذِهِ أَوَّلُ سُورَةٍ أُنْزِلَت عَلَى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (فتح البیان) یہ پہلی سورۃ ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی یہی روایت ہے... جمہور کا مذہب یہی ہے کہ یہ پہلی سورۃ ہے جو قرآن کریم میں سے نازل ہوئی۔ اس کے بعد نُون وَالْقَلَمِ نازل ہوئی پھر مزمل نازل ہوئی اور پھر مدثر نازل ہوئی۔...

اور بخاری کی روایت سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اِقْرَاْ کے بعد مدثر نازل ہوئی۔ لیکن یہ اختلاف حقیقی نہیں درحقیقت ایک امر کے نہ سمجھنے کی وجہ سے یہ اختلاف پیدا ہوا ہے۔ لوگ عام طور پر خیال کرتے ہیں کہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ کے بعد فترۃ وحی ہوئی ہے حالانکہ جو حدیث بخاری میں بیان ہوئی ہے اس سے یہ پتہ نہیں لگتا۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی اس کے کچھ عرصہ بعد ورقہ بن نوفل فوت ہوئے اور پھر فترۃ کا زمانہ آ گیا۔ درمیانی عرصہ کا اس حدیث میں ذکر نہیں کیا گیا۔ فترۃ وحی چونکہ ایک اہم مسئلہ تھا اس لئے اس کا ذکر کر دیا گیا مگر اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ اِقْرَاْ کے بعد فترۃ ہوئی بلکہ اِقْرَاْ کے بعد کچھ اور کلام نازل ہوا تھا اور اس کے بعد فترۃ ہوئی ہے اور یہی بات قرین قیاس بھی ہے۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ کہا کہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ○ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ○ تو اس میں تو کوئی حکم بیان نہیں ہوا پھر کیا حکم دیا تھا جس کے متعلق اِقْرَاْ کہا گیا تھا۔ اِقْرَاْ کا لفظ صاف بتاتا ہے کہ کوئی باتیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے کہنی ہیں۔ وہ کہنے والی باتیں بہر حال اِقْرَاْ کے بعد نازل ہونی چاہئے تھیں۔ چنانچہ اِقْرَاْ کے بعد نون والقلم نازل ہوئی اور اس کے بعد سورۃ مزمل نازل ہوئی اور پھر فترۃ کا زمانہ آ گیا۔ پس میرے نزدیک اصل واقعہ یہ ہے کہ اِقْرَاْ کی ابتدائی آیات اور اسی طرح نون والقلم اور سورۃ المزمل کی کچھ آیات پہلے نازل ہوئیں پھر فترۃ وحی ہوئی اور اس کے ختم ہونے پر سورۃ المدثر نازل ہوئی۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ یہ جو حدیث میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَا اَنَا بِقَارِیءٍ اس کا یہ مفہوم نہیں تھا کہ میں کتاب نہیں پڑھ سکتا کیونکہ کتاب تو اس جگہ کوئی پیش ہی نہیں تھی۔ ایک حدیث میں بیشک آتا ہے کہ جبریل کے ہاتھ میں ایک کپڑا تھا جس پر کچھ لکھا ہوا تھا۔ مگر اس حدیث میں یہ ذکر نہیں آتا کہ جبریل نے وہ کپڑا دکھا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا ہو کہ اس پر جو کچھ لکھا ہے اسے پڑھو کیونکہ اسی حدیث میں یہ ذکر بھی آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں کیا پڑھوں۔ اگر اس نے کپڑا دکھا کر کچھ پڑھانا ہوتا تو آپ یہ نہ کہہ سکتے کہ میں کیا پڑھوں۔ حقیقت یہ ہے کہ مَا اَنَا بِقَارِیءٍ کے الفاظ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکسار کے طور پر استعمال فرمائے تھے اور آپؐ ڈرتے تھے کہ میں عہدۂ نبوت کی اہم ذمہ داریوں کو پوری خوش اسلوبی سے ادا بھی کر سکوں گا یا نہیں۔ یہی حال ہر نبی کا ہوتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق بھی قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ جب انہیں فرعون کی طرف جانے کا حکم دیا گیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصاحت رکھتا ہے اسے بھی میرے ساتھ بھجوا دیجئے ...

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر اللہ تعالیٰ نے حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی یہ کام سپرد کر دیا۔ مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام جب چالیس دن کیلئے پہاڑ پر گئے تو بعد میں حضرت ہارونؑ بنی اسرائیل کو سنبھال نہ سکے۔ باوجود ان کے منع کرنے کے وہ شرک میں مبتلا ہو گئے اور بچھڑے کی پرستش کرنے لگ گئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتا دیا کہ دیکھ لو انتخاب وہی صحیح تھا جو ہم نے کیا۔ تم نے اپنے لئے ہارون کا انتخاب کیا تھا مگر ہارون قوم کی نگرانی نہ کر سکا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب نبوت کا کام کسی عظیم الشان انسان کے سپرد کیا جاتا ہے تو طبعی طور پر وہ گھبراتا اور ہچکچاہٹ کا اظہار کرتا ہے... رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت میں حجاب بھی تھا، انکسار بھی تھا، اپنے اہم فرائض کو دیکھتے ہوئے خوف بھی تھا۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے استغناء کا بھی آپؐ کو

احساس تھا اور ادب کی وجہ سے آپؐ یہ کہنا بھی مناسب نہ سمجھتے تھے کہ میری جگہ کسی اور کو مقرر کر دیں میں اس کام کے قابل نہیں۔ ان وجوہ کی بناء پر... رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں پڑھنا نہیں جانتا۔ حالانکہ اس وقت آپ کو پڑھنے کیلئے نہیں کہا گیا تھا۔ درحقیقت یہ ایک ادب کا طریق تھا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جذبات کے اظہار کیلئے اختیار فرمایا۔ آپ نے سمجھا کہ براہ راست انکار کرنا تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی ہوگی اور اگر میں نے کہا کہ میں اس کام کے قابل نہیں تو یہ بھی ادب کے خلاف ہوگا اس لئے میں کوئی اور رنگ اختیار کروں۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رنگ اختیار کیا کہ آپ نے فرمایا مَآ اَنَا بِقَارِیءٍ میں تو پڑھے لکھے آدمیوں میں سے نہیں ہوں۔ میں نے کیا کام کرنا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ خود فرشتہ نے بھی آخر میں ظاہر کر دیا تھا کہ اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ پڑھو بلکہ مطلب یہ تھا کہ جو کچھ میں کہتا جاؤں اسے ساتھ ساتھ دہراتے جاؤ۔ ...چنانچہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ کو دہرا دیا تو چونکہ اس کا مقصد حاصل ہو گیا اس لئے وہ واپس چلا گیا۔

ابتداءِ وحی ایک نہایت اہم مسئلہ ہے جیسا کہ ابن کثیر نے کہا ہے یہ پہلی رحمت ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو نوازا اور پہلی نعمت ہے جس سے اس نے اپنے فضل سے انہیں حصہ عطا فرمایا۔ پس اس سورۃ کی ابتدائی آیات اس لحاظ سے خاص طور پر اہمیت رکھتی ہیں کہ یہ قرآن کریم کیلئے بمنزلہ بیج اور گٹھلی کے ہیں اور ان آیات کے نزول کے بعد باقی قرآن نازل ہوا ہے۔ یوں تو سارا قرآن ہی اہمیت رکھتا ہے مگر جذباتی طور پر اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ ایسی اہمیت رکھنے والی آیات ہیں کہ جب انسان ان کو پڑھتا ہے اس کے جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے اور وہ کہتا ہے یہ وہ آیات ہیں جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے قرآن سے روشناس کرایا۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے دوست آپس میں ملتے ہیں تو وہ ایک دوسرے سے بعض دفعہ خاص طور پر اس امر کا ذکر کرتے ہیں کہ ان کی دوستی کا آغاز کس طرح ہوا یا میاں بیوی آپس میں مذاکرہ

کرتے ہیں تو وہ بھی بعض دفعہ بڑے شوق سے یہ ذکر کرتے ہیں کہ ہمارا نکاح کس طرح ہوا۔ اگر معمولی دنیوی واقعات ایسی اہمیت رکھتے ہیں کہ انسان ان کا ذکر کرنے پر مجبور ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا وہ آخری کلام جس کے ذریعہ دنیا قیامت تک ہدایت پاتی رہے گی، جس کے ذریعہ انسانی پیدائش کا مقصد پورا ہوا، جس کے ذریعہ انسان کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوا، جس کے ذریعہ خالق اور مخلوق کا تعلق آپس میں قائم کیا گیا، اس کی بنیاد جن آیات پر ہے ان کی اہمیت اور عظمت سے کون شخص انکار کر سکتا ہے۔...

پس ابتداء وحی ایک نہایت ہی اہمیت رکھنے اور جذبات میں ہیجان پیدا کرنے والی چیز ہے۔ اسی وجہ سے دشمنوں کی بھی اس پر خاص طور پر نظر پڑی ہے اور انہوں نے ان آیات اور ابتداء وحی سے تعلق رکھنے والے واقعات سے قسم قسم کے استدلال کرتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی وحی کی تنقیص کرنے کی کوشش کی ہے۔ کوئی کہتا ہے وحی ایک ڈھکوسلا ہے، کوئی کہتا ہے وحی ایک بیماری کا حملہ تھی۔ چنانچہ آپؐ کا زَمِّلُوْنِيْ زَمِّلُوْنِيْ کہنا اس پر شاہد ہے۔ کئی کہتے ہیں یہ بیماری اور جھوٹ دونوں کا اجتماع تھا۔ پھر واقعہ پر بھی اعتراض کیا جاتا ہے۔ آپؐ کے گھبرانے پر بھی اعتراض ہے کہ آپؐ کو وحی پر شک تھا یا یہ اعتراض ہے کہ اپنی قابلیت پر شک تھا یا یہ کہ آپؐ نے خدا تعالیٰ کا حکم ماننے سے پہلو تہی کی۔ یہ بھی اعتراض ہے کہ اس وحی کی نوعیت کیا تھی۔ آیا یہ مادی نظارہ یا خواب تھی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر آئی۔ غرض مختلف دشمنوں نے اپنے اپنے رنگ میں استدلال کیا ہے۔ غیر مسلم مصنفین کی اصل غرض یہ ہوتی ہے کہ کوئی ایسی بات اُٹھائیں جس سے قرآن کریم پر حملہ ہو سکے۔ چنانچہ بعض نے یہ طریق اختیار کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں یہ وحی ایک نظارہ تھا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا اور چونکہ انسانی دماغ اس قسم کا نظارہ دیکھنے کے قابل نہیں ہوتا اس لئے یہ غیر معمولی اور مافوق الطبیعات نظارہ درحقیقت علامت تھی اس بات کی کہ نعوذ باللہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دماغ میں خشکی پیدا ہو کر جنون رونما ہو گیا تھا۔

لیکن بعض دوسرے مخالفین کا دماغ اس طرف گیا ہے کہ ممکن ہے کچھ لوگ جنون کی تھیوری کو تسلیم نہ کریں اور وہ اس بات کو مان لیں کہ سچ مچ اس قسم کا واقعہ ہو سکتا ہے اور اگر انہوں نے مان لیا تو فرشتے دیکھنے یا اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہونے میں وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی اسرائیل کے نبیوں کے مشابہ قرار دے دیں گے اور یہ بڑی تکلیف دہ بات ہو گی۔ پس انہوں نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ یہ کوئی نظارہ نہیں تھا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا بلکہ ایک خواب تھی جو آپؐ کو آئی اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ بات ہماری روایات میں بھی بیان ہوئی ہے۔ چنانچہ ابن ہشام لکھتے ہیں... جب وہ رات آگئی جس میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اپنی رسالت سے مفتخر فرمایا اور اپنے بندوں پر رحم کیا تو جبریل اللہ تعالیٰ کا حکم لے کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آگے لکھا ہے... رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میرے پاس جبریل آیا وَاَنَا نَائِمٌ اور اس وقت میں سو رہا تھا...

اس حوالہ میں صاف طور پر نیند کا لفظ آتا ہے۔ وہ کہتے ہیں ہم اس روایت پر بنیاد رکھتے ہوئے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ درحقیقت یہ ایک خواب تھی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھی۔ اس تاویل سے ان کا منشاء یہ ہے کہ بائبل کا دعویٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے انسان کو بالمشافہ نظر آتے ہیں اور وہ اسے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے ہیں۔ اگر ہم یہ ثابت کر دیں گے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرشتہ نظر نہیں آیا بلکہ ایک خواب تھی جو آپؐ نے دیکھی تو بائبل کے نبیوں سے آپؐ کی مشابہت ثابت نہیں ہو سکے گی۔ گو بخاری اور مسند احمد بن حنبل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جو حدیث آتی ہے اس میں صاف طور پر یہ ذکر آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھوں کے سامنے جبریل کو دیکھا۔ مگر چونکہ یہ حدیث ان کے منشاء کے خلاف ہے اس لئے وہ بخاری یا مسند احمد بن حنبل کی حدیث کی بجائے ابن ہشام کی اس روایت پر اپنے دعویٰ کی بنیاد رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی فرشتہ اپنی آنکھوں سے نظر نہیں آیا صرف ایک خواب تھی جو حراء میں آپؐ کو آئی۔ اگر اس خواب کو درست بھی

تسلیم کر لیا جائے تب بھی انبیاء بنی اسرائیل سے آپؐ کی مشابہت ثابت نہیں ہو سکتی کیونکہ ان کو خداتعالیٰ کے فرشتے آمنے سامنے نظر آتے تھے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا وہ ایک خواب تھی۔ جن لوگوں نے اس بات پر زور دینا چاہا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دماغ میں نعوذ باللہ کوئی نقص واقعہ ہو گیا تھا انہوں نے ابن ہشام کی روایت کو نظر انداز کر کے بخاری اور مسند احمد بن حنبل کی وہ حدیث لے لی ہے جس میں یہ ذکر آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرشتہ کو دیکھا۔ وہ کہتے ہیں چونکہ انسانی دماغ اس قسم کا نظارہ نہیں دیکھ سکتا اس لئے یہ نظارہ علامت تھی اس بات کی کہ آپؐ کا دماغ نعوذ باللہ خراب ہو گیا تھا۔

میرے نزدیک یورپین مصنّفین کی نیت خواہ کچھ ہو اس بارہ میں اختلاف کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ نظارۂ کشف کی حقیقت کو سمجھتے ہی نہیں۔ وہ اس قدر مذہب سے دور جا پڑے ہیں کہ کشفی نظارے ان کو بہت ہی کم نظر آتے ہیں بلکہ خوابیں بھی ان کو بہت کم آتی ہیں۔ گو خدائی سنت یہ ہے کہ ہر قسم کے طبقہ کو خوابیں دکھائی جاتی ہیں مگر پھر بھی یورپین لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جن کو ساری عمر میں بھی کبھی کوئی خواب نہیں آئی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دن کو کام کرتے ہیں اور رات کو ناچتے ہیں پھر شراب پی کر یا نیند کی دوائیں کھا کر سو جاتے ہیں۔ اس وجہ سے انہیں ایسی خوابیں بھی نہیں آتیں جن کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لکھا ہے کہ وہ کنچنیوں کو بھی آجاتی ہیں۔ کیونکہ شراب کا نشہ ان کے دماغ کو بالکل معطل کر دیتا ہے۔ پس میرے نزدیک اس بارہ میں اختلاف نظارۂ کشف کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہوا ہے اور مغربی لوگ اس علم سے بے بہرہ ہونے کی وجہ سے دھوکا کھا جاتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ جب کشف کی حالت انسان پر طاری ہوتی ہے تو جیسا کہ صاحب تجربہ لوگ جانتے ہیں اس وقت انسان اپنے آپ پر ایک ربودیت کی حالت محسوس کرتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ مجھے اس دنیا سے کھینچ کر کسی اور دنیا میں لے جایا گیا ہے۔ اسے اپنے ارد گرد کی سب چیزیں نظر آتی ہے، مکان کی دیواریں نظر آتی ہیں، گھر کا سامان نظر آتا ہے۔ مگر اس کے باوجود وہ محسوس کرتا ہے کہ

کوئی اور حالت اس پر طاری ہو گئی ہے جو اسے اس دنیا سے الگ لے گئی ہے۔ اسی طرح اس حالت کے جاتے وقت بھی انسان یوں معلوم کرتا ہے کہ وہ گویا ایک غیر معمولی حالت سے پھر حواس میں آ گیا ہے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہوتی ہے جیسے ریڈیو کو ایک میٹر سے دوسرے میٹر پر تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ پہلے وہ محسوس کرتا ہے کہ اسے اس دنیا سے کھینچ کر کسی اور دنیا میں لے جایا گیا ہے اور جب وہ حالت جاتی ہے تو وہ یکدم محسوس کرتا ہے کہ اسے کسی اور دنیا سے اس دنیا میں واپس لوٹا دیا گیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو انسان کو یہ معلوم ہی نہ ہو سکے کہ اس نے جو کچھ دیکھا ہے وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے یا اس کے نفس کا خیال ہے۔ پس بوجہ اس کے کہ وہ حالت کامل نیند کی نہیں ہوتی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ میں نے جاگتے ہوئے ایسا دیکھا اور بوجہ اس کے کہ جاگنے کی حالت پر ایک خاص تصرف کیا جاتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نیند طاری ہوئی اور اس میں یہ یہ دیکھا۔ اور میں نے خود اس کا تجربہ کیا ہے اس لئے مجھے اس میں کوئی اچنبھے کی بات نظر نہیں آتی۔

پس یہ مادی نظارہ نہیں تھا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا۔ مگر بوجہ اس کے کہ آپؐ کے حواس ظاہری کام کر رہے تھے۔ ہم اسے یَقْظَہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ درحقیقت کشف ایک مَا بَیْنَ النَّوْمِ وَالْیَقْظَہ کیفیت کا نام ہے چونکہ وہ حالت کامل نیند کی نہیں ہوتی اس لئے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جاگتے ہوئے فلاں نظارہ دیکھا گیا اور چونکہ جاگنے کی حالت پر خاص تصرف کیا جاتا ہے اس لئے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نیند کی حالت میں ہم نے ایسا نظارہ دیکھا۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کسی موقع پر یہ فرما دیا کہ میں نے جاگتے ہوئے ایسا نظارہ دیکھا تھا اور کسی موقع پر آپؐ نے یہ فرما دیا ہو گا کہ میں نے نیند کی حالت میں ایسا نظارہ دیکھا۔ جو لوگ صاحب کشوف ہیں وہ ہمیشہ ایسے الفاظ استعمال کرتے رہتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں میں یہ نظارہ دیکھ کر جاگ پڑا اور مراد یہ ہوتی ہے کہ میں ربودگی کی کیفیت سے عام حالت میں آ گیا اور کبھی کہتے ہیں میں نے جاگتے ہوئے فلاں نظارہ دیکھا اور مراد یہ ہوتی ہے کہ میرے حواس ظاہری بھی اس وقت کام کر رہے

تھے۔ پس یہ دونوں باتیں آپس میں کوئی اختلاف نہیں رکھتیں۔ محض کشف کی حقیقت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے یورپین مصنفین کو یہ غلطی لگی ہے۔

مسند احمد بن حنبل اور بخاری کی حدیث کو یوں بھی حل کیا جاسکتا ہے کہ بعض دفعہ خواب کا لفظ نہیں بولا جاتا جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں قرآن کریم حضرت یوسف علیہ السلام کی رؤیا کی نسبت فرماتا ہے کہ یوسف نے اپنے باپ سے کہا: اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ (یوسف ع ۱) کہ میں نے گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو دیکھا ہے کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں یہاں خواب کا کوئی لفظ نہیں صرف اتنا ذکر ہے کہ میں نے دیکھا۔ مگر اگلی آیت میں ہی حضرت یعقوب علیہ السلام یہ بات سن کر فرماتے ہیں: یٰبُنَیَّ لَا تَقْصُصْ رُءْیَاكَ عَلٰۤى اِخْوَتِكَ (یوسف ع ۱) اے میرے بیٹے تو اس رویا کو اپنے بھائیوں کے سامنے بیان نہ کیجیو۔ اب دیکھو ایک آیت میں اسے ظاہری نظارہ قرار دیا گیا ہے اور دوسری میں اسے رویا قرار دیا گیا ہے پس یہ ایک طریق بیان ہے جو عربی زبان میں رائج ہے اس سے کسی اختلاف کا ثبوت نہیں نکل سکتا۔

اصل بات یہ ہے کہ مختلف زبانوں میں الگ الگ محاورات رائج ہوتے ہے۔ عربی زبان میں ایسے نظاروں کے لئے رویا کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے جس کے معنے دیکھنے کے ہیں۔ گو محاورہ میں ایسے نظارہ کے لئے بھی یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے جو نیند کی حالت میں دیکھا جائے۔ لیکن فارسی نے اس کے لئے خواب کا لفظ تجویز کیا ہے جس کے معنے نیند کے ہیں۔ یہ بھی ایک فرق ہے جو عربی زبان کی فضیلت پر دلالت کرتا ہے قرآن کریم نے ہر جگہ رویا کا لفظ ہی خواب کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ جس میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ درحقیقت وہی حالت اصل بیداری کی ہوتی ہے جس میں انسان خدا تعالیٰ سے ہمکلام ہو گو ظاہری طور پر اس پر نیند یا ربودگی کی کیفیت طاری ہو۔ لیکن ایرانی لوگ چونکہ ماہر نہیں تھے انہوں نے خواب کا لفظ ایجاد کر لیا حالانکہ خواب کے معنے محض نیند کے ہیں پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر کسی جگہ یہ فرمایا ہے کہ میں نیند سے بیدار ہو گیا اور دوسری جگہ

آپؐ نے صرف اتنا فرمایا ہے کہ میں نے ایسا نظارہ دیکھا تو اس میں اختلاف کی کوئی بات نہیں۔... چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی ان معنوں میں رویا کا لفظ استعمال کیا ہے۔ آپؓ فرماتی ہیں... رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی الٰہی کا آغاز رویاء صالحہ سے ہوا۔ یہاں رویا کا لفظ صرف انہی نظاروں کے لئے استعمال کیا گیا ہے جو انسان سوتے ہوئے دیکھتا ہے پس یوروپین مصنفین کی طرف سے جو اختلاف پیش کیا جاتا ہے وہ درحقیقت اختلاف نہیں بلکہ محاورۂ زبان کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔

اگر یہ رویاء ہی تھی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھی تو بہر حال جیسا کہ ہمیں یقین اور وثوق ہے یہ رویاء اس قسم کی نہیں تھی جس میں انسان پر کامل نیند طاری ہوتی ہے چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی فرق کرتی ہیں۔ آپؓ ایک طرف تو یہ فرماتی ہیں کہ... رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتدا رؤیا صادقہ سے ہوئی جو آپؐ سوتے ہوئے دیکھتے مگر اس دوسری وحی کے متعلق جس میں جبریل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپؓ فرماتی ہیں: فَجَاءَهُ الْمَلَكُ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فرشتہ آیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں نظاروں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرق کر رہی ہیں جس کے صاف معنے یہ ہیں کہ غار حراء میں آپؐ کو جو نظارہ دکھایا گیا وہ گہری نیند والا نہ تھا بلکہ کشفی نیند والا تھا۔ اور ابن ہشام والی روایت کے معنے گہری نیند کے نہیں بلکہ کشفی نیند کے ہیں اور آپؐ کے ان الفاظ کا کہ پھر میں جاگ اٹھا صرف اتنا مفہوم ہے کہ پھر میری کشفی حالت جاتی رہی۔ پس ابن ہشام کی روایت اور بخاری و مسند احمد بن حنبل کی حدیث میں کوئی اختلاف نہیں بلکہ دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔

دوسرا سوال یہ کیا جاتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی رؤیا پر شک تھا۔ اس سوال کی بنیاد اس امر پر رکھی جاتی ہے کہ

الف: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھبرائے ہوئے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے۔

باء: آپؐ نے حضرت خدیجہؓ سے فرمایا: قَدْ خَشِيتُ عَلَى نَفْسِي مجھے تو اپنے نفس

کے متعلق ڈر پیدا ہو گیا ہے۔

ج: فترۃ وحی پر آپؐ نے اپنے آپ کو ہلاک کرنا چاہا جیسا کہ بخاری اور مسند احمد بن حنبل دونوں میں اس واقعہ کا ذکر آتا ہے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ گھبرانا اور خَشِيْتُ عَلٰى نَفْسِي کہنا تو اس وجہ سے تھا کہ ہر انسان کامل کے اندر یہ احساس ہوتا ہے کہ میں اپنے فرض کو ادا کر سکوں گا یا نہیں۔ جو شخص چھچھورا ہوتا ہے یا ادنیٰ طبقہ سے تعلق رکھنے والا ہوتا ہے اس کے سپرد جب کوئی کام کیا جاتا ہے تو بغیر اس کے کہ وہ عواقب پر نگاہ دوڑائے اور اپنے کام کی اہمیت کو سمجھے کہہ دیتا ہے کہ اس کام کی کیا حقیقت ہے میں اسے فوراً کر لوں گا۔ لیکن عقلمند انسان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اس کے دل میں فوراً گھبراہٹ پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہے کہ نہ معلوم میں اپنے فرض کو ادا کر سکوں گا یا نہیں۔ قابل اور ناقابل میں یہی فرق ہوتا ہے کہ قابل کو فوراً اپنے کام کا فکر پڑ جاتا ہے مگر ناقابل کو کوئی احساس نہیں ہوتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ کام بالکل آسان ہے۔...

پس کسی کام کے سپرد ہونے پر دل میں گھبراہٹ پیدا ہونا علم کامل کی علامت ہوتی ہے نہ اس بات کی علامت کہ وہ کام کی اہلیت نہیں رکھتا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی نزول وحی پر گھبرانا اور آپؐ کا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے اپنی گھبراہٹ اور اضطراب کا اظہار کرنا درحقیقت یہی معنے رکھتا ہے کہ آپؐ اپنے کام کی اہمیت کو سمجھتے تھے جب اللہ تعالیٰ نے دنیا کی اصلاح کا کام آپ کے سپرد کیا تو فوراً آپؐ کو فکر شروع ہو گیا کہ اتنا بڑا کام جو میرے سپرد کیا گیا ہے نہ معلوم میں اس کو الٰہی منشاء کے مطابق سرانجام دے سکوں گا یا نہیں۔ آپؐ کے سپرد جو کام کیا گیا اور جس کا پہلی وحی میں ہی بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر کر دیا گیا تھا وہ یہ تھا کہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ○ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ○ ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا آج جن لوگوں کے ہاتھوں میں قلمیں ہیں جو بڑے بڑے علوم کے ماہر سمجھے جاتے ہیں جن کو اپنے تجربہ اور اپنی

علمی نگاہ کی وسعت پر ناز ہے۔ تو ان کو وہ علم سکھا جو ان کے ذہن کے کسی گوشہ میں بھی نہیں۔ اور ان علوم اور معارف سے انہیں بہرہ ور فرما جو آج دنیا کی کسی کتاب میں بھی نہیں ملتے۔ یہ سیدھی بات ہے کہ جب ایک اُمّی کو یہ کہا جائے گا کہ دنیا نے کتابیں لکھیں مگر بیکار ثابت ہوئیں اور وہ دنیا کی ہدایت کا موجب نہ بن سکیں۔ اب اے شخص ہم تیرے سپرد یہ کام کرتے ہیں کہ جو علوم آج تک بڑی بڑی کتابیں لوگوں کو سکھا نہیں سکیں وہ علوم تو ہمارے حکم سے لوگوں کو سکھا۔ تو لازماً اس کے جسم پر کپکپی طاری ہو جائے گی کہ اتنا بڑا کام میں کس طرح کر سکوں گا۔ بیشک ایک پاگل کو جب یہ کہا جائے گا تو وہ خوش ہو جائے گا اور کہے گا کہ یہ کونسا بڑا کام ہے مگر عقلمند کا دل خوف سے بھر جائے گا اور وہ کہے گا اتنا بڑا کام میں کس طرح کر سکوں گا۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ قَدْ خَشِيْتُ عَلَى نَفْسِي آپ کے علم کامل پر ایک زبردست گواہ ہے۔ وہ لوگ جو اس واقعہ سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ نعوذ باللہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دماغ میں نقص واقع ہو گیا تھا انہیں غور کرنا چاہئے کہ کیا پاگل بھی کبھی گھبراتا ہے؟ اسے تو اگر کہا جائے کہ کیا تم ساری دنیا فتح کر سکتے ہو تو وہ فوراً کہہ دے گا یہ کونسی مشکل بات ہے۔ مگر وہ جسے اپنی ذمہ واری کا احساس ہوتا ہے، جو کام کی اہمیت کو سمجھتا ہے، جو فرائض کی بجاآوری کیلئے ہر قسم کی قربانی کرنے کیلئے تیار رہتا ہے وہ کام کے سپرد ہونے پر لرز جاتا ہے۔ اس کا جسم کانپ اٹھتا ہے اور اس کے دل میں بار بار یہ خیال آنا شروع ہو جاتا ہے کہ ایسا نہ ہو میں اپنی کسی غفلت کی وجہ سے ناکام ہو جاؤں اور جو کام میرے سپرد کیا گیا ہے اس کو سرانجام دینے سے قاصر رہوں۔...

پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل وحی الٰہی پر شک کی وجہ سے نہ تھا بلکہ خدا تعالیٰ کی شان کے انسانی دماغوں سے بالاتر ہونے پر یقین کامل کے نتیجہ میں تھا اور آپؐ کو یہ فکر لگ گیا تھا کہ میں اس کام کیلئے خواہ کتنی بھی قربانی کروں نہ معلوم اللہ تعالیٰ کے ارادوں کے مطابق میں بلند ہو سکوں گا یا نہیں اور اللہ تعالیٰ کی بلند شان سے خوف کرنا جرم نہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کی نیکی ہے اور خدا تعالیٰ کے علو مرتبت کو

مد نظر رکھتے ہوئے برا نہیں بلکہ اس بے نظیر خشیت الٰہی کا ایک بین ثبوت ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مطہر میں پائی جاتی تھی۔‘‘

(تفسیر کبیر، سورۃ العلق، جلد ۹ صفحہ ۲۲۳ تا ۲۳۲)

نیز فرمایا:

’’اب رہا وحی کا سوال۔ دشمن کہتا ہے کہ آپؐ کا اس وقت زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ کہنا اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ ایک بیماری کا حملہ تھا۔ ہسٹیریا کا دورہ آپؐ کو ہوا اور آپؐ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ جلدی مجھ پر کپڑا ڈال دو۔ مگر یہ سوال بھی وحی الٰہی سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جیسا کہ اصحاب وحی جانتے ہیں وحی الٰہی کے نزول کے وقت اس قدر خشیت کا نزول ہوتا ہے کہ جوڑ جوڑ ہل جاتا ہے۔ کیونکہ یہ مقام قرب ہے۔ دربار کی شمولیت کا حال تو درباری ہی جانتا ہے دوسرے کو کیا خبر ہوسکتی ہے۔ پس یہ حالت اس قرب کی وجہ سے تھی جو اللہ تعالیٰ کے حضور آپؐ کو حاصل تھا۔ مگر اس حقیقت کو وہ لوگ نہیں سمجھ سکتے جو روحانیت کے اس کوچہ سے قطعی طور پر ناآشنا ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کے قرب سے ویسے ہی دور ہیں جیسے مشرق سے مغرب دور ہوتا ہے۔ پھر سوال یہ ہے کہ جن لوگوں کو جنون ہوتا ہے کیا ان کا حال صرف کپڑا اوڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کیا یہ بھی کوئی طبی مسئلہ ہے کہ جو شخص کپڑا اوڑھ لے وہ پاگل ہوتا ہے؟ یا کیا ڈاکٹر یہ پوچھا کرتا ہے کہ فلاں نظارہ کے وقت تم کپڑا اوڑھتے ہو یا نہیں؟ پس زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ کے الفاظ سے مخالفین اسلام کا یہ استدلال کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دماغ میں نعوذ باللہ نقص واقع ہو گیا تھا بالکل احمقانہ استدلال ہے۔ بیشک اس وقت آپؐ پر گھبراہٹ طاری ہوئی مگر گھبراہٹ کا طاری ہونا ہرگز آپؐ کے اندر روحانی دماغی یا جسمانی نقص کے پائے جانے کا ثبوت نہیں۔ بلکہ اس خشیت الٰہی کا ثبوت ہے جو آپؐ کے دل میں پائی جاتی تھی۔ ہم نے تو دیکھا ہے معمولی دنیوی واقعات پر بعض لوگ دوسروں سے اس قدر مرعوب ہوتے ہیں کہ ان کا پسینہ بہنے لگ جاتا ہے۔ افسر کسی غلطی پر تنبیہ کرے یا کسی معاملہ کے متعلق ان سے باز پرس کی جائے تو اس قدر ان پر رعب طاری ہوتا ہے کہ ہاتھ پاؤں کانپنے لگ جاتے ہیں اور بعض دفعہ تو پسینہ

جاری ہو جاتا ہے۔ جب معمولی افسروں کے رعب کی وجہ سے انسان کی یہ حالت ہو جاتی ہے تو سوچنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے جلال اور اس کی جبروت کا آپ پر کس قدر اثر ہو سکتا تھا۔ پس آپؐ نے اگر زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ کہا تو اس کی وجہ در حقیقت یہی تھی کہ آپؐ پر الٰہی کلام کا رعب طاری ہو گیا۔ آپؐ نے چاہا کہ تھوڑی دیر کیلئے آپؐ لیٹ جائیں تا کہ آپ کے قویٰ کو سکون حاصل ہو جائے۔ وہ لوگ جو اس کو جنون کا نتیجہ قرار دیتے ہیں ان سے ہم پوچھتے ہیں کہ کیا کپڑا اوڑھنا جنون کی علامت ہوتی ہے؟ ہم نے تو کبھی نہیں سنا کہ کوئی ڈاکٹر کسی ایسے مریض کے پاس گیا ہو جس میں جنون کے آثار پائے جاتے ہوں تو اس نے مریض کے لواحقین سے یہ سوال کیا ہو کہ کیا یہ مریض کبھی کپڑا بھی اوڑھتا ہے یا نہیں؟ اگر کپڑا اوڑھتا ہے تو ضرور پاگل ہے اور اگر کپڑا نہیں اوڑھتا تو پاگل نہیں۔ ایسا سوال آج تک کبھی کسی ڈاکٹر نے نہیں کیا۔ پس محض کپڑا اوڑھنے سے مخالفین اسلام کا یہ نتیجہ نکالنا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ جنون ہو گیا تھا خود ان کے مجنون ہونے کی علامت ہے۔ دیکھنے والی بات تو یہ ہے کہ کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باقی حالتیں بھی مجنونانہ تھیں یا نہیں۔ یہ بات ظاہر ہے کہ ہر غیر معمولی قابلیت والے شخص کی حالت دوسروں سے الگ ہوتی ہے۔...

محض غیر معمولی قابلیت کے نتیجہ میں کسی کی الگ حالت ہونے سے اس پر مجنون ہونے کا فتویٰ نہیں لگایا جا سکتا اور جو ایسا کرتا ہے وہ اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ دنیا کی تمام ترقی مجنونوں سے وابستہ ہے، کیا ایسا شخص خود پاگل نہیں؟... پھر یہ بھی دیکھو کہ دشمن نے تو آج یہ اعتراض کیا ہے کہ نزول وحی کے واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دماغ میں نعوذ باللہ نقص واقعہ ہو گیا تھا مگر قرآن کریم نے اپنی ابتدائی آیات میں ہی اس سوال کا جواب پوری تفصیل کے ساتھ دے دیا تھا اور دنیا کو بتا دیا تھا کہ اس کا یہ اعتراض سراسر حماقت پر مبنی ہے چنانچہ سورۂ نون والقلم میں اس اعتراض کا جواب موجود ہے۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ مفسرین اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ سورۂ علق کی ابتدائی آیات کے نزول کے معًا

بعد سورۂ نون والقلم کی آیات رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئیں اور یہ آیات اسی مضمون کی حامل ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لوگوں کا یہ خیال کرنا بالکل غلط ہے کہ ان کے دماغ میں کوئی نقص واقعہ ہو گیا ہے۔ یہ قرآن کریم کا ایک ایسا اعجاز ہے کہ جس پر غیر مسلم اگر دیانتداری کے ساتھ غور کریں تو انہیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ کلام کسی انسانی دماغ کا نتیجہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ کلام ہے۔ دیکھو ابھی دنیا نے یہ اعتراض نہیں کیا تھا کہ نزول وحی کے واقعات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جنون کی علامت ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے عرش سے دیکھ لیا کہ ایک دن آنے والا ہے جب دشمن نزول وحی کی کیفیت کو نہ سمجھتے ہوئے یہ اعتراض کرے گا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ مجنون تھے۔ چنانچہ دوسری ہی وحی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اس میں اللہ تعالیٰ نے اس شبہ کا ازالہ کیا اور فرمایا نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ○ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ○ (سورۂ القلم ع ۱) ہم قسم کھا کر پیش کرتے ہیں دوات اور قلم کو اور ان تمام تحریروں کو جو قلم اور دوات سے لکھی گئی ہیں کہ اگر دنیا کی تمام تحریروں کو جمع کیا جائے تو ان سے نتیجہ یہ نکلے گا کہ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ تو اپنے رب کی نعمت سے پاگل نہیں ہے۔ یہ دوسری سورۃ ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اور جس کے ابتداء میں ہی اس اعتراض کا اللہ تعالیٰ نے جواب دے دیا ہے جو پہلی وحی سے لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو سکتا تھا اور وہ جواب یہ ہے کہ قلم اور دوات نے جس قدر علوم لکھے ہیں وہ سب اس امر کے شاہد ہیں کہ تو مجنون نہیں۔ یعنی اگر علوم عالموں کے لکھے ہوئے ہیں تو تُو ان سے بڑھ کر علم بیان کرتا ہے۔ اگر وہ ادنیٰ علوم سے عالم کہلاتے ہیں تو تو اعلیٰ علم سے مجنون کیوں کہلانے لگا۔ بہر حال ان سے بڑا عالم کہلائے گا اور تیرا ان سے اختلاف علم کی زیادتی کی وجہ سے کہلائے گا نہ کہ علم کی کمی کی وجہ سے۔ تیرے مجنون نہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ دنیا میں جس قدر روحانی ترقیات یا دین سے تعلق رکھنے والے علوم پائے جاتے ہیں ان سب کے مقابلہ میں تو دنیا کو وہ کچھ سکھائے گا جو اس نے پہلے

نہیں سیکھا۔ اور یہ ثبوت ہو گا اس بات کا کہ تو پاگل نہیں۔ تیرے دماغ میں کوئی نقص نہیں۔ اور اگر تجھے پاگل قرار دیا جاسکتا ہے تو پھر ان سب لوگوں کو پاگل قرار دینا پڑے گا جنہوں نے دنیا میں علوم کو پھیلایا اور بنی نوع انسان پر علمی اور روحانی رنگ میں احسان عظیم کیا۔ لیکن اگر وہ ان کو پاگل قرار نہیں دیتے تو تجھے کس منہ سے پاگل کہہ سکتے ہیں۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ دنیا میں جب کوئی شخص کسی علم پر کوئی کتاب لکھتا ہے تو لوگ اسے پاگل قرار نہیں دیتے بلکہ کہتے ہیں وہ بڑا فاضل ہے۔ بڑا عالم اور سمجھدار ہے۔ اس نے اِس علم کی باریکیوں پر بڑی عمدگی سے روشنی ڈالی ہے مگر تو وہ ہے جو ہر علم کے ایسے نکات کو بیان کرتا ہے جن کی طرف اس علم کے بڑے بڑے ماہرین کی بھی آج تک نظر نہیں گئی پھر اگر وہ ایک علم پر معمولی روشنی ڈال کر عالم سمجھے جاسکتے ہیں تو تو تمام روحانی، اخلاقی، اقتصادی، قضائی، سیاسی، عائلی علوم کے متعلق ان کے ماہرین سے زیادہ روشنی ڈال کر مجنون کیونکر سمجھا جائے گا۔ آخر مجنون کہنے کی کوئی وجہ ہونی چاہیئے۔ اگر تو کام وہ کر رہا ہے جو بڑے بڑے عالموں نے بھی نہیں کیا تو تجھے مجنون کس طرح کہا جاسکتا ہے۔ اور لوگوں کی کیسی حماقت ہے کہ وہ اتنی موٹی بات کو بھی نہیں سمجھتے کہ عقل اور جنون میں اور علم اور جہالت میں بعد المشرقین ہے۔ جب دنیا میں تو علوم کے وہ خزانے تقسیم کر رہا ہے جو بڑے بڑے عالموں کے واہمہ میں بھی کبھی نہیں آئے تو بہر حال اسے یہی کہنا پڑے گا کہ تو بڑا عالم ہے۔ وہ یہ نہیں کہہ سکتی کہ تو مجنون ہے یا تیرے دماغ میں فتور واقع ہو گیا ہے۔ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے نٓ وَ الْقَلَمِ وَ مَا يَسْطُرُوْنَ ○ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ○ اے لوگو! آج تک قلم اور دوات سے جو کچھ لکھا گیا ہے اسے ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور اس کے مجنون نہ ہونے کے ثبوت کے طور پر تمہارے سامنے پیش کرتے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ جب دنیا میں علم الاخلاق پر کوئی کتاب لکھتا ہے تو تم کہتے ہو وہ بڑا عالم ہے۔ جب علم العقائد پر کوئی کتاب لکھتا ہے تو تم کہتے ہو وہ بڑا عالم ہے۔ جب علمِ سیاست میں کوئی شخص نئی راہ پیدا کرتا ہے تو تم کہتے وہ بڑا عالم ہے۔ جب علم الاقتصاد

میں کوئی شخص نیا مسئلہ نکالتا ہے تو تم کہتے ہو وہ بڑا عالم ہے۔ جب علم العائلہ پر کوئی شخص نئے رنگ میں روشنی ڈالتا ہے تو تم کہتے ہو وہ بڑا عالم ہے۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ شخص ہیں کہ آج تک جس علم میں بھی کوئی کتاب لکھی گئی ہے وہ ان کے علم کے مقابل میں بالکل ہیچ ہے۔ قلمیں ان کے مقابلہ میں ٹوٹ چکی ہیں۔ عالم ان کے مقابلہ میں گنگ ہو چکے ہیں۔ معارف کا ایک سمندر ہے جو انہوں نے دنیا میں بہا دیا ہے اور علوم کا ایک نہ ختم ہونے والا ذخیرہ ہے جو انہوں نے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ ایسی صورت میں اگر تم تعصب سے کام نہ لو تو بآسانی اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر معمولی قابلیت ان کے غیر معمولی علم اور آسمانی تائید اور ہدایت کے نتیجہ میں ہے نہ کہ نعوذ باللہ غیر معمولی جہالت کے نتیجہ میں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ پاگل اور غیر معمولی عقلمند اور بڑے عالم اور بڑے جاہل میں یہ اشتراک ہوتا ہے کہ یہ بھی اپنے اندر غیر معمولی طاقت رکھتا ہے۔ اور وہ بھی اپنے اندر غیر معمولی طاقت رکھتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ فرق ہوتا ہے کہ ایک شخص نیچے کی طرف غیر معمولی طور پر گرتا ہے اور دوسرا شخص اوپر کی طرف غیر معمولی طور پر جاتا ہے۔ غیر معمولی علم رکھنے والا وہ باتیں بتاتا ہے جو بڑے بڑے عالموں کو بھی نہیں سوجھتیں اور غیر معمولی جہالت رکھنے والا وہ باتیں بتاتا ہے جو بڑے بڑے بیوقوفوں اور جاہلوں سے بھی صادر نہیں ہوتیں۔ بہر حال محض کسی غیر معمولی قابلیت کی وجہ سے دوسروں سے الگ ہونا اس کے جنون کی علامت نہیں ہوتا۔ بلکہ دیکھا یہ جاتا ہے کہ اس کے حالات کا تغیر بنی نوع انسان کے فائدہ کا موجب ہوا ہے یا نقصان کا موجب ہوا ہے۔ اگر فائدہ کا موجب ہو تو کوئی شخص اس تغیر کو جنون کا نتیجہ قرار نہیں دے سکتا۔ یہ کتنی سچی اور پختہ دلیل ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیش کی گئی اور پیش بھی ایسے موقع پر کی گئی جب ابھی وحی کے نزول کا ابتداء ہی ہوا تھا۔ میں تو سمجھتا ہوں یہ بھی قرآن کریم کا ایک زبردست معجزہ ہے کہ اس نے ابتداء وحی میں بھی اس اعتراض کا جواب دے دیا جو دشمنان اسلام نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کے متعلق کرنا تھا۔

اور ایسی حالت میں دے دیا جبکہ خود مکہ والوں کے سامنے بھی ابھی آپؐ نے اپنا دعویٰ پیش نہیں کیا تھا۔ سب لوگ تسلیم کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے سورۃ المدثر کی ابتدائی آیات کے نزول کے بعد مکہ والوں کے سامنے اپنا دعویٰ پیش کیا ہے۔ مگر ن والقلم کی ابتدائی آیات وہ ہیں جو اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ کے معاً بعد نازل ہوئیں گویا ابھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اپنی نبوت کا اعلان بھی نہیں ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے قبل از وقت یہ خبر دے دی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مجنون ہونے کا اعتراض کیا جائے گا۔ اور اگر پہلی وحی کے بعد کسی نے یہ اعتراض کیا بھی تھا تب بھی قرآن کریم نے پہلی وحی کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ دشمنوں کے اس اعتراض کا جواب دے دیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ جنون ہو گیا ہے۔ اور جواب بھی ایسا زبردست دیا کہ جس کا انکار نہیں ہو سکتا۔

آج کل کے سائیکالوجسٹ کہتے ہیں کہ غیر معمولی قابلیت جنون کی علامت ہوتی ہے۔ میں اس کا جواب اوپر دے چکا ہوں لیکن اگر اس جواب سے کسی کی تسلی نہ ہو تو میں کہتا ہوں کہ اگر غیر معمولی قابلیت جنون سے حاصل ہوتی ہے تو پھر ہم بھی خواہش کرتے ہیں کہ خدا کرے ہم بھی ایسے پاگل بن جائیں کیونکہ جب دنیا کی ترقی غیر معمولی قابلیت سے وابستہ ہے اور غیر معمولی قابلیت جنون کی علامت ہے تو پھر دنیا کی ترقی عقلمندوں سے نہیں بلکہ پاگلوں سے وابستہ ہے۔ اور وہی لوگ اس قابل ہیں کہ ان کا نمونہ بننے کی کوشش کی جائے۔" (تفسیر کبیر، سورۃ العلق، جلد ۹ صفحہ ۲۴۳ تا ۲۴۷)

بَاب ۲ : قَوْلُهُ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ (العلق:۳)

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا: (اور جس نے) انسان کو ایک خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا

٤٩٥٥ : حَدَّثَنَا ابْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ

۴۹۵۵: (یحییٰ) بن بکیر نے ہم سے بیان کیا کہ لیث (بن سعد) نے ہمیں بتایا، انہوں نے عقیل سے، عقیل نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے عروہ

أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ فَجَاءَهُ الْمَلَكُ فَقَالَ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ○ (العلق: ۲-۴).

سے روایت کی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں: پہلے پہل جو قسم وحی کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع ہوئی وہ اچھی خوابیں تھیں۔ پھر آپؐ کے پاس فرشتہ آیا اور اس نے کہا: اپنے ربّ کا نام لے کر پڑھ جس نے (سب اشیاء کو) پیدا کیا (اور جس نے) انسان کو ایک خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا (پھر ہم کہتے ہیں کہ قرآن کو) پڑھ کر سناتا رہ کیونکہ تیرا ربّ بڑا کریم ہے۔

أطرافه: ۳، ۳۳۹۲، ۴۹۵۳، ۴۹۵۶، ۴۹۵۷، ۶۹۸۲۔

تشریح: خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ: (اور جس نے) انسان کو ایک خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔
حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ: علق بغیر ہڈی کے گوشت کے کیڑے کو کہتے ہیں۔ انسان کی پیدائش کی ابتداء اس باریک کیڑے سے ہوتی ہے جو نطفہ مَنی میں ہوتا ہے۔ جس کو ڈاکٹری اصطلاح سپرموٹوزہ کہتے ہیں۔ ربوبیت کی ابتدائی کیفیت اور علق کی ابتدائی کمیت مساوی الحال ہوتے ہیں۔" (حقائق الفرقان، جلد ۴ صفحہ ۴۲۲)

بَاب ۳: قَوْلُهُ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ○ (العلق: ۴)

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا: پڑھ اور تیرا ربّ بڑا احسان کرنے والا ہے

۴۹۵۶: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ ح. وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ قَالَ مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرُّؤْيَا الصَّادِقَةُ جَاءَهُ الْمَلَكُ فَقَالَ:

۴۹۵۶: عبد اللہ بن محمد (مسندی) نے ہم سے بیان کیا کہ عبد الرزاق نے ہمیں بتایا۔ معمر نے ہمیں خبر دی۔ معمر نے زہری سے روایت کی۔ اور لیث (بن سعد) نے کہا: عقیل نے مجھے بتایا: محمد (بن شہاب) نے کہا: عروہ نے مجھے خبر دی، عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔ پہلے پہل جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شروع ہوئیں تو وہ سچی خوابیں

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ○ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ (العلق: ۲-۵).

تھیں۔ آپؐ کے پاس فرشتہ آیا اور اس نے کہا: اپنے ربّ کا نام لے کر پڑھ جس نے (سب اشیاء کو) پیدا کیا (اور جس نے) انسان کو ایک خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا (پھر ہم کہتے ہیں کہ قرآن کو) پڑھ کر سناتا رہ کیونکہ تیرا ربّ بڑا کریم ہے۔ وہ ربّ جس نے قلم کے ساتھ علم سکھایا (ہے اور آئندہ بھی سکھائے گا۔)

أطرافه: ۳، ۳۳۹۲، ۴۹۵۳، ۴۹۵۵، ۴۹۵۷، ۶۹۸۲۔

تشریح: اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ: پڑھ اور تیرا رب بڑا احسان کرنے والا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ" اکرم کے لفظ میں پیشگوئی فرمائی کہ آپ مکرم ومعظم ہو جائیں گے۔" (حقائق الفرقان، جلد ۴ صفحہ ۴۲۲)

بَاب: الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ (العلق: ۵)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) وہ ربّ جس نے قلم کے ساتھ علم سکھایا (ہے اور آئندہ بھی سکھائے گا)

٤٩٥٧: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ سَمِعْتُ عُرْوَةَ قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا فَرَجَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى خَدِيجَةَ فَقَالَ زَمِّلُونِي زَمِّلُونِي فَذَكَرَ الْحَدِيثَ.

۴۹۵۷: عبد اللہ بن یوسف نے ہم سے بیان کیا کہ لیث نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے عقیل سے، عقیل نے ابن شہاب سے روایت کی۔ اُنہوں نے کہا: میں نے عروہ سے سنا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں: پھر نبی ﷺ حضرت خدیجہؓ کے پاس لوٹ آئے۔ پھر فرمایا: مجھے کپڑا اُوڑھاؤ، مجھے کپڑا اُوڑھاؤ۔ پھر یہی حدیث بیان کی۔

أطرافه: ۳، ۳۳۹۲، ۴۹۵۳، ۴۹۵۵، ۴۹۵۶، ۶۹۸۲۔

تشریح: الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ: وہ ربّ جس نے قلم کے ساتھ علم سکھایا (ہے اور آئندہ بھی سکھائے گا۔)

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ: عرب ایک ایسا جزیرہ تھا کہ اسلام سے پہلے کوئی تاریخ نہیں

بتا سکتی کہ وہاں سے کوئی کتاب تصنیف ہوئی ہو۔ ایسی عظیم الشان ربوبیت ہوئی کہ اسلام کی کتابوں کو اب کوئی گن بھی نہیں سکتا۔" (حقائق الفرقان، جلد ۴ صفحہ ۴۲۲)

بَاب ٤

كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ○ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ○

(العلق: ١٦، ١٧)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) جس طرح وہ چاہتا ہے اس طرح نہیں ہوگا بلکہ اگر وہ (اپنے اس کام سے) باز نہ آیا تو ہم اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر زور سے گھسیٹیں گے۔ ایسی پیشانی کی چوٹی جو جھوٹی ہے اور وہ خطاکار بھی ہے۔

٤٩٥٨: حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ الْجَزَرِيِّ عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ أَبُو جَهْلٍ لَئِنْ رَأَيْتُ مُحَمَّدًا يُصَلِّي عِنْدَ الْكَعْبَةِ لَأَطَأَنَّ عَلَى عُنُقِهِ فَبَلَغَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَوْ فَعَلَهُ لَأَخَذَتْهُ الْمَلَائِكَةُ. تَابَعَهُ عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ.

۴۹۵۸: یحيٰ (بن موسیٰ) نے ہم سے بیان کیا کہ عبدالرزاق نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے معمر سے، معمر نے عبدالکریم جزری سے، عبدالکریم نے عکرمہ سے روایت کی۔ (انہوں نے کہا:) حضرت ابن عباسؓ کہتے تھے: ابوجہل نے کہا: اگر میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کعبہ کے پاس نماز پڑھتے دیکھ پایا تو میں اس کی گردن کچل ڈالوں گا۔ یہ خبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچی تو آپؐ نے فرمایا: اگر وہ ایسا کرتا تو فرشتے اس کو پکڑ لیتے۔ (عبدالرزاق کی طرح) عمرو بن خالد نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ انہوں نے عبیداللہ (بن عمرو رَقی) سے، عبیداللہ نے عبدالکریم سے روایت کیا۔

تشریح: كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ: اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ پر ظلم کرنے والوں کے بدانجام کی خبر دی گئی ہے جو جنگ بدر و دیگر غزوات میں

بطورِ سزا ان پر وارد ہوئی اور دراصل اس میں اللہ تعالیٰ کی اس سنتِ مستمرہ کا ذکر ہے جو ہمیشہ مخالفینِ انبیاء کے ساتھ کار فرما دکھائی دیتی ہے۔ فرمایا: جس طرح یہ لوگ ہمارے بندوں کو ان کے بال پکڑ پکڑ کر گھسیٹتے ہیں اسی طرح ہم بھی ان کے بالوں سے ان کو گھسیٹیں گے مگر ہمارا یہ فعل ظالمانہ نہیں ہوگا بلکہ ان کے ظلم کی سزا کے طور پر ہوگا جیسا کہ قرآنِ مجید ایک دوسری جگہ فرماتا ہے: جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (الشوریٰ:۴۱) بدی کا بدلہ اتنی ہی بدی ہوتی ہے۔ (ترجمہ تفسیر صغیر)

۹۷۔ سُورَۃُ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ

يُقَالُ الْمَطْلَعُ هُوَ الطُّلُوعُ وَالْمَطْلِعُ الْمَوْضِعُ الَّذِي يُطْلَعُ مِنْهُ. اَنۡزَلۡنٰہُ (القدر:۲) الْهَاءُ كِنَايَةٌ عَنِ الْقُرْآنِ، اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ (القدر:۲) خَرَجَ مَخْرَجَ الْجَمِيعِ وَالْمُنْزِلُ هُوَ اللّٰهُ تَعَالَى وَالْعَرَبُ تُوَكِّدُ فِعْلَ الْوَاحِدِ فَتَجْعَلُهُ بِلَفْظِ الْجَمِيعِ لِيَكُونَ أَثْبَتَ وَأَوْكَدَ.

اَلْمَطْلَع کے معنی طلوع کرنے کے کیے جاتے ہیں اور مَطْلِع وہ جگہ ہے جہاں سے وہ طلوع کرتا ہے۔ اَنۡزَلۡنٰہُ میں "ہ" قرآن کی طرف اشارہ ہے۔ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ میں "نا" جمع کا صیغہ ہے حالانکہ اُتارنے والا وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے اور عرب کبھی مفرد کے فعل میں اس طرح بھی زور دیتے ہیں کہ اس کے لفظ کو جمع کر دیتے ہیں تا کہ اس کے معنی زیادہ مضبوط اور تاکیدی ہوں۔

تشریح: سُورَۃُ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ: اس سے ماقبل سورہ علق ہے، جس سے قرآنی وحی کا آغاز ہوا ہے۔ سورۂ قدر میں یہ خوش خبری دی گئی ہے کہ وہ ہر قسم کی اندھیری راتوں کو روشن کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اور یہ اس فانی فی اللہ کی ان اندھیری راتوں کی دعاؤں کا ثمرہ ہے جو قرآنِ کریم کی صورت میں ظاہر ہوا یہ وہ نور ہے جو ہر سو روشنی پھیلاتا چلا جائے گا۔ پس ایسی رات کی ایک گھڑی اگر کسی شخص کو نصیب ہو جائے تو اس کی ساری عمر کی جدوجہد سے بہتر ہے۔

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ میں "نا" جمع کا صیغہ ہے۔ عرب واحد کے لیے جمع کا صیغہ تاکید کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ ابوعبیدہ کا قول ہے۔ اور ابنِ تین کہتے ہیں نحویوں کے نزدیک یہ تعظیم کے لیے ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۹۲۶)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"ہم نے اس کتاب اور اس نبی کو لیلۃ القدر میں اتارا ہے اور تو جانتا ہے کہ لیلۃ القدر کیا چیز ہے لیلۃ القدر ہزار مہینہ سے بہتر ہے اس میں فرشتے اور روح القدس اپنے ربّ کے اذن سے اترتے ہیں۔ اور وہ ہر یک امر میں سلامتی کا وقت ہوتا ہے یہاں تک کہ فجر ہو۔ اب اگرچہ مسلمانوں کے ظاہری عقیدہ کے موافق لیلۃ القدر ایک متبرک رات کا نام ہے مگر جس حقیقت پر خدا تعالیٰ نے مجھ کو مطلع کیا ہے وہ یہ ہے کہ علاوہ ان معنوں کے جو مسلم قوم ہیں لیلۃ القدر وہ زمانہ بھی ہے جب دنیا میں ظلمت پھیل جاتی ہے اور ہر طرف تاریکی ہی تاریکی ہوتی ہے تب وہ تاریکی بالطبع

تقاضا کرتی ہے کہ آسمان سے کوئی نور نازل ہو۔ سو خدا تعالیٰ اس وقت اپنے نورانی ملائکہ اور روح القدس کو زمین پر نازل کرتا ہے۔ اسی طور کے نزول کے ساتھ جو فرشتوں کی شان کے ساتھ مناسب حال ہے تب روح القدس تو اس مجدّد اور مصلح سے تعلّق پکڑتا ہے جو اجتبا اور اصطفا کی خلعت سے مشرف ہو کر دعوت حق کے لئے مامور ہوتا ہے اور فرشتے ان تمام لوگوں سے تعلق پکڑتے ہیں جو سعید اور رشید اور مستعد ہیں اور ان کو نیکی کی طرف کھینچتے ہیں اور نیک توفیقیں ان کے سامنے رکھتے ہیں تب دنیا میں سلامتی اور سعادت کی راہیں پھیلتی ہیں اور ایسا ہی ہوتا رہتا ہے جب تک دین اپنے اس کمال کو پہنچ جائے جو اس کے لئے مقدر کیا گیا ہے۔“

(شہادۃ القرآن، روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۳۱۳، ۳۱۴)

۹۸- سُورَةُ لَمْ يَكُنْ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام کے ساتھ جو رحمٰن اور رحیم ہے

مُنْفَكِّيْنَ (البينة: ٢) زَائِلِينَ، قَيِّمَةٌ (البينة: ٤) الْقَائِمَةُ، دِيْنُ الْقَيِّمَةِ (البينة: ٦) أَضَافَ الدِّينَ إِلَى الْمُؤَنَّثِ.

مُنْفَكِّيْنَ کے معنی ہیں ہٹنے والے۔ قَيِّمَةٌ کے معنی ہیں پائیدار۔ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ میں دین کو مؤنث کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔

تشریح: سُورَةُ لَمْ يَكُنْ: گذشتہ سورۃ میں بتایا گیا تھا کہ ہر نبی کو اپنے زمانے میں لیلۃ القدر عطا کی جاتی ہے جس میں ایک بڑا حصہ اس قوم اور زمانے سے تعلق رکھتا ہے اور کچھ دائمی صداقتیں ہیں جو ہمیشہ کے لیے قائم رہنے والی ہیں۔ مگر اب قرآنِ کریم کی صورت میں ایک ایسی بینہ آگئی ہے جو قیامت تک کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے کافی ہے۔

مُنْفَكِّيْنَ اِنْفَكَّ سے اسم فاعل جمع کا صیغہ ہے اور اِنْفَكَّ فَكَّ سے انفعال کا صیغہ ہے فَكَّ کے اصل معنے کھولنے یا جدا کرنے کے ہوتے ہیں۔ پس اِنْفَكَّ کے معنے ہوئے کھل گیا یا جدا ہو گیا۔ اور جب محاورہ میں مَا انْفَكَّ يَفْعَلُ كَذَا کہیں تو اس کے معنے ہوتے ہیں مَازَالَ وہ کوئی کام کرتا چلا گیا ان معنوں میں مَا انْفَكَّ، كَانَ کے اخوات میں شمار ہوتا ہے چونکہ اِنْفَكَّ کے معنے الگ ہو جانے کے ہیں اس لئے جب اس سے پہلے نفی آجائے تو اس کے معنے اثبات کے بن جاتے ہیں اور اس صورت میں وہ کسی چیز کے تسلسل کے ساتھ ہونے کے معنے دیتا ہے۔ (اقرب الموارد۔ فكك)

قَيِّمَةٌ: اَلْقَيِّمُ عَلَى الْاَمْرِ۔ مُتَوَلِّيْهِ یعنی جب یہ کہا جائے کہ فلاں کام پر فلاں شخص قیّم ہے تو اس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ وہ اُس کا متولی ہے۔ اور اگر کوئی عورت متولّیہ ہو تو اُسے قَيِّمَةٌ کہا جائے گا۔ وَالْقَيِّمَةُ اَلدِّيَانَةُ الْمُسْتَقِيْمَةُ یعنی اَلْقَيِّمَةُ کے ایک معنے ایسے مذہب کے بھی ہوتے ہیں جس میں کوئی کجی نہ پائی جاتی ہو۔ (اقرب الموارد۔ قوم)

دِيْنُ الْقَيِّمَةِ میں دین کو مؤنث کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ علامہ عینی لکھتے ہیں کہ یہاں دین سے مراد ملت ہے اور اَلْقَيِّمَةُ اس کی صفت بیان کی گئی ہے۔ (عمدۃ القاری جزء ۱۹ صفحہ ۳۰۹)

باب ۱

٤٩٥٩: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأُبَيٍّ إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَنِي أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْكَ لَمْ يَكُنِ

۴۹۵۹: محمد بن بشار نے ہم سے بیان کیا کہ غندر نے ہمیں بتایا، (انہوں نے کہا:) شعبہ نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: میں نے قتادہ سے سنا، اُنہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُبَیّ

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا(البينة:٢) قَالَ وَسَمَّانِي قَالَ نَعَمْ فَبَكَى.

أطرافُه: ٣٨٠٩، ٤٩٦٠، ٤٩٦١-

(بن کعبؓ) سے فرمایا: اللہ نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ تمہارے سامنے لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ سورۃ پڑھوں۔ حضرت اُبَیّ بن کعبؓ نے پوچھا: اللہ نے میرا نام لیا تھا؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں۔ وہ یہ سن کر رو پڑے۔

باب ۲

٤٩٦٠: حَدَّثَنَا حَسَّانُ بْنُ حَسَّانَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأُبَيٍّ إِنَّ اللهَ أَمَرَنِي أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ قَالَ أُبَيٌّ آللهُ سَمَّانِي لَكَ قَالَ اللهُ سَمَّاكَ لِي فَجَعَلَ أُبَيٌّ يَبْكِي. قَالَ قَتَادَةُ فَأُنْبِئْتُ أَنَّهُ قَرَأَ عَلَيْهِ لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ (البينة:٢).

أطرافُه: ٣٨٠٩، ٤٩٥٩، ٤٩٦١-

۴۹۶۰: حسان بن حسان نے ہم سے بیان کیا کہ ہمام نے ہمیں بتایا، انہوں نے قتادہ سے، قتادہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی، انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُبَیؓ سے فرمایا کہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے سامنے قرآن پڑھوں۔ حضرت اُبَیؓ نے کہا: کیا اللہ نے آپؐ سے میرا نام لیا تھا؟ آپؐ نے فرمایا: اللہ نے تمہارا نام لے کر مجھے فرمایا۔ یہ سن کر حضرت اُبَیؓ رونے لگے۔ قتادہ کہتے تھے اور مجھے یہ بتایا گیا کہ آپؐ نے ان کیلئے یہ سورۃ پڑھی: لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ہے یعنی اہلِ کتاب (اپنے کفر سے باز رہنے والے) نہ تھے۔

باب ۳

٤٩٦١: حَدَّثَنَا احْمَدُ بْنُ أَبِي دَاوِدَ أَبُو جَعْفَرٍ الْمُنَادِي حَدَّثَنَا رَوْحٌ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ إِنَّ اللهَ

۴۹۶۱: احمد بن ابی داؤد ابوجعفر منادی نے ہم سے بیان کیا کہ روح (بن عبادہ) نے ہمیں بتایا کہ سعید بن ابی عروبہ نے ہمیں بتایا، انہوں نے قتادہ سے، قتادہ نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کی کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُبَیّ

أَمَرَنِي أَنْ أُقْرِئَكَ الْقُرْآنَ. قَالَ أَاللّٰهُ سَمَّانِي لَكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ وَقَدْ ذُكِرْتُ عِنْدَ رَبِّ الْعَالَمِينَ قَالَ نَعَمْ فَذَرَفَتْ عَيْنَاهُ.

بن کعبؓ سے فرمایا: اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں قرآن پڑھ کر سناؤں۔ حضرت اُبَیؓ نے کہا: کیا اللہ نے میرا نام لے کر آپؐ سے فرمایا؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں۔ حضرت اُبَیؓ نے کہا: کیا رب العالمین کے پاس میرا بھی ذکر کیا گیا تھا؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں۔ یہ سن کر ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

أطرافه: ۳۸۰۹، ۴۹۵۹، ۴۹۶۰۔

تشریح: قَالَ وَسَمَّانِي قَالَ نَعَمْ: حضرت اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ کا باب نمبر ۱ تا ۳ میں وہ مقام بیان کیا گیا ہے جو خدا کی نظر میں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ اُبَیؓ کو اس سورۃ کی یہ آیات پڑھ کر سنائیں۔ حضرت اُبَیؓ نے پوچھا کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا تھا آپؐ نے فرمایا ہاں اس پر وہ آبدیدہ ہوگئے کہ میری یہ خوش نصیبی کہ اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا ہے۔ یہ بنو نجار میں سے تھے اور سابقین اوّلین میں سے تھے۔ بیعت عقبہ اور غزوہ بدر میں شریک ہوئے اور ان کے بعد باقی غزوات میں بھی۔ ۳۰ھ میں فوت ہوئے۔ ان کا شمار قُرّاءِ اربعہ اور فقہاء اہل مدینہ میں ہوتا ہے۔ (فتح الباری جزء۷ صفحہ ۱۶۰، ۱۶۱)

اَحْمَدُ بْنُ أَبِي دَاوُدَ أَبُو جَعْفَرٍ الْمُنَادِي: فربری کے نسخے میں یہ روایت امام بخاری کے شیخ احمد بن ابی داؤد ابوجعفر المنادی سے ہے جبکہ النسفی میں صرف ابوجعفر منادی مذکور ہے، جس کا مطلب ہے کہ احمد نام امام بخاری کے شاگردوں میں سے صرف فربری نے بیان کیا ہے جو کہ درست نہیں۔ امام بخاری کے اس شیخ کا نام محمد بن عبید اللہ بن یزید تھا اور ابوداؤد ان کے والد کی کنیت تھی بعض نے کہا ہے کہ محمد اور احمد امام بخاری کے ایک ہی شیخ کے دو نام ہیں، مگر یہ درست نہیں نیز بعض کے نزدیک ابوجعفر جو امام بخاری کے شیخ ہیں ان کے بھائی کا نام احمد تھا اور امام بخاری نے یہاں ان سے روایت لی ہے۔ لیکن شارحین کے نزدیک یہ بات بھی درست نہیں ہے۔ امام بخاری کے اس شیخ یعنی محمد بن ابی داؤد ابوجعفر المنادی کی بخاری میں اس روایت کے علاوہ اور کوئی روایت نہیں ان کی عمر ایک سو ایک سال اور چند ماہ بیان کی گئی ہے۔ اور یہ امام بخاری کے بعد سولہ سال تک زندہ رہے۔ ان سے ایسے لوگوں نے بھی روایت کی ہے جنہوں نے امام بخاری کا زمانہ نہیں پایا۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ امام بخاری کے اس شیخ یعنی ابوجعفر سے یہی حدیث من وعن ابوعمرو بن سماک نے روایت کی ہے جبکہ امام بخاری ابوعمرو بن سماک سے اٹھاسی سال پہلے فوت ہو چکے تھے۔ یہ سابق ولاحق کی عجیب وغریب مثال ہے۔ امام بخاری سابق شاگرد ہیں اور ابوعمرو بن سماک لاحق شاگرد ہیں۔ ابوعمرو اور امام بخاری کے درمیان اٹھاسی سال کا فرق ہے۔ دراصل امام بخاری اور ابوعمرو کا اس شیخ یعنی ابوجعفر المنادی میں اشتراک ہوا ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۹۲۷، ۹۲۸)

۹۹- سُورَةُ إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اللہ کے نام کے ساتھ جو رحمٰن اور رحیم ہے

تشریح: سُورَةُ إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا: حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”اس سورت کے آغاز میں ذکر فرمایا گیا ہے کہ زمین اپنے بوجھ باہر نکال پھینکے گی اور اسی تسلسل میں آخر پر فرمایا کہ محض بوجھل نیکیوں یا بدیوں کا ہی حساب نہیں لیا جائے گا بلکہ اگر کسی نے نیکی کا چھوٹے سے چھوٹا ذرّہ بھی سرانجام دیا ہو تو وہ اس کی جزا دیکھے گا اور چھوٹے سے چھوٹا ذرّہ بدی کا اگر کیا ہو تو وہ اس کی سزا بھی دیکھے گا۔“ (ترجمہ قرآنِ کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تعارف سورۃ الزلزال صفحہ نمبر ۱۱۹۹)

بَاب ۱: قَوْلُهُ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ (الزلزال:۸)

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا: جس نے ذرہ بھر بھی نیکی کی وہ اس کو دیکھ لے گا

يُقَالُ أَوْحَى لَهَا (الزلزال:٦) وَأَوْحَى إِلَيْهَا وَوَحَى لَهَا وَوَحَى إِلَيْهَا وَاحِدٌ.

کہا جاتا ہے کہ أَوْحَى لَهَا بمعنی أَوْحَى إِلَيْهَا ہے اور وَحَى لَهَا اور وَحَى إِلَيْهَا یہ ایک ہی ہیں۔ یعنی اس نے اسے وحی کی۔

٤٩٦٢: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْخَيْلُ لِثَلَاثَةٍ لِرَجُلٍ أَجْرٌ وَلِرَجُلٍ سِتْرٌ وَعَلَى رَجُلٍ وِزْرٌ فَأَمَّا الَّذِي لَهُ أَجْرٌ فَرَجُلٌ رَبَطَهَا فِي سَبِيلِ اللهِ فَأَطَالَ لَهَا فِي مَرْجٍ أَوْ رَوْضَةٍ فَمَا أَصَابَتْ

۴۹۶۲: اسماعیل بن عبداللہ نے ہم سے بیان کیا کہ مالک نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے زید بن اسلم سے، زید نے ابوصالح سمان سے، ابوصالح نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گھوڑے تین قسم کے لوگوں کے لیے ہوتے ہیں۔ کسی شخص کے لئے اجر کا موجب اور کسی شخص کے لئے پردہ پوشی کا موجب اور کسی شخص کے لئے گناہ کا موجب۔ جس کو تو ثواب ملتا ہے وہ شخص ہے جس نے اللہ کی راہ میں ان کو

فِي طِيَلِهَا ذَلِكَ فِي الْمَرْجِ وَالرَّوْضَةِ كَانَ لَهُ حَسَنَاتٍ وَلَوْ أَنَّهَا قَطَعَتْ طِيَلَهَا فَاسْتَنَّتْ شَرَفًا أَوْ شَرَفَيْنِ كَانَتْ آثَارُهَا وَأَرْوَاثُهَا حَسَنَاتٍ لَهُ وَلَوْ أَنَّهَا مَرَّتْ بِنَهَرٍ فَشَرِبَتْ مِنْهُ وَلَمْ يُرِدْ أَنْ يَسْقِيَ بِهِ كَانَ ذَلِكَ حَسَنَاتٍ لَهُ فَهِيَ لِذَلِكَ الرَّجُلِ أَجْرٌ وَرَجُلٌ رَبَطَهَا تَغَنِّيًا وَتَعَفُّفًا وَلَمْ يَنْسَ حَقَّ اللهِ فِي رِقَابِهَا وَلَا ظُهُورِهَا فَهِيَ لَهُ سِتْرٌ وَرَجُلٌ رَبَطَهَا فَخْرًا وَرِئَاءً وَنِوَاءً فَهِيَ عَلَى ذَلِكَ وِزْرٌ فَسُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْحُمُرِ قَالَ مَا أُنْزِلَ عَلَيَّ فِيهَا إِلَّا هَذِهِ الْآيَةَ الْفَاذَّةَ الْجَامِعَةَ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ○ وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ○ (الزلزال:۸، ۹)

باندھے رکھا اور چراگاہ یا باغ میں ان کی رسی لمبی کردی تو انہوں نے رسی کی لمبائی میں جو کچھ اس چراگاہ یا باغ سے چرا تو اس قدر اس کے لئے نیکیاں ہوں گی۔ اگر وہ اپنی رسی توڑ کر ایک دو میل کو دتے پھاندتے بھاگ جائیں تو ان کے قدموں کے نشان ان کی لید یہ بھی اس شخص کے لئے نیکی کا موجب ہوگی اور اگر وہ کسی ندی سے گزریں اور پانی پئیں اور وہ پانی نہ پلانا چاہتا ہو تو یہ بھی اس کے لئے نیکیوں کا موجب ہو گا۔ اس لئے یہ گھوڑے ایسے شخص کے لئے ثواب کا موجب ہیں اور ایک وہ شخص ہے جس نے ان کو روپیہ کمانے یا مانگنے سے بچنے کے لئے باندھا اور اللہ کے اس حق کو نہ بھولا جو کہ ان کی گردنوں میں ہے اور نہ اس حق کو جو ان کی پیٹھوں میں ہے تو یہ گھوڑے اس کے لئے پردہ پوشی کا موجب ہوں گے اور وہ شخص جس نے ان کو فخر اور دکھلاوے اور ضد بضدی مقابلہ کرنے کی وجہ سے باندھا تو وہ اس کے لئے عذاب کا موجب ہوں گے۔ اور رسول اللہ ﷺ سے گدھوں کے متعلق پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا: ان کے متعلق سوائے اس اکیلی آیت کے جو سب پر حاوی ہے مجھ پر اور کچھ نازل نہیں ہوا۔ یعنی پھر جس نے ایک ذرہ کے برابر (بھی) نیکی کی ہوگی وہ اس (کے نتیجہ) کو دیکھ لے گا۔ اور جس نے ایک ذرہ کے برابر بھی بدی کی ہو گی وہ اس (کے نتیجہ) کو دیکھ لے گا۔

أطرافه: ۲۳۷۱، ۲۸٦۰، ۳٦٤٦، ٤۹٦۳، ۷۳٥٦۔

بَاب ۲: وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ○ (الزلزال: ۹)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا:) جس نے ذرہ بھر بھی بدی کی وہ اس کو دیکھ لے گا

٤٩٦٣: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْحُمُرِ فَقَالَ لَمْ يُنْزَلْ عَلَيَّ فِيهَا شَيْءٌ إِلَّا هٰذِهِ الْآيَةُ الْجَامِعَةُ الْفَاذَّةُ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ○ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ○.

(الزلزال: ۸، ۹)

۴۹۶۳: یحيٰ بن سلیمان نے ہم سے بیان کیا انہوں نے کہا: (عبد اللہ) بن وہب نے مجھے بتایا۔ انہوں نے کہا: مالک نے مجھے خبر دی۔ مالک نے زید بن اسلم سے، زید نے ابوصالح سمان سے، ابوصالح نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ (انہوں نے کہا:) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گدھوں کے متعلق پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا: ان کے متعلق مجھ پر کچھ نازل نہیں کیا گیا سوائے اس اکیلی آیت کے جو جامع ہے۔ یعنی پھر جس نے ایک ذرہ کے برابر (بھی) نیکی کی ہوگی وہ اس (کے نتیجہ) کو دیکھ لے گا۔ اور جس نے ایک ذرہ کے برابر بھی بدی کی ہوگی وہ اس (کے نتیجہ) کو دیکھ لے گا۔

أطرافه: ٢٣٧١، ٢٨٦٠، ٣٦٤٦، ٤٩٦٢، ٧٣٥٦۔

تشریح: فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ: جس نے ذرہ بھر بھی نیکی کی وہ اس کو دیکھ لے گا۔
حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”یہ آیت نہایت اہم ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کی نسبت فرماتے ہیں (آپؐ سے گدھوں کے بارہ میں پوچھا گیا کہ ان کے رکھنے کا کیا ثواب ہے تو فرمایا مَا انْزَلَ اللهُ فِيهَا شَيْئًا إِلَّا هٰذِهِ الْآيَةَ الْفَاذَّةَ الْجَامِعَةَ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ، وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ، فَاذَّةٌ کے معنے ہیں منع کرنے والی اور جَامِعَةٌ کے معنے ہیں سمیٹنے والی یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس بارہ میں مجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ایک فاذہ اور جامعہ آیت نازل ہو چکی ہے کہ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ، وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ یعنی ہر

چیز جس کو نکالنا مقصود ہے اس کو اس آیت کے ذریعہ نکال دیا گیا ہے اور ہر چیز جس کو سمیٹنا مقصود ہے اس کو اس آیت کے ذریعہ سمیٹ لیا گیا ہے۔ گویا یہ آیت جزائے خیر و شر کے متعلق ایک جامع مانع قاعدہ پر مشتمل ہے۔ جزائے خیر اور جزائے شر سے تعلق رکھنے والی کوئی بات نہیں جو اس میں بیان نہ کی گئی ہو۔“

(تفسیر کبیر، سورۃ الزلزال، فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرًا يَّرَهٗ ○ وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ...، جلد ۹ صفحہ ۴۵۹)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”ہمارے علماء نے جو ظاہری طور پر اس سورۃ الزلزال کی یہ تفسیر کی ہے کہ درحقیقت زمین کو آخری دنوں میں سخت زلزلہ آئے گا اور وہ زلزلہ ایسا ہو گا کہ تمام زمین اُس سے زیروزبر ہو جائے گی اور جو زمین کے اندر چیزیں ہیں وہ سب باہر آجائیں گی اور انسان یعنی کافر لوگ زمین کو پوچھیں گے کہ تجھے کیا ہوا تب اُس روز زمین باتیں کرے گی اور اپنا حال بتائے گی۔ یہ سراسر غلط تفسیر ہے کہ جو قرآن شریف کے سیاق و سباق سے مخالف ہے۔ اگر قرآن شریف کے اس مقام پر بنظر غور تدبّر کرو تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں سورتیں یعنی سورۃ البیّنہ اور سورۃ الزلزال، سورۃ لیلۃ القدر کے متعلق ہیں اور آخری زمانہ تک اس کا کل حال بتلا رہی ہیں ماسوا اِس کے کہ ہر یک عقل سلیم سوچ سکتی ہے کہ ایسے بڑے زلزلہ کے وقت میں کہ جب ساری زمین تہ و بالا ہو جائے گی ایسے کافر کہاں زندہ رہیں گے۔ جو زمین سے اُس کے حالات استفسار کریں گے کیا ممکن ہے کہ زمین تو ساری زیروزبر ہو جائے یہاں تک کہ اُوپر کا طبقہ اندر اور اندر کا طبقہ باہر آجائے اور پھر لوگ زندہ بچ رہیں بلکہ اس جگہ زمین سے مراد زمین کے رہنے والے ہیں اور یہ عام محاورہ قرآن شریف کا ہے کہ زمین کے لفظ سے انسانوں کے دل اور ان کے باطنی قویٰ مراد ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ جل شانہٗ ایک جگہ فرماتا ہے: اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ يُحۡىِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا (الحدید:۱۸) [1] اور جیسا کہ فرماتا ہے: وَالۡبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخۡرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذۡنِ رَبِّهٖ‌ ۚ وَالَّذِىۡ خَبُثَ لَا يَخۡرُجُ اِلَّا نَكِدًا (الاعراف:۵۹) [2]

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”جان لو کہ اللہ زمین کو اس کی موت کے بعد ضرور زندہ کرتا ہے۔“

[2] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”اور پاک مُلک (وہ ہوتا ہے کہ) اس کا سبزہ اس کے ربّ کے اِذن سے (پاک ہی) نکلتا ہے اور جو ناپاک ہو (اس میں) کچھ نہیں نکلتا مگر ردّی (چیز)“

ایسا ہی قرآن شریف میں بیسیوں نظیریں موجود ہیں جو پڑھنے والوں پر پوشیدہ نہیں۔ ماسوا اس کے روحانی واعظوں کا ظاہر ہونا اور ان کے ساتھ فرشتوں کا آنا ایک روحانی قیامت کا نمونہ ہوتا ہے جس سے مردوں میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے اور جو قبروں کے اندر ہیں وہ باہر آجاتے ہیں اور نیک اور بد لوگ اپنی سزا جزا پا لیتے ہیں سو اگر سورۃ الزلزال کو قیامت کے آثار میں سے قرار دیا جائے تو اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ ایسا وقت روحانی طور پر ایک قسم کی قیامت ہی ہوتی ہے خدائے تعالیٰ کے تائید یافتہ بندے قیامت کا ہی رُوپ بن کر آتے ہیں اور انہیں کا وجود قیامت کے نام سے موسوم ہو سکتا ہے جن کے آنے سے روحانی مردے زندہ ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور نیز اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ جب ایسا زمانہ آجائے گا کہ تمام انسانی طاقتیں اپنے کمالات کو ظاہر کر دکھائیں گی اور جس حد تک بشری عقول اور افکار کا پرواز ممکن ہے اُس حد تک وہ پہنچ جائیں گی اور جن مخفی حقیقتوں کو ابتدا سے ظاہر کرنا مقدّر ہے وہ سب ظاہر ہو جائیں گی تب اس عالم کا دائرہ پورا ہو کر یک دفعہ اس کی صف لپیٹ دی جائے گی۔ كُلُّ شَيْءٍ فَانٍ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ" (ازالہ اوہام حصہ اول، روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۱۶۶ تا ۱۶۹)

۱۰۰- سُورَةُ وَالْعٰدِيٰتِ، وَالْقَارِعَة[1]

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: لَكَنُوْدٌ (العٰدیٰت:۷) الْكَفُورُ يُقَالُ فَأَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا (العٰدیٰت:۵) رَفَعْنَ بِهٖ غُبَارًا، لِحُبِّ الْخَيْرِ (العٰدیٰت:۹) مِنْ أَجْلِ حُبِّ الْخَيْرِ، لَشَدِيْدٌ (العٰدیٰت:۹) لَبَخِيلٌ وَيُقَالُ لِلْبَخِيلِ شَدِيدٌ، حُصِّلَ (العٰدیٰت:۱۱) مُيِّزَ.

اور مجاہد نے کہا: لَكَنُوْدٌ کے معنی ہیں ناشکرا۔ فَأَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا کے یہ معنی کیے جاتے ہیں کہ وہ اس (صبح کے وقت) میں دھول اُڑاتے ہیں۔ لِحُبِّ الْخَيْرِ کے معنی ہیں مال کی محبت کی وجہ سے۔ لَشَدِيْدٌ کے معنی ہیں بہت ہی بخیل ہے۔ بخیل کو شَدِيدٌ بھی کہا جاتا ہے۔ حُصِّلَ کے معنی ہیں جدا کیا جائے گا، ممتاز کر دیا جائے گا۔

تشریح: سُورَةُ وَالْعٰدِيٰتِ: سورۃ عادیٰت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کی ان دفاعی جنگوں کا ذکر ہے۔ جو دشمن کی طرف سے آپؐ پر مسلط کی گئیں جن میں آپؐ اور آپؐ کے صحابہؓ نے شب خون کرنے سے احتراز کیا جس سے ان کی بہادری اور توکل علی اللہ نظر آتا ہے نیز اس سورۃ میں یہ بھی پیغام ہے کہ دنیا میں کی جانے والی ساری جنگوں کا مرکزی نقطہ حصولِ مال ہوتا تھا اور آج بھی یہی ہے۔ مگر اسلامی جنگوں کے مقاصد میں قرآنِ کریم بیان فرماتا ہے: ”اُن لوگوں کو جن کے خلاف قتال کیا جارہا ہے (قتال کی) اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم کیے گئے۔ اور یقیناً اللہ ان کی مدد پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ (یعنی) وہ لوگ جنہیں ان کے گھروں سے ناحق نکالا گیا محض اس بناء پر کہ وہ کہتے تھے کہ اللہ ہمارا ربّ ہے اور اگر اللہ کی طرف سے لوگوں کا دفاع ان میں سے بعض کو بعض دوسروں سے بھڑا کر نہ کیا جاتا تو راہب خانے منہدم کر دیئے جاتے اور گرجے بھی اور یہود کے معابد بھی اور مساجد بھی جن میں بکثرت اللہ کا نام لیا جاتا ہے اور یقیناً اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کرتا ہے۔ یقیناً اللہ بہت طاقتور (اور) کامل غلبہ والا ہے۔“

(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، سورۃ الحج: ۴۰، ۴۱ صفحہ ۵۶۸)

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”اس سورۃ شریفہ کا مضمون شریف الطبع گھوڑے کی وفاداری اور اس کے بالمقابل انسان کی بیوفائی اور اس پژمردہ دلوں سے پروردگار کی طرف سے مناقشہ ہے۔ ترتیبِ آیات میں وفاداری کی تدریجی ترقیات کو دکھایا ہے۔“ (حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۴۴۲)

---

[1] فتح الباری مطبوعہ بولاق میں اس جگہ لفظ وَالْقَارِعَة نہیں ہے۔ یہاں فتح الباری مطبوعہ دارالسلام کا متن ہونے کی وجہ سے درج کیا گیا ہے۔ (فتح الباری جزء ۸ حاشیہ صفحہ ۹۲۹)

نیز فرمایا:

”عَادِیَہ کی جمع عَادِیَات ہے۔ عَادِیَہ عَدْو سے مشتق ہے۔ عَدْو کے معنے دوڑنے کے ہیں۔ جمع میں و۔ی سے بدل گئی۔“ (حقائق الفرقان جلد۴ صفحہ ۴۴۲)

نیز فرمایا:

”عادیات، مُوریات وغیرہ ہر فعل کو جمع کے صیغہ سے بیان فرما کر آخر بھی جَمْعًا فرمایا۔ اس تاکید میں یہ اشارہ ہے کہ جس جماعت کا شیرازہ کمزور ہے۔ وہ جماعت فاتح نہیں ہوسکتی۔“ (حقائق الفرقان جلد۴ صفحہ ۴۴۳)

لَكَنُوْد: مجاہد نے کہا لَكَنُوْد کے معنی ہیں ناشکرا۔ قریش کی زبان میں کنود سے مراد ناشکرا اور کنانہ کی زبان میں بخیل اور کندہ کی زبان میں گناہ گار کو کہتے ہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۹۲۹)

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”کَنُوْدٌ کَنَدَ سے ماخوذ ہے۔ اور کَنَدَ کے معنے قطع کرنے کے ہیں۔ رسی کاٹ دینے کو کَنَدَ الْحَبْلَ کہتے ہیں۔ گھوڑا گھاس، توڑی، بھُوسہ کھاتا ہے۔ اور وفاداری میں بڑا جانباز ہے۔ انسان ہزاروں قسم کی لذیذ سے لذیذ نعمتیں اپنے ربّ کی دی ہوئی کھاتا ہے اور وفاداری کے وقت اس رشتۂ ربوبیت کو کاٹ دیتا ہے۔ بے وفا ناز پروردہ انسان جو بھینسے کی طرح پھولا ہوا ہوتا ہے۔ اس کی مثال اس شعر میں خوب بیان کی گئی ہے۔

اسپ لاغر میاں بکار آید روزِ میداں نہ گاوِ پرداری

گھوڑا میدان کے دن بڑا چست ہوتا ہے، مگر بے وفا انسان کُند ہوتا ہے۔ کنُود میں اسی بات کو بیان فرمایا گیا ہے۔“ (حقائق الفرقان جلد۴ صفحہ ۴۴۳)

فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا کے یہ معنی کیے جاتے ہیں کہ وہ اس (صبح کے وقت) میں دھول اُڑاتے ہیں۔ نَقْعٌ کے معنی گرد و غبار کے ہیں۔

لَشَدِيْدٌ لَبَخِيلٌ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ○ (العٰدیٰت:۹) ”اور وہ (باوجود اس کے) یقیناً مال کی محبت میں بہت بڑھا ہوا ہے۔“ (ترجمہ تفسیر صغیر)

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”شَدِيْدٌ کے معنے بخیل اور مُمْسِك کے بھی ہیں۔ فُلَانٌ شَدِيْدٌ وَ تَشَدَّدَ۔

خَیْر بمعنی مال۔ جیسا کہ فرمایا اِنْ تَرَكَ خَیْرَا ۖ اِلْوَصِيَّةُ (البقرة:۱۸۱) حُبّ کے لُغت کے معنے پُر ہونے اور بھر جانے کے ہیں۔ معنے آیت یہ ہیں کہ دل کے ہر گوشتہ میں مال کی محبّت جاگزیں ہوگئی اور پُر ہو گئی ہے کہ ربّ کی وفاداری کے لئے کوئی گوشہ خالی نہیں رہا۔“ (حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۴۴۴)

۱۰۱- سُوۡرَۃُ الۡقَارِعَة

كَالۡفَرَاشِ الۡمَبۡثُوۡثِ (القارعة: ٥) كَغَوْغَاءِ الْجَرَادِ يَرْكَبُ بَعْضُهُ بَعْضًا، كَذٰلِكَ النَّاسُ يَجُولُ بَعْضُهُمْ فِي بَعْضٍ. كَالۡعِهۡنِ (القارعة: ٦) كَأَلْوَانِ الْعِهْنِ، وَقَرَأَ عَبْدُ اللهِ كَالصُّوفِ.

كَالۡفَرَاشِ الۡمَبۡثُوۡثِ جیسے ٹڈی دل جو ایک دوسرے کے اوپر اُمڈی آتی ہیں۔ اسی طرح لوگ بھی ایک دوسرے میں گھومیں گے۔ كَالۡعِهۡنِ کے معنی ہیں اون کے رنگوں کی طرح (رنگ برنگ) اور حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) نے اس آیت کو یوں پڑھا: كَالصُّوفِ یعنی پشم کی مانند۔

تشریح: سُوۡرَۃُ الۡقَارِعَة: حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”یہ سورۃ بھی پچھلی ترتیب کے لحاظ سے اس طرح پر آتی ہے کہ سورۃ العادیات میں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ ترقی اور کامیابی بیان کی گئی تھی جو ابتدائی زمانہ کے ساتھ تعلق رکھتی تھی اور اب الۡقَارِعَة میں اس آخری دور کے متعلق آپ کے سلسلہ کی ترقی کا ذکر کیا گیا ہے جبکہ پھر اسلام کے لیے مصیبت اور تکالیف کے دن ہوں گے۔“ (تفسیر کبیر، سورۃ القارعہ، جلد ۹ صفحہ ۵۰۶)

نیز قَارِعَه کے متعلق حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”قَارِعہ ایسے عذابوں کو اس لئے کہا جاتا ہے کہ قَرۡعٌ کے معنے دستک دینے اور ٹھکرانے کے ہوتے ہیں۔ جب لوگ خدا تعالیٰ کے مامور کی آواز نہیں سنتے اور روحانی طور پر سوئے رہتے ہیں تو خدا تعالیٰ دستک دے کر جگانے کے لیے کچھ عذاب بھجواتا ہے۔ ان دستکوں سے آخر وہ روحانی نیند سے بیدار ہو جاتے ہیں اور رسول کی آواز سننے کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ پس قَارِعہ وہ عذاب ہیں جو نبیوں کو منوانے کیلئے دنیا میں آتے ہیں۔“

(تفسیر کبیر، سورۃ القارعہ، زیر آیت اَلۡقَارِعَةُ جلد ۹ صفحہ ۵۰۸)

كَالۡفَرَاشِ الۡمَبۡثُوۡثِ جیسے ٹڈی دل جو ایک دوسرے کے اوپر اُمڈی آتی ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”يَوۡمَ يَكُوۡنُ النَّاسُ كَالۡفَرَاشِ الۡمَبۡثُوۡثِ (القارعة: ٥) فَرَاش: ٹڈیاں بلکہ کُل

پَر دار چھوٹے چھوٹے جانور جو چراغ کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔“
(حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۴۴۵)

عِهْن کے معنی ہیں اون کے رنگوں کی طرح۔ فرماتا ہے: وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ○ (القارعة:٦) اور پہاڑ دُھنکی ہوئی اُون کی طرح ہو جائیں گے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”عِهْن: اُون یا صوف مختلف رنگ۔ نَفْش کے معنے دُھنکنے کے ہیں۔ مَنْفُوْش دُھنکے ہوئے۔ جبال کا اطلاق بڑے بڑے بادشاہوں پر بھی کیا جاتا ہے۔ آیت میں دونوں قسم کے عذاب اور تباہیوں کا ذکر ہے۔ جو جنگوں میں ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی ہوں گے۔ جیسا کہ تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ (الرعد:۳۲)[1] سے واضح ہے۔“ (حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۴۴۵)

---

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: انہیں ان کی کارگزاریوں کے سبب سے (دلوں کو) کھٹکھٹانے والی ایک آفت پہنچتی رہے گی۔

۱۰۲- سُوْرَةُ اَلْهٰكُمُ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اللہ کے نام کے ساتھ جو رحمٰن اور رحیم ہے

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ التَّكَاثُرُ (التکاثر: ۲) مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ. — اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: التَّکَاثُرُ یعنی مال اور اولاد کا بہت ہونا۔

تشریح: **سُوْرَةُ اَلْهٰكُمُ:** اس سورۃ میں انسان کو متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ دولت کی حرص میں قبروں تک جا پہنچے گا۔ اس میں دنیاوی قوموں کو بھی اور توہم پرست مذہبی قوموں کو بھی انذار کیا گیا ہے جو مال و دولت کی طلب اور آرزوؤں کو پورا کرنے کے لیے قبروں تک جا پہنچتی ہیں اور بتایا گیا ہے کہ اس دوڑ کا نتیجہ سوائے ہلاکت کے اور کچھ بھی نہیں ہو گا۔

(ماخوذ از ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ، تعارف سورۃ التکاثر صفحہ ۱۲۰۶)

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”اَلْهٰى کے معنے کسی چیز سے غافل کر کے دوسری چیز میں مشغول کرنے کے ہیں۔ جیسے فرمایا: رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (النور: ۳۸)[۱]

تَكَاثُرُ ایک دوسرے پر زیادتِ مال کی حرص کرنا۔ اسی واسطے کہا گیا ہے کہ مَنْ شَغَلَكَ عَنِ اللّٰهِ فَهُوَ صَنَمُكَ۔

حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ: صحیحین میں روایت ہے کہ ابنِ آدم بوڑھا ہو جاتا ہے۔ اور دو چیزیں اس کی جوان رہ جاتی ہیں۔ ایک ان میں سے حرص مال ہے۔ ابوہریرہؓ سے یہ مروی ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے سورۃ التکاثر پڑھی اور پھر فرمایا۔ بندہ کہتا ہے کہ یہ میرا مال ہے۔ یہ میرا مال ہے۔ حالانکہ اس کا مال تو صرف اتنا ہی ہے۔ جو کھالیا وہ تو فنا کر دیا۔ اور جو پہن لیا اس کو پُرانا کر دیا۔ اور جو خدا کی راہ میں دے دیا، اس کو آگے کے لئے جمع کیا۔ ان تین قسموں کے سوا جو کچھ اور مال ہے وہ تو لوگوں کا ہے۔“[۲] (حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۴۵۰)

۱۔ ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”ایسے عظیم مرد جنہیں نہ کوئی تجارت اور نہ کوئی خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے... غافل کرتی ہے۔“

۲۔ (مسلم کتاب الزھد والرقائق روایت نمبر ۴)

۱۰۳ _ سُوْرَةُ وَالْعَصْرِ

وَقَالَ يَحْيَى الْعَصْرُ الدَّهْرُ أَقْسَمَ بِهِ. اور یحیٰؒ (بن زیاد) نے کہا: اَلْعَصْر سے مراد زمانہ ہے جس کی (اللہ نے) قسم کھائی۔

تشریح: سُوْرَةُ وَالْعَصْرِ: گذشتہ سورۃ میں ان لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جو دنیا طلبی میں لگے رہتے ہیں اس سورۃ میں ان کا انجام بتایا گیا ہے جو کہ خسارے اور گھاٹے کے سوا اور کچھ نہیں مگر وہ لوگ جو ایمان اور عملِ صالح بجالائے اور نیک باتوں کی ترویج کی کوشش کرتے رہے وہ اس خسارے سے محفوظ رہیں گے۔

حسن بصری کہتے ہیں عصر سے مراد شام کا وقت ہے اور قتادہ کہتے ہیں کہ دن کی گھڑیوں میں سے ایک گھڑی ہے اور ابنِ کیسان کے نزدیک عصر رات اور دن کو کہتے ہیں۔ اور مقاتل کے نزدیک عصر سے مراد نمازِ عصر ہے جو کہ صلاۃِ وسطیٰ ہے۔ (عمدۃ القاری جزء۱۹ صفحہ ۳۱۳)

حضرت مصلحِ موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”حضرت امام شافعی کہتے ہیں کہ یہ سورۃ بڑے وسیع مطالب رکھتی ہے اگر کوئی شخص اس سورۃ پر تدبر کرے تو اس کی تمام دینی ضرورتیں پوری ہو جاتی ہیں۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ دو صحابیؓ تھے جب بھی وہ آپس میں ملنے کے بعد ایک دوسرے سے جدا ہونے لگتے تو یہ سورۃ ایک دوسرے کو سناتے اور پھر سلام کر کے رخصت ہوتے۔ اس کے بغیر وہ کبھی جدا نہیں ہوتے تھے۔[۱] گویا صحابہؓ اس سورۃ کے مضمون کی وسعت سے خاص طور پر متاثر تھے۔“ (تفسیر کبیر، سورۃ العصر، جلد۹ صفحہ ۵۴۶)

حضرت اقدس مسیحِ موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”قرآن سورۃ عصر کے اعداد میں قمری حساب سے اس وقت کی طرف اشارہ کرتا ہے جو آدم سے ہمارے نبیؐ تک گذرا ہے پس اگر شک ہے تو گن لو۔ اور جب یہ تحقیق ہو گیا تو جان لو کہ میں چھٹے ہزار کے آخر اوقات میں پیدا کیا گیا ہوں جیسا کہ آدم چھٹے دن میں اس کی آخری ساعت میں پیدا کیا گیا۔ پس میرے سوا دوسرے مسیح کے لئے میرے زمانہ کے بعد قدم رکھنے کی جگہ نہیں اگر فکر کرو۔“

(خطبہ الہامیہ، روحانی خزائن جلد۱۶ صفحہ ۲۴۲، ۲۴۳)

---

[۱] (المعجم الأوسط للطبرانی، باب المیم، من اسمه محمد، جزء۵ صفحہ ۲۱۵، روایت نمبر ۵۱۲۴)

۱۰۴ـ سُوْرَةُ وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اللہ کے نام کے ساتھ جو رحمٰن اور رحیم ہے۔

الْحُطَمَةَ (الهمزة:٥) اسْمُ النَّارِ مِثْلُ سَقَرَ وَلَظٰى.
الْحُطَمَة: آگ کا نام ہے جیسے سَقَرَ اور لَظٰی یعنی دوزخ اور شعلہ (والا عذاب۔)

تشریح: سُوْرَةُ وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ: سعید بن منصور نے حضرت ابنِ عباسؓ کی روایت بیان کی ہے کہ ان سے هُمَزَةٍ کے بارے میں پوچھا گیا انہوں نے فرمایا: اس سے مراد چغل خور ہے جو دو بھائیوں میں اختلاف پیدا کرتا ہے۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۹۳۲)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”سورۃ العصر کے بعد سورۃ الھمزہ آتی ہے جو اموال کی حریص قوموں کے لیے اب تک بیان فرمودہ انتباہات میں سے سب سے بڑا انتباہ ہے۔ فرمایا کیا اس زمانہ کا بڑا انسان یہ گمان کرے گا کہ اس کے پاس اس کثرت سے دولت اکٹھی ہو چکی ہے اور وہ اسے بے دریغ اپنے دفاع میں خرچ کر رہا ہے گویا اب اسے اس دنیا میں ابدی برتری حاصل ہو گئی ہے؟ خبر دار وہ ایک ایسی آگ میں جھونکا جائے گا جو چھوٹے سے چھوٹے ذروں میں بند کی گئی ہے اور تجھے کیا پتہ کہ وہ کونسی آگ ہے؟ یہ سوال طبعی طور پر اٹھتا ہے کہ چھوٹے سے ذرہ میں آگ کیسے بند کی جاسکتی ہے؟ لازماً اس میں اس آگ کا ذکر ہے جو ایٹم میں بند ہوتی ہے اور لفظ حُطَمَة اور ایٹم (ATOM) میں صوتی مشابہت ہے۔ یہ وہ آگ ہے جو دلوں پر لپکے گی اور ان پر لپکنے کے لیے ایسے ستونوں میں بند کی گئی ہے جو کھنچ کر لمبے ہو جائیں گے۔ یہ ساری سورت انسان کو سمجھ آ ہی نہیں سکتی جب تک اس ایٹمی دور کے حالات اس پر روشن نہ ہوں وہ ایٹمی مادہ جس میں یہ آگ بند ہے وہ پھٹنے سے پہلے عَمَدٍ مُّمَدَّدَة کی شکل اختیار کرتا ہے یعنی بڑھتے ہوئے اندرونی دباؤ کی وجہ سے پھیلنے لگتا ہے اور اس کی آگ انسانوں کے بدن جلانے سے پہلے ان کے دلوں پر لپکتی ہے اور انسانوں کی حرکتِ قلب بند ہو جاتی ہے۔“

(ترجمہ قرآنِ کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تعارف سورۃ الھمزۃ صفحہ ۱۲۱۰)

الْحُطَمَةُ: آگ کا نام ہے جیسے سَقَرَ اور لَظٰی یعنی دوزخ اور شعلہ (والا عذاب۔) فرماتا ہے وَمَآ اَدْرٰكَ مَا الْحُطَمَةُ ○ (الھمزة:٦) اور تجھے کیا بتائے کہ حُطَمَة کیا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”حَطَمَ کے لغوی معنی بھی توڑنے ہی کے ہیں۔ زراعت کا غلّہ جو چُورنے کے لئے جانوروں کے پیروں سے روندایا جاتا ہے۔ وہ حُطام کہلاتا ہے۔ كَمَا قَالَ اللهُ تَعَالٰى لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا[1] (الواقعة:٦٦) همز اور لمز کی جزا میں بھی سزا بالمثل کے طور پر اللہ تعالیٰ نے نارِ جہنم کے طبقہ کا نام حُطَمَة بیان فرمایا ہے۔“

(حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۴۶۰)

[1] ترجمہ حضرت خلیفة المسیح الرابعؒ: ”اگر ہم چاہتے تو ضرور اسے ریزہ ریزہ کر دیتے۔“

۱۰۵۔ سُوْرَةُ اَلَمْ تَرَ

قَالَ مُجَاهِدٌ اَلَمْ تَرَ (الفيل:٢) أَلَمْ تَعْلَمْ. وَ قَالَ مُجَاهِدٌ اَبَابِيْلَ (الفيل:٤) مُتَتَابِعَةً مُجْتَمِعَةً. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مِنْ سِجِّيْلٍ (الفيل:٥) هِيَ سَنْكِ وَكِلْ.

مجاہد نے کہا: اَلَمْ تَرَ کے معنی ہیں کیا تمہیں معلوم نہیں۔ اور مجاہد نے کہا: اَبَابِيْل کے معنی ہیں یکے بعد دیگرے، جھنڈ در جھنڈ آنے والے۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا: مِنْ سِجِّيْلٍ یہ لفظ سَنگ اور گِل سے مرکب ہے۔ (یعنی کھنگر جو کئی پتھر کے ٹکڑوں اور مٹی کی تہوں سے بنا ہوا ہو)

تشریح: سُوْرَةُ اَلَمْ تَرَ: واقعۂ فیل کے متعلق بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے انہوں نے کہا: جب اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مکہ کو فتح کرا دیا تو آپؐ لوگوں میں تقریر کرنے کے لئے کھڑے ہوئے اور اللہ کی حمد و ثنا کی۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ اللہ نے مکہ کو اَصحاب فیل کے حملہ سے محفوظ رکھا تھا اور اپنے رسول کو اور مومنوں کو اُس پر غلبہ دے دیا۔ (روایت نمبر ۲۴۳۴)

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”اَلَمْ تَرَ کے معنی اَلَمْ تَعْلَمْ کے ہیں۔ کیونکہ اصحٰب فیل کا واقعہ متواتر بیان سے ایسا معتبر و مشہود تھا کہ رُؤیت اور علم کا حکم رکھتا تھا۔ جس سال اصحاب فیل تباہ ہوئے۔ اسی سال پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ آپؐ کی ولادت ۵، اپریل ۵۷۱ء کو ہوئی۔“

(حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۴۶۲)

نیز حضور فرماتے ہیں:

”عباسیوں کی سلطنت تھی۔ ایک دفعہ محمود غزنوی سے ان کی کچھ رنجش ہوگئی۔ محمود غزنوی نے اس خلیفہ کو لکھا کہ میں ہندوستان کا فاتح ہوں اور میرے پاس اتنے ہاتھی ہیں۔ خلیفہ نے اس کے جواب میں اَلَمْ اَلَمْ نہایت خوبصورت لکھوا کر بھیج دیا۔ محمود کے دربار میں تو سب فارسی دان ہی تھے۔ چنانچہ اس زمانہ کی یادگار صرف ”شاہ نامہ“ ہی باقی ہے۔ وہ تو کچھ سمجھے نہیں۔ آخر محمود نے کہا کہ خلیفہ نے اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ یاد دلائی ہے اور اس کا مطلب ہے کہ تمہارے پاس ہاتھی ہیں تو ہمارا وہ رب ہے جو اصحاب الفیل کو ہلاک کر چکا ہے۔ بہت ڈر گیا اور معذرت کی جس پر تعلقات درست ہو گئے۔“ (حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۴۶۲)

۱۰۶ - سُوْرَةُ لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ

وَقَالَ مُجَاهِدٌ لِاِيْلٰفِ (قريش:٢) أَلِفُوا ذَلِكَ، فَلَا يَشُقُّ عَلَيْهِمْ فِي الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ. وَاٰمَنَهُمْ (قريش:٥) مِنْ كُلِّ عَدُوِّهِمْ فِي حَرَمِهِمْ.

اور مجاہد نے کہا: لِاِيْلٰفِ سے مراد یہ ہے: اس لئے کہ (قریش) اس سے مانوس ہو چکے ہیں، ان پر جاڑے اور گرمی میں (سفر کرنا) شاق نہیں گزرتا۔ وَاٰمَنَهُمْ یعنی ان کو اپنے حرم میں ان کے ہر ایک دشمن سے امن دیا۔

تشریح: سُوْرَةُ لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ: اس سورۃ کے دو نام ہیں اسے قریش بھی کہتے ہیں اور اس کا ایک نام حدیثوں میں لِاِيْلٰف بھی آتا ہے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”اس سورۃ کا پہلی سورۃ سے یہ تعلق ہے کہ پہلی سورۃ میں یہ بتایا گیا تھا کہ کس طرح خدا تعالیٰ نے کعبہ کی حفاظت کی اور یہ کہ آئندہ زمانے میں بھی وہ کعبہ کی اسی طرح حفاظت فرمائے گا آئندہ زمانے کی بات تو ابھی دنیا نے دیکھی نہیں جب وقت آئے گا دنیا اس نظارے کو بھی دیکھ لے گی لیکن پہلا نشان مکہ والے دیکھ چکے ہیں اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ اسی نشان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اس عظیم الشان نشان کو دیکھتے ہوئے پھر بھی مکہ کے لوگ دنیا کی طرف زیادہ توجہ کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی طرف کم توجہ کرتے ہیں حالانکہ اتنا بڑا نشان دیکھنے کے بعد انہیں یہ یقین ہو جانا چاہیئے تھا کہ خانہ کعبہ سے تعلق رکھنے والوں اور اس کی سچی خدمت کرنے والوں کا اللہ تعالیٰ خود حافظ و ناصر ہوتا ہے اور اس وجہ سے انہیں دنیا کی طرف کم توجہ کرنی چاہیئے تھی مگر افسوس ہے کہ ان کی حالت اس کے برعکس ہے۔ دوسرا تعلق اس سورۃ کا پہلی سورۃ سے یہ ہے کہ پہلی سورۃ میں کعبہ کے دشمنوں کا انجام بتایا گیا تھا اب اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ خانہ کعبہ سے محبت رکھنے والوں کے انجام کا ذکر کرتا ہے گویا ایک میں دشمنوں کا انجام بتایا اور دوسری میں دوستوں سے خواہ وہ گنہ گار ہی تھے اپنے تعلق کا اظہار کیا اور ان پر اپنے احسان کا ذکر کیا۔“

(تفسیرِ کبیر، سورۃ قریش، جلد ۱۰ صفحہ ۷۹)

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”اس گھر کے ربّ کے ساتھ الفت دلانے کے لئے اصحاب الفیل کو اس واسطے قتل کیا گیا۔ اور شکست دی گئی اور خائب و خاسر واپس کیا گیا ہے کہ قریش اور اہل عرب کا یقین تازہ ہو کہ اس گھر کی حفاظت اللہ تعالیٰ خود کرتا ہے۔ اس طرح وہ خدا تعالیٰ کی خالص عبادت میں مشغول ہوں اور قریش جو موسمِ سرما و گرما میں سفر پر جاتے تھے۔ اور تمام بلاد کے بادشاہ اور تجّار ان کی عزّت کرتے تھے۔ اس تجارت اور سفر میں فرق نہ آوے بلکہ ان کی عزّت اَور بھی زیادہ ہو۔“

(حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۴۶۷)

۱۰۷ـ سُورَةُ أَرَءَيْتَ

قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ لِإِيْلٰفِ (قریش:۲) لِنِعْمَتِي عَلَى قُرَيْشٍ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ يَدُعُّ (الماعون:۳) يَدْفَعُ عَنْ حَقِّهِ يُقَالُ هُوَ مِنْ دَعَعْتُ، يُدَعُّونَ يُدْفَعُونَ. سَاهُوْنَ (الماعون:۶) لَاهُونَ وَالْمَاعُوْنَ (الماعون:۸) الْمَعْرُوفُ كُلُّهُ وَقَالَ بَعْضُ الْعَرَبِ الْمَاعُونُ الْمَاءُ، وَقَالَ عِكْرِمَةُ أَعْلَاهَا الزَّكَاةُ الْمَفْرُوضَةُ وَأَدْنَاهَا عَارِيَّةُ الْمَتَاعِ.

ابن عیینہ نے کہا: لِإِيْلٰفِ کے یہ معنی ہیں اس لئے کہ میں نے قریش پر اپنا یہ احسان کیا۔ اور مجاہد نے کہا: يَدُعُّ کے معنی ہیں اس کو حق لینے سے ہٹاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ لفظ دَعَعْتُ سے ہے، يُدَعُّونَ یعنی وہ ہٹائے جاتے ہیں۔ سَاهُوْنَ کے معنی ہیں عیش و عشرت میں مشغول۔ اور الْمَاعُوْنَ کے معنی ہیں ہر بھلا کام۔ اور بعض عربوں نے کہا: الْمَاعُون سے مراد پانی ہے اور عکرمہ نے کہا: الْمَاعُون کا اعلیٰ درجہ وہ زکوۃ ہے جو فرض کی گئی اور اس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ سامان عاریتاً دینا۔

تشریح: سُوْرَةُ أَرَءَيْتَ: حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”اس سورۃ کو اس کے پہلے لفظ کے لحاظ سے سورۃ اَرَأَيْتَ بھی کہتے ہیں جیسا کہ اور بھی بعض سورتوں کا نام ان کے پہلے الفاظ کے لحاظ سے ہیں۔ مثلاً والصّٰفّٰتِ، الرَّحْمٰن، النَّجم، الطُّور وغیرہ۔ دوسرا نام اس سورہ شریف کا اَلدِّیْن ہے کیونکہ اس میں جزا و سزا کے ضروری اور اہم مسئلہ کی تکذیب کرنے والے کا خصوصیت کے ساتھ ذکر ہے۔ تیسرا نام اس سورۃ شریف کا سورۃ المَاعُوْن ہے اور زیادہ تر مشہور یہی نام ہے۔... چوتھا نام اس سورۃ کا سورۃ الیَتِیْم ہے۔ کیونکہ اس میں یتیم کے ساتھ محبت کرنے اور اس پر دستِ شفقت رکھنے کی طرف خاص طور پر ترغیب دی گئی ہے۔“ (حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۴۷۴)

سَاهُوْنَ کے معنی ہیں عیش و عشرت میں مشغول۔ فرماتا ہے: الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ○ (الماعون:۶) جو اپنی نماز سے غافل رہتے ہیں۔ نمازوں سے غفلت کی ایک بڑی وجہ دنیا کی عیش و عشرت میں انہماک ہے۔ اور یہ طبیعت میں ایسا کسل سستی اور بے رغبتی پیدا کرتا ہے کہ انسان خدا کی عبادت سے بیگانہ اور غافل ہو جاتا ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو نماز کو اپنے وقت پر ادا نہیں کرتے۔

ان کے علاوہ بعض اور نے کہا ہے کہ اس سے مراد تارکِ نماز ہیں اور حضرت ابنِ عباسؓ نے اس سے مراد وہ منافق لیے ہیں جو علیحدگی میں نماز چھوڑ دیتے ہیں اور لوگوں کی موجودگی میں پڑھتے ہیں اور قتادہ کے نزدیک اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس بات کی پرواہ نہیں کرتے کہ انہوں نے نماز پڑھی یا نہ پڑھی۔ (عمدۃ القاری جزء ۲۰ صفحہ ۲)

اَلْمَاعُوْنَ: اس لفظ کے معنی ہیں ہر بھلا کام۔ فرماتا ہے: وَ يَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ○ (الماعون: ۸) اور روزمرہ کی ضروریات کی چیزیں بھی (لوگوں سے) روکے رکھتے ہیں۔

اَلْمَاعُوْنَ کی تفسیر میں تین اقوال بیان کیے گئے ہیں

(۱) کلبی اور محمد بن کعب کے نزدیک اس سے مراد تمام معروف چیزیں ہیں، جو لوگ آپس میں لیتے دیتے ہیں جیسے ڈول، کلہاڑی ہنڈیا، پیالہ وغیرہ۔ (۲) سعید بن مسیب، زہری اور مقاتل کے نزدیک قریش کی زبان میں اس سے مراد پانی ہے۔ (۳) عکرمہ، حسن اور قتادہ کے نزدیک ادنیٰ سے لیکر تمام چیزیں اس میں شامل ہیں اور اس کی سب سے اعلیٰ صورت زکوٰۃ ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ماعون جامع اسم ہے جس میں گھر کا تمام سامان شامل ہے۔ جیسے چھانی، غربال ڈول وغیرہ جو بھی گھروں میں چیزیں استعمال ہوتی ہیں جن سے کسی کو روکنا جائز نہیں جیسے پانی، نمک اور آگ وغیرہ۔ (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۹۳۴) (عمدۃ القاری جزء ۲۰ صفحہ ۲، ۳)

۱۰۸ - سُورَةُ اِنَّآ اَعۡطَيۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ شَانِئَكَ (الكوثر:٤) عَدُوَّكَ.

اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: شَانِئَكَ یعنی تیرا دشمن۔

باب ۱

٤٩٦٤: حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ لَمَّا عُرِجَ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى السَّمَاءِ قَالَ أَتَيْتُ عَلَى نَهَرٍ حَافَتَاهُ قِبَابُ اللُّؤْلُؤِ مُجَوَّفٌ فَقُلْتُ مَا هَذَا يَا جِبْرِيلُ قَالَ هَذَا الْكَوْثَرُ.

أطرافه: ٣٥٧٠، ٥٦١٠، ٦٥٨١، ٧٥١٧-

۴۹۶۴: آدم (بن ابی ایاس) نے ہمیں بتایا کہ شیبان (بن عبدالرحمٰن) نے ہم سے بیان کیا۔ قتادہ نے ہمیں بتایا۔ اُنہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو (معراج میں) آسمان پر لے جایا گیا، آپؐ نے فرمایا: تو میں ایک ندی پر پہنچا جس کے دونوں کناروں پر خولدار موتیوں کے خیمے لگے ہوئے تھے۔ میں نے کہا: جبرائیل یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ کوثر ہے۔

٤٩٦٥: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ يَزِيدَ الْكَاهِلِيُّ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَ سَأَلْتُهَا عَنْ قَوْلِهِ تَعَالَى اِنَّآ اَعۡطَيۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ (الكوثر:٢) قَالَتْ هُوَ نَهَرٌ أُعْطِيَهُ نَبِيُّكُمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَاطِئَاهُ عَلَيْهِ دُرٌّ مُجَوَّفٌ آنِيَتُهُ كَعَدَدِ النُّجُومِ. رَوَاهُ زَكَرِيَّاءُ وَأَبُو الْأَحْوَصِ وَمُطَرِّفٌ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ.

۴۹۶۵: خالد بن یزید کاہلی نے ہم سے بیان کیا کہ اسرائیل نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ابواسحاق سے، ابواسحاق نے ابوعبیدہ سے، ابوعبیدہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی، ابوعبیدہ نے کہا میں نے حضرت عائشہؓ سے اللہ تعالیٰ کے اس قول یعنی (اے نبیؐ!) یقیناً ہم نے تجھے کوثر عطا کیا ہے، کے متعلق پوچھا، انہوں نے فرمایا: یہ ایک دریا ہے جو تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا۔ اس کے دونوں کناروں پر خولدار موتی ہیں جس کے برتن ستاروں کی تعداد میں ہیں۔ اس حدیث کو زکریا، ابوالاحوص اور مطرف نے ابواسحاق سے روایت کیا۔

٤٩٦٦ :حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ حَدَّثَنَا أَبُو بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ قَالَ فِي الْكَوْثَرِ هُوَ الْخَيْرُ الَّذِي أَعْطَاهُ اللهُ إِيَّاهُ. قَالَ أَبُو بِشْرٍ قُلْتُ لِسَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ فَإِنَّ النَّاسَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُ نَهَرٌ فِي الْجَنَّةِ فَقَالَ سَعِيدٌ النَّهَرُ الَّذِي فِي الْجَنَّةِ مِنَ الْخَيْرِ الَّذِي أَعْطَاهُ اللهُ إِيَّاهُ.

طرفه: ٦٥٧٨-

۴۹۶۶: یعقوب بن ابراہیم نے ہم سے بیان کیا کہ ہشیم نے ہمیں بتایا کہ ابو بشر نے ہم سے بیان کیا، ابو بشر نے سعید بن جبیر سے، سعید نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ انہوں نے کوثر کے متعلق کہا کہ یہ وہ بھلائی ہے جو اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دی۔ ابو بشر کہتے تھے: میں نے سعید بن جبیر سے کہا کہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ جنت میں ایک دریا ہوگا۔ سعید نے کہا: وہ دریا جو جنت میں ہوگا وہ بھی اس بھلائی سے ہے جو اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی۔

تشریح: سُورَةُ إِنَّآ أَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ: حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”مجاہد اور حسن اور قتادہ اور عکرمہ کے قول کے مطابق یہ سورہ شریف مدنی ہے اور کتاب اتقان میں اسی قول کو درست قرار دیا گیا ہے۔ اور نووی نے مسلم کی شرح میں بھی اسی بات کو ترجیح دی ہے۔ احمد اور مسلم اور ابو داؤد اور نسائی اور بیہقی نے اپنی کتابوں میں اور ایسا ہی ابن جریر اور ابن المنذر اور ابن مردویہ اور ابن ابی شیبہ نے ابن مالک سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑی دیر تک سر نیچے رکھا اور پھر سر اٹھا کر تبسّم فرمایا اور کہا کہ ابھی مجھ پر ایک سورۃ نازل ہوئی ہے۔ پھر سورۃ کوثر پڑھی۔“ (حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۴۸۴)

نیز فرمایا:

”بخاری اور حاکم اور ابن جریر نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے ایک دفعہ اپنے اصحاب کو مخاطب کر کے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ کوثر کیا شئے ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ تب آپؐ نے فرمایا کہ کوثر ایک نہر کا نام ہے۔ جو میرے ربّ نے مجھے عطا کی ہے۔ وہ نہر جنت میں ہے۔ اس میں خیر کثیر ہے۔ قیامت کے روز میری

امّت اس پر وارد ہو گی۔ اس کا برتن ستاروں جتنا وسیع ہے۔ ان میں سے ایک آدمی اس پر سے ہٹایا جاوے گا تو میں کہوں گا کہ میرے ربّ۔ یہ تو میری اُمت کا آدمی ہے۔ اسے کیوں ہٹایا جاتا ہے۔ تو جواب ملے گا کہ تو نہیں جانتا کہ اس نے تیرے بعد کیسی نئی باتیں نکالی تھیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کوثر اس خیر کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو عطا کی ہے۔ ابو بشر لکھتا ہے کہ میں نے سعید ابن جبیر کو کہا کہ لوگ تو خیال کرتے ہیں کہ کوثر جنّت میں نہر کا نام ہے۔ اور آپ کہتے ہیں وہ خیر ہے تو سعید نے کہا کہ جنت میں جو نہر ہے وہ بھی اسی خیر میں سے ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے رسولؐ کو عطا کی ہے۔ حدیث شریف کی کتاب نسائی میں فِی الْجَنَّةِ کی بجائے فی بَطْنَانِ الْجَنَّةِ آیا ہے اور بَطْنَانِ الْجَنَّةِ کے معنے ہیں بہشت کے وسط میں۔ ابن ابی شیبہ اور احمد اور ترمذی نے یہ روایت بیان کی ہے اور اس کو صحیح بتلایا ہے اور ابن ماجہ اور ابن جریر اور ابن المنذر اور ابن مردویہ نے بھی یہ روایت بیان کی ہے کہ وہ نہر موتیوں پر اور یاقوت پر جاری ہے۔ اس کی مٹی کستوری سے زیادہ خوشبودار ہے اور اس کا پانی دودھ سے بھی زیادہ سفید ہے۔ اور شہد سے بھی زیادہ میٹھا ہے۔

اور نافع بن ارزق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ کوثر کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ کوثر ایک نہر کا نام ہے جو کہ بہشت کے وسط میں ہے اور اس کے ارد گرد موتیوں کے اور یاقوت کے خیمے ہیں۔ اس میں بیویاں اور خدّام ہیں۔ نافع نے کہا کہ اہلِ عرب ان معنوں سے واقف ہیں؟ حضرت ابنِ عباسؓ نے فرمایا کہ ہاں واقف ہیں۔ کیا آپ نے حسانؓ ابن ثابت کا یہ شعر نہیں سنا۔

وَحَبَّاهُ الْاِلٰهُ بِالْكَوْثَرِ الْاَكْبَرِ فِيْهِ النَّعِيْمُ وَالْخَيْرَاتُ

ترجمہ شعر: اور خدا نے اسے کوثر عطا کیا ہے۔ بڑا کوثر جس میں نعمتیں اور بھلائیاں ہیں۔
لفظ کوثر کثرت سے نکلا ہے اور اس کے معنے ہیں بہت ساری چیز، بہت زیادہ۔

کمیت شاعر کہتا ہے:

وَ اَنْتَ كَثِيْرٌ يَا ابْنَ مَرْوَانَ طَيِّبٌ وَ كَانَ اَبُوْكَ ابْنَ الْفَضَائِلِ كَوْثَرَا

اے ابن مروان تو کثیر ہے اور طیّب ہے۔ اور تیرا باپ بہت بڑھی ہوئی فضیلتوں والا تھا۔" (حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۴۸۴، ۴۸۵)

اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ: حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اس آیت میں ایک معطاء یعنی بہت بڑے صدقہ دینے والے اور سخاوت کرنے والے وجود کی پیشگوئی ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں بھی ایک ایسے ہی شخص کی خبر دی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ شخص اور اس آیت میں بیان کردہ شخص ایک ہی ہو سکتے ہیں کیونکہ پیشگوئی کی علامات اگر مشترک ہوں تو مشارٌ الیہ بھی ایک ہی شخص ہو سکتا ہے جبکہ دونوں پیشگوئیاں ایک ہی سلسلہ اور ایک ہی زمانے کے متعلق ہوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی خبر کے الفاظ یہ ہیں وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَيُوشِكَنَّ أَنْ يَنْزِلَ فِيكُمُ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَدْلًا فَيَكْسِرَ الصَّلِيبَ وَيَقْتُلَ الْخِنْزِيرَ وَيَضَعَ الْجِزْيَةَ وَيُفِيضَ الْمَالَ حَتَّى لَا يَقْبَلَهُ أَحَدٌ (بخاری[1]) حدیث کے ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے آخری زمانہ میں آنے والے مسیح کے بارہ میں خبر دیتے ہیں کہ وہ اموال لٹائے گا۔ ان الفاظ کو اور کوثر کے معنوں کو آمنے سامنے رکھو تو دونوں الفاظ بالکل ہم معنے ہیں۔ 'مال لٹانیوالا' اور 'بے انتہا صدقہ و خیرات کرنیوالا' دونوں الفاظ صاف طور پر ایک ہی وجود پر دلالت کرتے ہیں اور چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی میں اس شخص کی تعیین بھی کر دی گئی ہے۔ اس تعیین کو ہم سورۂ کوثر کی پیشگوئی پر چسپاں کرنے پر مجبور ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعیین کے مطابق 'کوثر' کی خبر کا مصداق مسیح موعود کو قرار دینے میں نہ صرف حق بجانب ہیں بلکہ اس کے سوا ہمارے لیے اور کوئی چارہ ہی نہیں۔ کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی مہبطِ وحیٔ قرآن ہیں اور آپؐ سب سے اول حقدار ہیں

---

[1] (صحیح البخاری، کتاب احادیث الأنبياء، بَابُ نُزُوْلِ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ)
(صحیح البخاری، کتاب المظالم، باب کسر الصلیب، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی، جزء اول صفحہ ۳۳۶)

کہ قرآن کریم کے معنے کریں پس جب آپؐ نے امتِ اسلامیہ میں آخری زمانہ
میں ظاہر ہونے والے مسیح کو اموال لٹانے والا وجود قرار دیا ہے تو سورۂ کوثر میں
کوثر کے لفظ سے جس بہت سخاوت کرنے والے روحانی فرزند کی خبر دی گئی ہے
اس سے بھی مسیحِ محمدیؐ ہی مراد لیا جائے گا۔“

(تفسیرِ کبیر سورۃ الکوثر، زیر آیت اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ، جلد ۱۰ صفحہ ۳۵۵، ۳۵۶)

۱۰۹- سُورَةُ قُلْ يَاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ

يُقَالُ لَكُمْ دِيْنُكُمْ (الكافرون:٧) الْكُفْرُ. وَلِيَ دِيْنِ (الكافرون:٧) الْإِسْلَامُ، وَلَمْ يَقُلْ دِينِي لِأَنَّ الْآيَاتِ بِالنُّونِ فَحُذِفَتْ الْيَاءُ كَمَا قَالَ يَهْدِيْنِ (الشعراء:٧٩) وَيَشْفِيْنِ (الشعراء:٨١). وَقَالَ غَيْرُهُ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ (الكافرون:٣) الْآنَ، وَلَا أُجِيبُكُمْ فِيمَا بَقِيَ مِنْ عُمْرِي. وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ (الكافرون:٤) وَهُمْ الَّذِينَ قَالَ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا. (المائدة: ٦٥)

کہا جاتا ہے کہ لَكُمْ دِيْنُكُمْ میں تمہارے دین سے مراد کفر ہے۔ وَلِيَ دِيْنِ میں دین سے مراد اسلام ہے اور دِینِی نہیں کہا کیونکہ یہ تمام آیات نون سے ختم ہوتی ہیں اس لئے یاء کو محذوف کیا گیا۔ جیسے فرمایا: يَهْدِيْنِ اور يَشْفِيْنِ (جو اصل میں يَهْدِيْنِي اور يَشْفِيْنِي تھا یعنی میری رہنمائی کرتا ہے اور مجھے شفا دیتا ہے۔) اور ان کے سوا اوروں نے کہا: لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ یعنی میں اب بھی ان کو نہیں پوجتا جن کو تم پوجتے ہو اور اپنی ساری عمر جو باقی ہے تمہاری نہیں مانوں گا۔ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ یعنی نہ تم پوجنے والے ہو جس کو میں پوجتا ہوں اور یہ وہ لوگ مراد ہیں جن کے متعلق فرمایا: وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا... یعنی جو تمہارے ربّ کی طرف سے تجھ پر نازل کیا گیا ہے وہ ضرور ان میں سے بہتوں کو سرکشی اور کفر میں بڑھا دے گا۔

تشریح: سُورَةُ قُلْ يَاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ: علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں کہ اس سورۃ کا ایک نام مُتَشَقِّسَة بھی آیا ہے یعنی نفاق سے نجات دینے والی۔ اس کے ابتدائی مخاطبین اہلِ مکہ تھے بطورِ خاص ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، حارث بن قیس سہمی، اسود بن عبد یغوث، اسود بن عبد المطلب اور امیہ بن خلف۔ انہوں نے کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپؐ ہمارے دین کی پیروی کریں ہم آپؐ کے دین کی پیروی کریں گے اور ہم آپؐ کو اپنے ہر امر میں شریک کریں گے۔ آپؐ ایک سال ہمارے معبودوں کی عبادت کریں ہم ایک سال آپؐ کے معبود کی عبادت کریں گے۔ فرمایا: معاذ اللہ کہ میں اللہ کے سوا کسی کو شریک بناؤں تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ نازل کی۔
(عمدۃ القاری جزء ۲۰ صفحہ ۴)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اہم کام کے لیے استخارہ کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اس کا طریق یہ ہے کہ

انسان دو نفل پڑھے اول رکعت میں سورۃ قُلْ يَاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ پڑھ لے اور دوسری میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اور التحیات میں دعا کرے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”زید بن ارقم رفعاً کہتے ہیں کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی ملاقات دو سورتیں ساتھ لے کر کی۔ اس سے کوئی حساب کتاب نہیں لیا جائے گا۔ وہ دو سورتیں کافرون اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ہیں۔ اس حدیث شریف کا مطلب ظاہر ہے کہ سورۃ کافرون میں کفّار اور ان کے کفر سے پوری بیزاری اور بے تعلّقی ظاہر کی گئی ہے۔ اور سورۃ اخلاص میں خدا تعالیٰ کی توحید کا پورے طور پر اقرار کیا گیا ہے بدی کا ترک اور نیکی کا حصول۔ شیطان سے دوری اور خدا کا قُرب۔ یہی دو باتیں ہیں جو کسی مذہب کا آخری نتیجہ ہو سکتی ہیں۔ جب یہ دونوں باتیں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کسی کو حاصل ہو جاویں۔ تو وہ اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ گیا۔ اور اس کے واسطے کوئی حساب باقی نہیں رہا۔ ایک روایت میں ابنِ عمرؓ سے منقول ہے کہ یہ سورۃ ربع قرآن کے برابر ہے۔ کیا معنے یہ قرآن شریف کا چوتھا حصّہ ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کلامِ پاک کے مضامین کا چہارم حصّہ کفّار اور ان کے کام سے بیزاری اور خداوند کی خالص عبادت کے بیان پر مشتمل ہے۔“ (حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۵۱۶)

۱۱۰ـ سُورَةُ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام کے ساتھ جو رحمٰن اور رحیم ہے

باب ۱

٤٩٦٧ : حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ الرَّبِيعِ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي الضُّحَى عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ مَا صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةً بَعْدَ أَنْ نَزَلَتْ عَلَيْهِ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ (النصر:٢) إِلَّا يَقُولُ فِيهَا سُبْحَانَكَ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي.

أطرافه: ٧٩٤، ٨١٧، ٤٢٩٣، ٤٩٦٨۔

۴۹۶۷: حسن بن ربیع نے ہم سے بیان کیا کہ ابوالاحوص نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے اعمش سے، اعمش نے ابوالضحٰی سے، ابوالضحٰی نے مسروق سے، مسروق نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔ وہ بیان فرماتی ہیں کہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ کے نازل ہونے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی بھی نماز نہیں پڑھی مگر آپؐ اس میں یہ کہا کرتے تھے: پاک ذات ہے تو اے ہمارے ربّ اور اپنی حمد کے ساتھ، اے اللہ پردہ پوشی فرما کر مجھ سے درگزر فرما۔

باب ۲

٤٩٦٨ : حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي الضُّحَى عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ أَنْ يَقُولَ فِي رُكُوعِهِ وَسُجُودِهِ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي يَتَأَوَّلُ الْقُرْآنَ.

أطرافه: ٧٩٤، ٨١٧، ٤٢٩٣، ٤٩٦٧۔

۴۹۶۸: عثمان بن ابی شیبہ نے ہم سے بیان کیا کہ جریر (بن عبدالحمید) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے منصور (بن معتمر) سے، منصور نے ابوالضحٰی سے، ابوالضحٰی نے مسروق سے، مسروق نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔ وہ بیان فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رکوع اور سجدے میں یہ بہت کہا کرتے تھے۔ یعنی پاک ذات ہے تو اے ہمارے ربّ اور اپنی حمد کے ساتھ۔ اے اللہ پردہ پوشی فرما کر مجھ سے درگزر فرما۔ قرآن شریف سے آپؐ نے استنباط کیا۔

تشریح: سُوْرَۃُ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ: حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''سورۃ النصر میں ہدایت کی گئی ہے کہ جب نصرت و فتح حاصل ہو تو بجائے عُجب و غرور کے عجز و نیاز کا سر آستانۂ الٰہی پر جھکے اور مغفرت طلب کی جائے کہ فتح و ظفر اپنے ساتھ موجبات تکبر و غرور اور خود پسندی اور اسبابِ تعیش و غفلت اور کج رَوِی لانے والے ہوتے ہیں۔ ان کمزوریوں سے پناہ مانگی جائے۔ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا۔ ایسا کیا گیا تو اللہ تعالیٰ فتح و ظفر کے بُرے عواقب سے محفوظ رکھے گا اور اپنی رحمت سے نوازے گا۔ الفاظ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کو بار بار اپنی رحمت سے نوازتا رہے گا۔ تَابَ اللّٰہُ کے معنی رَجَعَ اللّٰہُ بِرَحْمَتِہٖ۔ اللہ نے اس کی طرف رجوع برحمت کیا۔ تَوَّابٌ صیغہ مبالغہ ہے جس میں رحمت کے ساتھ بار بار رجوع کرنے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

ابن اسحاق نے غزوہ فتح مکہ کے تعلق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ کا ذکر کیا ہے کہ آپؐ نے عثمان بن طلحہؓ حاجب کعبہ سے چابی منگوائی اور کعبہ کھلوایا اور اس کے دروازہ میں کھڑے ہو کر قریش سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا: یَا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ مَا تَرَوْنَ اَنِّیْ فَاعِلٌ فِیْکُمْ؟ قَالُوْا خَیْرًا، اَخٌ کَرِیْمٌ وَابْنُ اَخٍ کَرِیْمٍ۔ قَالَ اذْھَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَآءُ۔[1] اے قریش کے لوگو! تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تم سے کیا کرنے والا ہوں؟ انہوں نے کہا: اچھا ہی کریں گے۔ شریف بھائی ہو۔ شریف بھائی کے بیٹے ہو۔ فرمایا: جاؤ تم آزاد ہو۔ یہ کہہ کر آپؐ بیٹھ گئے۔ اور ابن عائذ کی روایت میں ہے: عثمان کو چابی واپس دی اور فرمایا: خُذْھَا خَالِدَۃً مُخَلَّدَۃً اِنِّیْ لَمْ اَدْفَعْھَا اِلَیْکُمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ دَفَعَھَا اِلَیْکُمْ وَلَا یَنْزِعُھَا مِنْکُمْ اِلَّا ظَالِمٌ۔ چابی لو (اور دعا کی کہ) ہمیشہ ہمیش تمہارے پاس رہے۔ یہ میں نے تمہیں نہیں دی بلکہ اللہ نے دی ہے۔ ظالم ہی تم سے چھینے گا۔''[2]

(ترجمہ و شرح صحیح بخاری، کتاب المغازی باب ۵۱، جلد نہم صفحہ ۱۴۱، ۱۴۲)

---

[1] (السیرۃ النبویۃ لابن ھشام، ذکر فتح مکۃ، طواف الرسول بالبیت و کلمتہ فیہ جزء ۲ صفحہ ۴۱۲)
[2] (فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۲۴)

باب ۳: قَوْلُهُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ○ (النصر: ۳)

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا: اور جب تو لوگوں کو دیکھے کہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں

٤٩٦٩: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سَأَلَهُمْ عَنْ قَوْلِهِ تَعَالَى إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ (النصر: ۲) قَالُوا فَتْحُ الْمَدَائِنِ وَالْقُصُورِ قَالَ مَا تَقُولُ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ أَجَلٌ أَوْ مَثَلٌ ضُرِبَ لِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُعِيَتْ لَهُ نَفْسُهُ.

أطرافه: ٣٦٢٧، ٤٢٩٤، ٤٤٣٠، ٤٩٧٠-

۴۹۶۹: عبد اللہ بن ابی شیبہ نے ہم سے بیان کیا کہ عبد الرحمٰن (بن مہدی) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے سفیان (ثوری) سے، سفیان نے حبیب بن ابی ثابت سے، حبیب نے سعید بن جبیر سے، سعید نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ سے اللہ تعالیٰ کے اس قول یعنی جب اللہ کی مدد اور کامل غلبہ آجائے گا، کے متعلق پوچھا تو اُنہوں نے کہا: اس سے مراد شہروں اور محلات کا فتح کیا جانا ہے۔ حضرت عمرؓ نے (مجھ سے) کہا: ابنِ عباسؓ تم کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا: یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہے یا مثال ہے جو آپؐ کے لئے بیان کی گئی جس میں آپؐ کو آپؐ کی وفات کی خبر دی گئی ہے۔

بَاب ٤: قَوْلُهُ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ○ (النصر: ۳)

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا: اپنے ربّ کی حمد سے تسبیح بیان کر اور اس سے مغفرت مانگ کیونکہ وہ توّاب یعنی بندوں کی توبہ قبول کرنے والا ہے۔

تَوَّابٌ عَلَى الْعِبَادِ، وَالتَّوَّابُ مِنَ النَّاسِ التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ.

توّاب کے معنی ہیں بندوں کی توبہ قبول کرنے والا اور لوگوں میں سے توّاب وہ ہے جو گناہ سے رجوع کرے۔

٤٩٧٠: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ

۴۹۷۰: موسیٰ بن اسماعیل نے ہم سے بیان کیا کہ ابو عوانہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ابو بشر سے، ابو بشر

سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ عُمَرُ يُدْخِلُنِي مَعَ أَشْيَاخِ بَدْرٍ فَكَأَنَّ بَعْضَهُمْ وَجَدَ فِي نَفْسِهِ فَقَالَ لِمَ تُدْخِلُ هَذَا مَعَنَا وَلَنَا أَبْنَاءٌ مِثْلُهُ فَقَالَ عُمَرُ إِنَّهُ مِنْ حَيْثُ عَلِمْتُمْ فَدَعَا ذَاتَ يَوْمٍ فَأَدْخَلَهُ مَعَهُمْ فَمَا رُئِيتُ أَنَّهُ دَعَانِي يَوْمَئِذٍ إِلَّا لِيُرِيَهُمْ قَالَ مَا تَقُولُونَ فِي قَوْلِ اللهِ تَعَالَى إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ فَقَالَ بَعْضُهُمْ أُمِرْنَا نَحْمَدُ اللهَ وَنَسْتَغْفِرُهُ إِذَا نُصِرْنَاوَفُتِحَ عَلَيْنَا وَسَكَتَ بَعْضُهُمْ فَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا فَقَالَ لِي أَكَذَاكَ تَقُولُ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ فَقُلْتُ لَا قَالَ فَمَا تَقُولُ قُلْتُ هُوَ أَجَلُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْلَمَهُ لَهُ قَالَ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ (النصر:۲) وَذَلِكَ عَلَامَةُ أَجَلِكَ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا○ (النصر:۳) فَقَالَ عُمَرُ مَا أَعْلَمُ مِنْهَا إِلَّا مَا تَقُولُ.

أطرافه: ٣٦٢٧، ٤٢٩٤، ٤٤٣٠، ٤٩٦٩-

نے سعید بن جبیر سے، سعید نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: حضرت عمرؓ مجھے ان بڑی عمر کے صحابہ کے ساتھ (گھر میں) بلایا کرتے تھے جو بدر میں شریک تھے ان میں سے کسی نے اپنے نفس میں بُرا منایا اور کہا: آپؓ اس کو ہمارے ساتھ کیوں بلاتے ہیں؟ حالانکہ ہمارے بھی اس جیسے بیٹے ہیں حضرت عمرؓ نے فرمایا: یہ اس حیثیت کا ہے جو تم جانتے ہو حضرت عمرؓ نے ایک دن بلایا اور حضرت ابن عباسؓ کو بھی ان کے ساتھ اندر بلایا۔ میں یہی سمجھتا ہوں کہ آپؓ نے جو مجھے اس دن بلایا تو محض اس لئے کہ ان کو دکھلائیں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ تم اللہ تعالیٰ کے اس قول یعنی ''جب اللہ کی نصرت اور فتح آجائے'' کے متعلق کیا سمجھتے ہو؟ تو ان میں سے بعض نے کہا: ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اللہ کی حمد بیان کریں اور اس سے مغفرت کی دعا کریں، جب ہمیں نصرت اور فتح ہو اور ان میں سے بعض خاموش رہے اور کچھ نہ کہا۔ پھر انہوں نے مجھے فرمایا: ابن عباسؓ کیا تم بھی اسی طرح کہتے ہو؟ میں نے کہا: نہیں۔ انہوں نے فرمایا: پھر تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کی وفات مراد ہے جس سے اللہ نے آپؐ کو آگاہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب اللہ کی نصرت اور فتح آجائے تو یہ تمہاری وفات کی علامت ہے۔ اس لئے تو اپنے ربّ کی حمد سے تسبیح بیان کر اور اس سے مغفرت مانگ کیونکہ وہ توّاب ہے۔ حضرت عمرؓ نے یہ سن کر فرمایا: میں بھی اس سے یہی سمجھتا ہوں جو تم کہتے ہو۔

تشریح: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ عُمَرُ يُدْخِلُنِي مَعَ أَشْيَاخِ بَدْرٍ: حضرت عبد اللہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ اور حضرت امِ فضل کے بیٹے تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت میمونہؓ کی بہن تھیں حضرت ام فضلؓ حضرت خدیجہؓ کے بعد عورتوں میں سب سے پہلے ایمان لائیں۔ حضرت عباسؓ سن آٹھ ہجری میں فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے مسلمان ہوئے اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے۔ حضرت عبد اللہؓ کی عمر اس وقت گیارہ برس تھی۔ اپنی خالہ حضرت میمونہؓ کے گھر اکثر جانے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور آپ کے ساتھ نمازیں پڑھنے کی سعادت ملتی رہی۔ آپ کے علم و فضل کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا اعجاز ہے جو آپؐ نے کئی مواقع پر حضرت عبد اللہؓ کے لیے کی۔ بخاری کی ایک روایت میں ذکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہؓ کو اپنے سینے سے لگایا اور یہ دعا کی: اللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْحِكْمَةَ۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں اللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ۔ (بخاری، کتاب المناقب، باب ذکر ابنِ عباس رضی اللہ عنہما، روایت نمبر ۳۷۵۶)

۱۱۱ ـ سُورَةُ تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اللہ کے نام کے ساتھ جو رحمٰن اور رحیم ہے

تَبَابٌ خُسْرَانٌ، تَتْبِيبٌ تَدْمِيرٌ. — تَبَابٌ کے معنی ہیں گھاٹا۔ تَتْبِيبٌ کے معنی ہیں تباہ کرنا۔

تشریح: **سُورَةُ تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ**: حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''سورۂ لہب میں سورۃ نصر کے مضمون کو مکمل کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ صرف یہی نہیں ہوگا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد فتوحات کے دروازے کھلتے چلے جائیں گے اور اسلام غالب ہو جائے گا بلکہ اگر کسی نے اسلام کو مٹانے کے لیے اس پر حملہ کیا تو اللہ تعالیٰ اس حملہ آور کو تباہ کر دے گا نہ صرف اس کو بلکہ ان کو بھی جو اس حملہ آور کی تائید میں ہوں گے۔ ایسے لوگ جو اسلام کے خلاف حملہ آور ہونے والے تھے ان کو اس سورۃ میں ابولہب کے نام سے پکارا ہے اور ان کو جو ایسے لوگوں کی تائید میں ہوں گے بیوی کے لفظ سے تعبیر کیا ہے گویا ابولہب سے مراد ائمہ کفر ہیں اور اس کی بیوی سے مراد ان کے اتباع۔''

(تفسیر کبیر، سورۃ اللھب، جلد ۱۰ صفحہ ۴۹۶)

مفردات امام راغب میں لکھا ہے: التَّبُّ و التَّبَابُ اَلْاِسْتِمْرَارُ فِى الْخُسْرَانِ۔ یعنی التَّبُّ والتَّبَابُ (جو تَبَّ فعل کے مصدر ہیں) کے معنی ہیں ہمیشہ گھاٹا اُٹھانا۔ اور تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ کے معنی ہیں اِسْتَمَرَّتْ فِى خُسْرَانِهٖ۔ ابولہب کے دونوں ہاتھ ضرور نقصان اٹھائیں گے۔ (المفردات فی غریب القرآن، کتاب التاء، تَبَّ)

باب ۱

٤٩٧١: حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (الشعراء: ٢١٥) وَرَهْطَكَ

۴۹۷۱: یوسف بن موسیٰ نے ہم سے بیان کیا کہ ابواُسامہ نے ہمیں بتایا: اعمش نے ہم سے بیان کیا کہ عمرو بن مرہ نے ہمیں بتایا۔ عمرو نے سعید بن جبیر سے، سعید نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ اُنہوں نے کہا کہ جب یہ آیت وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ یعنی اور تو اپنے سب

مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ خَرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى صَعِدَ الصَّفَا فَهَتَفَ يَا صَبَاحَاهْ فَقَالُوا مَنْ هَذَا فَاجْتَمَعُوا إِلَيْهِ فَقَالَ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ خَيْلًا تَخْرُجُ مِنْ سَفْحِ هَذَا الْجَبَلِ أَكُنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ قَالُوا مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ كَذِبًا قَالَ فَإِنِّي نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ قَالَ أَبُو لَهَبٍ تَبًّا لَكَ مَا جَمَعْتَنَا إِلَّا لِهَذَا ثُمَّ قَامَ فَنَزَلَتْ تَبَّتْ يَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ (اللهب:۲) وَ قَدْ تَبَّ هَكَذَا قَرَأَهَا الْأَعْمَشُ يَوْمَئِذٍ.

سے قریبی رشتہ داروں کو ڈرا یعنی اپنے قبیلہ میں سے چنیدہ کو، نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر گئے اور صفا پر چڑھے اور یَا صَبَاحَاہ زور سے پکارا۔ لوگوں نے کہا: یہ کون ہے؟ اور سن کر سب آپؐ کے پاس جمع ہو گئے۔ آپؐ نے فرمایا: بتاؤ تو سہی اگر میں تم کو یہ خبر دوں کہ کچھ سوار اس پہاڑ کے دامن سے نکل کر حملہ کریں گے کیا تم مجھے سچا سمجھو گے؟ انہوں نے کہا: ہم نے آپ کے متعلق کبھی جھوٹ کا تجربہ نہیں کیا۔ آپؐ نے فرمایا: تو پھر میں تمہیں ایک سخت عذاب کے آنے سے پیشتر ہی آگاہ کیے دیتا ہوں۔ ابو لہب نے کہا: تم پر تباہی! صرف اسی لئے تم نے ہمیں اکٹھا کیا تھا۔ پھر اُٹھ کر چل دیا اور یہ آیت نازل ہوئی: تَبَّتْ يَدَآ... یعنی ابو لہب کے دونوں ہاتھ تباہ ہو گئے اور وہ خود بھی تباہ ہو گیا۔ اعمش نے اس دن یوں پڑھا: وَقَدْ تَبَّ یعنی وہ خود بھی تباہ ہو گیا۔

أطرافه: ۱۳۹۴، ۳۵۲۵، ۳۵۲۶، ۴۷۷۰، ۴۸۰۱، ۴۹۷۲، ۴۹۷۳-

بَاب ۲ : وَتَبَّ ۝ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝ (اللهب:۲،۳)

(اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا): وہ خود بھی تباہ ہوا اس کا مال اور جو کچھ بھی اس نے کمایا اس کے کام نہ آیا

٤٩٧٢ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ

۴۹۷۲: محمد بن سلام نے ہم سے بیان کیا کہ ابو معاویہ نے ہمیں خبر دی کہ اعمش نے ہم سے بیان کیا۔ اعمش نے عمرو بن مرہ سے، عمرو نے سعید بن جبیر سے، سعید نے حضرت ابن عباسؓ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ إِلَى الْبَطْحَاءِ فَصَعِدَ إِلَى الْجَبَلِ فَنَادَى يَا صَبَاحَاهْ فَاجْتَمَعَتْ إِلَيْهِ قُرَيْشٌ فَقَالَ أَرَأَيْتُمْ إِنْ حَدَّثْتُكُمْ أَنَّ الْعَدُوَّ مُصَبِّحُكُمْ أَوْ مُمَسِّيكُمْ أَكُنْتُمْ تُصَدِّقُونِي قَالُوا نَعَمْ قَالَ فَإِنِّي نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ فَقَالَ أَبُو لَهَبٍ أَلِهَذَا جَمَعْتَنَا تَبًّا لَكَ فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ (اللهب:٢) إِلَى آخِرِهَا.

سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بطحاء کی طرف نکلے اور پہاڑ پر چڑھ گئے اور (بلند آواز سے) یاصباحاہ پکارنے لگے۔ یہ سن کر قریش آپؐ کے پاس اکٹھے ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا: بتلاؤ تو سہی اگر میں تم سے یہ کہوں کہ دشمن تم پر صبح کو یا شام کو چھاپا مارنے والا ہے کیا تم مجھ کو سچا سمجھو گے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ آپؐ نے فرمایا: میں تم کو سخت عذاب کے آنے سے پیشتر ہی ڈرائے دیتا ہوں۔ ابولہب نے یہ سن کر کہا: کیا اس لئے تم نے ہمیں اکٹھا کیا تھا؟ تم پر تباہی۔ تب اللہ عزوجل نے یہ سورۃ آخر تک نازل کی تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ۔

أطرافه: ١٣٩٤، ٣٥٢٥، ٣٥٢٦، ٤٧٧٠، ٤٨٠١، ٤٩٧١، ٤٩٧٣۔

باب ۳: قَوْلُهُ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ (اللهب:٤)

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا: وہ ضرور آگ میں پڑے گا جو (اسی کی طرح) شعلے مارنے والی ہوگی

٤٩٧٣: حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ أَبُو لَهَبٍ تَبًّا لَكَ أَلِهَذَا جَمَعْتَنَا فَنَزَلَتْ تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ (اللهب:٢).

۴۹۷۳: عمر بن حفص (بن غیاث) نے ہم سے بیان کیا کہ میرے باپ نے ہمیں بتایا۔ اعمش نے ہم سے بیان کیا کہ عمرو بن مرہ نے مجھے بتایا۔ اُنہوں نے سعید بن جبیر سے، سعید نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ ابولہب نے کہا: تم پر تباہی ہو، کیا اس لیے تم نے ہمیں اکٹھا کیا تھا۔ اس وقت یہ سورۃ نازل ہوئی تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ۔

أطرافه: ١٣٩٤، ٣٥٢٥، ٣٥٢٦، ٤٧٧٠، ٤٨٠١، ٤٩٧١، ٤٩٧٢۔

تشریح: سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ: حضرت مرزا بشیر احمد ایم اے رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:
''یہ ابتدائی زمانہ اسی طرح خاموش اور خفیہ تبلیغ میں گذر رہا تھا اور

بعثتِ نبویؐ پر قریباً تین سال گذر چکے تھے اور اب چوتھا سال شروع تھا کہ الٰہی حکم نازل ہوا کہ فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ (الحجر: ۹۵) یعنی اے رسُول! جو حکم تجھے دیا گیا ہے وہ کھول کھول کر لوگوں کو سُنا دے۔ اور اس کے قریب ہی یہ آیت اُتری کہ وَ اَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ ○ (الشعراء: ۲۱۵) یعنی اپنے قریبی رشتہ داروں کو ہوشیار و بیدار کر۔ جب یہ احکام اُترے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوہِ صفا پر چڑھ گئے اور بلند آواز سے پُکار کر اور ہر قبیلہ کا نام لے لے کر قریش کو بلایا۔[۱] جب سب لوگ جمع ہو گئے۔ تو آپؐ نے فرمایا: ”اے قریش! اگر مَیں تم کو یہ خبر دُوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک بڑا لشکر ہے جو تم پر حملہ کرنے کو تیار ہے تو کیا تم میری بات کو مانو گے؟“ بظاہر یہ ایک بالکل ناقابلِ قبول بات تھی مگر سب نے کہا: ”ہاں ہم ضرور مانیں گے کیونکہ ہم نے تمہیں ہمیشہ صادق القول پایا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ”تو پھر سنو! مَیں تم کو خبر دیتا ہوں کہ اللہ کے عذاب کا لشکر تمہارے قریب پہنچ چکا ہے۔ خُدا پر ایمان لاؤ تا اس عذاب سے بچ جاؤ۔“ جب قریش نے یہ الفاظ سُنے تو کِھل کِھلا کر ہنس پڑے اور آپؐ کے چچا ابو لہب نے آپؐ سے مخاطب ہو کر کہا: ”تَبًّا لَكَ اَلِهٰذَا جَمَعۡتَنَا“ محمد تو ہلاک ہو۔ کیا اس غرض سے تو نے ہم کو جمع کیا تھا؟“ پھر سب لوگ ہنسی مذاق کرتے ہوئے منتشر ہو گئے۔[۲]

انہی دنوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے ارشاد فرمایا کہ ایک دعوت کا انتظام کرو اور اس میں بنو عبد المطلب کو بلاؤ تاکہ اس ذریعہ سے اُن تک پیغامِ حق پہنچایا جاوے۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے دعوت کا انتظام کیا اور آپؐ نے اپنے سب قریبی رشتہ داروں کو جو اس وقت کم و بیش چالیس نفوس تھے اس دعوت میں بُلایا۔ جب وہ کھانا کھا چکے تو آپؐ نے کچھ تقریر شروع کرنی چاہی مگر بد بخت ابو لہب نے کچھ ایسی بات کہہ دی جس سے سب لوگ منتشر ہو گئے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ ”یہ موقع تو جاتا رہا اب پھر

---

[۱] (صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب من انتسب إلی آبائه فی الاسلام والجاھلیة)

[۲] (تاریخ الطبری، القول فی السیرة النبویة، ذکر الخبر عما کان من أمر نبی ...، جزء۲ صفحہ ۳۱۹ تا ۳۲۱)
(تاریخ الخمیس، الرکن الثانی، ذکر ما وقع فی السنة الثانیة والثالثة من النبوّة، جزء الاول صفحہ ۲۸۷، ۲۸۸)

دعوت کا انتظام کرو۔'' چنانچہ آپؐ کے رشتہ دار پھر جمع ہوئے اور آپؐ نے انہیں یوں مخاطب کیا کہ ''اے بنو عبد المطلب! دیکھو مَیں تمہاری طرف وہ بات لے کر آیا ہوں کہ اس سے بڑھ کر اچھی بات کوئی شخص اپنے قبیلہ کی طرف نہیں لایا۔ میں تمہیں خُدا کی طرف بُلاتا ہوں۔ اگر تم میری بات مانو تو تم دین و دُنیا کی بہترین نعمتوں کے وارث بنو گے۔ اب بتاؤ اس کام میں میرا کون مددگار ہوگا؟'' سب خاموش تھے اور ہر طرف مجلس میں ایک سنّاٹا تھا کہ یکلخت ایک طرف سے ایک تیرہ سال کا دُبلا پتلا بچہ جس کی آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا اُٹھا اور یوں گویا ہوا۔ ''گو مَیں سب میں کمزور ہوں اور سب میں چھوٹا ہوں مگر مَیں آپؐ کا ساتھ دوں گا۔'' یہ حضرت علیؓ کی آواز تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے یہ الفاظ سُنے تو اپنے رشتہ داروں کی طرف دیکھ کر فرمایا: ''اگر تم جانو تو اس بچے کی بات سُنو اور اسے مانو۔'' حاضرین نے یہ نظارہ دیکھا تو بجائے عبرت حاصل کرنے کے سب کِھل کِھلا کر ہنس پڑے اور ابو لہب اپنے بڑے بھائی ابو طالب سے کہنے لگا: ''لو اَب محمد تمہیں یہ حکم دیتا ہے کہ تم اپنے بیٹے کی پیروی اختیار کرو۔'' اور پھر یہ لوگ اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کمزوری پر ہنسی اُڑاتے ہوئے رُخصت ہو گئے۔''[1]

(سیرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم، مصنفہ حضرت مرزا بشیر احمدؓ ایم اے، صفحہ ۱۴۵، ۱۴۶)

بَاب ٤ : وَامْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ (اللهب:٥)

اور اس کی بیوی بھی جو ایندھن اٹھائے پھرتی ہے

وَقَالَ مُجَاهِدٌ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ (اللهب:٥) تَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ. فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ (اللهب:٦) يُقَالُ: مِنْ مَّسَدٍ (اللهب:٦) لِيفِ الْمُقْلِ وَهِيَ السِّلْسِلَةُ الَّتِي فِي النَّارِ.

اور مجاہد نے کہا: حَمَّالَةَ الْحَطَبِ سے مراد ہے چغلی کھاتی پھرتی ہے۔ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ کے معنی ہیں: اس کے گلے میں کھجور کی رسی ہے۔ مِنْ مَّسَدٍ: مُقل[2] درخت کی چھال کو بھی کہتے ہیں اور یہ بھی ایک زنجیر ہے جو آگ میں ہوگی۔

[1] (تاریخ الطبری، القول فی السیرۃ النبویۃ، ذکر الخبر عما کان من أمر نبی اللہ، جزء الثانی صفحہ ۳۲۱)

[2] گوگل، کھجور کے مشابہہ ایک جنگلی درخت ہے۔ (قاموس الوحید۔ مقل)

تشریح: وَامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ: اور اس کی بیوی بھی جو ایندھن اٹھائے پھرتی ہے۔
حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

’’حضرت ابو رافع فرماتے ہیں کہ میں عباسؓ بن عبد المطلب کا غلام تھا اور ہمارے گھر میں اسلام داخل ہو چکا تھا کیونکہ حضرت عباسؓ مسلمان ہو چکے تھے۔ اور اُم فضلؓ بھی اسلام میں داخل ہو گئی تھی۔ اور مَیں بھی مسلمان ہو گیا تھا لیکن ہم لوگ قوم سے ڈرتے تھے۔ اور عام طور پر اپنے اسلام کو ظاہر نہ کرتے تھے کہ زمانہ ابتدائی تھا اور لوگ سخت دُکھ دیتے تھے۔ جنگِ بدر کے موقعہ پر ابو لہب خود نہ گیا تھا۔ بلکہ اپنی جگہ دو آدمیوں کو بھیج دیا تھا۔ جب خبر آئی کہ جنگِ بدر میں مسلمانوں کی فتح ہوئی تو ہمیں قوت پیدا ہوئی اور ہم بہت خوش ہوئے۔ میں اور امّ فضلؓ ایک جگہ بیٹھے تھے۔ اوپر سے ابو لہب آیا اور وہ بھی بیٹھ گیا۔ اتنے میں ابو سفیان جنگ سے واپس آیا۔ ابو لہب نے اس سے جنگ کی کیفیت پوچھی۔ ابو سفیان نے منجملہ اور باتوں کے بیان کیا کہ عجیب بات ہے کہ ہمارے مقابلہ میں کچھ گورے رنگ کے سوار بھی تھے۔ جو آسمان اور زمین کے درمیان میں تھے۔ مَیں نے کہا وہ خدا کے فرشتے تھے۔ میرا یہ کہنا تھا کہ ابو لہب اٹھا اور مجھے مارنے لگا لیکن امّ فضلؓ نے مجھے چھڑایا اور ابو لہب کو مارا اور لعنت ملامت کی اس کے سات دن بعد اس کے ہاتھ پر ایک پھوڑا نکلا اور اسی سے مر گیا۔‘‘ (حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۵۴۴)

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

’’بخاری شریف میں آیا ہے: قَالَ مُجَاهِدٌ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ (اللهب:۵) تَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ۔ حَمَّالَةَ الْحَطَب وہ ہے جو چغل خوری کرتی پھرتی ہے۔ کہتے ہیں، اس کی عادت تھی کہ گھر میں جلانے کے واسطے لکڑیاں خود جنگل میں جا کر چُنتی تھی اور اکٹھی کر کے خود اٹھا کر لاتی تھی۔ اس واسطے بھی اس کا نام حَمَّالَةَ الْحَطَب تھا اور آنحضرتؐ کے ساتھ ایسی دشمنی رکھتی تھی کہ جنگل سے کانٹے اور خس و خاشاک اکٹھے کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر آپؐ کے راستہ میں بچھا دیتی تھی۔ تا کہ آپؐ کو تکلیف پہنچے اور رات کو جب آپؐ نماز کے واسطے باہر جائیں تو

آپؐ کو کانٹوں کے سبب تکلیف ہو۔ لکھا ہے کہ جب یہ سورۃ نازل ہوئی اور اس کو خبر لگی کہ میرے اور میرے خاوند کے حق میں اس قسم کے الفاظ آنحضرتؐ نے سنائے ہیں تو بڑی شوخی اور بے باکی کے ساتھ ایک رسّی ہاتھ میں لئے آنحضرتؐ کے پاس آئی اور اس طرح کہتی آتی تھی مُذَمَّمًا اَبَیْنَا دِیْنَهٗ قَلَیْنَا وَ اَمْرَهٗ عَصَیْنَا ہم نے ایک مذمّت کئے گئے کا انکار کیا اور اس کے دین کو ہم نے ناپسند کیا اور اس کے حکم کی ہم نے نافرمانی کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمن نابکار بجائے محمدؐ کے مذمّم کہا کرتے تھے۔ محمدؐ کے معنے ہیں تعریف کیا گیا اور مذمّم کے معنے ہیں مذمّت کیا گیا۔ نابکار دشمن ہمیشہ اس قسم کی شرارتیں کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ آجکل کے بیوقوف مخالف لفظ قادیانی کو کادیانی لکھ کر ایک احمقانہ خوشی اپنے واسطے پیدا کر لیتے ہیں مگر ایسی باتوں سے کیا ہوسکتا تھا۔ جس کو خدا تعالیٰ عزّت دینا چاہتا ہے اس کو ذلیل کرنے کے واسطے کوئی ہزار ناک رگڑے اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔“

(حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۵۴۵، ۵۴۶)

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”لکھا ہے کہ ایک دفعہ یہ عورت اسی طرح لکڑیوں کا بڑا گٹھا اٹھا کر جنگل سے لاتی تھی۔ راستہ میں ایک پتھر پر گٹھا ٹکا کر اور پُشت لگا کر آرام لینے کے واسطے ٹھیر گئی تو وہی گٹھا پتھر سے نیچے کھسک کر لٹکنے لگا۔ اس کے بوجھ سے گردن کی رسّی سخت ہو کر اسے جہنم واصل کر گئی۔ ایسی بدکاروں کا یہی انجام ہوتا ہے۔ خواہ وہ اپنے ملک اور قوم میں معزز ہی ہوں مگر اللہ تعالیٰ کے رسول کی عداوت انسان کو سخت نقصان میں ڈال دیتی ہے۔ اور اگلے پچھلے تمام عمل ضائع ہوتے ہیں۔“

(حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۵۴۶، ۵۴۷)

۱۱۲_ سُوْرَةُ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام کے ساتھ جو رحمٰن اور رحیم ہے

يُقَالُ لَا يُنَوَّنُ اَحَدٌ (الاخلاص:۲) أَيْ وَاحِدٌ .

کہا جاتا ہے کہ اَحَدٌ کو تنوین سے نہ پڑھا جائے۔ اس کے معنی ہیں ایک۔

باب ۱

٤٩٧٤: حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ حَدَّثَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ اللهُ تَعَالَى كَذَّبَنِي ابْنُ آدَمَ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذَلِكَ وَشَتَمَنِي وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذَلِكَ فَأَمَّا تَكْذِيبُهُ إِيَّايَ فَقَوْلُهُ لَنْ يُعِيدَنِي كَمَا بَدَأَنِي وَلَيْسَ أَوَّلُ الْخَلْقِ بِأَهْوَنَ عَلَيَّ مِنْ إِعَادَتِهِ وَأَمَّا شَتْمُهُ إِيَّايَ فَقَوْلُهُ اتَّخَذَ اللهُ وَلَدًا (البقرة:۱۱۷)(یونس:۶۹)(الکھف:۵) وَأَنَا الْأَحَدُ الصَّمَدُ لَمْ أَلِدْ وَلَمْ أُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لِي كُفُوًا أَحَدٌ.

۴۹۷۴: ابوالیمان نے ہم سے بیان کیا کہ شعیب نے ہمیں بتایا کہ ابوالزناد نے ہم سے بیان کیا۔ اُنہوں نے اعرج سے، اعرج نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے، حضرت ابوہریرہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی، آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ابن آدم نے مجھے جھٹلایا اور اُسے یہ نہیں چاہیے تھا اور اس نے مجھے گالی دی اور اُسے یہ نہیں چاہیے تھا۔ جو اس کا مجھے جھٹلانا ہے تو اس کا یہ کہنا ہے کہ وہ مجھے دوبارہ ہرگز پیدا نہیں کرے گا جیسا کہ اس نے پہلے پہل پیدا کیا۔ حالانکہ میرے لئے پہلی پیدائش اس کو دوبارہ پیدا کرنے سے زیادہ آسان نہیں اور جو اس کا مجھے گالی دینا ہے تو اس کا یہ کہنا ہے کہ اللہ نے ایک بیٹا بنایا۔ حالانکہ میں اکیلا ہوں، بے نیاز ہوں، نہ میں نے جنا اور نہ جنا گیا اور کوئی بھی میرے جوڑ کا نہیں۔

اطرافه: ۳۱۹۳، ۴۹۷۵۔

تشریح: سُوْرَةُ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ: حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ اِنِّیْ اُحِبُّ هٰذِهِ السُّوْرَةَ میں اس سورہ (اخلاص)

سے محبت رکھتا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حُبُّكَ اِيَّاهَا اَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ اس کی محبت تجھے بہشت میں داخل کر دے گی۔ ایسا ہی اور بہت سی حدیثوں میں اس سورۂ شریفہ کی تعریف آتی ہے کہ یہ قرآن کریم کے تیسرے حصّہ کے برابر ہے۔ اور اس کے پڑھنے کے بڑے بڑے فوائد ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سورۂ شریفہ میں خالصتًا اللہ تعالیٰ کی توحید کا ذکر ہے اور تمام انبیاء اور رسول جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوتے ہیں ان کی بعثت کا اصل منشاء یہی ہوتا ہے کہ توحید الٰہی کو دنیا میں قائم کریں کہ ایک خدا کی عبادت میں مخلوق کو لگا دیں۔"

(حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۵۵۷)

نیز فرمایا:

"اس سورۃ کے فضائل میں سے ایک یہ بھی حدیث صحیح سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سورۃ ثواب میں قرآن شریف کے تیسرے حصّہ کے برابر ہے۔ یہ بات بالکل سچی اور بہت ہی سچی ہے۔ اس واسطے کہ قرآن شریف مشتمل ہے اللہ تعالیٰ کی ذات صفات کے مضامین، دنیوی امور یعنی اخلاقی، معاشرتی، تمدّنی اور پھر بعد الموت یعنی قیامت کے متعلقہ مضامین پر۔ اس سورۃ میں چونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کی ذات کے متعلق ہی ذکر ہے۔ اسی طرح سے بلحاظ تقسیم مضامین یہ سورۃ قرآن شریف کے ۱/۳ کے برابر ہے یعنی قرآن کریم کے تین اہم اور ضروری مضامین میں سے ایک مضمون کا ذکر اس سورۃ میں کیا گیا ہے۔"

(حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۵۵۹)

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ نے اس سورۃ کے بعض نام بیان فرمائے ہیں جن میں اس سورۃ کے فضائل بیان کیے گئے ہیں۔

"۱-سورۃ التفرید: کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ایک اور فرد ہونے اور تثلیث وغیرہ کی تردید میں ہے۔

۲-سورۃ التجرید: کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ایک اور لاثانی ہونے کا اس میں بیان ہے۔

۳-سورۃ التوحید: کیونکہ توحید کا ایسا واضح بیان کسی دوسری کتاب میں نہیں ہے۔

۴-سورۃ الاخلاص: اور یہ نام زیادہ تر مشہور ہے۔ کیونکہ اس سورۃ میں خالص

اللہ تعالیٰ کی توحید کا اور صفات اضافیہ اور سلبیہ کا ذکر ہے اور سوائے خدا تعالیٰ کے جلال کے بیان کے اور کسی امر کا اس سورۂ شریفہ میں ذکر نہیں ہے۔ جو کوئی اس کے بیان پر پورا ایمان رکھے وہ اللہ کے دین میں مخلص ہے۔

۵-سورۃ النجاۃ: کیونکہ اس پر پورا ایمان لانے سے اور اسی یقین پر مرنے سے کہ خدا ایک ہے انسان نجات پاتا ہے اور دوزخ سے بچتا ہے۔ برخلاف اس کے عیسائیوں نے نجات اس میں سمجھی ہے کہ خدا تین بنائے جائیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کا رڈ کیا ہے کہ نجات اس میں ہے کہ خدا تعالیٰ کو ایک مانا جاوے۔

۶- سورۃ الولایۃ: کیونکہ یہ سورۃ پورے علم اور عمل اور معرفت کا ذریعہ ہو کر انسان کو درجہ ولایت تک پہنچا دیتی ہے۔

۷-سورۃ النسبۃ: کیونکہ اس سورۃ کے شانِ نزول میں ذکر ہے کہ کفّار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا کہ آپؐ کے معبود کا نسب نامہ کیا ہے۔ تب یہ سورۃ نازل ہوئی۔

۸-سورۃ المعرفۃ: کیونکہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اسی کلام کی معرفت کے ساتھ کامل ہوتی ہے۔ جابر کی روایت ہے کہ ایک شخص نے نماز پڑھی اور نماز میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کی سورۃ پڑھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ هٰذَا عَرَفَ رَبَّه بیشک اس شخص نے اپنے ربّ کو پہچان لیا۔ اس سے سورۃ کا نام سورۃ المعرفہ ہو گیا۔

۹-سورۃ الجمال: حدیث شریف میں آیا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ وَ يُحِبُّ الْجَمَالَ اللہ تعالےٰ کے جمال کے متعلق جب سوال کیا گیا تو جواب ملا کہ وہ اَحَد، صَمَد، لَمْ يَلِدْ وَ لَمْ يُوْلَدْ ہے۔

۱۰-سورۃ المقشقشۃ: مقشقشہ کے معنے ہیں بری کرنے والا۔ جب کوئی بیمار شفا پاتا ہے تو اہلِ عرب کہتے ہیں تَقَشْقَشَ الْمَرِيْضُ عَمَّا بِه بیمار نے اس سے نجات پائی جس میں وہ گرفتار تھا چونکہ یہ سورۃ شرک اور نفاق سے انسان کو بری کر کے خدا تعالیٰ کا خالص بندہ بنا دیتی ہے۔ اس واسطے اس کا نام مقشقشہ رکھا گیا ہے۔

۱۱-سورۃ المعوّذۃ: کیونکہ ایک دن حضرت رسول کریم ﷺ عثمان بن مظعون کے

پاس تشریف لے گئے تو آپؐ نے اس سورۃ کو اور سورتوں سے ملا کر تعوّذ فرمایا۔

۱۲- سورۃ الصمد: کیونکہ اس میں صمد کا ذکر خصوصیت کے ساتھ ہے۔

۱۳- سورۃ الاساس: حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سات آسمانوں اور سات زمینوں کی بنیاد قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پر بنائی گئی ہے۔ اس بات کی سمجھ قرآن شریف کے اس مقام سے بخوبی آسکتی ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے تثلیث اور ایک انسان کو خدا بنانے اور خدا کا بیٹا بنانے کی بھاری خرابی اور نہایت شرارت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ عقیدہ ایسا ناپاک ہے کہ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ (مریم:۹۱) قریب ہے کہ آسمان ٹوٹ پڑیں اور زمین پھٹ جاوے اور پہاڑ گر جاویں۔ پس جب تثلیث کا باطل عقیدہ دنیا ومافیہا کی خرابی اور بربادی کا موجب ہے۔ تو اس کے بالمقابل توحید اُس کی عمدگی اور آبادی کا باعث ہے۔ ایسا ہی قرآن شریف میں ایک اور جگہ آیا ہے کہ لَوْ كَانَ فِيْهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (الانبیاء:۲۳) اگر زمین و آسمان کے اندر اللہ کے سوائے کوئی اور معبود ہوتا تو ان میں فساد مچ جاتا۔ فساد کی دُوری اس سے ہے کہ ان میں توحید قائم کی جاوے۔

۱۴- سورۃ المانِعة: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ شبِ معراج میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں نے تجھے سورۂ اخلاص عطا کی ہے جو عرش کے خزانوں کے ذخیروں میں سے ہے۔ اور عذابِ قبر سے روکتی ہے۔

۱۵- سورۃ المحضرۃ: کیونکہ اس کے پڑھنے کے وقت فرشتے اس کے سننے کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔

۱۶- سورۃ المنفرۃ: کیونکہ شیطان اسے سُن کر بھاگ جاتا ہے۔

۱۷- سورۃ البراءۃ: کیونکہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو جو یہ سورۃ پڑھتا تھا فرمایا کہ تو آگ سے بری ہو گیا۔

۱۸- سورۃ المذکرۃ: کیونکہ یہ سورۃ انسان کو خدا تعالیٰ کی توحید یاد دلاتی ہے اور غفلت سے نکالتی ہے۔

۱۹-سورۃ النور: حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہر ایک شے کے لئے ایک نور ہوتا ہے اور قرآن شریف کا نور قُلْ هُوَ اللهُ اَحَدٌ ہے۔

۲۰-سورۃ الامان: حدیث شریف میں آیا ہے، جس کسی نے کہا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وہ اللہ کے قلعہ میں داخل ہوا، جو قلعہ میں داخل ہوا، اُس نے امان پائی۔"

(حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۵۵۵ تا ۵۵۷)

بَاب ۲ : قَوْلُهُ اَللّٰهُ الصَّمَدُ (الاخلاص:۳)

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا: اللہ وہ (ہستی) ہے جس کے سب محتاج ہیں (اور وہ کسی کا محتاج نہیں)

وَالْعَرَبُ تُسَمِّي أَشْرَافَهَا الصَّمَدَ. قَالَ أَبُو وَائِلٍ هُوَ السَّيِّدُ الَّذِي انْتَهَى سُودَدُهُ.

اور عرب اپنے شرفاء کو صمد کہتے ہیں۔ ابووائل (شقیق بن سلمہ) نے کہا: صمد وہ سردار ہے جس کی سرداری آخری حد تک پہنچ گئی۔

٤٩٧٥ : حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَذَّبَنِي ابْنُ آدَمَ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذَلِكَ وَشَتَمَنِي وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذَلِكَ أَمَّا تَكْذِيبُهُ إِيَّايَ أَنْ يَقُولَ إِنِّي لَنْ أُعِيدَهُ كَمَا بَدَأْتُهُ وَأَمَّا شَتْمُهُ إِيَّايَ أَنْ يَقُولَ اتَّخَذَ اللهُ وَلَدًا (البقرة:١١٧) (يونس:٦٩) (الكهف:٥) وَأَنَا الصَّمَدُ الَّذِي لَمْ أَلِدْ وَلَمْ أُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لِي كُفُوًا أَحَدٌ، لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (الاخلاص:٤، ٥) كُفُوًا

۴۹۷۵: اسحاق بن منصور نے ہم سے بیان کیا کہ عبدالرزاق نے ہمیں بتایا۔ معمر نے ہمیں خبر دی۔ اُنہوں نے ہمام (بن منبہ) سے، ہمام نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی، انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:) ابن آدم نے مجھے جھٹلایا اور اس کو یہ نہیں چاہیے تھا اور اس نے مجھے گالی دی اور اسے یہ نہیں چاہیئے تھا اور جو اس کا مجھے جھٹلانا ہے تو اس کا یہ کہنا ہے کہ میں اس کو ہرگز دوبارہ پیدا نہیں کروں گا جس طرح کہ پہلے پیدا کیا اور جو اس کا مجھے گالی دینا ہے تو اس کا یہ کہنا ہے کہ اللہ نے ایک بیٹا بنالیا۔ حالانکہ میں بے نیاز (بادشاہ) ہوں کہ میں نے نہ جنا اور نہ جنا گیا اور نہ ہی کوئی میرا ہمسر ہے یعنی نہ اس نے کسی کو جنا ہے اور نہ وہ جنا گیا ہے۔ اور (اس کی صفات

وَكَفِيئًا وَكِفَاءً وَاحِدٌ.

میں) اس کا کوئی بھی شریک کار نہیں۔ كُفُوًا اور كَفِيئًا اور كِفَاءً سب ایک ہی ہیں۔

أطرافه: ۳۱۹۳، ٤٩٧٤۔

تشریح: اَللّٰهُ الصَّمَدُ: اللہ وہ (ہستی) ہے جس کے سب محتاج ہیں (اور وہ کسی کا محتاج نہیں)۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”اس اقلّ عبارت کو جو بقدر ایک سطر بھی نہیں دیکھنا چاہئے کہ کس لطافت اور عمدگی سے ہر یک قسم کی شراکت سے وجود حضرت باری کا منزّہ ہونا بیان فرمایا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ شرکت از روئے حصر عقلی چار قسم پر ہے کبھی شرکت عدد میں ہوتی ہے اور کبھی مرتبہ میں اور کبھی نسب میں اور کبھی فعل اور تاثیر میں۔ سو اس سورۃ میں ان چاروں قسموں کی شرکت سے خدا کا پاک ہونا بیان فرمایا اور کھول کر بتلا دیا کہ وہ اپنے عدد میں ایک ہے دو یا تین نہیں اور وہ صمد ہے یعنی اپنے مرتبہ وجوب اور محتاج الیہ ہونے میں منفرد اور یگانہ ہے اور بجز اس کے تمام چیزیں ممکن الوجود اور ہالک الذّات ہیں جو اس کی طرف ہر دم محتاج ہیں اور وہ لَمْ يَلِدْ ہے یعنی اس کا کوئی بیٹا نہیں تا بوجہ بیٹا ہونے کے اس کا شریک ٹھہر جائے اور وہ لَمْ يُوْلَدْ ہے یعنی اس کا کوئی باپ نہیں تا بوجہ باپ ہونے کے اس کا شریک بن جائے اور وہ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا ہے یعنی اس کے کاموں میں کوئی اس سے برابری کرنے والا نہیں تا باعتبار فعل کے اس کا شریک قرار پاوے۔ سو اس طور سے ظاہر فرمادیا کہ خدائے تعالیٰ چاروں قسم کی شرکت سے پاک اور منزّہ ہے اور وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ ہے۔“

(براہین احمدیہ حصہ چہارم، روحانی خزائن جلد اول، حاشیہ در حاشیہ نمبر ۳ صفحہ ۵۱۸)

۱۱۳۔ سُورَةُ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ

وَقَالَ مُجَاهِدٌ الْفَلَقِ (الفلق:٢) الصُّبْحِ. وَ غَاسِقٍ (الفلق:٤) اللَّيْلِ. إِذَا وَقَبَ (الفلق:٤) غُرُوبُ الشَّمْسِ يُقَالُ أَبْيَنُ مِنْ فَرَقِ وَفَلَقِ الصُّبْحِ. وَقَبَ (الفلق:٤) إِذَا دَخَلَ فِي كُلِّ شَيْءٍ وَأَظْلَمَ.

اور مجاہد نے کہا: اَلْفَلَقِ سے مراد ہے صبح۔ اور غَاسِقٍ سے مراد ہے رات۔ اِذَا وَقَبَ سے مراد سورج کا غروب ہونا ہے۔ کہتے ہیں یہ بات صبح نمایاں ہونے سے زیادہ روشن ہے۔ وَقَبَ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی چیز کسی چیز میں بالکل داخل ہو جائے اور اندھیرا ہو جائے۔

٤٩٧٦: حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَاصِمٍ وَعَبْدَةَ عَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ قَالَ سَأَلْتُ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ عَنِ الْمُعَوِّذَتَيْنِ فَقَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ قِيلَ لِي فَقُلْتُ فَنَحْنُ نَقُولُ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

طرفه: ٤٩٧٧۔

۴۹۷۶: قتیبہ بن سعید نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان (بن عیینہ) نے ہمیں بتایا، انہوں نے عاصم اور عبدہ (بن ابی لبابہ) سے، ان دونوں نے زر بن حُبَیش سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں نے حضرت اُبَیّ بن کعبؓ سے معوذتین کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا: مجھے کہا گیا (کہو)، تو میں نے یوں کہا اور ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

تشریح: **سُورَةُ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ:** حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"یہ سورۃ مشتمل ہے ایک جامع دُعا پر۔ رسول اکرمؐ نے اس سورۃ کے نزول کے بعد بہت سے تعوّذ کی دعائیں ترک کر دی تھیں اور اسی کا ورد کیا کرتے تھے۔ حتّٰی کہ بیماری کی حالت میں بھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس سورۃ کو آپؐ کے دست مبارک پر پڑھ کر آپؐ کے مُنہ اور بدن پر مَلتی تھیں۔ مگر افسوس کہ مسلمانوں نے عام طور سے اب ان عجیب پُر تاثیر اَوراد کو قریباً ترک ہی کر دیا ہے۔"

(حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۵۷۰)

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"یہ سورہ شریفہ مدنی ہے یعنی مدینہ منوّرہ میں نازل ہوئی تھی۔ اس میں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کے بعد پانچ آیتیں ہیں۔ اور تیئیس کلمے ہیں اور تہتر حروف ہیں۔ ...اس سورۃ کے شانِ نزول میں بعض مفسرّوں نے یہ بیان کیا ہے کہ کسی یہودی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا تھا اور اس قسم کے جادوگروں کے شر سے محفوظ رکھنے کے واسطے اللہ تعالیٰ نے یہ دعا سکھلائی۔ اس واقعہ کو اگر احادیث میں دیکھا جائے۔ اوّل تو اس حدیث کا راوی صرف ایک شخص ہے یعنی ھشام۔ حالانکہ اتنے بڑے واقعہ کے واسطے ضروری تھا کہ کوئی اور صاحب بھی اس کا ذکر کرتے۔ دوم: اگر یہ واقعہ صحیح بھی ہو تو اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ پر اس جادو کا کچھ اثر ہو گیا تھا یا آنحضرتؐ نے ان جادو کرنے والے لوگوں کا کچھ پیچھا کیا تھا یا اُن کو گرفتار کیا تھا۔

ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہو سکتا کہ ہر زمانہ میں اور ہر ملک میں اسی قسم کے آدمی ہوا کرتے ہیں جن کا یہ پیشہ ہوا کرتا ہے کہ وہ لوگوں پر جادو کیا کریں۔ اور یہ لوگ تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو خفیہ سازشوں اور شرارتوں کے ذریعہ سے لوگوں کو سزا دیتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص ان کے پاس آیا ہے۔ اور وہ ایک دوسرے شخص کے ساتھ دشمنی رکھتا ہے۔ اس واسطے ان کے پاس اپنی یہ خواہش لاتا ہے کہ میرا دشمن مر جائے یا کسی سخت بیماری میں مبتلا ہو جائے یا مجنون ہو جائے تو وہ اس شخص کو ویسے ہی کوئی تعویذ بنا دیں گے یا کوئی تاگہ گرہیں ڈال کر دیدیں گے اور کہہ دیں گے کہ یہ کسی طرح اپنے دشمنوں کو کھلاؤ یا اس کے گھر میں ڈال دو۔ یا اور کوئی بات اس قسم کی بتلا دیں گے لیکن دراصل یہ صرف ایک ظاہری بات اس شخص کو دھوکا دینے والی ہو گی اور خفیہ طور پر وہ اس کے دشمن کو کسی دوائی کے ذریعہ سے بیمار کرنے یا مجنون کرنے یا ہلاک کرنے پر کمر باندھیں گے۔ اور کسی نہ کسی حیلہ سے اس کام کو پورا کر کے اپنے جادوگر ہونے کا لوگوں کو یقین دلائیں گے۔ دوسری قسم کے وہ لوگ ہوتے ہیں جو توجّہ کے ذریعہ سے اس معاملہ میں کامیابی

حاصل کرنا چاہتے ہیں اور دوسروں کو دُکھ دینے کے درپے رہتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ بھی ہمیشہ دنیا میں ہوتے رہے ہیں۔ اور آجکل اس گروہ کی ایک بڑی جماعت امریکہ میں موجود ہے۔ ان کا مطلب بھی سوائے شرارت کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے پیشہ کو مخفی رکھتے ہیں۔ ورنہ گورنمنٹ ایسے لوگوں کو ہر جگہ گرفتار کر کے سزا دیتی ہے۔ ایسے لوگوں کی شرارتوں سے بچنے کے واسطے انسان کو چاہیئے کہ ہمیشہ ہوشیار رہے اور ہوشیاری کا سب سے عمدہ اور اعلیٰ طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں ان کی شرارت سے پناہ مانگی جائے۔...

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر نہ ہونے کی ایک ظاہر دلیل یہ ہے کہ آنحضرتؐ کو مسحور کہنا تو قرآن شریف میں کفّار کا قول ہے جو کہ جھوٹا قول ہے اور نیز خدا تعالیٰ کا کلام ہے وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدة:۶۸)[1] پھر کس طرح ممکن ہوسکتا ہے کہ کسی یہودی کا جادو آنحضرتؐ پر چل جاتا۔...

فَلَقٌ: اس چیز کو کہتے ہیں جو کہ پھٹ کر پیدا ہو۔ جیسا کہ دانہ جو زمین میں بویا جاتا ہے اور جب اس کو نمی پہنچتی ہے تو وہ پھٹ جاتا ہے اور اس میں سے ایک بڑا درخت پیدا ہوتا ہے۔ ایسا ہی فلق صبح کو بھی کہتے ہیں کہ رات کی تاریکی پھٹ جاتی ہے اور اس میں سے صبح کی روشنی نمودار ہوتی ہے۔ زجاج کا قول ہے اَلْفَلَقُ اَلصُّبْحُ لِاَنَّ اللَّيْلَ يَفْلِقُ عَنْهُ الصُّبْحُ وَيَفْرِقُ فعل بمعنی مفعول۔ فَلَق صبح کو کہتے ہیں کیونکہ رات سے صبح نکلتی ہے اور جدا ہوتی ہے۔ اس جگہ فعل مفعول کے معنوں میں آیا ہے۔ اس کی مثال ہے هُوَ اَبْيَنُ مِنْ فَلَقِ الصُّبْحِ[2]۔ ایسا ہی قرآنِ شریف میں اللہ تعالیٰ کی صفات میں بیان ہوا ہے کہ وہ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ[3] (الانعام:۹۷) ہے رات کے وقت جب تمام دنیا پر اندھیرا چھا جاتا ہے تو بادشاہ اور سپاہی، امیر اور غریب سب برابر ہو جاتے ہیں تاریکی میں شناخت نہیں ہوسکتی کہ دشمن کون ہیں اور

---

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”اور اللہ تجھے لوگوں سے بچائے گا۔“
[2] ”یہ بات صبح نمایاں ہونے سے زیادہ روشن ہے۔“
[3] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”وہ صبحوں کا پھاڑنے والا ہے۔“

دوست کون ہیں۔ کونسی چیز مفید ہے اور کون سی چیز ضرر دینے والی ہے۔ لیکن جب صبح کی روشنی نمودار ہوتی ہے تو انسان پہچان لیتا ہے کہ یہ میرا دوست ہے اور یہ دشمن ہے۔ اور اس چیز سے مجھے فائدہ حاصل ہو سکتا ہے اور اس سے نقصان کا احتمال ہو سکتا ہے گویا اس میں انسان اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتا ہے کہ اے پروردگار اگرچہ ہم اپنی نادانی اور بے علمی اور گناہ گاری کے سبب ایک ظلمت اور تاریکی در تاریکی میں پڑے ہوئے ہیں۔ لیکن تیری وہ ذات ہے کہ تمام تاریکیوں کو دور کر دیتی ہے اور روشنی اور نور پیدا کر کے دُکھ دینے والی چیزوں سے انسان کو بچانے والا تُو ہی ہے۔ پس تُو ہی ہم پر رحم فرما۔ کیونکہ تیرے حضور میں اپنی تمام تاریکیوں سے پناہ گزین ہوتے ہیں ...

فَلَق کسی شے کے پھٹنے کو یا بعض سے بعض کو جدا کرنے کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ عربی میں کہتے ہیں فَلَقْتُهُ فَانْفَلَقَ میں نے اُسے پھاڑا پس وہ پھٹ گیا۔ ایسا ہی خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ فَالِقُ الْإِصْبَاحِ [1] صبح کا پھاڑنے والا، ظاہر کرنے والا، نمودار کرنے والا اور ایسا ہی خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے فَالِقُ الْحَبِّ وَ النَّوٰى [2] دانے اور گٹھلی کا پھاڑنے والا اور اُن سے درخت بنانے والا اور ایسا ہی قرآن شریف میں آیا ہے: فَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ [3] پس ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ اپنی جماعت کو دریا میں لے چل۔ پس وہ دریا پھٹ گیا۔ اور جماعت کے واسطے راستہ ہو گیا اور لشکر صاف نکل گیا اور ایسا ہی اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے: قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ کہ مَیں پناہ پکڑتا ہوں ساتھ پروردگار فلق کے۔ اس جگہ فلق حرف "ل" کی زبر کے ساتھ ہے اور اس کے معنی ہیں صبح کی روشنی اور اس کا چمکنا اور اس کے معنے یہ ہیں کہ اے مخاطب حفاظت طلب کر اور پناہ مانگ، اس رب کے حضور میں جو صبح کا ربّ اور خالق اور مدبر ہے۔ اور اس کے چڑھانے

---

[1] (الأنعام:۹۷)
[2] (الأنعام:۹۶)
[3] (الشعراء:۶۴)

والا ہے۔ جب چاہے اور جس کے لئے اس میں صلاحیت دیکھے اور بعض کا قول ہے کہ اس جگہ فَلَق سے مراد تمام مخلوقات ہے کیونکہ وہ سب کے سب مذکر کے اصلاب سے اور مؤنث کے ارحام سے نکلے ہیں۔ ایسا ہی دانہ پھٹتا ہے تو اس سے سبزی نکلتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ فلق وہ ہے جو کسی شئے سے پھٹ کر جدا ہوتی ہے اور یہ عام ہے تمام مخلوقات پر۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے عدم کی ظلمت کو پھاڑ کر اس کو وجود کی روشنی میں لاتا ہے۔

اور فَلَق کے ذکر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو ذات صفحۂ عالم سے ان ظلمات اور تاریکیوں کو محو کرنے اور مٹا دینے پر تمام قدرت رکھتی ہے اسے یہ بھی طاقت اور قدرت ہے کہ جو شخص عاجزی کے ساتھ اس کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس سے پناہ جُو ہوتا ہے وہ اس کے تمام خوف اور دہشت کو دُور کر دیتا ہے۔ علاوہ ازیں صبح کا طلوع ہونا آغازِ فرحت و سرور کی مثال ہے کہ جس طرح آدمی تمام رات طلوعِ فجر کا انتظار کرتا ہے۔ اسی طرح خائف و عائذ، نجاح و فلاح کے طلوعِ صبح کا انتظار کرتے ہیں۔ بہر تقدیر خدا تعالیٰ کے حضور پناہ مانگنی چاہیئے۔ تمام مخلوق کی برائی سے۔ موذی آدمی، جنّ درندے، وحشی جانور، سانپ بچھو وغیرہ سے...

کعب بن احبار فرماتے ہیں کہ دوزخ میں ایک لق و دق جنگل ہے اس کا نام فلق ہے۔ جب وہ کھولا جاتا ہے تو سارے دوزخی اس کی شدّتِ گرمی کی وجہ سے چیخنے لگتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ دوزخ کی تہہ میں ایک کنواں ہے جسے فَلَق کہتے ہیں۔ اس پر ایک پردہ پڑا ہوا ہے۔ جب وہ اٹھا دیا جاتا ہے تو اس میں سے ایک ایسی سخت آگ نکلتی ہے جس سے خود جہنم چیختی ہے۔ علاوہ اس کے اور بھی بہت سے اقوال ہیں۔ مگر سب سے صحیح تر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ فلق صبح کو کہتے ہیں یا دانہ یا گٹھلی کے پھوٹنے اور اُگنے کا نام ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ یوسف علیہ السلام جب کنوئیں میں ڈالے گئے تھے تو آپؑ کے گھٹنے میں سخت درد ہوا (شاید گرنے کے سبب چوٹ لگی ہو) ایسا سخت درد ہوا کہ تمام رات جاگتے ہوئے گزری۔ یہاں تک کہ طلوعِ صبح کا وقت ہو گیا۔ تب ایک فرشتہ

نازل ہوا جس نے آپؑ کو تسلی دی اور کہا کہ خدا تعالیٰ سے دُعا مانگو۔ وہ اس درد کو دُور کر دیگا۔ حضرت یوسفؑ نے اس فرشتے کو کہا کہ تُو دُعا کر۔ مَیں آمین کہوں گا چنانچہ اس فرشتے نے دعا کی اور حضرت یوسفؑ نے آمین کہی۔ تب خدا تعالیٰ نے اس دُعا کو قبول فرمایا اور وہ درد تھم گیا اور ان کو آرام ہو گیا۔ تب حضرت یوسفؑ نے دعا کی کہ اس وقت جس قدر بیمار ہیں اور تکلیف میں ہیں ان سب کو آرام دیا جائے فرشتے نے اس دُعا پر بھی آمین کہی اور کہتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ صبح کے وقت ہر بیمار کو تھوڑا بہت افاقہ ہو جاتا ہے۔ وہ دعا حضرت یوسفؑ کی مفصّلہ ذیل الفاظ میں تھی:

يَا عُدَّتِيْ فِيْ شِدَّتِيْ وَ يَا مُؤْنِسِيْ فِيْ وَحْشَتِيْ وَ رَاحِمَ غُرْبَتِيْ وَ كَاشِفَ كُرْبَتِيْ وَيَا مُجِيْبُ دَعْوَتِيْ وَيَا اِلٰهِيْ وَاِلٰهَ اٰبَائِيْ اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ۔ اِرْحَمْ صِغْرَ سِنِّيْ وَ ضُعْفَ رُكْنِيْ وَقِلَّةَ حِيْلَتِيْ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔

اے میرے ہتھیار میرے مصائب میں اور میرے مونس میری وحشت کے وقت اور اے رحم کرنے والے میری غربت پر اور اے میری گھبراہٹ کے دور کرنیوالے اور اے میری دُعا کے قبول کرنے والے اور اے میرے معبود اور میرے باپ دادوں کے معبود ابراہیم و اسحٰق اور یعقوب کے معبود میری چھوٹی عمر پر رحم کر اور میرے ضعفِ رکن پر رحم فرما اور میرے حیلہ کے کم ہونے پر رحم کر، اے حیّ اے قیّوم، اے صاحبِ جلال اور اکرام۔“

(حقائق الفرقان، جلد ۴ صفحہ ۵۷۱ تا ۵۷۵)

نیز فرمایا:

”غرض اس چھوٹی سی سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے لفظ فَلَق کے نیچے باریک در باریک حکمتیں رکھی ہیں اور انسان کو ترقی کی راہ بتائی ہے کہ دیکھو جب کوئی چیز میرے قبضۂ قدرت اور ربوبیت کے ماتحت آجاتی ہے تو پھر وہ کس طرح ادنیٰ اور ارذل حالت سے اعلیٰ اور اعلیٰ بن جاتی ہے۔ پس انسان کو لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ان صفات کو مدّ نظر رکھ کر اور اس کی کامل قدرت کا یقین کر کے اور اس کے اسماء اور صفات کاملہ کو پیش نظر رکھ کر اس سے دعا کرے تو اللہ تعالیٰ ضرور اسے بڑھاتا اور ترقی دیتا ہے۔ مجھے ایک دفعہ ایک نہایت مشکل امر کے واسطے اس دعا سے کام

لینے سے کامیابی نصیب ہوئی تھی۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مَیں لاہور گیا۔ میرے آشنا نے مجھے ایک جگہ لے جانے کے واسطے کہا اور مَیں اس کے ساتھ ہو لیا مگر نہیں معلوم کہ کہاں لئے جاتا ہے اور کیا کام ہے۔ اس طرح بے علمی میں وہ مجھے ایک مسجد میں لے گیا۔ جہاں بہت سے لوگ جمع تھے۔ قرائن سے مجھے معلوم ہوا کہ یہ کسی مباحثہ کی تیاری ہے۔ میری چونکہ نمازِ عشاء باقی تھی۔ مَیں نے اُن سے کہا کہ مجھے نماز پڑھ لینے دو۔ یہ مجھے ایک موقعہ مل گیا کہ مَیں دعا کرلوں۔ خدا کی قدرت اس وقت مَیں نے اس سورۃ کو بطور دعا پڑھا اور باریک در باریک رنگ میں اس دُعا کو وسیع کر دیا اور دعا کی کہ اے خدائے قادر و توانا تیرا نام فَالِقُ الْإِصْبَاحِ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ہے۔ میں ظلمات میں ہوں۔ میری تمام ظلمتیں دور کر دے اور مجھے ایک نور عطا کر کہ جس سے مَیں ہر ایک ظلمت کے شر سے تیری پناہ میں آ جاؤں۔ تو مجھے ہر امر میں ایک حجت نیّرہ اور برہان قاطع اور فرقان عطا فرما۔ میں اگر اندھیروں میں ہوں اور کوئی علم مجھ میں نہیں ہے تو تُو ان ظلمات کو مجھ سے دور کر کے وہ علوم مجھے عطا فرما اور اگر مَیں ایک دانے یا گٹھلی کی طرح کمزور اور ردّی چیز ہوں تو تُو مجھے اپنے قبضہٴ قدرت اور ربوبیت میں لے کر اپنی قدرت کا کرشمہ دکھا۔ غرض اس وقت مَیں نے اس رنگ میں دعا کی اور اس کو وسیع کیا جتنا کہ کر سکتا تھا۔ بعدہ میں نماز سے فارغ ہو کر ان لوگوں کی طرف مخاطب ہوا۔ خدا کی قدرت کہ اس وقت جو مولوی میرے ساتھ مباحثہ کرنے کے واسطے تیار کیا گیا تھا۔ وہ بخاری لیکر میرے سامنے بڑے ادب سے شاگردوں کی طرح بیٹھ گیا اور کہا یہ مجھے آپ پڑھا دیں۔ وہ صلح حدیبیہ کی ایک حدیث تھی۔ حضرت مرزا صاحب کے متعلق اس میں کوئی ذکر نہ تھا۔ لوگ حیران تھے اور مَیں خدا تعالیٰ کے تصرّف اور کاملہ قدرت پر خدا کے جلال کا خیال کرتا تھا۔ آخر لوگوں نے اس سے کہا کہ یہاں تو مباحثہ کے واسطے ہم لائے تھے۔ تم ان سے پڑھنے بیٹھ گئے ہو۔ اگر پڑھنا ہی مقصود ہے تو ہم مولوی صاحب کی خدمت میں عرض کر دیتے۔ ان کے ساتھ جمّوں چلے جاؤ اور روٹی بھی مل جایا کریگی۔ وہی شخص ایک بار پھر مجھے ملا اور کہا کہ

مَیں اپنی خطا معاف کرانے آیا ہوں کہ مَیں نے کیوں آپ کی بے ادبی کی۔ مَیں حیران تھا کہ اس نے میری کیا بے ادبی کی۔ حالانکہ اس وقت بھی اس نے میری کوئی بے ادبی نہ کی تھی۔" (حقائق الفرقان، جلد ۴ صفحہ ۵۶۷، ۵۶۸)

آپ رضی اللہ عنہ مزید فرماتے ہیں:

"غَاسِقٍ: اندھیرا کرنے والا، ہر ایک چیز جو تاریکی اور ظلمت پیدا کرے۔ غَاسِق رات کو کہتے ہیں اور غَسَق تاریکی کو کہتے ہیں کیونکہ رات تاریکی پیدا کرتی ہے۔ اس واسطے وہ غاسق ہے۔ اور غَسَق برد کو بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ رات بہ نسبت دن کے ٹھنڈی ہوتی ہے۔ غَسَق ثریّا کو بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ اس کا گرنا عموماً وباء اور بیماریوں کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ اور غَاسِق سورج کو بھی کہتے ہیں جبکہ غروب ہو جاوے اور چاند کو بھی کہتے ہیں جبکہ اس کو گہن لگے۔ غَاسِق سانپ کو بھی کہتے ہیں جبکہ وہ کاٹ کھائے اور ہر ایک ناگہاں آنے والی چیز جو ضرر پہنچائے یا بھیک مانگنے والا جبکہ وہ تنگ کرے تو اس کو بھی غَاسِق کہتے ہیں غرض ہر ایک چیز جو انسان کو ظلمتِ روحانی یا جسمانی میں ڈالے اس کو غاسق کہتے ہیں۔ جب رات بہت تاریک ہو تو عرب کے محاورہ میں کہتے ہیں غَسَقَ اللَّيْلُ۔ اور جب آنکھیں آنسوؤں سے بھر جائیں تو کہتے ہیں غَسَقَتِ الْعَيْنُ اور جب زخم پیپ سے بھر جائے تو کہتے ہیں غَسَقَتِ الْجَرَاحَةُ۔

وَقَبَ کے معنے ہیں چھپ گیا۔ وَقَبَ کے اصلی معنے ہیں کسی شَئے میں داخل ہونا، ایسا کہ وہ نظر سے غائب ہو جاوے۔ حدیث شریف میں آیا ہے رَوَى اَبُوْسَلْمَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهُ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ بِيَدِهَا وَ اَشَارَ اِلَى الْقَمَرِ وَقَالَ اسْتَعِيْذِيْ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ هٰذَا فَإِنَّهُ الْغَاسِقُ اِذَا وَقَبَ۔ ابوسلمہ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کا ہاتھ پکڑا اور چاند کی طرف جبکہ وہ کسوف میں تھا اشارہ کر کے فرمایا کہ اس کے شر سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں پناہ مانگ کہ یہ اندھیرا کرنے والا ہے جبکہ چھپ جائے۔"

(حقائق الفرقان، جلد ۴ صفحہ ۵۷۵ تا ۵۷۶)

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”اس سورۃ شریفہ میں جو قرآن شریف کی آخری سورتوں میں سے ہے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ آخری زمانہ میں ایک بڑا فتنہ ہو گا۔ ایک بہت بڑا شر اٹھے گا اور وہ ایسے وقت میں ہو گا جبکہ اللہ تعالیٰ زمانہ میں تاریکی کو دور کرنے کے واسطے ایک صبح کو نمودار کریگا۔ کیونکہ وہ رَبُّ الْفَلَق ہے اور رات کے بعد دن کو لاتا ہے اور تاریکی کے بعد نور پیدا کرتا ہے۔ اس شرّ سے بچنے کے واسطے تمام مسلمانوں کو ہمیشہ دعا کرتے رہنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ بڑا بھاری شرّ ہے۔ اُس شر کا پیدا کرنیوالا خفیہ کاروائیاں بہت کریگا۔ اور چھپ چھپ کر اپنی سازشیں دینِ حق کے برخلاف نہایت جدوجہد کے ساتھ کریگا۔

چنانچہ ظاہر ہے کہ جس قدر خفیہ کاروائیاں مشن کا دجّال اسلام کے برخلاف کرتا ہے۔ ایسی کاروائیاں پہلے کبھی کسی نے نہیں کیں۔ ایسے ایسے راہوں سے اسلام پر حملہ کرنے کے واسطے کوشش کی جاتی ہے کہ عوام تو سمجھ بھی نہیں سکتے کہ اس معاملہ میں کیا درپردہ شرارت ہے لیکن خدا تعالیٰ نے اس زمانہ میں ایک ایسا نُور پیدا کیا ہے جس نے نمودار ہو کر ان تمام پردوں کو پھاڑ دیا ہے اور دجّال کا دجل کھول کر لوگوں کو دکھا دیا ہے تاکہ مخلوقِ الٰہی اس کے شر سے بچی رہے۔ اور اس کے پھندے میں نہ آئے۔

افسوس ہے اُن لوگوں پر جو خدا تعالیٰ کے اس نور کو اپنے مُنہ کی پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں۔ وہ یاد رکھیں کہ یہ نورِ الٰہی ضرور غالب آئے گا اور اس کے مخالف سب نامراد اور ناکام مریں گے۔“ (حقائق الفرقان، جلد ۴، صفحہ ۵۷۸،۵۷۷)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”سورۃ الفلق اور سورۃ الناس یہ دونوں سورتیں سورۃ تبّت اور سورۃ اخلاص کے لئے بطور شرح کے ہیں اور ان دونوں سورتوں میں اس تاریک زمانہ سے خدا کی پناہ مانگی گئی ہے جب کہ لوگ خدا کے مسیح کو دکھ دیں گے اور جبکہ عیسائیت کی ضلالت تمام دنیا میں پھیلے گی۔“ (تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن جلد ۱۷، صفحہ ۲۱۸)

١١٤ـ سُورَةُ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ

وَ قَالَ ابْنِ عَبَّاسُ الْوَسْوَاسِ (الناس:٢) إِذَا وُلِدَ خَنَسَهُ الشَّيْطَانُ فَإِذَا ذُكِرَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ ذَهَبَ وَإِذَا لَمْ يُذْكَرِ اللهَ ثَبَتَ عَلَى قَلْبِهِ.

اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ اَلْوَسْوَاسِ سے یہ مراد ہے کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس کو چوب لگاتا ہے۔ اگر اللہ عزّ و جل کا نام لیا جائے تو وہ چلا جاتا ہے اگر اللہ کا نام نہ لیا جائے تو اُس کے دل پر ٹھہر جاتا ہے۔

٤٩٧٧: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ أَبِي لُبَابَةَ عَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ ح. وَحَدَّثَنَا عَاصِمٌ عَنْ زِرٍّ قَالَ سَأَلْتُ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ قُلْتُ أَبَا الْمُنْذِرِ إِنَّ أَخَاكَ ابْنَ مَسْعُودٍ يَقُولُ كَذَا وَكَذَا، فَقَالَ أُبَيٌّ سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِي قِيلَ لِي فَقُلْتُ قَالَ فَنَحْنُ نَقُولُ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

۴۹۷۷: علی بن عبد اللہ نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان (بن عیینہ) نے ہمیں بتایا۔ عبدہ بن ابی لبابہ نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے زرّ بن حُبَیش سے روایت کی۔ (سفیان نے کہا۔) نیز عاصم (بن ابی نجود) نے بھی ہمیں بتایا۔ انہوں نے زرّ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں نے حضرت اُبَیّ بن کعبؓ سے پوچھا۔ میں نے کہا: ابو منذر! آپؓ کے بھائی حضرت ابن مسعودؓ ایسا ایسا کہتے ہیں تو حضرت اُبَیّؓ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپؐ نے مجھے فرمایا: مجھے کہا گیا (کہ کہو) میں نے بھی ویسا کہا، حضرت اُبَیّؓ کہتے تھے: اس لئے ہم بھی ویسے ہی کہتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

طرفه: ٤٩٧٦ـ

تشریح: سُورَةُ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ: حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"یہ سورت یہودیت اور عیسائیت کی ان تمام مجموعی کوششوں کو خلاصۃً پیش کرتی ہے جن کے خدو خال یہ ہوں گے کہ وہ بنی نوع انسان کی ربوبیت کا دعویٰ کریں گے یعنی ان کی اقتصادیات کے بھی مالک بن بیٹھیں گے اور اسی طرح

ملوکیت کا بھی دعویٰ کریں گے یعنی ان کی سیاست پر قبضہ کر لیں گے اور پھر گویا خود معبود بن جائیں گے اور جو ان کی عبادت کرے اس کو تو وہ عطا کریں گے اور جو ان کی عبادت کا انکار کرے اس کو وہ رسوا کر دیں گے۔ ان کا سب سے خطرناک ہتھیار یہ ہو گا کہ ایسے وسوسے پیدا کرنے والے کی طرح ہوں گے جو خناس ہو گا یعنی دلوں میں وسوسہ پیدا کر کے پھر آپ غائب ہو جائیں گے یہی حال اس زمانے کی بڑی طاقتوں یعنی Capitalism کا بھی ہو گا اور عوامی طاقتوں یعنی اشتراکیت (Communism) کا بھی ہو گا۔ پس جو بھی ان تمام امور سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آئے گا اللہ تعالیٰ اسے بچالے گا۔"

(ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ، تعارف سورۃ الناس صفحہ ۱۲۳۰)

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اس سورۃ شریفہ میں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آخری زمانہ کا فتنہ محض دعا کے ذریعہ سے دور ہو گا۔ چنانچہ اس کی تائید میں حدیث شریف میں آیا ہے کہ کفّار مسیح موعود کے دم سے مریں گے۔ اور حضرت مرزا صاحب سے میں نے بارہا سُنا ہے۔ آپؑ فرمایا کرتے ہیں کہ اس قدر فتنہ کا مٹانا ظاہری اسباب کے ذریعہ سے نہیں ہو سکتا۔ ہمارا بھروسہ صرف ان دعاؤں پر ہے جو کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حضور میں کرتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ ہماری دعاؤں کو سُنے گا اور وہ خود ہی ایسے سامان مہیا کرے گا کہ کفر ذلیل ہو جائے گا اور اسلام کے واسطے غلبہ اور عزّت کے دن آجائیں گے۔

لطیفہ: کسی نے کہا ہے کہ قرآن شریف کا ابتداء حرف "ب" سے ہوا ہے۔ اور آخر "س" کے ساتھ ہوا ہے۔ یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ قرآن شریف انسان کے واسطے بس ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ (الأنعام:۳۹) اس کتاب میں کسی شے کی کمی نہیں رہی۔ اس مضمون کو کسی نے فارسی میں اس طرح ادا کیا ہے۔

اوّل و آخر قرآن زچہ "با" آمد و "س" یعنی اندر دو جہاں رہبر ما قرآن بس

(حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۵۸۲)

نیز فرمایا:

"اس سورۂ شریفہ کے شانِ نزول کے بارہ میں حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ آج کی رات مجھ پر اس قسم کی آیات نازل ہوئیں کہ ان جیسی مَیں نے کبھی نہیں دیکھیں وہ معوذتین ہیں۔ ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم جنّ وانس کی نظرِ بد سے پناہ مانگا کرتے تھے، مگر جب معوذ تَیْنِ نازل ہوئیں تو آپؐ نے اور طرح اس امر کے متعلق دعا کرنا چھوڑ دیا اور ہمیشہ ان الفاظ میں دعا مانگتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوا کرتے تو ان دونوں سورتوں کو پڑھ پڑھ کر دَم کیا کرتے تھے۔" (حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۵۸۷)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"ماحصل اِس سورۃ کا یہ ہے کہ تم دجّال کے فتنہ سے خدا تعالیٰ کی پناہ پکڑو۔ اس سورۃ سے پہلے سورۃ اخلاص ہے جو عیسائیت کے اصول کے ردّ میں ہے۔ بعد اس کے سورۃ فَلَق ہے جو ایک تاریک زمانہ اور عورتوں کی مکّاری کی خبر دے رہی ہے اور پھر آخر ایسے گروہ سے پناہ مانگنے کا حکم ہے جو شیطان کے زیرِ سایہ چلتا ہے اس ترتیب سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی گروہ ہے جس کو دوسرے لفظوں میں شیطان کہا ہے اور اخیر میں اس گروہ کے ذکر سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آخری زمانہ میں اس گروہ کا غلبہ ہوگا جن کے ساتھ نَفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ہوں گی۔ یعنی ایسی عیسائی عورتیں جو گھروں میں پھر کر کوشش کریں گی کہ عورتوں کو خاوندوں سے علیحدہ کریں اور عقد نکاح کو توڑیں۔ خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ تینوں سورتیں قرآن شریف کی دجّالی زمانہ کی خبر دے رہی ہیں اور حکم ہے کہ اِس زمانہ سے خدا کی پناہ مانگو تا اس شر سے محفوظ رہو۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ شرور صرف آسمانی انوار اور برکات سے دور ہوں گے جن کو آسمانی مسیح اپنے ساتھ لائے گا۔" (ایام الصلح، روحانی خزائن جلد ۱۴ صفحہ ۲۹۶، ۲۹۷)

إِذَا وُلِدَ خَنَسَهُ الشَّيْطَانُ: جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس کو چوب لگاتا ہے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”بخاری کی کتاب التفسیر صفحہ ۶۵۲ میں ایک حدیث ہے جس کی یہ عبارت ہے۔ مَا مِنْ مَوْلُودٍ يُولَدُ إِلَّا وَالشَّيْطَانُ يَمَسُّهُ فَيَسْتَهِلُّ صَارِخًا مِنْ مَسِّ الشَّيْطَانِ إِيَّاهُ إِلَّا مَرْيَمَ وَابْنَهَا یعنی کوئی ایسا بچہ نہیں جو پیدا ہوا اور پیدا ہونے کے ساتھ شیطان اس کو نہ چھو جائے اور وہ بوجہ شیطان کے چھونے کے چیخیں نہ مارے بجز مریم اور اس کے بیٹے کے۔ جاننا چاہئے کہ یہ حدیث صفحہ ۶۷۷ کی حدیث سے معارض پڑتی ہے اور شارح بخاری صفحہ ۶۵۲ کی حدیث کے حاشیہ پر لکھتا ہے کہ زمخشری کو اس حدیث کی صحت میں کلام ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے کلام کے معارض ہے وجہ یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ○ [1] اس آیت سے صاف سمجھا جاتا ہے کہ بغیر خصوصیت مریم اور ابن مریم کے تمام عباد مخلصین مس شیطان سے محفوظ رکھے جاتے ہیں اور یحییٰ علیہ السلام کے حق میں فرماتا ہے وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ [2] پس اگر یوم تولد مس شیطان کا یوم ہے تو سلام کا لفظ جو سلامتی پر دلالت کرتا ہے کیونکر اس پر صادق آسکتا ہے۔ پھر علامہ زمخشری نے تاویل کی ہے کہ اگر مریم اور ابن مریم سے مراد خاص یہی دونو نہ رکھے جائیں بلکہ ہر ایک شخص جو مریم اور ابن مریم کی صفت اپنے اندر رکھتا ہے اس کو بھی مریم اور ابن مریم ہی قرار دیا جاوے تو پھر اس حدیث کے معنے بلا شبہ صحیح ہو جائیں گے۔“

(الحق مباحثہ لدھیانہ، روحانی خزائن جلد ۴ حاشیہ صفحہ ۱۰۳، ۱۰۴)

---

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”سوائے اُن میں سے تیرے چنیدہ بندوں کے“ (الحجر:۴۱)

[2] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: ”اور سلامتی ہے اس پر جس دن وہ پیدا ہوا“ (مریم:۱۶)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

٦٦- كِتَابُ فَضَائِلِ الْقُرْآنِ

بَاب ١: كَيْفَ نَزَلَ الْوَحْيُ وَأَوَّلُ مَا نَزَلَ

وحی کا نزول کیسے ہوا اور پہلے کونسی (سورۃ) نازل ہوئی

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ الْمُهَيْمِنُ الْأَمِيْنُ. الْقُرْآنُ أَمِيْنٌ عَلَى كُلِّ كِتَابٍ قَبْلَهُ.

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: اَلْمُهَيْمِنُ کے معنی ہیں امین یعنی قرآن مجید ہر ایک اس کتاب کا امین ہے جو اس سے پہلے کی ہے۔

٤٩٧٨، ٤٩٧٩: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنْ شَيْبَانَ عَنْ يَحْيَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ أَخْبَرَتْنِي عَائِشَةُ وَابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ قَالَا لَبِثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ عَشْرَ سِنِيْنَ يُنْزَلُ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ وَبِالْمَدِيْنَةِ عَشْرَ سِنِيْنَ.

طرفہ: ٤٤٦٤۔

۴۹۷۸، ۴۹۷۹: عبید اللہ بن موسیٰ نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے شیبان (بن عبد الرحمٰن) سے، شیبان نے یحیٰ (بن ابی کثیر) سے، یحیٰ نے ابوسلمہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے مجھے بتایا۔ ان دونوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں دس سال رہے اور مدینہ میں بھی دس سال رہے۔ آپؐ پر قرآن نازل کیا جاتا تھا۔

٤٩٨٠: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي عَنْ أَبِي عُثْمَانَ قَالَ أُنْبِئْتُ أَنَّ جِبْرِيْلَ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدَهُ أُمُّ سَلَمَةَ فَجَعَلَ يَتَحَدَّثُ

۴۹۸۰: موسیٰ بن اسماعیل نے ہم سے بیان کیا کہ معتمر (بن سلیمان) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے کہا: میں نے اپنے باپ سے سنا۔ انہوں نے ابوعثمان (نہدی) سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: مجھے بتایا گیا ہے کہ جبرائیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اس وقت آپؐ کے پاس حضرت ام سلمہؓ

فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأُمِّ سَلَمَةَ مَنْ هَذَا أَوْ كَمَا قَالَ قَالَتْ هَذَا دِحْيَةُ فَلَمَّا قَامَ قَالَتْ وَاللّٰهِ مَا حَسِبْتُهُ إِلَّا إِيَّاهُ حَتَّى سَمِعْتُ خُطْبَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُخْبِرُ خَبَرَ جِبْرِيلَ أَوْ كَمَا قَالَ قَالَ أَبِي قُلْتُ لِأَبِي عُثْمَانَ مِمَّنْ سَمِعْتَ هَذَا قَالَ مِنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ.

تھیں۔ وہ آپؐ سے باتیں کرنے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امّ سلمہؓ سے پوچھا: یہ کون ہیں؟ یا کچھ ایسے ہی الفاظ کہے۔ حضرت امّ سلمہؓ نے کہا: یہ دحیہ (کلبیؓ) ہیں۔ جب وہ اٹھ کر چلے گئے تو کہنے لگیں: اللہ کی قسم! میں ان کو وہی سمجھتی رہی یہاں تک کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ سنا جس میں آپؐ نے جبرائیل کے آنے کا واقعہ بیان کیا یا ایسا ہی کچھ فرمایا۔ میرے باپ (سلیمان) نے کہا: میں نے ابو عثمان (نہدی) سے پوچھا: آپ نے یہ کس سے سنا؟ انہوں نے کہا: حضرت اسامہ بن زیدؓ سے۔

طرفہ: ٣٦٣٤۔

٤٩٨١: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ نَبِيٌّ إِلَّا أُعْطِيَ مِنَ الْآيَاتِ مَا مِثْلُهُ آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوتِيتُهُ وَحْيًا أَوْحَاهُ اللّٰهُ إِلَيَّ فَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

۴۹۸۱: عبد اللہ بن یوسف نے ہم سے بیان کیا کہ لیث (بن سعد) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے سعید مقبری سے، سعید نے اپنے باپ (کیسان) سے، انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انبیاء میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کو ایسے ایسے نشانات نہ دیئے گئے ہوں کہ جن کے ذریعہ سے لوگ اس پر ایمان لائے اور جو نشان مجھے دیا گیا ہے وہ یہ وحی ہے جو اللہ نے میری طرف کی۔ اس لئے میں امید رکھتا ہوں کہ میں قیامت کے دن سب انبیاء سے زیادہ پیرو رکھوں گا۔

طرفہ: ٧٢٧٤۔

٤٩٨٢: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدٍ

۴۹۸۲: عمرو بن محمد نے ہم سے بیان کیا کہ

حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ اللّٰهَ تَعَالَى تَابَعَ عَلَى رَسُولِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ {الْوَحْيَ[1]} قَبْلَ وَفَاتِهِ حَتَّى تَوَفَّاهُ أَكْثَرَ مَا كَانَ الْوَحْيُ ثُمَّ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدُ.

یعقوب بن ابراہیم نے ہمیں بتایا۔ (انہوں نے کہا:) میرے باپ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے صالح بن کیسان سے، صالح نے ابن شہاب سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: مجھے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو آپؐ کی وفات سے پہلے پے درپے وحی بھیجی۔ وفات کے قریب تو بہت ہی وحی ہوئی۔ پھر اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے۔

٤٩٨٣: حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ سَمِعْتُ جُنْدَبًا يَقُوْلُ اشْتَكَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَقُمْ لَيْلَةً أَوْ لَيْلَتَيْنِ فَأَتَتْهُ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ يَا مُحَمَّدُ مَا أُرَى شَيْطَانَكَ إِلَّا قَدْ تَرَكَكَ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ وَالضُّحٰى ○ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ○ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ○ (الضحى: ٢-٤)

۴۹۸۳: ابونعیم نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان (ثوری) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے اسود بن قیس سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں نے حضرت جندبؓ (بن عبداللہ بجلی) سے سنا۔ وہ کہتے تھے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو ایک یا دو رات تہجد کے لئے نہیں اٹھے۔ تو (یہ دیکھ کر) آپؐ کے پاس ایک عورت آئی اور کہا: محمدؐ میں سمجھتی ہوں تمہارے شیطان نے اب تم کو چھوڑ دیا ہے۔ اس پر اللہ عزوجل نے یہ (سورۃ) نازل کی: میں دن کو شہادت کے طور پر پیش کرتا ہوں، جب وہ روشن ہو جائے۔ اور رات کو (شہادت کے طور پر پیش کرتا ہوں) جب اس کی تاریکی چاروں طرف پھیل جائے۔ کہ نہ تیرے رب نے تجھے چھوڑا ہے اور نہ تجھ سے ناراض ہوا ہے۔

أطرافه: ١١٢٤، ١١٢٥، ٤٩٥٠، ٤٩٥١-

---

[1] لفظ "اَلْوَحْی" عمدۃ القاری کے مطابق ہے۔ (عمدۃ القاری جزء ۲۰ صفحہ ۱۳) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

تشریح: **كَيْفَ نَزَلَ الْوَحْيُ وَأَوَّلُ مَا نَزَلَ:** وحی کا نزول کیسے ہوا اور پہلے کونسی (سورۃ) نازل ہوئی۔ بخاری کے آغاز میں پہلے باب کے الفاظ ہیں: كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الْوَحْيِ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء کیسے ہوئی۔ اس پر بعض شارحین نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ بخاری کے آغاز میں وحی کی ابتداء کا بیان کر دیا گیا ہے تو اس کے اعادہ کی یہاں کیا ضرورت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں دو باتوں کا ذکر ہے۔ اوّل: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز کیسے ہوا۔ دوم: نزولِ وحی کی کیفیت کیا تھی۔ اوّل الذکر کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ آپؐ پر وحی کا آغاز رؤیاء صادقہ سے ہوا۔ مؤخر الذکر میں وحی کی کیفیت بتائی گئی ہے۔ اور اس کے متعلق دو مشاہدے مذکور ہیں۔ ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جن پر وہ کیفیت گذرتی تھی اور ایک حضرت عائشہؓ کا جو اس کیفیت کے ظاہری آثار دیکھنے والی ہیں جبکہ فضائل القرآن میں كَيْفَ نَزَلَ الْوَحْيُ وَأَوَّلُ مَا نَزَلَ سے مراد قرآنی وحی ہے۔ پس فضائل القرآن میں قرآنی وحی کے نزول اور اس کی تفصیلات کا ذکر ہے۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ الْمُهَيْمِنُ الْأَمِينُ: قرآن کریم کی وحی کی عظمت شان کے ذکر میں امام بخاری نے اس کتاب کا آغاز حضرت ابن عباسؓ کے اس قول سے کیا ہے: الْمُهَيْمِنُ الْأَمِينُ یعنی قرآن مجید ہر اس کتاب (شریعت) کا امین ہے جو اس سے پہلے نازل کی گئی۔ الْمُهَيْمِنُ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔ وَأَصْلُ الْهَيْمَنَةِ الْحِفْظُ وَالْاِرْتِقَابُ۔ تَقُوْلُ هَيْمَنَ فُلَانٌ عَلَى فُلَانٍ إِذَا صَارَ رَقِيْبًا عَلَيْهِ فَهُوَ مُهَيْمِنٌ۔ هَيْمَنَةٌ کے معنی حفاظت اور نگرانی کے ہیں۔ جب کوئی کسی کا نگران بنے تو اسے مُهَيْمِن کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کے اس قول سے متعلق امام ابن حجرؒ نے یہ توجیہ کی ہے کہ قرآن کریم ضامن ہے کتب سماویہ کا یعنی جو احکام ان کتب میں اترے، قرآن نے یا تو ان کو برقرار رکھا، یا اُن کو منسوخ کر دیا، یا پھر اُن کی تجدید فرمادی۔ (فتح الباری جزء۹ صفحہ ۶) حضرت ابن عباسؓ کا یہ اثر ابن ابی حاتم نے علی بن ابی طلحہ کی روایت سے سورۃ المائدہ کی اس آیت کے ذیل میں دیا ہے: وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا (المائدة:۴۹)[۱] اور ہم نے تجھ پر اس کتاب کو حق پر مشتمل اتارا ہے۔ وہ اپنے سے پہلی کتاب (کی باتوں) کو پورا کرنے والی ہے اور اس پر محافظ ہے۔ پس تو اس (کتاب) کے مطابق جو اللہ نے (تجھ پر) اتاری ہے اُن کے درمیان فیصلہ کر اور جو حق تیری طرف آیا ہے اُسے چھوڑ کر ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کر۔ ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے (اپنی اپنی استعداد کے مطابق الہامی) پانی تک پہنچنے کے لیے ایک چھوٹا یا بڑا راستہ بنایا ہے۔ (ترجمہ از تفسیر صغیر)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"قرآن میں تین صفتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ جو علوم دین لوگوں کو معلوم نہیں رہے تھے

[۱] (تفسیر القرآن العظیم لابن ابی حاتم، سورۃ المائدۃ، قولہ تعالی وَمُهَيْمِنًا، جزء۴ صفحہ ۱۱۵۰)

ان کی طرف ہدایت فرماتا ہے۔ دوسرے جن علوم میں پہلے کچھ اجمال چلا آتا تھا۔ ان کی تفصیل بیان کرتا ہے۔ تیسرے جن امور میں اختلاف اور تنازعہ پیدا ہو گیا تھا۔ ان میں قول فیصل بیان کر کے حق اور باطل میں فرق ظاہر کرتا ہے۔“

(براہین احمدیہ حصہ سوم، روحانی خزائن جلد اوّل، حاشیہ صفحہ ۲۲۵)

لَبِثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ عَشْرَ سِنِينَ يُنْزَلُ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں دس سال رہے اور مدینہ میں بھی دس سال رہے اور آپؐ پر قرآن نازل ہوتا رہا۔ بعض روایات میں ذکر ہے کہ آپؐ مکہ میں تیرہ سال اور مدینہ میں دس سال رہے۔ روایات کے اس اختلاف کا حل یہ کیا گیا ہے کہ

۱۔ شمار کرنے والوں نے اعداد کے بیان میں کسر کو چھوڑ دیا ہے۔

۲۔ بعض نے آپؐ کے اڑھائی پونے تین سال کے زمانہ شعب ابی طالب کو شمار نہیں کیا۔

۳۔ اور بعض نے آپؐ کی بعثت کے ابتدائی تین سال شمار نہیں کیے جب آپؐ کا پیغام صرف قریبی رشتہ داروں کے لیے تھا۔ چوتھے سال یہ آیت نازل ہوئی: فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ (الحجر: ۹۵) پس خوب کھول کر بیان کر جو تجھے حکم دیا جاتا ہے۔

اس بارہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”بعثت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں قریباً تیرہ سال ٹھہرے۔ بعض روایات میں دس سال بیان کیے گئے ہیں۔ یہ بھی ایک لحاظ سے درست ہے کیونکہ ابتدائے وحی کے بعد آپؐ نے تین سال تک اپنے مشن کو مخفی رکھا تھا۔ پس اگر ان تین سالوں کو نکال دیں تو باقی دس سال ہی رہ جاتے ہیں۔ بہر حال یہ مسلّم ہے کہ ہجرت کے وقت آپؐ کی عمر ترپن سال کی تھی...

بعثت نبوی عام الفیل کے چالیسویں سال ماہِ رمضان میں ہوئی تھی اور چونکہ رمضان عربی مہینوں میں نواں مہینہ ہے اس لیے بعثتِ نبوی کا پہلا سال صرف چند ایام اور تین ماہ یعنی بقیہ رمضان اور شوال، ذیقعد اور ذی الحجہ کا شمار ہوتا ہے اور چونکہ ہجرتِ نبوی ۱۴ نبوی ابتداءِ ماہ ربیع الاوّل میں ہوئی تھی۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بعد از بعثت مکی قیام دراصل صرف بارہ سال پانچ ماہ اور چند ایام کا بنتا ہے۔ ہاں رؤیا صالحہ کا زمانہ یعنی ابتدائی چند ماہ بھی زمانۂ نبوت میں شمار کر لیے جاویں تو یہ کل عرصہ قریباً تیرہ سال کا ہو جاتا ہے۔“

(سیرت خاتم النبیین ﷺ، صفحہ ۲۷۰، ۲۷۱)

فَقَالَتْ يَا مُحَمَّدُ مَا أُرَى شَيْطَانَكَ إِلَّا قَدْ تَرَكَكَ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو ایک یا دو رات تہجد کے لئے نہیں اٹھے۔ یہ دیکھ کر آپؐ کے پاس ایک عورت آئی اور کہا: محمدؐ میں سمجھتی ہوں تمہارے شیطان

(نعوذ باللہ) نے اب تم کو چھوڑ دیا ہے۔ اس پر اللہ عزّوجلّ نے یہ سورۃ (الضحیٰ) نازل کی۔ مخالفینِ انبیاء اس قسم کے لایعنی اعتراضات کرتے رہتے ہیں۔ امام بخاری تصریف روایات سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ دراصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وحی کا سلسلہ کبھی بھی منقطع نہیں ہوا۔ اس مضمون کو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب آئینہ کمالات اسلام کی عارفانہ تحریرات سے خلاصۃً دیا گیا ہے: زمانہ فترت سے مراد دراصل وہ زمانہ ہے جس میں جبرائیل کی خاص تجلی جس کا تعلق قرآن مجید کے نزول کے ساتھ ہے، ایک وقت تک موقوف رہی۔ ورنہ یوں تو روح القدس جو انبیاء اور اولیاء اللہ کی نئی زندگی کے لئے بطور روحِ رواں کے ہوتا ہے، ایک لحظہ کے لئے بھی ان سے جدا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی مشیئت و ارادہ کی دو قسم کی تجلیات اس کے خاص بندوں پر ہوتی ہیں۔ ایک تجلی تو ہر وقت ان کے ارادوں میں روح القدس کے ذریعے سے کام کرتی رہتی ہے اور ایک تجلی جبرائیل کے ذریعے سے تمثلی رنگ میں پوری قوت کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے اور اس جبرائیلی تجلی میں جو عارضی وقفہ ہوتا ہے، اس کا نام زمانہ فترت ہے اور اس وقفہ سے یہ مراد نہیں کہ جبرائیل کسی وقت آسمان سے اترتا ہے اور پھر انبیاء کو چھوڑ کر آسمان پر چلا جاتا ہے۔ جبرائیل اسی طرح اپنے مقام پر رہ کر اللہ تعالیٰ کی مشیئت کی تجلیات ہر وقت اور ہر جگہ پہنچاتا رہتا ہے، جس طرح سورج پانی میں نظر آتا ہے مگر درحقیقت سورج نیچے نہیں اترتا۔ اسی طرح جبرائیل کا نزول تمثلی رنگ میں ہوتا ہے، نہ حقیقی طور پر۔ پس جس طرح جبرائیل کا آسمان سے اترنا عام متعارف معنوں میں نہیں، اسی طرح جبرائیلی تجلی میں یہ وقفہ پڑنا بھی اپنے حقیقی معنوں میں نہیں بلکہ اس روح القدس کی روشنی ہر وقت اور ہر حال میں انبیاء کے شامل حال ہوتی ہے اور ان کے اندر سکونت رکھتی ہے۔ یہی مذہب ہے تمام اہل اللہ کا۔ نیز ان تحریرات میں ضرورتِ ملائکہ اور ان کی تجلیات کے متعلق بحث کی گئی ہے وہاں اس اعتراض کا بھی کامل جواب دیا گیا ہے کہ جب روح القدس انبیاء سے جدا نہیں ہوتا تو پھر انبیاء سے بعض اوقات غلطیاں کیوں ہوتی ہیں جیسے نماز میں بھول جانا وغیرہ۔

(دیکھئے آئینہ کمالاتِ اسلام - روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۷۲-۱۲۶)

بَاب ۲: نَزَلَ الْقُرْآنُ بِلِسَانِ قُرَيْشٍ وَالْعَرَبِ

قرآن مجید قریش کے محاورہ پر عربی زبان میں اترا

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا (یوسف: ۳) بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ○ (الشعراء: ۳)

(اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:) اپنے مطالب کو خوب واضح کرنے والا قرآن۔ (نیز فرمایا:) کھول کر بیان کرنے والی عربی زبان میں۔

٤٩٨٤: حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَأَخْبَرَنِي أَنَسُ

۴۹۸۴: ابوالیمان نے ہم سے بیان کیا کہ شعیب نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے زہری سے روایت کی

بْنُ مَالِكٍ قَالَ فَأَمَرَ عُثْمَانُ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ وَسَعِيْدَ بْنَ الْعَاصِ وَعَبْدَ اللهِ بْنَ الزُّبَيْرِ وَعَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ أَنْ يَّنْسَخُوْهَا فِي الْمَصَاحِفِ وَقَالَ لَهُمْ إِذَا اخْتَلَفْتُمْ أَنْتُمْ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ فِي عَرَبِيَّةٍ مِنْ عَرَبِيَّةِ الْقُرْآنِ فَاكْتُبُوْهَا بِلِسَانِ قُرَيْشٍ فَإِنَّ الْقُرْآنَ أُنْزِلَ بِلِسَانِهِمْ فَفَعَلُوْا.

اطرافہ: ۳۵۰٦، ٤٩٨٧۔

کہ حضرت انس بن مالکؓ نے بھی مجھے بتایا۔ انہوں نے کہا: حضرت عثمانؓ نے زید بن ثابتؓ اور سعید بن عاصؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ اور عبدالرحمٰنؓ بن حارث بن ہشام کو حکم دیا کہ وہ (سورتوں کو) مصاحف میں لکھیں اور ان سے یہ کہا: جب تم اور زید بن ثابتؓ قرآن کے عربی محاورہ کے متعلق اختلاف کرو تو قریش کے محاورہ کے مطابق اس آیت کو لکھو کیونکہ قرآن انہی کے محاورہ کے مطابق نازل کیا گیا۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

٤٩٨٥: حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا عَطَاءٌ ح، وَقَالَ مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ قَالَ أَخْبَرَنِي صَفْوَانُ بْنُ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ أَنَّ يَعْلَى كَانَ يَقُوْلُ لَيْتَنِي أَرَى رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ يُنْزَلُ عَلَيْهِ الْوَحْيُ فَلَمَّا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْجِعْرَانَةِ وَعَلَيْهِ ثَوْبٌ قَدْ أَظَلَّ عَلَيْهِ وَمَعَهُ النَّاسُ مِنْ أَصْحَابِهِ إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ مُتَضَمِّخٌ بِطِيْبٍ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ كَيْفَ

۴۹۸۵: ابونعیم نے ہم سے بیان کیا کہ ہمام (بن یحییٰ) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے کہا: عطاء (بن ابی رباح) نے ہم سے بیان کیا۔ نیز مسدد نے بھی کہا کہ یحییٰ (بن سعید قطان) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ابن جریج سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: عطاء (بن ابی رباح) نے مجھے بتایا۔ انہوں نے کہا: صفوان بن یعلیٰ بن امیہ نے مجھے بتایا کہ حضرت یعلیٰؓ کہا کرتے تھے: کاش کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت دیکھوں جب آپؐ پر وحی نازل کی جا رہی ہو۔ پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم جعرانہ میں تھے آپؐ پر ایک کپڑا تھا جس نے آپؐ پر سایہ کیا ہوا تھا اور آپؐ کے ساتھ آپؐ کے صحابہ میں سے کچھ لوگ تھے۔ اتنے میں آپؐ

تَرَى فِي رَجُلٍ أَحْرَمَ فِي جُبَّةٍ بَعْدَ مَا تَضَمَّخَ بِطِيْبٍ فَنَظَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاعَةً فَجَاءَهُ الْوَحْيُ فَأَشَارَ عُمَرُ إِلَى يَعْلَى أَيْ تَعَالَ فَجَاءَ يَعْلَى فَأَدْخَلَ رَأْسَهُ فَإِذَا هُوَ مُحْمَرُّ الْوَجْهِ يَغِطُّ كَذَلِكَ سَاعَةً ثُمَّ سُرِّيَ عَنْهُ فَقَالَ أَيْنَ الَّذِي يَسْأَلُنِي عَنِ الْعُمْرَةِ آنِفًا فَالْتُمِسَ الرَّجُلُ فَجِيْءَ بِهِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَمَّا الطِّيْبُ الَّذِي بِكَ فَاغْسِلْهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَأَمَّا الْجُبَّةُ فَانْزِعْهَا ثُمَّ اصْنَعْ فِي عُمْرَتِكَ كَمَا تَصْنَعُ فِي حَجِّكَ.

کے پاس ایک شخص آیا جو خوشبو میں لتھڑا ہوا تھا۔ اس نے کہا: یارسول اللہ! آپؐ اس شخص کے متعلق کیا سمجھتے ہیں کہ جو ایسے جبے میں احرام باندھے جبکہ وہ جبہ خوشبو سے لتھڑ چکا ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دیر تک دیکھتے رہے۔ پھر آپؐ کے پاس وحی آئی۔ حضرت عمرؓ نے یعلیٰؓ کو اشارہ کیا کہ آؤ۔ حضرت یعلیٰؓ آئے، انہوں نے اپنا سر اندر کیا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ آپؐ کا چہرہ سرخ ہے۔ آپؐ بلند آواز سے سانس لے رہے ہیں۔ ایک گھڑی اس طرح حالت رہی پھر آپؐ سے وہ حالت جاتی رہی۔ اور آپؐ نے پوچھا: وہ شخص کہاں ہے جس نے مجھے ابھی عمرہ کے متعلق پوچھا تھا۔ اس شخص کو ڈھونڈ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا۔ آپؐ نے فرمایا: وہ جو خوشبو تمہیں لگی ہوئی ہے اس کو تین بار دھو ڈالو اور جو جبہ ہے اس کو اتار دو پھر اپنے عمرہ میں وہی کرو جو اپنے حج میں کرتے ہو۔

اطرافہ: ١٥٣٦، ١٧٨٩، ١٨٤٧، ٤٣٢٩۔

تشریح: نَزَلَ الْقُرْآنُ بِلِسَانِ قُرَيْشٍ وَالْعَرَبِ: علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں: اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ قرآن مجید قریش کی زبان میں نازل کیا گیا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن مجید کا اکثر اور بڑا حصہ کیونکہ قرآن کریم میں ایسے کلمات بھی ہیں جو لغتِ قریش کے خلاف ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے قرآن قریش کی زبان میں نازل کیا ہے بلکہ یہ فرمایا ہے وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا۔ (طٰہٰ:۱۱۴) اور اسی طرح ہم نے اس (کتاب) کو عربی زبان کے قرآن کی صورت میں اتارا ہے۔ (ترجمہ از تفسیر صغیر) نیز علامہ عینی لکھتے ہیں کہ قریش کی زبان میں نزول سے مراد یہ ہے کہ قرآن کریم کی ابتداء لغت قریش میں ہوئی پھر قرآن مجید کو دوسرے قبائل کی لغات کے موافق پڑھنے کی اجازت دی گئی۔ امام بخاری نے قریش کے ساتھ

والعَرَبِ کے الفاظ سے یہ بتایا ہے کہ یہاں عام کا عطف خاص پر ہے۔ اگرچہ لغت قریش لغتِ عرب میں داخل ہے لیکن قریش کا ذکر الگ کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ قریش کو باقی عربوں پر فضیلت حاصل ہے۔

(عمدۃ القاری، جزء ۲۰ صفحہ ۱۴)

حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ تحریر فرماتے ہیں:

”قریش دوسری قوموں سے بلکہ قبائل عرب میں سے بھی اس امر میں ممتاز ہیں کہ ان کی زبان میں قرآن مجید جیسی فصیح و بلیغ اور جامع حقائق و اصول شریعت کتاب نازل ہوئی اور مصحف کی کتابت کے وقت انہی کے لب و لہجہ اور انہی کے محاورات کو ترجیح دی جاتی تھی۔“

(صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب نزل القرآن بلسان قریش، ترجمہ و شرح جلد ۷ صفحہ ۲۱)

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا: حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”عربی کا لفظ عرب سے نکلا ہے جس کے معنے بھرنے اور کثرت کے ہوتے ہیں۔... ع ر ب سے مشتق الفاظ جتنے بھی ہیں ان سب میں بھرنے اور کثرت کے معنے پائے جاتے ہیں۔ پس عربی زبان کو اسی وجہ سے عربی کہتے ہیں کہ اس کے معنوں میں بہت وسعت ہے اور اس کے مادے بہت زیادہ ہیں۔ ہر مضمون جو بیان کرنا چاہو اس کے لیے اس میں سامان موجود ہے۔ چنانچہ یورپین لوگوں نے بھی اس کی تصدیق کی ہے کہ یہ زبان مادوں کے لحاظ سے بہت مکمل اور وسیع ہے۔ مثلاً لین پول مشہور مصنف جس نے تاج العروس کا ترجمہ کیا ہے۔ اس کتاب میں حسرت سے لکھتا ہے کہ عربی جیسی زبان ہمیں کوئی نظر نہیں آتی۔ لاکھوں مادے عربی زبان میں پائے جاتے ہیں اور ہر مادہ با معنی ہے جس کے اندر ضرور کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے۔ چنانچہ ابن جنی نے جو ایک بہت بڑا ادیب ہے اپنے استاد بو علی کا یہ دعویٰ بیان کیا ہے کہ عربی زبان کے حروف میں ہی معنوں کا لحاظ رکھا جاتا ہے اور مثال کے طور پر اس نے ك، ل، م کو پیش کیا ہے کہ جب یہ حروف آپس میں مل کر استعمال ہوں تو قوت و طاقت کے معنے ضرور ان میں ملحوظ ہوتے ہیں۔ مثلاً مَلِكٌ بادشاہ۔ مَلَكٌ فرشتہ۔ کَلْمٌ زخم۔ لَکْمٌ تھپڑ وغیرہ۔ ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ گو حروف آگے پیچھے ہوگئے ہیں اور معنے بدلتے چلے گئے ہیں لیکن سب کے سب الفاظ میں قوت و طاقت کی طرف اشارہ ہے۔ اسی طرح عَرَبٌ کا لفظ ہے۔ اس کے بھی جس قدر مشتقات ہیں سب میں بھرنے اور بہت ہو جانے کے معنے پائے جاتے ہیں جیسے عبور، رعب وغیرہ۔

عربی زبان کے ان کمالات کی طرف گو پہلے ائمہ زبان نے بھی توجہ دلائی ہے لیکن یہ حقیقت

کہ یہ زبان امّ الالسنہ ہے یعنی سب زبانیں اسی میں سے نکلی ہیں، حضرت مسیح موعود علیہ السلام بانی سلسلہ احمدیہ نے ہی ظاہر کی ہے اور اس مضمون پر ایسے لطیف پیرایہ میں روشنی ڈالی ہے کہ کوئی اس حقیقت کا انکار نہیں کر سکتا۔... اس زبان میں اس کلام کو اس لیے اتارا ہے کہ تا تم پورا فائدہ اٹھا سکو۔ اگر یہ قرآن عربی نہ ہوتا یعنی ایسی زبان میں نہ آتا جو ہر مفہوم کو ادا کر سکتی ہے تو لوگ پورا فائدہ نہ اٹھا سکتے۔"

(تفسیر کبیر جلد سوم، سورۃ یوسف زیر آیت اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِيًّا... صفحہ ۲۷۶)

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيۡنٍ: حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

" اسے خدا تعالیٰ نے ایک ایسی زبان میں نازل کیا ہے جو اپنے مطالب کو خوب کھول کر بیان کرنے والی ہے۔ درحقیقت کسی کلام کی حفاظت کا ایک یہ بھی پہلو ہوتا ہے کہ جو کلام نازل ہو اس کو سمجھنے والے لوگ دنیا میں پائے جاتے ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اُس نے قرآن کریم کو حفاظت کے اس پہلو سے بھی نوازا ہے اور اسے ایک ایسی زبان میں نازل کیا ہے جو اپنے مضمون کو آپ واضح کرتی ہے اور پھر وہ ہر قسم کے دلائل بھی اپنے اندر رکھتی ہے۔ مفردات راغب جو قرآنی لغت کی مشہور کتاب ہے اس میں اَلْعَرَبِيُّ کے معنے اَلْمُفْصِحُ کے لکھے ہیں یعنی اپنے مدعا کو خوب صفائی اور وضاحت کے ساتھ بیان کرنے والا اور اَلْاِعْرَابُ کے معنے کھولنے اور واضح کرنے کے لکھے ہیں۔ پس بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ میں یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا آخری شرعی کلام اس زبان میں نازل فرمایا ہے جو مطالب کے اظہار کے لیے اپنے اندر پورا سامان رکھتی ہے اور ہر مسئلہ پوری وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بیان کرتی ہے۔ اور مُبِيۡنٍ میں یہ بتایا کہ وہ صرف مقاصد کے اظہار پر ہی قدرت نہیں رکھتی بلکہ اپنے ساتھ دلائل اور براہین کا بھی ذخیرہ رکھتی ہے گویا قرآن کریم کا صرف عربی زبان میں ہونا معجزہ نہیں بلکہ قرآن کا عربی مبین ہونے میں معجزہ ہے۔ یعنی اس کی ایسی زبان ہے کہ اس کے اندر دلائل بیان کیے گئے ہیں اور بتایا گیا ہے کہ ہم کیوں حکم دیتے ہیں، خدا تعالیٰ کو کیوں منواتے ہیں، فرشتوں کو کیوں منواتے ہیں، رسولوں کو کیوں منواتے ہیں، جھوٹ سے کیوں منع کرتے ہیں، سچ کی کیوں تائید کرتے ہیں، ظلم سے کیوں روکتے ہیں، انصاف کی کیوں تائید کرتے ہیں۔ غرض یہ عَرَبِيٍّ مُّبِيۡنٍ میں ہے اور اپنے احکام کی دلیلیں بھی دیتا ہے۔ جھوٹا آدمی کہہ دے گا مگر اس کی دلیل کہاں سے لائے گا۔ مگر یہ کلام تو ایسی زبان میں

نازل ہوا ہے جو عربی ہی نہیں بلکہ مُبِيْنٍ بھی ہے۔ یعنی جو بات بھی کہتی ہے اس کو کھول کر رکھ دیتی ہے اور اس کی معقولیت کے دلائل بھی دیتی ہے۔"

(تفسیر کبیر، سورۃ الشعراء زیر آیت بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ... جلد ہفتم صفحہ ۲۶۸)

فَأَمَرَ عُثْمَانُ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ...: (روایت نمبر ۴۹۸۴) حضرت عثمانؓ نے قرآن کریم کے نسخوں کے تیار کیے جانے کا جو ارشاد فرمایا اس کی تفصیل اگلے باب میں آئے گی۔

كَيْفَ تَرَى فِي رَجُلٍ أَحْرَمَ فِي جُبَّةٍ بَعْدَ مَا تَضَمَّخَ بِطِيبٍ: روایت نمبر ۴۹۸۵ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی وحی کا ایک مشاہدہ بیان کیا گیا ہے۔

بَاب ۳: جَمْعُ الْقُرْآنِ

قرآن کا جمع کیا جانا

٤٩٨٦: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ السَّبَّاقِ أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ أَرْسَلَ إِلَيَّ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيْقُ مَقْتَلَ أَهْلِ الْيَمَامَةِ فَإِذَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عِنْدَهُ قَالَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ إِنَّ عُمَرَ أَتَانِي فَقَالَ إِنَّ الْقَتْلَ قَدِ اسْتَحَرَّ يَوْمَ الْيَمَامَةِ بِقُرَّاءِ الْقُرْآنِ وَإِنِّي أَخْشَى إِنِ اسْتَحَرَّ الْقَتْلُ بِالْقُرَّاءِ بِالْمَوَاطِنِ فَيَذْهَبَ كَثِيْرٌ مِنَ الْقُرْآنِ وَإِنِّي أَرَى أَنْ تَأْمُرَ بِجَمْعِ الْقُرْآنِ قُلْتُ لِعُمَرَ كَيْفَ نَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ

۴۹۸۶: موسیٰ بن اسماعیل نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے ابراہیم بن سعد سے، ابراہیم نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے عبید بن سباق سے، عبید نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: جب یمامہ والے شہید ہوئے حضرت ابو بکرؓ نے مجھے بلا بھیجا تو میں نے دیکھا کہ حضرت عمر بن خطابؓ بھی ان کے پاس ہیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عمرؓ میرے پاس آئے اور کہنے لگے: یمامہ کی جنگ میں قرآن کے قاری بہت مارے گئے ہیں اور میں ڈرتا ہوں کہ جنگ، اور میدانوں میں بھی قراء کو کہیں سمیٹ نہ لے جائے اور اس طرح بہت سا قرآن ضائع ہو جائے گا اس لئے میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ آپؓ قرآن کو یکجا کرنے کا

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عُمَرُ هٰذَا وَاللّٰهِ خَيْرٌ فَلَمْ يَزَلْ عُمَرُ يُرَاجِعُنِي حَتّٰى شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرِي لِذٰلِكَ وَرَأَيْتُ فِي ذٰلِكَ الَّذِي رَأَى عُمَرُ قَالَ زَيْدٌ قَالَ أَبُوبَكْرٍ إِنَّكَ رَجُلٌ شَابٌّ عَاقِلٌ لَا نَتَّهِمُكَ وَقَدْ كُنْتَ تَكْتُبُ الْوَحْيَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَتَبَّعِ الْقُرْآنَ فَاجْمَعْهُ فَوَاللّٰهِ لَوْ كَلَّفُونِي نَقْلَ جَبَلٍ مِنَ الْجِبَالِ مَا كَانَ أَثْقَلَ عَلَيَّ مِمَّا أَمَرَنِي بِهِ مِنْ جَمْعِ الْقُرْآنِ قُلْتُ كَيْفَ تَفْعَلُوْنَ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هُوَ وَاللّٰهِ خَيْرٌ فَلَمْ يَزَلْ أَبُو بَكْرٍ يُرَاجِعُنِي حَتّٰى شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرِي لِلَّذِي شَرَحَ لَهُ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فَتَتَبَّعْتُ الْقُرْآنَ أَجْمَعُهُ مِنَ الْعُسُبِ وَاللِّخَافِ وَصُدُوْرِ الرِّجَالِ حَتّٰى وَجَدْتُ آخِرَ سُورَةِ التَّوْبَةِ مَعَ أَبِي خُزَيْمَةَ الْأَنْصَارِيِّ لَمْ أَجِدْهَا

حکم دیں۔ میں نے عمرؓ سے کہا: ہم ایسا کام کیسے کریں گے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ عمرؓ نے کہا: اللہ کی قسم یہ کام تو بہتر ہے۔ عمرؓ مجھے بار بار کہتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے میرے سینے کو اس کام کے لئے کھول دیا اور اس امر میں میری بھی وہی رائے ہے جو عمرؓ کی تھی۔ زیدؓ کہتے تھے: حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا: تم جوان عقل مند آدمی ہو ہمیں تم پر کوئی شبہ نہیں اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں وحی بھی لکھا کرتے تھے اس لئے جہاں جہاں قرآن ہو اس کو تلاش کرو اور اس کو ایک جگہ جمع کرو۔ اللہ کی قسم! اگر وہ پہاڑوں میں سے کسی پہاڑ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کی مجھے تکلیف دیتے تو یہ کام مجھ پر اتنا زیادہ بوجھل نہ ہوتا، بنسبت اس کے جو انہوں نے مجھے قرآن جمع کرنے کے متعلق دیا۔ میں نے کہا: آپؓ ایسا کام کیسے کر سکتے ہیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا: اللہ کی قسم یہ کام اچھا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ مجھے بار بار کہتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے میرے سینے کو اس کام کے لئے کھول دیا جس کے لئے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے سینے کو کھول دیا تھا اور میں نے قرآن کی تلاش شروع کر دی۔ میں اسے کھجور کی چھڑیوں اور باریک پتھروں اور آدمیوں

مَعَ أَحَدٍ غَيْرِهِ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ (التوبة: ۱۲۸) حَتَّى خَاتِمَةِ بَرَاءَةَ فَكَانَتِ الصُّحُفُ عِنْدَ أَبِي بَكْرٍ حَتَّى تَوَفَّاهُ اللهُ ثُمَّ عِنْدَ عُمَرَ حَيَاتَهُ ثُمَّ عِنْدَ حَفْصَةَ بِنْتِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ.

کے سینوں سے اکٹھا کرتا رہا یہاں تک کہ سورۃ توبہ کا آخری حصہ میں نے ابوخزیمہؓ (انصاری) کے پاس پایا۔ ان کے سوا کسی کے پاس بھی اسے نہ پایا اور وہ یہ ہے: لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ [1] سورۃ توبہ کے خاتمے تک۔ یہ ورق حضرت ابوبکرؓ کے پاس رہے یہاں تک کہ اللہ نے ان کو وفات دی۔ پھر حضرت عمرؓ کے پاس ان کی زندگی میں رہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت حفصہؓ کے پاس رہے۔

اطرافهُ: ۲۸۰۷، ٤٠٤٩، ٤٦٧٩، ٤٧٨٤، ٤٩٨٨، ٤٩٨٩، ٧١٩١، ٧٤٢٥-

٤٩٨٧: حَدَّثَنَا مُوسَى حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حَدَّثَهُ أَنَّ حُذَيْفَةَ بْنَ الْيَمَانِ قَدِمَ عَلَى عُثْمَانَ وَكَانَ يُغَازِي أَهْلَ الشَّأْمِ فِي فَتْحِ إِرْمِيْنِيَةَ وَأَذْرَبِيْجَانَ مَعَ أَهْلِ الْعِرَاقِ فَأَفْزَعَ حُذَيْفَةَ اخْتِلَافُهُمْ فِي الْقِرَاءَةِ فَقَالَ حُذَيْفَةُ لِعُثْمَانَ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَدْرِكْ هَذِهِ الْأُمَّةَ قَبْلَ أَنْ يَّخْتَلِفُوْا فِي الْكِتَابِ اخْتِلَافَ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارَى فَأَرْسَلَ عُثْمَانُ إِلَى حَفْصَةَ أَنْ أَرْسِلِي إِلَيْنَا بِالصُّحُفِ نَنْسَخُهَا

۴۹۸۷: موسیٰ (بن اسماعیل) نے ہم سے بیان کیا کہ ابراہیم (بن سعد) نے ہمیں بتایا۔ ابن شہاب نے ہم سے بیان کیا۔ حضرت انس بن مالکؓ نے ان سے بیان کیا۔ (انہوں نے کہا) کہ حضرت حذیفہ بن یمانؓ حضرت عثمانؓ کے پاس آئے اور وہ آرمینیہ کے فتح کرنے کے لئے شام والوں سے اور آذر بائیجان کے فتح کرنے کے لئے عراق والوں سے جنگ کر رہے تھے۔ لوگوں کے قراءت کے متعلق اختلاف نے حضرت حذیفہؓ کو فکرمند کر دیا۔ حضرت حذیفہؓ نے حضرت عثمانؓ سے کہا: یا امیر المؤمنین! اس امت کو سنبھالیں پیشتر اس کے کہ وہ کتاب میں اس طرح اختلاف کرنے لگیں جس طرح یہود و نصاریٰ نے

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: یقیناً تمہارے پاس تمہی میں سے ایک رسول آیا۔ اسے بہت شاق گزرتا ہے جو تم تکلیف اٹھاتے ہو۔

فِي الْمَصَاحِفِ ثُمَّ نَرُدُّهَا إِلَيْكِ فَأَرْسَلَتْ بِهَا حَفْصَةُ إِلَى عُثْمَانَ فَأَمَرَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ وَعَبْدَ اللهِ بْنَ الزُّبَيْرِ وَسَعِيْدَ بْنَ الْعَاصِ وَ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ فَنَسَخُوْهَا فِي الْمَصَاحِفِ وَقَالَ عُثْمَانُ لِلرَّهْطِ الْقُرَشِيِّيْنَ الثَّلَاثَةِ إِذَا اخْتَلَفْتُمْ أَنْتُمْ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ فِي شَيْءٍ مِنَ الْقُرْآنِ فَاكْتُبُوْهُ بِلِسَانِ قُرَيْشٍ فَإِنَّمَا نَزَلَ بِلِسَانِهِمْ فَفَعَلُوْا حَتَّى إِذَا نَسَخُوا الصُّحُفَ فِي الْمَصَاحِفِ رَدَّ عُثْمَانُ الصُّحُفَ إِلَى حَفْصَةَ فَأَرْسَلَ إِلَى كُلِّ أُفُقٍ بِمُصْحَفٍ مِمَّا نَسَخُوْا وَأَمَرَ بِمَا سِوَاهُ مِنَ الْقُرْآنِ فِي كُلِّ صَحِيْفَةٍ أَوْ مُصْحَفٍ أَنْ يُّحْرَقَ.

اختلاف کیا۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کو کہلا بھیجا کہ ہمارے پاس مصحف بھیج دیں تا کہ ہم دوسرے مصاحف میں (سورتوں کو) نقل کروا لیں۔ پھر ہم آپ کو وہ واپس کر دیں گے۔ حضرت حفصہؓ نے حضرت عثمانؓ کو وہ (اوراق) بھیج دیئے اور انہوں نے حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت سعید بن عاصؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشامؓ کو حکم دیا اور انہوں نے مصاحف میں ان (سورتوں) کو نقل کیا اور حضرت عثمانؓ نے ان تین قریشیوں کی جماعت سے فرمایا: جب تم اور زید بن ثابتؓ قرآن کی کسی قراءت کے متعلق اختلاف کرو تو اس کو قریش کے محاورہ کے مطابق لکھو۔ کیونکہ قرآن انہی کے محاورہ کے مطابق نازل ہوا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ جب انہوں نے ان ورقوں کو مصاحف میں نقل کر لیا تو حضرت عثمانؓ نے وہ اوراق حضرت حفصہؓ کو واپس کر دیئے اور ان (مصاحف) سے ایک ایک مصحف ہر علاقے میں بھیج دیا اور اس قرآن کے سوا جو بھی (قرآن کی کوئی آیت) کسی پرچے یا ورقے پر تھی سب کو جلا دینے کا حکم دیا۔

اطرافہ: ٣٥٠٦، ٤٩٨٤۔

٤٩٨٨: قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَأَخْبَرَنِي خَارِجَةُ بْنُ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ سَمِعَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ قَالَ فَقَدْتُ آيَةً مِنَ

۴۹۸۸: ابن شہاب نے کہا اور مجھے خارجہ بن زید بن ثابت نے بتایا۔ انہوں نے حضرت زید بن ثابتؓ سے سنا۔ انہوں نے کہا: جب ہم نے

الْأَحْزَابِ حِيْنَ نَسَخْنَا الْمُصْحَفَ قَدْ كُنْتُ أَسْمَعُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ بِهَا فَالْتَمَسْنَاهَا فَوَجَدْنَاهَا مَعَ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيِّ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ (الأحزاب: ٢٤) فَأَلْحَقْنَاهَا فِي سُوْرَتِهَا فِي الْمُصْحَفِ.

مصحف کو نقل کیا تو مجھے سورۃ الاحزاب میں سے ایک آیت نہ ملی جو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے سنا کرتا تھا۔ ہم نے اس کو ڈھونڈا، آخر ہمیں حضرت خزیمہ بن ثابت انصاریؓ کے پاس وہ آیت ملی یعنی مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ یعنی مومنوں میں ایسے مرد ہیں جنہوں نے جس بات پر اللہ سے عہد کیا تھا اُسے سچا کر کے دکھایا۔ اس لئے ہم نے مصحف میں جس سورۃ میں وہ تھی اس میں شامل کر دی۔

اطرافہ: ۲۸۰۷، ۴۰۴۹، ۴۶۷۹، ۴۷۸۴، ۴۹۸۶، ۴۹۸۹، ۷۱۹۱، ۷۴۲۵۔

تشریح: جَمْعُ الْقُرْآنِ: قرآن کا جمع کیا جانا۔ اس بارہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت زید بن ثابت انصاریؓ نے حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ خلافت میں قرآن کریم کو مصحف کی صورت میں جمع کر کے لکھا تھا۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ اس سے پہلے قرآن مجید جمع نہیں تھا۔ بلکہ حق یہ ہے کہ قرآن کریم جوں جوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا جاتا تھا، آپؐ اسے الٰہی تفہیم کے ماتحت ترتیب دے کر نہ صرف خود اسے یاد کرتے جاتے تھے بلکہ بہت سے دوسرے صحابہ کو بھی یاد کرا دیتے تھے۔ اور جو صحابہ اس معاملہ میں زیادہ ماہر تھے ان کا آپؐ نے یہ فرض مقرر کیا تھا کہ وہ دوسروں کو سکھائیں[1] اور مزید احتیاط کے طور پر آپؐ اسے ساتھ ساتھ لکھواتے بھی جاتے تھے۔ چنانچہ حدیث سے پتہ لگتا ہے کہ یہی زید بن ثابتؓ جنہوں نے بعد میں قرآن شریف کو ایک جلد کی صورت میں اکٹھا کر کے لکھا اور جو ایک غیر معمولی طور پر ذہین آدمی تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآنی وحی کو قلمبند کرنے پر مامور تھے۔[2] اور ان کے علاوہ بعض اور اصحاب بھی اس خدمت کو سرانجام دیتے تھے۔... غرض قرآن مجید کے جمع و ترتیب کا حقیقی کام سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] (بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب القرّاء من أصحاب النبی ﷺ)

[2] (بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب کُتّاب النبی ﷺ)

کی زندگی میں ہی آپؐ کی ہدایت کے ماتحت ہو گیا تھا اور یہ صرف ایک قیاس ہی نہیں بلکہ حدیث میں صراحت کے ساتھ ذکر آتا ہے۔ چنانچہ عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت آتی ہے کہ حضرت عثمان بن عفانؓ خلیفہ ثالث فرمایا کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طریق تھا کہ جب آپؐ پر کوئی وحی نازل ہوتی تھی تو آپؐ اپنے کاتب وحی کو بلوا کر اسے وہ وحی لکھوا دیتے تھے اور ساتھ ہی یہ فرما دیتے تھے کہ اسے فلاں سورۃ میں فلاں موقع پر رکھو۔ اسی طرح آپؐ خود ہی سورتوں کی ترتیب بھی مقرر فرما دیتے تھے۔[1] اور یہ طریق آپؐ کا ابتداء دعویٰ نبوت سے تھا۔ چنانچہ ...... مکہ کے ابتدائی سالوں میں حضرت عمرؓ مسلمان ہوئے تو انہیں اسلام کی تحریک قرآن کی تلاوت سے ہی ہوئی تھی جو خباب بن الارتؓ ایک لکھے ہوئے صحیفہ سے حضرت عمرؓ کی بہن اور بہنوئی کو پڑھ کر سنا رہے تھے۔[2] الغرض قرآن شریف شروع سے ہی ساتھ ساتھ ضبط تحریر میں آکر مرتب ہوتا اور جمع ہوتا گیا تھا۔ اس کا مزید ثبوت یہ ہے کہ آپؐ اور آپؐ کے صحابہ اپنی نمازوں میں قرآن شریف کی باقاعدہ تلاوت فرمایا کرتے تھے اور بعض اوقات نمازوں میں لمبی لمبی قرأتیں پڑھتے تھے۔ چنانچہ ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ ایک دفعہ آپؐ نے ایک ہی تہجد یعنی نصف شب کی نماز میں قرآن شریف کی پہلی پانچ سورتوں کی جو مجموعی طور پر قرآن کریم کے پنجم حصہ کے برابر بنتی ہیں اکٹھی اور بالترتیب قرأت فرمائی تھی۔[3] اور یہی وہ لمبے قیام ہیں جن کی وجہ سے بسا اوقات آپؐ کے پاؤں متورم ہو جاتے تھے۔[4] اور بعض روایتوں سے پتہ لگتا ہے کہ آپؐ ہر سال ماہ رمضان میں جبریل علیہ السلام کے ساتھ قرآن شریف کا دَور فرمایا کرتے تھے اور آخری سال دو دفعہ مکمل دَور فرمایا۔[5] یہ سب باتیں اس بات کو یقینی طور پر ظاہر کرتی ہیں کہ قرآن شریف کی ترتیب اور جمع کا حقیقی کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی ہو گیا تھا۔ پس زید بن ثابتؓ کے جمع کرنے سے صرف یہ مراد ہے کہ انہوں نے حضرت ابو بکرؓ خلیفہ اوّل کے حکم اور ان کی نگرانی کے

[1] (سنن الترمذی، أَبْوَابُ تَفْسِيرِ الْقُرْآنِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَابٌ وَمِنْ سُورَةِ التَّوْبَةِ)
(سنن ابی داؤد، أَبْوَابُ تَفْرِيعِ اسْتِفْتَاحِ الصَّلَاةِ، بَابُ مَنْ جَهَرَ بِهَا)

[2] (السيرة النبوية لابن هشام، إِسْلَامُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، حَدِيثٌ آخَرُ عَنْ إِسْلَامِ عُمَرَ، جزء اول صفحہ ۳۴۳)
(شرح الزرقانی علی المواهب اللدنية، إسلام الفاروق، المجلد الثانی، صفحہ ۵)

[3] (سنن أبی ابو داود، بَابُ تَفْرِيعِ أَبْوَابِ الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ، بَابُ مَا يَقُولُ الرَّجُلُ فِي رُكُوعِهِ وَسُجُودِهِ)

[4] (بخاری، ابواب التهجد، بَابُ قِيَامِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّيْلَ حَتَّى تَرِمَ قَدَمَاهُ)

[5] (بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب کان جبریل یعرض القرآن)

ماتحت قرآن مجید کو ایک مصحف یعنی جلد یا کتاب کی صورت میں اکٹھا کر کے لکھا تا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتب کردہ قرآن کی ایک مستند اور یکجائی کاپی ضبط میں آجاوے اور روایت سے پتہ لگتا ہے کہ پھر اسی مصحف سے بعد میں حضرت عثمانؓ خلیفہ ثالث نے متعدد مصدقہ نقلیں تیار کرا کے انہیں اس وقت کی اسلامی دنیا کے مختلف علاقوں میں بھجوا دیا اور پھر انہی مصدقہ نقول سے آگے مزید اشاعت ہوتی گئی۔[1] علاوہ ازیں ہر زمانہ میں ہزاروں بلکہ لاکھوں حفاظ نے قرآن کریم کو اپنے سینوں میں لفظ بلفظ محفوظ کر کے اس کی حفاظت کا ایک مزید ظاہری سبب مہیا کیا۔ اس بات کا اندازہ کرنے کے لیے کہ مسلمانوں کو قرآن شریف کے حفظ کرنے کا کس قدر شوق رہا ہے۔ صرف یہ روایت کافی ہے کہ جب ایک دفعہ کسی غرض سے حضرت عمرؓ کو قرآن کے حفاظ کے پتہ لینے کی ضرورت پیش آئی تو معلوم ہوا کہ اس وقت کی اسلامی افواج کے صرف ایک دستہ میں تین سو سے زائد حافظ قرآن تھے۔[2] موجودہ زمانہ میں بھی جبکہ لوگوں میں دین کا شوق بہت کم ہو گیا ہے۔ اسلامی دنیا میں حفاظ قرآن کی تعداد یقیناً لاکھوں سے کم نہیں ہوگی۔" (سیرت خاتم النبیین ﷺ از حضرت مرزا بشیر احمدؓ ایم۔اے صفحہ ۵۹۸ تا ۶۰۰)

أَدْرِكْ هَذِهِ الْأُمَّةَ قَبْلَ أَنْ يَخْتَلِفُوا فِي الْكِتَابِ: حضرت حذیفہؓ نے حضرت عثمانؓ سے کہا: یا امیر المؤمنین! اس امت کو سنبھالیں پیشتر اس کے کہ وہ کتاب میں اس طرح اختلاف کرنے لگیں جس طرح یہود و نصاریٰ نے اختلاف کیا۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں یہ شکایت آئی کہ مختلف قبائل کے لوگ مختلف قراءتوں کے ساتھ قرآن کریم کو پڑھتے ہیں اور غیر مسلموں پر اس کا بُرا اثر پڑتا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ قرآن کریم کے کئی نسخے ہیں۔... اس قراءت سے مراد یہ ہے کہ کوئی قبیلہ کسی حرف کو زبر سے پڑھتا ہے دوسرا زیر سے پڑھتا ہے تیسرا پیش سے پڑھتا ہے اور یہ بات سوائے عربی کے اور کسی زبان میں نہیں پائی جاتی۔ اِس لئے عربی نہ جاننے والا آدمی جب یہ سنے گا تو وہ سمجھے گا کہ یہ کچھ کہہ رہا ہے اور وہ کچھ کہہ رہا ہے حالانکہ کہہ وہ ایک ہی بات رہے ہوں گے۔ پس اس فتنہ سے بچانے کے لئے حضرت عثمانؓ نے یہ تجویز فرمائی کہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں جو نسخہ لکھا گیا تھا اس کی کاپیاں کروالی جائیں اور مختلف ملکوں میں بھیج دی جائیں اور حکم دے دیا جائے کہ بس اِسی قراءت کے مطابق قرآن پڑھنا ہے اور کوئی قراءت نہیں پڑھنی۔ یہ بات جو حضرت

---

[1] (بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن) (فتح الباری جزء ۹ صفحہ ۱۷، ۱۸)
[2] (کنز العمال، باب فی القرآن، فصل فی فضائل القرآن)

عثمانؓ نے کی بالکل معیوب نہ تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عرب لوگ قبائلی زندگی بسر کرتے تھے یعنی ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ سے الگ رہتا تھا اس لئے وہ اپنی اپنی بولی کے عادی تھے لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر جمع ہو کر عرب لوگ متمدن ہو گئے اور ایک عامی زبان کی بجائے عربی زبان ایک علمی زبان بن گئی۔ کثرت سے عرب کے لوگ پڑھنے اور لکھنے کے علم سے واقف ہو گئے جس کی وجہ سے ہر آدمی خواہ کسی قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا اُسی سہولت سے وہ لفظ ادا کر سکتا تھا جس طرح علمی زبان میں وہ لفظ بولا جاتا تھا جو درحقیقت ملک کی زبان تھی۔ پس کوئی وجہ نہ تھی کہ جب سارے لوگ ایک علمی زبان کے عادی ہو چکے تھے اُنہیں پھر بھی اجازت دی جاتی کہ وہ اپنے قبائلی تلفظ کے ساتھ ہی قرآن شریف کو پڑھتے چلے جائیں اور غیر قوموں کے لئے ٹھوکر کا موجب بنیں۔ اِس لئے حضرت عثمانؓ نے اِن حرکات کے ساتھ قرآن شریف کو لکھ کر جو مکہ کی زبان کے مطابق تھیں سب ملکوں میں کاپیاں تقسیم کر دیں اور آئندہ کے متعلق حکم دے دیا کہ سوائے مکی لہجہ کے اور کسی قبائلی لہجہ میں قرآن شریف نہ پڑھا جائے۔" (دیباچہ تفسیر القرآن، انوار العلوم جلد ۲۰ صفحہ ۴۳۳، ۴۳۴)

فَوَجَدْنَاهَا مَعَ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيِّ: اگرچہ ہزاروں صحابہ قرآن شریف کے حافظ تھے لیکن قرآن شریف کو لکھتے وقت ہزاروں صحابہ کو جمع کرنا تو نا ممکن تھا۔ اس لیے حضرت ابو بکرؓ نے حکم دے دیا کہ قرآن کریم کو تحریری نسخوں سے نقل کیا جائے اور ساتھ ہی یہ احتیاط کی جائے کہ کم سے کم دو حافظ قرآن کے اور بھی اس کی تصدیق کرنے والے ہوں۔ چنانچہ جمع قرآن کے وقت اس کا اہتمام کیا گیا۔

حضرت زیدؓ نے جو یہ کہا کہ سورۃ توبہ کا آخری حصہ میں نے ابو خزیمہؓ (انصاری) کے پاس پایا۔ ان کے سوا کسی کے پاس بھی اسے نہ پایا۔ (روایت نمبر ۴۹۸۶) اس بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ حضرت زید بن ثابتؓ کی مراد یہ ہے کہ انہوں نے اس آیت کو ان کے سوا کسی اور کے پاس لکھا ہوا نہیں پایا تھا کیونکہ وہ فقط حفظ کو کافی قرار نہیں دیتے تھے بلکہ اس آیت کا لکھا ہوا ہونا بھی ضروری قرار دیتے تھے۔ (فتح الباری جزء۹ صفحہ ۲۰)

ان روایات میں جو اختلاف نظر آتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دو صحابہ کے ملتے جلتے ناموں کی وجہ سے یہ غلطی لگتی ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ سورۃ التوبہ کا آخری حصہ جس صحابی سے ملا ان کا نام حضرت ابو خزیمہ انصاریؓ ہے۔ اور جس صحابی سے سورۃ الاحزاب کی آخری آیت ملی وہ حضرت خزیمہ بن ثابت انصاریؓ ہیں۔ جن کی گواہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر دو آدمیوں کے برابر قرار دی تھی۔[1]

---

[1] (مسند احمد بن حنبل، حدیث خزیمة بن ثابت رضی اللہ عنہ، جزء۵ صفحہ ۲۱۵)

بَاب ٤ : كَاتِبُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب

٤٩٨٩ : حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ ابْنَ السَّبَّاقِ قَالَ إِنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ قَالَ أَرْسَلَ إِلَيَّ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ إِنَّكَ كُنْتَ تَكْتُبُ الْوَحْيَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاتَّبِعِ الْقُرْآنَ فَتَتَبَّعْتُ حَتَّى وَجَدْتُ آخِرَ سُورَةِ التَّوْبَةِ آيَتَيْنِ مَعَ أَبِي خُزَيْمَةَ الْأَنْصَارِيِّ لَمْ أَجِدْهُمَا مَعَ أَحَدٍ غَيْرِهِ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ إِلَى آخِرِهِ (التوبة:١٢٨، ١٢٩).

۴۹۸۹: یحییٰ بن بکیر نے ہم سے بیان کیا کہ لیث (بن سعد) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے یونس سے، یونس نے ابن شہاب سے روایت کی کہ ابن سباق نے کہا: حضرت زید بن ثابتؓ کہتے تھے: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مجھے بلا بھیجا۔ فرمایا: تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وحی لکھا کرتے تھے اس لئے اب قرآن کی جہاں جہاں ہو تلاش کرو۔ چنانچہ میں نے تلاش کی۔ یہاں تک کہ سورۃ توبہ کی آخری دو آیتیں حضرت ابوخزیمہ انصاریؓ کے پاس پائیں۔ ان کے سوا کسی کے پاس بھی میں نے ان کو نہ پایا۔ (وہ یہ ہیں:) لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ...[1]

اطرافه: ٢٨٠٧، ٤٠٤٩، ٤٦٧٩، ٤٧٨٤، ٤٩٨٦، ٤٩٨٨، ٧١٩١، ٧٤٢٥۔

٤٩٩٠ : حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوْسَى عَنْ إِسْرَائِيْلَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ لَا يَسْتَوِى الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُجٰهِدُوْنَ

۴۹۹۰: عبید اللہ بن موسیٰ نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے اسرائیل سے، اسرائیل نے ابواسحاق سے، ابواسحاق نے حضرت براءؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی: لَا

---

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: یقیناً تمہارے پاس تمہی میں سے ایک رسول آیا۔ اسے بہت سخت شاق گزرتا ہے جو تم تکلیف اٹھاتے ہو (اور) وہ تم پر (بھلائی چاہتے ہوئے) حریص (رہتا) ہے۔ مومنوں کے لیے بے حد مہربان (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔ پس اگر وہ پیٹھ پھیر لیں تو کہہ دے میرے لیے اللہ کافی ہے۔ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اسی پر میں توکل کرتا ہوں اور وہی عرش عظیم کا رب ہے۔

فِي سَبِيلِ اللهِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ادْعُ لِي زَيْدًا وَلْيَجِئْ بِاللَّوْحِ وَالدَّوَاةِ وَالْكَتِفِ أَوِ الْكَتِفِ وَالدَّوَاةِ ثُمَّ قَالَ اكْتُبْ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ وَخَلْفَ ظَهْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَمْرُو بْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ الْأَعْمَى فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ فَمَا تَأْمُرُنِي فَإِنِّي رَجُلٌ ضَرِيْرُ الْبَصَرِ فَنَزَلَتْ مَكَانَهَا لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ. وَ الْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ. غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ.

يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس زیدؓ کو بلاؤ اور وہ تختی اور دوات اور کندھے کی ہڈی یا فرمایا: کندھے کی ہڈی اور دوات لے کر آئے۔ پھر آپؐ نے فرمایا: لکھو لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت کے پیچھے حضرت عمرو بن ام مکتومؓ جو نابینا تھے، بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے کہا: یارسول اللہ! آپؐ مجھے کیا حکم دیتے ہیں۔ میں ایک نابینا شخص ہوں تو پھر اس وقت یہ آیت نازل ہوئی لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَ الْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ (النساء: ۹۶)[۱]

اطرافہ: ۲۸۳۱، ۴۵۹۳، ۴۵۹۴۔

تشریح: كَاتِبُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ابن کثیر نے کہا ہے کہ امام بخاریؒ نے كُتَّابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا باب باندھا ہے مگر سوائے حضرت زید بن ثابتؓ کے کسی اور کاتب کا ذکر نہیں کیا۔ امام ابن کثیر نے اپنی کتاب میں كَاتِب کی جگہ لفظ كُتَّاب جمع کے ساتھ استعمال کیا ہے۔[۲] امام ابن حجر کہتے ہیں کہ بخاری کے تمام نسخوں میں مجھے "كَاتِبُ" مفرد کے ساتھ ملا ہے جو کہ اس باب کی حدیث کے مطابق ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ حضرت زید بن ثابتؓ کے علاوہ دیگر اور اصحاب کی ایک جماعت نے بھی قرآنی وحی کو لکھا۔ مکہ میں جتنا بھی قرآن کا حصہ نازل ہوا وہ سارا ہی دیگر صحابہ کرامؓ نے لکھا کیونکہ حضرت زید بن ثابتؓ ہجرت مکہ کے بعد مسلمان ہوئے۔ لیکن قرآن کریم کا جو حصہ مدینہ میں نازل ہوا اس کا اکثر حضرت زید بن ثابتؓ نے ہی تحریر فرمایا۔ پس قرآنی وحی کو کثرت سے لکھنے کی وجہ سے "الْكَاتِبُ" کا لفظ آپؓ پر اطلاق پاتا ہے کیونکہ اس میں لام عہد کا ہے یعنی "وہ" کاتب جس کا سب کو پتہ ہے۔ (فتح الباری جزء۹ صفحہ ۲۹)

حضرت زید بن ثابتؓ ایک نوجوان صحابی تھے۔ جنہوں نے جنگ بدر کے قیدیوں سے عربی لکھنا پڑھنا سیکھا تھا

---

[۱] ترجمہ از حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: مومنوں میں سے بغیر کسی بیماری کے گھر بیٹھ رہنے والے اور (دوسرے) اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے برابر نہیں ہو سکتے۔

[۲] (السیرة النبویة لابن کثیر، فصل وأما كُتَّابُ الْوَحْيِ وَغَيْرِهِ، جزء۴ صفحہ ۶۶۹)

اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب خاص تھے۔[1] حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے متعلق فرمایا: إِنَّكَ كُنْتَ تَكْتُبُ الْوَحْيَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وحی لکھا کرتے تھے۔ حضرت زید بن ثابتؓ سے پہلے حضرت ابی بن کعبؓ قرآنی وحی کو لکھا کرتے تھے اور مدینہ میں بھی پہلے پہل وحی حضرت ابی بن کعبؓ نے ہی تحریر فرمائی۔ مکہ میں پہلے پہل قریش میں سے عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کاتب وحی تھے۔ پھر وہ مرتد ہو گئے اور فتح مکہ کے موقع پر دوبارہ مسلمان ہوئے۔ تاریخ سے پندرہ کاتبین وحی کے نام ثابت ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، زید بن ثابتؓ، ابی بن کعبؓ، عبد اللہ بن سعد بن ابی سرحؓ، زبیر بن العوامؓ، خالد بن سعید بن العاصؓ، ابان بن سعید العاص بن امیہؓ، حنظلہ بن الربیع الاسدیؓ، معیقیب بن ابی فاطمہؓ، عبد اللہ بن ارقم الزہریؓ، شرحبیل بن حسنہؓ، عبد اللہ بن رواحہؓ۔ (فتح الباری جزء۹ صفحہ ۲۹) جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم نازل ہوتا تو آپؐ ان لوگوں میں سے کسی کو بلا کر وحی لکھوا دیتے تھے۔[2]

بَاب ٥: أُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ

قرآن سات لہجوں میں اترا ہے

٤٩٩١: حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا حَدَّثَهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَقْرَأَنِي جِبْرِيْلُ عَلَى حَرْفٍ فَرَاجَعْتُهُ فَلَمْ أَزَلْ أَسْتَزِيْدُهُ وَيَزِيْدُنِي حَتَّى انْتَهَى إِلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ.

طرفہ: ۳۲۱۹۔

۴۹۹۱: سعید بن عُفَیر نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: لیث (بن سعد) نے مجھے بتایا کہ عُقیل نے مجھ سے بیان کیا۔ انہوں نے ابن شہاب سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: مجھ سے عبید اللہ بن عبد اللہ نے بیان کیا کہ (حضرت عبد اللہ) بن عباس رضی اللہ عنہما نے انہیں بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جبرائیل نے مجھے (قرآن) ایک ہی لہجے کے مطابق پڑھایا۔ میں ان سے بار بار کہتا رہا اور ان سے ایک (لہجہ) سے زیادہ (پر پڑھنے) کا مطالبہ کرتا رہا اور وہ مجھے اس سے زیادہ (لہجوں کے مطابق) پڑھاتے رہے یہاں تک کہ سات محاوروں پر پہنچ کر بس کی۔

[1] (الإصابة فی تمییز الصحابة، ذکرہ من اسمہ زید، زید بن ثابت، جزء۲ صفحہ ۴۹۱)

[2] (سنن الترمذی، أَبْوَابُ تَفْسِيرِ الْقُرْآنِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَاب وَمِنْ سُورَةِ التَّوْبَةِ)

٤٩٩٢ : حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ الْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ وَ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ عَبْدٍ الْقَارِيَّ حَدَّثَاهُ أَنَّهُمَا سَمِعَا عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُوْلُ سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ حَكِيْمٍ يَقْرَأُ سُوْرَةَ الْفُرْقَانِ فِي حَيَاةِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَمَعْتُ لِقِرَاءَتِهِ فَإِذَا هُوَ يَقْرَأُ عَلَى حُرُوْفٍ كَثِيْرَةٍ لَمْ يُقْرِئْنِيْهَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكِدْتُ أُسَاوِرُهُ فِي الصَّلَاةِ فَتَصَبَّرْتُ حَتَّى سَلَّمَ فَلَبَّبْتُهُ بِرِدَائِهِ فَقُلْتُ مَنْ أَقْرَأَكَ هَذِهِ السُّورَةَ الَّتِي سَمِعْتُكَ تَقْرَأُ قَالَ أَقْرَأَنِيْهَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ كَذَبْتَ فَإِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَقْرَأَنِيْهَا عَلَى غَيْرِ مَا قَرَأْتَ فَانْطَلَقْتُ بِهِ أَقُوْدُهُ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ إِنِّي سَمِعْتُ هَذَا يَقْرَأُ بِسُوْرَةِ الْفُرْقَانِ

۴۹۹۲: سعید بن عُفَیر نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ لیث (بن سعد) نے مجھے بتایا کہ عُقیل نے مجھ سے بیان کیا۔ انہوں نے ابن شہاب سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: عروہ بن زبیر نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسور بن مخرمہؓ اور عبدالرحمٰن بن عبد القاری دونوں نے ان سے بیان کیا کہ انہوں نے حضرت عمر بن خطابؓ سے سنا۔ کہتے تھے: میں نے ہشام بن حکیمؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں سورۃ فرقان پڑھتے سنا۔ میں ان کی قراءت کو غور سے سنتا رہا تو کیا دیکھا کہ وہ بہت سی ایسی طرزوں پر پڑھ رہے ہیں کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نہیں پڑھائی تھیں۔ قریب تھا کہ میں نماز میں ہی ان پر لپکتا مگر میں اس وقت تک صبر کئے رہا کہ انہوں نے سلام پھیرا۔ میں نے ان کی چادر سینے سے پکڑ لی اور میں نے کہا: کس نے تمہیں یہ سورۃ پڑھائی ہے جو میں نے تم کو پڑھتے ہوئے سنا۔ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سورۃ مجھے پڑھائی ہے۔ میں نے کہا: تم نے غلط کہا ہے۔ مجھے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سورۃ پڑھائی ہے مگر اس طرز پر نہیں جو تم نے پڑھی ہے۔ میں ان کو کھینچتے ہوئے رسول اللہ

عَلَى حُرُوْفٍ لَمْ تُقْرِئْنِيْهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْسِلْهُ اقْرَأْ يَا هِشَامُ فَقَرَأَ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةَ الَّتِي سَمِعْتُهُ يَقْرَأُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَذَلِكَ أُنْزِلَتْ ثُمَّ قَالَ اقْرَأْ يَا عُمَرُ فَقَرَأْتُ الْقِرَاءَةَ الَّتِي أَقْرَأَنِي فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَذَلِكَ أُنْزِلَتْ إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ.

صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا اور میں نے کہا: میں نے ان کو سورۃ فرقان ایسی طرزوں پر پڑھتے سنا ہے جو آپؐ نے مجھے نہیں پڑھائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو۔ (پھر آپؐ نے فرمایا) ہشامؓ پڑھو۔ چنانچہ انہوں نے آپؐ کے سامنے اسی قراءت سے پڑھا جو میں نے ان کو پڑھتے ہوئے سنی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسی طرح یہ نازل کی گئی۔ پھر آپؐ نے (مجھ سے) فرمایا: عمرؓ پڑھو۔ تو میں نے وہ قراءت پڑھی جو آپؐ نے مجھے پڑھائی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسی طرح نازل کی گئی۔ دیکھو! یہ قرآن سات لہجوں کے مطابق اتارا گیا ہے جو بھی ان میں سے آسان ہو وہ پڑھو۔

اطرافہ: ۲٤۱۹، ٥٠٤١، ٦۹۳٦، ۷٥٥٠۔

تشریح: أُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ: اس سے مراد قرآن کریم کا سات مختلف لہجوں پر پڑھنا ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ قرآن کریم کا ہر لفظ یا جملہ سات مختلف لہجوں پر پڑھا جاتا تھا بلکہ مراد یہ ہے کہ جس کلمہ کو مختلف قراءتوں سے پڑھا گیا، اس کی انتہائی حد سات قراءتوں تک ہے۔ (فتح الباری جزء۹ صفحہ ۳۰)

فَكِدْتُ أُسَاوِرُهُ فِي الصَّلَاةِ: باب ھذا کی روایت (نمبر ۴۹۹۲) میں حضرت عمرؓ کے حضرت ہشام بن حکیمؓ پر اعتراض کا جو ذکر ہے کہ انہوں نے سورۃ الفرقان کو اور طرح سے پڑھا ہے۔ اس بارے میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

”اِس سے یہ دھوکا نہیں کھانا چاہئے کہ قرآن کئی طرح پڑھا جا سکتا ہے۔ اِس حقیقت کو صرف عربی دان سمجھ سکتا ہے کیونکہ یہ بات صرف عربی میں ہی پائی جاتی ہے کسی اور زبان

میں نہیں پائی جاتی۔ عربی زبان میں ماضی اور مضارع کے جو صیغے ہیں اُن کے زیر اور زبر کئی طرح جائز ہوتے ہیں لیکن معنی نہیں بدلتے۔ کسی حرف کے نیچے زیر لگا لیں تب بھی جائز ہوتا ہے اور اگر اُس پر زبر پڑھیں تب بھی جائز ہوتا ہے اور معنی ایک ہی رہتے ہیں۔ کبھی تو یہ عام قاعدہ کے طور پر فرق ہوتا ہے یعنی علمی زبان میں اس لفظ کو کئی طرح بولنا جائز ہوتا ہے اور بعض موقعوں میں یہ فرق قبائل کے لحاظ سے ہوتا ہے یعنی بعض قبائل یا بعض خاندان ایک لفظ زبر کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ بعض لوگوں کے منہ پر زبر چڑھی ہوئی ہوتی ہے اور بعض لوگوں کے منہ پر زیر چڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی اجازت سے زیر یا زبر سے پڑھنے کی اجازت دے دیتے تھے لیکن اِس سے معنوں پر کوئی اثر بھی نہیں پڑتا تھا نہ لفظ میں کوئی تبدیلی ہوتی تھی۔ یہ فرق اور زبانوں میں نہیں پایا جاتا اِس لئے دوسری زبانوں کے آدمی جب یہ بات سنتے ہیں تو وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ شاید کسی شخص کو کوئی آیت پڑھائی ہوتی تھی اور کسی کو کوئی آیت پڑھائی ہوئی ہوتی تھی حالانکہ آیت کا کوئی سوال ہی نہیں نہ لفظ کا کوئی سوال ہے سوال صرف لفظوں کے بعض حروف کی حرکت کا ہے اِن حرکات کے تغیر سے معنوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ صرف اتنا فرق پڑتا ہے کہ جس قوم کو جس حرکت سے پڑھنے میں آسانی ہو سکتی ہے وہ اُس حرکت سے پڑھ لیتی ہے۔" (دیباچہ تفسیر القرآن، انوار العلوم جلد ۲۰ صفحہ ۴۲۸، ۴۲۹)

سبعۃ احرف کی ایک اور تفسیر بیان کرتے ہوئے حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

"قرآن کریم کے سات بطن ہیں۔ عام طور پر لوگوں نے اس حدیث کو پوری طرح نہیں سمجھا۔ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ مختلف زمانوں کے تغیرات کے مطابق قرآن کریم کی آیات کے معنے کھلتے جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ پہلے لوگوں کو قرآن کریم کی کئی آیات کے وہ معنے نظر نہ آئے جو بعد میں تغیر آنے والے زمانہ کے لوگوں کو نظر آئے۔ اب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرآن کریم کے جو نکات اور معارف نکالے وہ قرآن کریم میں نئی آیات داخل کر کے نہیں نکالے آیات وہی تھیں ہاں آپ پر اِس زمانہ کے مطابق ان کا بطن ظاہر ہوا۔ چونکہ زمانہ کے حالات بدلتے رہتے ہیں۔ اور موجودہ زمانہ مذہب کے متعلق امن اور صلح کا زمانہ تھا اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے

قرآن کریم سے امن کے احکام اور صلح کی تعلیم پیش فرمائی اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو واضح الفاظ میں فرمایا ہے کہ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ○ إِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَ كَفَرَ ○ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ ○ (الغاشیۃ: ۲۳) یعنی تجھے اس لئے نہیں بھیجا گیا کہ تُو لوگوں سے جبری طور پر اپنا مذہب منوائے۔ نہ ہم نے ان پر جبر کرنے کے لئے بھیجا ہے جو منہ پھیر لیتے ہیں اور کفر اختیار کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو سزا دینا خدا کا کام ہے۔ تیرا کام نہیں۔ کیونکہ خدا دلوں کے حالات کو جانتا ہے تو نہیں جانتا۔

یہ دوسرا بطن تھا جو اس زمانہ کے حالات کے مطابق آپ پر کھولا گیا۔ اور اسلام کی تائید میں تلوار اٹھانے سے منع کیا گیا۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ قرآن کریم کے سات بطن ہیں اس کے ایک معنے یہ ہیں کہ دنیا میں سات بڑے بڑے تغیرات آئیں گے اور ہر تغیر کے زمانہ میں لوگوں کے ذہن بدل جائیں گے۔ اس وقت خدا تعالیٰ قرآن کریم کے ایسے معنے کھول دے گا جو لوگوں کے اس وقت کے ذہنوں اور قلوب کو تسلی دینے والے ہوں گے۔ اس زمانہ میں بیسیوں مسائل ایسے رنگ میں کھلے ہیں کہ پہلے ان کی ضرورت اور اہمیت محسوس نہیں کی جا سکتی تھی۔ مثلاً آیات قرآنی کے نسخ کا مسئلہ ہے۔ پہلے ایسے وقت میں نسخ کا سوال پیدا ہوا کہ اس وقت کے لوگوں کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ کیونکہ ان کے سامنے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تھا۔ پس باوجود نسخ کے عقیدہ کے یہ بات قرآن کریم کی سچائی کے معلوم کرنے میں روک نہ بن سکتی تھی۔ لیکن جب ایسا زمانہ آیا کہ لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے دور ہوئے اور دنیا کے ذہنی اور علمی تغیر کے مطابق قرآن کریم کی آیات کے معنے نہ کر سکے تو کہنے لگے یہ آیت بھی منسوخ ہے اور وہ آیت بھی منسوخ ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کھڑا کیا اور آپ نے ثابت کیا کہ قرآن کریم کی کوئی آیت ان معنوں میں منسوخ نہیں ہے کہ اس پر عمل نہیں کیا جا سکتا اور جن آیات کو منسوخ قرار دیا جاتا تھا ان کے ایسے معنے بیان فرمائے جنہیں لوگوں کی عقلیں بآسانی قبول کر سکتی ہیں۔ یہ ان آیات کا دوسرا بطن تھا جو خدا تعالیٰ نے آپ پر کھولا۔

تو قرآن کریم کے سات بطن سے مراد سات عظیم الشان ذہنی اور عقلی اور علمی تغیرات ہو

سکتے ہیں اور اس میں بتایا گیا ہے کہ ہر ایسے تغیر میں قرآن کریم قائم رہے گا اور کوئی یہ نہیں کہہ سکے گا کہ ہمارے زمانہ کی ضروریات کو قرآن پورا نہیں کرتا۔ باقی الہامی کتابیں تو ایسی ہیں کہ جن کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں کہ جب زمانہ بدلا اور دنیا میں تغیر آیا تو ان کتب میں جو کلام تھا اس کے وہ معنے نہ نکلے جو اس زمانہ کے ذہنوں کے مطابق ہوتے۔ اس لئے وہ قابل عمل نہ رہیں مگر قرآن کریم کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جوں جوں دنیا میں تغیر آتے جائیں گے اور لوگ قرآن پڑھیں گے اس زمانہ کی ضرورت کو پورا کرنے والا مفہوم اس میں سے نکلتا آئے گا اور لوگ تسلیم کریں گے کہ ہاں قرآن کریم ہی اس زمانہ کے لئے بھی کافی ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی اس زمانہ کے لئے بھی رسول ہیں۔... غرض فرمایا کہ قرآن کریم کو ہم نے ایسا بنایا ہے کہ یہ ہر زمانہ کے لیے کافی ہوگا۔ اس میں ہر زمانہ کے خیالات پر بحث موجود ہوگی۔ اگر اس زمانہ کے لوگوں کے خیالات غلط ہوں گے تو ان کی تردید کی جائے گی اور اگر صحیح ہوں گے تو تائید کی جائے گی۔

درحقیقت قرآن کریم میں یہ ایک بہت بڑی خوبی ہے کہ جب وہ کوئی مضمون لیتا ہے تو اس کے تمام متعلقہ مضامین کو اس کے نیچے تہہ بہ تہہ جمع کر دیتا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح زمین کے طبقات ہوتے ہیں۔... یہی حال قرآن کریم کا ہے۔... حقیقت یہ ہے کہ ہر زمانہ کی ضرورت کے مطابق اس کے نئے نئے معانی اور مطالب نکلتے آئیں گے۔

(تفسیر کبیر، سورۃ العنکبوت، جلد ۷ صفحہ ۶۶۵ تا ۶۶۹)

بَاب ٦: تَأْلِيفُ الْقُرْآنِ

قرآن کی ترتیب

٤٩٩٣: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوْسَى أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوْسُفَ أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ قَالَ وَأَخْبَرَنِي يُوْسُفُ بْنُ مَاهَكٍ قَالَ إِنِّي عِنْدَ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا إِذْ

۴۹۹۳: ابراہیم بن موسیٰ نے ہم سے بیان کیا کہ ہشام بن یوسف نے ہمیں بتایا کہ ابن جریج نے انہیں بتایا۔ انہوں نے کہا: اور یوسف بن ماہک نے بھی مجھے بتایا۔ انہوں نے کہا: میں حضرت عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے پاس تھا کہ اُن کے پاس ایک عراقی آیا اور اس نے پوچھا: کونسا کفن

جَاءَهَا عِرَاقِيٌّ فَقَالَ أَيُّ الْكَفَنِ خَيْرٌ قَالَتْ وَيْحَكَ وَمَا يَضُرُّكَ قَالَ يَاأُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ أَرِيْنِي مُصْحَفَكِ قَالَتْ لِمَ قَالَ لَعَلِّي أُوَلِّفُ الْقُرْآنَ عَلَيْهِ فَإِنَّهُ يُقْرَأُ غَيْرَ مُؤَلَّفٍ قَالَتْ وَمَا يَضُرُّكَ أَيَّهُ قَرَأْتَ قَبْلُ إِنَّمَا نَزَلَ أَوَّلَ مَا نَزَلَ مِنْهُ سُورَةٌ مِنَ الْمُفَصَّلِ فِيْهَا ذِكْرُ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ حَتَّى إِذَا ثَابَ النَّاسُ إِلَى الْإِسْلَامِ نَزَلَ الْحَلَالُ وَالْحَرَامُ وَلَوْ نَزَلَ أَوَّلَ شَيْءٍ لَا تَشْرَبُوا الْخَمْرَ لَقَالُوْا لَا نَدَعُ الْخَمْرَ أَبَدًا وَلَوْ نَزَلَ لَا تَزْنُوا لَقَالُوا لَا نَدَعُ الزِّنَا أَبَدًا لَقَدْ نَزَلَ بِمَكَّةَ عَلَى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنِّي لَجَارِيَةٌ أَلْعَبُ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ○ (القمر: ٤٧) وَمَا نَزَلَتْ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ وَالنِّسَاءِ إِلَّا وَأَنَا عِنْدَهُ قَالَ فَأَخْرَجَتْ لَهُ الْمُصْحَفَ فَأَمْلَتْ عَلَيْهِ آيَ السُّوَرِ.

طرفہ: ٤٨٧٦۔

بہتر ہوتا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: تم پر افسوس اور تجھے کیا نقصان دے گا (جو بھی ہو؟) اُس نے کہا: ام المؤمنین! مجھے اپنا مصحف دکھائیں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: کیوں؟ اس نے کہا: تا کہ میں اُس کے مطابق قرآن کو ترتیب دے دوں کیونکہ وہ بغیر ترتیب کے ہی پڑھا جاتا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: اور تمہیں اس سے کیا نقصان جو حصہ اس میں سے پہلے پڑھ لے؟ کیونکہ پہلی سورۃ جو قرآن (کی سورتوں میں) سے نازل ہوئی وہ مفصل کی ایک سورۃ تھی جس میں جنت اور آگ کا ذکر ہے۔ جب لوگوں نے اسلام کی طرف رجوع کیا حلال اور حرام کے احکام نازل ہوئے اگر پہلے یہی نازل ہوتا کہ شراب نہ پیو تو لوگ ضرور کہتے ہم تو شراب کبھی نہیں چھوڑیں گے اور اگر یہی پہلے اترتا کہ زنا نہ کرو تو وہ کہتے ہم تو زنا کو کبھی نہیں چھوڑیں گے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر مکہ میں یہ آیت نازل ہوئی بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ[1] اور میں اس وقت ابھی چھوٹی بچی ہی تھی جو کھیلا کرتی تھی اور سورۃ البقرہ اور سورۃ النساء اس وقت نازل ہوئیں جب میں آپؐ کے پاس تھی۔ یوسف بن ماہک کہتے تھے: پھر حضرت عائشہؓ نے اس کے لیے مصحف نکالا اور اس کو ہر سورۃ کی آیتیں لکھوادیں۔

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: بلکہ ان سے انقلاب کی گھڑی کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اور وہ گھڑی بہت سخت اور بہت کڑوی ہوگی۔

٤٩٩٤: حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ يَزِيدَ سَمِعْتُ ابْنَ مَسْعُودٍ يَقُولُ فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ وَالْكَهْفِ وَمَرْيَمَ وَطٰهٰ وَالْأَنْبِيَاءِ إِنَّهُنَّ مِنَ الْعِتَاقِ الْأُوَلِ وَهُنَّ مِنْ تِلَادِي.

۴۹۹۴: آدم (بن ابی ایاس) نے ہم سے بیان کیا کہ شعبہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ابواسحاق سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں نے عبدالرحمٰن بن یزید سے سنا۔ (انہوں نے کہا:) میں نے (حضرت عبداللہ) بن مسعودؓ سے سنا۔ سورۃ بنی اسرائیل، سورۃ الکہف، سورۃ مریم، سورۃ طٰہٰ اور سورۃ الانبیاء کے متعلق وہ کہتے تھے کہ وہ پہلی اعلیٰ درجے کی فصیح سورتوں میں سے ہیں اور وہ میری پرانی یاد کی ہوئی ہیں۔

اطرافه: ٤٧٠٨، ٤٧٣٩۔

٤٩٩٥: حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ أَنْبَأَنَا أَبُو إِسْحَاقَ سَمِعَ الْبَرَاءَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ تَعَلَّمْتُ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ○ (الأعلى: ٢) قَبْلَ أَنْ يَقْدَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

۴۹۹۵: ابوالولید نے ہم سے بیان کیا کہ شعبہ نے ہمیں بتایا کہ ابواسحاق نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے حضرت براء (بن عازب) رضی اللہ عنہ سے سنا، کہتے تھے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے (مدینہ) آنے سے پہلے میں نے سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى[1] سیکھ لی تھی۔

٤٩٩٦: حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ شَقِيقٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللهِ لَقَدْ تَعَلَّمْتُ النَّظَائِرَ الَّتِي كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَؤُهُنَّ اثْنَيْنِ اثْنَيْنِ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ فَقَامَ عَبْدُ اللهِ وَدَخَلَ مَعَهُ

۴۹۹۶: عبدان نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ابوحمزہ (محمد بن میمون) سے، ابوحمزہ نے اعمش سے، اعمش نے شقیق سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: حضرت عبداللہؓ (بن مسعود) کہتے تھے: ایک دوسرے سے ملتی جلتی (ان سورتوں) کو خوب جانتا ہوں جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو دو کر کے ہر رکعت میں پڑھا کرتے تھے۔ یہ کہہ کر حضرت

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: اپنے بزرگ و بالا رب کے نام کا ہر عیب سے پاک ہونا بیان کر۔

عَلْقَمَةُ وَخَرَجَ عَلْقَمَةُ فَسَأَلْنَاهُ فَقَالَ عِشْرُوْنَ سُوْرَةً مِنْ أَوَّلِ الْمُفَصَّلِ عَلَى تَأْلِيفِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ آخِرُهُنَّ الْحَوَامِيمُ حٰمٓ الدُّخَانِ وَ عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ.

عبد اللہؓ اٹھ کر چلے گئے اور علقمہ بھی ان کے ساتھ اندر گئے۔ پھر علقمہ باہر آگئے۔ ہم نے ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا: حضرت ابن مسعودؓ کی ترتیب کے مطابق مفصل کی ابتدائی بیس سورتیں ہیں (ان کے نزدیک) ان میں سے آخری (سورتیں) وہ ہیں جو حٰم سے شروع ہوتی ہیں۔ حٰم، الدخان اور عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ بھی (ان میں سے) ہیں۔

اطرافہ: ۷۷۵، ۵۰۴۳۔

تشریح: تَأْلِيفُ الْقُرْآنِ: یعنی قرآن کریم کی ترتیب۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

”یہ سوال کہ قرآن شریف کی موجودہ ترتیب کسی اصول پر قائم ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو کس پر؟... سو جاننا چاہیے کہ جیسا کہ دوست و دشمن میں مسلّم ہے اور تاریخ و حدیث اس کے حوالوں سے بھری پڑی ہیں کہ قرآن شریف کی موجودہ ترتیب اس کے نزول کی ترتیب کے مطابق نہیں ہے بلکہ وہ ایک جداگانہ ترتیب ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود خدائی تفہیم کے مطابق مقرر فرمائی تھی۔ چنانچہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ[1] یعنی قرآن کا جمع کرنا خود ہمارے ذمہ ہے اور ہم ہی اس کام کو سرانجام دیں گے۔ اور ظاہر ہے کہ جمع قرآن کا کام خصوصاً جبکہ اسے نزول کی ترتیب سے ہٹا کر دوسری ترتیب میں جمع کیا گیا ہو، ترتیب کے ساتھ لازم و ملزوم کے طور پر ہے... حدیث میں تو صراحت کے ساتھ ذکر آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر آیت کے نزول پر اور ہر سورۃ کے مکمل ہونے پر خود ہدایت فرماتے تھے کہ اس آیت یا سورۃ کو فلاں جگہ رکھو۔[2] اندریں حالات خواہ کسی شخص کو موجودہ قرآنی ترتیب سمجھ میں آئے یا نہ آئے اس بات میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ قرآن میں کوئی نہ کوئی اصول ترتیب ضرور مقصود ہے دراصل غور کیا جاوے تو اصل نزول کی ترتیب کو چھوڑنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ نئی ترتیب میں کوئی نہ کوئی اصول ضرور مدنظر رکھا گیا ہے۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں تھی کہ نزول کی ترتیب

---

[1] (القیامۃ: ۱۸)

[2] (سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ، أَبْوَابُ تَفْرِيعِ اسْتِفْتَاحِ الصَّلَاةِ، بَابُ مَنْ جَهَرَ بِهَا)

کو ترک کر کے کوئی اور ترتیب اختیار کی جاتی۔ مثلاً ایک ہال میں چند آدمی یکے بعد دیگرے داخل ہوتے ہیں۔ اب اگر ہال کا منتظم اُن آدمیوں کے متعلق خاص اہتمام کے ساتھ یہ انتظام کرتا ہے کہ وہ داخل ہونے کی ترتیب سے نہ بیٹھیں بلکہ انہیں کسی اور ترتیب کے ساتھ بٹھاتا ہے تو اُس کا یہی فعل اس بات کی دلیل ہو گا کہ خواہ اس کا اصولِ ترتیب کسی کو معلوم ہو یا نہ ہو مگر اس کے مدنظر کوئی نہ کوئی اصول ضرور ہے ورنہ کوئی وجہ نہیں تھی کہ داخلہ کی ترتیب کو تبدیل کیا جاتا۔ کیونکہ کوئی ہوش وحواس رکھنے والا انسان یونہی لغو طور پر بلاوجہ کوئی کام نہیں کرتا۔

اس موقع پر اکثر یورپین محققین یہ کہا کرتے ہیں کہ ہال کے منتظم نے داخلہ کی ترتیب کو بدل کر سائزنگ کے اصول پر لوگوں کو بٹھا دیا ہے۔ یعنی قرآنی سورتوں کو اُن کی لمبائی کے لحاظ سے ترتیب دیا گیا ہے۔ مگر یہ ایک سراسر بے بنیاد اور غلط خیال ہے۔ کیونکہ اوّل تو ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ جمع وترتیب کا کام خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدائی تفہیم کے ماتحت سرانجام دیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسے انسان کی طرف اس قسم کا عبث فعل کبھی بھی منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ ایسا فعل وہی شخص کر سکتا ہے جو عقل وخرد سے بالکل عاری ہو۔ نزول کی ترتیب جس سے کم از کم بعض تاریخی فوائد کے حصول میں آسانی ہو سکتی تھی اسے محض اس وجہ سے ترک کرنا کہ قرآنی سورتیں لمبے اور چھوٹے ہونے کے لحاظ سے ترتیب دی جا سکیں جس میں کوئی بھی علمی فائدہ متصور نہیں ہے، ایک ایسا فعل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو درکنار ایک معمولی عقل کا آدمی بھی اس کا مرتکب نہیں ہو سکتا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تو اس سے بہت بالا وارفع ہے۔ دوسرے سورتوں کا وجود ہی جس کی وجہ سے یہ خیال پیدا ہوا ہے کسی ترتیب کا نتیجہ ہے کیونکہ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں قرآن شریف سورتوں کی صورت میں نازل نہیں ہوا بلکہ آیات کی صورت میں بہت آہستہ آہستہ نازل ہوا ہے اور سورتیں آیات کے جمع ہونے سے عالم وجود میں آئی ہیں۔ علاوہ ازیں یہ بات عملاً بھی بالکل غلط اور خلاف واقعہ ہے کہ قرآن میں سورتوں کے لمبا چھوٹا ہونے کی ترتیب مدنظر رکھی گئی ہے اور قرآنی سورتوں کی آیات کی تعداد کا ایک سرسری مطالعہ بھی اس کی تردید کے لیے کافی ہے کیونکہ بیسیوں مثالیں ایسی ہیں کہ بعض لمبی سورتیں ہیں جو پیچھے رکھی گئی ہیں اور بعض چھوٹی سورتیں ہیں جو پہلے آگئی ہیں اور نہ معلوم مغربی محققین اس معاملہ میں اس قدر کوتاہ نظری اور فاش غلطی کے مرتکب کس طرح ہوئے ہیں۔

الغرض اس بات میں ہرگز کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ اوّل قرآن شریف کی موجودہ ترتیب اس کے نزول کی ترتیب کے مطابق نہیں ہے۔ دوم نہ ہی یہ ترتیب سورتوں کے طول و قصر کے لحاظ سے ہے بلکہ سوم یہ کوئی اور ہی ترتیب ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود خدائی ارشاد کے ماتحت مقرر فرمائی تھی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ ترتیب کیا ہے؟ اس کے جواب میں اس جگہ صرف اس قدر اشارہ کیا جاسکتا ہے کہ قرآن شریف جو خدا کا قول ہے اس میں اسی قسم کا اصول ترتیب مدنظر رکھا گیا ہے جو خدا کے فعل یعنی صحیفہ قدرت میں پایا جاتا ہے یعنی جس طرح اس جسمانی عالم میں دنیا کی مادی زندگی اور ترقی و بہبودی کے سامان و ذرائع مہیا کیے جاکر اس میں ایک ترتیب رکھی گئی ہے اسی طرح کی خدا کے قول یعنی قرآن شریف میں ایک ترتیب ہے جو علم النفس کے ان ابدی اصول کے ماتحت قائم کی گئی ہے جو دنیا کی اَخلاقی اور تمدنی اور روحانی زندگی اور اصلاح و ترقی کے لیے بہترین اثر رکھتے ہیں اور لطف یہ ہے کہ جس طرح بعض لوگوں کو اس عالم جسمانی میں کوئی ترتیب نظر نہیں آتی اسی طرح روحانی بینائی سے محروم لوگوں کو قرآنی ترتیب بھی نظر نہیں آتی۔ مگر جو لوگ گہرے مطالعہ کے عادی ہیں اور روحانی کلام کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے اپنے اندر ضروری بینائی اور تقدس و طہارت رکھتے ہیں وہ اس ترتیب کو علیٰ قدر مراتب سمجھتے اور اس کے اثر کو اپنے نفوس میں محسوس کرتے ہیں۔

اس جگہ اگر یہ سوال پیدا ہو کہ اگر موجودہ ترتیب ہی اصلاح و تربیت اور روحانی تاثیر کے لحاظ سے بہترین تھی تو پھر اسی کے مطابق قرآن کا نزول کیوں نہ ہوا تا کہ صحابہ کی جماعت بھی جو قرآنی تعلیم کی سب سے پہلے حامل بنتی تھی ان اثرات سے متمتع ہوتی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کے حالات اور بعد میں آنے والے مسلمانوں کے حالات میں اختلاف ہے۔ صحابہ کے لیے وہی ترتیب بہترین تھی جس کے مطابق قرآن شریف نازل ہوا۔ مگر جب ایک ابتدائی جماعت قائم ہوگئی تو پھر آئندہ کے لیے مستقل طور پر وہ ترتیب بہترین تھی جو موجودہ قرآن میں پائی جاتی ہے اور یہ اختلاف دو اصول کے ماتحت ہے۔

اوّل تو بوجہ اس کے کہ صحابہ کی جماعت وہ پہلی جماعت تھی جو اسلامی شریعت کے مطابق قائم ہوئی اور اس سے پہلے کوئی جماعت اسلامی شریعت کی حامل نہیں تھی اور نہ ہی دنیا میں اسلامی شریعت کا وجود تھا۔ اور قرآن کے ذریعہ سے پہلے طریق و تمدن کو مٹا کر ایک بالکل ہی نئے طریق و تمدن کی بنیاد پڑنی تھی، اس لیے ضروری تھا کہ اس وقت کے لوگوں کے سامنے ان کی ذہنیت اور ماحول کے

مناسبِ حال قرآنی احکامات کا نزول ہوتا تا کہ وہ اس کے مطابق اپنی زندگیوں کو بدلنے اور نئی تعلیم کو اپنے اندر جذب کرنے میں آسانی پاتے اور ظاہر ہے کہ اس کے لیے بہترین صورت یہ تھی کہ سب سے پہلے اس قسم کی آیات کا نزول ہوتا جن میں صرف عقیدہ کی درستی مدنظر ہے۔ اور مشرکانہ خیالات کو مٹا کر توحید کو قائم کیا گیا ہے اور اس کے بعد آہستہ آہستہ اسلامی طریق عبادات اور اسلامی طریق معاملات اور اسلامی طریق تمدن اور اسلامی طریق سیاست کے متعلق اوامر و نواہی نازل ہوتے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ لیکن جب ایک جماعت، اسلامی شریعت کی حامل تیار ہوگئی اور آئندہ پھیلاؤ اور ترقی کیلئے ایک وجود بطور تخم کے یعنی ایک نیوکلیئس (NUCLEUS) تیار ہو گیا تو اب اس تخم یا نیوکلیئس کی آئندہ ترقی کے لیے وہ ابتدائی ترتیب نزول غیر طبعی اور ناموزوں تھی۔ اس لیے اسے بدل کر وہ ترتیب دے دی گئی جو اس کے لیے مناسب تھی۔ چنانچہ قرآن شریف کی موجودہ ترتیب بالکل اس اصول کے ماتحت ہے جو ایک تیار شدہ جماعت کے استحکام، اس کے پھیلاؤ اور ترقی کے لیے موزوں ترین ہے۔

دوسرا اصول نزول کی ترتیب کو بدل کر دوسری ترتیب کے اختیار کرنے میں یہ مدنظر تھا کہ نزول کی ترتیب زیادہ تر ان حالات کے مطابق چلتی تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کو پیش آتے تھے۔ مثلاً چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں ابھی کفار پر اتمام حجت ہو رہا تھا اور مسلمانوں کو صبر و شکیب کے سانچے میں ڈھال کر نکالنا مقصود تھا۔ اس لیے مکی آیات میں جہاد کی تعلیم نہیں دی گئی بلکہ صبر و برداشت کی تعلیم پر زور ہے۔ لیکن جب اتمام حجت ہو چکا اور صحابہ بھی صبر و برداشت کے سانچے میں ڈھل چکے اور کفار کے مظالم سے مسلمانوں کو اپنا وطن تک چھوڑنا پڑا اور ظالم کی سزا کا وقت آ گیا تو اس وقت جہاد کی آیات نازل ہوئیں۔ اسی طرح مکہ میں چونکہ مسلمانوں کی کوئی جماعت بصورت جمعیت نہیں تھی اور کفار کے مظالم نے انہیں بالکل منتشر کر رکھا تھا۔ یعنی ان کی کوئی اجتماعی زندگی نہیں تھی اس لیے مکہ میں اسلامی طریق تمدن و معاملات کے متعلق آیات نازل نہیں ہوئیں۔ لیکن جب مدینہ میں مسلمانوں کو ایک اجتماعی زندگی نصیب ہوئی تو اس کے مناسب حال آیات کا نزول ہوا اگر اس نزول میں حالات کی مناسبت اور مطابقت کو ملحوظ نہ رکھا جاتا تو یقیناً ابتدائی مسلمانوں کے لیے نئی شریعت کو اپنے اندر جذب کرنا اور اس پر صحیح طور پر عامل ہونا سخت مشکل ہو جاتا۔ لہٰذا قرآن کے نزول کو حتی الوسع

حالات پیش آمدہ کے ساتھ ساتھ چلایا گیا تھا تا کہ اس کی تعلیم صحابہ میں جذب ہوتی جاوے لیکن جب سب نزول ہو چکا اور ایک جماعت قرآنی شریعت کی حامل وجود میں آگئی تو پھر اس ترتیب کو قائم رکھنا ضروری نہ تھا بلکہ پھر اس بات کی ضرورت تھی کہ آئندہ کی مستقل ضروریات کے مطابق اسے ترتیب دی جاوے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اگر اس جگہ کسی کو یہ اعتراض پیدا ہو کہ نزول کی ترتیب بدلنے سے قرآن کی تاریخی حیثیت ضائع ہوگئی ہے تو یہ ایک بودا اور فضول اعتراض ہوگا کیونکہ اول تو جب حدیث و تاریخ میں قرآنی آیات کی نزول کی ترتیب بیشتر طور پر محفوظ ہے اور ذرا سی محنت اور توجہ کے ساتھ اس بات کا پتہ لگ سکتا ہے کہ کوئی آیت یا سورۃ کب نازل ہوئی تھی تو اس صورت میں ہرگز یہ نہیں کہا جاسکتا کہ قرآن کی تاریخی حیثیت ضائع ہوگئی ہے بلکہ حق یہ ہے کہ وہ پوری طرح محفوظ ہے اور دوست و دشمن نے اسے تسلیم کیا ہے صرف فرق یہ پیدا ہوا ہے کہ اگر قرآن کو اس کے نزول کے مطابق ترتیب دیا جاتا تو اس کی تاریخی حیثیت بدیہی اور عیاں ہوتی اور اب وہ محنت اور توجہ کے ساتھ نکالنی پڑتی ہے۔

دوسرے یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ قرآن شریف کی اصل غرض وغایت تاریخ کی حفاظت نہیں ہے بلکہ اس قانون کا بہترین صورت میں مہیا کرنا ہے جو لوگوں کی تمدنی اور اخلاقی اور روحانی ترقی کے لیے ضروری ہے اور جو بندہ کو خدا تک پہنچا سکتا ہے۔ پس اس کی ترتیب میں بھی انہی اصول کا مدنظر رکھا جانا ضروری تھا جو ان اغراض کو بہترین صورت میں پورا کر سکتے تھے اور اگر اس کی ترتیب میں ان اصولوں کو قربان کر کے تاریخی پہلو کو ترجیح دی جاتی تو یہ ایک نہایت غیر حکیمانہ فعل ہوتا۔

اس مضمون کو ختم کرنے سے پہلے یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ قرآن شریف کی موجودہ ترتیب بھی اس رنگ کی ترتیب نہیں ہے جس میں عام کتب کی طرح بابوں اور فصلوں اور پیروں وغیرہ میں مضمون کو تقسیم کیا گیا ہو کیونکہ اس قسم کی ترتیب قرآن کی غرض وغایت کے منافی تھی۔ قرآن کا دعویٰ ہے کہ وہ سب اقوام اور سب زمانوں کے لیے ایک شریعت لایا ہے۔[1] اور اس میں علوم کے خزانے مخفی ہیں جو بقدر ضرورت ہمیشہ ظاہر ہوتے رہیں گے۔[2] اور حدیث میں آتا ہے کہ

---

[1] (الاعراف: ۱۵۹) (الفرقان: ۲) (سبا: ۲۹)

[2] (الحجر: ۲۲) (بنی اسرائیل: ۹۰)

قرآن کی تحقیق سے علماء کبھی سیر نہیں ہوں گے اور نہ اس کے عجائب کبھی ختم ہوں گے۔[1] اور ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ قرآنی آیات کے صرف ظاہری معانی پر ہی حصر نہیں ہے بلکہ اس کی ہر آیت کے نیچے متعدد بطون ہیں اور ہر بطن آگے متعدد شاخیں رکھتا ہے۔[2] بالفاظ دیگر اسلام قرآن شریف کو ایک روحانی عالم کے طور پر پیش کرتا ہے ٹھیک اسی طرح جس طرح یہ دنیا ایک جسمانی عالم ہے۔ پس اس کی ترتیب کے اصول کو سمجھنے کے لیے بھی بہترین مثال اس دنیا کی ہو سکتی ہے۔ جس طرح اور جس رنگ میں اس دنیا میں ترتیب پائی جاتی ہے کہ ہر چیز باوجود ایک دوسرے سے بظاہر جدا اور لاتعلق نظر آنے کے دراصل اپنی گہرائیوں میں ایک دوسرے سے پیوست اور مربوط ہے اور ایک مخفی زنجیر بلکہ مختلف جہات سے کئی مخفی زنجیریں اس کے مختلف حصوں کو ایک دوسرے سے منسلک کیے ہوئے ہیں اسی طرح قرآن کی گہرائیوں میں ربط و اتحاد کی کڑیاں چلتی ہیں اور ٹھیک جس طرح اس جسمانی عالم میں محققین اور سائنس دان اپنی اپنی اہلیت اور اپنی اپنی تحقیق کے مطابق علوم کے جواہر نکالتے رہتے ہیں اسی طرح قرآن کے روحانی عالم کے سمندر میں غوطہ لگانے والوں کے لیے بھی کسی زمانہ میں روحانی موتیوں کی کمی نہیں رہی اور نہ آئندہ ہو گی۔ اور یہ بات قرآن کریم کے سب سے بڑے معجزوں میں سے بڑا معجزہ ہے کہ اس کے الفاظ اور اس کی ترتیب کو ایسے طور پر رکھا گیا ہے کہ وہ باوجود حجم میں ساری آسمانی کتابوں میں سے چھوٹا ہونے کے اپنے اندر روحانی علوم کا ایک نہ ختم ہونے والا خزانہ رکھتا ہے جو حسب تحقیق محققین اور حسب ضرورت زمانہ ہمیشہ ظاہر ہوتے رہے ہیں اور ہمیشہ ظاہر ہوتے رہیں گے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس کی ترتیب کو عام کتب کی طرح معین مضمون کے ٹکڑوں میں تقسیم کر کے بابوں اور فصلوں اور پیروں وغیرہ کی صورت میں نہیں رکھا گیا کیونکہ اگر ایسا کیا جاتا تو اس کے معانی کی ساری وسعت کھوئی جاتی اور اس کا مفہوم ایک محدود اور معین صورت اختیار کر کے اپنی ظاہری اور بدیہی صورت میں بالکل مقید ہو جاتا۔ خلاصہ کلام یہ کہ قرآن شریف اس بات کا مدعی ہے کہ اس کے اندر علوم کے بے انتہاء خزانے مخفی ہیں جو ہمیشہ بقدر ضرورت ظاہر ہوتے رہیں گے

---

[1] (سنن الترمذی، أَبْوَابُ فَضَائِلِ الْقُرْآنِ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ، بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْقُرْآنِ)

[2] (شرح السنة للبغوی، كِتَابُ الْعِلْمِ، بَابُ الْخُصُومَةِ فِي الْقُرْآنِ)
(المعجم الکبیر للطبرانی، باب العین، جزء ۱۰ صفحہ ۱۰۵)
(مشكاةُ المصابيحِ، كتابُ العلمِ، الْفَصْلُ الثَّانِي)

اور اس کی تحقیق کا میدان کبھی ختم نہیں ہو گا اور قرآن کی یہ حیثیت اور اس کے نزول کی یہ غرض یقیناً فوت ہو جاتی اگر اس کی ترتیب کو عام کتب کی طرح بابوں اور فصلوں وغیرہ میں مضمون وار تقسیم کر کے ایک ٹھوس صورت میں جکڑ دیا جاتا۔ پس جہاں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن ایک نہایت مرتب اور منظم کتاب ہے اور یہ بالکل غلط ہے کہ اس میں کوئی ترتیب نہیں ہے وہاں یہ بات بھی کبھی نہیں بھولنی چاہیے کہ اس کی ترتیب عام کتب کی طرح نہیں ہے بلکہ اس جسمانی عالم کے اصول پر ہے جس میں معانی کی بے شمار گہرائیاں مخفی ہیں اور ان گہرائیوں میں ربط و اتحاد کی لاتعداد زنجیریں ایک جال کے طور پر پھیلی ہوئی ہیں جن سے ہر شخص اور ہر زمانہ اپنی کوشش اور اپنی استعداد اور اپنی ضرورت اور اپنے حالات کے مطابق فائدہ اٹھاتا اور اٹھا سکتا ہے۔"

(سیرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم از حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے، صفحہ ۶۰۰ تا ۶۰۵)

اس بات کے مزید ثبوت کے طور پر کہ قرآنی ترتیب اللہ تعالیٰ کی وحی سے دی گئی ہے درج ذیل حوالہ جات میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ۔ (یونس:۱۶) اور جب انہیں ہماری روشن آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو جو لوگ ہمارے ملنے کی امید نہیں رکھتے وہ کہہ دیتے ہیں کہ (اے محمد!) تو اس کے سوا کوئی اور قرآن لے آ۔ یا اس میں (ہی کچھ) تغیر (وتبدل) کر دے۔ تو (انہیں) کہہ (کہ یہ) میرا کام نہیں کہ مَیں اس میں اپنی طرف سے (کوئی) تغیر (وتبدل) کر دوں۔ میں (تو) جو (کچھ) مجھ پر وحی (سے حکم نازل) کیا جاتا ہے، اسی کی پیروی کرتا ہوں۔ (ترجمہ از تفسیر صغیر)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

"مطلب یہ ہے کہ میں قرآن مجید کے متعلق تمام باتیں وحی الٰہی سے کرتا ہوں اور اس میں خود کوئی دخل نہیں دیتا۔ لہٰذا میں کوئی تبدیلی یا تغیّر نہیں کر سکتا۔ اس آیت سے ان لوگوں کا رد بھی ہو جاتا ہے جو کہتے ہیں کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کا ہر سورہ سے پہلے لکھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہے نہ کہ وحی سے۔ یا ترتیبِ قرآن یا سورتوں کے نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود رکھے ہیں۔"

(تفسیر کبیر، سورۃ یونس زیر آیت وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا، جلد نمبر ۳ صفحہ ۴۵)

مزید تفصیل کے لیے دیکھئے دیباچہ تفسیر القرآن (زیر عنوان ترتیب سُوَر و آیات)، انوار العلوم جلد ۲۰ صفحہ ۴۳۸ تا ۴۴۰۔

اس امر پر ایک قطعی شہادت حضرت عثمان بن العاصؓ کی ہے۔ وہ بیان فرماتے ہیں: كُنتُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ جَالِسًا إِذْ شَخَصَ بِبَصَرِهِ ثُمَّ صَوَّبَهُ... فَقَالَ: أَتَانِي جِبْرِيْلُ فَأَمَرَنِي أَنْ أَضَعَ هٰذِهِ الآيَةَ بِهٰذَا الْمَوْضِعِ مِنْ هٰذِهِ السُّوْرَةِ (إِنَّ اللهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى ...)[1] کہ میں ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا کہ آپؐ نے اپنی نظر اوپر اٹھائی۔ پھر اپنی نظر کو نیچے جھکا لیا... اور فرمایا کہ ابھی جبریلؑ میرے پاس آئے تھے اور مجھے کہا ہے کہ میں اس آیت (إِنَّ اللهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ ...) کو اس سورۃ میں اس جگہ رکھوں۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

”وَمَعَ ذٰلِكَ لَا شَكَّ أَنَّ الْقُرْآنَ وَحْيٌ مَتْلُوٌّ، وَكُلُّهُ مُتَوَاتِرٌ قَطْعِيٌّ، حَتَّى النُّقَاطَ وَالْحُرُوْفَ، وَأَنْزَلَهُ اللهُ بِاهْتِمَامٍ شَدِيْدٍ كَامِلٍ بِحِرَاسَةِ الْمَلَائِكَةِ۔ ثُمَّ مَا تَرَكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَقِيْقَةً مِنَ الْاِهْتِمَامَاتِ فِي أَمْرِهِ، وَدَاوَمَ عَلٰى أَنْ يُكْتَبَ أَمَامَ عَيْنِهِ آيَةً آيَةً كَمَا كَانَ يَنْزِلُ حَتّٰى جَمَعَ كُلَّهُ، وَرَتَّبَ الْآيَاتِ وَجَمَعَهَا بِنَفْسِهِ النَّفِيْسَةِ، وَكَانَ يُدَاوِمُ عَلٰى قِرَاءَتِهِ فِي الصَّلَاةِ وَغَيْرِهَا، حَتَّى ارْتَحَلَ مِنْ دَارِ الدُّنْيَا وَلَحِقَ بِالرَّفِيْقِ الْأَعْلٰى، وَلَاقٰى مَحْبُوْبَهُ رَبَّ الْعَالَمِيْنَ۔

(حمامۃ البشریٰ، روحانی خزائن جلد ۷، صفحہ ۲۱۶)

ترجمہ: مزید برآں قرآن بلاشبہ وحیِ متلوّ ہے اور پورے کا پورا یہاں تک کہ نقطے اور حروف بھی قطعی متواتر ہیں۔ اور اللہ نے اِسے کمال اہتمام کے ساتھ فرشتوں کی حفاظت میں نازل فرمایا ہے۔ پھر اس کے بارے میں تمام قسم کے اہتمام کرنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اور آپ نے اپنی آنکھوں کے سامنے ایک ایک آیت جیسے وہ (قرآن) نازل ہوتا رہا، لکھنے پر مداومت فرمائی۔ یہاں تک کہ آپ نے اسے مکمل طور پر جمع فرمایا اور بنفسِ نفیس آیات کو ترتیب دیا اور اُنہیں جمع کیا اور نماز میں اور نماز سے باہر اس کی تلاوت پر مداومت فرمائی۔ یہاں تک کہ آپ دنیا سے رحلت فرما گئے۔ اور اپنے رفیق اعلیٰ اور محبوب رب العالمین سے جا ملے۔

(حمامۃ البشریٰ اردو ترجمہ، صفحہ ۱۰۱، ۱۰۲)

---

[1] (مسند أحمد بن حنبل، مسند الشاميين، حديث عثمان بن أبي العاص عن النبي ﷺ، جزء ۴ صفحہ ۲۱۸)

بَاب ٧: كَانَ جِبْرِيْلُ يَعْرِضُ الْقُرْآنَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

جبریل نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کا دَور کرتے تھے

وَقَالَ مَسْرُوقٌ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْها عَنْ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ أَسَرَّ إِلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ جِبْرِيْلَ كَانَ يُعَارِضُنِي بِالْقُرْآنِ كُلَّ سَنَةٍ وَإِنَّهُ عَارَضَنِي الْعَامَ مَرَّتَيْنِ وَلَا أُرَاهُ إِلَّا حَضَرَ أَجَلِي.

اور مسروق نے کہا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ حضرت عائشہؓ نے حضرت فاطمہ علیہا السلام سے روایت کی۔ (انہوں نے کہا:) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور راز کے مجھے فرمایا کہ جبریلؑ ہر سال مجھ سے قرآن کا دَور کیا کرتے ہیں اور انہوں نے اس سال میرے ساتھ دو دفعہ دَور کیا اور میں سمجھتا ہوں کہ میری وفات کا وقت آپہنچا۔

٤٩٩٧: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَيْرِ وَأَجْوَدُ مَا يَكُوْنُ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ لِأَنَّ جِبْرِيلَ كَانَ يَلْقَاهُ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ حَتَّى يَنْسَلِخَ يَعْرِضُ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُرْآنَ فَإِذَا لَقِيَهُ جِبْرِيلُ كَانَ أَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ.

اطرافہ: ٦، ١٩٠٢، ٣٢٢٠، ٣٥٥٤۔

۴۹۹۷: یحيٰ بن قزعہ نے ہم سے بیان کیا کہ ابراہیم بن سعد نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے زہری سے، زہری نے عبید اللہ بن عبد اللہ سے، عبید اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھلائی پہنچانے میں تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور زیادہ سخی جو ہوتے تو آپؐ ماہِ رمضان میں ہوتے۔ کیونکہ جبریلؑ رمضان کے مہینہ میں ہر رات کو آپؐ سے ملاقات کرتے یہاں تک کہ وہ مہینہ گزر جاتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو قرآن سنایا کرتے تھے اس لئے جب جبریلؑ آپؐ سے ملتے تو آپؐ بھلائی پہنچانے میں بادِ بہار سے بھی زیادہ سخی ہوتے۔

٤٩٩٨ : حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ يَزِيدَ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ عَنْ أَبِي حَصِينٍ عَنْ ذَكْوَانَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ يَعْرِضُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُرْآنَ كُلَّ عَامٍ مَرَّةً فَعَرَضَ عَلَيْهِ مَرَّتَيْنِ فِي الْعَامِ الَّذِيْ قُبِضَ فِيْهِ وَكَانَ يَعْتَكِفُ فِيْ كُلِّ عَامٍ عَشْرًا فَاعْتَكَفَ عِشْرِيْنَ فِي الْعَامِ الَّذِي قُبِضَ فِيْهِ.

۴۹۹۸: خالد بن یزید نے ہم سے بیان کیا کہ ابو بکر (بن عیاش) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ابو حَصین سے، ابو حَصین نے ذکوان (ابو صالح) سے، ذکوان نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: (حضرت جبریلؑ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر سال ایک دفعہ قرآن کا دَور کیا کرتے تھے۔ جس سال آپؐ نے وفات پائی آپؐ کے ساتھ انہوں نے دو دفعہ دَور کیا اور ہر سال آپؐ دس دن اعتکاف بیٹھا کرتے تھے مگر جس سال آپؐ نے وفات پائی اس سال آپؐ بیس (۲۰) دن اعتکاف بیٹھے۔

طرفہ: ٢٠٤٤۔

تشریح: كَانَ جِبْرِيْلُ يَعْرِضُ الْقُرْآنَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: جبریل نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کا دَور کرتے تھے۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”ابتدائے نزول قرآن بھی رمضان کے مہینہ میں ہوا اور پھر ہر رمضان میں جتنا قرآن اس وقت تک نازل ہو چکا ہوتا تھا۔ جبریلؑ دوبارہ نازل ہو کر اسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مل کر دہراتے تھے۔ اس روایت کو مدنظر رکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ سارا قرآن کریم ہی رمضان میں نازل ہوا بلکہ کئی حصے متعدد بار نازل ہوئے۔ یہاں تک کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے بعد اگر ۲۳ رمضان آئے تو بعض آیات ایسی تھیں جو ۲۳ بار نازل ہوئیں بعض ۲۲ بار نازل ہوئیں۔ بعض ۲۱ بار اور بعض ۲۰ بار۔ اسی طرح جو آیات آخری سال نازل ہوئیں وہ بھی دو دفعہ دہرائی گئیں کیونکہ جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ آپؐ کی حیات طیبہ کے آخری سال میں جبریل علیہ السلام نے دو دفعہ قرآن کریم آپؐ کے ساتھ دہرایا اور یہ بات قرآن کریم سے ثابت ہے کہ ملائکہ جو بھی کام کرتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کے حکم سے کرتے ہیں۔ اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جبریل

علیہ السلام کا رمضان میں آپؐ کے ساتھ مل کر قرآن کریم کا دَور کرنا نزول نہیں کہلا سکتا کیونکہ فرشتہ اترتا ہی اسی وقت ہے جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہو اور اسلامی زبان میں اس کے لیے نزول کی اصطلاح ہی استعمال ہوتی ہے۔... یہ امر بھی یاد رکھنا چاہیے کہ رمضان اسلامی نام ہے اس مہینے کا پہلا نام زمانہ جاہلیت میں ناتق ہوا کرتا تھا۔"

(تفسیر کبیر، سورۃ البقرۃ زیر آیت شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ... جلد دوم صفحہ ۳۹۵)

بَاب۸: الْقُرَّاءُ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے قرآن کے قاری

٤٩٩٩: حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ مَّسْرُوْقٍ ذَكَرَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو عَبْدَ اللهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ فَقَالَ لَا أَزَالُ أُحِبُّهُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ خُذُوا الْقُرْآنَ مِنْ أَرْبَعَةٍ مِنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ وَسَالِمٍ وَمُعَاذٍ وَأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ.

۴۹۹۹: حفص بن عمر نے ہم سے بیان کیا کہ شعبہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے عمرو (بن مرہ) سے، عمرو نے ابراہیم (نخعی) سے، ابراہیم نے مسروق سے روایت کی کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ (بن عاص) نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ذکر کیا اور کہا: میں ان سے ہمیشہ محبت رکھتا ہوں۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ فرماتے تھے: چار آدمیوں سے قرآن سیکھو: عبداللہ بن مسعودؓ، سالم (مولیٰ ابوحذیفہؓ)، معاذ (بن جبلؓ) اور اُبَیّ بن کعبؓ۔

اطرافہ: ۳۷۵۸، ۳۷٦۰، ۳۸۰٦، ۳۸۰۸۔

٥٠٠٠: حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا شَقِيْقُ بْنُ سَلَمَةَ قَالَ خَطَبَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ فَقَالَ وَاللهِ لَقَدْ أَخَذْتُ مِنْ فِي رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

۵۰۰۰: عمر بن حفص نے ہم سے بیان کیا کہ میرے باپ نے ہمیں بتایا کہ اعمش نے ہم سے بیان کیا کہ شقیق بن سلمہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے کہا: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہم سے مخاطب ہوئے اور کہنے لگے: اللہ کی قسم! میں نے رسول اللہ

وَسَلَّمَ بِضْعًا وَسَبْعِيْنَ سُوْرَةً وَاللهِ لَقَدْ عَلِمَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنِّي مِنْ أَعْلَمِهِمْ بِكِتَابِ اللهِ وَمَا أَنَا بِخَيْرِهِمْ. قَالَ شَقِيْقٌ فَجَلَسْتُ فِي الْحِلَقِ أَسْمَعُ مَا يَقُوْلُوْنَ فَمَا سَمِعْتُ رَادًّا يَقُوْلُ غَيْرَ ذَلِكَ.

صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے ستر سے کچھ اوپر سورتیں سیکھی ہیں۔ اللہ کی قسم! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو بخوبی علم ہے کہ میں ان لوگوں میں سے ہوں جو ان میں سے کتاب اللہ کو سب سے زیادہ جانتے ہیں اور میں ان سے افضل نہیں ہوں۔ شقیق نے کہا: میں مختلف حلقوں میں بیٹھا جو لوگ باتیں کرتے تھے، سنتا تھا۔ میں نے کسی معترض کو نہیں سنا کہ وہ حضرت ابن مسعودؓ کی اس بات کے خلاف کہتا ہو۔

۵۰۰۱: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيْرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ كُنَّا بِحِمْصَ فَقَرَأَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ سُوْرَةَ يُوْسُفَ فَقَالَ رَجُلٌ مَا هَكَذَا أُنْزِلَتْ فَقَالَ قَرَأْتُ عَلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَحْسَنْتَ وَوَجَدَ مِنْهُ رِيْحَ الْخَمْرِ فَقَالَ أَتَجْمَعُ أَنْ تُكَذِّبَ بِكِتَابِ اللهِ وَتَشْرَبَ الْخَمْرَ فَضَرَبَهُ الْحَدَّ.

۵۰۰۱: محمد بن کثیر نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان (ثوری) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے اعمش سے، اعمش نے ابراہیم (نخعی) سے، ابراہیم نے علقمہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: ہم حمص میں تھے وہاں حضرت ابن مسعودؓ نے سورۃ یوسف پڑھی۔ ایک شخص نے کہا: یہ سورۃ اس طرح نازل نہیں کی گئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا: میں نے یہ سورۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھی تھی اور آپؐ نے فرمایا: خوب پڑھی اور حضرت ابن مسعودؓ نے اس (شخص) سے شراب کی بو محسوس کی تو کہا: تم دو دو باتیں کرتے ہو۔ کتاب اللہ کو جھٹلاتے ہو اور شراب پیتے ہو۔ اس لئے انہوں نے اس کو حد لگائی۔

۵۰۰۲: حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا

۵۰۰۲: عمر بن حفص (بن غیاث) نے ہم سے بیان کیا کہ میرے باپ نے مجھے بتایا۔ انہوں نے

مُسْلِمٌ عَنْ مَّسْرُوْقٍ قَالَ قَالَ عَبْدُاللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَاللهِ الَّذِي لَا إِلٰهَ غَيْرُهُ مَا أُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مِنْ كِتَابِ اللهِ إِلَّا أَنَا أَعْلَمُ أَيْنَ أُنْزِلَتْ وَلَا أُنْزِلَتْ آيَةٌ مِنْ كِتَابِ اللهِ إِلَّا أَنَا أَعْلَمُ فِيْمَنْ أُنْزِلَتْ وَلَوْ أَعْلَمُ أَحَدًا أَعْلَمَ مِنِّي بِكِتَابِ اللهِ تُبَلِّغُهُ الْإِبِلُ لَرَكِبْتُ إِلَيْهِ.

اعمش سے، اعمش نے مسلم (بن صبیح) سے، مسلم نے مسروق سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: حضرت عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ کہتے تھے: اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود نہیں! کتاب اللہ میں سے کوئی سورۃ نازل نہیں کی گئی جس کو میں نہ جانتا ہوں کہ کہاں نازل کی گئی اور نہ کتاب اللہ میں سے کوئی ایسی آیت نازل کی گئی ہے جسے میں نہ جانتا ہوں کہ کس کے متعلق نازل کی گئی اور اگر میں کسی کو جانتا کہ وہ مجھ سے بڑھ کر کتاب اللہ کو جانتا ہے اور اونٹ اس کے پاس پہنچا سکتے تو میں ضرور ہی سوار ہو کر اس کے پاس پہنچتا۔

۵۰۰۳: حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ قَالَ سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مَنْ جَمَعَ الْقُرْآنَ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَرْبَعَةٌ كُلُّهُمْ مِنَ الْأَنْصَارِ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ وَمُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَأَبُو زَيْدٍ. تَابَعَهُ الْفَضْلُ عَنْ حُسَيْنِ بْنِ وَاقِدٍ عَنْ ثُمَامَةَ عَنْ أَنَسٍ.

۵۰۰۳: حفص بن عمر نے ہم سے بیان کیا کہ ہمام (بن یحیٰی) نے ہمیں بتایا کہ قتادہ نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کسی نے قرآن سارے کا سارا یاد کیا۔ انہوں نے کہا: چار شخصوں نے وہ سبھی انصار میں سے تھے۔ حضرت اُبَیّ بن کعبؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت ابوزیدؓ (سعد بن عبید)۔ حفص بن عمر کی طرح اس حدیث کو فضل (بن موسیٰ) نے بھی روایت کیا ہے۔ انہوں نے حسین بن واقد سے، حسین نے ثمامہ سے، ثمامہ نے حضرت انسؓ سے روایت کی۔

اطرافهُ: ۳۸۱۰، ۳۹۹٦، ۵۰۰٤۔

٥٠٠٤: حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنِي ثَابِتٌ الْبُنَانِيُّ وَثُمَامَةُ عَنْ أَنَسٍ قَالَ مَاتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَجْمَعِ الْقُرْآنَ غَيْرُ أَرْبَعَةٍ أَبُو الدَّرْدَاءِ وَمُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَأَبُو زَيْدٍ قَالَ وَنَحْنُ وَرِثْنَاهُ.

اطرافہ: ٣٨١٠، ٣٩٩٦، ٥٠٠٣۔

۵۰۰۴: معلّٰی بن اسد نے ہم سے بیان کیا کہ عبداللہ بن مثنّٰی نے ہمیں بتایا۔ (انہوں نے کہا) کہ مجھے ثابت بنانی اور ثمامہ نے حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہوئے بتایا۔ انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور اس وقت تک سوائے چار شخصوں کے سارا قرآن کسی نے یاد نہیں کیا تھا۔ ابودرداءؓ، معاذ بن جبلؓ، زید بن ثابتؓ اور ابوزیدؓ۔ حضرت انسؓ نے کہا: اور ابوزیدؓ کے ہم وارث ہوئے تھے۔

٥٠٠٥: حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ أَخْبَرَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ عَنْ حَبِيْبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ عُمَرُ أُبَيٌّ أَقْرَؤُنَا وَإِنَّا لَنَدَعُ مِنْ لَحَنِ أُبَيٍّ وَأُبَيٌّ يَقُوْلُ أَخَذْتُهُ مِنْ فِي رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا أَتْرُكُهُ لِشَيْءٍ قَالَ اللهُ تَعَالَى مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا[1] (البقرة: ٤).

طرفہ: ٤٤٨١۔

۵۰۰۵: صدقہ بن فضل نے ہم سے بیان کیا کہ یحيٰ (بن سعید قطان) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے سفیان (ثوری) سے، سفیان نے حبیب بن ابی ثابت سے، حبیب نے سعید بن جبیر سے، سعید نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: حضرت عمرؓ کہتے تھے کہ اُبَیؓ ہم میں سب سے زیادہ قاری ہیں اور ہم اُبَیّ کی قراءت کی غلطی کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اور اُبَیّ کہتے رہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے قرآن سیکھا ہے، میں کسی اور وجہ سے اس کو نہیں چھوڑتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا یعنی ہم جو آیت بھی منسوخ کرتے ہیں یا کہ بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا ویسی ہی لاتے ہیں۔

تشریح: **اَلْقُرَّاءُ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:** نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے قرآن کے قاری۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پڑھانے والے اُستادوں کی ایک جماعت مقرر فرمائی تھی جو سارا قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حفظ کر کے آگے لوگوں کو پڑھاتے تھے۔ یہ چار چوٹی کے اُستاد تھے جن کا کام یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن شریف پڑھیں اور لوگوں کو قرآن پڑھائیں۔ پھر اُن کے ماتحت اور بہت سے صحابہؓ ایسے تھے جو لوگوں کو قرآن شریف پڑھاتے تھے اِن چار بڑے اُستادوں کے نام یہ ہیں: (۱) عبد اللہ بن مسعودؓ۔ (۲) سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ۔ (۳) معاذ بن جبلؓ۔ (۴) اُبَیّ بن کعبؓ۔ اِن میں سے پہلے دو مہاجر ہیں اور دوسرے دو انصاری۔ کاموں کے لحاظ سے عبد اللہ بن مسعودؓ ایک مزدور تھے۔ سالم ایک آزاد شدہ غلام تھے۔ معاذ بن جبلؓ اور اُبَیّ بن کعبؓ مدینہ کے رؤساء میں سے تھے۔ گویا ہر گروہ میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام گروہوں کو مدنظر رکھتے ہوئے قاری مقرر کر دیئے تھے۔... ان کے علاوہ بھی بہت سے صحابہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست بھی کچھ نہ کچھ قرآن سیکھتے رہتے تھے۔ چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک دفعہ عبد اللہ بن مسعودؓ نے ایک لفظ کو اَور طرح پڑھا تو حضرت عمرؓ نے اُن کو روکا اور کہا کہ اِس طرح نہیں اِس طرح پڑھنا چاہئے۔ اِس پر عبد اللہ بن مسعودؓ نے کہا نہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِسی طرح سکھایا ہے۔ حضرت عمرؓ اُن کو پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یہ قرآن غلط پڑھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عبد اللہ بن مسعودؓ پڑھ کر سناؤ۔ جب اُنہوں نے پڑھ کر سنایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھیک ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے تو آپؐ نے یہ لفظ اَور رنگ میں سکھایا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: یہ بھی ٹھیک ہے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف یہی چار صحابہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن نہیں پڑھتے تھے بلکہ دوسرے لوگ بھی پڑھتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کا یہ سوال کہ مجھے آپؐ نے اِس طرح پڑھایا ہے بتاتا ہے کہ حضرت عمرؓ بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھتے تھے۔“

(دیباچہ تفسیر القرآن، انوار العلوم جلد ۲۰ صفحہ ۴۲۷، ۴۲۸)

نیز آپؓ نے فرمایا:

”اِن چار کے سوا مسلمانوں میں اور بھی بعض بڑے بڑے قراء تھے مثلاً زید بن ثابتؓ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری زمانہ میں اپنی وحی لکھوایا کرتے تھے۔ ابو زیدؓ تھے جن کا نام قیس ابن السکن تھا۔ یہ انصاری تھے اور بنو نجار قبیلہ میں سے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ننہال میں سے تھے۔ اِسی طرح ابو درداء انصاریؓ بھی قراء میں سے تھے۔ پھر حضرت ابو بکرؓ بھی قاری تھے۔ چنانچہ تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شروع زمانہ سے ہی قرآن شریف حفظ کرتے چلے آرہے تھے۔ حضرت علیؓ کی نسبت بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ قرآن شریف کے حافظ تھے بلکہ اُنہوں نے قرآن شریف کے نزول کی ترتیب کے لحاظ سے قرآن لکھنے کا کام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے معاً بعد شروع کر دیا تھا۔ نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ (حضرت عمرؓ کے لڑکے) بھی قرآن شریف کے حافظ تھے اور وہ قرآن کریم کے اتنے مشتاق تھے کہ ساری رات میں ایک دفعہ قرآن کریم ختم کر لیتے تھے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع پہنچی تو آپؐ نے فرمایا: اِقْرَأْهُ فِيْ شَهْرٍ مہینہ میں ایک دفعہ ختم کر لیا کرو۔ رات میں ایک دفعہ ختم نہ کیا کرو اِس سے طبیعت پر بوجھ پڑ جاتا ہے۔ ابو عبیدہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہاجر صحابہؓ میں سے مندرجہ ذیل کا حفظ ثابت ہے: ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ، سعدؓ، ابن مسعودؓ، حذیفہؓ، سالمؓ، ابو ہریرہؓ، عبد اللہ بن سائبؓ، عبد اللہ بن عمرؓ، عبد اللہ بن عباسؓ۔ اور عورتوں میں سے حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ اور حضرت اُم سلمہؓ۔ اِن میں سے اکثر نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی قرآن شریف حفظ کر لیا تھا اور بعض نے آپؐ کی وفات کے بعد حفظ کیا۔ اور ابن ابی داؤد کتابُ الشریعت میں لکھتے ہیں کہ مہاجرین میں سے تمیم بن اوس الداریؓ اور عقبہ بن عامرؓ کا حافظ ہونا بھی ثابت ہے۔ اسی طرح بعض مصنفوں نے ثابت کیا ہے کہ مہاجرین میں سے عمرو بن العاصؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ بھی حافظِ قرآن تھے۔

انصار میں سے جو مشہور حفاظ تھے اُن کے نام یہ ہیں: عبادہ بن صامتؓ، معاذؓ، مجمع بن حارثہؓ، فضالہ بن عبیدؓ، مسلمہ بن مخلدؓ، ابو الدرداءؓ، ابو زیدؓ، زید بن ثابتؓ، ابی بن کعبؓ، سعد بن عبادہؓ، اُمّ ورقہؓ۔

تاریخ سے ثابت ہے کہ صحابہؓ میں سے بہت سے قرآن کریم کے حافظ تھے۔ جیسا کہ سوانح میں واقعہ بئر معونہ کے ماتحت ذکر آچکا ہے کہ سنہ ۴ھ ہجری میں بعض قبائل کی درخواست پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۷۰ آدمی، لوگوں کو دین سکھانے کے لئے بھیجے تھے جو سب کے سب قرآن کریم کے حافظ تھے۔ جیسا کہ بتایا جاچکا ہے یہ لوگ اپنی اپنی مجالس میں رات دن قرآن سناتے تھے۔ چنانچہ حافظ ابو یعلیٰ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اُس نے کہا: یارسول اللہ! ابو موسیٰؓ اپنے گھر میں بیٹھے ہیں اور بہت سے لوگ اِن کے اِرد گرد جمع ہیں اور وہ اُن کو قرآن یاد کرا رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم مجھے وہاں کسی ایسی جگہ پر بٹھا سکتے ہو جہاں سے وہ لوگ مجھے نہ دیکھ سکیں۔ اُس نے کہا: ہاں۔ اس پر وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے گیا اور گھر کے کسی ایسے کونہ میں جاکر بٹھا دیا جہاں لوگوں کو آپؐ نظر نہیں آتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو موسیٰؓ کی قراءت کو سنا تو وہ بالکل درست تھی اور بہت اچھی طرح وہ قرآن پڑھ رہے تھے اس پر آپؐ نے فرمایا: اِنَّهُ لَيَقْرَأُ عَلٰى مِزْمَارٍ مِنْ مَزَامِيْرِ دَاوٗدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وہ تو داؤد علیہ السلام کے خوبصورت طریق پر قرآن پڑھ رہا ہے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علاوہ ان چار حافظوں کے جن کو آپؐ نے اُستاذ الاساتذہ مقرر کیا تھا باقی لوگوں کی قراءت کا بھی امتحان لیتے رہتے تھے اور ان کی نگرانی رکھتے تھے تاکہ وہ کوئی غلطی نہ کر بیٹھیں۔ صرف ایک ہی جگہ پر نہیں صحابہ کی مختلف مجالس میں قرآن پڑھایا جاتا تھا۔ حضرت امام احمدؒ اپنی کتاب میں جابر بن عبد اللہؓ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو لوگ بیٹھے ہوئے قرآن شریف پڑھ رہے تھے آپؐ نے فرمایا: ہاں قرآن پڑھو اور خوب پڑھو اور اللہ کی رضا حاصل کرو۔ پیشتر اس کے کہ وہ قوم آئے جو قرآن کے لفظوں کو تو صحیح پڑھے گی لیکن مزدوری اور دُنیوی فائدہ کے لئے پڑھے گی۔ اپنے نفس کی اصلاح کے لئے نہیں۔ جابر بن عبد اللہؓ کہتے ہیں کہ ہماری اِس مجلس میں نہ صرف مہاجر اور انصار تھے بلکہ عجمی اور اعرابی بھی اس میں شامل تھے یعنی جنگلوں کے رہنے والے اور غیر عربی لوگ بھی۔

قراء کی تعداد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اتنی بڑھ چکی تھی کہ وہ ہزاروں کی تعداد تک پہنچ گئے تھے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے معاً بعد جب مسیلمہ نے بغاوت کر کے ایک لاکھ سپاہیوں کے ساتھ مدینہ پر حملہ کر دیا اور ان کے مقابلہ کے لئے حضرت ابو بکرؓ نے خالدؓ بن ولید کو تیرہ ہزار سپاہیوں کے ساتھ بھیجا تو اُس وقت بعض نئے نئے مسلمان ہونے والے لوگوں کی کمزوری کی وجہ سے متواتر مسلمانوں کو ضمنی طور پر شکست پر شکست ہونے لگی یعنی یہ تو نہیں تھا کہ لشکرِ اسلامی بھاگ گیا ہو لیکن اس کو کئی مقام چھوڑنے پڑے تھے۔ اِس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے جو لوگ قرآن کریم کے حافظ تھے اُنہوں نے کہا کہ آپ اس سارے لشکر سے مسیلمہ کا مقابلہ نہ کریں صرف ہم لوگ جو قرآن شریف کے جاننے والے ہیں ہمیں ایک الگ لشکر کی صورت میں ترتیب دے کر اُس کے مقابلہ کے لئے آگے کریں کیونکہ ہم اسلام کی قیمت جانتے ہیں اور اس کے بچانے کے لئے اپنی جانیں دینے کی قدر ہمیں معلوم ہے۔ اُن کی اِس بات کو خالدؓ بن ولید نے مان لیا اور قرآن شریف کے حفاظ صحابہؓ کو الگ کر دیا اور وہ تین ہزار نکلے۔ اِن تین ہزار آدمیوں نے اِس شدت سے مسیلمہ کے لشکر پر حملہ کیا کہ اُس کو پیچھے ہٹ کر ایک محدود مقام میں محصور ہونا پڑا اور آخر اس کا لشکر تباہ ہو گیا۔ اُس وقت اِن حفاظِ صحابہؓ نے شعارِ جنگ کے الفاظ یہ مقرر کئے تھے۔ ”اے سورۃ بقرہ کے حافظو“۔ یہ شعار انہوں نے اس لئے مقرر کیا کہ سورۃ بقرہ قرآن مجید کی سورتوں میں سے سب سے لمبی ہے۔ اِس لڑائی میں پانچ سَو قاری صحابی شہید ہوئے۔ اِن واقعات سے پتہ لگتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی قرآن کریم لکھا بھی جاتا تھا، حفظ بھی کیا جاتا تھا اور ہزاروں آدمی قرآن شریف کو شروع سے لے کر آخر تک یاد رکھتے تھے۔“ (دیباچہ تفسیر القرآن، انوار العلوم جلد ۲۰ صفحہ ۴۲۹ تا ۴۳۲)

بَاب ۹ : فَضْلُ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ

سورۃ فاتحہ کی فضیلت

۵۰۰۶ : حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ

۵۰۰۶: علی بن عبد اللہ (مدینی) نے ہم سے بیان کیا کہ یحییٰ بن سعید (قطان) نے ہمیں بتایا کہ شعبہ

قَالَ حَدَّثَنِي خُبَيْبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي سَعِيْدِ بْنِ الْمُعَلَّى قَالَ كُنْتُ أُصَلِّي فَدَعَانِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ أُجِبْهُ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّي كُنْتُ أُصَلِّي قَالَ أَلَمْ يَقُلِ اللّٰهُ اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ إِذَا دَعَاكُمْ (الأنفال:٢٥) ثُمَّ قَالَ أَلَا أُعَلِّمُكَ أَعْظَمَ سُوْرَةٍ فِي الْقُرْآنِ قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ فَأَخَذَ بِيَدِي فَلَمَّا أَرَدْنَا أَنْ نَخْرُجَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّكَ قُلْتَ لَأُعَلِّمَنَّكَ أَعْظَمَ سُوْرَةٍ فِي الْقُرْآنِ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (الفاتحة:٢) هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيْمُ الَّذِي أُوتِيْتُهُ.

اطرافہ: ٤٤٧٤، ٤٦٤٧، ٤٧٠٣۔

(بن حجاج) نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: خبیب بن عبد الرحمٰن نے مجھے بتایا۔ انہوں نے حفص بن عاصم سے، حفص نے ابوسعید بن معلّٰی سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں نماز پڑھ رہا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا۔ میں نے آپؐ کو جواب نہ دیا۔ میں نے کہا: یارسول اللہ! میں نماز پڑھ رہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا: کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا: اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ إِذَا دَعَاكُمْ یعنی اللہ اور رسول کی مانو جب وہ تمہیں بلائیں۔ پھر آپؐ نے فرمایا: سنو! مسجد سے نکلنے سے پہلے میں تمہیں جو قرآن میں سب سے بڑی سورۃ ہے بتاؤں گا۔ آپؐ نے میرا ہاتھ پکڑا جب ہم باہر جانے لگے۔ میں نے کہا: یارسول اللہ! آپؐ نے تو فرمایا تھا کہ میں تمہیں قرآن میں سب سے بڑی سورۃ بتاؤں گا۔ آپؐ نے فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ[1] یہی سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔

٥٠٠٧: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا وَهْبٌ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ مَعْبَدٍ عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ كُنَّا فِي مَسِيْرٍ لَنَا فَنَزَلْنَا فَجَاءَتْ جَارِيَةٌ فَقَالَتْ إِنَّ

۵۰۰۷: محمد بن مثنیٰ نے ہم سے بیان کیا کہ وہب (بن جریر) نے ہمیں بتایا کہ ہشام (بن حسان) نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے محمد (بن سیرین) سے، انہوں نے معبد سے، معبد نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: ہم ایک سفر میں تھے ہم نے ایک جگہ پڑاؤ کیا۔ اتنے

[1] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: تمام حمد اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

سَيِّدَ الْحَيِّ سَلِيْمٌ وَإِنَّ نَفَرَنَا غُيَّبٌ فَهَلْ مِنْكُمْ رَاقٍ فَقَامَ مَعَهَا رَجُلٌ مَا كُنَّا نَأْبُنُهُ بِرُقْيَةٍ فَرَقَاهُ فَبَرَأَ فَأَمَرَ لَنَا[1] بِثَلَاثِيْنَ شَاةً وَسَقَانَا لَبَنًا فَلَمَّا رَجَعَ قُلْنَا لَهُ أَكُنْتَ تُحْسِنُ رُقْيَةً أَوْ كُنْتَ تَرْقِي قَالَ لَا مَا رَقَيْتُ إِلَّا بِأُمِّ الْكِتَابِ قُلْنَا لَا تُحْدِثُوا شَيْئًا حَتَّى نَأْتِيَ أَوْ نَسْأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِيْنَةَ ذَكَرْنَاهُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ وَمَا كَانَ يُدْرِيهِ أَنَّهَا رُقْيَةٌ اقْسِمُوْا وَاضْرِبُوا لِي بِسَهْمٍ. وَقَالَ أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا هِشَامٌ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِيْرِيْنَ حَدَّثَنَا مَعْبَدُ بْنُ سِيْرِينَ عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ بِهٰذَا.

اطرافۂ: ۲۲۷۷، ۵۷۳٦، ۵۷٤۹-

میں ایک لڑکی آئی اور کہنے لگی کہ اس قبیلہ کے سردار کو بچھونے کاٹا ہے اور ہمارے مرد کہیں گئے ہوئے ہیں۔ کیا تم میں سے کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا ہے؟ تو ایک شخص اس کے ساتھ اٹھ کر چلا۔ ہم خیال نہیں کرتے تھے کہ اسے بھی کوئی دم آتا ہے۔ چنانچہ اس نے اس پر پھونکا وہ اچھا ہو گیا اور اس سردار نے اس کو ۳۰ بکریاں دینے کا حکم دیا اور ہمیں دودھ بھی پلوایا۔ جب وہ شخص لوٹا ہم نے اس سے پوچھا: کیا تم کوئی دَم اچھی طرح کرسکتے تھے؟ کیا تم جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے؟ اس نے کہا: نہیں۔ میں نے تو صرف سورۂ فاتحہ پڑھ کر پھونک دیا تھا۔ ہم نے کہا: (اپنی طرف سے) کچھ نہ کہو، جب تک کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ نہ جائیں یا کہا: جب تک ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ نہ لیں۔ جب ہم مدینہ میں آئے تو ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔ آپؐ نے فرمایا: اسے کیا پتہ تھا کہ وہ بھی کوئی دم ہے۔ ان کو تقسیم کر لو اور میرا بھی ایک حصہ رکھو۔ ابو معمر نے (اپنی سند میں) یوں کہا کہ ہم سے عبدالوارث نے کہا کہ ہمیں ہشام (بن حسان) نے بتایا کہ محمد بن سیرین نے ہم سے بیان کیا کہ ہمیں معبد بن سیرین نے بتایا۔ انہوں نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے یہی روایت بیان کی۔

[1] عمدۃ القاری کے مطابق اس جگہ لفظ "لَہٗ" ہے۔ (عمدۃ القاری جزء ۲۰ صفحہ ۲۹) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

تشریح: فَضْلُ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ: سورۃ فاتحہ کی فضیلت۔ سورۃ الفاتحہ کے مختلف نام احادیث میں بیان ہوئے ہیں جن سے سورۃ فاتحہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ سورۃ فاتحہ کے ان ناموں کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”وہ فَاتِحَةُ الْكِتَابِ ہے یعنی قرآن کریم میں سب سے پہلے اس کے رکھنے کا حکم ہے دوسرے وہ مطالب قرآنی کے لیے بمنزلہ ایک کلید کے ہے کہ اس کے ذریعہ سے قرآن کریم کے مطالب کھلتے ہیں۔ پھر سورۃ فاتحہ سُوْرَةُ الْحَمْدِ ہے یعنی اس سورۃ نے انسان اور بندہ کے تعلقات پر اور انسانی پیدائش پر اس رنگ میں روشنی ڈالی ہے کہ اس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ انسانی پیدائش اعلیٰ ترقیات کے لئے ہے اور یہ کہ خدا تعالیٰ کا تعلق بندوں سے رحم اور فضل کی بنیادوں پر قائم ہے۔ پھر وہ الصَّلوٰةُ ہے یعنی کامل دعا اس میں سکھائی گئی ہے جس کی مثال اور کہیں نہیں ملتی اور وہ اُمُّ الْكِتَابِ ہے اس میں وہ تمام علوم جن کے ذریعہ سے دوسروں کو خطاب کیا جاتا ہے، بیان کر دیئے گئے ہیں اور یہ بھی کہ وہ کتاب ... بمنزلہ ماں کے ہے یعنی قرآن کریم کے نزول کا موجب وہ دعائیں ہیں جو سورۃ فاتحہ میں بیان ہوئی ہیں اور جو درد مند دلوں سے اُٹھ کر عرشِ عظیم سے قرآن کریم کو لائی ہیں ... اور وہ السَّبْعُ الْمَثَانِي ہے یعنی گو صرف سات آیتیں اس میں ہیں لیکن ہر ضرورت ان سے پُوری ہو جاتی ہے۔ روحانیت کا کوئی سوال ہو کسی نہ کسی آیت سے اس پر روشنی پائی جائے گی گویا علمی سوالوں کے حل کرتے وقت بار بار حوالہ کے طور پر اس کی سات آیتیں دُہرائی جائیں گی اور اس لئے بھی وہ مثانی ہے کہ نماز کی ہر رکعت میں اسے پڑھا جاتا ہے۔

وہ قرآن عظیم بھی ہے یعنی باوجود امّ الکتاب اور امّ القرآن کہلانے کے وہ قرآن کریم کا حصہ بھی ہے اور اس سے الگ نہیں جیسا کہ بعض لوگوں نے غلطی سے سمجھ لیا ہے۔ قرآن عظیم سورۃ فاتحہ کو انہی معنوں سے کہا گیا ہے جس طرح ہم کسی سے کہتے ہیں قرآن سناؤ اور مراد اس سے ایک سورۃ یا ایک رکوع ہوتا ہے۔ سورۃ فاتحہ شفا ہے کہ اس میں تمام ان وساوس کا ردّ ہے جو انسان کے دل میں دین کے بارہ میں پیدا ہوتے ہیں اور وہ رُقْيَةٌ ہے کہ علاوہ دم کے طور پر استعمال ہونے کے اس کی تلاوت شیطان اور اس کی ذریت کے حملوں سے انسان کو بچاتی ہے اور دل میں ایسی قوت پیدا کرتی ہے کہ شیطان کے حملے بے ضرر ہو جاتے ہیں۔ اور وہ کنز

بھی ہے کہ علوم و فنون کے اس میں دریا بہتے ہیں۔ اُردو میں دریا کوزے میں بند کرنے کا ایک محاورہ ہے اس کا صحیح مفہوم شاید سورۃ فاتحہ کے سوا اور کسی چیز سے ادا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس سورۃ کے بارہ میں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ سمندر کوزہ میں بند کر دیا گیا ہے۔

غرض اسماء کے گنانے سے میرا منشاء پڑھنے والے کے ذہن کو ان وسیع مطالب کی طرف توجہ دلانا تھا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف ناموں کے ذریعہ سے اس سورۃ کے بیان فرمائے ہیں ورنہ حقیقت سے خالی نام کسی سورۃ کے نو چھوڑ سو بھی ہوں تو ان سے کوئی مقصد پورا نہیں ہوتا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسا بے فائدہ فعل ہرگز نہیں کر سکتے تھے۔ پس سوچنے والوں کے لئے ان ناموں میں ایک اعلیٰ روشنی اور کامل ہدایت ہے۔"

(تفسیر کبیر، سورۃ الفاتحہ، جلد اوّل صفحہ ۳، ۴)

لَا تُحْدِثُوا شَيْئًا حَتّٰى نَأْتِيَ أَوْ نَسْأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: (اپنی طرف سے) کچھ نہ کہو، جب تک کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ نہ جائیں۔... حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہؓ فرماتے ہیں:

"فقہاء کے نزدیک چھوٹے چھوٹے کاموں کا معاوضہ اگر بغیر مطالبہ ملے تو وہ لیا جاسکتا ہے، ورنہ مانگ کر اُس کا معاوضہ لینا مکروہ ہے... صحابہ کرامؓ کا تقویٰ دیکھا جائے۔ جنہوں نے مہمان نوازی کے حق کا مطالبہ دستور کے مطابق کیا، جس کا انکار کیا گیا اور یہ انکار عرفِ عام میں سخت معیوب تھا۔ مگر مذہبی اختلاف کی وجہ سے انہیں مہمان نوازی کے حق سے محروم رکھا گیا۔ جب قبیلہ کا سردار اُن کا محتاج ہوا تو انہوں نے بھی علاج کی اُجرت لی۔ لیکن اس اُجرت کے استعمال میں انہیں تردّد ہوا اور اُس سے فائدہ نہیں اُٹھایا، تاوقتیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اس سے فائدہ اُٹھانے کی اجازت نہ دی۔ تقویٰ کا یہ لطیف احساس جہاں تزکیہ نفس میں صحابہؓ کے علوّ مرتبت پر دالّ ہے۔ وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاثیر قدسی کی بھی شہادت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ (الجمعة:۳) کہ یہ رسول اپنے متبعین کا تزکیہ نفوس کرتا ہے۔ پس صحابہ کرام کا اُجرت میں حاصل شدہ مال سے رُکنا صحابہؓ کے پاک نفس ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے۔

(صحیح بخاری، کتاب الاجارۃ، باب ما یعطی فی الرقیة علی احیاء العرب، جلد ۴ صفحہ ۲۵۴)

بَاب ١٠: فَضْلُ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ

سورۂ بقرہ کی فضیلت

٥٠٠٨: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيْرٍ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَأَ بِالْآيَتَيْنِ.

۵۰۰۸: محمد بن کثیر نے ہم سے بیان کیا کہ شعبہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے سلیمان (بن مہران) سے، سلیمان نے ابراہیم (نخعی) سے، ابراہیم نے عبدالرحمٰن (بن یزید نخعی) سے، عبدالرحمٰن نے حضرت ابومسعودؓ (انصاری) سے، حضرت ابومسعودؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔ آپؐ نے فرمایا: جس نے یہ دو آیتیں پڑھیں۔

اطرافہ: ٤٠٠٨، ٥٠٠٩، ٥٠٤٠، ٥٠٥١۔

٥٠٠٩: حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيْدَ عَنْ أَبِي مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ بِالْآيَتَيْنِ مِنْ آخِرِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فِي لَيْلَةٍ كَفَتَاهُ.

۵۰۰۹: (نیز) ہم سے ابونعیم نے بیان کیا کہ ہمیں سفیان (بن عیینہ) نے بتایا۔ انہوں نے منصور (بن معتمر) سے، منصور نے ابراہیم (نخعی) سے، ابراہیم نے عبدالرحمٰن بن یزید (نخعی) سے، عبدالرحمٰن نے حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے رات کو سورۃ البقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھیں تو وہ اسے (ہر شر سے بچانے کے لئے) کافی ہوں گی۔

اطرافہ: ٤٠٠٨، ٥٠٠٨، ٥٠٤٠، ٥٠٥١۔

٥٠١٠: وَقَالَ عُثْمَانُ بْنُ الْهَيْثَمِ حَدَّثَنَا عَوْفٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيْرِيْنَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ

۵۰۱۰: اور عثمان بن ہیثم نے کہا: ہمیں عوف (بن ابی جمیلہ) نے بتایا۔ انہوں نے محمد بن سیرین سے، انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے

وَكَّلَنِي رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحِفْظِ زَكَاةِ رَمَضَانَ فَأَتَانِي آتٍ فَجَعَلَ يَحْثُوْ مِنَ الطَّعَامِ فَأَخَذْتُهُ فَقُلْتُ لَأَرْفَعَنَّكَ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَصَّ الْحَدِيْثَ فَقَالَ إِذَا أَوَيْتَ إِلَى فِرَاشِكَ فَاقْرَأْ آيَةَ الْكُرْسِيِّ لَمْ يَزَلْ مَعَكَ مِنَ اللهِ حَافِظٌ وَلَا يَقْرَبُكَ شَيْطَانٌ حَتَّى تُصْبِحَ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَقَكَ وَهُوَ كَذُوْبٌ ذَاكَ شَيْطَانٌ.

روایت کی۔ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے صدقہ فطر کی نگہبانی پر مجھے مقرر فرمایا تو میرے پاس ایک آنے والا آیا اور غلہ کے لپ بھر بھر کر لینے لگا۔ میں نے اس کو پکڑ لیا اور کہا: میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ضرور پیش کروں گا۔ پھر انہوں نے سارا واقعہ بیان کیا تو اس نے کہا: جب تم اپنے بستر پر لیٹو تو آیۃ الکرسی پڑھ لیا کرو، اللہ کی طرف سے ایک محافظ تمہارے ساتھ ہمیشہ رہے گا اور صبح ہونے تک شیطان تمہارے قریب نہ آئے گا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے تم سے سچ کہا حالانکہ وہ بڑا ہی جھوٹا ہے۔ وہ شیطان تھا۔

اطرافہ: ۲۳۱۱، ۳۲۷۵۔

تشریح: فَضْلُ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ: سورۂ بقرہ کی فضیلت۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”اس سورۃ کا نام سورۃ البقرۃ ہے جیسا کہ مختلف احادیث سے ثابت ہے اور خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔ گو احادیث سے یہ امر ظاہر نہیں ہوتا کہ آپؐ نے خود ہی یہ نام رکھا یا اللہ تعالیٰ کے فرمانے کے مطابق رکھا مگر میرا اپنا یقین یہی ہے کہ سورتوں کے نام بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے رکھے گئے ہیں۔ اس سورۃ کے نام کے متعلق جو روایات ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں۔ ترمذی میں ہے: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِكُلِّ شَيْءٍ سَنَامٌ وَاِنَّ سَنَامَ الْقُرْاٰنِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ وَفِيْهَا اٰيَةٌ هِيَ سَيِّدَةُ اٰيِ الْقُرْاٰنِ هِيَ اٰيَةُ الْكُرْسِيِّ[1] یعنی ہر چیز کا ایک چوٹی کا حصہ ہوتا ہے اور قرآن کریم کی چوٹی کا حصہ سورۃ البقرہ ہے اور اس میں ایک ایسی آیت ہے جو قرآن کریم کی سب آیات کی سردار ہے اور وہ آیۃ الکرسی ہے۔... ترمذی نے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فوج

[1] (ترمذی، ابواب فضائل القرآن، باب ما جاء فی فضل سورۃ البقرۃ...)

بھجوائی جو آدمی اس کے لئے چنے گئے۔ آپؐ نے اُن سے قرآن کریم سنا۔ آخر آپؐ ایک شخص کی طرف متوجہ ہوئے جوان سب سے چھوٹی عمر کا تھا اور اس سے پوچھا کہ تم کو کتنا حصہ قرآن کریم کا یاد ہے اس نے کہا: فلاں فلاں سورۃ کے علاوہ سورۃ بقرہ بھی یاد ہے آپؐ نے فرمایا کہ کیا سورۃ البقرہ تم کو یاد ہے؟ اس نے کہا: ہاں یارسول اللہ۔ آپؐ نے فرمایا: بس تو تم اس لشکر کے سردار مقرر کئے جاتے ہو۔ اس پر اس قوم کے سرداروں میں سے ایک شخص نے کہا کہ خدا کی قسم میں سورۃ بقرہ کے یاد کرنے سے صرف اس لئے رکا رہا ہوں کہ کہیں مجھے بعد میں بھول نہ جائے۔ یہ سن کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن سیکھو اور اسے پڑھتے رہا کرو کیونکہ جو شخص قرآن سیکھتا ہے اور پھر اسے پڑھتا رہتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے اس کی مثال اس تھیلی کی سی ہے جس میں مشک بھرا ہوا ہو اور اس کی خوشبو نکل نکل کر سارے مکان میں پھیل رہی ہو۔ اور جو شخص قرآن سیکھ کر سو جائے اس حالت میں کہ قرآن اس کے اندر ہو اس کی مثال اس تھیلی کی سی ہے جس میں مشک بند پڑا ہو۔[۱] ابن مردویہ نے عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ جس گھر میں سورۃ بقرہ کی تلاوت کی جائے اس سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ (ابن کثیر) اسی طرح دارمی نے اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت درج کی ہے کہ جو شخص سورۃ بقرہ کی دس آیتیں رات کے وقت پڑھے صبح تک شیطان اس کے گھر میں داخل نہیں ہوتا۔ یعنی سورۃ بقرہ کے ابتداء کی چار آیتیں، آیتہ الکرسی اور اس کے بعد کی دو آیتیں اور سورۂ بقرہ سے آخر کی تین آیتیں جو لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ کے الفاظ سے شروع ہوتی ہیں...[۲]

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سورۃ بقرہ کے یاد کرنے پر ایک نوجوان کو لشکر کا امیر بنا دیا۔ اس میں کئی حکمتیں تھیں۔ اوّل آپؐ نے اس طرح دوسرے لوگوں کے دلوں میں زیادہ سے زیادہ قرآن یاد کرنے اور یاد رکھنے کی خواہش پیدا کی۔ اسلامی لشکروں کی سرداری مالی لحاظ سے منفعت بخش نہ تھی مگر اپنے روحانی باپ کی خوشنودی کی جو قدر صحابہ کے دل میں تھی اسے صرف محبت کی چاشنی سے واقف لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں دوسرے اس میں یہ بھی حکمت تھی کہ اس زمانہ میں جو سردار لشکر ہوتا تھا وہی عام طور پر امام الصلوٰۃ بھی ہوتا تھا اور اسی سے لوگ مسائل وغیرہ

---

[۱] (ترمذی، ابواب فضائل القرآن، باب ما جاء فی فضل سورۃ البقرۃ...)
(سنن ابن ماجہ، کتاب السنۃ، بَابُ فَضْلِ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ)

[۲] (سنن الدارمی، کتاب فضائل القرآن، باب فضل أول سورۃ البقرۃ...)

بھی دریافت کرتے تھے۔ اور سورۃ بقرہ میں باقی سب سورتوں سے زیادہ مسائل بیان ہوئے ہیں یہاں تک کہ حضرت ابن العربیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استادوں میں سے ایک اُستاد سے سُنا ہے کہ سورۃ بقرہ میں ایک ہزار حکم ہے اور ایک ہزار مناہی ہے اور ایک ہزار فیصلے اور ایک ہزار خبریں ہیں۔[1] یہ صوفیانہ رنگ کی بات ہے لیکن اس بات سے انکار نہیں ہوسکتا کہ سورۃ بقرہ میں مضامین کی نوعیت اور احکام اسلام کی وسعت اس قدر ہے کہ دوسری سورتوں میں سے کسی میں بھی اس قدر نہیں ہے۔

یہ جو آپؐ نے فرمایا کہ جس گھر میں سورہ بقرہ پڑھی جائے اس میں شیطان نہیں آتا اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ اس سورۃ میں شیطانی وساوس کا ایسا ردّ موجود ہے کہ اس پر غور کرنے کے بعد شیطان گھر میں نہیں آسکتا اور یہ جو فرمایا کہ صبح تک شیطان نہیں آتا اس سے اس طرف اشارہ کیا کہ تعلیم خواہ کیسی اعلیٰ ہو جب تک بار بار دہرائی نہ جائے دل پر پورا اثر نہیں ہوتا اور نیک اثر خواہ کس قدر اعلیٰ ہو کچھ عرصہ کے بعد اگر اس کی تجدید نہ کی جائے زائل ہو جاتا ہے۔ اور یہ جو فرمایا کہ جو شخص سورۂ بقرہ کی پہلی چار آیتیں اور آیۃ الکرسی اور اس کے ساتھ کی دو آیتیں اور سورۂ بقرہ کی آخری تین آیتیں پڑھے اس کے گھر سے بھی شیطان بھاگ جاتا ہے اس سے بھی یہی مراد ہے کہ ان آیتوں میں اسلام کا خلاصہ ہے۔ سورہ بقرہ کی پہلی آیتوں میں پاک عملی زندگی کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ آیۃ الکرسی میں صفات باری کا نہایت لطیف نقشہ ہے اور سورۂ بقرہ کی آخری آیتوں میں دل کو پاک کر دینے والی دُعائیں ہیں اور یہ تین چیزیں یعنی (۱) الٰہی کلام کی تتبع میں نیک اعمال کا بجالانا (۲) صفات الٰہیہ پر غور کرنا (۳) اور ان دونوں باتوں کے ساتھ دعا میں مشغول رہنا اور اپنے آپ کو آستانہ الٰہی پر گرا دینا جب اکٹھی ہو جائیں تو انسان کا دل پاک ہو جاتا ہے اور شیطان بھاگ جاتا ہے۔"

(تفسیر کبیر، تفسیر سورۃ البقرۃ، جلد اوّل صفحہ ۵۰، ۵۱)

بَاب ۱۱ : فَضْلُ الْكَهْفِ

سورۂ کہف کی فضیلت

۵۰۱۱: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ عَنِ

۵۰۱۱: عمرو بن خالد نے ہم سے بیان کیا کہ زُہَیر نے ہمیں بتایا کہ ابو اسحاق نے ہم سے بیان کیا۔

[1] (الجامع لأحکام القرآن، تفسیر سورۃ البقرۃ، الکلام فی نزولها و فضلها و ما جاء فیها، جزء اوّل صفحہ ۱۵۲)

الْبَرَاءِ قَالَ كَانَ رَجُلٌ يَقْرَأُ سُورَةَ الْكَهْفِ وَإِلَى جَانِبِهِ حِصَانٌ مَرْبُوطٌ بِشَطَنَيْنِ فَتَغَشَّتْهُ سَحَابَةٌ فَجَعَلَتْ تَدْنُو وَتَدْنُوْ وَجَعَلَ فَرَسُهُ يَنْفِرُ فَلَمَّا أَصْبَحَ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ تِلْكَ السَّكِيْنَةُ تَنَزَّلَتْ بِالْقُرْآنِ.

انہوں نے حضرت براءؓ (بن عازب) سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: ایک شخص سورۂ کہف پڑھ رہا تھا۔ اور اس کے ایک طرف ایک گھوڑا دو رسیوں سے بندھا ہوا تھا اتنے میں ایک بدلی اس پر چھا گئی اور وہ نزدیک سے نزدیک آتی جاتی تھی اور اس کا گھوڑا بدکنے لگا۔ جب صبح ہوئی وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپؐ سے یہ ذکر کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ یہ وہ سکینت ہے جو قرآن کی تلاوت کی وجہ سے آہستہ آہستہ نازل ہو رہی تھی۔

اطرافہ: ۳۶۱۴، ۴۸۳۹۔

تشریح: فَضْلُ الْكَهْفِ: سورۂ کہف کی فضیلت۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"بعض کے نزدیک یہ سورۃ ان سورتوں میں سے ہے جو یکدم نازل ہوئی ہیں۔ دیلمی نے انسؓ سے یہی روایت کی ہے کہ یہ سورۃ یکدم نازل ہوئی تھی اور ستر ہزار فرشتہ ساتھ تھا اور اس کی خاص طور پر حفاظت کی گئی تھی۔......

چونکہ دنیا کے تمام اسباب ملائکہ کے سپرد ہیں اور وہ خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق ان کے لئے بطور مدبّر ہیں اس لئے جب کوئی ایسی پیشگوئی کی جاتی ہے۔ اسی قدر ملائکہ کو جن کے زیر تدبیر سامانوں سے اس کے پورا ہونے کا تعلق ہو حکم دیا جاتا ہے کہ تم اس سورۃ کے مضمون کی حفاظت کرو یعنی ان تدابیر میں لگ جاؤ جو اس پیشگوئی کے پورا کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ پس حفاظت آسمان سے زمین کے نزول تک نہیں ہوتی بلکہ حفاظت کا اصل کام نزول کے بعد شروع ہوتا ہے اور اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک کہ اس سورۃ میں بیان کردہ پیشگوئیاں پوری نہ ہو جائیں......

غرض اس سورۃ کے ساتھ ستر ہزار فرشتے اتارنے کا یہ مطلب ہے کہ چونکہ اس میں یاجوج ماجوج جیسی طاقتور قوموں اور آخری مسیحی فتنہ کے استیصال کی خبر دی گئی ہے اس لئے ہزاروں فرشتوں کو اس پیشگوئی کے پورا کرنے کیلئے نزول قرآن کے زمانہ سے لگا دیا گیا ہے۔"

(تفسیر کبیر، سورۃ الکہف، جلد چہارم صفحہ ۴۰۳، ۴۰۴)

زیر باب حدیث میں ہے کہ ایک شخص سورۂ کہف پڑھ رہا تھا۔ اس کا نام یہاں ذکر نہیں کیا گیا۔ جبکہ باب ۱۵ روایت نمبر ۵۰۱۸ میں ذکر ہے کہ تلاوت کرنے والے حضرت اُسید بن حضیرؓ ہیں۔ نیز یہ ذکر ہے کہ وہ سورۃ البقرۃ پڑھ رہے تھے۔ دونوں روایات کے الفاظ اور مضمون ایک ہے جس سے یہ غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ یہ ایک ہی واقعہ ہے۔ در حقیقت ان روایات میں دو الگ الگ واقعات کا ذکر ہے۔

بَاب ۱۲: فَضْلُ سُوْرَةِ الْفَتْحِ

سورۂ فتح کی فضیلت

۵۰۱۲: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَسِيْرُ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ وَعُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَسِيْرُ مَعَهُ لَيْلًا فَسَأَلَهُ عُمَرُ عَنْ شَيْءٍ فَلَمْ يُجِبْهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ سَأَلَهُ فَلَمْ يُجِبْهُ ثُمَّ سَأَلَهُ فَلَمْ يُجِبْهُ فَقَالَ عُمَرُ ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ نَزَرْتَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ كُلَّ ذَلِكَ لَا يُجِيْبُكَ قَالَ عُمَرُ فَحَرَّكْتُ بَعِيْرِي حَتَّى كُنْتُ أَمَامَ النَّاسِ وَخَشِيْتُ أَنْ يَنْزِلَ فِيَّ قُرْآنٌ فَمَا نَشِبْتُ أَنْ سَمِعْتُ صَارِخًا يَصْرُخُ قَالَ فَقُلْتُ لَقَدْ خَشِيْتُ أَنْ يَكُوْنَ نَزَلَ فِيَّ قُرْآنٌ

۵۰۱۲: اسماعیل (بن ابی اویس) نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ مالک نے مجھے بتایا۔ انہوں نے زید بن اسلم سے، زید نے اپنے باپ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اپنے کسی سفر میں جا رہے تھے اور حضرت عمر بن خطابؓ بھی آپؐ کے ساتھ چلے جا رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے آپؐ سے کسی بات کے متعلق پوچھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جواب نہیں دیا۔ پھر انہوں نے آپؐ سے پوچھا مگر آپؐ نے جواب نہیں دیا۔ پھر انہوں نے آپؐ سے پوچھا تو بھی آپؐ نے ان کو جواب نہیں دیا۔ حضرت عمرؓ نے (اپنے تئیں) کہا: تیری ماں تجھے کھوئے تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین بار پیچھے پڑ کر پوچھا۔ ایک دفعہ بھی آپؐ نے تجھے جواب نہیں دیا۔ حضرت عمرؓ کہتے تھے: میں نے اپنے اونٹ کو ایڑ لگائی اور لوگوں کے آگے ہو گیا اور میں ڈر گیا کہ کہیں میرے متعلق قرآن نہ نازل

قَالَ فَجِئْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَقَالَ لَقَدْ أُنْزِلَتْ عَلَيَّ اللَّيْلَةَ سُوْرَةٌ لَهِيَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ ثُمَّ قَرَأَ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ (الفتح:۲)

ہو۔ مجھے کچھ دیر نہ گزری تھی کہ میں نے پکارنے والے کو سنا جو (مجھے) پکار رہا تھا۔ حضرت عمرؓ کہتے تھے: میں نے کہا: مجھے یقیناً خدشہ ہے کہ میرے متعلق ضرور قرآن نازل ہوا ہوگا۔ کہتے تھے: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپؐ کو السلام علیکم کہا۔ آپؐ نے فرمایا: آج رات مجھ پر ایک ایسی سورۃ نازل کی گئی ہے جو یقیناً مجھے ان تمام چیزوں سے پیاری ہے جن پر سورج چڑھتا ہے۔ پھر آپؐ نے (سورۃ الفتح) پڑھی: اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ یعنی ہم نے تم کو ایک کھلی فتح بخشی ہے۔

اطرافه: ۴۱۷۷، ۴۸۳۳۔

تشریح: فَضْلُ سُوْرَةِ الْفَتْحِ: سورۂ فتح کی فضیلت۔ یہ حدیبیہ سے واپسی کا واقعہ ہے جو حدیث (نمبر ۵۰۱۲) میں بیان کیا گیا ہے۔ حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہؓ فرماتے ہیں:

"یہ سفر ایک خواب کی بناء پر صرف عمرہ کی غرض سے ذوالقعدہ (۶ھ) کے شروع میں اختیار کیا گیا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپؐ صحابہؓ کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں۔[1] اس خواب کا ذکر سورۃ الفتح میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے: لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ (الفتح:۲۸)[2]

(صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الحدیبیۃ، جلد ۸ صفحہ ۳۵۷، ۳۵۸)

---

[1] (الدر المنثور، سورۃ الفتح آیت ۲۷: لقد صدق اللہ، جزء ۱۳ صفحہ ۵۱۱ تا ۵۱۳) (فتح الباری جزء ۷ صفحہ ۵۴۸)

[2] ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ: "یقیناً اللہ نے اپنے رسول کو (اس کی) رؤیا حق کے ساتھ پوری کر دکھائی کہ اگر اللہ چاہے گا تو تم ضرور بالضرور مسجد حرام میں امن کی حالت میں داخل ہوگے، اپنے سروں کو منڈواتے ہوئے اور بال کترواتے ہوئے، ایسی حالت میں کہ تم خوف نہیں کروگے۔ پس وہ اس کا علم رکھتا تھا جو تم نہیں جانتے تھے۔ پس اس نے اس کے علاوہ قریب ہی ایک اور فتح مقدر کر دی ہے۔"

نیز آپؐ نے فرمایا:

”خواب میں یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ کس وقت اور کن حالات میں بیت اللہ کا طواف کیا جائے گا۔ چونکہ یہ مہم جُنُودُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ملائکۃ اللہ کے ذریعہ سے اپنے انجام کو پہنچنے والی تھی اس لئے اس کی تفصیلات پردۂ غیب میں رکھی گئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم اُس صراطِ مستقیم پر چلائے گئے جو مشیئت اللہ کے مطابق تھی۔ بعد کے واقعات سے مشیئت اللہ آشکار ہوگئی اور اس سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ رویاء، کشف اور وحی الٰہی سے متعلق مشاہدات جو امورِ غیبیہ پر مشتمل ہوں ضروری نہیں کہ وہ انبیاء علیہم السلام پر اپنی تمام جزئیات کے ساتھ قبل از ظہور منکشف ہوجائیں۔ اس بارے میں اُن کا علم بعض وقت اجمالی ہوتا ہے۔ سورۃ الفتح سفر حدیبیہ سے واپسی کے وقت نازل ہوئی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو بلایا اور انہیں اس سے آگاہ فرمایا۔... کیونکہ وہ شرائطِ صلح سے سخت پریشان خاطر تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاموشی سے اور زیادہ متفکر اور غمگین۔“

(صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الحدیبیۃ، جلد ۸ صفحہ ۳۶۵، ۳۶۶)

فَسَأَلَهُ عُمَرُ عَنْ شَيْءٍ فَلَمْ يُجِبْهُ: حضرت عمرؓ نے آپؐ سے کسی بات کے متعلق پوچھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جواب نہیں دیا۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ تحریر فرماتے ہیں:

”جب آپؐ نے یہ آیات صحابہ کو سنائیں تو چونکہ بعض صحابہ کے دل میں ابھی تک صلح حدیبیہ کی تلخی باقی تھی وہ حیران ہوئے کہ ہم تو بظاہر ناکام ہو کر واپس جارہے ہیں اور خدا ہمیں فتح کی مبارک باد دے رہا ہے۔ حتیٰ کہ بعض صحابہ نے اس قسم کے الفاظ بھی کہے کہ کیا یہ فتح ہے کہ ہم طواف بیت اللہ سے محروم ہو کر واپس جارہے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ بات پہنچی تو آپؐ نے بہت ناراضگی کا اظہار فرمایا اور ایک مختصر سی تقریر میں جوش کے ساتھ فرمایا... حدیبیہ کی صلح ہمارے لیے ایک بڑی بھاری فتح ہے۔ قریش جو ہمارے خلاف میدانِ جنگ میں اترے ہوئے تھے انہوں نے خود جنگ کو ترک کرکے امن کا معاہدہ کرلیا ہے اور آئندہ سال ہمارے لیے مکہ کے دروازے کھول دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اور ہم امن و سلامتی کے ساتھ اہل مکہ کی فتنہ انگیزیوں سے محفوظ ہو کر آئندہ فتوحات کی خوشبو پاتے ہوئے واپس جارہے ہیں۔ پس یقیناً یہ ایک عظیم الشان فتح ہے۔ کیا تم لوگ ان نظاروں کو بھول گئے کہ یہی قریش اُحد اور احزاب کی جنگوں میں کس طرح تمہارے خلاف چڑھائیاں کر کر کے آئے تھے۔ اور یہ زمین باوجود فراخی کے تم

پر تنگ ہو گئی تھی اور تمہاری آنکھیں پتھرا گئی تھیں اور کلیجے منہ کو آتے تھے مگر آج یہی قریش تمہارے ساتھ امن و امان کا معاہدہ کر رہے ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم سمجھ گئے۔ ہم سمجھ گئے۔ جہاں تک آپؐ کی نظر پہنچی ہے وہاں تک ہماری نظر نہیں پہنچتی مگر اب ہم نے سمجھ لیا ہے کہ واقعی یہ معاہدہ ہمارے لیے ایک بھاری فتح ہے۔"

(سیرت خاتم النبیین ﷺ از حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم۔اے، صفحہ ۸۶۶، ۸۶۷)

نیز فرمایا:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تقریر سے پہلے حضرت عمرؓ بھی بڑے پیچ و تاب میں تھے۔ چنانچہ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ حدیبیہ کی واپسی پر جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت سفر میں تھے تو اس وقت میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے کچھ عرض کرنا چاہا مگر آپؐ خاموش رہے۔ میں نے دوبارہ، سہ بارہ عرض کیا مگر آپؐ بدستور خاموش رہے۔ مجھے آنحضرتؐ کی اس خاموشی پر بہت غم ہوا۔ اور میں اپنے نفس میں یہ کہتا ہوا کہ عمر تو تو ہلاک ہو گیا کہ تین دفعہ تو نے رسول اللہؐ کو مخاطب کیا مگر آپؐ نہیں بولے۔ چنانچہ میں مسلمانوں کی جمعیت میں سے سب سے آگے نکل آیا اور اس غم میں پیچ و تاب کھانے لگا کہ کیا بات ہے؟ اور مجھے ڈر پیدا ہوا کہ کہیں میرے بارے میں کوئی قرآنی آیت نازل نہ ہو جائے۔ اتنے میں کسی شخص نے میرا نام لے کر آواز دی کہ "عمر بن خطابؓ کو رسول اللہؐ نے یاد فرمایا ہے۔" میں نے کہا: بس ہو نہ ہو میرے متعلق کوئی قرآنی آیت نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ میں گھبرایا ہوا جلدی جلدی رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام عرض کرکے آپؐ کے پہلو میں آ گیا۔ آپؐ نے فرمایا "مجھ پر اس وقت ایک ایسی سورۃ نازل ہوئی ہے جو مجھے دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے۔" پھر آپؐ نے سورہ فتح کی آیات تلاوت فرمائیں۔[1] حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا یہ صلح واقعی اسلام کی فتح ہے؟ آپؐ نے فرمایا: "ہاں یقیناً یہ ہماری فتح ہے۔" اس پر حضرت عمرؓ تسلی پا کر خاموش ہو گئے۔[2] اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں واپس تشریف لے آئے۔"

(سیرت خاتم النبیین ﷺ از حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم۔اے صفحہ ۸۶۷ تا ۸۶۸)

---

[1] (بخاری، کتاب التفسیر، باب تفسیر سورۃ الفتح و کتاب المغازی عن زید بن اسلم عن ابیہ)

[2] (مسلم، کِتَابُ الْجِهَادِ وَالسِّيَرِ، باب صلح الحدیبیۃ فی الحدیبیۃ)

بَاب ۱۳: فَضْلُ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (الإخلاص: ۲)

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کی فضیلت

فِيْهِ عَمْرَةُ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

اس باب میں عمرہ نے حضرت عائشہؓ سے، حضرت عائشہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔

۵۰۱۳: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي صَعْصَعَةَ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَجُلًا سَمِعَ رَجُلًا يَقْرَأُ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (الإخلاص: ۲) يُرَدِّدُهَا فَلَمَّا أَصْبَحَ جَاءَ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ وَكَأَنَّ الرَّجُلَ يَتَقَالُّهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّهَا لَتَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ.

اطرافہ: ۶۶۴۳، ۷۳۷۴۔

۵۰۱۳: عبداللہ بن یوسف نے ہم سے بیان کیا کہ مالک نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی صعصعہ سے، عبدالرحمٰن نے اپنے باپ سے، انہوں نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کی کہ ایک شخص نے کسی شخص کو قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھتے سنا۔ وہ اس کو بار بار پڑھ رہا تھا۔ جب صبح ہوئی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپؐ سے یہ ذکر کیا، جیسے وہ شخص اس کو بدعت سمجھتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (سن کر) فرمایا: اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ یہ سورۃ تو ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔

۵۰۱۴: وَزَادَ أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي صَعْصَعَةَ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ

۵۰۱۴: اور ابو معمر (عبداللہ بن عمرو منقری) نے اپنی سند میں اتنا زائد کیا کہ ہمیں اسماعیل بن جعفر نے بتایا۔ انہوں نے مالک بن انس سے، مالک نے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی صعصعہ سے، انہوں نے اپنے باپ سے،

أَخْبَرَنِي أَخِي قَتَادَةُ بْنُ النُّعْمَانِ أَنَّ رَجُلًا قَامَ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ مِنَ السَّحَرِ قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ (الإخلاص: ٢) لَا يَزِيْدُ عَلَيْهَا فَلَمَّا أَصْبَحْنَا أَتَى الرَّجُلُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ.

ان کے باپ نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کی۔ (حضرت ابوسعیدؓ نے کہا:) مجھے میرے بھائی حضرت قتادہ بن نعمانؓ نے بتایا کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سحری کو اٹھ کر قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ پڑھنے لگا۔ اس کے علاوہ اور کوئی سورۃ نہ پڑھتا۔ جب ہم صبح کو اٹھے تو ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ پھر ویسے ہی روایت بیان کی۔

٥٠١٥: حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ وَالضَّحَّاكُ الْمَشْرِقِيُّ عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَصْحَابِهِ أَيَعْجِزُ أَحَدُكُمْ أَنْ يَّقْرَأَ ثُلُثَ الْقُرْآنِ فِي لَيْلَةٍ فَشَقَّ ذٰلِكَ عَلَيْهِمْ وَقَالُوا أَيُّنَا يُطِيْقُ ذٰلِكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ فَقَالَ اللهُ الْوَاحِدُ الصَّمَدُ ثُلُثُ الْقُرْآنِ.

۵۰۱۵: عمر بن حفص (بن غیاث) نے ہم سے بیان کیا کہ میرے باپ نے ہمیں بتایا کہ اعمش نے ہم سے بیان کیا کہ ابراہیم (نخعی) اور ضحاک مشرقی نے ہمیں بتایا۔ ان دونوں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی اتنا عاجز ہے کہ رات میں ایک تہائی قرآن پڑھے۔ یہ بات ان پر شاق گذری اور انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم میں سے کون اس کی طاقت رکھتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اَللهُ الْوَاحِدُ الصَّمَدُ (والی سورۃ پڑھنا) ایک تہائی قرآن ہے۔

قَالَ الْفَرَبْرِيُّ سَمِعْتُ أَبَا جَعْفَرٍ مُحَمَّدَ بْنَ أَبِي حَاتِمٍ وَرَّاقَ أَبِي

(محمد بن یوسف) فربری نے کہا: میں نے ابوجعفر محمد بن ابی حاتم سے سنا جو ابوعبداللہ (امام بخاریؒ)

عَبْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ إِبْرَاهِيْم مُرْسَلٌ وَعَنِ الضَّحَّاكِ الْمَشْرِقِيِّ مُسْنَدٌ.

کے منشی تھے۔ انہوں نے کہا کہ ابوعبداللہ (امام بخاریؒ) نے کہا: ابراہیم (نخعی) سے یہ روایت مرسل ہے اور ضحاک مشرقی سے متصل۔

تشریح: فَضْلُ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کی فضیلت۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”اس سورۃ کے متعدد نام مختلف تفاسیر میں مروی ہیں۔ اور یہ ناموں کی کثرت اس کے کثرت مضمون کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ چنانچہ وہ نام یہ ہیں:

۱۔ سورۃُ التفریدِ: کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے اور فرد ہونے اور تثلیث وغیرہ کی تردید اس سورۃ میں کی گئی ہے۔

۲۔ سورۃُ التجریدِ: کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لاثانی ہونے کا اس میں بیان ہے۔

۳۔ سورۃُ التوحیدِ: کیونکہ توحید کا ایسا واضح بیان کسی دوسری کتاب میں نہیں ہے۔

۴۔ سورۃُ الاخلاصِ: کیونکہ یہ انسان کے اندر اخلاص پیدا کرتی ہے اور خدا تعالیٰ کے ساتھ اس کا تعلق جوڑتی ہے۔

۵۔ سورۃُ النجاۃِ: کیونکہ اس بات پر پورا یقین رکھنے سے کہ خدا ایک ہے انسان نجات پاتا ہے.

۶۔ سورۃُ الولایۃِ: کیونکہ یہ سورۃ پورے علم اور عمل اور معرفت کا ذریعہ ہو کر انسان کو درجہ ولایت تک پہنچا دیتی ہے۔

۷۔ سورۃُ المعرفۃِ: کیونکہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اسی کلام کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نماز پڑھتے ہوئے سورۃ الاخلاص کی تلاوت کی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورۃ کو سن کر فرمایا کہ اس شخص نے اپنے رب کی معرفت حاصل کرلی۔

۸۔ سورۃُ الجمالِ: حدیث شریف میں آیا ہے کہ إِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ[1] کہ اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ اللہ کا جمال کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اس کا اَحَدٌ، صَمَدٌ، لَمْ يَلِدْ وَ لَمْ يُوْلَدْ ہونا۔

---

[1] (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب تحریم الکبر وبیانہ)

۹۔سورۃ المُقَشْقِشَہ: مقشقشہ کے معنے ہیں بَری کرنے والی۔ جب کوئی بیمار شفا پاتا ہے تو اہلِ عرب کہتے ہیں تَقَشْقَشَ الْمَرِيْضُ عَمَّا بِهٖ۔ یعنی بیمار نے اپنی اس بیماری سے شفا پائی جس میں مبتلا تھا۔ چونکہ یہ سورۃ شرک اور نفاق سے انسان کو بری کرکے خدا تعالیٰ کا خالص بندہ بنا دیتی ہے۔ اس واسطے اس سورۃ کا نام مُقَشْقِشَہ رکھا گیا ہے۔

۱۰۔سورۃُ المعوّذۃِ: کیونکہ احادیث میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان بن مظعونؓ کے پاس تشریف لے گئے اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور سورۃ الفلق اور سورۃ الناس پڑھ کر اُن پر پھونکا۔ اور ان کو یہ ہدایت کی کہ اِن سورتوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی پناہ حاصل کیا کریں۔

۱۱۔سورۃُ الصّمدِ: کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی صفت صمد کا ذکر آتا ہے۔ جس میں اس بات کو بیان کیا گیا ہے کہ کائنات کا ہر ذرہ اس کا محتاج ہے۔

۱۲۔سورۃُ الاساسِ: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اُسِّسَتِ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرَضُوْنَ السَّبْعُ عَلٰى قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ یعنی ساتوں آسمان اور ساتوں زمینوں کا قیام قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کی وجہ سے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تثلیث کا عقیدہ آسمانوں اور زمین کی بربادی کا موجب ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ۔ (مریم:۹۱) قریب ہے کہ آسمان اس گندے عقیدہ کی وجہ سے پھٹ جائیں اور زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے اور پہاڑ گر کر ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَوْ كَانَ فِيْهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (الانبیاء:۲۳) کہ اگر زمین و آسمان میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور بھی معبود ہوتا تو زمین و آسمان کا نظام درہم برہم ہو جاتا گویا توحید کا عقیدہ اس دنیا کی آبادی کی بنیاد ہے۔

۱۳۔سورۃُ المانعۃِ: کیونکہ یہ عذاب قبر سے بچاتی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوا تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو کہا: اَعْطَيْتُكَ سُوْرَةَ الْاِخْلَاصِ وَهِيَ مِنْ ذَخَائِرِ كُنُوْزِ عَرْشِيْ وَهِيَ الْمَانِعَةُ تَمْنَعُ عَذَابَ الْقَبْرِ وَنَفَحَاتِ النِّيْرَانِ کہ میں نے تمہیں سورۃ الاخلاص دی ہے اور یہ میرے عرش کے خزانوں کے ذخائر میں سے ایک ہے۔ اور یہ عذاب قبر اور آگ کے شعلوں سے بچانے والی ہے۔ کیونکہ جو سچی توحید پر قائم ہو جائے اس کو آگ چھو نہیں سکتی۔

۱۴۔سورۃُ المحضرِ: کیونکہ جب یہ پڑھی جائے تو فرشتے اس کو سننے کیلئے حاضر ہوتے ہیں۔

۱۵۔سورۃُ البراءۃِ: یعنی آگ سے یا شرک سے محفوظ رکھنے والی۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ سورۃ پڑھتے سنا تو آپؐ نے فرمایا: اَمَّا هٰذَا فَقَدْ بَرِئَ مِنَ الشِّرْكِ کہ یہ شخص تو شرک سے پاک ہو گیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا جس شخص نے سو مرتبہ اس سورۃ کو نماز میں یا اس کے علاوہ پڑھا تو وہ آگ سے محفوظ ہو گیا۔

۱۶۔سورۃُ المذکّرۃِ: کیونکہ اللہ تعالیٰ کی توحید کو یاد دلاتی ہے۔

۱۷۔سورۃُ النّورِ: کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ نُوْرًا وَنُوْرُ الْقُرْاٰنِ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کہ ہر چیز کا ایک نور ہوتا ہے۔ اور قرآن کا نور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ہے۔

۱۸۔سورۃُ الامانِ: کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ توحید کو ماننے والا قلعہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور اس سورۃ میں توحید کا ذکر ہے۔ پس یہ عذاب سے امن میں رکھنے والی ہے۔

۱۹۔سورۃُ المنفّرۃِ: یعنی شیطان کو بھگانے والی۔"

(تفسیر کبیر، سورۃ الاخلاص، جلد دہم صفحہ ۵۱۶ تا ۵۱۸)

اللّٰهُ الْوَاحِدُ الصَّمَدُ ثُلُثُ الْقُرْاٰنِ: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورۃ کو ثلث قرآن قرار دیا ہے۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اس سورۃ کے ثلثِ قرآن ہونے سے یہ مراد نہیں کہ یہ سورۃ قرآن کریم کے حجم کا تیسرا حصہ ہے بلکہ صرف یہ مراد ہے کہ اس کا مضمون خاص اہمیت رکھتا ہے۔ قرآن کریم اور احادیث کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری زمانہ میں دو بڑے فتنے پیدا ہونے والے تھے۔ ایک دجالی فتنہ اور دوسرا یاجوج وماجوج کا فتنہ۔ اور ان دونوں فتنوں نے یکے بعد دیگرے اسلام کے ساتھ ٹکر لینی تھی۔ ایک فتنہ خدائے واحد کی بجائے تین خداؤں کا عقیدہ لیے ہوئے ہے یعنی خدا باپ، خدا بیٹا، خدا روح القدس۔ اور دوسرا فتنہ دہریت کا ہے یعنی وہ سرے سے خدا کا منکر ہے۔ قرآن کریم نے ان ہر دو فتنوں کے عقائد کی تردید کی ہے اور صحیح عقائد کو بیان فرمایا ہے۔... درحقیقت قرآن کریم کا کام توحید کو ثابت کرنا اور غلط عقائد کو مٹانا ہے۔ پس جب اس سورۃ نے نہایت جامع مانع الفاظ کے ساتھ مختصر طور پر وہ مضمون ادا کر دیا

جس سے غلط عقائد کا ابطال ہوتا ہے۔ اور توحید کی حقیقت کو بیان کر دیا تو یہ سورۃ ثلث قرآن کیا بلکہ سارے قرآن کے برابر ہو گئی۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس سورۃ کو ثلث قرآن قرار دینا مبالغہ نہیں بلکہ اس کے مضمون کی اہمیت کے پیش نظر ہے۔ چنانچہ اسی اہمیت کے پیش نظر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اعظم السور کے نام سے بھی یاد کیا ہے۔“

(تفسیر کبیر، تفسیر سورۃ الاخلاص، جلد دہم صفحہ ۵۱۹)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”اس اقلّ عبارت کو جو بقدر ایک سطر بھی نہیں دیکھنا چاہئے کہ کس لطافت اور عمدگی سے ہر یک قسم کی شراکت سے وجود حضرت باری کا منزّہ ہونا بیان فرمایا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ شرکت از روئے حصر عقلی چار قسم پر ہے۔ کبھی شرکت عدد میں ہوتی ہے اور کبھی مرتبہ میں، اور کبھی نسب میں اور کبھی فعل اور تاثیر میں۔ سو اس سورۃ میں ان چاروں قسموں کی شرکت سے خدا کا پاک ہونا بیان فرمایا اور کھول کر بتلا دیا کہ وہ اپنے عدد میں ایک ہے دو یا تین نہیں، اور وہ صمد ہے یعنی اپنے مرتبہ وجوب اور محتاج الیہ ہونے میں منفرد اور یگانہ ہے اور بجز اس کے تمام چیزیں ممکن الوجود اور ہالک الذّات ہیں جو اس کی طرف ہر دم محتاج ہیں۔ اور وہ لَمْ يَلِدْ ہے یعنی اس کا کوئی بیٹا نہیں تا بوجہ بیٹا ہونے کے اس کا شریک ٹھہر جائے۔ اور وہ لَمْ يُوْلَدْ ہے یعنی اس کا کوئی باپ نہیں تا بوجہ باپ ہونے کے اس کا شریک بن جائے۔ اور وہ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا ہے یعنی اس کے کاموں میں کوئی اس سے برابری کرنے والا نہیں، تا باعتبار فعل کے اس کا شریک قرار پاوے۔ سو اس طور سے ظاہر فرما دیا کہ خدائے تعالیٰ چاروں قسم کی شرکت سے پاک اور منزہ ہے اور وحدہ لاشریک ہے۔“

(براہین احمدیہ حصہ چہارم، روحانی خزائن جلد اوّل حاشیہ صفحہ ۵۱۸)

بَاب ١٤: فَضْلُ الْمُعَوِّذَاتِ

معوذات (یعنی سورۃ الاخلاص، سورۃ الفلق اور سورۃ الناس) کی فضیلت

٥٠١٦: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا اشْتَكَى يَقْرَأُ عَلَى نَفْسِهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ وَيَنْفُثُ فَلَمَّا اشْتَدَّ وَجَعُهُ كُنْتُ أَقْرَأُ عَلَيْهِ وَأَمْسَحُ بِيَدِهِ رَجَاءَ بَرَكَتِهَا.

اطرافہ: ٥٧٣٥۔

۵۰۱۶: عبداللہ بن یوسف (تنیسی) نے ہم سے بیان کیا کہ مالک نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے عروہ (بن زبیر) سے، عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیمار ہوتے تو معوذات پڑھ کر اپنے اوپر پھونکتے۔ جب آپؐ کی بیماری بڑھ گئی تو میں آپؐ پر یہ سورتیں پڑھتی اور آپؐ کا ہاتھ آپؐ کے بدن پر پھیرتی اس امید سے کہ ان کی برکت سے شفا ہوگی۔

٥٠١٧: حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا الْمُفَضَّلُ بْنُ فَضَالَةَ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَوَى إِلَى فِرَاشِهِ كُلَّ لَيْلَةٍ جَمَعَ كَفَّيْهِ ثُمَّ نَفَثَ فِيْهِمَا فَقَرَأَ فِيهِمَا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (الإخلاص:٢) وَ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ (الفلق:٢) وَ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ (الناس:٢) ثُمَّ يَمْسَحُ بِهِمَا مَا اسْتَطَاعَ مِنْ جَسَدِهِ يَبْدَأُ بِهِمَا عَلَى رَأْسِهِ وَوَجْهِهِ وَمَا أَقْبَلَ مِنْ

۵۰۱۷: قتیبہ بن سعید نے ہم سے بیان کیا کہ مفضل بن فضالہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے عُقَیل (بن خالد) سے، عُقَیل نے ابن شہاب سے، ابن شہاب نے عروہ سے، عروہ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے بستر پر ہر رات لیٹتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو ملا کر ان میں پھونکتے اور یہ سورتیں پڑھتے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔ پھر اپنے سارے بدن پر جہاں تک ہو سکتا ان ہاتھوں کو پھیرتے، اپنے سر اور منہ سے شروع کرتے اور پھر اپنے بدن کے سامنے کے

جَسَدِهِ يَفْعَلُ ذٰلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ. حصے پر پھیرتے۔ تین دفعہ ایسا ہی کرتے۔

اطرافہ: ۵۷۴۸، ۶۳۱۹۔

تشریح: فَضْلُ الْمُعَوِّذَاتِ: معوذات کی فضیلت۔ معوذات سے مراد سورۃ الاخلاص، سورۃ الفلق اور سورۃ الناس ہیں۔ حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے بستر پر رات کو لیٹتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو ملا کر ان میں پھونکتے اور یہ تینوں سورتیں پڑھتے۔ ان تینوں سورتوں کا اکٹھا پڑھنا اور ان کے ذریعہ دعا مانگنا بتاتا ہے کہ ان سورتوں کا آپس میں گہرا اشتراک ہے اور ان میں ایک طبعی ترتیب ہے۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس سنت سے اپنی امت کو دعا کرنے کا یہ طریق سکھا کر یہ پیغام دیا کہ یہ رات جو اپنی لپیٹ میں قسما قسم کے فتنے لیے ہوئے آتی ہے، یہ فتنے صرف اس رات تک محدود نہیں بلکہ تاریکی کے یہ فتنے قیامت تک مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتے رہیں گے۔ اور سب سے بڑا فتنہ جس سے ہر نبی نے اپنی قوم کو ڈرایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سب سے بڑا فتنہ قرار دیا وہ دجالی فتنہ ہے اور آخری زمانہ میں برپا ہونے والے تمام فتنوں کا وہ منبع ہو گا۔ پس تمہاری کوئی رات ایسی نہ گزرے جب تم ان فتنوں سے بچنے کے لیے دعائیں نہ کرو۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”سورۃ اخلاص اور سورۃ فلق اور سورۃ ناس میں صرف یہ فرق ہے کہ سورۃ اخلاص... میں تو اس قوم کے عقائد بتلائے گئے۔ پھر اس کے بعد سورۃ فلق میں یہ اشارہ کیا گیا کہ یہ قوم اسلام کے لئے خطرناک ہے اور اس کے ذریعہ سے آخری زمانہ میں سخت تاریکی پھیلے گی اور اس زمانہ میں اسلام کو ایک بڑے شر کا سامنا ہو گا۔ اور یہ لوگ معضلات اور دقائق دین میں گرہ در گرہ دے کر مکار عورتوں کی طرح لوگوں کو دھوکا دیں گے اور یہ تمام کاروبار محض حسد کے باعث ہو گا جیسا کہ قابیل کا کاروبار حسد کے باعث تھا۔ فرق صرف یہ ہے کہ قابیل نے اپنے بھائی کا خون زمین پر گرایا مگر یہ لوگ بباعث جوش حسد سچائی کا خون کریں گے۔ غرض سورۃ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ میں ان لوگوں کے عقائد کا بیان ہے اور سورۃ فلق میں ان لوگوں کے ان اعمال کی تشریح ہے جو قوت اور طاقت کے وقت ان سے ظاہر ہوں گے۔ چنانچہ دونوں سورتوں کو بالمقابل رکھنے سے صاف سمجھ آتا ہے کہ پہلی سورۃ یعنی سورۃ اخلاص میں قوم نصاریٰ کے اعتقادی حالات کا بیان ہے اور دوسری سورۃ میں عملی حالات کا ذکر ہے۔ اور سخت تاریکی سے آخری زمانہ کی طرف اشارہ ہے جبکہ یہ لوگ اس رُوح کے مظہر اتم ہوں گے جو خدا کی طرف سے مضل ہے۔“ (تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن جلد ۱۷، حاشیہ صفحہ ۲۷۰)

آپؑ مزید فرماتے ہیں:

”یہ تمام اشارات عیسائی پادریوں کی طرف ہیں کہ ایک زمانہ آنے والا ہے جو وہ دنیا میں شر پھیلائیں گے اور دنیا کو تاریکی سے بھر دیں گے اور جادو کی طرح ان کا دھوکا ہوگا اور وہ سخت حاسد ہوں گے اور اسلام کو حسد کی راہ سے بنظر تحقیر دیکھیں گے اور لفظ ربّ الفلق اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس تاریکی کے بعد پھر صبح کا زمانہ بھی آئے گا جو مسیح موعود کا زمانہ ہے۔

اس مقابلہ سے جو سورۃ اخلاص سے سورۃ فلق کا کیا گیا ظاہر ہے کہ ان دونوں سورتوں میں ایک ہی فرقہ کا ذکر ہے صرف یہ فرق ہے کہ سورۃ اخلاص میں اس فرقہ کی اعتقادی حالت کا بیان ہے اور سورۃ الفلق میں اس فرقہ کی عملی حالت کا ذکر ہے اور اس فرقہ کا نام سورۃ الفلق میں شَرِّ مَا خَلَقَ رکھا گیا ہے یعنی شرّ البریہ اور احادیث پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دجّال معہود کا نام بھی شرّ البریہ ہے کیونکہ آدم کے وقت سے اخیر تک شر میں اُس کے برابر کوئی نہیں۔ پھر ان دونوں سورتوں کے بعد سورۃ الناس ہے۔ اور وہ یہ ہے۔... یعنی وہ جو انسانوں کا پروردگار اور انسانوں کا بادشاہ اور انسانوں کا خدا ہے، میں وسوسہ انداز خنّاس کے وسوسوں سے اس کی پناہ مانگتا ہوں۔ وہ خنّاس جو انسانوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے جو جنوں اور آدمیوں میں سے ہے۔ اِس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ اس خنّاس کی وسوسہ اندازی کا وہ زمانہ ہوگا کہ جب اسلام کے لئے نہ کوئی مربی اور عالم ربّانی زمین پر موجود ہوگا اور نہ اسلام میں کوئی حامیٔ دین بادشاہ ہوگا تب مسلمانوں کے لئے ہر ایک موقع پر خدا ہی پناہ ہوگا وہی خدا وہی مربی وہی بادشاہ و بس۔

اب واضح ہو کہ خنّاس شیطان کے ناموں میں سے ایک نام ہے یعنی جب شیطان سانپ کی سیرت پر قدم مارتا ہے اور کھلے کھلے اکراہ اور جبر سے کام نہیں لیتا اور سراسر مکر اور فریب اور وسوسہ اندازی سے کام لیتا ہے اور اپنی نیش زنی کے لئے نہایت پوشیدہ راہ اختیار کرتا ہے تب اُس کو خنّاس کہتے ہیں عبرانی میں اس کا نام نحاش ہے۔ چنانچہ توریت کے ابتداء میں لکھا ہے کہ نحاش نے حوا کو بہکایا اور حوا نے اس کے بہکانے سے وہ پھل کھایا جس کا کھانا منع کیا گیا تھا۔ تب آدم نے بھی کھایا۔ سو اس سورۃ الناس سے واضح ہوتا ہے کہ یہی نحاش آخری زمانہ میں پھر ظاہر ہوگا اِسی نحاش کا دوسرا نام دجّال ہے۔“

(تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن جلد ۱۷ حاشیہ صفحہ ۲۷۲ تا ۲۷۴)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام مزید فرماتے ہیں:

”آدم نحّاش کے ساتھ آزمایا گیا جس کو عربی میں خنّاس کہتے ہیں جس کا دوسرا نام دجّال ہے ایسا ہی اس آخری آدم کے مقابل پر نحّاش پیدا کیا گیا تا وہ زن مزاج لوگوں کو حیات ابدی کی طمع دے جیسا کہ حوّا کو اس سانپ نے دی تھی جس کا نام توریت میں نحّاش اور قرآن میں خنّاس ہے لیکن اب کی دفعہ مقدّر کیا گیا کہ یہ آدم اُس نحّاش پر غالب آئے گا۔ غرض اب چھ ہزار برس کے اخیر پر آدم اور نحّاش کا پھر مقابلہ آپڑا ہے اور اب وہ پُرانا سانپ کاٹنے پر قدرت نہیں پائے گا جیسا کہ اوّل اُس نے حوّا کو کاٹا اور پھر آدم نے اس زہر سے حصّہ لیا بلکہ وہ وقت آتا ہے کہ اس سانپ سے بچے کھیلیں گے اور وہ ضرر رسانی پر قادر نہیں ہوگا۔ قرآن شریف میں یہ لطیف اشارہ ہے کہ اس نے سورۂ فاتحہ کو الضالین پر ختم کیا اور قرآن کو خنّاس پر۔ تا دانشمند انسان سمجھ سکے کہ حقیقت اور روحانیت میں یہ دونوں نام ایک ہی ہیں۔“

(تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن جلد ۱۷، حاشیہ صفحہ ۲۷۵)

بَاب ۱۵: نُزُوْلُ السَّكِيْنَةِ وَالْمَلَائِكَةِ عِنْدَ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ

قرآن کے پڑھنے کے وقت سکینت اور ملائکہ کا اُترنا

۵۰۱۸: وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي يَزِيْدُ بْنُ الْهَادِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيْمَ عَنْ أُسَيْدِ بْنِ حُضَيْرٍ قَالَ بَيْنَمَا هُوَ يَقْرَأُ مِنَ اللَّيْلِ سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ وَفَرَسُهُ مَرْبُوْطٌ عِنْدَهُ إِذْ جَالَتِ الْفَرَسُ فَسَكَتَ فَسَكَنَتْ فَقَرَأَ فَجَالَتِ الْفَرَسُ فَسَكَتَ فَسَكَنَتِ الْفَرَسُ ثُمَّ قَرَأَ فَجَالَتِ الْفَرَسُ فَانْصَرَفَ وَكَانَ ابْنُهُ يَحْيَى قَرِيْبًا مِنْهَا فَأَشْفَقَ أَنْ تُصِيْبَهُ فَلَمَّا اجْتَرَّهُ رَفَعَ رَأْسَهُ إِلَى

۵۰۱۸: اور لیث (بن سعد) نے کہا: مجھے یزید بن ہاد نے بتایا۔ انہوں نے محمد بن ابراہیم سے، انہوں نے حضرت اُسید بن حضیرؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: ایک بار رات کو وہ سورۃ البقرۃ پڑھ رہے تھے اور ان کا گھوڑا ان کے پاس بندھا ہوا تھا۔ اتنے میں (ان کے) گھوڑے نے چکر لگانا شروع کیا۔ وہ (یہ دیکھ کر) خاموش ہو گئے اور وہ گھوڑا بھی ٹھہر گیا۔ پھر انہوں نے پڑھنا شروع کیا تو گھوڑا بھی چکر لگانے لگا۔ وہ چپ ہو گئے اور گھوڑا بھی ٹھہر گیا۔ پھر انہوں نے پڑھنا شروع کیا اور گھوڑا بھی چکر لگانے لگا۔ (وہ

السَّمَاءِ حَتَّى مَا يَرَاهَا فَلَمَّا أَصْبَحَ حَدَّثَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ اقْرَأْ يَا ابْنَ حُضَيْرٍ اقْرَأْ يَا ابْنَ حُضَيْرٍ قَالَ فَأَشْفَقْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ أَنْ تَطَأَ يَحْيَى وَكَانَ مِنْهَا قَرِيْبًا فَرَفَعْتُ رَأْسِي فَانْصَرَفْتُ إِلَيْهِ فَرَفَعْتُ رَأْسِي إِلَى السَّمَاءِ فَإِذَا مِثْلُ الظُّلَّةِ فِيْهَا أَمْثَالُ الْمَصَابِيْحِ فَخَرَجْتُ حَتَّى لَا أَرَاهَا قَالَ وَتَدْرِي مَا ذَاكَ قَالَ لَا قَالَ تِلْكَ الْمَلَائِكَةُ دَنَتْ لِصَوْتِكَ وَلَوْ قَرَأْتَ لَأَصْبَحَتْ يَنْظُرُ النَّاسُ إِلَيْهَا لَا تَتَوَارَى مِنْهُمْ. قَالَ ابْنُ الْهَادِ وَحَدَّثَنِي هَذَا الْحَدِيْثَ عَبْدُ اللهِ بْنُ خَبَّابٍ عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ عَنْ أُسَيْدِ بْنِ حُضَيْرٍ.

چپ ہو گئے اور گھوڑا بھی ٹھہر گیا۔) وہ نماز سے فارغ ہو گئے اور ان کا بیٹا یحییٰ گھوڑے کے قریب تھا۔ وہ ڈرے کہ کہیں وہ اس کو صدمہ نہ پہنچائے۔ جب انہوں نے اس کو اپنے پاس گھسیٹ لیا تو انہوں نے آسمان کی طرف اپنا سر اٹھایا۔ یہ حالت تھی کہ وہ (آسمان کو) بالکل نہ دیکھتے تھے۔ جب صبح ہوئی تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے واقعہ بیان کیا۔ آپؐ نے ان سے فرمایا: ابن حضیرؓ! اسی طرح پڑھتے رہو۔ ابن حضیر اسی طرح پڑھتے رہو۔ (حضرت اُسیدؓ نے) کہا: یارسول اللہ! میں ڈر گیا تھا کہ کہیں وہ یحییٰ کو نہ کچل ڈالے اور وہ اس کے قریب ہی تھا۔ میں نے اپنا سر اُٹھایا اور یحییٰ کی طرف مڑ کر گیا۔ پھر میں نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ جیسے سائبان ہے جس میں دیے سے ہیں۔ پھر میں باہر گیا تو (حالت یہ تھی کہ) ان کو نہیں دیکھتا تھا۔ آپؐ نے فرمایا: اور تم جانتے ہو کہ یہ کیا تھا؟ اُنہوں نے کہا: نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: یہ ملائکہ تھے جو تمہاری آواز سن کر نزدیک آ گئے تھے اور تم پڑھتے رہتے تو صبح کو لوگ بھی ان کو دیکھتے، ان سے چھپتے نہیں۔ ابن ہاد نے کہا: اور مجھے یہ حدیث عبداللہ بن خباب نے بھی حضرت ابوسعید خدریؓ سے، حضرت ابوسعیدؓ نے حضرت اُسید بن حضیرؓ سے روایت کرتے ہوئے بتائی۔

تشریح۔ نُزُوْلُ السَّكِيْنَةِ وَالْمَلَائِكَةِ عِنْدَ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ: قرآن کے پڑھنے کے وقت سکینت اور ملائکہ کا اُترنا۔ اس باب میں امام بخاریؒ نے سکینت اور ملائکہ کے ذکر کو اکٹھا بیان کیا ہے۔ زیر باب حدیث میں فرشتوں کا ذکر ہے مگر سکینت کا نہیں جبکہ سورۃ الکہف کی فضیلت والے باب کی حدیث (نمبر ۵۰۱۱) میں سکینت کا ذکر ہے لیکن فرشتوں کا ذکر نہیں ہے۔ امام بخاری نے اس باب میں دونوں باتوں کو اکٹھا بیان کر کے اس اشکال کو دور کیا ہے جو ان روایات سے بادی النظر میں دکھائی دیتا ہے۔ اور یہ بتایا ہے کہ سکینت کا نزول دراصل فرشتوں کے نزول کے ساتھ ہی ہے۔ اور دونوں احادیث میں قدر مشترک یہ ہے کہ دونوں میں ملائکہ کے نزول کی طرف اشارہ ہے جو سکینت کی صورت میں بیان کیا گیا ہے۔

بَاب ١٦

مَنْ قَالَ لَمْ يَتْرُكِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا مَا بَيْنَ الدَّفَّتَيْنِ

جس نے یہ کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے اس کے
جو مصحف کی اس جِلد میں ہے اور کچھ نہیں چھوڑا

٥٠١٩: حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ رُفَيْعٍ قَالَ دَخَلْتُ أَنَا وَشَدَّادُ بْنُ مَعْقِلٍ عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا فَقَالَ لَهُ شَدَّادُ بْنُ مَعْقِلٍ أَتَرَكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ شَيْءٍ قَالَ مَا تَرَكَ إِلَّا مَا بَيْنَ الدَّفَّتَيْنِ. قَالَ وَدَخَلْنَا عَلَى مُحَمَّدِ ابْنِ الْحَنَفِيَّةِ فَسَأَلْنَاهُ فَقَالَ مَا تَرَكَ إِلَّا مَا بَيْنَ الدَّفَّتَيْنِ.

۵۰۱۹: قتیبہ بن سعید نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان (بن عیینہ) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے عبدالعزیز بن رُفیع سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں اور شداد بن معقل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس گئے۔ شداد بن معقل نے ان سے پوچھا: کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ ترکہ بھی چھوڑا؟ انہوں نے جواب دیا: کچھ نہیں چھوڑا سوا اس کے جو مصحف کی اس جِلد کے درمیان ہے۔ عبدالعزیز کہتے تھے اور ہم محمد بن حنفیہ کے پاس گئے اور ان سے بھی یہی پوچھا۔ انہوں نے بھی کہا: آپؐ نے کچھ نہیں چھوڑا سوائے اس کے جو مصحف کی اس جِلد کے درمیان ہے۔

تشریح: لَمْ يَتْرُكِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا مَا بَيْنَ الدَّفَّتَيْنِ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے اس کے جو مصحف کی اس جلد میں ہے اور کچھ نہیں چھوڑا۔ اس پر بعض لوگوں نے یہ سوال اُٹھایا ہے کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے علاوہ اپنے پیچھے کچھ نہیں چھوڑا؟ شارحین نے اس سوال کا یہ جواب دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم مکمل صورت میں اپنے پیچھے چھوڑا۔ نیز آپؐ کی احادیث جو کئی مختلف صورتوں میں موجود تھیں۔ مثلاً حضرت علیؓ کے متعلق ایک روایت بخاری میں ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ آپؓ کے پاس کیا ہے؟ انہوں نے کہا: اللہ کی کتاب ہے اور جو کچھ اس صحیفہ میں لکھا ہوا ہے۔ (بخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب فَكَاكِ الأَسِيرِ، روایت نمبر ۳۰۴۷) یہ بھی کہا گیا کہ حضرت علیؓ کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی صورت میں ایک صحیفہ موجود تھا تو پھر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف قرآن چھوڑا۔ مزید یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ وہ احادیث جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں لکھی گئیں اور بعض صحابہ کے پاس موجود تھیں جیسے حضرت عبد اللہ بن عمروؓ، نیز وہ معاہدات اور خطوط جو آپؐ نے مختلف بادشاہوں کو لکھے سب تحریری صورت میں موجود تھے۔ بخاری کی روایات میں یہ بھی ذکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد ایک خچر، ایک ڈھال اور فدک کی زمین چھوڑی جو بصورت صدقہ تھی۔

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد احادیث، احکام، معاہدات، خطوط اور زمین وغیرہ کی صورت میں جو چھوڑا، اس کے ہوتے ہوئے یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ لَمْ يَتْرُكِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا مَا بَيْنَ الدَّفَّتَيْنِ۔ شارحین لفظی بحث میں پڑ کر اس مضمون کے جمال اور شان کو بالکل نظر انداز کر گئے ہیں۔ دراصل اس حدیث میں اس امر کی وضاحت ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وصال سے پہلے فرمایا: إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمْ كِتَابَ اللّٰهِ هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ مَنِ اتَّبَعَهُ كَانَ عَلَى الْهُدَى وَمَنْ تَرَكَهُ كَانَ عَلَى الضَّلَالَةِ۔[1] میں تم میں اللہ کی کتاب چھوڑ رہا ہوں جو حبل اللہ ہے جس نے اس کی پیروی کی وہ ہدایت پر ہے اور جس نے اس کو چھوڑا وہ گمراہی پر ہے۔ اور یہی بات حضرت عمرؓ نے آپؐ کی وفات سے پہلے کہی تھی کہ حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ۔ ہمارے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے۔ جس پر آپؐ نے اپنی خاموشی سے صاد فرمایا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے جو چھوڑا وہ اللہ کی کامل کتاب قرآن کریم ہے۔ باقی جتنی باتیں ہیں وہ اس کے اندر شامل ہیں۔ چاہے وہ آپ کی احادیث ہوں، دیت یا قیدیوں کے متعلق احکام پر مشتمل صحیفہ ہو، یا صدقہ وخیرات کے لیے چھوڑا گیا مال۔ وہ سب قرآن کریم کی کامل تعلیم کے اندر موجود ہے۔ اس لیے اصل چیز جو آپ نے چھوڑی وہ لاریب قرآن کریم ہے جس سے باہر دین اسلام کا کوئی امر نہیں ہے۔

دَخَلْنَا عَلَى مُحَمَّدِ ابْنِ الْحَنَفِيَّةِ فَسَأَلْنَاهُ: ہم محمد بن حنیفہ کے پاس گئے اور ان سے بھی یہی

---

[1] (مصنف ابن ابی شیبة، کتاب فضائل القرآن، باب فی الوصیة بالقرآن وقراءته)

پوچھا۔ اس بحث میں ایک سوال یہ بھی اُٹھایا گیا ہے کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے خلیفہ بلافصل ہونے کے متعلق کوئی وصیت فرمائی تھی۔ اس کا ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضرت علیؓ کے پاس قرآن کریم اور جو صحیفہ تھا اس میں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ امام ابن حجر لکھتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے رافضیوں کے اس استدلال کو غلط ثابت کرنے کے لیے محمد بن حنفیہ کی روایت بیان کی ہے جو اُن کے ایک امام بھی ہیں اور حضرت علیؓ کے بیٹے بھی۔ اگر کوئی چیز اُن کے والد کے متعلق موجود ہوتی تو وہ لوگوں میں سے سب سے زیادہ اس خبر کو بیان کرنے کا حق رکھتے تھے۔ اسی طرح حضرت ابن عباسؓ کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو حضرت علیؓ کے چچازاد بھائی تھے اور عام لوگوں کی نسبت حضرت علیؓ کے زیادہ قریب تھے۔ (فتح الباری جزء ۹ صفحہ ۸۲)

بَاب ۱۷: فَضْلُ الْقُرْآنِ عَلَى سَائِرِ الْكَلَامِ

قرآن کی فضیلت باقی تمام کلاموں پر

۵۰۲۰: حَدَّثَنَا هُدْبَةُ بْنُ خَالِدٍ أَبُو خَالِدٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَثَلُ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَالْأُتْرُجَّةِ طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَرِيحُهَا طَيِّبٌ وَالَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَالتَّمْرَةِ طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَلَا رِيحَ فِيهَا وَمَثَلُ الْفَاجِرِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الرَّيْحَانَةِ رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ وَمَثَلُ الْفَاجِرِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ طَعْمُهَا مُرٌّ وَلَا رِيحَ لَهَا.

أطرافه: ۵۰۵۹، ۵۴۲۷، ۷۵۶۰۔

۵۰۲۰: ہدبہ بن خالد ابوخالد نے ہم سے بیان کیا کہ ہمام (بن یحیٰ) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے قتادہ سے، قتادہ نے حضرت انس بن مالکؓ سے، حضرت انسؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے، حضرت ابوموسیٰؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔ آپؐ نے فرمایا: اس شخص کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے ترنج (نارنگی) کی سی ہے۔ اس کا مزہ بھی اچھا ہے اور خوشبو بھی اچھی۔ اور جو (مومن) قرآن نہیں پڑھتا اس کی مثال کھجور کی سی ہے، مزہ تو اس کا اچھا ہے لیکن اس میں خوشبو نہیں۔ اور اس بدکار کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے نیاز بو کی سی ہے جس کی خوشبو اچھی ہے اور مزہ کڑوا ہے۔ اور اس بدکار کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا حنظل کی سی ہے جس کا مزہ بھی کڑوا ہے اور خوشبو بھی نہیں۔

٥٠٢١: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ عَنْ يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ دِيْنَارٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّمَا أَجَلُكُمْ فِي أَجَلِ مَنْ خَلَا مِنَ الْأُمَمِ كَمَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعَصْرِ وَمَغْرِبِ الشَّمْسِ وَمَثَلُكُمْ وَمَثَلُ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارَى كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَعْمَلَ عُمَّالًا فَقَالَ مَنْ يَعْمَلُ لِي إِلَى نِصْفِ النَّهَارِ عَلَى قِيْرَاطٍ قِيْرَاطٍ فَعَمِلَتِ الْيَهُوْدُ فَقَالَ مَنْ يَعْمَلُ لِي مِنْ نِصْفِ النَّهَارِ إِلَى الْعَصْرِ فَعَمِلَتِ النَّصَارَى ثُمَّ أَنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ مِنَ الْعَصْرِ إِلَى الْمَغْرِبِ بِقِيْرَاطَيْنِ قِيْرَاطَيْنِ قَالُوْا نَحْنُ أَكْثَرُ عَمَلًا وَأَقَلُّ عَطَاءً قَالَ هَلْ ظَلَمْتُكُمْ مِنْ حَقِّكُمْ قَالُوْا لَا قَالَ فَذَاكَ فَضْلِي أُوْتِيْهِ مَنْ شِئْتُ.

۵۰۲۱: مسدد نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے یحیٰی (بن سعید قطان) سے، یحیٰی نے سفیان (ثوری) سے روایت کی کہ مجھ سے عبداللہ بن دینار نے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: تمہاری عمر اُن امتوں کی عمر کے مقابل میں جو گزر چکیں اتنی ہی ہے جو عصر کی نماز اور سورج کے ڈوبنے کے درمیان ہے، اور تمہاری مثال اور یہود و نصاریٰ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے چند مزدوروں کو کام پر لگایا اور کہا: میرے لئے ایک ایک قیراط پر دوپہر تک کون کام کرتا ہے تو یہود نے کیا۔ پھر اس نے پوچھا: میرے لئے دوپہر سے عصر تک کون کام کرے گا تو نصاریٰ نے کیا۔ پھر اب تم ہو جو عصر سے مغرب تک دو دو قیراط پر کام کرو گے۔ یہود و نصاریٰ نے کہا: ہم کام تو زیادہ کریں اور دیئے جائیں تھوڑا۔ تو اس نے کہا: کیا میں نے تمہیں تمہارے حق سے کم دیا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ تو اس نے کہا: پھر یہ میرا انعام ہے جس کو چاہوں دوں۔

أطرافه: ٥٥٧، ٢٢٦٨، ٢٢٦٩، ٣٤٥٩، ٧٤٦٧، ٧٥٣٣۔

تشریح: فَضْلُ الْقُرْآنِ عَلَى سَائِرِ الْكَلَامِ: قرآن کی فضیلت باقی تمام کلاموں پر۔ باب کے یہ الفاظ ایک حدیث سے لیے گئے ہیں۔ جسے امام ترمذی نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے: عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الرَّبُّ عَزَّ وَجَلَّ مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْآنُ عَنْ ذِكْرِي وَمَسْأَلَتِي

أَعْطَيْتُهُ أَفْضَلَ مَا أُعْطِي السَّائِلِينَ، وَفَضْلُ كَلَامِ اللهِ عَلَى سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ اللهِ عَلَى خَلْقِهِ[1] حضرت ابو سعیدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے: جس کو قرآن نے میرے ذکر سے اور مجھ سے مانگنے سے مشغول رکھا۔ میں مانگنے والوں کو جو دیتا ہوں اس سے بڑھ کر اس کو دوں گا۔ اور اللہ کے کلام کی فضیلت دیگر تمام کلاموں پر ایسی ہے جیسے اللہ کی اپنی مخلوق پر۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ اَلْخَيْرُ كُلُّهُ فِي الْقُرْاٰنِ کہ تمام قسم کی بھلائیاں قرآن میں ہیں۔ یہی بات سچ ہے۔ افسوس اُن لوگوں پر جو کسی اور چیز کو اس پر مقدم رکھتے ہیں۔ تمہاری تمام فلاح اور نجات کا سرچشمہ قرآن میں ہے۔ کوئی بھی تمہاری ایسی دینی ضرورت نہیں جو قرآن میں نہیں پائی جاتی۔ تمہارے ایمان کا مصدق یا مکذب قیامت کے دن قرآن ہے اور بجز قرآن کے آسمان کے نیچے اور کوئی کتاب نہیں جو بلاواسطہ قرآن تمہیں ہدایت دے سکے۔ خدا نے تم پر بہت احسان کیا ہے جو قرآن جیسی کتاب تمہیں عنایت کی۔ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ کتاب جو تم پر پڑھی گئی اگر عیسائیوں پر پڑھی جاتی تو وہ ہلاک نہ ہوتے اور یہ نعمت اور ہدایت جو تمہیں دی گئی اگر بجائے توریت کے یہودیوں کو دی جاتی تو بعض فرقے ان کے قیامت سے منکر نہ ہوتے۔ پس اس نعمت کی قدر کرو جو تمہیں دی گئی۔ یہ نہایت پیاری نعمت ہے، یہ بڑی دولت ہے، اگر قرآن نہ آتا تو تمام دنیا ایک گندے مضغہ کی طرح تھی۔ قرآن وہ کتاب ہے جس کے مقابل پر تمام ہدایتیں ہیچ ہیں۔"

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۲۶، ۲۷)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اپنے منظوم کلام میں فرماتے ہیں:

نورِ فرقاں ہے جو سب نوروں سے اَجلیٰ نکلا ۔۔۔ پاک وہ جس سے یہ انوار کا دریا نکلا
حق کی توحید کا مرجھا ہی چلا تھا پودا ۔۔۔ ناگہاں غیب سے یہ چشمۂ اصفیٰ نکلا
یا الٰہی تیرا فرقاں ہے کہ اک عالم ہے ۔۔۔ جو ضروری تھا وہ سب اس میں مہیا نکلا
سب جہاں چھان چکے ساری دکانیں دیکھیں ۔۔۔ مئے عرفان کا یہی ایک ہی شیشہ نکلا
کس سے اس نور کی ممکن ہو جہاں میں تشبیہ ۔۔۔ وہ تو ہر بات میں ہر وصف میں یکتا نکلا
پہلے سمجھے تھے کہ موسیٰ کا عصا ہے فرقاں ۔۔۔ پھر جو سوچا تو ہر اک لفظ مسیحا نکلا
ہے قصور اپنا ہی اندھوں کا وگرنہ وہ نور ۔۔۔ ایسا چمکا ہے کہ صد نیّرِ بیضا نکلا

(براہینِ احمدیہ حصہ سوم، روحانی خزائن جلد اوّل صفحہ ۳۰۵)

[1] (ترمذی، ابواب فضائل القرآن، باب ۲۵)

قرآن کریم نے اپنے کامل جامع جمیع علوم اور فیوض کے سرچشمہ ہونے کا جگہ جگہ ذکر فرمایا ہے مثلاً فرمایا: تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (النحل: ۹۰) یعنی وہ ہر بات کو کھول کھول کر بیان کرنے والی ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے مباحثہ لدھیانہ، روحانی خزائن جلد چہارم صفحہ ۲۲، ۲۹۔

مَثَلُ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَالْأُتْرُجَّةِ طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَرِيحُهَا طَيِّبٌ: اس حدیث میں تلاوت قرآن کریم کو پھل کے ذائقہ اور خوشبو دونوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ گویا تلاوت کرنے والا ہر دو برکات پانے والا ہے۔ اسے تلاوت کے نتیجے میں وہ لذت بھی ملے گی جو ایمان کا خاصہ ہے۔ اور خوشبو بھی ملے گی جو ایمان کی علامت ہے۔ علامہ ابن حجر لکھتے ہیں: سنگترہ کے ساتھ مثال دینے کی حکمت یہ ہے کہ یہ وہ پھل ہے جس میں ذائقہ بھی ہے اور اس میں خوشبو بھی ہے۔...... سنگتروں کے بیجوں کا غلاف سفید ہے جو مومن کے دل کے مشابہ ہے اور سنگتروں کے بہت فوائد ہیں جو طب کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں کہ سنگترہ زود ہضم ہوتا ہے اور اس کا رس دماغ کی کارکردگی میں اضافہ کرتا ہے وغیرہ۔ (فتح الباری جزء۹ صفحہ ۸۴)

فَذَاكَ فَضْلِي أُوتِيهِ مَنْ شِئْتُ: یہود و نصاریٰ نے کہا: ہم کام تو زیادہ کریں اور دیئے جائیں تھوڑا۔ تو اس نے کہا: کیا میں نے تمہیں تمہارے حق سے کم دیا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ تو اس نے کہا: پھر یہ میرا انعام ہے جس کو چاہوں دوں۔ حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ فرماتے ہیں:

> "إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِخَوَاتِيمِهَا یعنی عمل کا انحصار خاتمہ پر ہے۔ ایک کام شروع کر کے اس کو درمیان میں چھوڑ دینا نتیجہ خیز نہیں ہو سکتا۔ عمل کی قیمت تکمیلِ عمل سے ہے۔ اس نکتۂ معرفت کو سمجھانے کے لئے جو مثال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے وہ حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی دی ہے۔ (دیکھئے: متی باب ۲۰، آیت: ۱ تا ۱۶)... اللہ تعالیٰ کا فضل بھی تکمیلِ عمل پر ہوتا ہے نہ کثرتِ عمل پر۔ یہود و نصاریٰ نے کہا: نَحْنُ كُنَّا أَكْثَرَ عَمَلًا کہ ہم بہت عمل کرنے والے ہیں مگر باوجود اس کے فضل الٰہی یہود و نصاریٰ کے شامل حال نہ ہوا۔... بغیر عذر کے کام چھوڑ دینا انسان کو کسی ثواب کا مستحق نہیں ٹھہراتا۔ فَقَالُوا لَا حَاجَةَ لَنَا إِلَى أَجْرِكَ۔ یہود و نصاریٰ نے کہا: ہمیں تیری مزدوری کی ضرورت نہیں۔ یہ کہہ کر بغیر کسی معقول سبب کے کام چھوڑ دیا اور اپنا معاہدہ پورا نہ کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اجر سے محروم ہو گئے۔" (صحیح بخاری ترجمہ و شرح، جلد اوّل صفحہ ۶۵۶)

قرآن کریم نے اس مضمون کو سورۃ فاتحہ میں بیان فرمایا ہے کہ ایسے انعام یافتہ گروہ میں شامل ہونے کی دعا کرو جو انعام سے کبھی محروم نہ ہوں اور ان لوگوں کے انجام سے بچنے کی دعا کرو جو انعام پانے کے بعد اس انعام سے

محروم ہو گئے جیسے یہود و نصاریٰ انعام ملنے کے بعد پھر اپنی شامت اعمال کی وجہ سے اس انعام سے محروم ہو گئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی دائمی سنت ہے کہ وہ کسی قوم سے انعام نہیں چھینتا جب تک وہ قوم اس انعام کی ناقدری کر کے خود اس انعام کو نہ چھوڑ دے۔ یہی بات اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے جواب میں فرمائی کہ یہ انعام ان تک رہے گا جو ظالم نہیں ہوں گے۔ فرمایا: لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ (البقرة:۱۲۵)(ہاں مگر) ظالموں کو میرا عہد نہیں پہنچے گا۔ نیز ایک اور جگہ اسی سنت کا اعادہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ (الرعد:۱۲) اللہ کبھی بھی کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنی اندرونی حالت کو نہ بدلے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ آج ہمیں خلافت کا جو انعام دیا گیا ہے یہ بھی ایمان اور عمل صالح کے ساتھ مشروط ہے۔ ہاں انعام پانے والا یہ آخرین کا گروہ اگر اس انعام کی قدر کرے گا اور ان کا ایمان اور عمل صالح اس کی تصدیق کرے گا تو اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہمیشہ پورا ہو گا کہ یہ خلافت دائمی ہے اور اس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہو گا۔

بَاب١٨ : الْوَصَاةُ بِكِتَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ

اللہ عزوجل کی کتاب پر عمل کرنے کی وصیت کرنا

٥٠٢٢ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ مِغْوَلٍ حَدَّثَنَا طَلْحَةُ قَالَ سَأَلْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ أَبِي أَوْفَى آوْصَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا فَقُلْتُ كَيْفَ كُتِبَ عَلَى النَّاسِ الْوَصِيَّةُ أُمِرُوْا بِهَا وَلَمْ يُوْصِ قَالَ أَوْصَى بِكِتَابِ اللّٰهِ.

۵۰۲۲: محمد بن یوسف (فریابی) نے ہم سے بیان کیا کہ مالک بن مِغْوَل نے ہمیں بتایا۔ (انہوں نے کہا:) طلحہ (بن مصرف) نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ سے پوچھا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت بھی کی؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ میں نے کہا کہ لوگوں پر وصیت کیسے فرض کی گئی۔ انہیں تو اس کا حکم دیا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت نہیں کی۔ (عبداللہ نے) کہا: آپؐ نے کتاب اللہ پر عمل کرنے کی وصیت کی۔

أطرافه: ٢٧٤٠، ٤٤٦٠۔

تشریح: اَلْوَصَاةُ بِكِتَابِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: اللہ عزوجل کی کتاب پر عمل کرنے کی وصیت کرنا۔
اہل سنت واہل تشیع کے درمیان صدیوں سے یہ مسئلہ موضوع بحث ونزاع رہا ہے کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد کسی کے حق میں خلافت کی وصیت کی تھی یا نہیں۔ شیعہ حضرات کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے وصال سے پہلے جو یہ فرمایا: هَلُمُّوا أَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَا تَضِلُّوا بَعْدَهُ (بخاری، کتاب المغازی، بَابُ مَرَضِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوَفَاتِهِ، روایت نمبر ۴۴۳۲) آؤ میں تمہیں ایسی وصیت لکھ دوں کہ اس کے بعد تم نہیں بھٹکو گے۔ یہ وصیت حضرت علیؓ کے حق خلافت سے متعلق تھی جو حضرت عمرؓ نے یہ کہہ کر کہ کتاب اللہ ہمارے لیے کافی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھنے نہیں دی۔ اس موقع پر بعض صحابہؓ کی رائے تھی کہ تحریر لکھوا لی جائے جبکہ بعض صحابہؓ کا خیال تھا جیسا کہ حضرت عمرؓ نے کہا کہ حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ۔ اس پر کچھ تکرار ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس شور نہ کرو۔ باہر چلے جاؤ۔ اس روایت میں یہ ذکر ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے محبوب آقا کی تکلیف کا احساس کرکے ایسا کہا۔ اس احساس کے مقابل محض قیاس سے یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کی خلافت کے بارے میں وصیت کرنا چاہتے تھے، محض قیاس ہے جس کی کوئی دلیل نہیں۔ جبکہ حضرت عمرؓ کی بات واقعات کے مطابق اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء مبارک کے عین مطابق تھی۔ قیاس یقین کا درجہ نہیں رکھتا۔ اور اس قیاس پر اصرار دوسری غلطی ہے۔ حضرت عمرؓ نے جو کہا وہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء مبارک تھی۔ واقعات اس کی تصدیق کرتے ہیں کیونکہ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بقیہ ایامِ حیات میں اس بات کا اعادہ نہیں فرمایا اور نہ ہی حضرت علیؓ و دیگر صحابہ میں سے کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دوبارہ آپؐ کی یہ وصیت لکھوانے کی درخواست کی۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام صحابہؓ حضرت عمرؓ کے اس جملے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاموشی سے اسی نتیجے پر پہنچے تھے جو حضرت عمرؓ نے کہا تھا۔

ایک بحث یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت آپؐ کے پاس کون تھے۔ امام بخاری نے کتاب الوصایا (بَابُ الْوَصَايَا وَقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَصِيَّةُ الرَّجُلِ مَكْتُوبَةٌ عِنْدَهُ، روایت نمبر ۲۷۴۱) میں حضرت عائشہؓ کی روایت نقل کی ہے کہ ذَكَرُوا عِنْدَ عَائِشَةَ أَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا كَانَ وَصِيًّا فَقَالَتْ مَتَى أَوْصَى إِلَيْهِ وَقَدْ كُنْتُ مُسْنِدَتَهُ إِلَى صَدْرِي أَوْ قَالَتْ حَجْرِي فَدَعَا بِالطَّسْتِ فَلَقَدِ انْخَنَثَ فِي حَجْرِي فَمَا شَعَرْتُ أَنَّهُ قَدْ مَاتَ فَمَتَى أَوْصَى إِلَيْهِ۔ (بعض لوگوں) نے حضرت عائشہؓ کے پاس یہ ذکر کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہما (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے) وصی تھے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو کب وصی بنایا تھا، حالانکہ میں تو آپؐ کو وفات کے وقت اپنے سینے سے سہارا دیئے ہوئے تھی۔ یا کہا: اپنی گود میں لئے ہوئے تھی۔ آپؐ نے طشت منگوایا اور میری گود ہی میں آپؐ جھک گئے اور مجھے پتہ ہی نہ لگا کہ آپؐ فوت ہوگئے ہیں۔ تو آپؐ نے حضرت علیؓ کے حق میں کب وصیت کی تھی؟ امام بخاری نے اِس روایت سے اُس روایت کا ردّ کیا ہے جو حاکم اور ابن سعد وغیرہ نے نقل کی ہے کہ آپؐ حضرت علیؓ کی گود میں فوت ہوئے۔ امام ابن حجر کی تحقیق میں

حاکم وغیرہ کی یہ روایت مختلف سندوں سے نقل کی گئی ہے اور ہر سند میں کوئی نہ کوئی شیعہ راوی ہے لہٰذا قابل التفات نہیں۔ (فتح الباری جزء۸ صفحہ ۷۴۱، ۷۵۱)

بَاب ١٩ : مَنْ لَّمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ

جس نے قرآن کو خوش الحانی سے نہ پڑھا

وَقَوْلُهُ تَعَالَى ﴿اَوَ لَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ﴾. (العنكبوت: ٥٢)

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا: کیا انہیں کافی نہیں کہ ہم نے تجھ پر یہ کتاب اُتاری ہے جو ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے۔

٥٠٢٣: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَأْذَنِ اللهُ لِشَيْءٍ مَا أَذِنَ لِلنَّبِيِّ أَنْ يَّتَغَنَّى بِالْقُرْآنِ. وَقَالَ صَاحِبٌ لَهُ يُرِيْدُ يَجْهَرُ بِهِ.

۵۰۲۳: یحيٰ بن بکیر نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: لیث نے مجھے بتایا۔ انہوں نے عقیل سے، عقیل نے ابن شہاب سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: مجھے ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے بتایا کہ وہ کہتے تھے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے کسی چیز کو بھی اتنی توجہ سے نہیں سنا، جتنا کہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو توجہ سے سنا جبکہ وہ قرآن خوش الحانی سے پڑھ رہے ہوں۔ اور ابوسلمہ کے ایک دوست نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ بلند آواز سے پڑھتے ہوں۔

أطرافه: ٥٠٢٤، ٧٤٨٢، ٧٥٤٤۔

٥٠٢٤: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا أَذِنَ

۵۰۲۴: علی بن عبد اللہ نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان (بن عیینہ) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے زہری سے، زہری نے ابوسلمہ (بن عبد الرحمٰن) سے، ابوسلمہ نے حضرت ابوہریرہؓ سے، حضرت

اللّٰهُ لِشَيْءٍ مَا أَذِنَ لِلنَّبِيِّ أَنْ يَّتَغَنَّى بِالْقُرْآنِ. قَالَ سُفْيَانُ تَفْسِيْرُهُ يَسْتَغْنِي بِهِ.

ابو ہریرہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ نے کسی بات کو اتنی توجہ سے نہیں سنا جتنی توجہ سے اس نے نبی (ﷺ) کو قرآن خوش الحانی سے پڑھتے ہوئے سنا۔ سفیان نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ وہ قرآن کے ذریعہ سے (تمام دوسری کتابوں سے) بے پرواہ ہو جائے۔

أطرافُه: ۵۰۲۳، ۷۴۸۲، ۷۵۴۴۔

تشریح: مَنْ لَّمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ: جس نے قرآن کو خوش الحانی سے نہ پڑھا۔ عنوانِ باب کے الفاظ ایک حدیث کے ہیں جو امام بخاری کتاب التوحید میں لائے ہیں۔ فرمایا: لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ (روایت نمبر ۷۵۲۷) یعنی وہ ہم میں سے نہیں ہے جس نے قرآن کو خوش الحانی سے نہ پڑھا۔

اسلام چونکہ دین فطرت ہے اور فطرتِ انسانی میں اللہ تعالیٰ نے خوبصورت اور سریلی آوازوں کے سننے کی حس اور لذت پیدا کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر حس کی تسکین کے لیے اس کے مناسبِ حال سامان پیدا کیے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کا اگر صحیح استعمال کیا جائے تو اس نعمت کے شکر کا صحیح معنوں میں حق ادا ہو گا۔ اور یہ بات کائنات میں اللہ تعالیٰ کے لا محدود نظام میں جابجا نظر آتی ہے۔ کہیں پرندوں کی چہچہاہٹ، کہیں بادِ نسیم کے ساتھ پتوں کے ہلنے کی آوازیں، کہیں آبشاروں سے گرتے ہوئے پانی کی آوازیں، غرض کائنات میں پھیلی ہوئی تمام آوازیں اپنے اندر ایک خاص صوتی حسن رکھتی ہیں اور انسان تو انسان جانور بلکہ حشرات الارض بھی ان آوازوں سے متاثر ہوتے ہیں۔ یہ آوازیں کبھی خوش کرتی ہیں اور کبھی اپنی گرج کے ساتھ خوف بھی پیدا کرتی ہیں۔ اور یوں کائنات کا حسن ہر سو ایک نئی شان میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس کی کنہ اور حقیقت کو انسان نہیں پا سکتا۔ اللہ تعالیٰ جو خالق و مالک ہے وہی بہتر جانتا ہے کہ ان لاتعداد آوازوں کے اندر کس قدر مقاصد، اغراض اور حکمتیں پنہاں ہیں۔ فطرتِ انسانی کے مطابق ہر اچھی آواز جو انسان کے اندر خدا تعالیٰ کی محبت اور عظمت پیدا کرے اسے سننا محبت الٰہی میں ترقی کا باعث ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے کلام کو خوش الحانی سے پڑھی جانے والی آواز یقیناً انسان کے اندر اس کی محبت، عظمت اور تعلق بڑھانے کا باعث ہو گی۔ بلاشبہ کلامِ الٰہی کو محبت اور توجہ سے سننا خدا کے رحم کو جذب کرنے کا ذریعہ ہے جیسا کہ فرمایا: وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَأَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ (الاعراف: ۲۰۵) اور (اے لوگو!) جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو سنا کرو اور چپ رہا کرو۔ تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ نیز اسلام نے دن میں پانچ دفعہ خدا کی

توحید اور اس کے رسولؐ کی رسالت، خدا کی عبادت اور انسان کی فلاح پر مشتمل اعلان کو اذان کی صورت میں باآواز بلند دہرانے کا حکم دیا ہے جس سے ہر قسم کی شیطانی طاقتیں سرنگوں ہو کر بھاگتی ہیں اور خدا تعالیٰ کی منشاء کے مطابق انسان کی فلاح، رشد اور ترقیات کے سامان پیدا کیے جاتے ہیں۔

دنیا میں یہ عام محاورہ بیان کیا جاتا ہے کہ موسیقی روح کی غذا ہے جسے لوگوں نے گندے قسم کے نغمات اور شہوانی جذبات انگیخت کرنے والی آوازوں اور اداؤں سے منسوب کر رکھا ہے۔ یہ بگڑی ہوئی فطرت کی طلب تو ہو سکتی ہے، فطرت صحیحہ کی ترجمان اسے نہیں کہا جا سکتا۔ فطرت انسانی یہ ہے، فرمایا: فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا۔ (الروم: ۳۱) یعنی اللہ کی (پیدا کی ہوئی) فطرت کو اختیار کر (وہ فطرت) جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ پس اس فطرتِ انسانی کی غذا ذراتِ کائنات سے اٹھنے والی آوازیں ہیں جو خالق و مالک کے وجود کا پتا دیتی اور اس کی طرف راہنمائی کرتی ہیں۔ وہی دراصل روح کی غذا ہیں اور یہ آوازیں کائنات عالم میں ہر سو سنائی دیتی ہیں۔ اس مضمون کو حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ رضی اللہ عنہا نے ایک فلسفی کو خالق و مالک کی راہ دکھاتے ہوئے یوں نظم کیا ہے:

مجھے دیکھ طالبِ منتظر مجھے دیکھ شکلِ مجاز میں
جو خلوصِ دل کی رمق بھی ہے ترے ادعائے نیاز میں
ترے دل میں میرا ظہور ہے ترا سر ہی خود سرِ طور ہے
تری آنکھ میں مرا نور ہے مجھے کون کہتا ہے دور ہے
مجھے دیکھتا جو نہیں ہے تو، یہ تری نظر کا قصور ہے
مجھے دیکھ طالبِ منتظر مجھے دیکھ شکلِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں تری جبینِ نیاز میں
مجھے دیکھ رفعت کوہ میں مجھے دیکھ پستی کاہ میں
مجھے دیکھ عجزِ فقیر میں مجھے دیکھ شوکتِ شاہ میں
نہ دکھائی دوں تو یہ فکر کر کہیں فرق ہو نہ نگاہ میں
مجھے دیکھ طالبِ منتظر مجھے دیکھ شکلِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں تری جبینِ نیاز میں
مجھے ڈھونڈ دل کی تڑپ میں تو مجھے دیکھ روئے نگار میں
کبھی بلبلوں کی صدا میں سن کبھی دیکھ گل کے نکھار میں
میری ایک شان خزاں میں ہے میری ایک شان بہار میں

مجھے دیکھ طالبِ منتظر مجھے دیکھ شکلِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں تری جبینِ نیاز میں
میرا نور شکلِ ہلال میں مرا حسن بدرِ کمال میں
کبھی دیکھ طرزِ جمال میں کبھی دیکھ شانِ جلال میں
رگِ جاں سے ہوں میں قریب تر، ترا دل ہے کس کے خیال میں
مجھے دیکھ طالبِ منتظر مجھے دیکھ شکلِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں تری جبینِ نیاز میں

(درِّعدن، نشانِ حقیقت کی آرزو، صفحہ ۷۱، ۷۲)

قَالَ سُفْيَانُ تَفْسِيرُهُ يَسْتَغْنِي بِهِ: امام بخاری نے سفیان ثوری کے حوالے سے يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ کے یہ معنی بھی کیے ہیں کہ وہ قرآن کے ذریعہ سے (تمام دوسری کتابوں سے) بے پرواہ ہو جائے۔ یعنی قرآن کریم اس کی تمام ضرورتوں کا کفیل وضامن ہو۔ انہی معنوں کی تائید میں امام بخاری عنوانِ باب میں سورۂ عنکبوت کی یہ آیت لائے ہیں: اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ (العنکبوت:۵۲) کیا انہیں کافی نہیں کہ ہم نے تجھ پر یہ کتاب اُتاری ہے جو ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”قرآن کریم قیامت تک آنے والے لوگوں کے لئے کس طرح کافی ہو سکتا ہے جبکہ ہر زمانہ اپنے ساتھ نئی ضروریات لاتا اور نئے تغیرات پیدا کرتا ہے۔ اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شبہ کے ازالہ کے لئے فرمادیا کہ قرآن کریم کے سات بطن ہیں۔ عام طور پر لوگوں نے اس حدیث کو پوری طرح نہیں سمجھا۔ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ مختلف زمانوں کے تغیرات کے مطابق قرآن کریم کی آیات کے معنے کھلتے جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ پہلے لوگوں کو قرآن کریم کی کئی آیات کے وہ معنے نظر نہ آئے جو بعد میں تغیر آنے والے زمانہ کے لوگوں کو نظر آئے۔ اب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرآن کریم کے جو نکات اور معارف نکالے وہ قرآن کریم میں نئی آیات داخل کر کے نہیں نکالے آیات وہی تھیں ہاں آپ پر اس زمانہ کے مطابق ان کا بطن ظاہر ہوا۔ چونکہ زمانہ کے حالات بدلتے رہتے ہیں اور موجودہ زمانہ مذہب کے متعلق امن اور صلح کا زمانہ تھا اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قرآن کریم

سے امن کے احکام اور صلح کی تعلیم پیش فرمائی اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو واضح الفاظ میں فرمایا ہے کہ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ○ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَ كَفَرَ ○ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ○ (الغاشیة: ۲۳) یعنی تجھے اس لئے نہیں بھیجا گیا کہ تُو لوگوں سے جبری طور پر اپنا مذہب منوائے۔ نہ ہم نے اُن پر جبر کرنے کے لئے بھیجا ہے جو منہ پھیر لیتے ہیں اور کفر اختیار کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو سزا دینا خدا کا کام ہے، تیرا کام نہیں۔ کیونکہ خدا دلوں کے حالات کو جانتا ہے تو نہیں جانتا۔

یہ دوسرا بطن تھا جو اس زمانہ کے حالات کے مطابق آپ پر کھولا گیا۔ اور اسلام کی تائید میں تلوار اُٹھانے سے منع کیا گیا۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ قرآن کریم کے سات بطن ہیں اس کے ایک معنے یہ ہیں کہ دنیا میں سات بڑے بڑے تغیرات آئیں گے اور ہر تغیر کے زمانہ میں لوگوں کے ذہن بدل جائیں گے۔ اس وقت خدا تعالیٰ قرآن کریم کے ایسے معنے کھول دے گا جو لوگوں کے اس وقت کے ذہنوں اور قلوب کو تسلی دینے والے ہوں گے۔ اس زمانہ میں بیسیوں مسائل ایسے رنگ میں کھلے ہیں کہ پہلے ان کی ضرورت اور اہمیت محسوس نہیں کی جاسکتی تھی مثلاً آیات قرآنی کے نسخ کا مسئلہ ہے۔ پہلے ایسے وقت میں نسخ کا سوال پیدا ہوا کہ اس وقت کے لوگوں کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ کیونکہ ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل تھا۔ پس باوجود نسخ کے عقیدہ کے یہ بات قرآن کریم کی سچائی کے معلوم کرنے میں روک نہ بن سکتی تھی لیکن جب ایسا زمانہ آیا کہ لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے دور ہوئے اور دنیا کے ذہنی اور علمی تغیر کے مطابق قرآن کریم کی آیات کے معنے نہ کرسکے تو کہنے لگے یہ آیت بھی منسوخ ہے اور وہ آیت بھی منسوخ ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کھڑا کیا اور آپ نے ثابت کیا کہ قرآن کریم کی کوئی آیت ان معنوں میں منسوخ نہیں ہے کہ اس پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔ اور جن آیات کو منسوخ قرار دیا جاتا تھا ان کے ایسے معنے بیان فرمائے جنہیں لوگوں کی عقلیں بآسانی قبول کرسکتی ہیں۔ یہ ان آیات کا دوسرا بطن تھا جو خدا تعالیٰ نے آپ پر کھولا۔

تو قرآن کریم کے سات بطن سے مراد سات عظیم الشان ذہنی اور عقلی اور علمی تغیرات ہوسکتے ہیں اور اس میں بتایا گیا ہے کہ ہر ایسے تغیر میں قرآن کریم قائم رہے گا اور کوئی یہ نہیں کہہ

سکے گا کہ ہمارے زمانہ کی ضروریات کو قرآن پورا نہیں کرتا۔ باقی الہامی کتابیں تو ایسی ہیں کہ جن کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں کہ جب زمانہ بدلا اور دنیا میں تغیر آیا تو ان کتب میں جو کلام تھا اس کے وہ معنے نہ نکلے جو اس زمانہ کے ذہنوں کے مطابق ہوتے۔ اس لئے وہ قابلِ عمل نہ رہیں مگر قرآن کریم کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جوں جوں دنیا میں تغیر آتے جائیں گے اور لوگ قرآن پڑھیں گے اس زمانہ کی ضروریات کو پورا کرنے والا مفہوم اس میں سے نکلتا آئے گا اور لوگ تسلیم کریں گے کہ ہاں قرآن کریم ہی اس زمانہ کے لئے بھی کافی ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی اس زمانہ کے لئے بھی رسول ہیں۔"

(تفسیر کبیر، سورۃ العنکبوت، جلد ۷ صفحہ ۶۶۵، ۶۶۶)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ مزید فرماتے ہیں:

"اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کریم نے کہا ہے کہ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (البینۃ:۴) یعنی اس کے اندر تمام ایسی تعلیمیں پائی جاتی ہیں جو قیامت تک کام آنے والی ہیں اور کوئی ایسی تعلیم جو دائمی ہو اس سے باہر نہیں رہی۔" (تفسیر کبیر، سورۃ العنکبوت، جلد ۷ صفحہ ۶۶۷)

آپؓ مزید فرماتے ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ ہر زمانہ کی ضرورت کے مطابق اس کے نئے نئے معانی اور مطالب نکلتے آئیں گے کیونکہ یہ مجید خدا کا نازل کردہ کلام ہے جو كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ (الرحمٰن: ۳۰) کا مصداق ہے۔ جب نئے معنوں میں یہ چیزیں پائی جاتی ہوں کہ قرآنی آیات ان کی مصدّق ہوں، فطرت انسانی ان کی تصدیق کرے اور پھر لغت عرب بھی ان کے خلاف نہ ہو تو وہ ٹھیک ہوں گے۔" (تفسیر کبیر، سورۃ العنکبوت، جلد ۷ صفحہ ۶۶۹)

آپؓ مزید فرماتے ہیں:

"پس قرآن کریم نہ فیل ہوا نہ آئندہ کبھی فیل ہوگا بلکہ یہ قیامت تک فیل نہیں ہوگا۔ زمین بدل سکتی ہے، آسمان بدل سکتا ہے، ایک قوم کی جگہ دوسری قوم آسکتی ہے، ایک حکومت مٹے تو اس کی جگہ دوسری حکومت آسکتی ہے، زبانیں مٹ سکتی ہیں لیکن قرآن کریم کبھی فیل نہیں ہو سکتا۔ یہ خدا تعالیٰ کا نازل کردہ آخری قانون ہے جو ہمیشہ قائم رہے گا۔ اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ یہ فیل ہو گیا ہے وہ جھوٹ بولتا ہے اور ہم اب بھی اسے چیلنج کرتے ہیں کہ وہ قرآن کریم

کے چند ایسے احکام پیش کرے جو ناقابل عمل ہوں یا وہ کچھ ایسی باتیں پیش کرے جو نہایت مفید اور اعلیٰ درجہ کی تعلیمات پر مشتمل ہوں اور بہائیت میں ہوں قرآن کریم میں نہ ہوں۔“
(تفسیر کبیر، سورۃ العنکبوت، جلد ۷ صفحہ ۶۷۰)

آپؓ مزید فرماتے ہیں:
”دراصل بات یہ ہے کہ بہائیوں نے قرآن کریم کی تعلیم میں سے بعض پوائنٹ لے کر انہیں ایک علیحدہ تعلیم کے رنگ میں پیش کر دیا ہے ورنہ ہر سچائی قرآن کریم میں موجود ہے۔ اور پھر ان لوگوں کی اپنی حالت یہ ہے کہ جب عباس آفندی امریکہ سے واپس آیا تو اس نے لکھا کہ میں سب سے پہلے بہاء اللہ کی قبر پر نماز پڑھنے گیا اور میں نے وہاں سجدہ کیا۔ اس قدر شرک میں ملوث ہوتے ہوئے یہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کریم فیل ہو گیا ہے اور اس کی جگہ بہائیت نے لے لی ہے۔ حالانکہ قرآن کریم وہ کتاب ہے جس نے دنیا سے بت پرستی کا قلع قمع کر دیا تھا۔ لیکن بہائیوں نے دوبارہ بت پرستی شروع کر دی ہے۔ کون عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ قبر کی مٹی پر سجدہ کرنا کسی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ اور کیا ایسا مذہب اسلام کے آگے ٹھہر سکتا ہے جس نے عرب سے شرک کو کلی طور پر مٹا دیا تھا اور جس کے بانی نے مرض الموت میں بار بار کہا کہ اللہ تعالیٰ یہود اور نصاریٰ پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔ ایسے عظیم الشان مذہب کے متعلق بہائیوں کا یہ کہنا کہ اسلام فیل ہو گیا ہے نہایت احمقانہ بات ہے۔“ (تفسیر کبیر، سورۃ العنکبوت، جلد ۷ صفحہ ۶۷۰، ۶۷۱)

بَاب ۲۰: اِغْتِبَاطُ صَاحِبِ الْقُرْآنِ

عالم قرآن پر رشک کرنا

۵۰۲۵: حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

۵۰۲۵: ابوالیمان نے ہم سے بیان کیا کہ شعیب نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے زہری سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: سالم بن عبداللہ نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

يَقُوْلُ لَا حَسَدَ إِلَّا عَلَى اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللهُ الْكِتَابَ وَقَامَ بِهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَرَجُلٌ أَعْطَاهُ اللهُ مَالًا فَهُوَ يَتَصَدَّقُ بِهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ.

طرفه: ۷۵۲۹۔

سنا۔ آپؐ فرماتے تھے: کسی پر رشک نہیں کرنا چاہیے مگر دو شخصوں پر۔ ایک وہ شخص جس کو اللہ نے کتاب (قرآن) دی ہو اور وہ رات کی گھڑیوں میں اُٹھ کر اس کو پڑھتا ہے اور ایک وہ شخص جس کو اللہ نے مال دیا ہو اور وہ رات دن اس کو صدقات میں خرچ کرتا ہے۔

٥٠٢٦: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ حَدَّثَنَا رَوْحٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سُلَيْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ ذَكْوَانَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ عَلَّمَهُ اللهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَتْلُوْهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ فَسَمِعَهُ جَارٌ لَّهُ فَقَالَ لَيْتَنِي أُوْتِيْتُ مِثْلَ مَا أُوْتِيَ فُلَانٌ فَعَمِلْتُ مِثْلَ مَا يَعْمَلُ وَرَجُلٌ آتَاهُ اللهُ مَالًا فَهُوَ يُهْلِكُهُ فِي الْحَقِّ فَقَالَ رَجُلٌ لَيْتَنِي أُوْتِيْتُ مِثْلَ مَا أُوْتِيَ فُلَانٌ فَعَمِلْتُ مِثْلَ مَا يَعْمَلُ.

أطرافه: ۷۲۳۲، ۷۵۲۸۔

۵۰۲٦: ہمیں علی بن ابراہیم نے بتایا کہ ہم سے روح (بن عبادہ) نے بیان کیا کہ ہمیں شعبہ نے سلیمان (بن مہران اعمش) سے روایت کرتے ہوئے بتایا۔ انہوں نے کہا: میں نے ذکوان سے سنا۔ وہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رشک نہیں کرنا چاہیے مگر دو ہی آدمیوں پر۔ ایک وہ شخص جس کو اللہ نے قرآن کا علم دیا ہو اور وہ اس کو رات دن پڑھتا ہے اور اس کے پڑوسی نے اس کو سنا اور کہا: اے کاش مجھے بھی ویسے ہی دیا جائے جو فلاں کو دیا گیا اور پھر میں بھی ویسے ہی کروں جیسے یہ کرتا ہے۔ اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ نے مال دیا ہو اور وہ اسے حق میں خرچ کرتا ہے۔ پھر ایک شخص کہے کاش مجھے بھی ویسے ہی دیا جائے جو فلاں کو دیا گیا، پھر میں بھی وہی کروں جو وہ کرتا ہے۔

تشریح: **اِغْتِبَاطُ صَاحِبِ الْقُرْآنِ:** عالم قرآن پر رشک کرنا۔ کسی کی نعمت کے زوال کی تمنا کرنا حسد کہلاتا ہے اور یہ منع ہے اور کبھی حسد کا اطلاق غبط (رشک) پر بھی ہوتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ دوسروں کو جو نعمت ملی ہے اپنے لئے اس کی خواہش کرنا۔ اس حدیث میں حسد کا یہی معنی مراد ہے اور یہ ایک اچھی تمنا ہے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''انسانی اخلاق خدا کے اخلاق کا پَرتوہ ہیں۔ جب خدا نے روحوں کو پیدا کیا تو جس طرح باپ کے اخلاق کا بیٹوں میں اثر آجاتا ہے ایسا ہی بندوں میں اپنے خدا کا اثر آگیا۔... خدا نے جو انسان کو اپنی طرف بلایا ہے اس لئے اس نے پہلے سے پرستش اور عشق کے مناسب حال قوتیں اس میں رکھ دی ہیں۔ پس وہ قوتیں جو خدا کی طرف سے ہیں خدا کی آواز کو سُن لیتی ہیں۔ اسی طرح جب خدا نے چاہا کہ انسان خدا کی معرفت میں ترقی کرے تو اس نے پہلے سے ہی انسانی رُوح میں معرفت کے حواس پیدا کر رکھے ہیں اور اگر وہ پیدا نہ کرتا تو پھر کیونکر انسان اس کی معرفت حاصل کر سکتا تھا۔ انسان کی رُوح میں جو کچھ ہے دراصل خدا سے ہے اور وہ خدا کی صفات ہیں جو انسانی آئینہ میں ظاہر ہیں ان میں سے کوئی صفت بُری نہیں بلکہ ان کی بد استعمالی اور ان میں افراط تفریط کرنا بُرا ہے شاید کوئی جلدی سے یہ اعتراض کرے کہ انسان میں حسد ہے، بغض ہے اور دوسری صفات ذمیمہ ہوتے ہیں پھر وہ کیونکر خدا کی طرف سے ہو سکتے ہیں پس واضح رہے کہ جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں دراصل تمام انسانی اخلاق الٰہی اخلاق کا ظل ہیں کیونکہ انسانی رُوح خدا سے ہے لیکن کمی یا زیادتی یا بد استعمالی کی وجہ سے وہ صفات ناقص انسانوں میں مکروہ صورت میں دکھائی دیتے ہیں۔ مثلاً حسد انسان میں ایک بہت بُرا خُلق ہے جو چاہتا ہے کہ ایک شخص سے ایک نعمت زائل ہو کر اس کو مل جائے لیکن اصل کیفیت حسد کی صرف اس قدر ہے کہ انسان اپنے کسی کمال کے حصول میں یہ روا نہیں رکھتا کہ اس کمال میں اُس کا کوئی شریک بھی ہو پس درحقیقت یہ صفت خدا تعالیٰ کی ہے جو اپنے تئیں ہمیشہ وحدہٗ لاشریک دیکھنا چاہتا ہے۔ پس ایک قسم کی بد استعمالی سے یہ عمدہ صفت قابلِ نفرت ہو گئی ہے ورنہ اس طرح پر یہ صفت مذموم نہیں کہ کمال میں سب سے زیادہ سبقت چاہے اور روحانیت میں تفرد اور یکتائی کے درجہ پر اپنے تئیں دیکھنا چاہے۔ (نسیمِ دعوت، روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۳۸۹، ۳۹۰)

بَاب ٢١: خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ

تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور اس کو سکھائے

٥٠٢٧: حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي عَلْقَمَةُ بْنُ مَرْثَدٍ سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيِّ عَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ. قَالَ وَأَقْرَأَ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ فِي إِمْرَةِ عُثْمَانَ حَتَّى كَانَ الْحَجَّاجُ قَالَ وَذَاكَ الَّذِي أَقْعَدَنِي مَقْعَدِي هَذَا.

طرفُه: ٥٠٢٨۔

۵۰۲۷: حجاج بن منہال نے ہم سے بیان کیا کہ شعبہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے کہا: علقمہ بن مرثد (حضرمی) نے مجھے بتایا۔ (انہوں نے کہا:) سعد بن عبیدہ سے میں نے سنا۔ انہوں نے ابو عبدالرحمٰن سلمی سے، ابو عبدالرحمٰن نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے، حضرت عثمانؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔ آپؐ نے فرمایا: تم میں بہتر وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور اس کو سکھائے۔ (سعد بن عبیدہ) کہتے تھے: اور ابو عبدالرحمٰن حضرت عثمانؓ کی امارت میں قرآن پڑھایا کرتے تھے یہاں تک کہ حجاج (بن یوسف) حاکم ہوا۔ اور (ابو عبدالرحمٰن) کہا کرتے تھے: اور اسی حدیث نے مجھے اس جگہ بٹھایا ہے جہاں بیٹھا ہوں۔

٥٠٢٨: حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيِّ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَفْضَلَكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ.

طرفُه: ٥٠٢٧۔

۵۰۲۸: ابونعیم نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان (ثوری) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے علقمہ بن مرثد سے، علقمہ نے ابوعبدالرحمٰن سلمی سے، ابوعبدالرحمٰن نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے افضل وہ ہے جو قرآن سیکھے اور اسے سکھائے۔

۵۰۲۹: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ إِنَّهَا قَدْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلَّهِ وَلِرَسُوْلِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا لِي فِي النِّسَاءِ مِنْ حَاجَةٍ فَقَالَ رَجُلٌ زَوِّجْنِيْهَا قَالَ أَعْطِهَا ثَوْبًا قَالَ لَا أَجِدُ قَالَ أَعْطِهَا وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيْدٍ فَاعْتَلَّ لَهُ فَقَالَ مَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ قَالَ كَذَا وَكَذَا قَالَ فَقَدْ زَوَّجْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ.

۵۰۲۹: عمرو بن عون نے ہم سے بیان کیا کہ حماد (بن زید) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ابوحازم سے، ابوحازم نے سہل بن سعد سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ اس نے اپنے آپ کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وقف کر دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: مجھے اب عورتوں کی حاجت نہیں۔ ایک شخص بولا: مجھ سے اس کی شادی کر دیں۔ آپؐ نے فرمایا: اس کو کپڑا دو۔ اس نے کہا: میرے پاس تو نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: اس کو دو، گو لوہے کی انگوٹھی ہی۔ پھر اس نے آپؐ سے (یہی) عذر کیا۔ آپؐ نے فرمایا: تمہیں کچھ قرآن یاد ہے؟ اس نے کہا: فلاں فلاں (سورۃ مجھے یاد ہے) آپؐ نے فرمایا: میں نے تمہارا اس سے نکاح انہی (سورتوں) کے عوض میں کر دیا جو تمہیں قرآن سے یاد ہیں۔

أطرافُه: ۲۳۱۰، ۵۰۳۰، ۵۰۸۷، ۵۱۲۱، ۵۱۲۶، ۵۱۳۲، ۵۱۳۵، ۵۱۴۱، ۵۱۴۹، ۵۱۵۰، ۵۸۷۱، ۷۴۱۷۔

تشریح: خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ: تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور اس کو سکھائے۔ قرآن کریم کو سیکھنے اور سکھانے کے حوالے سے حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے ایک بہت خوبصورت اور مجرب طریق بیان فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

”ہم نے ایک راہ کا تجربہ کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ انسانی دل میں سچی تڑپ اور پیاس علوم قرآنی کے حصول کے واسطے پیدا کر کے تقویٰ تام سے دعائیں کرے اور اس طرح سے قرآن شریف شروع کرے۔

دورِ اول: خود تنہا ایک مترجم قرآن شریف لے کر جس کا ترجمہ لفظی ہو انسان کی اس میں اپنی ملاوٹ کچھ نہ ہو اور اس کے واسطے مَیں شاہ رفیع الدین صاحب علیہ الرحمۃ کا ترجمہ پسند کرتا ہوں لیکن ہر روز بقدرِ طاقت بلاناغہ کچھ حصہ قرآن کا پڑھا کرے اور لفظوں کے معنوں میں غور کرے پھر جہاں آدم اور شیطان کا حال مذکور ہو اپنے نفس میں غور کرے کہ آیا مَیں آدم ہوں یا کہ ابلیس، موسیٰ ہوں کہ فرعون۔ مجھ میں یہودیوں کے خصائل ہیں یا کہ مسلمانوں کے۔ اور اسی طرح سے عذاب کی آیات سے ڈرے اور پناہ مانگے اور رحمت کی آیات سے خوش ہو اور اپنے کو رحمت کا مورَد بننے کے واسطے دعائیں کرے ہر روز درود، دعا، استغفار اور لاحَول پڑھ کر شروع کرے اور اسی طرح ختم کرے۔ اِسی سے دَورِ اول ختم کر دیوے۔ اور اس دَور میں ایک نوٹ بک پاس رکھے، مشکل مقامات اس میں نوٹ کرتا جاوے۔

پھر دَورِ دوم شروع کرے اور اس میں اپنی بیوی کو سامنے بٹھا کر سناوے اور یہ جانے کہ قرآن شریف ہم دونوں کے واسطے نازل ہوا ہے۔ بیوی خواہ توجہ کرے یا نہ کرے یہ سنائے جاوے اور پہلے دَور کی نسبت کسی قدر بسط کرتا جاوے اور پہلے طریق کی طرح اِس دَور کو بھی ختم کرے اور وہ پہلی نوٹ بک پاس رکھے اور اسے دیکھتا رہے پھر اس دَور میں یہ دیکھے گا کہ بہت سے وہ مشکل مقامات جو دَور اول میں نہیں سمجھتا تھا اس دور میں حل ہو جائیں گے۔ اس دَور ثانی کی بھی ایک الگ نوٹ بک تیار کرے۔

پھر اسی طرح سے دَورِ ثالث شروع کرے اور گھر کے بچوں، عورتوں اور پڑوسیوں کو بھی اس دَور میں شامل کرلے مگر وہ لوگ ایسے ہوں کہ کوئی اعتراض نہ کریں، اور پہلی اور دوسری دونوں نوٹ بکیں اپنے سامنے رکھے اس طرح اس دَور میں دیکھے گا بہت سے مشکلات جو پہلے دونوں دَوروں میں حل نہ ہوئے تھے اس دفعہ حل ہو جاویں گے۔ اس دور کی ایک الگ نوٹ بک تیار کرے۔

دَورِ ثالث کے بعد چوتھا دَور عام مجمع کے سامنے شروع کرے مگر سامعین ہوں۔ ان کے اعتراضات وغیرہ کے اگر جواب آتے ہوں تو دیتا جاوے ورنہ نوٹ بک میں نوٹ کرتا جاوے اور ان کے حل کے واسطے اللہ تعالیٰ کے حضور دردِ دل سے دعائیں کرتا رہے۔

اور پانچواں دَور شروع کر دے اور بلا امتیاز مسلمان و مشرک، کافر و مومن کو سنانا شروع کر

دے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور فیضان اس کا شامل حال ہو گا اور ایک بہت بڑا حصہ قرآن شریف کا اسے سکھا دیا جاویگا۔ اور باریک در باریک حقائق و معارف اور اسرار کلام ربانی اس پر کھولے جاویں گے۔ غرض یہ ہمارا مجرب اور آزمودہ طریقہ ہے۔ پس جس کو قرآن سے محبت اور علوم قرآن سیکھنے کی پیاس اور سچی تڑپ ہو وہ اس پر کاربند ہو کر دیکھ لے۔"

(حقائق الفرقان جلد اوّل صفحہ ۲ تا ۴)

بَاب ۲۲: اَلْقِرَاءَةُ عَنْ ظَهْرِ الْقَلْبِ

قرآن زبانی پڑھنا

۵۰۳۰: حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّ امْرَأَةً جَاءَتْ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللهِ جِئْتُ لِأَهَبَ لَكَ نَفْسِي فَنَظَرَ إِلَيْهَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَعَّدَ النَّظَرَ إِلَيْهَا وَصَوَّبَهُ ثُمَّ طَأْطَأَ رَأْسَهُ فَلَمَّا رَأَتِ الْمَرْأَةُ أَنَّهُ لَمْ يَقْضِ فِيْهَا شَيْئًا جَلَسَتْ فَقَامَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِهِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَكَ بِهَا حَاجَةٌ فَزَوِّجْنِيْهَا فَقَالَ لَهُ هَلْ عِنْدَكَ مِنْ شَيْءٍ فَقَالَ لَا وَاللهِ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ اذْهَبْ إِلَى أَهْلِكَ فَانْظُرْ هَلْ تَجِدُ شَيْئًا فَذَهَبَ

۵۰۳۰: قتیبہ بن سعید نے ہم سے بیان کیا کہ یعقوب بن عبد الرحمٰن نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ابوحازم (سلمہ بن دینار) سے، ابوحازم نے سہل بن سعد سے روایت کی کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی: یارسول اللہ! میں اس لئے آئی ہوں کہ اپنے تئیں آپؐ کو ہبہ کر دوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نظر اٹھا کر دیکھا اور نظر کو نیچے کر لیا اور پھر اپنا سر جھکا لیا۔ جب عورت نے دیکھا کہ آپؐ نے اس کے متعلق کچھ فیصلہ نہیں کیا تو بیٹھ گئی۔ آپؐ کے صحابہ میں سے ایک شخص اٹھا۔ اس نے کہا: یارسول اللہ! اگر آپؐ کو اس (عورت) کی حاجت نہیں تو مجھ سے اس کا نکاح کر دیجئے۔ آپؐ نے اس سے فرمایا: کیا تمہارے پاس کچھ ہے۔ اس نے کہا: یا رسول اللہ! بخدا کچھ نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: اپنے رشتہ داروں کے پاس جاؤ اور دیکھو

ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ لَا وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا وَجَدْتُ شَيْئًا قَالَ انْظُرْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيْدٍ فَذَهَبَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ لَا وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَا خَاتَمًا مِنْ حَدِيْدٍ وَلٰكِنْ هٰذَا إِزَارِي قَالَ سَهْلٌ مَا لَهُ رِدَاءٌ فَلَهَا نِصْفُهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَصْنَعُ بِإِزَارِكَ إِنْ لَبِسْتَهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهَا مِنْهُ شَيْءٌ وَإِنْ لَبِسَتْهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْكَ شَيْءٌ فَجَلَسَ الرَّجُلُ حَتّٰى طَالَ مَجْلِسُهُ ثُمَّ قَامَ فَرَآهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُوَلِّيًا فَأَمَرَ بِهِ فَدُعِيَ فَلَمَّا جَاءَ قَالَ مَاذَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ قَالَ مَعِي سُوْرَةُ كَذَا وَسُوْرَةُ كَذَا وَسُوْرَةُ كَذَا عَدَّهَا قَالَ أَتَقْرَؤُهُنَّ عَنْ ظَهْرِ قَلْبِكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ اذْهَبْ فَقَدْ مَلَّكْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ.

کیا تمہیں کچھ مل سکتا ہے۔ وہ گیا اور پھر لوٹ آیا اور کہنے لگا: نہیں، یارسول اللہ! بخدا مجھے کچھ نہیں ملا۔ آپؐ نے فرمایا: دیکھو، خواہ لوہے کی انگوٹھی ہی سہی۔ وہ گیا اور پھر لوٹ آیا اور کہنے لگا: یارسول اللہ! بخدا کچھ نہیں، لوہے کی انگوٹھی بھی نہیں مگر یہ میرا تہہ بند ہے۔ سہل کہتے تھے: اس کے پاس اوپر اوڑھنے کی چادر بھی نہ تھی۔ (وہ کہنے لگا:) یہ تہہ بند اس کو آدھا دیئے دیتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے تہہ بند سے وہ کیا کرے گی۔ اگر تم نے وہ پہنا تو اس عورت پر اس میں سے کچھ نہ رہے گا اور اگر اس نے پہنا تو تم پر کچھ نہ رہے گا۔ یہ سن کر وہ شخص بیٹھ گیا اور دیر تک بیٹھا رہا۔ پھر وہ اٹھ کر چل دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پیٹھ موڑے ہوئے جاتے دیکھا۔ آپؐ نے اس کو بلانے کا حکم دیا اور اسے بلایا گیا۔ جب وہ آیا تو آپؐ نے پوچھا: تمہیں کتنا قرآن یاد ہے۔ اس نے کہا: مجھے فلاں فلاں سورۃ یاد ہے۔ اس نے ان کو شمار کیا۔ آپؐ نے پوچھا: کیا تم ان سورتوں کو زبانی پڑھتے ہو۔ اس نے کہا: ہاں۔ آپؐ نے فرمایا: جاؤ میں نے یہ عورت تمہارے قبضے میں کردی ان (سورتوں) کے عوض میں جو تمہیں قرآن سے یاد ہیں۔

أطرافه: ٢٣١٠، ٥٠٢٩، ٥٠٨٧، ٥١٢١، ٥١٢٦، ٥١٣٢، ٥١٣٥، ٥١٤١، ٥١٤٩، ٥١٥٠، ٥٨٧١، ٧٤١٧-

بَاب ۲۳: اِسْتِذْكَارُ الْقُرْآنِ وَتَعَاهُدُهُ

قرآن یاد کرنا اور اسے دہراتے رہنا (کہ کہیں بھول نہ جائے)

۵۰۳۱: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّمَا مَثَلُ صَاحِبِ الْقُرْآنِ كَمَثَلِ صَاحِبِ الْإِبِلِ الْمُعَقَّلَةِ إِنْ عَاهَدَ عَلَيْهَا أَمْسَكَهَا وَإِنْ أَطْلَقَهَا ذَهَبَتْ.

۵۰۳۱: عبداللہ بن یوسف نے ہم سے بیان کیا کہ مالک نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے نافع سے، نافع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن یاد کرنے والے کی مثال تو اونٹوں کے مالک کی سی ہے جس کے اونٹ رسی سے بندھے ہوں، اگر ان کو دیکھتا بھالتا رہے گا تو انہیں روک رکھے گا اور اگر انہیں یونہی چھوڑ دے گا تو وہ چلے جائیں گے۔

۵۰۳۲: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مَّنْصُورٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِئْسَ مَا لِأَحَدِهِمْ أَنْ يَّقُوْلَ نَسِيْتُ آيَةَ كَيْتَ وَكَيْتَ بَلْ نُسِّيَ وَاسْتَذْكِرُوا الْقُرْآنَ فَإِنَّهُ أَشَدُّ تَفَصِّيًا مِنْ صُدُوْرِ الرِّجَالِ مِنَ النَّعَمِ.

۵۰۳۲: محمد بن عرعرہ نے ہم سے بیان کیا کہ شعبہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے منصور سے، منصور نے ابووائل سے، ابووائل نے حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہت ہی بری بات ہے ان میں سے ایک کے لئے کہ وہ کہے: میں فلاں فلاں آیت بھول گیا۔ بلکہ یوں کہے: مجھے بھول گئی۔ اور قرآن کو یاد کرتے رہو کیونکہ وہ آدمیوں کے سینوں سے اونٹوں سے بھی زیادہ جلد نکل بھاگتا ہے۔

حَدَّثَنَا عُثْمَانُ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنْ مَّنْصُورٍ مِثْلَهُ. تَابَعَهُ بِشْرٌ عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ عَنْ شُعْبَةَ. وَتَابَعَهُ

عثمان (بن ابی شیبہ) نے ہم سے بیان کیا کہ جریر (بن عبدالحمید) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے منصور (بن معتمر) سے ایسا ہی بتایا۔ محمد بن عرعرہ کی

ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ عَبْدَةَ عَنْ شَقِيقٍ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

طرح بشر (بن محمد) نے بھی اس حدیث کو بیان کیا۔ انہوں نے (عبد اللہ) بن مبارک سے، انہوں نے شعبہ سے روایت کی۔ نیز محمد بن عرعرہ کی طرح ابن جریج نے بھی (اس حدیث کو) بیان کیا۔ انہوں نے عبدہ سے، عبدہ نے شقیق (بن سلمہ) سے روایت کیا۔ (شقیق نے کہا:) میں نے حضرت عبد اللہ (بن مسعودؓ) سے سنا۔ (حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے کہا:) میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔

طرفه: ٥٠٣٩۔

٥٠٣٣: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَعَاهَدُوا الْقُرْآنَ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَهُوَ أَشَدُّ تَفَصِّيًا مِنَ الْإِبِلِ فِي عُقُلِهَا.

۵۰۳۳: محمد بن علاء نے ہم سے بیان کیا کہ ابواُسامہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے برید (بن عبد اللہ) سے، برید نے ابوبردہ سے، ابوبردہ نے حضرت ابوموسیٰؓ سے، حضرت ابوموسیٰؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔ آپؐ نے فرمایا: قرآن کو ہمیشہ پڑھتے رہو۔ اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ وہ ان اونٹوں سے بھی زیادہ نکل بھاگتا ہے جو رسیوں میں بندھے ہوئے ہوں۔

بَاب ٢٤: الْقِرَاءَةُ عَلَى الدَّابَّةِ

سواری پر قرآن پڑھنا

٥٠٣٤: حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو إِيَاسٍ

۵۰۳۴: حجاج بن منہال نے ہم سے بیان کیا کہ شعبہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے کہا: مجھے

قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ مُغَفَّلٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ وَهُوَ يَقْرَأُ عَلَى رَاحِلَتِهِ سُوْرَةَ الْفَتْحِ.

ابوایاس نے خبر دی۔ انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے سنا۔ وہ کہتے تھے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ کے دن دیکھا اور اس وقت آپؐ اپنی اونٹنی پر سوار سورۃ الفتح پڑھ رہے تھے۔

أطرافه: ٤٢٨١، ٤٨٣٥، ٥٠٤٧، ٧٥٤٠۔

تشریح: **اَلْقِرَاءَةُ عَلَى الدَّابَّةِ:** سواری پر قرآن کریم پڑھنے کے بارے میں دو قسم کی آراء پائی جاتی ہیں۔ بعض لوگوں کے نزدیک یہ مکروہ ہے۔ امام بخاری نے ان روایات کو قبول نہیں کیا بلکہ اپنی صحیح میں اس روایت (نمبر ۵۰۳۴) کو لیا ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر سورۃ الفتح کی تلاوت فرما رہے تھے۔ امام ابن حجر لکھتے ہیں کہ امام بخاری نے اس عنوان سے ان لوگوں کا رڈ کیا ہے جو سواری پر سوار ہونے کی حالت میں قرآن مجید کی تلاوت کو مکروہ سمجھتے ہیں اور امام ابن داؤد نے ایک سند سے اس کے جواز کو نقل کیا۔ اور علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ امام بخاری نے اس عنوان باب سے یہ بتایا ہے کہ سوار ہونے کی حالت میں قرآن مجید کی تلاوت کرنا مسنون ہے اور اس کی سنت کی اصل درج ذیل آیت سے ثابت ہوتی ہے: لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ (الزخرف: ۱۴) تاکہ تم ان کی پیٹھوں پر جم کر بیٹھ سکو۔ پھر جب تم ان پر اچھی طرح قرار پکڑ لو تو اپنے رب کی نعمت کا تذکرہ کرو اور کہو پاک ہے وہ جس نے اسے ہمارے لیے مسخر کیا۔ (فتح الباری جزء۹ صفحہ ۱۰۴)

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام سے بھی سواری پر قرآن کریم پڑھنا ثابت ہے۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ بیان فرماتے ہیں:

”ایک صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پالکی میں بیٹھ کر قادیان سے بٹالہ تشریف لے جا رہے تھے اور یہ سفر پالکی کے ذریعہ قریباً پانچ گھنٹے کا تھا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے قادیان سے نکلتے ہی اپنی حمائل شریف کھول لی اور سورۂ فاتحہ کو پڑھنا شروع کیا اور برابر پانچ گھنٹے تک اسی سورۃ کو اس استغراق کے ساتھ پڑھتے رہے کہ گویا وہ ایک وسیع سمندر ہے جس کی گہرائیوں میں آپ اپنے ازلی محبوب کی محبت و رحمت کے موتیوں کی تلاش میں غوطے لگا رہے ہیں۔“ (سیرت طیبہ مصنفہ حضرت مرزا بشیر احمدؓ، صفحہ ۱۱، ۱۲)

بَاب ٢٥: تَعْلِيْمُ الصِّبْيَانِ الْقُرْآنَ

بچوں کو قرآن سکھانا

٥٠٣٥: حَدَّثَنِي مُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ إِنَّ الَّذِي تَدْعُوْنَهُ الْمُفَصَّلَ هُوَ الْمُحْكَمُ قَالَ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا ابْنُ عَشْرِ سِنِيْنَ وَقَدْ قَرَأْتُ الْمُحْكَمَ.

طرفہ: ٥٠٣٦۔

۵۰۳۵: موسیٰ بن اسماعیل نے مجھ سے بیان کیا کہ ابوعوانہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ابوبشر سے، ابوبشر نے سعید بن جبیر سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: جس کو تم مفصل کہتے ہو وہی محکم ہے۔ (سعید بن جبیر نے) کہا: حضرت ابن عباسؓ فرماتے تھے: رسول صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے اور میں اس وقت دس برس کا تھا اور میں محکم پڑھ چکا تھا۔

٥٠٣٦: حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا أَبُو بِشْرٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا جَمَعْتُ الْمُحْكَمَ فِي عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ لَهُ وَمَا الْمُحْكَمُ قَالَ الْمُفَصَّلُ.

طرفہ: ٥٠٣٥۔

۵۰۳۶: یعقوب بن ابراہیم نے ہم سے بیان کیا کہ ہشیم نے ہمیں بتایا۔ (انہوں نے کہا:) ابوبشر نے ہمیں خبر دی۔ انہوں نے سعید بن جبیر سے، سعید نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ (انہوں نے کہا:) میں نے محکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی یاد کر لی تھی۔ میں نے ان (سعید بن جبیر) سے پوچھا: یہ محکم کیا ہے؟ انہوں نے کہا: مفصل۔

بَاب ٢٦: نِسْيَانُ الْقُرْآنِ وَهَلْ يَقُوْلُ نَسِيْتُ آيَةَ كَذَا وَكَذَا

قرآن بھول جانا۔ اور کیا وہ یوں کہے کہ میں فلاں فلاں آیت بھول گیا؟

وَقَوْلُ اللهِ تَعَالَى: سَنُقْرِئُكَ فَلَا

اور اللہ تعالیٰ کا فرمانا: (اے مسلمان) ہم تجھے

تَنْسَىٰٓ ۝ إِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ. (الأعلى: ۸، ۷)

(اس طرح) پڑھائیں گے کہ اس کے نتیجہ میں تو بھولے گا نہیں سوائے اس کے جو اللہ بھلانا چاہے۔

۵۰۳۷: حَدَّثَنَا رَبِيعُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا زَائِدَةُ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ سَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يَقْرَأُ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ يَرْحَمُهُ اللهُ لَقَدْ أَذْكَرَنِي كَذَا وَكَذَا آيَةً مِنْ سُوْرَةِ كَذَا.

۵۰۳۷: ربیع بن یحییٰ نے ہم سے بیان کیا کہ ہم سے زائدہ (بن قدامہ) نے بیان کیا۔ ہشام نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے عروہ سے، عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔ وہ فرماتی تھیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو مسجد میں قرآن پڑھتے سنا۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ اس پر رحم کرے اس نے مجھے فلاں سورۃ کی فلاں فلاں آیت یاد کرادی۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ بْنِ مَيْمُوْنٍ حَدَّثَنَا عِيْسَى عَنْ هِشَامٍ وَقَالَ أَسْقَطْتُهُنَّ مِنْ سُوْرَةِ كَذَا. تَابَعَهُ عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ وَعَبْدَةُ عَنْ هِشَامٍ.

محمد بن عبید بن میمون نے ہم سے بیان کیا کہ عیسیٰ (بن یونس) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ہشام (بن عروہ) سے روایت کی۔ اور (اس میں یوں ہے:) آپؐ نے فرمایا: ان کو میں فلاں سورۃ میں نہیں پڑھا کرتا تھا۔ عیسیٰ بن یونس کی طرح علی بن مسہر اور عبدہ نے بھی ہشام سے یہی روایت کی۔

أطرافه: ۲۶۵۵، ۵۰۳۸، ۵۰۴۲، ۶۳۳۵-

۵۰۳۸: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي رَجَاءٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يَقْرَأُ فِي سُوْرَةٍ بِاللَّيْلِ فَقَالَ يَرْحَمُهُ اللهُ لَقَدْ

۵۰۳۸: احمد بن ابی رجاء نے ہم سے بیان کیا کہ ابواُسامہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ہشام بن عروہ سے، ہشام نے اپنے باپ سے، ان کے باپ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔ وہ فرماتی تھیں: رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو رات کو ایک سورۃ پڑھتے سنا۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ اس پر

أَذْكَرَنِي آيَةَ كَذَا وَكَذَا كُنْتُ أُنْسِيْتُهَا مِنْ سُوْرَةِ كَذَا وَكَذَا.

رحم کرے۔ اس نے تو مجھے فلاں فلاں آیت یاد دلا دی ہے جو مجھے فلاں فلاں سورۃ سے بھول گئی تھی۔

أطرافه: ٢٦٥٥، ٥٠٣٧، ٥٠٤٢، ٦٣٣٥۔

٥٠٣٩: حَدَّثَنَا أَبُوْ نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِئْسَ مَا لِأَحَدِهِمْ يَقُوْلُ نَسِيْتُ آيَةَ كَيْتَ وَكَيْتَ بَلْ هُوَ نُسِّيَ.

۵۰۳۹: ابونعیم نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان (بن عیینہ) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے منصور سے، منصور نے ابووائل سے، ابووائل نے حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی کو نہ چاہیے کہ یوں کہے: میں نے فلاں فلاں آیت بھلا دی بلکہ یوں کہنا چاہیے: مجھے بھول گئی۔

طرفه: ٥٠٣٢۔

تشریح: **اَلْقِرَاءَةُ عَنْ ظَهْرِ الْقَلْبِ۔ اِسْتِذْكَارُ الْقُرْآنِ وَتَعَاهُدُهُ:** مذکورہ بالا ابواب ۲۲ سے ۲۶ کے عناوین میں امام بخاری جو روایتیں لائے ہیں ان کا ماحاصل یہ ہے کہ قرآن کریم کو یاد کرنا چاہیے اور یاد رکھنا چاہیے اور اپنی بیوی بچوں اور عزیزوں کو بھی قرآن کریم یاد کراتے رہنا چاہیے اور اس کو بار بار دہراتے رہنا ضروری ہے ورنہ قرآن کریم جتنا آسانی سے یاد ہو جاتا ہے اتنا ہی جلد بھول بھی جاتا ہے۔ اس لیے اس کا اہتمام اور تعاہد کرنا قرآن کے آداب میں سے ہے۔ ان روایات میں اس بات کی تنبیہ کی گئی ہے کہ غفلت، بے اعتنائی اور عدم توجہ کی وجہ سے قرآن کریم کو بھلا دینا بہت معیوب بات ہے۔ ہاں طبعاً انسانی مزاج میں یہ نقص ہے کہ اسے بعض باتیں بھول جاتی ہیں اور یہ بشری تقاضا ایسا ہے جس سے انبیاء بھی باہر نہیں۔ دراصل انسانی ذہن بھی باقی اعضاء اور حسوں کی طرح اپنی ذات میں محفوظ نہیں جب تک اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور مدد شاملِ حال نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کے اس فضل کو جذب کرنے کا طریق یہ ہے کہ انسان بار بار کی مشق سے اپنی ذہنی استعداد کو بیدار رکھے اور اس سے کام لے کر اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے عظیم کلام اور نعمتِ کاملہ کی حفاظت اور برکت سے خود بھی حصہ لے اور دوسروں کو بھی اس نور سے منور کرتا چلا جائے۔ یوں چراغ سے چراغ جلتے چلے جائیں اور وہ روشنی جو عرب سے چلی اور تاقیامت چلتی جائے گی اس لَو کو کسی دَور کے مسلمان کبھی بجھنے نہ دیں۔ اور اپنے گھروں کو اس کی برکت سے ہمیشہ آباد رکھیں۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إِنَّ الَّذِي لَيْسَ فِي جَوْفِهِ شَيْءٌ مِنَ الْقُرْآنِ

کَالْبَيْتِ الْخَرِبِ[1] یقیناً وہ شخص جس کے دل میں قرآن کا کچھ حصہ (یاد) نہ ہو، وہ ویران گھر کی طرح ہے۔ پس جیسے ویران گھر خیر و برکت اور رہنے والوں سے خالی ہوتا ہے، ایسے ہی اس شخص کا دل خیر و برکت اور روحانیت سے خالی ہوتا ہے جسے قرآن مجید کا کوئی بھی حصہ یاد نہ ہو۔ اور ایسا زمانہ مسلمانوں پر کبھی نہ آئے کہ خدا کے رسول کی طرف سے انہیں یہ شکوہ پہنچے وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ○ (الفرقان:۳۱) اور رسول نے کہا، اے میرے رب! میری قوم نے اس قرآن کو پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا ہے۔ مسلمانوں نے اس سبق کو خوب یاد رکھا اور نزول قرآن سے لے کر تا حال صدیوں پہ صدیاں گزر گئیں مگر کبھی کوئی زمانہ قرآن کریم پر ایسا نہیں آیا جب اس کے حفاظ لاکھوں کی تعداد میں روئے زمین پر نہ پائے گئے ہوں اور یہ سلسلہ روز افزوں انسانی آبادی کے ساتھ ساتھ بڑھتا چلا جا رہا ہے مگر اس سبق کو نسلاً بعد نسل یاد کرواتے چلے جانا ہر مسلمان کا فرض ہے اور فی زمانہ اس کی اہمیت اور ضرورت اور بھی بڑھ گئی ہے جب کمپیوٹر، آئی پیڈ وغیرہ جدید آلات کے ذریعہ سے انسان اس وہم کا شکار ہوتا جا رہا ہے کہ ان ایجادات کی صورت میں میرے پاس ہر چیز محفوظ ہے جب چاہوں نکال سکتا ہوں۔ اگرچہ یہ بات ایک حد تک صحیح ہے مگر ان ایجادات کو استعمال کرنے والے جانتے ہیں کہ بعض لحاظ سے یہ ذریعہ سب سے زیادہ غیر محفوظ، غیر یقینی اور ناقابل اعتبار ہے۔ نہ جانے کب کوئی فائل کرپٹ ہو جائے یا خدانخواستہ متوقع ایٹمی جنگوں کی ان ہولناکیوں میں سب کچھ مٹ جائے اور صرف وہی بچے جو انسانی سینوں اور ذہنوں میں محفوظ ہو۔ ظاہری ذرائع پر انحصار کرنے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت بھی ناکافی سمجھتے ہوئے قرآن مجید کو یاد کرنے کی تلقین فرمائی۔ جیسا کہ فرمایا: اقْرَءُوا الْقُرْآنَ وَلَا تَغُرَّنَّكُمْ هَذِهِ الْمَصَاحِفُ الْمُعَلَّقَةُ فَإِنَّ اللهَ لَنْ يُعَذِّبَ قَلْبًا وَعَى الْقُرْآنَ[2] قرآن پڑھو اور تمہیں یہ لکھے ہوئے صحیفے اس دھوکے میں نہ ڈالیں (کہ تمہارے پاس قرآن محفوظ صورت میں موجود ہے۔) بلا شبہ اللہ تعالیٰ اس دل کو عذاب سے محفوظ رکھے گا جس میں قرآن (کا نور) موجود ہے۔ اس حدیث میں انسان کی حفاظت کی ایک خوبصورت پیشگوئی کی گئی ہے کہ وہ انسان محفوظ رہیں گے جن کے سینے میں خدا کا کلام محفوظ ہے۔ اور اس میدان میں بلا خوف تردید یہ بات ڈنکے کی چوٹ پر کہی جا سکتی ہے کہ قرآن کریم دنیا کی واحد کتاب ہے جس کے حفاظ سینکڑوں نہیں، ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں سے بھی زیادہ آج موجود ہیں۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”چونکہ قرآن شریف کے پڑھنے اور لکھنے اور پھیلانے کو بہت بڑا ثواب قرار دیا گیا تھا اِس لئے اِسلامی حکومت میں بڑے بڑے علماء اور بادشاہ تک قرآن کریم کی کاپیاں لکھا کرتے تھے۔ عرب اور اس کے اِرد گرد کے بادشاہوں اور علماء کا تو ذکر چھوڑو ہندوستان جیسے ملک میں جو عرب سے بہت دُور واقع ہوا تھا اور جہاں ہندو رسم و رواج غالب آچکا تھا مغل بادشاہ اورنگ زیب اپنی فرصت

[1] (ترمذی، ابواب فضائل القرآن، باب ۱۸)

[2] (سنن الدارمی، ومن کتاب فضائل القرآن، باب فضل من قرأ القرآن)

کے اوقات میں قرآن شریف لکھا کرتا تھا۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اُس نے اپنی عمر میں سات نسخے قرآن کریم کے لکھے۔ پھر مسلمانوں میں حفظِ قرآن کی شروع سے اتنی کثرت پائی جاتی ہے کہ ہر زمانہ میں ایک لاکھ سے دو لاکھ تک حافظ دنیا میں موجود رہا ہے بلکہ اِس سے بھی بہت زیادہ حافظ دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ حافظ اُس کو کہتے ہیں جو شروع سے لے کر آخر تک اس کے تمام حصوں کو یاد رکھتا ہے۔ عام طور پر یورپین مصنف اپنی ناواقفی کی وجہ سے یہ خیال کر لیتے ہیں کہ جبکہ دنیا میں بائبل کا کوئی حافظ نہیں ملتا تو قرآن شریف کا کوئی حافظ کہاں ہو سکتا ہے حالانکہ قرآن کریم کا یہ معجزہ ہے کہ وہ ایسی سریلی زبان میں نازل ہوا ہے کہ اِس کا حفظ کرنا نہایت ہی آسان ہے۔ میرا بڑا لڑکا ناصر احمد جو آکسفورڈ کا بی۔ اے آنرز اور ایم۔ اے ہے میں نے اُسے دُنیوی تعلیم سے پہلے قرآن کریم کے حفظ پر لگایا اور وہ سارے قرآن کا حافظ ہے۔ قادیان میں دو ڈاکٹر حافظ ہیں۔ اِسی طرح اور بہت سے گریجوایٹ اور دوسرے لوگ حافظ ہیں۔ جن ڈاکٹروں کا میں نے ذکر کیا ہے اُن میں سے ایک نے صرف چار پانچ مہینے میں قرآن شریف حفظ کیا تھا، چوہدری سر ظفر اللہ صاحب جج فیڈرل کورٹ آف انڈیا (حال وزیر خارجہ پاکستان) کے والد صاحب نے اپنی آخری عمر میں جبکہ وہ قریباً ساٹھ سال کے تھے، چند مہینوں میں سارا قرآن حفظ کر لیا تھا۔ حافظ غلام محمد صاحب سابق مبلغ ماریشس نے تین مہینہ میں قرآن شریف حفظ کیا تھا۔ نواب جمال الدین خاں صاحب جو ایک سابق والیہ ریاست بھوپال کے خاوند تھے اُن کے ایک نواسے مجھے حج میں ملے تھے جنہوں نے مجھ سے ذکر کیا کہ اُنہوں نے ایک مہینہ میں سارا قرآن شریف حفظ کیا تھا۔ اِس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم کی عبارت اِس قسم کی ہے کہ اس کا حفظ کرنا دو بھر معلوم نہیں ہوتا۔ میں نے بڑے بڑے بوڑھے لوگوں سے سنا ہے کہ میرے جد امجد مرزا گل محمد صاحب جو عالمگیر ثانی کے وقت میں تھے باوجود اِس کے کہ کوئی بہت بڑے رئیس نہیں تھے اُن کی ریاست صرف اڑھائی سَو مربع میل کے علاقہ پر حاوی تھی، ان کے دربار میں پانچ سَو حافظ موجود رہتا تھا۔ ہندوستان جیسے ملک میں جو عربی زبان سے بہت ہی ناواقف ہے، بعض حصے ایسے پائے جاتے ہیں جن میں صدیوں سے اکثر لوگ حافظ چلے آتے ہیں۔ ایک ترکیب مسلمانوں نے قرآن کریم کی حفاظت کی یہ بھی اختیار کر رکھی ہے اور جس ترکیب پر صدیوں سے عمل ہوتا چلا آرہا ہے کہ جو پیدائشی نابینا ہوتے ہیں ان کو قرآن شریف حفظ کرا دیتے ہیں اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ نابینا کوئی دُنیوی کام تو کر نہیں سکتا کم سے کم وہ قرآن کی خدمت ہی کرے گا۔ یہ رواج اتنا غالب ہے کہ

لاکھوں مسلمان نابینوں کو بغیر پوچھے اور بغیر دریافت کئے ایک ہندوستانی ملتے ہی حافظ صاحب کے نام سے یاد کرے گا یعنی وہ جس نے سارا قرآن یاد کیا ہوا ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ نابینوں میں سے اتنے حافظ قرآن ہوتے ہیں کہ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ ہو ہی نہیں ہو سکتا کہ کوئی نابینا ہو اور قرآن کا حافظ نہ ہو۔ ہر رمضان میں ساری دنیا کی ہر بڑی مسجد میں سارا قرآن کریم حافظ لوگ حفظ سے بلند آواز کے ساتھ ختم کرتے ہیں۔ ایک حافظ امامت کراتا ہے اور دوسرا حافظ اُس کے پیچھے کھڑا ہوتا ہے تا اگر کسی جگہ پر وہ بھول جائے تو اُس کو یاد کرائے۔ اِس طرح ساری ہی دنیا میں لاکھوں جگہ پر قرآن کریم صرف حافظ سے دُہرایا جاتا ہے۔ یہی وہ باتیں ہیں جن کی وجہ سے یورپ کے دشمنوں کو بھی تسلیم کرنا پڑا ہے کہ قرآن کریم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک بالکل محفوظ چلا آتا ہے اور یہ کہ یقینی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس شکل میں قرآن کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو دیا تھا اُسی شکل میں آج موجود ہے۔“

(دیباچہ تفسیر القرآن، انوار العلوم جلد ۲۰ صفحہ ۴۳۴ تا ۴۳۶)

بَاب۲۷: مَنْ لَمْ يَرَ بَأْسًا أَنْ يَقُوْلَ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ وَسُوْرَةُ كَذَا وَكَذَا

جو سورۃ البقرۃ اور فلاں فلاں سورۃ کہنے میں حرج نہ سمجھے

۵۰۴۰: حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ عَنْ عَلْقَمَةَ وَعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيْدَ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْآيَتَانِ مِنْ آخِرِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ مَنْ قَرَأَ بِهِمَا فِي لَيْلَةٍ كَفَتَاهُ.

۵۰۴۰: عمر بن حفص نے ہم سے بیان کیا کہ میرے باپ نے ہمیں بتایا۔ اعمش نے ہمیں بتاتے ہوئے کہا کہ ابراہیم (نخعی) نے مجھ سے بیان کیا۔ ابراہیم نے علقمہ (بن قیس) اور عبدالرحمٰن بن یزید سے، انہوں نے حضرت ابومسعود انصاریؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سورۃ البقرہ کے آخر میں دو آیتیں ہیں جس شخص نے ان کو رات کے وقت پڑھا وہ اُس (کو ہر شر سے بچانے) کے لیے کافی ہیں۔

أطرافُه: ۴۰۰۸، ۵۰۰۸، ۵۰۰۹، ۵۰۵۱۔

٥٠٤١: حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ عَنْ حَدِيْثِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدٍ الْقَارِيِّ أَنَّهُمَا سَمِعَا عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُوْلُ سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ يَقْرَأُ سُوْرَةَ الْفُرْقَانِ فِي حَيَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَمَعْتُ لِقِرَاءَتِهِ فَإِذَا هُوَ يَقْرَؤُهَا عَلَى حُرُوْفٍ كَثِيْرَةٍ لَمْ يُقْرِئْنِيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكِدْتُ أُسَاوِرُهُ فِي الصَّلَاةِ فَانْتَظَرْتُهُ حَتَّى سَلَّمَ فَلَبَّبْتُهُ فَقُلْتُ مَنْ أَقْرَأَكَ هَذِهِ السُّوْرَةَ الَّتِي سَمِعْتُكَ تَقْرَأُ قَالَ أَقْرَأَنِيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ لَهُ كَذَبْتَ فَوَاللّٰهِ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُوَ أَقْرَأَنِي هَذِهِ السُّوْرَةَ الَّتِي سَمِعْتُكَ فَانْطَلَقْتُ بِهِ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقُوْدُهُ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّي سَمِعْتُ هَذَا يَقْرَأُ سُوْرَةَ الْفُرْقَانِ عَلَى حُرُوْفٍ لَمْ

۵۰۴۱: ابوالیمان نے ہم سے بیان کیا کہ شعیب نے ہمیں بتایا انہوں نے زہری سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: مجھے عروہ بن زبیر نے مسور بن مخرمہ اور عبد الرحمٰن بن عبد القاری کی حدیث کے متعلق خبر دی۔ ان دونوں نے حضرت عمر بن خطابؓ سے سنا۔ وہ کہتے تھے: میں نے ہشام بن حکیم بن حزامؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں سورۂ فرقان پڑھتے سنا۔ میں نے ان کی قراءت کو جو غور سے سنا تو کیا معلوم ہوا کہ وہ اس سورۃ کو بہت سی ایسی طرزوں سے پڑھتے ہیں کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نہیں پڑھائی تھیں۔ قریب تھا میں نماز میں ہی ان پر لپکتا مگر میں نے انتظار کیا، جب انہوں نے سلام پھیرا تو میں نے انہیں گریبان سے پکڑ لیا۔ میں نے کہا: تمہیں کس نے یہ سورۃ پڑھائی جو میں نے تمہیں ابھی پڑھتے ہوئے سنا۔ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ سورۃ پڑھائی ہے۔ میں نے ان سے کہا: تم نے غلط کہا۔ اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی مجھے یہ سورۃ پڑھائی جو میں نے تم سے سنی۔ میں ان کو کھینچتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا۔ میں نے کہا: یارسول اللہ! میں نے ان کو سورۃ الفرقان ایسی طرزوں سے پڑھتے سنا ہے جو

تُقْرِئْنِيْهَا وَإِنَّكَ أَقْرَأْتَنِي سُورَةَ الْفُرْقَانِ فَقَالَ يَا هِشَامُ اقْرَأْهَا فَقَرَأَهَا الْقِرَاءَةَ الَّتِي سَمِعْتُهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَكَذَا أُنْزِلَتْ ثُمَّ قَالَ اقْرَأْ يَا عُمَرُ فَقَرَأْتُهَا الَّتِي أَقْرَأَنِيْهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَكَذَا أُنْزِلَتْ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ.

آپؐ نے مجھے نہیں پڑھائی۔ حالانکہ آپؐ ہی نے مجھے سورۃ الفرقان پڑھائی تھی۔ آپؐ نے فرمایا: ہشامؓ اسے پڑھو۔ انہوں نے اس کو اسی قراءت سے پڑھا جو میں نے ان سے سنی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اسی طرح نازل کی گئی۔ پھر فرمایا: عمرؓ تم پڑھو۔ چنانچہ میں نے اس کو اسی قراءت سے پڑھا جو آپؐ نے مجھے پڑھائی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسی طرح نازل کی گئی۔ پھر اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن سات طرزوں پر نازل کیا گیا اس لیے جو اُن میں سے آسان ہو تم پڑھو۔

أطرافه: ٢٤١٩، ٤٩٩٢، ٦٩٣٦، ٧٥٥٠۔

٥٠٤٢: حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ آدَمَ أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ سَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَارِئًا يَقْرَأُ مِنَ اللَّيْلِ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ يَرْحَمُهُ اللهُ لَقَدْ أَذْكَرَنِي كَذَا وَكَذَا آيَةً أَسْقَطْتُهَا مِنْ سُوْرَةِ كَذَا وَكَذَا.

۵۰۴۲: بشر بن آدم نے ہم سے بیان کیا کہ علی بن مسہر نے ہمیں خبر دی کہ ہشام نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔ فرماتی تھیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو مسجد میں کسی قاری کو قرآن پڑھتے سنا۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ اس پر رحم کرے اس نے تو مجھے فلاں فلاں آیت یاد دلادی جو میں نے فلاں فلاں سورۃ میں سے (بھول کر) چھوڑ دی تھی۔

أطرافه: ٢٦٥٥، ٥٠٣٧، ٥٠٣٨، ٦٣٣٥۔

تشریح: مَنْ لَمْ يَرَ بَأْسًا أَنْ يَّقُوْلَ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ وَسُوْرَةُ كَذَا وَكَذَا: جو سورۃ البقرۃ اور فلاں فلاں سورۃ کہنے میں حرج نہ سمجھے۔ اس باب میں ان لوگوں کا ردّ کیا گیا ہے جو کہتے ہیں کہ

سورۃ البقرۃ، سورۃ آل عمرآن وغیرہ نہیں کہنا چاہیے بلکہ کہنا چاہیے کہ اَلسُّوْرَۃُ الَّتِیْ یُذْکَرُ فِیْھَا کَذَا۔ یعنی وہ سورۃ جس میں (بقرہ، آل عمران وغیرہ) کا ذکر ہے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"سُورۃ کا لفظ جو قرآن کریم کے خاص ٹکڑوں کی نسبت استعمال ہوا ہیں۔ یہ الہامی نام ہے، اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان کردہ ہے۔ قرآن کریم میں آتا ہے: وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ (البقرۃ: ۲۴) پس سورۃ کا لفظ خود قرآن کریم نے استعمال فرمایا ہے اور الہامی نام ہے رسول کریم صلعم بھی یہ لفظ استعمال فرماتے تھے۔ صحیح مسلم میں انسؓ سے روایت ہے قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلّم اُنْزِلَتْ عَلَیَّ اٰنِفاً سُوْرَۃٌ فَقَرَأَ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ[1] یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابھی مجھ پر ایک سورۃ اُتری ہے اور وہ یہ ہے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ ○ اس روایت سے معلوم ہوا کہ رسول کریم صلعم بھی قرآن کریم کے ان حصّوں کو جن کو آج مسلمان سورتیں کہتے ہیں سورۃ ہی کے نام سے یاد فرمایا کرتے تھے اور یہ بعد کا رکھا ہوا نام نہیں۔" (تفسیر کبیر، سورۃ الفاتحہ، جلد اوّل صفحہ ۲)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ سورۃ الفاتحہ کے ناموں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"میں نے تفصیلاً سورۃ فاتحہ کے نام اس لئے گنوائے ہیں تا یہ بتاؤں کہ سورتوں کے نام بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رکھے ہوئے ہیں اور جیسا کہ سورۃ فاتحہ کے بعض ناموں سے ثابت ہے آپؐ نے بھی وہ نام الہاماً اللہ تعالیٰ سے اطلاع پاکر رکھے ہیں۔"

(تفسیر کبیر، سورۃ الفاتحہ، جلد اوّل صفحہ ۳)

سورۃ یونس کی آیت ۱۶ وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْھِمْ اٰیَاتُنَا کی تفسیر میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔

"مطلب یہ ہے کہ میں قرآن مجید کے متعلق تمام باتیں وحی الٰہی سے کرتا ہوں اور اس میں خود کوئی دخل نہیں دیتا۔ لہٰذا میں کوئی تبدیلی یا تغیّر نہیں کر سکتا۔ اس آیت سے ان لوگوں کا ردّ بھی ہو جاتا ہے جو کہتے ہیں کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا ہر سورۃ سے پہلے لکھنا آنحضرت ﷺ کے حکم سے ہے نہ کہ وحی سے، یا ترتیبِ قرآن اور سورتوں کے نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود رکھے ہیں۔" (تفسیر کبیر سورۃ یونس، زیر آیت وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْھِمْ اٰیَاتُنَا... جلد نمبر ۳ صفحہ ۴۵)

---

[1] (مسلم، کتاب الصّلوۃ، باب حجتہ من قال اَلْبسملۃُ اٰیۃٌ مِنْ اَوَّلِ کُلِّ سُوْرَۃٍ سِوَی بَرَاءۃ)

بَاب ۲۸: التَّرْتِيْلُ فِي الْقِرَاءَةِ

قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر خوش الحانی سے پڑھنا

وَقَوْلُهُ تَعَالَى وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝ (المزمل: ٥) وَقَوْلُـهُ تَعَـالَى وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ (بنى إسرائيل: ١٠٧) وَمَا يُكْرَهُ أَنْ يُّهَذَّ كَهَذِّ الشِّعْرِ. فِيْهَا يُفْرَقُ (الدخان: ٥) يُفَصَّلُ. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَرَقْنٰهُ (بنى إسرائيل: ١٠٧) فَصَّلْنَاهُ.

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا: قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر خوش الحانی سے پڑھو۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمانا: اور قرآن کو ہم نے ٹکڑے ٹکڑے کر کے نازل کیا ہے تاکہ تو اسے لوگوں کے سامنے بھی ٹھہر ٹھہر کر پڑھے۔ اور اس کو جلدی جلدی پڑھنا ناپسند کیا گیا ہے جیسے شعروں کو جلدی جلدی پڑھا جاتا ہے۔ يُفْرَقُ کے معنی الگ الگ بیان کیا گیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا: فَرَقْنٰهُ کے معنی ہیں: ہم نے اس کو کئی حصوں میں بیان کیا۔

٥٠٤٣: حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا مَهْدِيُّ بْنُ مَيْمُوْنٍ حَدَّثَنَا وَاصِلٌ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ غَدَوْنَا عَلَى عَبْدِ اللهِ فَقَالَ رَجُلٌ قَرَأْتُ الْمُفَصَّلَ الْبَارِحَةَ فَقَالَ هَذًّا كَهَذِّ الشِّعْرِ إِنَّا قَدْ سَمِعْنَا الْقِرَاءَةَ وَإِنِّي لَأَحْفَظُ الْقُرَنَاءَ الَّتِي كَانَ يَقْرَأُ بِهِنَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانِيَ عَشْرَةَ سُوْرَةً مِنَ الْمُفَصَّلِ وَسُوْرَتَيْنِ مِنْ آلِ حٰمٓ.

أطرافه: ٧٧٥، ٤٩٩٦-

۵۰۴۳: ابونعمان نے ہم سے بیان کیا کہ مہدی بن میمون نے ہمیں بتایا۔ (انہوں نے کہا:) واصل (احدب) نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے ابووائل سے، ابووائل نے حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) سے روایت کی۔ ابووائل نے کہا: ہم صبح سویرے حضرت عبداللہؓ کے پاس گئے۔ ایک شخص نے کہا: میں نے (ساری) مفصل گزشتہ رات پڑھی تو حضرت عبداللہؓ نے کہا: ایسی جلدی جلدی پڑھی ہوگی جیسے شعروں کو پڑھا جاتا ہے۔ ہم بھی قراءت سن چکے ہیں اور مجھے وہ ہم مشابہہ سورتیں خوب یاد ہیں جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے یعنی مفصل کی اٹھارہ سورتیں اور حٰمٓ کی دو سورتیں۔

٥٠٤٤: حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنْ مُوْسَى بْنِ أَبِي عَائِشَةَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا فِي قَوْلِهِ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ○ (القيامة:١٧) قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ جِبْرِيْلُ بِالْوَحْيِ وَكَانَ مِمَّا يُحَرِّكُ بِهِ لِسَانَهُ وَشَفَتَيْهِ فَيَشْتَدُّ عَلَيْهِ وَكَانَ يُعْرَفُ مِنْهُ فَأَنْزَلَ اللهُ الْآيَةَ الَّتِي فِي لَآ أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ○ (القيامة:٢) لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ○ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ○ (القيامة:١٧، ١٨) فَإِنَّ عَلَيْنَا أَنْ نَجْمَعَهُ فِي صَدْرِكَ وَقُرْآنَهُ، فَإِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ○ (القيامة:١٩) فَإِذَا أَنْزَلْنَاهُ فَاسْتَمِعْ، ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ○ (القيامة:٢٠) قَالَ إِنَّ عَلَيْنَا أَنْ نُبَيِّنَهُ بِلِسَانِكَ قَالَ وَكَانَ إِذَا أَتَاهُ جِبْرِيلُ أَطْرَقَ فَإِذَا ذَهَبَ قَرَأَهُ كَمَا

۵۰۴۴: قتیبہ بن سعید نے ہم سے بیان کیا کہ جریر (بن عبدالحمید) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے موسیٰ بن ابی عائشہ سے، موسیٰ نے سعید بن جبیر سے، سعید نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے اس قول لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ کے متعلق بیان کیا۔ انہوں نے کہا: جب جبریلؑ وحی لے کر آپؐ پر نازل ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان اور اپنے ہونٹوں کو بھی ہلایا کرتے تھے اور (وحی سے) آپؐ کو سخت تکلیف ہوتی اور وہ آپؐ کی تکلیف معلوم ہو جاتی۔ اس لئے اللہ (تعالیٰ) نے یہ آیت نازل کی جو لَآ أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ میں ہے یعنی (اے نبیؐ) تو اپنی زبان کو حرکت نہ دے تاکہ یہ قرآن جلدی نازل ہو جائے۔ اس کا جمع کرنا بھی ہمارے ذمہ ہے اور اس کا (دنیا کے سامنے) سنانا بھی (ہمارے ذمہ ہے) یعنی یہ ہمارے ذمہ ہے کہ ہم اس کو تمہارے سینہ میں محفوظ کر دیں اور اس کو پڑھا دیں۔ پس جب ہم اسے پڑھ لیا کریں تو ہمارے پڑھنے کے بعد تو بھی پڑھ لیا کر۔ یعنی جس وقت ہم اس کو نازل کریں تو غور سے سنتا رہ۔ اور یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کو (تیری زبان سے لوگوں کو) کھول کر سنا دیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا: ہمارے ذمہ ہے کہ ہم اس کو

وَعَدَهُ اللّٰهُ.

تیری زبان سے بیان کرائیں۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے تھے: اس کے بعد جب جبرائیلؑ آپؐ کے پاس آتے تو آپؐ سر جھکا لیتے اور جب وہ چلے جاتے تو پھر وحی کو پڑھتے جیسا کہ اللہ نے آپؐ سے وعدہ کیا۔

أطرافه: ٥، ٤٩٢٧، ٤٩٢٨، ٤٩٢٩، ٧٥٢٤۔

تشریح: **التَّرْتِيلُ فِي الْقِرَاءَةِ**: ترتیل کا مطلب ہے کہ قرآن کے حروف کو واضح طور پر ادا کرنا جیسا کہ فرمایا: وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا (المزمل:۵) یعنی قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر خوش الحانی سے پڑھو۔ قرآن کو شعر کے انداز میں پڑھنا ناپسندیدہ امر ہے جیسا کہ اسی باب میں آیا ہے کہ وَمَا يُكْرَهُ أَنْ يُهَذَّ كَهَذِّ الشِّعْرِ یعنی اس کو جلدی جلدی پڑھنا ناپسند کیا ہے جیسے شعروں کو جلدی جلدی پڑھا جاتا ہے۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

"اصل چیز یہی ہے کہ قرآن کریم سے ایسی محبت ہو کہ اس میں ڈوب کر اسے پڑھا جائے۔ ...اللہ تعالیٰ نے ترتیل سے پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ ٹھہر ٹھہر کر اور جس حد تک بہترین تلفظ ادا ہو سکتا ہے ادا کر کے پڑھا جائے...

ہاں یہ کوشش ضرور ہونی چاہیے جیسا کہ میں نے کہا کہ اصل کے جتنا قریب ترین ہو کر آسانی سے الفاظ کی ادائیگی ہو سکے کی جائے اور پھر اس میں بہتری پیدا کرنے کی کوشش بھی کی جائے۔"

(خطباتِ مسرور، جلد ۱۳ صفحہ ۴۴۷، ۴۴۸)

بَاب ۲۹: مَدُّ الْقِرَاءَةِ

قراءت کو لمبی کرنا

٥٠٤٥: حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا جَرِيْرُ بْنُ حَازِمٍ الْأَزْدِيُّ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ قَالَ سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنْ قِرَاءَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ

۵۰۴۵: مسلم بن ابراہیم نے ہم سے بیان کیا کہ جریر بن حازم ازدی نے ہمیں بتایا۔ (انہوں نے کہا:) قتادہ نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس بن مالکؓ سے نبی صلی اللہ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَ يَمُدُّ مَدًّا.

علیہ وسلم کی قراءت کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے کہا: آپؐ قراءت مد سے پڑھا کرتے تھے۔

طرفہ: ٥٠٤٦۔

٥٠٤٦: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سُئِلَ أَنَسٌ كَيْفَ كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَتْ مَدًّا ثُمَّ قَرَأَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○ يَمُدُّ بِبِسْمِ اللّٰهِ وَيَمُدُّ بِالرَّحْمَنِ وَيَمُدُّ بِالرَّحِيْمِ.

۵۰۴۶: عمرو بن عاصم نے ہم سے بیان کیا کہ ہمام نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے قتادہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: حضرت انسؓ سے پوچھا گیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کیسی ہوتی؟ تو انہوں نے کہا: مد سے ہوتی۔ پھر انہوں نے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھی۔ بِسْمِ اللّٰهِ کو کھینچ کر پڑھتے اور الرَّحْمٰنِ کھینچ کر پڑھتے اور الرَّحِيْمِ کھینچ کر پڑھتے۔

طرفہ: ٥٠٤٥۔

تشریح: مَدُّ الْقِرَاءَةِ: قراءت کو لمبی کرنا۔ مدّ کا مطلب ہے کھینچنا، لمبا کرنا۔ تجوید کی اصطلاح میں اس سے مراد ہے زبر، زیر اور پیش کی آوازوں کو لمبا کرنا جبکہ ان علامات کے بعد بالترتیب الف جس سے پہلے زبر ہو، ی ساکن جس سے پہلے زیر ہو، اور واؤ ساکن جس سے پہلے پیش ہو، آئیں تو یہ حروف مدہ ہوں گے مثلاً مَا، فِيْ، قُوْا۔

مدّ کی دو اقسام ہیں:

مدّ اصلی یا طبعی: حروف مدہ کے بعد اگر ہمزہ، سکون یا شد نہ ہو تو مد اصلی یا طبعی پائی جاتی ہے۔ مثلاً قَالَ، قُوْتِلَ، قِيْلَ میں مدّ اصلی یا طبعی پائی گئی ہے۔ مدّ طبعی یا اصلی سے مراد یہ ہے کہ ایسے موقع پر اگر زبر، زیر یا پیش کو لمبا نہ کیا جائے تو صرف مَ رہ جائے گا اور مَا کا وجود باقی نہ رہے گا۔

مدّ طبعی یا اصلی کی مقدار دو حرکات ہے یعنی جتنی لمبائی عام زبر، زیر یا پیش کی ہے، حروف مدہ آنے کی صورت میں یہ لمبائی دگنی ہو جائے گی۔ اصطلاح میں دو حرکات کی مقدار کو ایک الف بھی کہا جاتا ہے۔ مثلاً قُوْ میں پیش کی آواز کی مقدار ایک الف ہے۔ یعنی جتنی لمبائی قُ کی تھی اس سے دُگنی لمبی آواز قُوْ کی ہوگی۔

مدّ فرعی: مد اصلی (طبعی) کے بعد اگر ہمزہ یا ساکن حرف یا مشدد حرف آجائے تو مدّ فرعی کہلاتی ہے۔ مثلاً جَآءَ، یہاں مدّ اصلی کے بعد ہمزہ آنے کی وجہ سے مدّ فرعی کہلائے گی۔ اسی طرح عِقَابْ میں مد اصلی کے بعد

سکون کی وجہ سے مد فرعی کہلائے گی۔ الضَّآلِّیْنَ میں مدّ اصلی کے بعد شد ہے۔ شد کی شرط دراصل سکون والی شرط میں آ جاتی ہے کیونکہ شد کی صورت میں پہلا حرف ساکن ہی ہوتا ہے اور دوسرا حرف متحرک۔ اور دونوں کے ادغام سے شد بنتی ہے جو پچھلے حرف کو زیادہ لمبا کھینچ کر اگلے حرف کے ساتھ ملا کر ادا کی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں حرف لین کے بعد ساکن آنے سے بھی مد فرعی پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً بَیْتْ، قَوْمْ۔

تفصیل کے لیے دیکھئے: التجوید (صفحہ ۴۸، ۴۹) مصنفہ مولانا جمیل الرحمٰن صاحب رفیق۔

بَاب ۳۰: التَّرْجِيْعُ

ترجیع سے قرآن پڑھنا

٥٠٤٧: حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو إِيَاسٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ مُغَفَّلٍ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ وَهُوَ عَلَى نَاقَتِهِ أَوْ جَمَلِهِ وَهِيَ تَسِيْرُ بِهِ وَهُوَ يَقْرَأُ سُوْرَةَ الْفَتْحِ أَوْ مِنْ سُوْرَةِ الْفَتْحِ قِرَاءَةً لَيِّنَةً يَقْرَأُ وَهُوَ يُرَجِّعُ.

۵۰۴۷: آدم بن ابی ایاس نے ہم سے بیان کیا کہ شعبہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ابوایاس سے، ابوایاس نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے سنا۔ وہ کہتے تھے: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے دیکھا جبکہ آپؐ اپنی اونٹنی یا کہا اپنے اونٹ پر سوار تھے۔ اور وہ آپؐ کو لئے جا رہی تھی اور آپؐ سورۃ الفتح یا (کہا:) سورۃ الفتح میں سے پڑھ رہے تھے۔ آپؐ نہایت نرمی سے پڑھ رہے تھے اور آپؐ الفاظ دہراتے تھے۔

أطرافه: ٤٢٨١، ٤٨٣٥، ٥٠٣٤، ٧٥٤٠۔

تشریح: **اَلتَّرْجِيْعُ**: لسان العرب میں ہے: تَرْدِيدُ الْقِرَاءَةِ وَمِنْهُ تَرْجِيعُ الْأَذَانِ وَقِيلَ: هُوَ تَقَارُبُ ضُرُوبِ الْحَرَكَاتِ فِي الصَّوْتِ (لسان العرب۔رجع) قراءت کو دہرانا۔ اور اسی سے تَرْجِيعُ الْأَذَانِ ہے یعنی اذان کے الفاظ کو دہرانا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ترجیع سے مراد حروف کو حرکات کے مطابق اور خوش الحانی سے ادا کرنا۔ بخاری کتاب التوحید (روایت نمبر ۷۵۴۰) میں معاویہ بن قُرۃ کی روایت ہے کہ حضرت معاویہؓ نے ترجیع سے مراد حرکات کو لمبا کر کے ادا کرنا لیا ہے۔

شیخ ابو محمد بن ابی جمرہ نے کہا کہ ترجیع کے معنی خوش الحانی سے قرآن کریم کی تلاوت کرنا ہے۔ نہ یہ کہ مُغَنّی کی طرح راگ کی شکل میں پڑھنا۔ (فتح الباری جزء ۹ صفحہ ۱۱۵)

بَاب ۳۱: حُسْنُ الصَّوْتِ بِالْقِرَاءَةِ لِلْقُرْآنِ

خوش الحانی سے قرآن پڑھنا

۵۰۴۸: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَلَفٍ أَبُو بَكْرٍ حَدَّثَنَا أَبُو يَحْيَى الْحِمَّانِيُّ حَدَّثَنَا بُرَيْدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ جَدِّهِ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ يَا أَبَا مُوسَى لَقَدْ أُوتِيتَ مِزْمَارًا مِنْ مَزَامِيرِ آلِ دَاوُدَ.

۵۰۴۸: محمد بن خلف ابو بکر (بغدادی) نے ہم سے بیان کیا کہ ابویحییٰ حمانی نے ہمیں بتایا کہ برید بن عبداللہ بن ابی بردہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے اپنے دادا ابو بردہ سے، ابو بردہ نے حضرت ابو موسیٰ (اشعری) رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ابو موسیٰؓ تمہیں بھی داؤد کے خاندان کی بانسریوں میں سے ایک بانسری دی گئی ہے۔

تشریح: حُسْنُ الصَّوْتِ بِالْقِرَاءَةِ لِلْقُرْآنِ: خوش الحانی سے قرآن پڑھنا پسندیدہ ہے۔ حضرت عمرؓ کے متعلق ابن ابی داؤد روایت کرتے ہیں کہ آپؓ قوم میں سے خوش آواز جوان کو اس کی خوش الحانی کی وجہ سے امام بناتے تھے۔ (فتح الباری جزء۹ صفحہ ۱۱۶) حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زَيِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ[۱] یعنی تم قرآن کو اپنی آوازوں سے مزین کرو۔ خوش الحانی کا اہتمام کرنا چاہیے مگر اس بات کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ اس کے باعث مخارج کی صحت پر کوئی اثر نہ پڑے، نیز اظہار، اخفاء وغیرہ کا بھی لحاظ رکھا جائے اور اس میں تکلف اور تصنع نہ ہو بلکہ حروف کی ادائیگی کے ساتھ اس کلام میں ڈوب کر اسے محبت اور ذوق سے پڑھا جائے کہ سننے والے کے دل میں اترتا جائے۔

يَا أَبَا مُوسَى لَقَدْ أُوتِيتَ مِزْمَارًا مِنْ مَزَامِيرِ آلِ دَاوُدَ: ابو یعلیٰ کی روایت میں اس حدیث (نمبر ۵۰۴۸) کی وضاحت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہؓ رات کے وقت حضرت ابو موسیٰؓ کے گھر کے پاس سے گزرے جبکہ وہ تلاوت کر رہے تھے۔ آپ دونوں ان کی قراءت سننے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ صبح جب حضرت ابو موسیٰؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تو آپؐ نے فرمایا: اے ابو موسیٰؓ میں تمہارے گھر کے قریب سے گزرا... پھر اس طرح سے پوری حدیث بیان کی۔ یہاں مزامیر سے مراد خوش الحانی سے پڑھنا ہے۔ مزمار بانسری کو کہتے ہیں۔ یہاں مشابہت صوت کی وجہ سے اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ (فتح الباری جزء۹ صفحہ ۱۱۶، ۱۱۷)

---

۱ (سنن النسائی، کتاب الافتتاح، باب تَزْيِينُ الْقُرْآنِ بِالصَّوْتِ)

بَاب ٣٢: مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَّسْتَمِعَ الْقُرْآنَ مِنْ غَيْرِهِ

جو دوسرے سے قرآن سننا پسند کرے

٥٠٤٩: حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ حَدَّثَنَا أَبِي عَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ عَنْ عَبِيدَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ لِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْرَأْ عَلَيَّ الْقُرْآنَ قُلْتُ آقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ قَالَ إِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِي.

۵۰۴۹: عمر بن حفص بن غیاث نے ہم سے بیان کیا کہ میرے والد نے ہمیں اعمش سے روایت کرتے ہوئے بتایا۔ انہوں نے کہا: ابراہیم (نخعی) نے مجھے بتایا۔ انہوں نے عبیدہ (سلمانی) سے، عبیدہ نے حضرت عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ۔ میں نے کہا: کیا میں آپؐ کو پڑھ کر سناؤں حالانکہ آپؐ پر تو نازل کیا گیا؟ آپؐ نے فرمایا: میں دوسرے سے اس کو سننا پسند کرتا ہوں۔

أطرافه: ٤٥٨٢، ٥٠٥٠، ٥٠٥٥، ٥٠٥٦۔

تشریح: مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَّسْتَمِعَ الْقُرْآنَ مِنْ غَيْرِهِ: جو دوسرے سے قرآن سننا پسند کرے۔ کشمیہنی میں "اَلْقُرْآنَ" کی بجائے "اَلْقِرَاءَةَ" کے الفاظ ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت اس باب میں مختصر ہے مگر اگلے باب (۳۳) میں تفصیل سے بیان ہوئی ہے۔ ابن بطال کہتے ہیں کہ آپؐ نے قرآن حضرت ابن مسعودؓ سے اس لیے سننا پسند فرمایا تا کہ قرآن سننے کی سنت قائم ہو جائے۔ نیز یہ مقصد بھی ہو سکتا ہے کہ آپؐ اس پر تدبر اور غور کر سکیں کیونکہ سننے والا، پڑھنے والے کی نسبت سوچنے کے لحاظ سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔ (فتح الباری جزء۹ صفحہ ۱۱۷)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"انسان کی دیکھنے کی حِس ہر وقت کام کرتی ہے اور سُننے کی حِس اِس سے کم کام کرتی ہے۔ اس لئے سننے کی حِس کا قوتِ حافظہ پر زیادہ اثر پڑتا ہے بہ نسبت دیکھنے والی حِس کے۔ پھر بعض دفعہ دو دو، تین تین حِسیں مل کر ایک کیفیت کو محسوس کرتی ہیں وہ حافظہ پر اور بھی گہرا اثر ڈالتی ہیں۔ اسی لئے اگر ایک حِس سے کوئی ثواب کا کام کیا جائے اور اس کے ساتھ دوسری ایک دو اور

حِسوں کو بھی ملا لیا جائے تو زیادہ ثواب ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مسلمان بزرگ باوجود اِس کے کہ اُن کو قرآن شریف حفظ ہوتا تھا وہ قرآن شریف کو کھول کر اُسے آنکھوں سے دیکھتے تھے، زبان سے پڑھتے تھے اور ساتھ ساتھ اُنگلی چلاتے جاتے تھے۔ کسی ایسے ہی بزرگ سے جب کسی نے پوچھا کہ یہ کیا حرکت ہے جب آپ کو قرآن شریف حفظ ہے تو پھر قرآن شریف دیکھ کر کیوں پڑھتے ہیں اور اگر قرآن شریف دیکھ کر پڑھتے ہی ہیں تو ساتھ ساتھ منہ سے کیوں دُہراتے جاتے ہیں اور پھر اِس کے ساتھ اُنگلی ہلاتے جانے کی کیا ضرورت ہے؟ انہوں نے جواباً کہا کہ میاں! خدا تعالیٰ کے سامنے ہر چیز کا جائزہ ہوگا۔ اگر میں نے حافظہ کے ذریعہ پڑھا تو صرف دماغ عبادت گزار ہوگا۔ جب خدا تعالیٰ نے مجھے آنکھیں دی ہیں تو یہ عبادت گزار کیوں نہ ہوں اور زبان دی ہے تو وہ عبادت گزار کیوں نہ ہو۔ اِس لئے قرآن شریف دیکھ کر پڑھتا ہوں اور زبان سے دُہراتا جاتا ہوں اور ساتھ ساتھ اُنگلی بھی رکھتا چلا جاتا ہوں تا کہ اُنگلی بھی عبادت گزار ہو جائے۔ تو جتنی حِسیں زیادہ کام کرتی چلی جاتی ہیں ثواب بھی بڑھتا چلا جاتا ہے اِسی طرح حافظے میں جتنی زیادہ حِسیں لگائیں گے اتنی ہی زیادہ بات یاد رہے گی۔ جس کام میں کان، آنکھ اور قوتِ لامسہ تینوں لگ جائیں وہ زیادہ دیر تک حافظہ میں قائم رہے گی۔" (قرآن کریم پڑھنے پڑھانے کے متعلق تاکید، انوار العلوم جلد ۱۸ صفحہ ۱۴۰، ۱۴۱)

بَاب ۳۳: قَوْلُ الْمُقْرِئِ لِلْقَارِئِ حَسْبُكَ

پڑھانے والے کا پڑھنے والے سے یہ کہنا: بس کرو

۵۰۵۰: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عُبَيْدَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ لِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْرَأْ عَلَيَّ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ آقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ قَالَ نَعَمْ فَقَرَأْتُ سُوْرَةَ

۵۰۵۰: محمد بن یوسف (بیکندی) نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان (بن عیینہ) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے اعمش سے، اعمش نے ابراہیم (نخعی) سے، ابراہیم نے عبیدہ (سلمانی) سے، عبیدہ نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: مجھے (قرآن) پڑھ کر سناؤ۔ میں نے کہا: یا رسول اللہ!

النِّسَاءِ حَتَّى أَتَيْتُ عَلَى هَذِهِ الْآيَةِ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا○ (النساء: ٤٢) قَالَ حَسْبُكَ الْآنَ فَالْتَفَتُّ إِلَيْهِ فَإِذَا عَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ.

کیا میں آپؐ کو (قرآن) پڑھ کر سناؤں حالانکہ آپؐ پر نازل کیا گیا۔ آپؐ نے فرمایا: ہاں سناؤ۔ چنانچہ میں نے سورۃ النساء پڑھی۔ جب میں اس آیت پر آیا یعنی اور ان کا کیا حال ہو گا جب ہم ہر ایک جماعت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور تجھے ان لوگوں کے متعلق (بطور) گواہ لائیں گے۔ آپؐ نے فرمایا: بس کرو۔ میں نے آپؐ کو مڑ کر جو دیکھا تو آپؐ کی آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں۔

أطرافه: ٤٥٨٢، ٥٠٤٩، ٥٠٥٥، ٥٠٥٦۔

تشریح: قَوْلُ الْمُقْرِئِ لِلْقَارِئِ حَسْبُكَ: پڑھانے والے کا پڑھنے والے سے یہ کہنا: بس کرو۔
حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”قرآن شریف ہی دین کی جان ہے اِس کو پڑھے پڑھائے بغیر کسی قسم کی ترقی کا خیال کر لینا ایک غلط خیال ہے۔ حضرت خلیفہ اوّل عام طور پر عورتوں کے درس میں ایک چھوٹی سی مثال سنایا کرتے تھے۔ وہ ایک نہایت ہی لطیف بات ہے اگر ہم چاہیں تو اس سے بہت بڑا سبق حاصل کر سکتے ہیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو! جب میں کہتا ہوں قرآن شریف پڑھو یا سنو تو تم یہ جواب دیا کرتی ہو کہ ہم پڑھی ہوئی نہیں حالانکہ اگر کسی عورت کا بچہ باہر گیا ہوا ہو اور اُس کے نام کا کارڈ باہر سے آئے تو جو پڑھی ہوئی ہوتی ہیں وہ تو اُس کو ایک دفعہ پڑھ کر سرہانے کے نیچے رکھ دیتی ہیں یا ٹرنک میں رکھ لیتی ہیں یا کسی طاق میں رکھ دیتی ہیں مگر جو اَن پڑھ ہوتی ہیں اُن کو ایک دفعہ خط پڑھوا کر سننے سے تسلی نہیں ہوتی بلکہ وہ کسی دوسرے کے پاس جاتی ہیں اور پھر اُس سے سنتی ہیں۔ مثلاً جب ایک اَن پڑھ عورت کے پاس خط آتا ہے تو پہلے وہ گاؤں کے مُلاّ کے پاس جاتی ہے اور کہتی ہے مُلاّ جی! ذرا کارڈ پڑھنا میرے بیٹے کی طرف سے آیا ہے۔ اُس سے سنتی ہے اور سمجھتی ہے کہ شاید کوئی لفظ مُلاّ جی کی نگاہ سے رہ گیا ہو یا شاید جلدی میں سارا مضمون نہ سنایا ہو، پھر وہ دَوڑی دَوڑی چوہدری جی کی بیٹھک میں جاتی ہے اور کہتی ہے چوہدری جی! ذرا یہ کارڈ تو سنا دینا میرے بیٹے کی طرف سے آیا ہے۔ اُس سے خط سنتی ہے مگر پھر بھی تسلی نہیں ہوتی اور وہ پٹواری جی کے پاس چلی جاتی ہے اور کہتی ہے پٹواری جی! ذرا یہ خط تو سنا دینا میرے

بیٹے کی طرف سے آیا ہے اُس سے سنتی ہے۔ پھر وہ مدرّس کے پاس چلی جاتی ہے اور کہتی ہے منشی جی! ذرا اِس خط کو تو سنا دینا پھر بھی تسلی نہیں ہوتی تو ڈاکخانے والے بابو کے پاس چلی جاتی ہے اور کہتی ہے۔ ڈاکٹر بابو جی! ذرا اِس خط کو تو سنا دینا (گاؤں والے بیچارے ڈاکخانے کو کم علمی کی وجہ سے ڈاکٹر خانہ کہتے ہیں) وہ اُس کے پاس جاتی ہے اور کہتی ہے ڈاکٹر بابو جی! ذرا یہ خط تو سنا دینا اور اِس طرح جب تک اُسے سات آٹھ دفعہ سن نہیں لیتی اُسے تسلی نہیں ہوتی اور کارڈ کو اپنے قریب ہی رکھتی ہے۔ ایک دو ماہ کے بعد اگر کوئی باہر کا آدمی اس گاؤں میں آجائے اور اُس کو اِس کا علم ہو جائے کہ وہ پڑھا ہوا ہے تو وہ اُس کے پاس چلی جاتی ہے اور کہتی ہے ذرا یہ خط تو سنا دیں۔ غرض پڑھی لکھی عورتیں تو ایک دفعہ پڑھ کر چپ کر جاتی ہیں مگر اَن پڑھ عورتوں کو تم دیکھتی ہو کہ جب تک سات آٹھ دفعہ خط پڑھوا نہ لیں آرام نہیں لیتیں۔"

(قرآن کریم پڑھنے پڑھانے کے متعلق تاکید، انوار العلوم جلد ۱۸ صفحہ ۱۳۵، ۱۳۶)

بَاب ٣٤: فِي كَمْ يُقْرَأُ الْقُرْآنُ

کتنے دنوں میں قرآن پڑھا جائے

وَقَوْلُ اللهِ تَعَالَى فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ. (المزمل: ٢١)

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا: جتنا بھی آسان ہو تم اس سے پڑھو۔

٥٠٥١: حَدَّثَنَا عَلِيٌّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ لِي ابْنُ شُبْرُمَةَ نَظَرْتُ كَمْ يَكْفِي الرَّجُلَ مِنَ الْقُرْآنِ فَلَمْ أَجِدْ سُوْرَةً أَقَلَّ مِنْ ثَلَاثِ آيَاتٍ فَقُلْتُ لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يَقْرَأَ أَقَلَّ مِنْ ثَلَاثِ آيَاتٍ قَالَ عَلِيٌّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ أَخْبَرَنَا مَنْصُوْرٌ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيْدَ أَخْبَرَهُ عَلْقَمَةُ عَنْ أَبِي مَسْعُوْدٍ وَلَقِيْتُهُ وَهُوَ يَطُوْفُ

۵۰۵۱: علی (بن عبد اللہ مدینی) نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان (بن عیینہ) نے ہمیں بتایا کہ مجھ سے (عبد اللہ) بن شبرمہ نے کہا: میں نے غور کیا کہ آدمی کو کتنا قرآن پڑھنا کافی ہے۔ تو میں نے تین آیتوں سے کم کسی سورۃ کو نہیں پایا۔ تو میں نے کہا: کسی کو نہیں چاہیے کہ وہ تین آیتوں سے کم پڑھے۔ علی نے کہا: سفیان (بن عیینہ) نے ہم سے بیان کیا۔ ہمیں منصور (بن معتمر) نے ابراہیم (نخعی) سے خبر دی۔ ابراہیم نے عبد الرحمٰن بن یزید سے روایت کی کہ انہیں علقمہ (بن قیس)

بِالْبَيْتِ فَذَكَرَ قَوْلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهُ مَنْ قَرَأَ بِالْآيَتَيْنِ مِنْ آخِرِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فِي لَيْلَةٍ كَفَتَاهُ.

أطرافه: ٤٠٠٨، ٥٠٠٨، ٥٠٠٩، ٥٠٤٠۔

نے بتایا۔ علقمہ حضرت ابو مسعودؓ (عقبہ بن عمرو) سے روایت کرتے تھے۔ (عبدالرحمٰن نے کہا:) اور میں بھی حضرت ابو مسعودؓ سے ملا ہوں جبکہ وہ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے رات کو سورۃ البقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھیں وہ اس کے لئے کافی ہوں گی۔

٥٠٥٢: حَدَّثَنَا مُوْسَى حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ مُغِيْرَةَ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ أَنْكَحَنِي أَبِي امْرَأَةً ذَاتَ حَسَبٍ فَكَانَ يَتَعَاهَدُ كَنَّتَهُ فَيَسْأَلُهَا عَنْ بَعْلِهَا فَتَقُوْلُ نِعْمَ الرَّجُلُ مِنْ رَجُلٍ لَمْ يَطَأْ لَنَا فِرَاشًا وَلَمْ يُفَتِّشْ لَنَا كَنَفًا مُنْذُ أَتَيْنَاهُ فَلَمَّا طَالَ ذٰلِكَ عَلَيْهِ ذَكَرَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الْقَنِي بِهِ فَلَقِيْتُهُ بَعْدُ فَقَالَ كَيْفَ تَصُوْمُ قُلْتُ أَصُوْمُ كُلَّ يَوْمٍ قَالَ وَكَيْفَ تَخْتِمُ قُلْتُ كُلَّ لَيْلَةٍ قَالَ صُمْ فِي كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةً وَاقْرَإِ الْقُرْآنَ فِي كُلِّ شَهْرٍ قَالَ قُلْتُ

۵۰۵۲: موسیٰ (بن اسماعیل) نے ہم سے بیان کیا کہ ابو عوانہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے مغیرہ (بن مقسم) سے، مغیرہ نے مجاہد (بن جبیر) سے، مجاہد نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میرے باپ نے ایک خاندانی عورت سے میرا نکاح کر دیا اور وہ اپنی بہو کی ہمیشہ خبر گیری کرتے رہتے تھے اور اس سے اس کے خاوند کے متعلق پوچھتے تو وہ کہتی: (میرا خاوند بہت) اچھا مرد ہے۔ ایسا مرد ہے جب سے ہم اس کے پاس آئے ہیں ہمارے بستر پر قدم نہیں رکھا۔ اور ہمارے پہلو کو کبھی نہیں ٹٹولا جب سے ہم اس کے پاس آئے ہیں۔ جب دیر تک یہی حال رہا تو حضرت عمروؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ آپؐ نے فرمایا: مجھے اس سے ملاؤ۔ (حضرت عبداللہؓ کہتے تھے:) میں اس کے بعد آپؐ سے ملا۔ آپؐ نے فرمایا: تم کیسے روزے رکھتے ہو؟ میں نے کہا: میں ہر روز روزہ رکھتا ہوں۔ آپؐ نے پوچھا: قرآن

أُطِيْقُ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ قَالَ صُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فِي الْجُمُعَةِ قَالَ قُلْتُ أُطِيْقُ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ قَالَ أَفْطِرْ يَوْمَيْنِ وَصُمْ يَوْمًا قَالَ قُلْتُ أُطِيْقُ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ قَالَ صُمْ أَفْضَلَ الصَّوْمِ صَوْمَ دَاوُدَ صِيَامَ يَوْمٍ وَإِفْطَارَ يَوْمٍ وَاقْرَأْ فِي كُلِّ سَبْعِ لَيَالٍ مَرَّةً فَلَيْتَنِي قَبِلْتُ رُخْصَةَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَاكَ أَنِّي كَبِرْتُ وَضَعُفْتُ فَكَانَ يَقْرَأُ عَلَى بَعْضِ أَهْلِهِ السُّبْعَ مِنَ الْقُرْآنِ بِالنَّهَارِ وَالَّذِي يَقْرَؤُهُ يَعْرِضُهُ مِنَ النَّهَارِ لِيَكُوْنَ أَخَفَّ عَلَيْهِ بِاللَّيْلِ وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَتَقَوَّى أَفْطَرَ أَيَّامًا وَأَحْصَى وَصَامَ مِثْلَهُنَّ كَرَاهِيَةَ أَنْ يَتْرُكَ شَيْئًا فَارَقَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِ.

کتنے دنوں میں ختم کرتے ہو؟ میں نے کہا: ہر ایک رات۔ آپؐ نے فرمایا: ہر مہینے میں تین دن روزہ رکھو اور ہر مہینہ میں سارا قرآن پڑھا کرو۔ (حضرت عبداللہؓ) کہتے تھے میں نے کہا: میں اس سے زیادہ طاقت رکھتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: جمعہ میں تین دن روزہ رکھو۔ (حضرت عبداللہؓ) کہتے تھے میں نے کہا: میں اس سے زیادہ طاقت رکھتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: دو دن روزہ چھوڑو اور ایک دن روزہ رکھو۔ حضرت عبداللہؓ کہتے تھے: میں نے کہا: میں اس سے بھی زیادہ طاقت رکھتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: وہ روزہ رکھو جو تمام روزوں سے افضل ہے یعنی داؤدؑ کا روزہ۔ ایک دن روزہ رکھنا اور ایک دن روزہ چھوڑنا اور ہر سات راتوں میں ایک بار قرآن ختم کیا کرو۔ کاش کہ میں رسول اللہ ﷺ کی رخصت قبول کرلیتا کیونکہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور کمزور ہو گیا ہوں۔ آخر وہ اپنے گھر والوں میں سے کسی کے سامنے دن کو قرآن کا ساتواں حصہ پڑھتے یعنی جو رات کو پڑھا کرتے وہ دن کو سناتے تا کہ ان کے لئے رات کو پڑھنا آسان ہو، اور جب وہ طاقت حاصل کرنا چاہتے تو کئی دن تک افطار کرتے اور ان کو گن رکھتے اور پھر اتنے ہی دن روزہ رکھتے اس لئے کہ وہ اس کو برا سمجھتے تھے کہ وہ نبی ﷺ کے بعد کوئی ایسی بات چھوڑیں کہ جس پر عمل کرنے کے لئے آپؐ سے (وعدہ) ٹھہرا تھا۔

قَالَ أَبُو عَبْد اللهِ وَقَالَ بَعْضُهُمْ فِي ثَلَاثٍ أَوْ فِي سَبْعٍ[1] وَأَكْثَرُهُمْ عَلَى سَبْعٍ.

ابوعبداللہ (امام بخاریؒ) نے کہا: بعض راویوں نے اس حدیث میں یوں نقل کیا: تین راتوں میں یا پانچ راتوں میں اور ان میں سے اکثر سات پر متفق ہیں۔

أطرافُه: ۱۱۳۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۹۷۴، ۱۹۷۵، ۱۹۷٦، ۱۹۷۷، ۱۹۷۸، ۱۹۷۹، ۱۹۸۰، ۳٤۱۸، ۳٤۱۹، ۳٤۲۰، ۵۰۵۳، ۵۰۵٤، ۵۱۹۹، ٦۱۳٤، ٦۲۷۷۔

۵۰۵۳: حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ لِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي كَمْ تَقْرَأُ الْقُرْآنَ.

۵۰۵۳: سعد بن حفص نے ہم سے بیان کیا کہ ہمیں شیبان نے یحیٰی (بن ابی کثیر) سے روایت کرتے ہوئے بتایا۔ یحیٰی نے محمد بن عبدالرحمٰن سے، انہوں نے ابوسلمہ (بن عبدالرحمٰن بن عوف) سے، ابوسلمہ نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ (بن عاص) سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کتنے دنوں میں سارا قرآن پڑھتے ہو؟

أطرافُه: ۱۱۳۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۹۷٤، ۱۹۷۵، ۱۹۷٦، ۱۹۷۷، ۱۹۷۸، ۱۹۷۹، ۱۹۸۰، ۳٤۱۸، ۳٤۱۹، ۳٤۲۰، ۵۰۵۲، ۵۰۵٤، ۵۱۹۹، ٦۱۳٤، ٦۲۷۷۔

۵۰۵٤: حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوْسَى عَنْ شَيْبَانَ عَنْ يَحْيَى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ مَوْلَى بَنِي زُهْرَةَ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ وَأَحْسِبُنِي قَالَ سَمِعْتُ أَنَا مِنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ

۵۰۵۴: اسحاق (بن منصور) نے مجھ سے بیان کیا کہ عبیداللہ بن موسیٰ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے شیبان سے، شیبان نے یحیٰی (بن ابی کثیر) سے، یحیٰی نے محمد بن عبدالرحمٰن سے جو بنو زہرہ کے غلام تھے، انہوں نے ابوسلمہ (بن عبدالرحمٰن) سے روایت کی۔ یحیٰی نے کہا: اور میں خیال کرتا ہوں کہ (شاید) انہوں نے کہا: میں نے یہ حدیث

[1] عمدۃ القاری میں یہاں لفظ "خَمْسٍ" ہے۔ (عمدۃ القاری جزء ۲۰ صفحہ ۵۸) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْرَإِ الْقُرْآنَ فِي شَهْرٍ قُلْتُ إِنِّي أَجِدُ قُوَّةً حَتَّى قَالَ فَاقْرَأْهُ فِي سَبْعٍ وَلَا تَزِدْ عَلَى ذَلِكَ.

خود ابوسلمہ سے سنی۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ (بن عاص) سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: ہر مہینے میں سارا قرآن پڑھا کرو۔ میں نے کہا: میں زیادہ طاقت پاتا ہوں۔ آخر آپؐ نے فرمایا: اچھا سات راتوں میں پڑھ لیا کرو اور اس سے زیادہ نہیں۔

أطرافه: ١١٣١، ١١٥٢، ١١٥٣، ١٩٧٤، ١٩٧٥، ١٩٧٦، ١٩٧٧، ١٩٧٨، ١٩٧٩، ١٩٨٠، ٣٤١٨، ٣٤١٩، ٣٤٢٠، ٥٠٥٢، ٥٠٥٣، ٥١٩٩، ٦١٣٤، ٦٢٧٧-

تشریح: فِي كَمْ يُقْرَأُ الْقُرْآنُ: کتنے دنوں میں قرآن پڑھا جائے۔ امام بخاریؒ کہتے ہیں: بعض راویوں نے اس حدیث میں یوں نقل کیا ہے۔ تین راتوں میں یا پانچ راتوں میں اور ان میں سے اکثر سات پر متفق ہیں۔ روایت (نمبر ٥٠٥٢) میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اقْرَإِ الْقُرْآنَ فِي كُلِّ شَهْرٍ یعنی ہر مہینہ میں سارا قرآن پڑھا کرو۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے اس پر عرض کیا کہ وہ اس سے زیادہ کی طاقت رکھتے ہیں، وہ اس مدت کو کم کرواتے گئے یہاں تک کہ آپؐ نے تین دن سے کم مدت میں ختم کرنے سے منع فرمایا۔ ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے ہی مرفوع روایت ہے کہ لَا يَفْقَهُ مَنْ قَرَأَهُ فِي أَقَلَّ مِنْ ثَلَاثٍ[1] جس شخص نے قرآن کو تین دن سے کم عرصہ میں پڑھا اس نے اس کو نہیں سمجھا۔ سعید بن منصور نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بیان کیا کہ قرآن کو سات دن میں ختم کرو اور تین دن سے کم مدت میں ختم نہ کرو۔ عمرہ نے حضرت عائشہؓ سے بیان کیا: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَخْتِمُ الْقُرْآنَ فِي أَقَلَّ مِنْ ثَلَاثٍ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم تین دن سے کم عرصہ میں قرآن ختم نہ فرماتے تھے۔ اسی طرح بعض دیگر روایات میں پانچ دن کا بھی ذکر ملتا ہے۔ علامہ ابن حجر لکھتے ہیں: علامہ نوویؒ نے بیان کیا ہے کہ مدت کا اختیار مختلف اشخاص کے لحاظ سے مختلف ہے۔ جو شخص اہل فہم اور دقیق فکر والا ہو اس کے لیے پسندیدہ یہی ہے کہ وہ اسی قدر پڑھے جس سے اس کے تدبر اور استخراجِ معانی میں خلل واقع نہ ہو۔ (فتح الباری جزء ٩ صفحہ ١٢١)

---

[1] (سنن ابی داؤد، ابواب قراءۃ القرآن وتحزیبہ وترتیلہ، باب فی کم یقرء القرآن)

بَاب ٣٥: الْبُكَاءُ عِنْدَ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ

قرآن پڑھتے وقت رونا

٥٠٥٥: حَدَّثَنَا صَدَقَةُ أَخْبَرَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَبِيْدَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ يَحْيَى بَعْضُ الْحَدِيْثِ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، قَالَ لِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ عَنْ يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَبِيْدَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ الْأَعْمَشُ وَبَعْضَ الْحَدِيْثِ حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ، وَعَنْ أَبِيْهِ عَنْ أَبِي الضُّحَى عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْرَأْ عَلَيَّ قَالَ قُلْتُ آقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ قَالَ إِنِّي أَشْتَهِي أَنْ أَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِي قَالَ فَقَرَأْتُ النِّسَاءَ حَتَّى إِذَا بَلَغْتُ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ○ (النساء: ٤٢) قَالَ لِي كُفَّ

۵۰۵۵: صدقہ (بن فضل) نے ہم سے بیان کیا۔ یحییٰ (بن سعید قطان) نے ہمیں خبر دی۔ انہوں نے سفیان (ثوری) سے، سفیان نے سلیمان سے، سلیمان نے ابراہیم (نخعی) سے، ابراہیم نے عبیدہ (سلمانی) سے، عبیدہ نے حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) سے روایت کی۔ یحییٰ (قطان) نے کہا: اس حدیث کا کچھ (حصہ) عمرو بن مرہ سے مروی ہے۔ (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا:) مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نیز مسدد نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے یحییٰ (بن سعید قطان) سے، یحییٰ نے سفیان (ثوری) سے، سفیان نے اعمش سے، اعمش نے ابراہیم (نخعی) سے، ابراہیم نے عبیدہ (سلمانی) سے، عبیدہ نے حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) سے روایت کی۔ اعمش نے کہا: اور اس حدیث کا کچھ حصہ عمرو بن مرہ نے مجھ سے بیان کیا۔ انہوں نے ابراہیم سے روایت کی۔ اور (سفیان ثوری) نے اپنے باپ (سعید بن مسروق) سے، ان کے باپ نے ابوالضحیٰ سے، ابوالضحیٰ نے حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ۔ کہتے تھے: میں نے کہا: کیا میں آپؐ کو پڑھ کر سناؤں حالانکہ آپؐ پر

أَوْ أَمْسِكْ فَرَأَيْتُ عَيْنَيْهِ تَذْرِفَانِ.

نازل کیا گیا۔ آپؐ نے فرمایا: میں پسند کرتا ہوں کہ دوسرے سے سنوں۔ کہتے تھے: میں نے سورۃ النساء پڑھی یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچا: اور ان کا کیا حال ہو گا جب ہم ہر ایک جماعت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور تجھے ان لوگوں کے متعلق (بطور) گواہ لائیں گے۔ آپؐ نے مجھے فرمایا: رُک جاؤ یا (فرمایا:) ٹھہر جاؤ۔ میں نے آپؐ کی آنکھوں کو دیکھا، آنسو بہا رہی تھیں۔

أطرافه: ٤٥٨٢، ٥٠٤٩، ٥٠٥٠، ٥٠٥٦۔

٥٠٥٦: حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبِيْدَةَ السَّلْمَانِيِّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ لِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْرَأْ عَلَيَّ قُلْتُ أَقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ قَالَ إِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِي.

٥٠٥٦: قیس بن حفص (بصری) نے ہم سے بیان کیا کہ عبدالواحد (بن زیاد) نے ہمیں بتایا۔ (انہوں نے کہا:) اعمش نے ہم سے بیان کیا۔ انہوں نے ابراہیم (نخعی) سے، ابراہیم نے عبیدہ سلمانی سے، عبیدہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے (قرآن) پڑھ کر سناؤ۔ میں نے کہا: کیا میں آپؐ کو پڑھ کر سناؤں حالانکہ آپؐ پر تو نازل کیا گیا۔ آپؐ نے فرمایا: میں پسند کرتا ہوں کہ دوسرے سے سنوں۔

أطرافه: ٤٥٨٢، ٥٠٤٩، ٥٠٥٠، ٥٠٥٥۔

تشریح: اَلْبُكَاءُ عِنْدَ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ: قرآن پڑھتے وقت رونا۔ قرآن کریم کی تلاوت کا ایک غیر معمولی اثر پڑھنے اور سننے والے پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ

اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ○ (الزمر: ۲۴)[1]

زیر باب حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ نیز حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ نَزَلَ بِحُزْنٍ، فَإِذَا قَرَأْتُمُوهُ فَابْكُوا، فَإِنْ لَمْ تَبْكُوا فَتَبَاكَوْا، وَتَغَنَّوْا بِهِ فَمَنْ لَمْ يَتَغَنَّ بِهِ فَلَيْسَ مِنَّا[2] یعنی یہ قرآن حالتِ غم میں نازل ہوا پس جب تم اسے پڑھو تو خوب روؤ۔ اور اگر نہ روؤ تو رونے جیسا منہ بناؤ۔ اور اسے خوب سنوار کر تلاوت کرو پس جس نے خوب سنوار کر نہ پڑھا تو وہ ہم میں سے نہیں۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”يَعْنِيْ ذَالِكَ الْكِتَابُ كِتَابًا مُتَشَابِهُ يُشْبِهُ بَعْضُهُ بَعْضًا لَيْسَ فِيْهِ تَنَاقُضٌ وَلَا اِخْتِلَافٌ مَثْنٰى فِيْهِ كُلُّ ذِكْرٍ لِيَكُوْنَ بَعْضُ الذِّكْرِ تَفْسِيْرًا لِبَعْضِهٖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ يَعْنِيْ يَسْتَوْلِيْ جَلَالُهٗ وَهَيْبَتُهٗ عَلٰى قُلُوْبِ الْعُشَّاقِ لِتَقْشَعِرَّ جُلُوْدُهُمْ مِنْ كَمَالِ الْخَشْيَةِ وَالْخَوْفِ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ طَاعَةِ اللّٰهِ لَيْلًا وَنَهَارًا بِتَحْرِيْكِ تَأْثِيْرَاتٍ جَلَالِيَّةٍ وَتَنْبِيْهَاتٍ قَهْرِيَّةٍ مِنَ الْقُرْاٰنِ ثُمَّ يُبَدِّلُ اللّٰهُ حَالَتَهُمْ مِنَ التَّاَلُّمِ اِلَى التَّلَذُّذِ فَيَصِيْرُ الطَّاعَةُ جُزْوَ طَبِيْعَتِهِمْ وَ خَاصَّةَ فِطْرَتِهِمْ فَتَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ۔ يَعْنِيْ لِيَسِيْلَ الذِّكْرُ فِيْ قُلُوْبِهِمْ كَسَيْلَانِ الْمَاءِ وَيَصْدُرُ مِنْهُمْ كُلُّ اَمْرٍ فِيْ طَاعَةِ اللّٰهِ بِكَمَالِ السُّهُوْلَةِ وَالصَّفَاءِ لَيْسَ فِيْهِ ثِقْلٌ وَلَا تَكَلُّفٌ وَلَا ضَيْقٌ فِيْ صُدُوْرِهِمْ بَلْ يَتَلَذَّذُوْنَ بِاِمْتِثَالِ اَمْرِ اِلٰهِهِمْ وَيَجِدُوْنَ لَذَّةً وَحَلَاوَةً فِيْ طَاعَةِ مَوْلَاهُمْ وَهٰذَا هُوَ الْمُنْتَهَى الَّذِيْ يَنْتَهِيْ اِلَيْهِ اَمْرُ الْعَابِدِيْنَ وَالْمُطِيْعِيْنَ فَيُبَدِّلُ اللّٰهُ آلَامَهُمْ بِاللَّذَّاتِ۔“

(الحق مباحثہ لدھیانہ، روحانی خزائن جلد ۴ صفحہ ۳۷، ۳۸)

ترجمہ یعنی یہ کتاب متشابہ ہے جس کی آیتیں اور مضامین ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ ان میں کوئی تناقض اور اختلاف نہیں۔ ہر ذکر اور وعظ اس میں دوہرا دوہرا کر بیان کی گئی ہے

---

[1] ترجمہ از تفسیر صغیر: اللہ وہ ہے جس نے بہتر سے بہتر بات یعنی وہ کتاب اتاری ہے، جو متشابہ بھی ہے۔ اور اس کے مضمون نہایت اعلیٰ ہیں۔ جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے جسموں کے رونگٹے اس کے پڑھنے سے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کے چمڑے اور دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف جھک جاتے ہیں۔ یہ (قرآن) اللہ کی ہدایت ہے (یعنی قرآن جس ہدایت کا مالک ہے وہ اللہ کی ہدایت ہے) جس کے ذریعہ سے وہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جس کو اللہ گمراہ قرار دے دے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

[2] (سنن ابن ماجه، کتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب في حسن الصوت بالقرآن)

جس سے غرض یہ ہے کہ ایک مقام کا ذکر دوسرے مقام کے ذکر کی تفسیر ہو جائے۔ اس کے پڑھنے سے ان لوگوں کی کھالوں پر جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یعنی اس کا جلال اور اس کی ہیبت عاشقوں کے دلوں پر غالب ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ ان کی کھالوں پر کمال خوف اور دہشت سے رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ وہ قرآن کی قہری تنبیہات اور جلالی تاثیرات کی تحریک سے رات دن اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں بہ دل و جان کوشش کرتے ہیں۔ پھر ان کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس حالت کو جو پہلے دکھ درد کی حالت ہوتی ہے لذت اور سرور سے بدل ڈالتا ہے۔ چنانچہ اس وقت طاعتِ الٰہی ان کی جُزوِبدن اور خاصہ فطرت ہو جاتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ان کے دلوں اور بدنوں پر رقت اور لینت طاری ہوتی ہے یعنی ذکر ان کے دلوں میں پانی کی طرح بہنا شروع ہو جاتا ہے اور ہر بات طاعتِ الٰہی کی ان لوگوں سے نہایت سہولت اور صفائی سے صادر ہوتی ہے نہ یہ کہ اس میں کوئی بوجھ ہو یا ان کے سینوں میں اس سے کوئی تنگی واقع ہو بلکہ وہ تو اپنے معبود کے امر کی فرمانبرداری میں لذت حاصل کرتے ہیں اور اپنے مولیٰ کی طاعت میں انہیں حلاوت آتی ہے۔ پس عابدوں اور مطیعوں کی غایت کار اور معراج یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دکھوں کو لذتوں سے بدل ڈالے۔" (ترجمہ از ایڈیٹر، الحق مباحثہ لدھیانہ، روحانی خزائن جلد ۴ حاشیہ صفحہ ۳۸)

بَاب ۳۶: إِثْمُ مَنْ رَاءَى بِقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ أَوْ تَأَكَّلَ بِهِ أَوْ فَجَرَ[1] بِهِ

جس نے قرآن کو دکھاوے کے لئے پڑھا، یا اس سے روزی کمائی، یا اس کے پڑھنے پر فخر کیا

۵۰۵۷: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ خَيْثَمَةَ عَنْ سُوَيْدِ بْنِ غَفَلَةَ قَالَ قَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يَأْتِي فِي

۵۰۵۷: محمد بن کثیر نے ہم سے بیان کیا کہ سفیان (ثوری) نے ہمیں خبر دی۔ انہوں نے اعمش سے، اعمش نے خیثمہ (بن عبد الرحمٰن) سے، خیثمہ نے سُوَید بن غفلہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان

[1] ابن التین کے مطابق ایک روایت میں یہاں "فَجَرَ" کی بجائے "فَخَرَ" ہے۔ (فتح الباری، جزء۹ صفحہ ۱۲۵) ترجمہ اس کے مطابق ہے۔

آخِرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ حُدَثَاءُ الْأَسْنَانِ سُفَهَاءُ الْأَحْلَامِ يَقُوْلُونَ مِنْ خَيْرِ قَوْلِ الْبَرِيَّةِ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الْإِسْلَامِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ لَا يُجَاوِزُ إِيمَانُهُمْ حَنَاجِرَهُمْ فَأَيْنَمَا لَقِيتُمُوْهُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ فَإِنَّ قَتْلَهُمْ أَجْرٌ لِمَنْ قَتَلَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

کیا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپؐ فرماتے تھے: آخری زمانہ میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو نوجوان ہوں گے، عقل کے بے وقوف ہوں گے، ایسی باتیں کریں گے جو جہان کی بہتر باتوں میں سے ہوں گی، اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار کے پار ہو جاتا ہے۔ ان کے ایمان اُن کے حلقوں سے نیچے نہیں اتریں گے۔ جہاں کہیں بھی تم ان سے ملو انہیں مار ڈالو کیونکہ ان کو مار ڈالنا اس شخص کے لئے قیامت کے دن ثواب کا موجب ہو گا جو ان کو مار ڈالے گا۔

أطرافه: ٣٦١١، ٦٩٣٠۔

٥٠٥٨: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ الْحَارِثِ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يَخْرُجُ فِيكُمْ قَوْمٌ تَحْقِرُوْنَ صَلَاتَكُمْ مَعَ صَلَاتِهِمْ وَصِيَامَكُمْ مَعَ صِيَامِهِمْ وَعَمَلَكُمْ مَعَ عَمَلِهِمْ وَيَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ كَمَا يَمْرُقُ

۵۰۵۸: عبد اللہ بن یوسف نے ہم سے بیان کیا کہ مالک نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے یحيٰی بن سعید (انصاری) سے، یحيٰی نے محمد بن ابراہیم بن حارث تیمی سے، انہوں نے ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن سے، ابوسلمہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپؐ فرماتے تھے: تم میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے کہ تم اپنی نمازوں کو اُن کی نمازوں کے مقابل، تم اپنے روزوں کو اُن کے روزوں کے مقابل اور تم اپنے عمل کو اُن کے عمل کے مقابل حقیر جانو گے۔ اور وہ قرآن پڑھیں گے جو اُن کے گلوں سے نیچے

السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ يَنْظُرُ فِي النَّصْلِ فَلَا يَرَى شَيْئًا وَيَنْظُرُ فِي الْقِدْحِ فَلَا يَرَى شَيْئًا وَيَنْظُرُ فِي الرِّيْشِ فَلَا يَرَى شَيْئًا وَيَتَمَارَى فِي الْفُوْقِ.

نہیں اترے گا۔ وہ دین سے ایسے نکلیں گے جیسے تیر شکار سے پار نکل جاتا ہے۔ پھل کو دیکھے اس میں کچھ نہ پائے۔ لکڑی کو دیکھے تو اس میں کچھ نہ پائے۔ پَر کو دیکھے تو کچھ نہ پائے اور سرے (کو دیکھے تو اس) میں شک کرے۔

أطرافه: ٣٣٤٤، ٣٦١٠، ٤٣٥١، ٤٦٦٧، ٦١٦٣، ٦٩٣١، ٦٩٣٣، ٧٤٣٢، ٧٥٦٢-

٥٠٥٩: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِي مُوْسَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤْمِنُ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَعْمَلُ بِهِ كَالْأُتْرُجَّةِ طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَرِيْحُهَا طَيِّبٌ وَالْمُؤْمِنُ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَعْمَلُ بِهِ كَالتَّمْرَةِ طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَلَا رِيْحَ لَهَا وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَالرَّيْحَانَةِ رِيْحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَالْحَنْظَلَةِ طَعْمُهَا مُرٌّ أَوْ خَبِيْثٌ وَرِيْحُهَا مُرٌّ.

۵۰۵۹: مسدد نے ہم سے بیان کیا کہ یحیٰ (بن سعید قطان) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے شعبہ سے، شعبہ نے قتادہ سے، قتادہ نے حضرت انس بن مالکؓ سے، حضرت انسؓ نے حضرت ابو موسیٰ (اشعریؓ) سے، حضرت ابو موسیٰؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔ آپؐ نے فرمایا: وہ مومن جو قرآن پڑھتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے وہ ترنج (نارنگی) کی طرح ہے جس کا مزہ بھی اچھا ہے اور بو بھی اچھی ہے۔ اور وہ مومن جو قرآن نہیں پڑھتا اور اس پر عمل کرتا ہے کھجور کی طرح ہے جس کا مزہ اچھا ہے اس کی مطلق بو نہیں۔ اور منافق کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے نیاز بو کی طرح ہے جس کی خوشبو اچھی ہے اور اس کا مزہ کڑوا ہوتا ہے۔ اور منافق کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا حنظل کی طرح ہے جس کا مزہ بھی کڑوا، یا (فرمایا) بُرا اور بو بھی کڑوی۔

أطرافه: ٥٠٢٠، ٥٤٢٧، ٧٥٦٠-

تشریح۔ إِثْمُ مَنْ رَاءَى بِقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ أَوْ تَأَكَّلَ بِهِ أَوْ فَجَرَ بِهِ: جس نے قرآن کو دکھاوے کے لئے پڑھا، یا اس سے روزی کمائی، یا اس کے خلاف عمل کیا۔ اس باب میں ایسے افراد کی مذمت کی گئی ہے جو دکھاوے کی تلاوت کریں یا پیسہ کمانے کی غرض سے قرآن پڑھیں۔ یا قرآن کریم کے خلاف عمل کریں، ان کی اصل غرض دنیا کمانا اور شہرت طلبی ہو۔

لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ: وہ (قرآن) اُن کے گلوں سے نیچے نہیں اترے گا۔ حاکم نے ایک روایت حضرت ابوسعید خدریؓ سے بیان کی ہے کہ تم قرآن سیکھو اور اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو، قبل اس کے کہ ایک ایسی قوم قرآن سیکھے جو اس کے ذریعہ سے دنیا طلب کرے۔ قرآن کریم تین طرح کے لوگ سیکھتے ہیں: ایک وہ جو اس کے ذریعہ فخر کرتا ہے۔ ایک وہ جو اس کے ذریعہ مال طلب کرتا ہے۔ اور ایک وہ جو محض اللہ تعالیٰ کی خاطر پڑھتا ہے۔ (فتح الباری جزء ۹ صفحہ ۱۲۶)

وَيَتَمَارَى فِي الْفُوْقِ: سرے (کو دیکھے تو اس) میں شک کرے۔ تیر کے پچھلے کنارے کو جو کمان کے دھاگے سے ملا ہوتا ہے فُوْق کہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کی مثال اس تیر سے دی ہے جو شکار سے پار گزر جائے مگر اس پر خون اور گوشت وغیرہ کا کوئی نشان نہ ہو۔ یہی حال ان لوگوں کا ہوگا کہ باوجودیکہ وہ دینی تعلیم حاصل کریں گے مگر اس تعلیم کا کوئی مثبت اثر ان پر دکھائی نہیں دے گا اور ان کی حالتوں سے یہ ظاہر ہوگا کہ وہ تعلیم سے بالکل کورے اور جاہلِ مطلق ہیں۔

الْمُؤْمِنُ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَعْمَلُ بِهِ: وہ مومن جو قرآن پڑھتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

> ”اس حدیث سے قرآن کریم کی مزید وضاحت یہ ہوتی ہے کہ نہ صرف تلاوت ضروری ہے بلکہ اس کو سمجھ کر اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ جو قرآن کریم پڑھتے بھی ہیں اور اس پر غور بھی کرتے ہیں اور اس پر عمل بھی کرتے ہیں وہ ایسے خوشبودار پھل کی طرح ہیں جس کا مزا بھی اچھا ہے اور جس کی خوشبو بھی اچھی ہے۔ کیسی خوبصورت مثال ہے کہ ایسا پھل جس کا مزا بھی اچھا ہے جب انسان کوئی مزیدار چیز کھاتا ہے تو پھر دوبارہ کھانے کی بھی خواہش ہوتی ہے۔ تو قرآن کریم کو جو اس طرح پڑھے گا کہ اس کو سمجھ آرہی ہو گی اس کو سمجھنے سے ایک قسم کا مزا بھی آرہا ہوگا اور جب اس پر عمل کر رہا ہوگا تو اس کی خوشبو بھی ہر طرف پھیلا رہا ہوگا۔ اس کے احکام کی خوبصورتی ہر ایک کو ایسے شخص میں نظر آرہی ہو گی۔“

(خطباتِ مسرور جلد ۲ صفحہ ۶۸۹)

مزید تفصیل کے لیے دیکھئے خطباتِ مسرور جلد دوم صفحہ ۶۸۲ تا ۶۹۹ ایڈیشن ۲۰۰۵۔

بَاب ۳۷: اقْرَءُوا الْقُرْآنَ مَا ائْتَلَفَتْ عَلَيْهِ قُلُوبُكُمْ

قرآن اس وقت تک پڑھو جب تک تمہارے دل لگے رہیں

٥٠٦٠: حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَبِي عِمْرَانَ الْجَوْنِيِّ عَنْ جُنْدَبِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اقْرَءُوا الْقُرْآنَ مَا ائْتَلَفَتْ قُلُوبُكُمْ فَإِذَا اخْتَلَفْتُمْ فَقُومُوا عَنْهُ.

۵۰۶۰: ابو نعمان (محمد بن فضل سدوسی) نے ہم سے بیان کیا کہ حماد (بن زید) نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے ابوعمران (عبدالملک بن حبیب) جونی سے، ابوعمران نے حضرت جندب بن عبداللہؓ سے، حضرت جندبؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔ آپؐ نے فرمایا: تم قرآن اس وقت تک پڑھو جب تک تمہارے دل لگے رہیں۔ جب تم اُچاٹ ہونے لگو تو پھر اٹھ کھڑے ہو۔

أطرافه: ٥٠٦١، ٧٣٦٤، ٧٣٦٥۔

٥٠٦١: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سَلَّامُ بْنُ أَبِي مُطِيعٍ عَنْ أَبِي عِمْرَانَ الْجَوْنِيِّ عَنْ جُنْدَبٍ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْرَءُوا الْقُرْآنَ مَا ائْتَلَفَتْ عَلَيْهِ قُلُوبُكُمْ فَإِذَا اخْتَلَفْتُمْ فَقُومُوا عَنْهُ. تَابَعَهُ الْحَارِثُ بْنُ عُبَيْدٍ وَسَعِيدُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَبِي عِمْرَانَ، وَلَمْ يَرْفَعْهُ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ وَأَبَانُ، وَقَالَ غُنْدَرٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي عِمْرَانَ سَمِعْتُ جُنْدَبًا قَوْلَهُ. وَقَالَ ابْنُ عَوْنٍ عَنْ أَبِي

۵۰۶۱: عمرو بن علی (فلاس) نے ہم سے بیان کیا کہ عبدالرحمٰن بن مہدی نے ہمیں بتایا۔ سلام بن ابی مطیع نے ہم سے بیان کیا۔ سلام نے ابوعمران جونی سے، ابوعمران نے حضرت جندب (بن عبداللہؓ) سے روایت کی۔ (انہوں نے کہا:) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن پڑھتے رہو جب تک کہ تمہارے دل لگے رہیں۔ جب تم اُچاٹ ہونے لگو تو پھر اٹھ کھڑے ہو۔ (سلام کی طرح) حارث بن عبید اور سعید بن زید نے بھی ابوعمران (جونی) سے اس حدیث کو روایت کیا۔ اور حماد بن سلمہ اور ابان نے اس کو مرفوعاً بیان نہیں کیا۔ اور غندر (محمد بن جعفر) نے بھی اسے

عِمْرَانَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الصَّامِتِ عَنْ عُمَرَ قَوْلَهُ وَجُنْدَبٌ أَصَحُّ وَأَكْثَرُ.

بیان کیا۔ انہوں نے شعبہ سے، شعبہ نے ابو عمران سے روایت کی۔ (انہوں نے کہا:) میں نے حضرت جندبؓ سے ان کا یہی قول سنا۔ اور (عبداللہ) بن عون نے ابو عمران سے، ابو عمران نے عبداللہ بن صامت سے، عبداللہ نے حضرت عمرؓ سے ان کا یہی قول بیان کیا۔ اور حضرت جندبؓ کی روایت زیادہ صحیح اور زیادہ مشہور ہے۔

أطرافه: ٥٠٦٠، ٧٣٦٤، ٧٣٦٥۔

٥٠٦٢: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ مَيْسَرَةَ عَنِ النَّزَّالِ بْنِ سَبْرَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ أَنَّهُ سَمِعَ رَجُلًا يَقْرَأُ آيَةً سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ خِلَافَهَا فَأَخَذْتُ بِيَدِهِ فَانْطَلَقْتُ بِهِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كِلَاكُمَا مُحْسِنٌ فَاقْرَآ، أَكْبَرُ عِلْمِي قَالَ فَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ اخْتَلَفُوْا فَأَهْلَكَهُمْ.

۵۰۶۲: سلیمان بن حرب نے ہم سے بیان کیا کہ شعبہ نے ہمیں بتایا۔ انہوں نے عبدالملک بن میسرہ سے، عبدالملک نے نزال بن سبرہ سے، نزال نے حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) سے روایت کی۔ انہوں نے ایک شخص کو ایک آیت اس طرح پڑھتے ہوئے سنا کہ جس کے خلاف انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے ہوئے سنا تھا۔ (انہوں نے کہا:) میں نے ان کا ہاتھ پکڑا اور ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا۔ آپؐ نے فرمایا: تم دونوں اچھی طرح پڑھتے ہو۔ (شعبہ نے کہا:) میرا غالب علم یہ ہے کہ آپؐ نے فرمایا: کیونکہ تم سے پہلے جو تھے انہوں نے آپس میں اختلاف کیا اور اس نے ان کو ہلاک کر دیا۔

أطرافه: ٢٤١٠، ٣٤٧٦۔

تشریح: اِقْرَءُوا الْقُرْآنَ مَا ائْتَلَفَتْ عَلَيْهِ قُلُوْبُكُمْ: تم قرآن اس وقت تک پڑھو جب تک تمہارے دل لگے رہیں، جب تم اُچاٹ ہونے لگو تو پھر اٹھ کھڑے ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کا یہ فرمانا اپنے اندر بہت سی حکمتیں رکھتا ہے۔ مثلاً ایک یہ کہ انسانی مزاج میں کمزوری ہے کہ وہ ایک کام کرتے کرتے تھک جاتا ہے اور جب تک کچھ آرام نہ کرلے اور اس کی طاقتیں بحال نہ ہوں وہ اسی کام کو یا کسی دوسرے کام کو پوری مستعدی اور تمام تر صلاحیتوں اور استعدادوں کے ساتھ نہیں کر پاتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے قانونِ قدرت میں یہ انتظام کر رکھا ہے کہ اضمحلال کے بعد نئی قوت پانے کے لیے وقفہ یا آرام کا وقت رکھا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے: وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّ النَّوْمَ سُبَاتًا وَّ جَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا○ (الفرقان:۴۸) اور وہی (خدا) ہے جس نے رات کو تمہارے لئے لباس بنایا اور نیند کو آرام کا موجب، اور دن کو پھیلنے اور ترقی کا ذریعہ۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”نیند انسانی راحت اور آرام کا موجب بنتی ہے اور جسم نئے سرے سے طاقتیں حاصل کر لیتا ہے۔ اگر نیند نہ آئے تو انسان چند دنوں میں ہی پاگل ہو جائے۔ یہ نیند ہی ہے جس کی وجہ سے انسان کی تمام طاقتیں برقرار رہتی ہیں اور وہ ہر صبح تازہ دم ہو کر اپنا کام شروع کر دیتا ہے۔“

(تفسیر کبیر، سورۃ الفرقان زیر آیت وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ، جلد ششم صفحہ ۵۱۰)

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے یہی مراد ہے کہ جب تھک جاؤ اور طبیعت میں اکتاہٹ اور بیزاری پیدا ہو جائے تو اس کام کو چھوڑ دو۔ جیسا کہ ایک اور موقع پر فرمایا: يَا أَيُّهَا النَّاسُ، خُذُوا مِنَ الْأَعْمَالِ مَا تُطِيقُونَ، فَإِنَّ اللهَ لَا يَمَلُّ حَتَّى تَمَلُّوا، وَإِنَّ أَحَبَّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللهِ مَا دَامَ وَإِنْ قَلَّ[1] اے لوگو! اعمال میں سے اتنا ہی کرو جتنے کی تمہیں طاقت ہے۔ اللہ تعالیٰ (اجر دیتے) تو نہیں تھکے گا مگر تم تھک جاؤ گے اور اللہ کے نزدیک وہی اعمال پسندیدہ ہیں جو دائمی ہوں چاہے تھوڑے ہوں۔

فَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ اخْتَلَفُوْا فَأَهْلَكَهُمْ: ایک صحابیؓ کے نزدیک دوسرے صحابیؓ نے کسی آیت کی تلاوت درست نہیں کی اور وہ اسے پکڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے۔ آپؐ کے نزدیک خصومت کی نوعیت ایسی نہ تھی کہ اس پر ایک دوسرے سے اختلاف کیا جاتا۔ اس لئے آپؐ نے ان الفاظ میں نہایت ہی قیمتی نصیحت فرمائی: فَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ اخْتَلَفُوْا فَأَهْلَكَهُمْ۔ (روایت نمبر ۵۰۶۲) آپس میں اختلاف نہ کرو کیونکہ تم سے پہلوں نے اختلاف کیا اور وہ برباد ہوگئے۔ امام مسلم نے بھی انہی معنوں میں ایک روایت حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی نقل کی ہے: قَالَ هَجَّرْتُ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا قَالَ فَسَمِعَ أَصْوَاتَ رَجُلَيْنِ اخْتَلَفَا فِي آيَةٍ فَخَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْرَفُ فِي وَجْهِهِ الْغَضَبُ فَقَالَ إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِاخْتِلَافِهِمْ فِي الْكِتَابِ۔[2] حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ

---

[1] (بخاری، کتاب اللباس، بَابُ الْجُلُوسِ عَلَى الْحَصِيرِ وَنَحْوِهِ)

[2] (مسلم، کتاب العلم، باب النهی عن اتباع متشابه القرآن)

علیہ وسلم کے پاس ایک دن دوپہر کے وقت آیا تو دو آدمیوں کی آوازیں سنی گئیں جو ایک آیت کی قرأت سے متعلق جھگڑ رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے۔ آپؐ کے چہرے پر ناراضگی نمایاں تھی۔ آپؐ نے فرمایا: تم سے پہلے لوگ اسی لئے ہلاک ہوگئے کہ انہوں نے اپنی کتاب کے بارے میں اختلاف کیا۔ اس قیمتی نصیحت کے باوجود مسلمانوں نے فقہی اختلافات کو جو دراصل نقطۂ نظر اور اندازِ فکر کا اِختلاف تھا، بجائے رحمت، مخاصمت کی صورت میں زحمت بنادیا۔ ایک دوسرے کے کفر واِلحاد تک نوبت پہنچادی اور ان کی اس جہالت نے معصوموں پر وہ وہ ستم ڈھائے ہیں کہ اُن کی داستان پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔

✿✿✿

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتابیات

✿✿✿✿✿✿✿

قرآنِ کریم وتفاسیر

★ تفسیر صغیر: حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفة المسیح الثانی رضی اللہ عنہ۔

★ قرآن کریم اُردو ترجمہ حضرت مرزا طاہر احمد خلیفة المسیح الرابع رحمہ اللہ علیہ

★ تفسیر بیان فرمودہ حضرت مسیح موعود ومہدي معہود علیہ السلام۔

★ حقائق الفرقان: تفسیری نکات حضرت خلیفة المسیح الأول رضی اللہ عنہ۔

ناشر: نظارت اشاعت ربوہ پاکستان، مطبع: ضیاء الاسلام پریس ربوہ۔

★ تفسیر کبیر: حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفة المسیح الثاني رضی اللہ عنہ

مطبع ضیاء الاسلام پریس ربوہ۔

☆☆☆

★ مجاز القرآن: أبو عبیدة معمر بن المثنی التیمی البصري (المتوفی: ۲۰۹ھ)

مكتبة الخانجی۔ القاهرة۔ ۱۳۸۱ هـ

★ جامع البیان للطبری:

محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب الآملی، أبو جعفر الطبري (المتوفی: ۳۱۰ھ)

دار هجر للطباعة والنشر والتوزیع والإعلان۔ الطبعة: الأولی، ۱٤۲۲ هـ / ۲۰۰۱ء

★ تفسیر القرآن العظیم لابن أبي حاتم:

محمد بن إدریس بن المنذر التمیمی، الحنظلی الرازي ابن أبي حاتم (المتوفی: ۳۲۷ھ)

مکتبة نزار مصطفی الباز۔ المملکة العربیة السعودیة۔ الطبعة: الثالثة - ۱٤۱۹ هـ

★ الکشف والبیان عن تفسیر القرآن: أحمد بن محمد بن إبراهیم الثعلبی (المتوفی ٤۲۷ھ)

دار إحیاء التراث العربي بیروت، لبنان۔ الطبعة الأولی۔ ۲۰۰۲ء

★ تفسیر الماوردی:

أبو الحسن علی بن محمد بن محمد البصري البغدادي الماوردي (المتوفی: ٤٥۰ھ)

الناشر: دار الکتب العلمیة۔ بیروت / لبنان

★ المفردات فی غریب القرآن للراغب:
أبو القاسم الحسين بن محمد المعروف بالراغب الأصفهاني (المتوفى: ۵۰۲ھ)
الناشر: دار القلم، الدار الشامية۔ دمشق بيروت۔ الطبعة: الأولى -۱۴۱۲ھ

★ معالم التنزیل فی تفسیر القرآن للبغوی:
محيى السنة، أبو محمد الحسين بن مسعود البغوي (المتوفى: ۵۱۰ھ)

★ الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل: ابوالقاسم محمود بن عمرو الزمخشری (المتوفی: ۵۳۸ھ)
دار الكتاب العربي، بيروت۔ الطبعة الثالثة۔ ۱۴۰۷ھ۔

★ مفاتیح الغیب المسمٰی بالتفسیر الکبیر للرازی:
أبو عبد الله محمد بن عمر الملقب بفخر الدين الرازي (المتوفى: ۶۰۶ھ)
دار إحياء التراث العربي – بيروت۔ الطبعة: الثالثة – ۱۴۲۰ھ

★ الجامع لأحکام القرآن (مسمٰی بتفسیر القرطبی):
أبوعبد الله محمد بن أحمد بن أبي بكر القرطبي (المتوفى: ۶۷۱ھ)
دار الكتب المصرية القاهرة۔ الطبعة الثانية۔ ۱۳۸۴ھ/ ۱۹۶۴ء۔

★ تفسیر القرآن العظیم: أبو الفداء اسماعيل بن عمر بن كثير (المتوفى: ۷۷۴ھ)
دار طيبة۔ الطبعة الثانية۔ ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء۔

★ التبیان فی تفسیر غریب القرآن: أحمد بن محمد، ابن الهائم (المتوفى: ۸۱۵ھ)
دار الغرب الإسلامی بيروت۔ الطبعة الأولى۔ ۱۴۲۳ھ

★ الدرّ المنثور: عبد الرحمٰن بن الكمال جلال الدين السيوطی (المتوفى: ۹۱۱ھ)
دار الفكر۔ بيروت۔ ۱۹۹۳ء

کتب لمتونِ الحدیث

★ صحیح البخاری: ابو عبدالله محمد بن اسماعيل البخاري (المتوفى: ۲۵۶ھ)
(۱) فتح الباري: احمد بن على بن حجر العسقلاني (المتوفى: ۸۵۲ھ)
مطبوعه دار السلام الرياض۔ الطبعة الاولى –۲۰۰۰ء
المطبعة الأميرية ببولاق بمصر ۱۳۰۱ھ
المطبع الأنصاري دهلی ۱۳۰۵ھ
(۲) صحيح البخاري: مطبوعه قديمی كتب خانه آرام باغ كراچی– ۱۳۵۷ھ
(۳) عمدة القاري: بدر الدين ابو محمد محمود بن احمد العينی (المتوفى: ۸۵۵ھ)
دار احياء التراث العربي۔ بيروت لبنان

(۴) صحيح الإمام البخاري باختلاف الروايات مطبوعة عن النسخة اليونينية
مطبوعه دار طوق النجاة۔ الطبعة الأولى ١٤٢٢ھ
(۵) صحيح البخاري مطبوعه مكتبة الرشد الرياض۔ الطبعة الثانية ٢٠٠٦ء

★ **صحيح مسلم**: مسلم بن الحجاج القشيري النيسابوري (المتوفى: ٢٦١ھ)
دار السلام۔ الرياض۔ الطبعة الاولى۔ ١٩٩٨ء

★ **سنن الترمذی**: ابو عيسىٰ محمد بن عيسى بن سورة الترمذي۔(المتوفى: ٢٧٩ھ)
دار السلام۔ الرياض۔ الطبعة الاولى۔ ١٩٩٩ء

★ **سنن ابی داود**: ابو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الأزدي۔(المتوفى: ٢٧٥ھ)
دار السلام۔ الرياض۔ الطبعة الاولى۔ ١٩٩٩ء

★ **سنن النسائی**: ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعيب بن على النسائي۔(المتوفى: ٣٠٣ھ)
دار السلام۔ الرياض۔ الطبعة الاولى۔ ١٩٩٩ء

★ **سنن ابن ماجه**: ابو عبد الله محمد بن يزيد القزوينى۔ (المتوفى: ٢٧٣ھ)
دار السلام۔ الرياض۔ الطبعة الاولى۔ ١٩٩٩ء

★ **مسند احمد بن حنبل**: احمد بن محمد بن حنبل ابو عبد الله الشيباني (المتوفى: ٢٤١ھ)
دار الفكر العربي، المكتب الاسلامی بيروت۔
مسند أحمد مذيلة بأحكام شعيب الأرنؤوط، مؤسسة قرطبة۔ القاهرة۔

★ **المصنف فی الأحاديث والآثار**: أبو بكر، عبد الله بن محمد بن أبي شيبة (المتوفى: ٢٣٥ھ)
مكتبة الرشد الرياض۔ الطبعة الأولى ١٤٠٩ھ۔

★ **سنن الدارمی**: أبو محمد عبد الله بن عبد الرحمن الدارمی (المتوفى: ٢٥٥ھ)
دار المغنى السعودية، الطبعة الأولى ٢٠٠٠ء۔

★ **مسند البزار المنشور باسم البحر الزخار**: أبو بكر أحمد بن عمرو البزار (المتوفى: ٢٩٢ھ)
مكتبة العلوم والحكم، المدينة المنورة. الطبعة الأولى ٢٠٠٩ء۔

★ **سنن الدار قطنی**: أبو الحسن على بن عمر بن أحمد بن مهدي الدار قطنی (المتوفى: ٣٨٥ھ)
مؤسسة الرسالة بيروت لبنان. الطبعة الأولى ٢٠٠٤ء۔

★ **المعجم الكبير**: أبو القاسم سليمان بن أحمد بن أيوب الطبراني (المتوفى: ٣٦٠ھ)
مكتبة العلوم والحكم الموصل۔ الطبعة الثانية ١٩٨٣ء۔
مكتبة ابن تيمية القاهرة۔ الطعبة الثانية۔

★ **المعجم الاوسط**: أبو القاسم سليمان بن أحمد بن أيوب الطبراني (المتوفى: ٣٦٠ھ)
دار الحرمين القاهرة۔

★ **المستدرك على الصحيحين:** ابو عبد الله الحاكم النيسابوري (المتوفى ٤٠٥هـ)
دار المعرفة بيروت۔ لبنان۔ الطبعة الاولى ١٩٨٦ء

★ **السنن الكبرى للبيهقي:** أحمد بن الحسين، أبو بكر البيهقى (المتوفى ٤٥٨هـ)
دار الكتب العلمية بيروت لبنان. الطبعة الثالثة ٢٠٠٣ء۔

★ **شعب الإيمان:** أحمد بن الحسين بن أبو بكر البيهقى (المتوفى: ٤٥٨ هـ)
الناشر: مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض بالتعاون مع الدار السلفية ببومباي بالهند۔ الطبعة: الأولى، ١٤٢٣ هـ / ٢٠٠٣ء

★ **المنتقى لابن الجارود:** أبو محمد عبد الله بن على بن الجارود (المتوفى ٣٠٧هـ)
مؤسسة الكتاب الثقافية ، بيروت۔ الطبعة الأولى ١٩٨٨ء۔

★ **جامع بيان العلم وفضله:** أبو عمر يوسف بن عبد الله النمري القرطبى (المتوفى ٤٦٣هـ)
دار ابن الجوزي السعودية۔ الطبعة الأولى ١٩٩٤ء۔

★ **مشكاة المصابيح:** محمد بن عبد الله الخطيب العمري، التبريزي (المتوفى: ٧٤١هـ)
المكتب الإسلامى، بيروت۔ الطبعة الثالثة ١٩٨٥ء۔

★ **شرح السنة للبغوى:** محى السنة، أبو محمد الحسين بن مسعود البغوي (المتوفى ٥١٦هـ)
المكتب الإسلامى دمشق بيروت۔ الطبعة الثانية، ١٩٨٣ء۔

★ **كنز العمال فى سنن الأقوال والأفعال:**
علاء الدين على بن حسام الدين، المتقى الهندي (المتوفى ٩٧٥هـ)
مؤسسة الرسالة۔ الطبعة الخامسة۔ ١٩٨١ء۔

کتب لشرح الحدیث وعلوم الحدیث

★ **فتح البارى:** احمد بن على بن حجر العسقلانى (المتوفى ٨٥٢هـ)
مطبوعه دار السلام الرياض، الطبعة الاولى - ٢٠٠٠ء

★ **هدى السارى مقدمة فتح البارى:** احمد بن على بن حجر العسقلانى (المتوفى ٨٥٢هـ)
مطبوعه دار السلام الرياض، الطبعة الاولى - ٢٠٠٠ء

★ **عمدة القارى:** بدر الدين ابو محمد محمود بن احمد العينى (المتوفى ٨٥٥هـ)
دار احياء التراث العربي بيروت لبنان

★ **التوضيح لشرح الجامع الصحيح:**
ابن الملقن عمر بن على بن أحمد الشافعى المصري (المتوفى: ٨٠٤هـ)
دار النوادر، دمشق۔ سوريا۔ الطبعة الأولى، ١٤٢٩ هـ / ٢٠٠٨ء

کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام و خلفائہ

★ براہین احمدیہ حصہ سوم...... روحانی خزائن جلد ۱
★ سرمہ چشم آریہ ...... روحانی خزائن جلد ۲
★ الحق مباحثہ لدھیانہ ...... روحانی خزائن جلد ۴
★ برکات الدعا...... روحانی خزائن جلد ۶
★ شہادت القرآن ...... روحانی خزائن جلد ۶
★ نور الحق حصہ اول ...... روحانی خزائن جلد ۸
★ سر الخلافۃ ...... روحانی خزائن جلد ۸
★ آریہ دھرم ...... روحانی خزائن جلد ۱۰
★ اسلامی اصول کی فلاسفی ...... روحانی خزائن جلد ۱۰
★ ضمیمہ رسالہ انجام آتھم ...... روحانی خزائن جلد ۱۱
★ خطبہ الہامیہ ...... روحانی خزائن جلد ۱۶
★ گورنمنٹ انگریزی اور جہاد ...... روحانی خزائن جلد ۱۷
★ کشتی نوح...... روحانی خزائن جلد ۱۹
★ لیکچر لاہور...... روحانی خزائن جلد ۲۰
★ چشمۂ مسیحی...... روحانی خزائن جلد ۲۰
★ براہین احمدیہ حصہ پنجم ...... روحانی خزائن جلد ۲۱
★ چشمۂ معرفت ...... روحانی خزائن جلد ۲۳
★ براہین احمدیہ حصہ چہارم... روحانی خزائن جلد ۱
★ ازالہ اوہام ...... روحانی خزائن جلد ۳
★ آئینہ کمالاتِ اسلام ...... روحانی خزائن جلد ۵
★ جنگِ مقدس ...... روحانی خزائن جلد ۶
★ حمامۃ البشریٰ...... روحانی خزائن جلد ۷
★ نور الحق حصہ دوم...... روحانی خزائن جلد ۸
★ انوار الاسلام...... روحانی خزائن جلد ۹
★ ست بچن ...... روحانی خزائن جلد ۱۰
★ ایام الصلح...... روحانی خزائن جلد ۱۴
★ تحفہ غزنویہ...... روحانی خزائن جلد ۱۵
★ لجۃ النور ...... روحانی خزائن جلد ۱۶
★ تحفہ گولڑویہ ...... روحانی خزائن جلد ۱۷
★ نسیمِ دعوت ...... روحانی خزائن جلد ۱۹
★ رسالہ الوصیت ...... روحانی خزائن جلد ۲۰
★ تجلیاتِ الٰہیہ...... روحانی خزائن جلد ۲۰
★ حقیقۃ الوحی ...... روحانی خزائن جلد ۲۲

Published by:
Islam International Publications Limited,
Islamabad, Sheephatch Lane, Tilford, Surrey, GU10 2AQ, UK 2009.

★ تذکرہ (مجموعہ الہامات، کشوف ورؤیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام) ناشر نظارت اشاعت ربوہ
مطبع ضیاء الاسلام پریس ربوہ، ایڈیشن چہارم ۲۰۰۴ء۔
★ ملفوظات حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام - نظارت اشاعت ربوہ۔
★ درثمین (اُردو) مع فرہنگ:
حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود بانیٔ جماعت احمدیہ کا پُر معارف اُردو منظوم کلام۔
ناشر: شعبہ اشاعت لجنہ اماء اللہ کراچی، طبع اول۔ وائی، آئی پرنٹنگ پریس کراچی۔

★ فصل الخطاب لمقدمۃ اھل الکتاب–افاضات حضرت مولوی نور الدین خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ
ناشر: الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ ربوہ۔
★ نور الدین بجواب ترکِ اسلام–مصنفہ حضرت مولوی نور الدین بھیروی خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ
★ فضائل القرآن نمبر ۴ .... انوار العلوم جلد ۱۲
★ انقلابِ حقیقی .... انوار العلوم جلد ۱۵
★ اسوۂ حسنہ .... انوار العلوم جلد ۱۷
★ دیباچہ تفسیر القرآن .... انوار العلوم جلد ۲۰
★ قرآن کریم پڑھنے پڑھانے کے متعلق تاکید .... انوار العلوم جلد ۱۸
★ مجلس انصار اللہ مرکزیہ کے دوسرے سالانہ اجتماع ۱۹۵۶ میں خطابات .... انوار العلوم جلد ۲۵
تصانیف سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ
فضل عمر فاؤنڈیشن

Published by:
Islam International Publications Limited,
Islamabad, Sheephatch Lane, Tilford, Surrey, GU10 2AQ, UK.

★ خطباتِ محمود جلد ۲۸ (خطباتِ جمعہ ۱۹۴۷ء)
فرمودہ سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ
زیر اہتمام فضل عمر فاؤنڈیشن۔
★ خطباتِ ناصر جلد اوّل (خطباتِ جمعہ نومبر ۱۹۶۵ء تا دسمبر ۱۹۶۷ء)
فرمودہ سیدنا حضرت حافظ مرزا ناصر احمد خلیفۃ المسیح الثالثؒ۔
نظارت اشاعت ربوہ۔ ۲۰۰۵ء۔ بلیک ایرو پرنٹرز لاہور۔
★ خطباتِ ناصر جلد ششم (خطباتِ جمعہ ۱۹۷۵ء تا ۱۹۷۶ء)
فرمودہ سیدنا حضرت حافظ مرزا ناصر احمد خلیفۃ المسیح الثالثؒ۔
نظارت اشاعت ربوہ۔ ۲۰۰۷ء
★ الہام، عقل، علم اور سچائی –سیدنا حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابعؒ۔
نظارت اشاعت ربوہ۔ ۲۰۰۷ء
★ خطباتِ مسرور جلد دوم (خطباتِ جمعہ ۲۰۰۴ء)
فرمودہ سیدنا حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز۔
نظارت اشاعت ربوہ۔ ۲۰۰۵ء
★ خطباتِ مسرور جلد ۱۳ (خطباتِ جمعہ ۲۰۱۵ء)
فرمودہ سیدنا حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز۔
نظارت اشاعت ربوہ۔

کتب السیرة والتاریخ

★ **السیرة النبویة لابن ھشام:** أبو محمد عبد الملك بن ھشام (المتوفی ٢١٣ھ)
دار الكتاب العربي بیروت۔ الطبعة الثانیة۔ ١٣٧٥ھ / ١٩٥٥ء

★ **الطبقات الکبریٰ لابن سعد:** أبو عبد اللہ محمد بن سعد بن منیع (المتوفی: ٢٣٠ھ)
الناشر: دار الكتب العلمیة بیروت۔ الطبعة: الأولی، ١٤١٠ ھ - ١٩٩٠م

★ **دلائل النبوة:** أبو نعیم أحمد بن عبد اللہ الأصبھاني (المتوفی ٤٣٠ھ)
دار النفائس بیروت۔ الطبعة الثانیة ١٩٨٦ء۔

★ **الفَرق بین الفِرق:** عبد القاھر بن طاھر الأسفرایینی (المتوفی ٤٢٩ھ)
دار الآفاق الجدیدة، بیروت۔ الطبعة الثانیة ١٩٧٧ء۔

★ **معجم البلدان للحموی:** أبو عبد اللہ یاقوت بن عبد اللہ الحموي (المتوفی ٦٢٦ھ)
دار صادر بیروت۔ الطبعة الثانیة ١٩٩٥ء۔

★ **تاریخ الطبری (تاریخ الرسل والملوك):** أبو جعفر محمد بن جریر الطبري (المتوفی ٣١٠ھ)
دار التراث، بیروت۔ الطبعة الثانیة ١٣٨٧ھ۔

★ **تاریخ الخمیس فی أحوال أنفس النفیس:** حسین بن محمد الدِّیار بَکْري (المتوفی ٩٦٦ھ)
دار صادر بیروت۔

★ **السیرة النبویة لابن کثیر:** أبو الفداء إسماعیل بن عمر بن کثیر (المتوفی ٧٧٤ھ)
دار المعرفة بیروت لبنان۔ ١٩٧٦ء۔

★ **الإصابة فی تمییز الصحابة:** أحمد بن علی بن حجر العسقلاني (المتوفی ٨٥٢ھ)
دار الكتب العلمیة بیروت۔ الطبعة الأولی ١٤١٥ھ۔

★ **شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیة بالمنح المحمدیة:**
أبو عبد اللہ محمد بن عبد الباقی، الزرقاني (المتوفی ١١٢٢ھ)
دار الكتب العلمیة، الطبعة الأولی۔ ١٩٩٦ء۔

★ سیرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم - مصنفہ حضرت مرزا بشیر احمد (ایم اے) رضی اللہ عنہ
Islam International Publications Limited,
Islamabad, Sheephatch Lane, Tilford, Surrey, UK. 2003.

☆☆☆

★ سیرتِ طیبہ - مصنفہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے رضی اللہ عنہ۔
نظارت اشاعت ربوہ۔ مطبع ضیاء الاسلام پریس ربوہ۔

☆☆☆

کتب اللّغة والمعاجم

★ مقاييس اللغة: أحمد بن فارس بن زكرياء القزويني (المتوفى ۳۹۵ھ)
دار الفكر۔ ۱۹۷۹ء۔

★ تاج العروس من جواهر القاموس:
محمد بن محمد بن عبد الرزاق، مرتضى الزَّبيدي (المتوفى ۱۲۰۵ھ)
دار الفكر بيروت۔ الطبعة الأولى۔ ۱۹۹٤ء۔

★ لسان العرب: محمد بن مكرم بن على، ابن المنظور (المتوفى ۷۱۱ھ)
دار صادر بيروت۔ الطبعة الثالثة۔ ۱٤۱٤ھ۔

★ أقرب الموارد في فصح العربية والشوارد: سعيد الخوري الشرتوني اللبناني۔
منشورات مكتبة آية الله العظمى المرعشي النجفي۔ ايران۔ ۱٤۰۳ھ

★ قاموس الوحيد: علامه وحيد الزمان قاسمی کیرانوي (المتوفى ۱۹۹۵ء)۔
ادارۂ اسلامیات لاھور۔ اشاعت اوّل ۲۰۰۱ء

★ اردو لغت: اردو لغت بورڈ۔ ترقی اردو بورڈ کراچی۔ ایڈیشن اوّل ۔ ۱۹۹۲ء

الكتب الأخرى والرسائل

★ کتاب مقدس: مطبوعہ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور۔ ۱۹۲۲ء۔

★ کتاب مقدس: (یعنی پرانا اور نیا عہد نامہ) پاکستان بائبل سوسائٹی۔ انارکلی لاہور۔ ۱۹۶۵ء۔
Printed by: Lowe and Brydone Printers Ltd. London, N.W.10

★ تاریخ فرشتہ: مصنفہ ملا محمد قاسم فرشتہ۔ مطبوعہ نول کشور۔

★ درّ عدن: کلام حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ رضی اللہ عنہا۔
نظارت اشاعت ربوہ۔ مطبع ضیاء الاسلام پریس ربوہ۔ ۱۹۹۶ء۔

★ التجوید: مصنفہ جمیل الرحمٰن رفیق صاحب

★ The Life of Mahomet And History of Islam
Author: Sir William Muir (1819 – 1905),
Published by: Smith, Elder & Co. London. 1858.

☆☆☆